یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ مرمر شوی — چون بصاحبدل رسی گوہر شوی

رومی رح

تذکرۂ اولیائے کشمیر

موسوم بہ

اسرار الاخیار

یعنی

تاریخ حسن کا تیسرا حصہ

غلام محمد نور محمد تاجران کتب مہاراج گنج بازار سری نگر
سرینگر کشمیر نے
اپنے کوہ نور پریس میں چھپوا کر شائع کیا۔
جنوری سنہ ۱۹۶۰

فہرست مضامین تذکرۃ الاولیاء

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۵۲	سید محمد کرمانی	۳۰	تاشوان
۵۳	سید فخرالدین	۳۰	نبوہ (چھراٹ)
۵۴	سید محمد جبہ پوش	۳۱	مزار سلاطین
۵۵	سید عبداللہ	۳۱	چھتہ بل
۵۶	سید سلیمان	۳۱	صفاکدل
۵۷	سید کمال	۳۱	اہامر
۵۸	سید حسین منطقی	۳۱	مزار سلاطین
۵۹	سید محمد بیہقی	۳۲	کاندہامہ
۶۰	سید حسین	۳۳	بیدہ پورہ (پھاک)
۶۱	سید محمد افضل	۳۳	نوشہرہ سرینگر
۶۲	سید حبیب اللہ	۳۳	نوشہرہ "
۶۳	سید خلیل	۳۳	مبنا مالیسمہ
۶۴	سید محمد علی و سید محمد ولی	۳۴	زنیدر نار نادہ پورہ
۶۵	سید حسن منطقی	۳۳	دانتی پورہ
۶۶	سید محمد امین ویسی	۳۴	آخر ذیقعدہ سنہ ۸۶۹ مالیکدل
	سید بدرالدین ثانی	۳۹	زینہ کدل
	سید نورالدین	۳۹	زینہ کدل
	سید فخرالدین	۳۹	سالورہ (لار)
۷۰	سید حسین بلادوری	۳۹	۷ رجب سنہ ۸۶۰ راجوریکدل
۷۱	سید محمد رفاعی	۴۰	جانباز پورہ بارہمولہ

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۷۲	سید بلال	۴۰	۱۴ ربیع الاول سنہ ۸۶۱ لنبل کنار نالہ لنبل
۷۳	سید حاجی مراد	۴۰	سنہ ۹ کریری (کروہن)
۷۴	سید ناصر بیہقی	۴۱	بھمبر جموں
۷۵	سید فضل اللہ	۴۲	اونتی پورہ مقبرہ سید حسن
۷۶	سید محمد و سید احمد کرمانی	۴۲	نواکدل
۷۷	سید حسن ثانی	۴۲	اونتی پورہ
۷۸	سید حبیب اللہ	۴۲	مزار گنج بخش
۷۹	سید حیدر	۴۲	کریری (کروہن)
۸۰	سید سعید	۴۳	کریری
۸۱	سید برہان	۴۳	اسکندر پورہ
۸۲	سید عبداللطیف	۴۳	جانباز پورہ بارہمولہ
۸۳	سید سعید عرف احمد خوشاب	۴۳	جامع مسجد سرینگر
۸۴	سید فخرالدین	۴۳	بنوہ (چھراٹ)
۸۵	سید محمد نوری	۴۴	گوجوارہ
۸۶	سید فرید	۴۴	جمالٹہ
۸۷	سید عبداللہ	۴۴	جنک (پھاک)
۸۸	سید جعفر	۴۴	چھترہار (پھاک)
۸۹	سید یعقوب	۴۴	کھور (متصل پٹن)
۹۰	سید قمرالدین	۴۴	۲۴ محرم سنہ ۹۰۷ شیر گڈھی سرینگر
۹۱	سید حبیب اللہ	۴۴	امورہ (آڈون)
۹۲	سید عبداللہ شیت ولی	۴۵	اندرواری

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۹۳	سید مسیحی	۴۵	نوبہ زچہ بازار
۹۴	سید محمد اختاج	۴۵	نوہٹہ
۹۵	سید محمد عراقی	۴۵	ملارٹہ
۹۶	سید حاجی محمد و سید نور محمد	[illegible]	کرنہ نہیار
۹۷	سید شہاب الدین سندی	۴۵	ملک پورہ
۹۸	سید موسیٰ بغدادی	۴۵	شاخہ مرگ
۹۹	سید رکن الدین بغدادی	۴۵	زنگہ محل (ناگام)
۱۰۰	سید حسین	۴۶	صحن خانقاہ معلیٰ
۱۰۱	سید حسین زندہ پوش	۴۶	خانقاہ معلیٰ
۱۰۲	سید نور محمد کرمانی	۴۶	سازگری محلہ
۱۰۳	سید جعفر	۴۶	ٹھینو (لار)
۱۰۴	سید محمد صابر	۴۶	جبر بیروہ
۱۰۵	سید اسماعیل	۴۶	زانیگام بیروہ
۱۰۶	سید داؤد	۴۶	فجہ پورہ بیروہ
۱۰۷	سید محمد کرمانی	۴۶	آبہ گام سوپور
۱۰۸	سید حبیب کاشانی	۴۶	مزار گنج بخش
۱۰۹	سید محمد منطقی	۴۶	چھتہ بل کنارہ
۱۱۰	میر اسماعیل	۴۷	ملہ پورہ کھوہیا
۱۱۱	سید حبیب سرخابی	۴۷	کاوڈارہ
۱۱۲	سید موسیٰ	۴۷	اکو - بانگل
۱۱۳	سید ذوالفقار	۴۷	اکو - بانگل
۱۱۴	سید جعفر	۴۷	" "
۱۱۵	سید ابوالفضل	۴۷	" "
۱۱۶	سید معصوم	۴۷	" "

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۱۱۷	سید قاسم	۴۷	تیلہ گام
۱۱۸	سید داؤد	۴۷	انکو۔ بانگل
۱۱۹	سید عزیز	۴۷	" "
۱۲۰	سید محمد بخاری	"	کرالہ پورہ (بانگل)
۱۲۱	سید محمد خلیل	۴۸	علاقہ بانگل
۱۲۲	سید محمد جلیل	"	" "
۱۲۳	سید کاشانی	"	بوزہ گر محلہ سرینگر
۱۲۴	سید محمد	"	سرینگر
۱۲۵	سید عمر	"	سرینگر
۱۲۶	سید علی	۴۸	بوزہ گر محلہ سرینگر
۱۲۷	سید کاظم	"	چھتہ بل سرینگر
۱۲۸	سید مراد	"	تک "
۱۲۹	سید جعفر	"	ان کی "
۱۳۰	سید میر معروف ثانی سید قادر	"	قبریں "
۱۳۱	سید حسین	"	منتشر ہیں
۱۳۲	سید ذوالفقار	"	سکہ ڈافر اور ان
۱۳۳	سید علی	"	کے اطراف میں
۱۳۴	سید عبداللہ	"	" "
۱۳۵	سید قاسم	"	" " "
۱۳۶	سید حسین	"	" " "
۱۳۷	سید ابراہیم	"	" " "
۱۳۸	سید شاہنواز	"	" " "
۱۳۹	سید اسحاق	"	" " "

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۱۴۰	سید اسماعیل	۴۸	سکہ ڈافر کے نواح میں
۱۴۱	سید فیروز	"	نوبناغ سکہ ڈافر "
۱۴۲	سید برخوردار	۴۸	۱۴ ربیع الاول خانقاہ کی ہمسائیگی میں
۱۴۳	سید جعفر	۴۹	راول پورہ
۱۴۴	سید منصور	"	زالہ ڈگر
۱۴۵	سید احمد	"	سرینگر کے باہر ڈیڈیاں میں
۱۴۶	سید نصیرالدین خانیاری	"	خانیار
۱۴۷	یوزآصف	۵۰	خانیار متصل سید نصیرالدین
۱۴۸	میر داؤد علاقہ دوارکی	۵۱	مزار سلاطین
۱۴۹	سید محمد کرمانی	۵۱	قلعہ ہاری پربت
۱۵۰	سید کالو	۵۱	مزار سنگین
۱۵۱	سادات پارسائیہ (سید جلال۔ سید باقر۔ سید حسین۔ سید احمد۔ سید جعفر۔ سید ابراہیم۔ سید محمد)	۵۱	روضہ سلطان العارفین کے دامن میں
۱۵۲	سید محمد حالی	۵۲	بہکر پورہ
۱۵۳	سید محمد بغدادی	۵۳	دیدہ مر
۱۵۴	سید نور شاہ بغدادی	۵۲	گنڈ دیوہ سر
۱۵۵	سید حسن بیہقی	۵۲	دکان شری بٹ
۱۵۶	سید محمد بیہقی	۵۳	" "
۱۵۷	سید محمد منطقی ثانی	۵۳	تاشون مزار ملہ فتو
۱۵۸	سید جلال الدین خافظ	۵۳	نواح نوہٹہ
۱۵۹	سید نعمت اللہ	۵۳	" "

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۱۶۰	سید اسماعیل شامی	۵۳	ہندوستان میں
۱۶۱	قاضی حبیب اللہ خوارزمی	۵۴	مزار سلاطین
۱۶۲	سید (محمد) احمد کرمانی	۵۴	مزار گنج بخش
۱۶۳	سید مسافر	۵۵	روضہ سید محمد کرمانی
۱۶۴	سید جلال	۵۶	"
۱۶۵	سید محمد جبن پوش	۵۶	بولٹہر کے کنارے
۱۶۶	سید جمال الدین بخاری	۵۶	بیرون کشمیر بخارا
۱۶۷	میر بابا حیدر	۵۸	۹ محرم سنہ ۹۹۹ تولہ مولہ
۱۶۸	خواجہ ضیاء الدین امجد	۵۸	زیارت مخدوم صاحب
۱۶۹	سید محمد دولت	۵۸	" "
۱۷۰	سید محمد عالم	"	" "
۱۷۱	سید محمد اعظم	"	" "
۱۷۲	سید محمد عادل	"	" "
۱۷۳	خواجہ خاوند محمود نقشبندی	۵۹	۱۱ شعبان سنہ ۱۰۵۰ھ لاہور
۱۷۴	میر حمزہ کریری	۶۰	سنہ ۱۰۲۶ کریری
۱۷۵	میر باقر	۶۰	کریری
۱۷۶	میر محمد یوسف	۶۰	"
۱۷۷	میر شمس الدین اندرابی	۶۱	مسجد کلاشاہ کے پاس
۱۷۸	شاہ نعمت اللہ قادری	۶۱	ہندوستان
۱۷۹	میر میرک اندرابی	۶۲	۵ صفر ۹۹۰۔ ملارٹہ
۱۸۰	میر شاہ بابا	۶۳	
۱۸۱	میر عبدالفتاح	۶۳	۱۷ رجب سنہ ۹۴۱۔ پونچھ

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۱۸۲	سید ابراہیم خان	۶۳	مزار سلاطین
۱۸۳	سید مبارک خان بیہقی	۶۴	سنہ ۹۹۹ ہجری مزار بستان
۱۸۴	سید حمید	۶۴	زالڈگر
۶۵	سید شمس الدین	۶۵	مقبرہ سید تاج الدین
۱۶۶	سید علی	۶۵	" "
۱۸۷	سید شمس الدین نوشہری	۶۵	نوشہرہ
۱۸۸	سید میر خان	۶۵	روضہ حضرت مخدوم کے مشرق میں
۱۸۹	سید حسن قمی	۶۶	شید پورہ زینہ گیر
۱۹۰	سید عبداللہ	۶۶	" "
۱۹۱	سید احمد	۶۶	احمد پورہ
۱۹۲	میر باقر نقشبندی	۶۶	بوہ چھراٹ
۱۹۳	میر فاضل	۶۷	" "
۱۹۴	سید احمد قریشی	۶۷	چھنیہ کھوباہل
۱۹۵	خواجہ معین الدین نقشبندی	۶۷	آخر محرم سنہ ۱۰۸۵ خواجہ بازار
۱۹۶	میر خداداد	۶۸	نوشہرہ
۱۹۷	میر سید علی خان	۶۹	سنہ ۱۰۸۳ چھوڈاہ
۱۹۸	شاہ محمد فاضل قادری	۶۹	۹ جمیدالاول سنہ ۱۱۱۷ خانیار
۱۹۹	سید حسن خان	۷۱	چیوڈارہ
۲۰۰	سید حسن بیہکی	۷۱	بیہکی
۲۰۱	سید روشن	۷۱	بارہمولہ
۲۰۲	میر ایوب بخاری	۷۱	گوتہ پورہ

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۲۰۳	میر افضل	۷۲	سنہ ۱۱۱۳ ملارٹہ
۲۰۴	میر محمد ہاشم	۷۲	آخر شوال سنہ ۱۲۷۵ گوجوارہ
۲۰۵	اخوند ملا طیب	۷۳	۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰۸۱ داخل کدل
۲۰۶	خواجہ نور الدین محمد آفتاب نقشبندی	۷۳	۷ شعبان سنہ ۱۱۵۶ خواجہ بازار نقشبند صاحب
۲۰۷	میر عبدالوہاب	۷۴	" "
۲۰۸	میر عبدالرشید	۷۴	۵ محرم سنہ ۱۱۸۰ عالی کدل
۲۰۹	سید عنایت علی	۷۶	مرزا کامل بیگ کے روضہ کے شمال میں
۲۱۰	خواجہ علاؤ الدین نقشبندی	۷۷	سنہ ۱۱۵۹ مقبرہ خواجہ باقی باللہ
۲۱۱	شاہ ابوالبقا	۷۸	سنہ ۱۱۳۶ بوہری کدل
۲۱۲	حاجی عتیق اللہ قادری	۷۹	سنہ ۱۱۵۹ زالڈگر سید منصور کے متصل
۲۱۳	میر اسد اللہ منطقی	۷۹	۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۱۵۵ مقبرہ ملا نصیر
۲۱۴	میر محمد حنیف	۸۰	سنہ ۱۱۶۱ بوہری کدل
۲۱۵	میر مقصود کریری	۸۰	کریری
۲۱۶	میر لطف اللہ دیداری	۸۰	سنہ ۱۱۶۸ تلکشورہ
۲۱۷	خواجہ کمال الدین نقشبندی	۸۱	۳۱ رجب سنہ ۱۱۸۸ خواجہ بازار نقشبند صاحب

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۲۱۸	خواجہ عبدالرحیم	۸۱	۲ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۰ خواجہ بازار
۲۱۹	خواجہ شاہ نیاز نقشبندی	۸۳	سنہ ۱۲۳۵ اکھال
۲۲۰	سید محمد عابد	۸۶	۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۸۵ متصل غار شیخ عبدالرشید
۲۲۱	سید غلام شاہ آزاد	۸۶	۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۲ خانیار
۲۲۲	سید عبداللہ بیہقی	۸۷	۹ محرم سنہ ۱۲۲۶ عالی کدل
۲۲۳	خواجہ سعد الدین نقشبندی	۸۷	سنہ ۱۲۱۲ خواجہ بازار
۲۲۴	سید عبدالرسول	۸۸	۲۵ شعبان سنہ ۱۱۷۰ متصل غار عبدالرشید
۲۲۵	سید بزرگ شاہ	۸۸	۴ رجب سنہ ۱۲۳۲ خانیار
۲۲۶	میر عبداللہ منطقی	۸۹	۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۵ خندہ بون
۲۲۷	شاہ اسد اللہ	۸۹	سنہ ۱۲۲۷ بوہری کدل
۲۲۸	سید موسیٰ	۸۹	متصل غار شیخ عبدالرشید
۲۲۹	خواجہ علاؤ الدین	۸۹	سنہ ۱۲۳۶ خواجہ بازار
۲۳۰	سید اکبر شاہ	۸۹	سنہ ۱۲۳۹ متصل غار شیخ عبدالرشید
۲۳۱	میر نجم الدین منطقی	۹۰	سنہ ۱۱۹۵ بغداد

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۲۳۲	سید جلال الدین	۹۰	خانیار
۲۳۳	خواجہ عبد الرشید	۹۰	
۲۳۴	میر کمال الدین اندرابی	۹۰	۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۰ زالڈگر سید منصور
۲۳۵	سید مقبول شاہ	۹۱	سنہ ۱۲۴۹ غار عبد الرشید
۲۳۶	میر بہاء الدین	۹۱	۹ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۳ خواجہ بازار
۲۳۷	سید حسن قادری	۹۲	۵ شعبان سنہ ۱۲۴۱ خانیار
۲۳۸	سید جمال الدین	۹۲	۵ شعبان سنہ ۱۲۷۱ ملارٹہ
۲۳۹	میر کرم اللہ	۹۳	میرزا کمال بیگ کے روضہ کے شمال میں
۲۴۰	میر سعد اللہ شاہبادی	۹۳	منڈاہ
۲۴۱	خواجہ عبد النبی	۹۳	۳ جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۳ خواجہ بازار
۲۴۲	خواجہ فخر الدین	۹۳	پنجاب
۲۴۳	خواجہ محمد شاہ	۹۴	۱۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۶ لاہور
۲۴۴	میر احمد اندرابی	۹۴	سنہ ۱۲۸۴ ملارٹہ
۲۴۵	میر مبارک بیہقی	۹۴	سنہ ۱۲۸۱ ۔ خانواری
۲۴۶	میر نظام الدین بیہقی	۹۵	سنہ ۱۲۸۱ "
۲۴۷	میر سعید اندرابی	۹۵	۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ ملارٹہ
۲۴۸	میر عبد الغنی	۹۶	۵ جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۲ ملارٹہ

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۲۴۹	میر حسین قادری	۹۶	۲۲ ذالحجہ سنہ ۱۳۰۰ ۔ مزار جنت المعلیٰ عرب
۲۵۰	میر ثناء اللہ	۹۷	۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۹۲ ۔ کریری
۲۵۱	سید رسول شاہ	۹۷	۵ صفر سنہ ۱۲۹۴ ۔ گگہ بتھیری
۲۵۲	میر بزرگ شاہ	۹۸	۴ ذالحجہ سنہ ۱۲۹۸ ۔ لیہہ لداخ
۲۵۳	میر یاسین شاہ قادری	۹۸	۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۵ خانیار
۲۵۴	یوسف شاہ	۹۹	۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۶ لونرگر محلہ
۲۵۵	میر عزیز اللہ	۹۹	سنہ ۱۲[illegible] ۔ یارنگام
۲۵۶	شامہ بی بی	۱۰۰	پوشکر
۲۵۷	بہت بی بی	۱۰۰ قلندر دیکھو	زالسنو
۲۵۸	دوسرا خمیس ریشیوں کا صفحہ ۱۰۱		
۲۵۹	ریشیان طبقہ اول	۱۰۱	
۲۶۰	احمد ریشی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۶	۱۲ ربیع الاول ۔ مدینہ منورہ
۲۶۱	حضرت اویس قرنی	۱۰۶	۳ رجب سنہ ۳۰ ۔ قرن ۔ عرب
۲۶۱	" زنکار ریشی	۱۰۷	ڈنڈک ۔ جمل
۲۶۳	" میران ریشی	۱۰۸	لاش فضا میں اڑ گئی
۲۶۴	" رامودہ ریشی	۱۰۸	غار سے غائب ہو گئے
۲۶۵	لدرمن ریشی	۱۱۰	آری رای غار
۲۶۶	پلاس ریشی	۱۱۰	کرلیوہ بجبارہ
۲۶۷	حلاص من ریشی	"	"
۲۶۸	یاسمن ریشی	۱۱۱	"

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن
۲۶۹	سورن ریشی	۱۱۲	کانز ۔ ناگام
۲۷۰	نندی بخشی	۱۱۲	کرلیوہ ۔ بجبارہ
۲۷۱	حضرت شیخ نور الدین رح	۱۱۳	۲۶ رمضان سنہ ۸۲۰ چرار
۲۷۲	حضرت بابا بام الدین	۱۲۶	بومہ زوہ
۲۷۳	حضرت شیخ زین الدین	۱۲۸	عیش مقام
۲۷۴	شیخ بابا لطیف الدین	۱۳۲ الف	۵ پھاگن ۔ پوشکر
۲۷۵	بابا نصر الدین	۱۳۲ ب	سنہ ۸۵۵ ۔ چرار
۲۷۶	بابا قیام الدین	۱۳۴	منزگام (دیوسر)
۲۷۷	لچھم ریشی	۱۳۴	چرار
۲۷۸	بابا غلام الدین	۱۳۴	برین ۔ پھاگ
۲۷۹	بابا بدر الدین	۱۳۵	سابی ۔ بانگل
۲۸۰	بابا صدر الدین	"	"
۲۸۱	دتی ریشی	"	سابی
۲۸۲	موزن ریشی	"	بنگر داری
۲۸۳	بابا لچھم ریشی ددمبرا	"	تیجارہ
۲۸۴	مولانا نائک ریشی	"	
۲۸۵	بابا نازدین	۱۳۶	وترہ ہیل
۲۸۶	بابا قطب الدین (لکھی پنڈتانی)	"	چرار
۲۸۷	سنگرام ڈار	۱۳۷	"
۲۸۸	روپہ ریشی	"	پرگنہ وترہ
۲۸۹	سدہ ریشی	"	کھل نارہ واو

نمبر شمار	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۲۹۰	بابا ہبی ریشی	۱۲۷	کھل نارہ واو	۳۱۳	بابا حنیف الدین ریشی	۱۰۹	۷ جمادی الاول سنہ ۸۹۰ - یار	۳۳۴	بابا دیار ریشی	۱۱۷	دڑکھنی
۲۹۱	بابا زینی ریشی	″	″ ″	۳۱۴	سوزن ریشی	۱۱۰	یار	۳۳۵	ریگی ریشی	۱۱۷	شیرہ کوٹ پہا
۲۹۲	فیروز ریشی	″	″ ″	۳۱۵	بابا لدہ ریشی	۱۱۰	اندرون	۳۳۶	روپی ریشی	″	″ ″
۲۹۳	بابا فیروز ریشی	۱۲۷	بارپ رناگام	۳۱۶	بابا سماں ریشی	۱۱۰	اندرون	۳۳۷	بابا رتی ریشی	۱۱۸	منگنی پورہ کہ
۲۹۴	بابا گلاب ریشی	۱۲۸	کھل نارہ واو	۳۱۷	بابا دلہ ریشی	۱۱۰	اکہان	۳۳۸	سنگہ بی بی	۱۱۸	لولنٹو
۲۹۵	سدہ شیر کنٹھ	۱۲۸	پانپدر	۳۱۸	بابا شوکہ ریشی	″	″	۳۳۹	مقبرہ حضرت موسیٰ	۱۱۸	بولنٹو کے متصل
۲۹۶	بہت ہی بی	۱۲۹	ڑالسہ	۳۱۹	حاجی ریشی	″	″	۳۴۰	بابا نیکی ریشی	۱۱۹	بولنٹو
۲۹۷	دہتلی بی	۱۰۲	زالوسہ	۳۲۰	کسی ریشی	″	″	۳۴۱	بابا نوروز ریشی	۱۱۹	بولنٹو مقبرہ سنگہ بی
۲۹۸	سنگہ بی بی - یادنہ	۱۰۲	چمار	۳۲۱	سنت ریشی	″	″	۳۴۲	بابا لدہ مل	۱۲۰	ہندہ وان پورہ
۲۹۹	دنہ بی بی	۱۰۲	محلہ کچھری نوشہرہ	۳۲۲	رتن ریشی	″	″	۳۴۳	بابا ننگر مل	۱۲۱	″
۳۰۰	بڑی سلابی بی			۳۲۳	چالاک ریشی	″	″	۳۴۴	گنگہ بی بی	۱۲۱	″
	چھوٹی سلابی بی	۱۰۳	چرار	۳۲۴	ونت ریشی	″	″	۳۴۵	دنزہا کور	۱۲۲	عیش مقام
۳۰۱	بابا رجب دین	۱۰۳	ناگہ نارن (دچھنہ)	۳۲۵	بابا نوروز ریشی دوم	۱۱۱	حکدر بجبارہ	۳۴۶	بابا لستہ ریشی	″	کچھوہ - کردھی
۳۰۲	بابا شکور الدین	۱۰۴	مٹن لوڑہ	۳۲۶	بابا شمس الدین	۱۱۱	عیش مقام	۳۴۷	مبارک ریشی	۱۲۳	عیش مقام
۳۰۳	بابا فخر الدین	۱۰۴	پھاگ	۳۲۷	بابا پیام الدین	۱۱۲	۳ ذالحج سنہ ۸۹ - انوہ	۳۴۸	شیخ اکھدار ریشی	″	″
۳۰۴	بابا دریا الدین	″	″	۳۲۸	بابا دریا الدین	″	رنگل - پھاگ	۳۴۹	ہاکہ ریشی	″	″
۳۰۵	صبور ریشی	″	سنہ ۸۷۲ - ہالس	۳۲۹	مستہ ریشی	″	″	۳۵۰	داؤد ریشی	″	″
۳۰۶	بیر حسین ریشی	۱۰۵	سنہ ۹۰۰ ہالس	۳۳۰	بابا ننگی ریشی	۱۱۳	″	۳۵۱	افضل ریشی	″	″
۳۰۷	بابا نوروز ریشی	۱۰۵	ناگہ نارن	۳۳۱	بابا حنیف الدین	″	کوہ داراش - ماچھہ ہامون	۳۵۲	کنڈل ریشی	″	″
۳۰۸	بابا ہردی ریشی	۱۰۶	ناگہ نارن					۳۵۳	بتی ریشی	″	″
۳۰۹	بابا ننده ریشی	۱۰۶	″	۳۳۲	بابا لست ریشی	″	″	۳۵۴	فیغر ریشی	″	″
۳۱۰	بابا حاجی ریشی	۱۰۷	″	۳۳۳	بابا شکور الدین	۱۱۵	شبیرہ کوٹ پہاڑی کی چوٹی - بابا شکور الدین کی ننگرا ولر جھیل کے شمال مغرب میں	۳۵۵	صفی ریشی	″	″
۳۱۱	بابا شمس الدین	۱۰۸	تارگیام					۳۵۶	درہ ریشی	″	″
۳۱۲	میری ریشی	۱۰۹	بارپ ″					۳۵۷	نوروز ریشی	″	″

نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن
ریگی ریشی	۱۲۳	جیش مقام	۳۸۲	باباجوہرالدین	۱۳۸	چرار	۴۰۲	شیخ یعقوب مرید علی ریشی	۱۴۶	جمالٹہ
روپی ریشی	"	"	۳۸۳	بابا ہردے ریشی		غرہ ذیقعدہ سنہ ۹۸۶ اسلام آباد				
بابار ریشی	"	"					۴۰۳	لالہ ریشی	"	۸ ذیقعدہ سنہ ۱۰۵۰ - ذکرہ
شیخ پرپاپڑ	"	دترہ ہیل	۳۸۴	بابا گنگی ریشی	۱۳۸	سنہ ۱۰۶ دانیگام بانگل	۴۰۴	سونی ریشی	"	ـ
شیخ شریف اشوار	۱۲۵	چاڑیگام					۴۰۵	لالہ ریشی	۱۴۷	اکیل - پاپنور
بابا بالدی گنائی	"	زنڈو پال	۳۸۵	شیخ روپی ریشی	۱۳۹	۱۷ محرم سنہ ۹۹۷ حلہ کانل	۴۰۶	ابہ بر ریشی	"	بجھتہ پل
خواجہ بابا	۱۲۶	بارہ کوٹ	۳۸۶	اہر ریشی	۱۴۱	بجبارہ	۴۰۷	شیخ حسن (ملک بابا)	"	ناری پورہ (لار)
لدی کھٹور	"	بچہ کوٹ	۳۸۷	سہہ ریشی	۱۴۲	سنہ ۱۰۱۷ - دارا سیدہ پورہ	۴۰۸	شیخ حسن (لونہ ملک بابا)	"	دوسن - (لار)
بابا نوروز ریشی	۱۲۷	لولہ پورہ				"	۴۰۹	شیخ بہاء الدین گنج بخش	۱۴۸	غرہ رجب سنہ ۱۰۴۳ لکھام مزار کلاں
بابا جبزہ ریشی	"	"	۳۸۸	شکر ریشی	۱۴۲	بجبارہ				
بہرام ریشی	۱۲۸	"	۳۸۹	بنگر ریشی	۱۴۳	پاپنور	۴۱۰	میاں شاہی	۱۴۹	مزار بلبل شاہ
نجم ریشی	"	لوشکر	۳۹۰	شوگہ ریشی	"	شملیہار	۴۱۱	شیخ سلطان	"	پکھلی
آدن ریشی	۱۲۹	ڈانگرپورہ - بیروہ	۳۹۱	لدہ ریشی	"	لورہ گام	۴۱۲	حاجی ابراہیم ادہم	۱۵۰	شالہ واری (قلعہ ناری پربت)
حاجہ ریشی	"	لوشکر	۳۹۲	بابالمی ریشی	۱۴۴	اسلام آباد عیدگاہ				
ملک ژوگی ریشی	"	چرار	۳۹۳	اللہ داد ریشی	"	بجبارہ	۴۱۳	شیخ دبل بخاری	۱۵۰	مزار سلاطین
زوگر ریشی	۱۳۰	"	۳۹۴	لونی ریشی	"	کرلیو اسلام آباد	۴۱۴	شیخ داؤد	"	شہام پورہ
بابا لولی ریشی	۱۳۱	"	۳۹۵	زونی ریشی	"	"	۴۱۵	شیخ سلیمان	"	متصل جامع مسجد
ریپور ریشی	۱۳۲	ریشی پورہ	۳۹۶	شنگہ ریشی	"	"	۴۱۶	شیخ احمد خوشخوان	۱۵۱	متصل جامع مسجد
ریپی ریشی	۱۳۳	چرار	۳۹۷	شیخ نجم الدین ریشی (رنجی ریشی)	۱۴۵	سنہ ۱۰۸۲ - خوشی پورہ	۴۱۷	مولانا سعید	"	خانقاہ معلی
سہہ ریشی	"	"					۴۱۸	بابا عثمان اوچپ گنائی	۱۵۲	مزار سلاطین
ہاکہ ریشی	"	"	۳۹۸	شنگہ ریشی	"	خال دانی محلہ	۴۱۹	شیخ فتح اللہ	"	قاضی کدل
خستہ ریشی	"	"	۳۹۹	رذپی ریشی	۱۴۶	کوچھ مولہ (پرگنہ اولر)	۴۲۰	بابا اسماعیل زاہد	"	۱۲ ربیع الاول ۹۲۶ گنج بخش کے دربار کے باہر
جنید ریشی	"	"	۴۰۰	جہدی ریشی کاکاپوری	"	کاکاپورہ سنہ ۱۰۹				
یوسف ریشی	"	"	۴۰۱	علی ریشی	"	کونیل	۴۲۱	شیخ شمس الدین نوربادی	۱۵۳	زینہ پورہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۴۲۲	مولانا خاکی	۱۵۴	زینہ پور	۴۴۲	مولانا محمد آنی	۱۷۳	مزار گنج بخش	۴۶۴	صوفی اللہ داد	۱۸۶	
۴۲۳	ملک سیف الدین	۱۵۵	سنہ ۸۲۵ - راجوری کدل گنبد سنگین	۴۴۳	ملا فیروز مفتی	۱۷۳	سنہ ۹۷۱ - شہادت	۴۶۵	مولانا صوفی علی	۱۸۷	
۴۲۴	ملک سیف ڈار	"	زال گدل متصل تھگہ بابا صاحب	۴۴۴	ملا الیاس گنائی	"	سنہ ۹۷۱ - شہادت	۴۶۶	میاں یوسف	"	
۴۲۵	ملک الیاس ماگری	۱۵۶	احمد پورہ - بانگل	۴۴۵	ملا جوہر گنائی	۱۷۴	سنہ ۹۶۶	۴۶۷	میاں عزیب	"	
۴۲۶	ملک احمد ماگری	"	احمد پورہ	۴۴۶	ملا شمس الدین پال	"	مزار بقیع	۴۶۸	میاں علی	۱۸۸	
۴۲۷	ملک عثمان رینہ	"	تجر	۴۴۷	ملا داؤد لوسی	"		۴۶۹	مولوی جعفر	"	
۴۲۸	ملک احمد یتو	"	چھتہ بل	۴۴۸	شیخ بابا داؤد خاکی	۱۷۵	۴ صفر ۹۹۴ - روضہ سلطان العارفین	۴۷۰	ملا عبد الغنی	"	
۴۲۹	ملک یوسف	"	واتل کدل	۴۴۹	خواجہ حسن قاری بلا عیبری	۱۷۹	ستیوہ - زینہ گیر	۴۷۱	شیخ محمد شافی	"	
۴۳۰	ملک مسعود ٹھاکور	۱۵۷	گوجوارہ	۴۵۰	خواجہ اسحاق قاری	"	مزار بقیع	۴۷۲	خواجہ ابوالحق سمرقندی	"	
۴۳۱	ملک جلال ٹھاکور	"	لاسی پورہ	۴۵۱	شیخ احمد چاگلی	۱۸۰	چاگل ہندواڑہ	۴۷۳	بہادر شیخ	"	ہاروان
۴۳۲	لچھمہ خاتون	"	گوجوارہ	۴۵۲	شیخ حسن متولی	"	چندل پورہ - بارہمولہ	۴۷۴	زینتی ریشی	"	زینتی شاہ - درگہ مولہ
۴۳۳	ملک بلبد	۱۵۸	اچن گاؤں	۴۵۳	شیخ بہرام گورنینگی	۱۸۱	گورنینگ - اوڑ	۴۷۵	ہادی شیخ	۱۸۹	
۴۳۴	ملک آرغوش	"	لاسی پورہ	۴۵۴	شیخ بایزید شمہ ناگی	"	شمہ ناگ - اوڑ	۴۷۶	ملک ریگی	"	ملورہ
۴۳۵	ملک آیل پال	"	آرہ مولہ	۴۵۵	سنگرف گنائی	"	گنڈ ابراہیم	۴۷۷	نوروز ماگری	"	
۴۳۶	ملک گدا	"	سیرن	۴۵۶	خواجہ ابراہیم کول	۱۸۲		۴۷۸	خواجہ دیہکی پال	"	
۴۳۷	ملک اسماعیل	"	چترا گام	۴۵۷	خواجہ عثمان کول	۱۸۲	مدینہ منورہ	۴۷۹	خواجہ نوروز	۱۹۰	
۴۳۸	ملک ناصر	"	دیہہ پورہ	۴۵۸	مولانا میر افضل	۱۸۳	مکہ معظمہ	۴۸۰	خواجہ محمد شریف	"	
۴۳۹	بابا فتح اللہ	"	سیالکوٹ	۴۵۹	مولانا زین علی	"	زینہ واری	۴۸۱	خواجہ بہرف کول	"	
۴۴۰	محبوب العالم حضرت شیخ مخدوم حمزہ	۱۵۹	۲۴ صفر سنہ ۹۸۴ کوہ ماران اندرون	۴۶۰	میاں نعمت اللہ	"	ریپور - لار	۴۸۲	ملک پنجی ہبر	"	
۴۴۱	مولانا حافظ بصیر (ملہ بابا)	۱۷۲	سنہ ۹۲۶ ... بولن	۴۶۱	بابا علی رینہ	۱۸۴	تجر - زینہ گیر	۴۸۳	خواجہ علی ہانجی	"	
				۴۶۲	خواجہ بیرم	۱۸۵		۴۸۴	خواجہ ابو الفتح	"	
				۴۶۳	مولوی فیروز ثانی	"		۴۸۵	خواجہ سماعیل کانجو	"	
								۴۸۶	خواجہ کاجی ڈار	"	
								۴۸۷	یوسف نار	"	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۵۶	حاجی زتر بابان	۲۱۴	اٹھورہ (کرد بن)
۵۷	شیخ محمد پارسا	"	۲۲ محرم سنہ ۱۰۶۶ پالہ چھن کھوبیہامہ
۵۸	شیخ غاز الدین	۲۱۵	سنہ ۱۰۴ ۔ مادر کھوبیہامہ
۵۹	میر یعقوب	۲۱۶	
۶۰	خواجہ محمد پارسا	"	بانپور
۶۱	خواجہ زین الدین	۲۱۷	
۶۲	خواجہ بایزید	۲۱۷	
۶۵	خواجہ داؤد گنائی	"	
۶۶	خواجہ عطار	"	
۶۷	خواجہ مسعود	"	
۶۸	مولوی شیخ دولت	"	
۶۹	میاں بابا ذاکر	"	
۷۰	خواجہ عبداللہ قاری	"	
۷۱	باباحاجی بہرام	"	
۷۲	خواجہ زاہد کدری	"	
۷۳	پیر بابا یوسف	"	
۷۴	مولانا محمد کامراجی	"	کامراج
۷۵	باباحسن زاہد	"	
۷۶	خواجہ اسماعیل نادیہی	"	نادی ہل
۷۷	شیخ محمد چوٹی مولہ	"	چوٹی مولہ
۷۸	بابا یوسف [illegible]	"	ریڈونی
۷۹	شیخ [illegible]	"	
۸۰	شیخ عبداللہ زردی ولایتی	"	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۸۱	خواجہ ارزان	۲۱۷	منڈیجی زینہ گیر
۸۲	زینہ بابا بنیا پوش	"	
۸۳	شیخ حسن کھوبیہامی	"	کھوبیہامہ
۸۴	شیخ محمد صادق	"	
۸۵	شیخ محمد صادق	"	
۸۶	شیخ محمد کپنی	"	
۸۷	خواجہ الہداد کاسب	"	
۸۸	خواجہ ابراہیم	"	
۸۹	خواجہ احمد متقی	"	
۹۰	شیخ حسن مجذوب	"	
۹۱	ملا جوہر بانت	۲۱۸	حول سرینگر
۹۲	خواجہ لعل لو سیکرو	"	"
۹۳	خواجہ حکیم نازلو	"	
۹۴	شیخ موسیٰ	"	۹ صفر سنہ ۱۰۲۷ بینہ بامہ
۹۵	شیخ موسیٰ کیروی	۲۱۹	سنہ ۱۰۲۶ ۔ خانقاہ معلیٰ
۹۶	شیخ محمد سعید	"	اسلام آباد مزار ریشی صاحب
		"	
۹۷	ملا حسین خباز	"	۱۳ ذی الحجہ سنہ ۱۰۵۲ ۔ گوجوارہ
۹۸	خواجہ محمد صادق	۲۲۰	خانیطہ پورہ سرینگر
۹۹	شیخ محمد علی سوپوری	۲۲۱	عشرہ پیر ۔ سوپور
۱۰۰	شاہ قاسم حقانی	۲۲۱	۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۰۳۴ علاؤ الدین پورہ
۱۰۱	شیخ ابراہیم	۲۲۲	ڈیوہ سر
۱۰۲	شیخ لال	۲۲۴	احمد آباد ۔ گجرات

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۳	خواجہ محمد یوسف ماتنیجی	۲۲۷	سنہ ۱۰۵۵ ۔ بارہمولہ
۴	مولانا حسن آفاقی	"	ماکیر مقبرہ نوشہرہ
۵	خواجہ حبیب نوشہری	۲۲۸	۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰۲۷ ۔ نوشہرہ
۶	خواجہ یوسف ثانی	۲۳۰	تجوارہ
۷	شیخ محمد فارسی	۲۳۱	"
۸	مولانا شریف خادم	"	
۹	بابا نازک کشمیری	"	سنہ ۱۰۴۸ ۔ ملہ کھاہ
۱۰	حیدری علی بلخی	"	
۱۱	مولانا حسن ترکی	"	
۱۲	شیخ بہاء الدین کشمیری	"	
۱۳	مولانا الضیب	"	
۱۴	یوسف شوقی	"	
۱۵	میاں ناصر	"	
	شیخ محمد لبیب	۲۳۲	مقبرہ شگرف گنائی گنڈ ابراہیم
۱۶		"	
۱۷	خواجہ حسن خلانی	۲۳۳	خانقاہ معلیٰ
۱۸	خواجہ بہادر	"	
۱۹	مخدوم حاجی موسیٰ	"	قطب الدین پورہ مسجد
۲۰	مخدوم شیخ عبداللہ	"	"
۲۱	" " عباس	"	"
۲۲	" " عبدالواحد	"	"
۲۳	مولانا شاہ گدا	۲۳۴	سنہ ۹۶۹ مزار میر میرک ملاریٹہ
۲۴	بابا اسحاق	"	
۲۵	شیخ عبداللہ	"	سرزورہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۲۶	شیخ باباحاجی	۲۴۶/۲	بزورہ
۲۷	شیخ ابراہیم	"	آکھرن دیوہ سر
۲۸	باباحسین	"	مکان شیخ عبدالکریم فتحکدل
۲۹	میر محمد یوسف قادری	"	سنہ ۱۰۱۷ قاضی کدل
۳۰	میر احمد قادری	۲۴۰/۲	رجب سنہ ۱۰۴۱
۳۱	میر محمد علی قادری	"	۷ ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۰
۳۲	خواجہ حیدر ملنٹو (چرخی)	۲۴۰/۲	۲۲ صفر سنہ ۱۰۵۷
۳۳	خواجہ مومن جمیل	"	سنہ ۱۰۵۳ بغداد
۳۴	شمس الدین بن شیخ بنام یک	۲۴۷/۲	
۳۵	شیخ شمس الدین	۲۴۲/۲	
۳۶	شیخ داؤد گھنی	"	گھنی ۔ مراج
۳۷	شیخ حاجی حسن	"	
۳۸	مولوی یوسف	"	
۳۹	باباصالح	"	
۴۰	شیخ صالح	۲۴۹/۲	
۴۱	شیخ درویش	"	
۴۲	شیخ حسن لالو	۲۴۹/۲	صحن حضرت مخدوم "
۴۳	خواجہ حسن کمل	۲۴۰/۲	بٹہ کدل
۴۴	حاجی بہرام	"	لوچہ پورہ - اولر
۴۵	شیخ یعقوب ساذی	"	رڈتنی اسلام آباد
۴۶	شیخ مومن	۲۴۱/۲	سرینگر
۴۷	شیخ منصف	"	بریکھن
۴۸	ابیہ بالو	"	رینہ واری سنہ
۴۹	حاجہ بابا	۲۴۸	بجبارہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۵۰	شیخ ناصر بنگالی	۲۴۳/۲	۳ صفر سنہ ۱۰۸۹ نندپورہ
۵۱	ملک جہانگیر		مزار گنج بخش
۵۲	بابا مظفر	۲۴۳/۲	علاقہ اولر
۵۳	شیخ حسین	"	سنہ ۱۱۰۸ بیجاپور ہندوستان
۵۴	شیخ حیدر	۲۴۴/۲	سنہ ۱۰۷۴ گنڈ ابراہیم (شادکدل)
۵۵	شیخ اسماعیل	"	"
۵۶	شیخ داود مشکوتی	"	۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۷ گنڈہ پورہ متصل عیدگاہ
۵۷	بابا عبداللہ گزیالی	۲۴۵	سنہ ۱۱۱۶ گوریلی - اونتر
۵۸	خواجہ علی الماس	۲۴۶/۲	
۵۹	خواجہ بابا لدری	۲۴۶/۲	یسن (رانگل)
۶۰	باباصالح	"	دندہ نامہ
۶۱	بابا یوسف	"	تیلونی (کوٹہ ہار)
۶۲	شیخ حیدر	۲۴۶	گیرو علاقہ اولر
۶۳	شیخ دولت	۲۴۷/۲	حج کے راستے میں
۶۴	شیخ یوسف ثانی	"	ڈنگ وڈہ (اچھل)
۶۵	شیخ موسیٰ	"	الیشہ براری
۶۶	شیخ طاہر	"	علاقہ لار
۶۷	شیخ باباحاجی	"	گوری پورہ - لار
۶۸	باباصادق	"	بیری پورہ
۶۹	باباعثمان	۲۴۸/۲	لوہٹہ
۷۰	شیخ یعقوب	"	علاقہ کامراج
۷۱	بابا بدرالدین	"	قصبہ لار
۷۲	علی خان	"	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۷۳	کریم خان	۲۴۸/۲	
۷۴	شیخ ناصر	"	
۷۵	شیخ اسماعیل	"	
۷۶	حافظ رشید	"	
۷۷	حافظ شمس	"	
۷۸	حاجی محمد	"	
۷۹	ملا حسن	"	
۸۰	ملک جہانگیر	"	سدرہ کوٹ
۸۱	ملک کرزرینہ	"	بانڈی پورہ
۸۲	جوگی رینہ	"	ارن
۸۳	بابا شمس الدین	"	بجبارہ
۸۴	محمد امین صوفی	۲۴۹	ملہ کھاہ
۸۵	لبزی بالو	"	"
۸۶	حافظ داؤد	"	"
۸۷	خورم حافظ	"	"
۸۸	میاں حسین چشتی	"	
۸۹	میاں یحییٰ چشتی	۲۵۰/۲	
۹۰	نیروز شاہ	"	بجبارہ
۹۱	ملک نمک	"	بجبارہ
۹۲	ملہ بابا	"	
۹۳	اگر شاہ	"	علاقہ کامراج
۹۴	مخدوم شیخ محمد	"	قطب الدین پورہ
۹۵	مخدوم عبدالصمد	"	"
۹۶	مخدوم شیخ حامد		قطب الدین پورہ۔ نو مسجد

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۲۷	خواجہ بہلول یسوی	۲۹۳	۱۳ ذی الحجہ سنہ ۱۱۱۴ خواجہ بازار معین الدین نقشبندی
۲۸	حاجی عبد اللہ بلخی	"	
۲۹	بابا عثمان قادری	"	چھتہ بل
۳۰	بابا اسماعیل قادری	۲۹۴	آنچار
۳۱	شیخ محمد مراد رفیقی	"	
۳۲	لالہ بابو ہمدانی	۲۹۵	سنہ ۱۱۲۲ چندرہار
۳۳	شیخ عبد الرشید چکنی	۲۹۵	۲۹ ذی الحجہ سنہ ۱۱۱۹ کے باہر
۳۴	میاں ہاشم چشتی	"	سنہ ۱۱۱۶ خانیار
۳۵	شیخ عبد الرحیم	"	شوال سنہ ۱۱۲۰ مقبرہ میاں ہنگ شاہ کے متصل
۳۶	مرزا حیات بیگ	۲۹۶	۲ ذی الحجہ سنہ ۱۱۲۰ باغ حسن آباد
۳۷	میاں عنایت اللہ شال	"	ماہ شعبان سنہ ۱۱۲۵
۳۸	سلطان میر	۲۹۷	سنہ ۱۱۲۵
۳۹	قاضی دولت شاہ بخاری	"	۱۶ شوال سنہ ۱۱۲۹ دہلی
۴۰	شیخ محمد چشتی (رادھو)	"	۱۵ شوال سنہ ۱۱۲۶ باغ یوسف شاہ
۴۱	شیخ بہرام قادری	۲۹۸	متصل مزار مرزا اسلم کاشغری
۴۲	عبد الرحمان چشتی	"	" "
۴۳	شیخ مراد نقشبندی	"	۱۷ رجب سنہ ۱۱۴۰ بدہ گیر
۴۴	خواجہ عبد اللہ بلخی	۲۹۹	۹ محرم سنہ ۱۱۳۹ مدینہ منورہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۴۵	خواجہ عبید اللہ بخاری	۳۰۰	سنہ ۱۱۳۱ [illegible]
۴۶	بابا حیات	۳۰۱	۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۲ چھتہ بل
۴۷	حاجی گدا	"	بارہمولہ
۴۸	حاجی محمد صالح	"	لمہ کھاہ
۴۹	خواجہ حسن بچھ	"	"
۵۰	میرزا کمال الدین (مرزا کامل)	"	۲۹ دحول میرنگر
۵۱	خواجہ محمد ککرو	۳۰۷	مزار گنج بخش
۵۲	خواجہ حسین	۳۰۸	سورت بندر (ہندوستان)
۵۳	خواجہ عبد الرحیم گانی	"	قطب الدین پورہ
۵۴	خواجہ یوسف	۳۰۹	"
۵۵	شیخہ بابا	"	مزار بابا طاہر بچھ
۵۶	بابا قایم	"	"
۵۷	شاہ مظفر الدین	"	مزار سلاطین
۵۸	شیخ محمد یوسف زونیمبری	"	رونی مر
۵۹	شیخ مہدی	۳۱۰	شیخہ زوہ
۶۰	شیخ حسین کامراجی	"	شنیو - مچھی پورہ
۶۱	شیخ بڈی	"	زنگہ بینگ
۶۲	شیخ محمد فاضل زینبری	"	رفنی مر
۶۳	عبد الرشید	۳۱۱	
۶۴	شیخ داؤد اسلام آبادی	"	اسلام آباد
۶۵	محمد بابائی	۳۱۲	
۶۶	شیخ حبیب اللہ کازری	"	
۶۷	شاہ افضل چشتی	"	قاشپیرہ
۶۸	ملا عبد الرشید زرقاری	"	اندرون قلعہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۶۹	اسماعیل بابائی	۳۱۲	احمد اکدل
۷۰	میر ضیاء الدین نعیم	"	
۷۱	حافظ شاہ محمد قاری	"	
۷۲	خواجہ محمد سعید نقشبندی	"	
۷۳	خواجہ صادق ہانجو	"	
۷۴	شیخ حمزہ رفیقی	۳۱۳	پنجم صفر سنہ ۱۱۳۷ فتحکدل
۷۵	شیخ داؤد چشتی	"	
۷۶	شیخ جلال چشتی	"	بارہ مولہ
۷۷	شیخ محمد راد منتو	"	۷ شوال سنہ ۱۱۳۳
۷۸	شیخ عبد اللطیف قادری	۳۱۴	سنہ ۱۱۳۲ آنچار
۷۹	میر شرف الدین قادری	"	۱۵ شوال سنہ ۱۱۳۵ قاضی کدل
۸۰	میر عبد الشہید	"	۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۳۹
۸۱	بابا محمد یوسف فینو	"	بیرون قلعہ - مزار چشتیاں
۸۲	شیخ یعقوب	"	
۸۳	خواجہ عبد اللہ کبروی	۳/۵	مینی واری
۸۴	بابا حاتم گوجواری	"	گوجوارہ
۸۵	شاہ ابو الفتح گانگی	"	سنہ ۱۱۳۰ شہاب الدین پورہ
۸۶	بابا عبد الغفور	۳۱۶	۲۴ صفر سنہ ۱۱۰۶ بیرون دچھنہ
۸۷	بابا دن شیخ	۳۱۷	مزار خواجہ معین الدین نقشبندی
۸۸	بابا محمد صفی	۳۱۸	صحن خانقاہ معلی
۸۹	شیخ عبد اللطیف تمباکو فروش	"	
۹۰	خواجہ احمد ککرو	"	مقبرہ سید بارہ روشن بارہمولہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
[illegible]	شیخ عبداللطیف کول		کوہ ماران
۹	خواجہ محمد محسن		خنہ بون
۹۱	حوزم حافظ	۹/۲۶	تیلہ حال پورہ
۹۱	شیخ ابوالقاسم سہروردی	″	ملائی
۹۵	شیخ معین الدین رفیقی	″	۲۲ رمضان سنہ ۱۱۴۷ فتحکدل
۹۶	شیخ عبدالشکور نبل	″	گندرپورہ
۹۷	خواجہ محمد صادق متو	۳۰	
۹۸	مولانا ابوالفتح گاگنی	″	۶ محرم سنہ ۱۱۴۰
۹۹	میر ضیاء اللہ قادری	″	سنہ ۱۱۳۱ قاضی کدل
[illegible]	بابا محمد مہدی	″	غرہ ذوالقعدہ سنہ ۱۱۵۱ - المذروا
۹۰۳	شیخ عبداللہ	″	کہنگن
۲	شیخ بدرالدین	۳/۲	″
۳	عبدالرشید مانتجو	″	سنہ ۱۱۳۶
۴	خواجہ عبدالباقی	″	سنہ ۱۱۲۱ بیرون قلعہ
۵	حافظ حبیب اللہ	″	حبالکہ
۶	شیخ نوراللہ ڈلو	″	
۷	شیخ محمد صادق	″	
	شیخ علی	۳/۲	باغ یوسف شاہ
	شیخ صدیق	″	″
	شیخ عابد		
	شیخ فاروق	″	″
	پیر محمد سلطان	″	نئی بستی آباد

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۱۳	محمد اسماعیل	۴/۲	سنہ ۱۱۵۴
۱۴	حافظ احمد مارہمولی	۴/۳	بارہ مولہ
۱۵	میر قاسم احمدکدلی	″	احمدکدل
۱۶	عبدالرحیم کبروی	″	
۱۷	بابا عبدالباقی کبروی	″	صحن خانقاہ معلیٰ
۱۸	شیخ عبدالغنی لنگر	″	دکان سنگین
۱۹	شیخ قائم لیسوی (شب بیدار)	″	مزار مغل مسجد
۲۰	پیر ابوالقاسم	[illegible]	سنہ ۱۱۳۷ قاضی کدل
۲۱	شیخ محمد یوسف گرنشی	۴/۳	سنہ ۱۱۵۵ مزار یوسف ترکی
۲۲	قائم شاہ	″	
۲۳	شیخ عبدالرشید	″	۲۷ رجب سنہ ۱۱۵۵ شاہجہان آباد
۲۴	مولوی حاجی احمد	″	سنہ ۱۱۵۴
۲۵	میر عطاء اللہ	۳/۵	سنہ ۱۱۵۳ - مزار قاضی موسیٰ شہید
۲۶	مولانا زین الدین	″	سنہ ۱۱۲۵ - رینہ واری
۲۷	عبدالستار زرگر	″	
۲۸	عبدالرسول تارشنا کائرو فروش		
۲۹	خوشحال شاہ سوپوری	″	ٹولی بل سوپور
۳۰	شیخ صدیق	″	سنہ ۱۱۶۴ - اکن گام
۳۱	میر علی ثانی	″	۶ رجب سنہ ۱۱۵۵ - ملہ کھاہ
۳۲	ربی چچہ بیب	۳/۶	سنہ ۱۱۵۵ - ڈھگہ بابا صاحب
۳۳	حسین بابو	″	″

صفحہ	نام	صفحہ	مدفن
۳۴	حافظ مراد	۳/۶	سنہ ۱۱۵۴ - کھجوارہ
۳۵	شیخ انزلو	″	
۳۶	شیخ فتح اللہ	″	بجبارہ خانقاہ پنڈت
۳۷	بابا ابوالحسن	″	
۳۸	بابا یوسف درزی	۳/۷	
۳۹	لولی بابا	″	دبوہ سر
۴۰	حافظ محمد امین	″	دانتز
۴۱	بابا قاسم	″	کرپورہ سارا شہر
۴۲	شیخ عطاء اللہ	″	متصل مزار خواجہ اسماعیل چشتی
۴۳	حافظ ابراہیم	″	فتحکدل
۴۴	قاسم کاک	″	ننانگس
۴۵	شیخ صفی	″	کونن. کھوبہامہ
۴۶	شیخ عبدالغنی نوشہ	″	
۴۷	عبدالسلام سانگامی	″	ساگام
۴۸	شیخ محمد عابد	۳/۸	زونی مر
۴۹	شیخ نوراللہ مانتجی	″	شینو. کامراج
۵۰	شیخ حسن کمراجی	″	″ ″
۵۱	حافظ عنایت اللہ قادری	″	تختہ بکھری نوشہرہ
۵۲	ملا عبدالسلام وکیل بادشاہ	۳/۹	۸ شوال سنہ ۱۱۷۱ - گوجوارہ
۵۳	مولانا ابوالفتح پنڈت	″	یکم ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۷ - ملہ کھاہ
۵۴	مخدوم حمزہ	۳/۱	
۵۵	ملا محمد محسن	″	

بابا عبدالغفور الخ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۲۵	ملا عبدالغفور	۳۵۹	سنہ ۱۲۱۱ھ
۲۶	شیخ محمد یحییٰ زرفیقی		۱۹ ذیقعدہ - فتحکدل
۲۷	میاں محمد یوسف	۳۵۹	قطب الدین پورہ
۲۸	شاہ محمد یوسف	"	
۲۹	شیخ عثمان زاہد	"	باغ یوسف شاہ
۳۰	شاہ فرخ الدین (محمد فاروق متو)	"	سنہ ۱۱۵۱ - اندرون باچھ برن
۳۱	بابا محمد میرزا	۳۵۴	عالیکدل
۳۲	شیخ سیف اللہ	"	"
۳۳	شیخ دولت بابی	"	تذکرہ د کزد بیاہہ
۳۴	رحمہ شاہ	،	شتلوہ - جمل
۳۵	بابا محمد بلخی	۳۵۵	
۳۶	بابا عبداللہ لیسوی	"	حاجی بامحمد باغ خانیار
۳۷	حافظ ہدایت اللہ	"	پشاور سنہ ۱۱۸۱
۳۸	ملا مقصود متو	"	سنہ ۱۱۹۲
۳۹	مولانا محمود بلخی	"	مزار گنج بخش
۴۰	شیخ محمد اشرف فتحکدلی	"	سنہ ۱۱۹۵ ۴ ذی الحجہ - فتحکدل
۴۱	خواجہ زمان دار	۳۶۰	
۴۲	شاہ عنایت اللہ	،	سنہ ۱۱۹۴ ۳۰ ربیع الاول بلہ کھام
۴۳	بابا فقیر اللہ فیقی	۳۶۱	فتحکدل
۴۴	شیخ مصطفیٰ فیقی	"	سنہ ۱۱۹۴ ۲ رجب - فتحکدل
۴۵	لورہ محمد بابا خدو دل	"	سنہ ۱۱۹۵ ۲ رجب مقبرہ بتہ مالو
۴۶	بابا محمد اکبر	۳۶۲	سنہ ۱۱۹۵ صفر - مزار ملا محمد سہروردی
۴۷	شیخ محمود چشتی	"	بارہ مولہ
۴۸	شیخ عبدالکریم چشتی	"	بانبال پورہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۴۹	بابا عبدالوہاب	۳۶۳	پانپور
۵۰	شیخ محمد افضل	۳۶۴	سنہ ۱۱۹۶ - زونی مر
۵۱	مسعود شاہ	"	مقبرہ شاہ صادق قلندر
۵۲	میاں گل محمد کنگال	"	سنہ ۱۱۹۹ - پچھل بسرحد صدیہ
۵۳	میر محمد عالم قادری	۳۶۴	قاضی کدل
۵۴	شیخ عبدالستار	"	
۵۵	بابا محمد	"	
۵۶	میر نظام الدین	"	صحن خانقاہ معلیٰ
۵۷	حاجی محمد مسکین	"	بارہ مولہ
۵۸	شیخ عطاء اللہ دسیگامی	"	دربہ گام
۵۹	حافظ داؤد اعمیٰ	۳۶۵	سنہ ۱۱۹۹ بمتصل آستانہ سید حبیب سرمانی
۶۰	ملا محمد عاصم	"	
۶۱	محمود بالیو	"	سنہ ۱۲۳۰ ۱۴ ربیع الاول - دین - دیمی
۶۲	شیخ شرف الدین زینہ گیر	"	غرہ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۵ - گوجوارہ
۶۳	ملا محمد سعید گنہ سر	۳۶۶	سنہ ۱۲۰۸ - شاہ آباد
۶۴	شیخ عبداللطیف بک	"	
۶۵	بابا محمد نظام	"	صحن مخدوم صاحب
۶۶	شیخ محمود	"	سنہ ۱۲۰۴ ۱۲ ربیع الاول مزار گنج بخش
۶۷	شیخ عبدالسلام	۳۶۷	عالیکدل
۶۸	شاہ توفیق خجندی	"	مقبرہ سید کبیر بیہقی
۶۹	بابا محمد نعیم سلطانی	"	محلہ سازہ گری پورہ
۷۰	بابا محمد فاضل	۳۶۸	چھتہ بل
۷۱	ابرلہ بابا قادری	"	سنہ ۱۲۰۲ بمقبرہ بٹہ مالو
۷۲	سنسدہ بالیو	۳۶۹	پانپور
۷۳	عبدالسلام قادری	"	مسجد لال شاہ کے متصل

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۷۴	ملا عابد کادسو	۳۶۹	سنہ ۱۲۰۶
۷۵	شیخ عبدالرزاق نقشبندی		سنہ ۱۲۰۹ - دانہ پچیدہ
۷۶	میر محی الدین قادری	۳۷۰	سنہ ۱۲۱۱
۷۷	میر نظام الدین قادری	،	سنہ ۱۲۱۵ - قاضی کدل
۷۸	شاہ فضل اللہ	"	رنگہ مسجد زینہ کدل
۷۹	شاہ حفیظ اللہ	۳۷۱	زینہ کدل
۸۰	بابا محی الدین پاندانی	،	سنہ ۱۲۴۵ ۱۴ شوال - پاندان
۸۱	مولانا محمد اسلم توپیگری	۳۷۲	بیر میدان - شاہ آباد
۸۲	دایم شاہ درویش	"	حاروزنہ نوشہرہ
۸۳	بابا فقیر اللہ	"	
۸۴	شیخ منور حطبی	۳۷۳	باچھ بٹ کے اندر
۸۵	بابا عزیز اللہ حطبی	"	صحن خانقاہ معلیٰ
۸۶	شیخ فاروق نایقہ	"	ناروراچھ علاقہ
۸۷	درویش محمد اشرف اچھن شالی	"	کادرہ (لار)
۸۸	بابا اسد اللہ	۳۷۴	سنہ ۱۲۱۶ - پانپور
۸۹	بابا حسن خاکی	"	سنہ ۱۲۱۷ ۱۴ شوال ارل
۹۰	ملا محمد ولی دکن	"	
۹۱	میاں محمد رفیق	"	سنہ ۱۲۳۶ ۱۲ ذیقعدہ فتحکدل
۹۲	میاں عبدالمجید	۳۷۵	سنہ ۱۲۳۹ ۱۵ شعبان علاقہ نرادو
۹۳	میر احسن اللہ	"	سنہ ۱۲۰۰ فتحکدل مزار خواجہ رحمن
۹۴	مولانا نور الدین جعفر	،	
۹۵	بابا محمد صالح	"	
۹۶	بابا محمد مقصود	"	رپور (لار)
۹۷	عبدالوہاب لنگرلہ امری	۳۷۶	سنہ ۱۲۲۳ ۱۴ صفر تلہ بال پورہ
۹۸	عبدالسلام ناک	"	شاہ آباد

نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام علما	صفحہ	مدفن	نمبر	نام علما	صفحہ	مدفن
۷۳	خواجہ حامد سوہمتو	۳۹۹	گنڈ مرسنگھ	۹۸	رحمان صوفی	۴۰۹	ملہ باغ	۲۲	ملا شکرف گنائی	۴۱۶	خالسشیپورہ
۷۴	شیخ حبیب اللہ	″	گورگدٹی محلہ	۹۹	عثمان صوفی	″	ملہ باغ	۲۳	قاضی ابراہیم	۴۱۷	ملہ کھاہ ۔ قاضی مقبرہ
۷۵	ملا نور الحق	″	متصل پتوال مسجد	۱۰۰	صدیق بابلو	″	چاگل	۲۴	ملا عبد الوہاب	″	
۷۶	شاہ محمد منور حقانی	۳۹۹	علاؤ الدین پورہ	۱۰۱	آخون زادہ نور اللہ	″	حضرتہ بل	۲۵	قاضی موسیٰ شہید	″	قاضی مقبرہ ملہ کھاہ
۷۷	مرزا غلام بیگ	۴۰۰	″	۱۰۲	بابا اعظم کبروی	۴۰۱	سکالی پورہ	۲۶	بابا حاجی گنائی	۴۱۸	
۷۸	خواجہ ابرالدین پیلیلول	۴۰۱	بہاء الدین گنج بخش	۳	شیخ احمد رشپلو	″	کاہنامہ ۔ بانگل	۲۷	ملا حاجی بابلٹے	″	
۷۹	ملا ثناء اللہ رشپلو	۴۰۳	حضرتہ بل	۴	شیخ مصطفی نقی	″	محلہ سازہ گری پورہ	۲۸	قاضی محمد صالح	″	ملہ کھاہ قاضی مقبرہ
۸۰	ملا حیدر رشپلو	″	بابا بابر ریشمہ ناگی	۵	شیخ اعجاز الی	″	فتحکدل	۲۹	ملا محمد رضا حکیم دانا	″	جمالٹہ
۸۱	ملا نور الدین قاری خانیار	۴۰۳		۶	شیخ احمد لیبوی	۴۲۳	″	۳۰	ملا حبیب اللہ	۴۱۹	
۸۲	خضر بابا قاری	″	صحن خانقاہ	۷	شیخ تاج الدین قعبی	″	تارہ بل	۳۱	قاضی ابو القاسم	″	ملہ کھاہ
۸۳	شاہ رحمت اللہ ثانی	″	مزار سادات پارسایاں	۸	قاضی نظام الدین	″	تارہ بل	۳۲	ملا حبیب میر عدل	″	
۸۴	شیخ محمد یحییٰ	″	فتحکدل	۹	شیخ محی الدین	۴۲۴	ملہ کھاہ	۳۳	ملا علی پوستناک	۴۲۰	
۸۵	محمد شاہ قدیمی	″		۱۰	شیخ محمد سعید	″	تارہ بل	۳۴	ملا حیدر گنائی	″	خالشیپورہ
۸۶	مولوی نظام الدین جامعی	″		۱۱	ملا احمد علامہ	″	مقبرہ سید طیل شاہ	۳۵	ملا حسین گنائی	″	
۸۷	محمد شاہ جامعی	″		۱۲	ملا محمد علامہ	″	″ ″	۳۶	خواجہ عبد اللہ غازی	″	
۸۸	محمد جو کھوبہامی	″		۱۳	ملا افضل بخاری	۴۳۴	سید تاج الدین	۳۷	ملا حیدر رانجہ	″	
۸۹	حیدر شاہ کچھ	″		۱۴	ملا احمد کشمیری	″	مزار سلاطین	۳۸	ملا فاضل	″	
۹۰	قاضی جمال الدین خوشنویس	″		۱۵	ملا حافظ بغدادی	″	مقبرہ ملا کبیر	۳۹	ملا عبد الرزاق بابلٹے	۴۲۱	گوجوارہ
۹۱	عبد الکریم نگین پوری	″		۱۶	مولانا کبیر	″	نوشہرہ	۴۰	ملا ابو المحسن شاہ ہمدانی	″	
۹۲	شیخ احمد تارہ بلی	″	محلہ تارہ بل	۱۷	مولانا قاضی جمال الدین	۴۲۵		۴۱	ملا علی المکاس	″	ڈگمنہ ربانگل
۹۳	شیخ محمد تارہ بلی	۴۰۷	تارہ بل	۱۸	ملا پارسا	″	نوشہرہ	۴۲	ملا حاجی طوسی	″	ملا جمال الدین کی قبر کے سامنے
۹۴	[illegible]	″	حضرتہ بل	۱۹	مولانا قاضی میر علی	″	ملہ کھاہ	۴۳	ملا یوسف کادو سو	″	بلی
۹۵	عبد الرسول	″	کامرو ۔ کھوبہامہ	۲۰	مولانا رضی الدین	۴۲۶		۴۴	ملا حسن گوجہ	۴۲۲	
۹۶	شیخ احمد شرزیہ	۴۰۸		۲۱	مولانا کمال الدین	″	ملہ کھاہ قاضی مقبرہ	۴۵	ملا باقر صباغ	″	
۹۷	قاضی نور الدین رفاعی	″		۲۲	مولانا نوبی گنائی	۴۲۷	خلکاش پورہ	۴۶	ملا باقر نارہ للو	۴۲۳	

نمبر	نام علماء	صفحہ	مدفن	نمبر	نام علماء	صفحہ	نام علماء	صفحہ	مدفن	صفحہ	مدفن
۴۷	ملا یوسف چیچک	۳۴۲		۷۲	ملا اشرف بلنو	۳۵۰		۹۷	ملا عبد اللہ گنائی	۳۵۷	
۴۸	ملا عبد الغنی	״		۷۳	ملا محمد کاظم چھپو	۳۵۱		۹۸	ملا محمد معروف	״	
۴۹	قاضی عبد اللہ سرنگیر	״		۷۴	قاضی حیدر قاضی علی	״	باغ بچھ پورہ	۹۹	ملا میرک عانی	۳۵۸	
۵۰	ملا [illegible] گنائی صرفی	۳۴۴		۷۵	حکیم عنایت اللہ گانی	״		۱۰۰	ملا اشرف الدین خان	״	بہاء الدین گنج بخش
۵۱	ملا محمد لو پیکر تہ	״		۷۶	ملا عبید اللہ	۳۵۲		۱۰۱	ملا ابو المکارم	״	شاعر داری
۵۲	ملا محمد گانی	״		۷۷	ملا عزیز اللہ	״	دہلی	۱	بابا محمد صدیق	״	مقبرہ حافظ محمد حسن
۵۳	ملا عبد النبی بلبدیری	״		۷۸	مولانا [illegible] اللہ شہید کنو	״		۲	ملا نور الہدیٰ	״	
۵۴	ملا رجب گنائی	״		۷۹	ملا عبد الشکور	۳۵۳		۳	ملا احمد اللہ	۳۵۹	
۵۵	ملا محمد عارف	۳۴۵		۸۰	ملا ابو الفیض	״		۴	ملا نور	״	
۵۶	ملا حسن غنائی	״	گہد گارٹی محلہ	۸۱	خواجہ لطف اللہ دیوانی	״		۵	مولانا حسام الدین	״	
۵۷	ملا ابو الفتح کلو	۳۴۶	مزار سلاطین	۸۲	ملا سعد الدین صادق	״	دہلی	۶	ملا ابو الفیض گنائی	״	شاہجہان آباد
۵۸	ملا فضل ننو	۳۴۷		۸۳	ملا سلیمان	״	مزار سلاطین	۷	ملا حبیب الدین خان	״	״
۵۹	ملا عبد الرشید زرگر	״		۸۴	ملا عبد الحکیم متو	״	دہلی مزار خواجہ باقی باللہ	۸	ملا عبد المؤمن	۳۶۰	
۶۰	شیخ میر جو نادچو	״		۸۵	ملا کاظم	۳۵۴	کشمیر	۹	قاضی ملا حسین	״	
۶۱	ملا محمد امین گانی	۳۴۸		۸۶	ملا محمد کاظم منو	״	پونچھ	۱۰	خواجہ عطاء اللہ قانونگو	״	
۶۲	ملا طاہر کو حانی	״		۸۷	ملا افضل	״		۱۱	اسحاق بیگ	״	
۶۳	قاضی موسیٰ ابد سعاری	״		۸۸	ملا عبد الستار	״	دہلی	۱۲	مولانا جان محمد	״	مزار سید عابد
۶۴	ملا یوسف	״		۸۹	ملا اکبر یار خان	״		۱۳	حکیم محمد صدیق	۳۶۱	
۶۵	ملا عبد الرحیم ففو	۳۴۹		۹۰	مراد الدین خان	۳۵۶	دہلی	۱۴	ملا عبد القدوس	״	بارہ مولہ
۶۶	ملا عبد الشکور پتلو	״		۹۱	ملا ابو الوفا	״	شاعر داری	۱۵	ملا اکبر خان	״	دہلی
۶۷	ملا عبد الرزاق کرچو پرانی	״		۹۲	ملا محمد	״	مقبرہ ملا اشرف چرخی	۱۶	ملا محمد منعم منڈو	״	
۶۸	محمد طاہر بو سیکر	״		۹۳	ملا ہدایت اللہ گانی	۳۵۷		۱۷	ملا غیاث الدین شال	״	
۶۹	ملا عنایت اللہ دچھ	۳۵۰		۹۴	ملا محمد مسلم رجیل دہلی	״		۱۸	ملا قوام الدین	۳۶۲	اپنے مسکن کے ساتھ ہی
۷۰	قاضی عبد الکریم	״		۹۵	ملا یوسف گنائی	״	مقبرہ پیر حاجی محمد	۱۹	ملا عبد الرسول دانزہ	״	
۷۱	ملا محسن کھشو	״	مزار ملا نازک سے کچھ دور	۹۶	حکیم عنایت اللہ	״		۲۰	ملا عبد الحق	״	متصل پٹوال مسجد

نمبر	اسماء علماء	صفحہ	مدفن
۲۱	حافظ ابوالخیر چارد	۴۳	مقبرہ ملا نورالدین
۲۲	ملا محمد انور منتو	"	
۲۳	ملا محمد فاضل مفتی	"	
۲۴	ملا نور مانٹیجی	"	
۲۵	ملا عبدالغفور	"	
۲۶	ملا ہدایت اللہ منتو	"	لمہ کھاہ
۲۷	مولوی محی الدین	۴۴	
۲۸	مولوی نظام الدین مجھ	"	مقبرہ ملا قوام الدین
۲۹	مولوی سلام الدین	۴۴	
۳۰	آخون زادہ ملا رفیق	۴۵	
۳۱	حافظ عبدالرسول واعظ	"	
۳۲	ملا امیرالدین مفتی	"	
۳۳	مولوی نوراللہ منتو	"	
۳۴	ملا عبدالغنی	۴۶	
۳۵	مولوی امیرالدین	"	
۳۶	شیخ احمد واعظ	"	
۳۷	مولوی ناصرالدین	"	
	ن کشمیر مجذوبانِ کشمیر		
۳۸	بی بی لل عارفہ	۴۷	مورخ وفات کے قائل نہیں ہیں
۳۹	ریشی شاہ مجذوب	۵۰	درگہ مولہ
۴۰	میاں ملنگ شاہ	۵۳	رعناواری
۴۱	غیبی شاہ مجذوب	"	
۴۲	خواجہ یعقوب مجنون	۵۲	
۴۳	خواجہ داؤد مجنون	۵۳	

نمبر	اسماء علماء	صفحہ	مدفن
۴۴	شاہ بدیع الدین	۵۳	لمہ کھاہ
۴۵	دولت شاہ	"	
۴۶	ابہ کاک	۵۴	
۴۷	شالہ کاک	۵۵	
۴۸	شالہ کاک	"	
۴۹	میر فاضل مجذوب	"	
۵۰	کرشنہ پیر	۵۶	نقالی محلہ بینہ داری
۵۱	زندہ پیر	۵۷	
۵۲	ریشہ پیر	۵۸	
۵۳	شاہ محمد صادق قلندر	۵۹	قصبہ لار
۵۴	شوگہ بابا	۶۱	پانپور
۵۵	صالح خان	۶۳	خان بابا
۵۶	ٹھگہ بابا	"	ٹھگہ بابا
۵۷	شاہ محمد عارف	۶۴	شہاب الدین پورہ
۵۸	شاہ عبدالرشید	۶۴	شہاب الدین پورہ
۵۹	بابا رضا	"	امرگڈھ
۶۰	حسن شاہ مجذوب	۶۵	
۶۱	طوطان شاہ	۶۶	کوہمار
۶۲	لبشی شر	"	
۶۳	حسین شاہ (لکدو)	"	
۶۴	بابا نادر	"	ہزگہ لچھ پورہ
۶۵	میاں وفاتی شاہ	۶۷	شالہ ٹیپی لچھ پورہ
۶۶	شیخ عبداللہ سلری	"	سلر
۶۷	خواجہ طاہر کچھ	۶۸	کچھوارہ
۶۸	لالہ مانٹیجو	۶۹	شورہ گری محلہ

نمبر	اسماء علماء	صفحہ	مدفن
۶۹	حکیم شاہ مجذوب	۶۹	تکیہ حکیم شاہ
۷۰	یوسف شاہ	۷۰	"
۷۱	محمد داؤد پوشہ ٹینگو	"	بزپرستان
۷۲	بربر شاہ	"	بربر شاہ
۷۳	راتیہ بھائی	"	لوہٹہ
۷۴	عیدی شاہ	"	
۷۵	زوفی شاہ	"	کوٹہ تار
۷۶	غیبی شاہ	۷۰	ترال
۷۷	عنایت شاہ	"	بتھمن شاہ آباد
۷۸	اعظم شاہ	"	اسلام آباد
۷۹	محمد شاہ	"	شانگس
۸۰	فیروز شاہ	"	شنگس کروت
۸۱	دوسرا فیروز شاہ	۷۲	بجبارہ
۸۲	فتہ شاہ	"	حضرت بل
۸۳	فیروز بابلو	"	
۸۴	نعیم شاہ	"	
۸۵	شاہ مخدومی	"	
۸۶	عبدالوہاب	۷۳	
۸۷	مراد شاہ	"	بزازان بازار
۸۸	شرف شاہ سگ نواز	"	
۸۹	حافظ عبداللہ	"	
۹۰	شاہ عبدالرحمان قلندر	"	متصل خانقاہ معلی
۹۱	احمد شاہ	۷۵	گوجوارہ
۹۲	خوشحال شاہ	"	شاہ آباد
۹۳	شاہ نظام الدین	"	گندہ پورہ

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۹۴	حکیم شاہ ثانی	۲۷۶	گوجوارہ
۹۵	ثناء اللہ قلندر	"	شاہ آباد
۹۶	جمال شاہ ریش دراز	"	لار
۹۷	لعل شاہ	"	
۹۸	جمال شاہ سگ نواز	۲۷۷	
۹۹	سرفراز شاہ	"	راجہ پر یکدل
۱۰۰	جہدہ نواب	"	
۱۰۱	شعبان شاہ	"	
۱۰۲	دلی شاہ	۲۷۸	علاقہ دیوہ سر
۱۰۳	سالم شاہ	"	السر - برنگ

فہرست تبرکات

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۴	موی مبارک سرور عالم ص	۲۸۰	حضرت بل
۵	موی مبارک سرور عالم ص	۲۸۳	قلاشپورہ
۶	مولوی مبارک "	۲۸۵	اندرواری
۷	" " "	۲۸۶	صورہ
۸	" " "	۲۸۷	ڈانگر پورہ
۹	موی مبارک خلیفہ اول	۲۸۳	قلاش پورہ
۱۰	جامہ مبارک حضرت حسن مجتبی	"	"
۱۱	ورق کلام اللہ دستخطی شاہ ولایت	"	"
۱۲	قبر پوش آنحضرت ص	۲۸۵	اندرواری
۱۳	کمربند طلا کار حضرت زین العابدین رض	۲۸۵	"
۱۴	کرتہ حضرت امام اعظم	"	"
۱۵	دستار شریف محبوب سبحانی	"	"
۱۶	کلاہ حضرت امیر سید علی ہمدانی رح	"	"
۱۷	کلاہ خواجہ نقشبند	۲۸۵	اندرواری
۱۸	موی مبارک حضرت صدیق اکبر رض	۲۸۶	صورہ
۱۹	موی شریف حضرت عمر رض	"	"
۲۰	" " حضرت علی رض	"	"
۲۱	نعلین مبارک سید عالم ص	"	"
۲۲	دو پتھر نشان قدم رسول اللہ ص	"	"
۲۳	موی مبارک محبوب سبحانی رح	"	"
۲۴	علم مبارک سید کائنات	۲۸۸	خانقاہ معلی
۲۵	ستون خیمہ آنحضرت ص	"	"
۲۶	دو مقفل صندوق تبرکات کے	۲۸۹	لزوہ
۲۷	جامہ شیخ یعقوب صرفی عطا کردہ رسول از عالم غیب	۲۹۱	محلہ زین علی نار
۲۸	جامہ امام اعظم رح	"	"
	کلاہ بایزید بسطامی	۲۹۱	نارہ بل
۲۹	عصائی امام موسیٰ رضا علی	"	جامع مسجد
۴۰	جامہ مبارک محبوب سبحانی	۲۹۲	مزار پرستان
۴۱	خرقہ حضرت امیر سید علی ہمدانی	۲۹۲	"
۴۲	تسبیح حضرت امیر کبیر رح	"	"
۴۳	جامہ مبارک حضرت صدیق اکبر رض	"	"
۴۴	کمربند خواجہ بزرگ	"	"
۴۵	کاسہ بال خواجہ بزرگ	"	"
۴۶	لونگی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح	"	"
۴۷	نقشہ نقشبند راہ		"
۴۸	موی مبارک محبوب سبحانی	۲۹۲	خانیار
۴۹	" " "	۲۹۳	عالیکدل
۵۰	عصائی مبارک حضرت صدیق اکبر رض	"	خواجہ بازار
۵۱	اڑھائی پارہ کلام اللہ دستخطی حضرت علی رض	۲۹۴	شاہ بہار نقشبندی کے گھر میں
۵۰	عصائی مبارک شیخ شہاب الدین سہروردی	"	قلاشپورہ
۵۱	عصائی مبارک شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی	"	فتحکدل
۵۲	خرقہ شیخ عبد الشکور لاہوری	"	"
۵۳	تسبیح شیخ عبد الشکور لاہوری		"
۵۴	موی مبارک محبوب سبحانی		چرار
۵۵	نشان قدم مبارک آنسرور ص		ریشی صاحب اسلام آباد

فہرست اسمائے فارسی شعرائے کشمیر

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۵۶	سید محمد رضی متخلص	۲۹۷	زمانہ بڈشاہ
۵۷	ملا احمد کاشمیری	"	" "
۵۸	ملا نذیمی	"	" " "
۵۹	ملا فصیحی	"	" " "
۶۰	ملا یقینی	"	" " "
۶۱	ملا جمیل	"	" " "
۶۲	ملا احمد رومی	"	" " "

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۶۳	ملا محمد رومی	۴۹۷	زمانہ بڈشاہ
۶۴	ملا نورالدین	"	"
۶۵	ملا علی شیرازی	"	"
۶۶	ملا نادری	"	"
۶۷	مولانا حسین غزنوی	"	"
۶۸	میر علی	۴۹۸	زمانہ حسین شاہ چک
۶۹	ملا نامی اول	"	
۷۰	ملا نامی ثانی	۴۹۹	
۷۱	بابا طالب اصفہانی	"	بابا پورہ محلہ
۷۲	ملا مہری	"	
۷۳	محمد امین مستغنی	"	محلہ آردٹ
۷۴	میرزا علیجان	۵۰۰	
۷۵	شاہ ابوالفتح	"	در گجن مزار شعرا
۷۶	مظہری کشمیری	"	
۷۷	میر حسن کشمیری	۵۰۱	
۷۸	اوجی کشمیری	"	
۷۹	ملا ذہنی کشمیری	۵۰۲	
۸۰	حاجی جان محمد قدسی	۵۰۳	در گجن مزار شعرا
۸۱	طغرائے مشہدی	۵۰۴	
۸۲	قاضی ابوالقاسم	۵۰۶	مزار شعرا
۸۳	محمد قلی سلیم	"	"
۸۴	مرزا طالب کلیم	"	"
۸۵	میر الہی	۵۰۷	مزار گنج بخش
۸۶	ملا صالح ندیم	۵۰۸	
۸۷	ملا فصیحی	۵۰۹	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۸۸	ملا فہمی	۵۱۰	
۸۹	فطرتی	۵۱۰	
۹۰	روشنی کشمیری	۵۱۱	
۹۱	گلشنی	"	
۹۲	مشتری	"	
۹۳	مہری مشہدی	"	
۹۴	بدیعی	"	
۹۵	فروغی	"	
۹۶	محمد مراد زریں قلم	۵۱۲	
۹۷	ملا محسن شیریں قلم	"	
۹۸	ملا طاہر غنی	۵۱۳	
۹۹	خواجہ ہاشم دہلوانی	۵۱۴	لکٹی پورہ دلبرہ سر
۱۰۰	قاضی محمد عارف	۵۱۵	
۱۰۱	عنایت خان آشنا	"	
۲	عبدالرسول استغنا	۵۱۶	
۳	محمد رفیع منشی	"	
۴	محمد زمان نافع	۵۱۹	
۵	مرزا داراب جویا	"	
۶	کامران بیگ گویا	۵۲۰	
۷	لالہ ملک شہید	"	
۸	خواجہ ضیاءالدین دہلوانی	۵۲۱	
		"	
۹	حاجی اسلم	"	
۱۰	بابا حاجی مغنی	۵۲۲	
۱۱	حاجی حیدر زردی	"	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۱۲	ملا ظابق	۵۲۲	
۱۳	ملا بینش	"	
۱۴	ملا ثابت	۵۲۳	
۱۵	قلندر بیگ	"	
۱۶	آذری	"	
۱۷	میر نورالدین شارق	"	
۱۸	خواجہ نوراللہ دہلوانی	"	
۱۹	میر کمال الدین	"	
۲۰	خواجہ علی اکبر	۵۲۴	
۲۱	محمد رضا مشتاق	"	
۲۲	عبدالحکیم ساطع	۵۲۵	
۲۳	میرزا عبدالغنی بیگ قبول	" ۵۲۶	
۲۴	میرزا گرامی	"	
۲۵	محمد امین دانا	"	
۲۶	میر محمد معروف	"	
۲۷	شاہ رضا چشم	"	
۲۸	ملا عبدالغنی در نامی	۵۲۸	
۲۹	محمد اشرف یکتا	"	
۳۰	لطف اللہ بیگ	"	
۳۱	ملا مبارک فانی	"	
۳۲	شرف الدین خان فرحت	" "	مزار گنج بخش
۳۳	خواجہ امان اللہ	۵۲۹	
۳۴	محمد عاقل	"	

نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن	نمبر	نام	صفحہ	مدفن
۳۵	حکیم رحمت اللہ	۴۹		۵۳	میرزا قلندر	۴۷		۷۱	ملا حبیب اللہ دار	۵۵	
۳۶	میر احسن اللہ	۴۰	شاہجہان آباد	۵۴	محمد رضا کی کنٹ	״		۷۲	ملا عبید اللہ	۵۶	مقبرہ شاہ قاسم حقانی
۳۷	محمد فاروق	۴۱		۵۵	خواجہ بہاء الدین	۴۸		۷۳	مصطفیٰ خان	۵۷	صحن خانقاہ
۳۸	محمد حیات بادی	״		۵۶	رحمت اللہ نگین	״		۷۴	بابا محمد کاظم	״	صفاپورہ
۳۹	میرزا بیگ	״		۵۷	ملا محمد توفیق	۴۹		۷۵	مرزا مہدی مجرم	۵۸	
۴۰	ملا یوسف	״		۵۸	خواجہ عبدالغفور	۴۹		۷۶	ملا حمید اللہ	۵۹	اسلام آباد
۴۱	ملا محمد رفیع ماشی	״		۵۹	ملا عطاء اللہ ہما	۵۰		۷۷	کبیری	۶۰	
۴۲	محمد علی خان متین	۴۳	مزار گنج بخش	۶۰	ملا عبدالغنی	״		۷۸	یاسین خان	״	
۴۳	عبدالوہاب شائق	۴۳	باندھی مزار	۶۱	عبدالوہاب ہمت	۵۲		۷۹	خواجہ حسن کول شعری	۶۱	
۴۴	محمد جان بیگ ساعی	״		۶۲	محتشم خان فدا	״		۸۰	محمد شاہ فصیح	۶۲	
۴۵	رحمت اللہ باندھی	۴۳		۶۳	بابا کرم اللہ	۵۳		۸۱	اسد اللہ راجہ	״	
۴۶	ملا راجح	۴۵		۶۴	حبیب اللہ ڈلو	״		۸۲	خواجہ محمد شاہ نزوری	״	
۴۷	ملا حسن	״		۶۵	محمد رضا	״					
۴۸	حشمتی	״		۶۶	عصام الدین	״		۸۳	خواجہ سعد الدین	۶۳	
۴۹	محمد یحییٰ حیا	״		۶۷	محمد اکبر رفیق	۵۴	پنجاب	۸۴	حاجی مختار شاہ اشائی	״	متصل مقبرہ میاں محمد امین دار
۵۰	محمد کاظم	״		۶۸	فاخر	״					
۵۱	اسد اللہ شگوں	۴۶		۶۹	ملا محمود	۵۵					
۵۲	میر عنایت اللہ	״	مقابل سلطان العارفین	۷۰	محوی	״					

هُوَ الْقَادِرُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تیسرا حصّہ موسوم بہ "اسرار الاخیار" اولیاء بزرگوار اور حضراتِ پرہیزگار کے بیان میں ہے۔

اے حسن کستوری اور عنبر سے دوات بھر دے۔ قلم کو سونے کی روشنائی میں ڈبو دے اور اس باعث سعادت کتاب کو عطر عنبر اور سونے سے لکھ دے۔ رُوحانی فرحت کے لئے اس تیسرے حصّے کو اولیاء اللہ کے بیان کیلئے مخصوص بنا دے۔ اولیاء اللہ بارگاہ الٰہی کے خاص لوگ ہیں۔ کھدر کی پوشاک پہنے ہوئے بادشاہ ہیں درویشوں کی بارگاہ کو چومو اور صاف سیرتوں کے سایہ میں پناہ لو۔ جان لے! جو کوئی خدا کے دوستوں سے دوستی لگائے گا۔ وہ خدا کے امن میں آئے گا۔ ان کی محبت اعلیٰ سعادت ہے۔ اور ان کی یاد بہترین عمل ہے۔ جہاں کہیں اولیاء اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ وہاں خدا کی رحمت برستی ہے۔ اس سے پہلے تو نے اپنے وقت کو ضائع کیا اور پرانے بادشاہوں کی تاریخ لکھی۔ اب اس کی توبہ کے لئے دل اور جان سے (عقیدتمندی سے) درویشوں کے حال اور قال کو لکھ دے۔ ممکن ہے کہ اُن کی شفاعت سے قیامت کے دن پرہیزگاروں کے ساتھ تجھے جگہ ملے گی۔ اے خدا مجھے اپنے آپ پر کوئی بھروسہ نہیں۔ تو ہی مجھے تحقیق کے لئے توفیق بخش دے۔

تمہید

جاننا چاہئے کہ طریقت اور معرفت کا راستہ ابدی نجات اور قرب الٰہی حاصل کرنے کا کھلا راستہ ہے۔ تمام ملتوں اور مذہبی فرقوں میں سے اہل سنت وجماعت کا سعادتمند فرقہ اس خیر و سعادت والے طریقے سے عقیدت اور یگانگت رکھتا ہے۔ اس طور اور اس دلیل پر کہ

انسانی رُوح نہ جسم ہے اور نہ مادی ہے بلکہ "امر الٰہی ہے" اور ایسا جوہر جسکو ہرگز فنا نہیں ہوتی۔ جو
کوئی اس رُوح کو شہوت۔ غصہ۔ غضب اور گناہ کی آلودگیوں سے پاک رکھکر نیک کاموں۔
اچھی ریاضت۔ نفس کی پاکی۔ دل کی صفائی کے ذریعہ سے موہوم ہستی کی نفی کرے گا۔ وہ خدا کی پاک
ذات سے قرب اور یکسانیت ضرور حاصل کرے گا۔ اور ذات باری کی حقیقت ثابت کرنے سے
اس کی زبان خدا کی زبان اور اُسکا حکم خدا کا حکم ہوتا ہے۔ جب تک اس رُوح کا تعلق جسم کے
ساتھ وابستہ ہے۔ اُس وقت تک روح انسانی طبیعت۔ انسانی کام اور دنیاوی دل لگی
کی میلائی سے نقصان بھری خطا کے پردے میں ڈھانپی ہوئی رہتی ہے۔ اور جب یہ روح اس کدورت
(میلائی دل کی ناصافی) کے پردے کو ہٹا دیتی ہے۔ اور اپنی ذات کو محبت الٰہی اور دل کی صفائی
سے انوار الٰہی کے مشاہدہ کے قابل بنا دیتی ہے۔ تو پھر ہمیشہ وحدت الٰہی کی بزم میں ذات
الٰہی سے نزدیکی اور یکسانیت پاکر الوہیت کے جلووں کے مشاہدہ میں محو ہوتی ہے۔

(۱) دوستان خدا کو خدا سے یہ طاقت ملی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ وہ کمان سے چھوٹے ہوئے
تیر کو نشانہ پر لگنے سے پہلے واپس پھیر دیتے ہیں۔ (۲) جو جان دے سکتا ہے۔ اگر وہ مارے بھی
تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا نائب (رحیم) ہے۔ اور اس کا ہاتھ خدا ہی کا ہاتھ ہے۔ (۳) دوستان
خدا کے ساتھ ایک لمحہ کی صحبت سو برس کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ (۴) اگر تم کم قیمت
پتھر یا سنگ مرمر ہے۔ جب تو کسی صاحب دل کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ تو قیمتی جوہر بن جاؤ گے۔

چونکہ روح کو جسم کے ساتھ نہایت ہی اُنس اور بہت ہی شدت کی محبت ہوتی ہے۔ اسی بناء
پر اہل سنت و جماعت کا فرقہ دوستان خدا کے مقبروں۔ مزاروں اور درگاہوں پر جاتے ہیں۔ اور
ان کو واصل باللہ اور مقربان خدا ہونے کے موجب ان کو حاجات روا کرنے کا وسیلہ اور مشکلات
کو آسان کرنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ اس سبب سے کہ ملک کشمیر اپنی خاص خصوصیتوں
سے نیکیوں کے قبول ہونے کی جگہ ہے۔ اس لئے اس ملک میں دوستان خدا کثرت سے پیدا ہوئے
ہیں۔ اور اس خاکسار نے اس طایفہ کے شوق کی کشش۔ محبت کی جوشش اور وسالت
اور شفاعت کی امید سے کچھ مشہور دوستان خدا کا تذکرہ اس ملک کے بڑے بڑے
مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں کی کتابوں مثلاً وقایع کشمیر۔ اسرار الابرار۔ واقعات کشمیر۔

فتحات کبرویہ۔ فتحات قادریہ۔ دستور السالکین۔ خوارق السالکین۔ تاریخ شایق۔ تاریخ باغ سلیمان۔ وقایع نظامیہ۔ تاریخ مولوی ہدایت اللہ منو خمتہ بہار الدین تحقیقات امیری۔ اور مجموعہ شیوا وغیرہ سے انتخاب کر کے اس کتاب میں درج کیا ہے۔ اور اس کی ترتیب اور تالیف میں بکھرے ہوئے حال کی پریشانی مصیبتوں کی سختی۔ اور حادثات کی کی تیزی کے باوجود اپنے وقت کو لوگوں کی خوشدلی کیلئے صرف کر کے ایک یادگار لکھی ہے۔ چونکہ دوستان خدا کی فوج "مجاہد اکبر" (سب سے بڑی جہاد کرنے والی جماعت) کہلاتی ہے۔ اس لئے اس کم مرتبہ فقیر نے اس جوش والی فوج کو مجاہدوں کے قاعدوں کے مطابق پانچ حصے مقرر کر کے ہر حصے کا نام "خمیس" رکھکر اس رسالہ کے باب اور فصل اس عنوان سے کہ پہلا خمیس حضرات سادات (کے متعلق) کا دوسرا خمیس بلند مرتبہ ریشیوں کا تیسرا خمیس مشایخوں اور نیکوکاروں کا چوتھا خمیس علماء اور فضلاء کا پانچواں خمیس مجذوب اولیا کا۔ اور خاتمہ متبرک چیزوں کے متعلق جو کہ اس فیض والے ملک میں جناب رسالتمآب صلعم اور عظمت والے دوستان خدا سے یادگار ہیں ترتیب دیا ہے۔ اور خدا ہی سے توفیق ہے۔

لفظ یہ جس لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ اگلا۔ پچھلا۔ بیچ والا۔ دایاں اور بایاں اس کو اور اسکے ہر حصہ کو خمیس کہتے ہیں۔ میں دل کی جلن (عشق الٰہی) کا کوئی سامان نہیں رکھتا ہوں۔ اسلئے سارنگی کی طرح دل کی جلن پیدا کرنے کے لئے نغمہ پیدا کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ عاشقان خدا میں سے کوئی ایک دل کو چمکانے والے اس نغمہ کو سنے گا۔ اور اندرونی جلن سے دل سے ایک آہ نکالے گا۔ جسکی برکت سے میری قبر کو ایک سرور اور نور پہنچیگا۔ اے خدا میں مصیبت سے بھرا ہوا تمہارا ایک بندہ ہوں۔ مجھے اس زبانی گفتگو سے حقیقت کی طرف راستہ دکھاؤ۔

پہلا خمیس حضرات سادات کے بیان میں

اس فرحت اثر والے ملک میں بے شمار "سید" ہیں۔ ان میں سے کچھ مشہور اور نامور حضرات جو کہ معنوی نسبت کے موجب تاریخ زمانہ میں جگہ پائے ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر یوں میں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

سید شرف الدین قدس سرہٗ

سید شرف الدین جو بلبل شاہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس ملک کے بہت مشہور اور بڑے خدا دوست گذرے ہیں۔ دینی اور دنیاوی، ظاہری اور باطنی علوم فنون میں یگانہ روزگار تھے۔ تمام عمر کو تنہائی خلوت نشینی اور دنیا کی سیر و سیاحت میں گذارا۔ ان کے مرشد کے بارے میں اختلاف ہے۔ کئی مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کا مرشد حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی در دینہ قدس سرہٗ تھے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں۔ کیونکہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے انتقال کے وقت سے حضرت بلبل شاہ کی وفات تک بچانوی برس ہیں مورخوں کی ایک جماعت ان کو حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے رشتہ داروں اور مریدوں میں شمار کرتے ہیں حضرت شاہ نعمت اللہ ولی حضرت شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص نسبت رکھنے والوں میں سے تھے۔ (خدا بہتر جانتا ہے)

مشہور یہ ہے کہ جناب حضرت بلبل شاہ صاحب راجہ سہدیو کی حکومت کے زمانے میں کشمیر تشریف لائے۔ لیکن معتبر روایت یہ ہے کہ پہلی بار آ کر واپس گئے اور پھر ۷۲۵ھ میں حکم الٰہی کی تعمیل میں رینچن شاہ کو دائرہ اسلام میں لانے کے لئے طے مکان کر کے کشمیر آئے اس بات کی وضاحت یہ ہے۔ کہ رینچن شاہ بدھ مت کا پیرو تھا جب اس کے دل میں ہدایت کا اثر پیدا ہوا۔ تو اس نے ایک روز اپنے دل کے ساتھ فیصلہ کیا کہ کل صبح جس شخص پر سب سے پہلے میری نظر پڑے گی جس مذہب کا وہ ہوگا میں وہی مذہب اختیار کروں گا۔ اس خواہش سے ساری رات عجز و نیاز سے راہِ راست پانے کیلئے دعائیں کرتا رہا صبح سویرے جب کھڑکی کھولی تو دیکھا کہ دریا [illegible] کی اس طرف حضرت بلبل شاہ نہایت ہی نیاز مندی سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ رینچن شاہ کو اس کی نماز اور بارگاہ الٰہی میں اسکی عاجزی اور گڑگڑانا پسند آیا۔ اسی وقت اپنے کنبہ اور نوکروں چاکروں کے ساتھ اس کا مذہب قبول کیا۔ اسی دن سے جناب حضرت بلبل شاہ صاحب کی توجہ سے اس ملک میں "دین اسلام" شائع ہوا چنانچہ اس کا بیان دوسرے حصے میں کیا گیا ہے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ جناب حضرت سید شرف الدین صاحب

بلبل شاہؒ کمالات فقر کے پوشیدہ رکھنے، سنت رسول اللہؐ کی رعایت رکھنے، کھانے پینے کے احتیاط برتنے میں اور طاقت کی پابندی میں حد درجہ مبالغہ فرماتے تھے۔

ان کی فرمائی ہوئی باتوں میں سے کچھ یہ ہیں:۔ جب تک خدا کی راہ پر چلنے والے کو صاف پاک دل اور سالم زبان رہبر نہ ہوں۔ اس راستہ کے گمراہ کرنے والے ایک منزل تک پہنچنے کے لئے نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور فرمایا ہے۔ حرام سے اسطرح دور رہنا چاہئیے۔ جیسے پہاڑ میں سانپ سے اور بے یقینی سے اسطرح بھاگنا چاہئیے۔ جسطرح کہ بازار کے مردار ہے۔ فرماتے تھے۔ کہ خدائے تعالےٰ نے مجھے اس قدر طاقت بخشی ہے کہ کھانے پینے کے بغیر زندگی گذار سکوں۔ اور اس جسم کے ساتھ دوسری دنیا کو جاؤں۔ اور ہمیشہ اس جسم کو مضبوط رکھوں۔ لیکن یہ تینوں باتیں سنت رسول اللہؐ نہیں ہیں۔ اسلئے ہرگز ایسا نہیں کرسکتا ہوں۔ کیوں کہ سنت رسول اللہؐ پر چلنا ہزار کرامت اور عبادت سے بہتر ہے۔

صاحب تذکرۃ العارفین وجہ تسمیہ "بلبل شاہ" یوں لکھتا ہے۔ کہ ایک دن حضرت سید شرف الدینؒ وضو کرنے کے ارادہ سے نہر کے کنارے کھڑے تھے۔ ایک درخت کی ٹہنی پر ایک خوش آواز بلبل دیکھی۔ جو نہایت میٹھی اور دل دکھانے والی آواز میں گا رہی تھی۔ یہ دیکھ ہی رہے تھے۔ کہ بلبل نے آسمان کی طرف اڑان پرواز کی۔ حضرت سیدؒ نے بھی اس کے پیچھے ہوا میں اڑان فرمائی۔ اور اس خوش آواز بلبل کو پکڑ کر اپنی کوٹھری میں اترے اور بلبل ان کے ہاتھوں میں سے غائب ہوگئی۔ ایک واقف نے اس واقع کی کیفیت ان سے دریافت کی۔ حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ وہ پرندہ میری روح تھی۔ جو آسمان چڑھ رہی تھی۔ میں اسکے پیچھے گیا۔ ہوا سے اپنی روح کو پکڑ لایا۔ کہتے ہیں کہ سائل نے یہ بات جھوٹ خیال کی اور خاموش رہا۔ حضرت سیدؒ پر یہ بات روشن ہوگئی۔ اور انہوں نے اپنے منہ کا پانی اس کے منہ میں ڈالا۔ پھر کیا تھا۔ ملکوت اور لاہوت کے حالات اس پر ظاہر ہوگئے۔ اور حضرت سیدؒ نے جو فرمایا تھا۔ اس پر اقرار کیا۔ یہ بات جب لوگوں میں پھیل گئی۔ تو انہوں نے انہیں "بلبل شاہ" کا لقب دیدیا۔ صاحب تاریخ شائق لکھتا ہے۔ کہ ایک دن دریائے وتستا دجہلم) کو تخ لگ گیا تھا۔

حضرت سیدؒ نے دریا کے کنارے پر آکر فرمایا۔ کہ سورج کو کیا ہوا ہے۔ کہ سردی اتنی بڑھ گئی ہے۔ اسی وقت سورج نکل آیا۔ اور یخ (منجمد پانی) پگل گیا۔ حضرت سید دریا میں غوطہ لگا کر غائب ہو گئے۔ اور چھ مہینے کے بعد دریا سے نکلے اور فرمایا جس وقت میں نے دریا میں غوطہ لگایا۔ دریا کے رہنے والوں نے اکٹھے ہو کر مجھے چھ ماہ تک نہ چھوڑا۔ میری بیعت اور میری باطنی برکتوں سے سارے فیضیاب ہوئے۔

ایک دن صبح کے وقت پیشاب خشک کرنے کیلئے مٹی کا ڈھیلا ان کے ہاتھ میں تھا حضرت کی نظر سے مٹی کے ڈھیلے نے طوطے کی شکل پاکر اڑان کی اور ایک ہفتہ تک خانقاہ میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ گھونسلا بنایا۔ عجیب باتیں کرتا تھا۔ اور آخر کار غائب ہو گیا۔ غرض یہ کہ ان کے کمالات اور کرامات حد سے زیادہ ہیں۔ ۷ ماہ رجب ۷۲۷ھ کو انتقال فرمایا۔ اور اپنی خانقاہ کے متصل دریا کی طرف دفنائے گئے جس کے آگے مُلا احمد علامہ کی قبر ہے۔ ان کی قبر لمبی پتھروں سے بنائی ہوئی ہے۔ مادۂ تاریخ یہ ہے:۔

سال تاریخ وصل بلبل شاہ ۔۔۔ بلبلِ قدس گفت خاصّ اللہ (۷۲۷)

کچھ لوگ ان کا نام مبارک عبدالرحمان لکھتے ہیں۔ اور ان کا لقب بلال۔

سید تاج الدین

جناب حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے چچیرے بھائی ہے۔ سلطان شہاب الدین کے عہدِ حکومت میں سید مسعود کے اشارے سے ۷۶۲ھ میں خطۂ کشمیر کو تشریف آوری سے شرف بخشا۔ تاریخ ورود:۔

خرد گفت تاریخ تشریف او ۔۔۔ قدم رنجۂ سید نیک رُو۔ ہے۔

اطراف کشمیر کی سیاحت کے بعد محلہ شہاب الدین پورہ میں جس کی آبادی ۶۰ ہزار گھر تھی قیام پذیر ہوئے۔ جذبات۔ کشف و کرامات اور خوارق عادات سے کشمیر کے بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں کو مسخر کیا۔ سلطان شہاب الدین بیعت کر کے مریدوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ اور دل و جان سے خدمتگزاری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اپنی خاص محل کے متصل

ان کی بیٹھک بنادی۔ اور ان کے خادموں کے لئے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کی۔ اور ان کی صحبت سے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہ پاتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطنت کے کاربار اور حکومت کے کاموں کو ان کے مشورہ اور مصلحت کے مطابق سرانجام دیتے تھے۔ مقدمات کی سماعت اور فیصلوں ملکی لڑائیوں اور مصالحتوں میں انہیں شامل رکھتے تھے۔ سلطنت کی فتوحات کی کثرت کو حضرت سید کی روحانی ہمت اور طاقت کا نتیجہ جانتے تھے۔ ناگام کا پرگنہ ان کی خانقاہ کے خادموں اور پیروں کے اخراجات کے لئے جاگیر تھا۔ جب اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ شہاب الدین پورہ میں ملہ کواہ کی طرف دفنائے گئے۔

سید حسن بہادر

جناب سید تاج الدین صاحب کے بیٹے تھے۔ عجیب و غریب کمالات اور حالات والے صاحبدل اور جرار سپاہی تھے۔ جب سلطان شہاب الدین نے ان کی تیز طبعی اور بہادری دیکھی۔ تو انہیں سپہسالاری کا عہدہ بخشا اور "رستم ہند" خطاب دیا۔ ایک لاکھ فوج سواروں اور پیادوں کی ان کے زیر کمان رکھی۔ جنگوں اور لڑائیوں میں انہیں ہراول کے طور پر آگے آگے بھیجا تھا۔ اور کبھی شکست نہ کھائی۔ پرگنہ کیوہامہ اور پرگنہ ماچھہاموں جاگیریں دی۔ کابل اور بدخشاں کی فتح کے بعد سلطان نے اپنی بیٹی کی شادی اس سعادتمند صاحب مرتبہ سے کر دی۔ فتح ہندوستان کے موقعہ پر فیروز شاہ بادشاہ دہلی کی بیٹی اسکے لئے نامزد کی۔ ان کی بیٹی تاج خاتون میر محمد ہمدانی کے نکاح میں تھی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید دن کو ملکی امور میں مشغول ہوتے تھے۔ اور رات کو یاد خدا میں بسر کرتے تھے۔ ایک عجیب شان رکھتے تھے۔ کئی بار دریائے اٹک کو سوار ہو کر عبور کیا۔ اور ان کے گھوڑے کے زین کی جھول گیلی نہ ہوئی جب اس دنیا سے چل بسے۔ والد بزرگوار کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔

سید مسعود

سید تاج الدین کے دوستوں میں سے تھے۔ بڑے جذبہ حال اور کمال والے تھے۔ اپنے مرشد

بزرگوار کے فرمان کے موجب ملکوں اور شہروں کی سیر کی۔ اور سیاحت کے دوران میں اس ملک میں وارد ہوئے۔ کہتے کہ ان کے یہاں پہنچنے کے دنوں میں میرزا حسن فرزند سلطان شہاب الدین خُناق کی بیماری سے مرنے کے قریب تھا۔ اور حضرت سیدؒ کی دعاء سے شفاء پائی۔ اسلئے سلطان انہیں بڑی عزت اور آؤبھگت کرتا تھا۔ اور یہاں ہی ٹھہرنے کے لئے بڑی منت وسماجت کی حضرت سید نے سلطان کی گذارش منظور نہ کی۔ اور فرمایا اپنے مرشد کی خدمت کے بغیر میں یہاں قرار نہیں کرسکتا ہوں جب سُلطان نے سید تاج الدین کے حالات سُنے۔ تو سید مسعود سے ان کی ملاقات کیلئے زبردست خواہش کا اظہار کیا۔ اور اپنی چھٹی ان کے نام لکھکر دی۔

جب سید مسعود سید تاج الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے سلطان کے اوصاف بیان کئے۔ حضرت سید تاج الدینؒ امیر تیمور کے برتاؤ سے دل تنگ ہوئے تھے۔ بلاد رنگ بال بچوں کو ساتھ لیکر کشمیر کی طرف کوچ کیا۔ مدعا یہ کہ حضرت سید مسعودؒ دوستان خدا میں سے تھے۔ جب دوسری دنیا کو چلے تو مرشد بزرگوار کے مقبرے میں آرام پایا۔

سید یوسف

سید تاج الدین صاحبؒ کے چُنے ہوئے خلیفوں میں سے تھے۔ صداقت۔ یقین۔ پرہیزگاری اور بزرگی والے تھے۔ سید تاج الدین صاحبؒ کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ پیر بزرگوار کے مقبرے میں وفات کے بعد جگہ پائی۔

سید کمال الدین حافظ

سید حسن بہادر کے بیٹے فیروز شاہ کی بیٹی کے بطن سے تھے۔ بچپن ہی کے زمانے والدین کا سایہ ان کے سر سے اُٹھا۔ سُلطان قطب الدین نے ان کی پرورش کی۔ حضرت سید محمد حصاریؒ سے روحانی تربیت پائی۔ اور نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ اپنے والد بزرگوار کیطرح دلاور اور جرار تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفنائے گئے۔

سیّد حُسین سمنانی

سیّد تاج الدین کے بھائی اور جناب حضرت امیر کبیرؒ کے چچیرے بھائی تھے۔ ان کا مرشد بزرگوار شاہ رکن الدین عالم اور ان کے پیر صحبت سیّد جمال الدین بخاری تھے۔ ان کے حالات اور کمالات اتنے زیادہ ہیں۔ کہ انہیں تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ امیر گورگاں کے تشدّد کے زمانے میں اپنے آبائی وطن سے اپنے تمام مددگاروں کے ساتھ شہر سمنان سے ہجرت کی۔ اور قصبہ ساومان میں جو کہ دہلی کے آس پاس کے علاقوں میں ہے کئی سال رہائش کی۔ وہاں سے سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں ۷۷۵ھ میں حضرت امیر کے حکم اور اپنے بھائی سیّد تاج الدین کی ترغیب سے پیر پنچال کے راستے کشمیر کی سیر کا ارادہ فرمایا۔ جب پیر پنچال کی چوٹی پر پہنچے۔ اچانک حضرت کی سواری کا گھوڑا پتھر سے ٹکرا کر لنگڑا ہو گیا۔ اور پہاڑ کے عبور کرنے میں دیر ہی لگ گئی۔ حضرت سیّد اس حادثہ سے دل آزردہ ہو گئے۔ اور ایک بڑے پتھر پر بیٹھکر پتھر کو دوڑایا۔ اور تھوڑے وقت میں دشوار گذار پہاڑی راستہ کو قطع کر کے ہیرہ پور پہنچے۔ اور تیز رفتار پتھر کو جو آج تک ہیرہ پل (پیر کا چٹان) کے نام سے مشہور ہے۔ شہرت کے ڈر کے موجب وہیں چھوڑ کر پرگنہ دیوسر کے ایک گاؤں (کولہ گام) میں جو کہ دریائے ویشو کے کنارے ایک روح افزا اور دلکشا جگہ ہے سکونت اختیار فرمائی۔ کچھ مدت کے بعد ان کے صاحب مرتبہ بیٹے سیّد حسن اور اُن کے بھتیجے سیّد حیدر بال بچوں کو لیکر وہاں آگئے۔ اس کے بعد نامور سیّد نے لوگوں کو راہ خدا دکھانے کا کام شروع کیا۔ اور خلق خدا کو ظاہری اور باطنی فیض رسانی سے بے شمار فائدے پہنچائے۔ سنت رسول اللہؐ کو رواج اور دین اسلام کو فروغ دینے میں کوشش کرتے رہے۔ حضرت سیّد کی کرامتیں تقریر اور تحریر کی حد سے باہر ہیں۔ تقدیر کے مالک تھے ہر چیز ان کے قبضۂ قدرت میں تھی۔ اور عجیب و غریب حالات اور کمالات ان سے ظاہر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ نور الدین نورانیؒ موضع کیموہ سے اکثر بار روحانی فائدے حاصل

کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سیّد سوئے ہوئے تھے۔ اور ملاقات حاصل نہ ہوئی۔ حضرت شیخؒ نے اپنی نظر جناب سید کی سونے کی کوٹھڑی کی طرف باندھی۔ اور اپنے مطلب کا جواب حضرت سیّد سے پا کر واپس تشریف لے گئے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت سیّد حسین سمنانی بہت بڑے خدادوستوں میں سے تھے اور گیارہ ماہ شعبان سنہ ۷۹۲ھ کشمیری حساب سے ۱۳ کتک ۱۱ سوج شدی کو اس دنیا سے انتقال فرمایا۔ اپنی قوم اور اولاد کے ساتھ اسی جگہ دائمی آرام فرمایا مقبرۂ سید حسن ان کے مزار کی ہمسائگی میں ہے۔

سیّد حیدر

سیّد حسین سمنانی کے چچیرے بھائی بڑے عارف باللہ تھے۔ ان کی خدمات کی بجا آوری میں تن من سے کوشش کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سیّد کے باورچی خانہ میں ہر روز ایک خروار چاول پکتے تھے۔ سیّد حیدر اپنے ہاتھ سے چمچہ استعمال کرنے کے بغیر یہ چاول بانٹتے وبنٹے تھے۔ اور ان کے دستِ مبارک کو گرمی سے کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ اور ایک ہی دیگ سے قسم قسم کے کھانے خشکہ۔ پلاؤ۔ متنجن۔ شوربا اور قسم قسم کے سلونے جو کوئی کھانے کی چیز ان سے مانگتے تھے۔ نکال کر دیتے تھے۔ مدعا یہ ہے۔ کہ ان کے کمالات بے شمار ہیں۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت سیّد کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سیّد باقر

حضرت سیّد حسین سمنانی کے جلیل القدر رشتہ داروں میں سے تھے۔ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے جب رحلت فرمائی۔ پرگنہ دچھن پارہ کے ویری سرن گاؤں میں ایک ٹیلے پہ دفنائے گئے۔

سیّد زیرک

یہ بھی حضرت سیّد حسین سمنانی کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ بے شمار کرامتیں

ان سے ظہور میں آئیں۔ جب دنیا سے چل بسے سید باقر کے مزار میں جگہ پائی۔

حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی قدس سرہٗ

والد بزرگوار کی طرف سے ان کا نسب چودہ پشتوں سے حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے امام حسن مجتبیٰ شہید رضا علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ اسلئے دونوں طرف سے بزرگ حسب نسب اور فخر شرق و غرب مانے گئے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار سید شہاب الدین شہر ہمدان کے حاکم تھے۔ حضرت امیر کی ولادت ۱۲ ماہ رجب ۷۱۴ھ ہمدان میں سوموار کو ہوئی۔ بارہ برس کی عمر تک علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ بعض راوی کہتے ہیں۔ کہ آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے ابتدائی استاد آپ کے خالو سید علاؤ الدین تھے۔ بعضوں کی روایت ہے۔ کہ آپ نے اپنے خالو سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں سے کچھ بھی نہیں پڑھا ہے۔ لیکن اس میں اختلاف نہیں۔ کہ آپ بارہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ اور تمام ہمعصروں پہ فوقیت رکھتے تھے۔

ایک دن آپ کے استاد سید علاؤ الدین خلوت میں ذکر خدا کر رہے تھے۔ اور سر ہلا رہے تھے۔ حضرت امیر نے ان سے پوچھا کہ آپ سر کیوں ہلا رہے ہیں۔ استاد نے فرمایا۔ کہ میں یاد خدا کر رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ ذکر خدا میں سر ہلانے کی ضرورت نہیں۔ استاد نے کہا۔ کہ اپنے مرشد بزرگوار حضرت شرف الدین مزدقانی سے میں نے اسی طرح تعلیم پائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے بھی تعلیم فرمائیں۔ استاد نے آپ کو ذکر خدا کی تعلیم دی۔ تین ہی دن کے بعد آپ کو اپنے آپ میں ایک غیبی اثر معلوم ہوا۔ اور اسی کے شوق سے اپنے خالو کے ساتھ شیخ شرف الدین مزدقانی کی خدمت میں دوڑے۔ شیخ نے فرمایا۔ اگر آپ بحیثیت آقا آئے ہیں۔ تو میں آپ کی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر بحیثیت خادم کے آئے ہیں۔ پھر اس غلام کی جوتی جو کہ خانقاہ کا خاکروب ہے۔ منہ کے سامنے رکھنی پا... تاکہ اصلی مقصد حاصل کر دگے۔ حضرت امیرؒ نے بیعت کی اور خانقاہ کی ... خدمت

میں مشغول ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنے کے لئے مامور ہوئے۔ اور ان کا حال اس مقام پر پہنچا۔ کہ تیزی پیدا ہو گئی۔ اور حضرت شرف الدین حؒ نے اپنے یاروں کو فرمایا۔ کہ حضرت امیرؓ کے سامنے ذکر خدا بلند آواز سے نہ کریں۔ کیونکہ روح کی نسبت وہ نابود ہونے کا خطرہ رکھتے ہیں۔ پھر ان کو ہتھکڑیاں ڈال کر دو تین مہینے تک بازار کی روٹیاں کھانے کو دیں۔ پھر ابو البرکات تقی الدین اخی علی کی نظر سے فائدہ مند ہو کر دو برس کسے لئے ان کے پاس طریقت کی تعلیم پائی اور معرفت و شہود کے شعل کو روشن کیا۔ حضرت ابو البرکات کے انتقال کے بعد پھر شیخ شرف الدین محمود کی خدمت میں آ کر ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ انہی دنوں میں چار سو اولیائے کی ایک مجلس منعقد ہوئی اور ان کا صدر شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی تھے۔ جب حضرت امیر ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے آپ کے حق میں دعا کی اور فاتحہ پڑھی۔ اور چار سو حدیث کی تعلیم کی۔ پھر اپنے عالیشان مرشد شیخ شرف الدین محمود کے فرمان سے تین دفعہ دنیا کی سیر فرمائی۔ پہلے بار شہروں کی دوسری دفعہ گاؤں گاؤں کی۔ تیسری دفعہ گھر گھر کی۔

کہتے ہیں کہ اولیائے کبار میں سے تینتیس ۳۳ بزرگوں نے آپ کو خط ارشاد لکھ کر دیا۔ اور ان میں سے شیخ ابو سعید معمر حبشی کی ملاقات اور مصافحہ سے بھی مشرف ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جناب حضرت امیر نے سیر و سیاحت کے ایام میں ایک سو سترہ ۱۱۷ دن کو کچھ بھی نہ کھایا۔ اور حج کے سفر میں اٹھائیس ۲۸ دن کو فاقہ رہ کر سفر کیا۔ سات برس کو ایک ہی کرتہ پہنا۔ جو کی روٹی کلاہ دوزی کر کے کھائی۔ بہت دفعہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اسی اثناء میں کچھ نفسانی عالموں کو آپ سے کدورت پیدا ہوئی اور انہوں نے آپ کو زہر ملایا ہوا شربت پلایا۔ لیکن خدا کی مہربانی سے آپ بچ گئے۔ اور ہر سال اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ پچاس برس کے زمانے کو میں کبھی زمین پر پہلو رکھ کر نیند نہ کی۔ اور لذیذ مزیدار کھانوں میں سے کوئی چیز نہ کھائی۔ اور باوجود اس تمام ریاضت کے اپنے آپ کو کتے کے بچے سے بہتر خیال نہیں کرتا ہوں۔ حضرت امیر کے تصانیف میں لیے ایک سو ستر ۱۷۰ کتابیں مشہور ہیں۔ مصنف خلاصۃ المناقب لکھتے ہیں۔ کہ ... بادشاہ نے آپ کو ملاقات کے لئے دعوت کی۔ آپ نے منظور

نہ فرمائی۔ بادشاہ کو غصہ آیا۔ اور حکم دیا۔ کہ تانبے کا گھوڑا تیار کر کے۔ اسکو آگ میں گرم کریں۔ اور حضرت امیرؒ کو اسی گرم گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس آنے کا حکم دیں۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ لیکن بادشاہ کے ملازم تانبے کے گھوڑے کو گرم کرتے تھے۔ اور وہ خدا کے حکم سے ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ بادشاہ اپنے اس فعل سے شرمندہ ہوا۔ اور آپ سے معافی مانگی۔

Ceylon

ایک دفعہ سراندیپ کے شہر میں حضرت آدم علیہ السلام کے مقبرے کی زیارت کو جا رہے تھے۔ ایک اژدہ نے راستہ کو روک دیا۔ آپ نے بغیر کسی تیز اوزار کے اُسے ہلاک کر دیا۔

ایک دفعہ عیسائی پادریوں اور مسلمان عالموں میں ایک بات پر بحث ہوئی۔ کہ آنحضرت پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا رتبہ رکھتے ہیں" (علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل) اسرائیلی عالموں کا سوال تھا۔ کہ اگر پیغمبر اسلام کا یہ کلام درست ہے۔ پھر مسلمان علماء مردہ کو کیوں زندہ نہیں کر سکتے ہیں؟ مسلمان عالم لاجواب ہو گئے اور چالیس دن کی مہلت چاہی۔ چالیس دن گذرنے پر دونوں طرفوں کے علماء پھر جمع ہوئے حضرت امیرؒ الہام ربانی سے طے مکان کر کے مجمع میں حاضر ہوئے۔ ایک مردہ جو تجربہ کے لئے لایا گیا تھا۔ مجمع میں پیش کیا گیا۔ علماء حیران اور پریشان تھے۔ حضرت امیرؒ آگے بڑھے مردے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "میرے حکم سے اٹھو" (قم باذنی) مردہ اسی وقت زندہ ہو گیا۔ ایک دفعہ امیر تیمور نے آپ کو امتحان کے ارادہ سے کھانا اپنے ساتھ کھانے کے لئے دعوت دی۔ اور ایک بھیڑ زبردستی سے لوٹ کر لا کر آپ کیلئے ضیافت پکوائی۔ اور آپ کے بیٹھنے کے مسند کو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بچھوایا۔ جب حضرت امیرؒ بادشاہ کے گھر میں داخل ہوئے اور مسند پر بیٹھے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے شاہی محل نے چکر کھایا۔ اور آپ روقبلہ ہو گئے۔ جب ضیافت سامنے لائی گئی۔ اور آپ تناول فرمانے لگے تو ایک بیوہ عورت نے باہر سے شور مچایا اور فریاد کی کہ "میں نے شاہِ ہمدان کی نذر کی نیت سے ایک بھیڑ پالی تھی۔ بادشاہ کے نوکروں نے اُسے غارت کر کے لے لیا۔" حضرت امیرؒ نے بیوہ کو تسلی دی۔ بادشاہ شرمندہ ہو گیا۔ آپ کے حالات اور کرامات نے امیر تیمور کے دل کو مکدر کیا۔ چنانچہ اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ "میری قلمرو سے فوراً ہجرت کریں۔" آپ نے جواب بھیجا "کہ اگر آج ہی میں تمہاری قلمرو سے

باہر نہ گیا تو پانی تک پینا مجھ پر حرام ہے۔ اسی وقت مسجد پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا "یہ خدا کا ملک ہے۔ بادشاہ کے ملک سے باہر نکلا" اسی وقت سفر کا سامان تیار کر کے اپنے مریدوں اور متعلقوں کی ایک بڑی جماعت ساتھ لیکر کشمیر کی طرف کوچ فرمایا۔ ماہ ربیع الاول ۷۷۴ھ میں شہاب الدین پورہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ سید محمد قادری نے کشمیر میں ورود فرمانے کی تاریخ لکھی :-

میر سید علی شہ ہمدانؒ	سیر اقلیم شش جہۂ کردہ نکو
شد مشرف زمقدمش کشمیر	اہل آن شد از و ہدایت جو!
سال تاریخ مقدم او را	گفتم از مقدمہ شریف بجو

مصنف وقایع کشمیر لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امیرؒ کی کشمیر مشرف فرمانے کے دنوں میں سلطان شہاب الدین پانچ لاکھ سوار اور پیدل سپاہی لیکر ہندوستان فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا۔ حضرت سید تاج الدین اور سید حسن بہادر لشکر کے ہمراہ تھے۔ اور یہاں سلطان قطب الدین قائم مقام سلطنت تھا۔ سلطان قطب الدین نے بڑی شان و شوکت اور کمال عزت و عقیدت سے حضرت امیر کا استقبال کیا۔ اور سید تاج الدین کی کوٹھی میں جو شاہی محل کے متصل تھی بٹھایا۔ مہمان نوازی اور خاطر تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ حضرت امیر کبیرؒ نے گلزار کشمیر کے سیر و تماشا میں تقریباً چار مہینے صرف کئے۔ پھر حرمین الشریفین (مکہ و مدینہ) کی زیارت کے ارادہ سے ہندوستان کے راستے کوچ فرمایا۔ فیروز پور پہنچکر سلطان شہاب الدین اور سید تاج الدین کے ساتھ ملاقات کی۔ کچھ دن کے بعد وہاں سے چلکر فیروز شاہ بادشاہ دہلی کی فوج میں پہنچے۔ اور دونوں سلطنتوں کے درمیان جھگڑے کو دور کر کے صلح کی تجویز پیش کی۔ دونوں بادشاہوں کے اعلیٰ نمایندے ایک جگہ جمع ہوئے۔ ملک کے سرحدوں کے حدود کی تعین کی اور طرفین کے عہد نامے تحریر ہوئے۔ عہد و پیمان اور دوستانہ تعلقات کے استحکام کے لئے فیروز شاہ کی لڑکیاں سلطان قطب الدین اور سید حسن بہادر کے ساتھ بیاہی گئیں۔ سلطان شہاب الدین نے جناب حضرت امیرؒ کو اسی جگہ سے واپس کشمیر تشریف لانے کیلئے عاجزانہ التجا کی۔ حضرت نے حرمین شریفین کی خواہش

کے موجب سلطان کی درخواست منظور نہ فرمائی۔ اور فرمایا کہ وہاں کی واپسی پر بشرط زندگانی کشمیر آؤں گا۔ جناب حضرت امیر وہاں سے سید تاج الدین اور سید حسن بہادر کو ساتھ لیکر قصبہ سادمان کو سید حسین کی ملاقات کو گئے۔ جو کئی برسوں سے وہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور سید حسین کو کشمیر آنے کی ترغیب دی۔ جس دن جناب حضرت امیر فیروز پور سے حرمین کی طرف عازم ہوئے۔ اسی دن سید حسین سمنانی سید تاج الدین کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ مراسم حج کی انجام دہی اور عرب کے اطراف و اکناف کی سیر کے بعد جناب حضرت امیر نے ہندوستان کے راستے سے آکر سنہ ۷۸۱ کے اوائل میں دوسری دفعہ اسی دلپذیر خطہ کو اپنے مبارک قدموں سے تازگی بخشی۔ آپ کے ہمراہ سات سو سے زیادہ سید اور عالم تھے۔ محلہ علاؤ الدین پورہ کی اس مسجد میں جو خانقاہ معلی کے متصل ہے۔ ڈیرہ ڈال دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو سلطان قطب الدین کی کاروانسرای میں جگہ دلوادی۔ دوسری دفعہ کشمیر کو منور فرمانے کی تاریخ یہ ہے:-

شکر کز مقدم امیر کبیر ۔۔۔ باغ کشمیر ہمچو گل بشگفت
ہاتف غیب سال مقدم او ۔۔۔ آمد اینجا علی ثانی گفت ۷۸۰

ان دنوں میں حضرت امیر کے حجرۂ خاص کی جگہ راجہ پروریسین کا تعمیر کرایا ہوا کالی کا مندر تھا اس مندر کا بڑا پوجاری شاپو برہمن پوجا پاٹ میں اپنا وقت گذارتا تھا۔ حضرت امیر نے قلبی کشش سے پنڈت کو مسلمان کیا۔ اور اسی کے ہاتھوں مندر کو گروا کر اسکے پتھروں سے ایک وسیع صفہ (دالان) سجایا۔ اور جس جگہ موجودہ حجرۂ خاص ہے اسی جگہ اپنا خیمہ لگواکر دو چلے خلوت میں گذارے۔ اور ذات الٰہی کی تجلیات سے مشرف ہو گئے۔ نماز جمعہ اور پنجگانہ نمازیں باجماعت اسی جگہ پڑھا کرتے تھے۔

سلطان قطب الدین پورے اخلاص سے حضرت امیر کے خادموں کی خدمتگذاری بجالاتے تھے۔ جناب حضرت امیر سے بیعت کر کے مریدوں کے زمرے میں شامل ہو گئے اور حضرت امیر کی تعلیم و تربیت سے باطنی صفائی حاصل کی۔ اور جو بری عادتیں اور رسمیں اسکو لگ گئی تھیں۔ حضرت کے فرمانے سے انہیں چھوڑ دیا۔ حضرت امیر فرماتے ہیں

کہ کشمیر کے قیام کے زمانے میں ایک رات میں ایک مسجد میں اکیلا بیٹھا۔ ایک پہر رات گذرنے پر ایک آدمی آیا۔ اور مجھے مسجد سے نکلنے کو کہا۔ تاکہ اس کے دروازے کو قفل لگادے۔ میں نے کہا مسجد مسکینوں اور غریبوں کے لئے وقف ہوتی ہے۔ تو اس کو قفل لگاکر بند کیوں کرتے ہو۔ اس نے کہا جو کوئی اس مسجد میں رات کو ٹھہرتا ہے صبح کو زندہ نہیں نکلتا ہے۔ میں نے نہ مانا۔ اس نے دروازہ کو باہر سے قفل لگایا اور چلا گیا۔ جب آدھی رات گذری مسجد کا دروازہ کھلا اور ایک مشعل ظاہر ہوگئی۔ اور ایک نقاب پوش عورت دروازہ سے اندر آئی۔ میں نے دل کی صفائی سے جانچ لیا کہ یہ بھتنی ہے اور میں نے قہر وغضب سے اس پر نظر ڈالی۔ اسی وقت جینا کی طرح دانہ دانہ گر کر غائب ہوگئی۔ جب صبح کو لوگوں نے مجھے زندہ پایا تو وہ حیران ہو گئے۔

مختصر یہ ہے کہ جناب حضرت امیر نے اڑھائی برس اس ملک کی سیر سیاحت کی اشاعت دین اسلام اور بدعتوں کے دور کرنے میں گذارے۔ بے شمار لوگوں کے دل گرویدہ بنا کر دائرہ اسلام میں لائے۔ مندروں کو گرا کر ان کی جگہ مسجدیں اور خانقاہیں ان ہی لوگوں سے بنوائیں جو بت پرستی کے زمانے میں ان مندروں میں مورتی پوجا کرتے تھے۔ بھون کے مندر کو گرواکر اسکی جگہ ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اور چھ مہینے وہیں رہے۔ ۷۸۳ھ میں تبت اور ترکستان کی سیاحت کی خواہش سے کشمیر سے روانہ ہوئے۔ تین برس ان ملکوں میں دین اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ بلتستان۔ لداخ۔ کاشغر۔ ختن۔ تنگاں اور چین وغیرہ کی سیر وسیاحت کرتے کرتے شہر افسوس میں اصحاب کہف کے غار کی زیارت سے مستفید ہو گئے۔ ۷۸۵ھ پھر کشمیر کو رونق بخشی۔ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قوانین کو زندہ کر دیا ہر شخص کو احکام شریعت کی پابندی کرنے کی تنبیہ کی۔ اسلامی رسموں کو اس ملک میں جاری کیا۔ اور اوراد فتحیہ روزانہ بلند آواز سے پڑھنے کی عام اجازت دی۔ ۷۸۶ھ میں پکھلی تشریف لے گئے۔ جب کنر سواد کے ملک میں پہنچے۔ ۶ ماہ ذالحجہ کو اس جہان فانی کو الوداع کرکے ملک جاودانی کو سدھارے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر سانس بند

چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے عدد ۷۸۶ تاریخ وفات ہے۔

مولف جس کی طبع زاد تاریخ ہے:۔

جناب سیادت امیر کبیرؒ — چو در باغ جنت شد آرام گیر
حسن سال موسود و عمر و وصال ! — درین بیت ہر سہ بگفت ای فقیر
سینی باسط در حمت اللہ ظہور ! — قضا پیر کامل امیر کبیرؒ

ان کے انتقال پر کشمیر اور طالقان اور سلطان محمد خان والی پکھلی کے درمیان دفنانے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ ہر طائفہ چاہتا تھا۔ کہ ان کی نعش مبارک اسی فرقہ کے ملک میں سپرد خاک ہو۔ اسی ضمن میں شیخ قوام الدین بدخشی نے فرمایا کہ غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد جو فرقہ تابوت مبارک کو اُٹھائے گا۔ اسی طرف لے جائیں گے۔ لوگوں نے حد درجہ کوشش کی اور کوئی تابوت کو ہلا نہ سکا۔ شیخ قوام الدین بدخشی آگے بڑھے اور تابوت کو اُٹھایا۔ اور ختلان پہنچا کر ۵ جمیدالثانی ۷۸۶ھ کو نعش مبارک سپرد خاک ہوا جو جھنڈا حضرت امیر کبیر نے شیخ محمد ازکانی سے اجازت کے وقت حاصل کیا تھا۔ اور کئی بار حرمین الشریفین کے سفر میں ان کے ساتھ تھا۔ اور کشمیر سے واپسی پر ملا علی ماگرہی کو اسکا علمبردار بنایا تھا۔ اس پھریری کو مع ڈنڈے کے اور عصای شریف کو تلاش کر کے دیوی گنائی اور ملا علی ماگرہی کشمیر لے آئے۔ اور اِن بزرگوں کو اس چبوترے پر جس پر حجرۂ خاص تعمیر کرانے کا خاکہ ڈالا گیا تھا۔ رکھدیا۔ تمام لوگ اور سلطان قطب الدین اور اسکے وزیر امیر اسی جگہ ان کی زیارت کو آتے تھے۔ اسوقت سے یہاں کے لوگ اس حجرہ اور ان تبرکوں کو اجابت دعا کی جگہ اور فیض و برکت کا وسیلہ جانتے ہیں۔

سید جلال الدین عطائیؒ

حضرت امیر کے رفیقوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ اپنے بال بچوں کے سمیت موضع شیر پرگنہ کھاورہ میں جو کرشامہ کے متصل ہے سکونت اختیار کی۔ اپنے پوتوں۔ نواسوں اور سادات کبار کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ وہیں مدفون ہیں۔

سیّد کمال الدین

حضرت امیر کے دل لبھانے والے خالو مردِ کامل۔ فاضل۔ روشن ضمیر اور لاثانی خدا دوست تھے۔ کشمیر کے تمام علاقوں کی سیاحت کے بعد جناب حضرت امیر کبیر کے حکم سے عالی نسب شاہ قطب الدین کی تعلیم و تربیتِ احکامِ شریعت کے لئے اس جنت نظیر ملک میں قرار پذیر ہو گئے۔ بیشمار لوگوں کو قرب الٰہی کے مرتبہ پر اور شہود کے درجہ پر (وہ درجہ جس میں ہر شے میں حق نظر آتا ہے) پہنچایا جب اس دنیا سے کوچ فرمایا قطب الدین پورہ میں دفن کئے گئے۔

سیّد کمال الدین ثانی

سیدوں کے سردار فیضوں کے سرچشمہ صاحب کمالات حضرت امیر کے یاروں میں سے تھے۔ حضرت کے جانے کے وقت بڑھاپے کم طاقتی اور مددگاری کی ضرورت کے موجب یہاں ہی ٹھہرنے کی اجازت حاصل کر کے نایدکھئی گے گاؤں میں رہائش اختیار کی۔ اور وفات پر وہیں دفنائے گئے

سیّد جمال الدین محدث

یہ بھی پروردگار کے خاص دقت کے علامہ نامور سیّد حضرت امیر کے خالو تھے۔ سلطان قطب الدین کی دوستی اور التماس کے موجب حضرت امیر سے کشمیر میں سکونت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ آخری وقت تک لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ زندگی کے لباس کو چاک کرنے کے بعد اس محلہ میں جس کو ان کی سکونت کے باعث عروۃ الوثقیٰ (مظبوط رسی یعنی پکے ارادہ کی جگہ) کہتے تھے اور آجکل آرودٹ کے نام سے مشہور ہے۔ دریائے بہت (جہلم) کے کنارے آسودہ ہیں۔ چونکہ اہل تشیعہ جناب سید جمال الدین کو اپنے پیشواؤں میں شمار کرتے ہیں۔ اسلئے عالمگیر کے زمانے میں اور شیخ غلام محی الدین کی حکومت کے وقت میں ان کے مقبرہ کے قابض ہو گئے تھے۔ لیکن سنیوں نے حکومت وقت کے پاس مقدمہ دایر کیا اور مقبرہ کا قبضہ پھر حاصل کیا۔

سیّد فیروز

یہ سید جلال کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت امیر کے دوستوں میں سے تھے۔ عجیب حال اور بڑے کمالات والے صاحب گذرے ہیں۔ موضع ہمپورہ پرگنہ وچو میں مدفون ہیں۔

سیّد محمد کاظم

سید قاضی کے لقب سے مشہور تھے۔ روشن ضمیر فصیح تقریر حضرت امیر کے کتب خانہ کے حوالہ دار تھے۔ ان کے حالات اور کمالات کے قصے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیر نے ایک دن پانپور میں ان سے کتاب فتوحات مانگی۔ یہ کتاب شہر طالقان میں رہ گئی تھی۔ سید کاظم نے اسی وقت طے مکان کر کے کتاب لاکر خدمت میں پیش کی۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں میں لتہ پور کا مندر بُت پرستوں کا مرکز تھا۔ روشن ضمیر سید نے حضرت امیر کے حکم سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے وہاں سکونت اختیار کر کے بتخانہ اور بُت پرستی کا خاتمہ کیا اور اسی جگہ دنیا سے رحلت کی۔

سیّد رکن الدین و سیّد فخر الدین

یہ بڑی قدر والے دونوں بھائی نامور سید کے مریدوں میں گوشہ نشینی اور خلوت نشینی میں اپنے وقت کے برگزیدہ خدا دوستوں میں سے تھے۔ پرگنہ اولر کے آدن پورہ گاؤں میں ان کی زیارت ہے۔

سیّد محمد قریشی

حضرت امیر روشن ضمیر کے مصاحبوں میں سے تھے۔ سیدوں کے سردار حضرت امیر کبیر کے حکم سے بجبارہ میں سکونت کر کے لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ بجبیشور (وشی شر) کے عالیشان قابل دید مندر کو جس میں سونے چاندی کے تین سو ساٹھ ٣٦٠ چھوٹی بڑی مورتیاں رکھی گئی تھیں مسمار کرا کے اس کے پتھر اور مسالہ سے ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی اور اسی کی ہمسایگی میں قیامت تک کے آرام کی نیند میں سو گئے۔ سید عزیز اللہ اور سید مراد آپ کے دو صاحب کمال خلیفے آپ کے روضہ کے گنبد کے نیچے آسودہ ہیں۔

سید احمد قریشی

سید محمد قریشی کے بھتیجے صاحب طاقت اور عالی ہمت خدا دوست تھے۔ پرگنہ شادرہ کے گاؤں لبتر میں دفن ہیں۔

پیر حاجی محمد قاری

حضرت امیر کے رفیقوں میں سے ظاہری و باطنی کمالات کا مجموعہ تھے۔ حافظ کلام اللہ تھے۔ اور ساتوں قرأتوں سے قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے تھے۔ جناب حضرت امیر کے حکم سے سلطان قطب الدین اور اس سرزمین کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں ہی رہائش کی۔ سلطان نے اپنے محل کے ساتھ ہی ان کے خادموں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی۔ دو پرگنوں کی آمدنی اس خانقاہ کے خرچہ کیلئے مقرر کر کے لنگر جاری کیا۔ اور سید محمد قاری نے احکام دینِ اسلام کو رواج دینے شریعت محمدیؐ کے رسموں کی اشاعت کرنے مسجدوں اور خانقاہوں کی تعمیر کرنے میں بہت کوشش کی۔ آٹھ ماہ رجب سنہ ۷۹۲ھ کو سر درد کی تکلیف سے وفات پائی۔

جان کنی کے دمِ واپسیں کے وقت یہ رباعی زبانِ مبارک سے جاری ہوئی:-

زین جہاں رفتیم و دل بر داشتیم
الما جہانباں را جہاں بگذاشتیم
ایمنی جستیم از دست اجل
وا دریغا ما غلط پنداشتیم

(ہم اس دنیا سے چلے اور اس سے دل اٹھایا۔ اور دنیا (کے مالک) رکھنے والے کو یہ دنیا چھوڑ دی۔ موت کے ہاتھ سے ہم پناہ ڈھونڈتے تھے۔ افسوس ہم غلط خیال کرتے تھے یعنی یہ ہمارا خیال غلط تھا) جب خانقاہ معلیٰ کے صحن میں جنازہ کی نماز پڑھکر تابوت اٹھانے لگے۔ تو یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اور اسکو اٹھا نہ سکے۔ لوگ حیران ہو گئے۔ اسی صحن میں تابوت خود بخود ہوا میں اٹھکر پرواز کر کے محلہ لنگر ہٹہ میں اپنے محل میں اترا۔ پھر انہیں وہیں دفن کیا گیا۔

سید بہاء الدین

حضرت امیر کے یاروں میں سے تھے۔ پرگنہ کروہن کے وزد گاؤں میں مدفون ہیں۔

سیّد جعفر

سید بہاء الدین کے بھائی تھے۔ کشف و کرامات والے صاحب مشہود تھے۔ پرگنہ لار کے آرہ ہامہ گاؤں میں دفن ہیں۔

سیّد کبیر بیہقی

حضرت امیر کے نسبت رکھنے والوں میں سے صاحب کشف و کرامات دلی جوش اور حالات والے تھے۔ محلہ خواجہ بازار میں خواجہ شاہ نیاز کے گھر کے پاس عالی نسب سیدوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدفون ہیں۔

نوٹ: شاپور برہمن کے مسلمان ہونے کا حال اور حضرت سید امیر کبیرؒ کے کمالات کا بیان پہلے حصہ میں لکھا گیا ہے۔

سیّد محمد چمن پوش اوّل

کچھ مؤرخ ان کو "آہن پوش" کہتے ہیں۔ حیران کن حالات والے تھے۔ محلہ کنہ کدل میں راحت کی نیند سو رہے ہیں۔

سیّد شہاب الدین

محلہ ملک پورہ میں رنگہ مسجد کے متصل مدفون ہیں۔

سیّد بہاء الدین ثانی

حضرت امیر کے پیروں میں سے تھے۔ شوپیاں کے متصل آرہ ہامہ گاؤں میں ان کا مقبرہ ہے۔

سیّد نعمت اللہ

حضرت امیر کے پیروں میں سے تھے۔ قصبہ پانپور میں خواجہ مسعود کے مقبرہ سے ذرا اوپر ان کا مزار ہے۔

سیّد محمد و سیّد احمد

حضرت امیر کے مریدوں میں سے حیران بنانے والے حالات اور پاکیزہ کمالات والے بزرگ تھے

حضرت پیر محمد حاجی کی مصاحبت میں رہتے تھے۔ جناب حضرت امیر کے انتقال کے بعد گنز سواد سے غور جاکر لوگوں کو رہبری کرتے تھے۔ غلبۂ تیمور پر غور سے ہجرت کر کے کشمیر آئے۔ کتابوں کی ایک بڑی تعداد تھیلوں میں باندھ کر ساتھ لائے تھے۔ چوروں نے مال وجائیداد کے خیال سے دونوں کو شہید کیا۔ یہ دونوں بزرگ کاٹے ہوئے سروں کو ہاتھوں میں اٹھاکر پیر حاجی محمد کے دروازے پر صفہ پر کھڑے ہو گئے۔ یہ واقعہ دیکھکر دس ہزار کے قریب شہر کے لوگ جمع ہو گئے۔ اور سلطان کے حکم کے موجب اسی صفہ پر سپرد خاک کئے گئے۔

سید محمد حصاری

ان کا اصلی وطن بلخ کے گرد و نواح میں ساماں کا گاؤں تھا چونکہ ان کے باپ داداؤں نے اصلی وطن سے آکر حصار میں سکونت اختیار کی تھی۔ اسی لئے "حصاری" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حضرت امیر کے ساتھ قریبی رشتہ رکھتے تھے۔ عجیب وغریب کمالات اور حالات رکھتے تھے۔ سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر تشریف لائے اور سلطان کی درخواست پر اس کے شاہی محل کے پاس ہی محلہ سکندر پورہ میں رہنے لگے۔ بادشاہ ہمیشہ ان کی برکت والی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا۔ ایک دن دیکھا گیا کہ حضرت سید بیہوش ہو کر گرے ہیں۔ اور ان کی پوستین کے دامان اور آستینوں سے پانی جوش سے بہہ رہا ہے۔ جب اس حال سے ہوش میں واپس آئے۔ دوستوں کی عجز زاری اور اصرار پر فرمایا: ہمارے مریدوں میں سے ایک شخص جہاز میں تھا۔ سمندر میں سخت آندھی چلی۔ اور جہاز ڈوب گیا۔ مرید نے میری طرف رجوع کی۔ میں نے اپنی ہمت اسکو گرداب بلا سے رہائی دینے میں صرف کی۔ اس کی زندگی کی کشتی نجات کے ساحل پر پہنچائی۔ اور وہ پانی جو میری پوستین سے جوش مار رہا تھا سمندر کا پانی تھا۔ جب وہ مرید سفر سے واپس آیا۔ تو اس نے وہی حال بیان کیا۔ جو حضرت سید نے فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت نے عمر بھر شادی نہ کی۔ جب دنیا کو رخصت کی تو محلہ نوہٹہ میں دفن ہوئے۔

سید سراج الدین

سید محمد حصاری کے بھائی تھے۔ نہایت فاضل اور کامل بزرگ تھے۔ نندہ پورہ منبر کری میں ان کا مقبرہ ہے۔

حضرت میر محمد ہمدانیؒ

جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے فرزند ارجمند اور خلیفہ ہیں۔ آنحضرتؒ کے انتقال کے روز آپ کی عمر شریف بارہ برس کی تھی۔ حضرت امیر نے دنیا سے رحلت کے وقت دو دستاویزیں ایک وصیت نامہ دوسرا خلافت نامہ لکھکر مولانا سرائی کے حوالے کی تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ دونوں کاغذ خواجہ اسحاق ختلانی اور مولانا نورالدین بدخشی کے پاس پہنچانے چاہئیں۔ جب اسحاق ختلانی اور مولانا نورالدین بدخشی میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ کی خدمت میں مشرف ہوئے اور حضرت میر نے اپنے والد بزرگوار کے کاغذات مانگے حضرت خواجہ نے صرف وصیت نامہ ان کے حوالے کیا۔ اور کہا دوسرا کاغذ اس شخص کو دینا جائز ہے جس کے طلب میں خداوندکریم مطلوبیت کے مقام سے پہنچے اور جس کا رتبہ خادمیت سے مخدومیت پر انجام پائے۔ ابھی وہ وقت نہیں۔ جب یہ وقت آئے گا حوالہ کریں گے۔ یہ باتیں سنکر حضرت سید میر محمد ہمدانی کا حال بدل گیا۔ سجادہ نشینی چھوڑ دی۔ اور خواجہ اسحاق کی خدمت میں تین برس پانچ مہینے رہے۔ اور اس مدت کے شروع میں کلوخ استنجا (بول و براز صاف کرنے کا ڈھیلا) ان کے لئے تیار کرتے تھے۔ پھر پانی لانے کی خدمت سپرد ہوئی۔ پھر مولانا نورالدین سے آداب طریقت حاصل کئے۔ جب سولہ برس کی عمر کو پہنچے خلافت نامہ ان کے حوالے کیا گیا۔ اور پھر خلق خدا کی رہبری میں مشغول ہو گئے۔ ۷۹۶ھ میں سیر کشمیر کا خیال آپ کے دل مبارک میں پیدا ہوا۔ تین ہزار عالموں اور سیدوں کی جماعت ساتھ لیکر اس دلپذیر خطہ کو تازہ رونق بخشی۔ مولف حسن کی تاریخ ہے:

حسن گفت تاریخ تشریف او مبارک امیر کبیر آمدہ

جب اہل جود کے اس رہبر (لیڈر) کی تشریف آوری کی سعادتمند خبر شیخ نورالدین نورانی کے گوش مبارک میں پہنچی آپ نے فرمایا:۔ "کاشرن پیراہ آو" کشمیریوں کا ایک پیر آیا۔ اس فقرے کو جب ابجدی قیمت لگاکر عددوں کو جمع کیا گیا۔ تو تاریخ ورود حضرت میر برآمد ہوئی۔ سلطان سکندر نے شاندار استقبال کرکے تن و من سے مہمانداری اور فرمانبرداری کے مراسم بجا لائے اور حضرت میر کی تجویز سے حضرت امیر کے بنائے ہوئے چبوترے پر خانقاہ معلیٰ کی تعمیر نہایت سنجیدگی اور مضبوطی کے ساتھ شروع ہوئی۔ بھون کے گاؤں نزال اور وچی وغیرہ میں جہاں

کہیں حضرت امیر تجلیات الٰہی سے بہرہ ور ہوئے تھے عالیشان خانقاہیں بنائیں۔ کرالہ پورہ کے گاؤں میں ان کے دلِ مبارک کو خوش کرنے کے لئے ایک وسیع باغ بنوایا۔ حضرت سید کے پاس ایک گران بہا بدخشانی لعل تھا۔ اسے تبرک کے طور پر سلطان سکندر کو بخش دیا۔ اور اس کے معاوضے میں اس سے تین گاؤں قصبۂ ترال۔ لونہ ونی اور موضع وجی کو لے لیا۔ اور ان تینوں جگہوں کی آمدنی کو خانقاہ معلی کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ اس کی مفصل کیفیت حصہٗ اوّل میں پورے طور سے بیان کی گئی ہے۔ اور سلطان سکندر کی سند کی نقل اور حضرت سید کا وقف نامہ اسمیں موجود ہے۔

الغرض حضرت سید میر محمد ہمدانی نے بائیس[۲۲] برس اسلام کی رسوم کی اشاعت شریعت کے احکام کے اجرا اور بدعتوں کے دور کرنے میں گذارے۔ ہر جگہ مندروں کی جگہ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور بے شمار غیر مسلموں کو دایرۂ اسلام میں لایا۔ سلطان کے وزیر ملک سہہ بٹ کو استقبال کے موقع پر ایک ہی نگاہ کے اثر سے مسلمان کر کے ملک سیف الدین کے نام سے موسوم کیا۔ اور ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت سے عزت بخشی۔

کہتے ہیں کہ حضرت سید کے نکاح میں پہلے سید حسن بہادر کی لڑکی بی بی تاج خاتون تھی۔ اور وہ پانچ برس کے بعد وفات پا گئی۔ اور ملک مسعود ٹھاکور کے مقبرے سے کچھ اوپر تنخدل کے متصل دفنائی گئی۔ اس کے بعد ملک سیف الدین کی نیک بخت لڑکی بی بی بارعہ نکاح میں لائی اور وہ تین سال کے بعد اس دنیا سے چل بسی۔ اور کرالہ پورہ گاؤں میں اپنے باغ میں سپرد خاک کی گئی۔ آجکل "ڈُدَماجی" کے نام سے مشہور ہے۔

لکھتے ہیں کہ حضرت سید میر محمد دین اسلام کی اشاعت کے لئے ایک مدت کے لئے تبت خورد کی طرف تشریف لے گئے۔ بلتستان کے ایک علاقے شگر اور لداخ کے علاقے لیہ میں خانقاہیں تعمیر کر کے واپس آگئے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان سکندر حضرت میر کی محبت اور خدمت گذاری دل و جان سے کرتے تھے۔ اسلئے سید محمد حصاری کے دل مبارک میں تھوڑی سی کدورت پیدا ہوئی اور حضرت سید میر محمد ہمدانی سے قطع تعلق کیا۔ اور ان کی کم عمری اور بے علمی کی شکایتیں امراء و وزراء کے پاس کرنے لگے۔ ایک دن دربار بادشاہی میں علم منطق

وغیرہ میں بحث ومباحثہ کرتے ہوئے حضرت میر کے ساتھ جھگڑا کیا۔ اور ان پر الزام لگایا۔ اور حضرت میر رنجیدہ خاطر ہوئے۔ رات کو دیکھا کہ والد بزرگوار حضرت امیر کبیر نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈال دیا اور نصیحتیں کیں۔ جب بیدار ہو گئے۔ اپنی تمام کو عقلی اور نقلی علوم سے مالامال پایا۔ اور اسی روز کئی خط حقیقت۔ معرفت اور نصیحت کے لکھ کر سلطان کو بھیجے۔ اور کتاب "شمسیہ" "منطق" کی شرح لکھی۔ اور جب یہ کتاب سلطان سکندر کے مطالعہ میں آئی اور علماء فصاحت نے موازنہ کیا۔ تو اس میں اور حضرت امیر کے کلام بلاغت میں کوئی فرق نہ پایا۔ اس کے بعد حضرت سید میر محمد ہمدانی نے علم تصوف کے پینتالیس ۴۵ رسالے تصنیف کئے۔

ایک دن حضرت سید محمد حصاری شیر پر سوار ہو کر حضرت سید میر محمد ہمدانی کے سامنے سے گذرے۔ اسی وقت آپ نے جای نماز دیوار پر ڈالی۔ اور سوار ہو کر سید محمد حصاری کے آگے نکل گئے۔ اور فرمایا شیخا! جو کچھ آپ نے کیا جان آزادی ہے۔ اور جو کچھ میں نے کیا خود داری ہے کام نہ تو تند خوخشمناک شیر کو ماتحت بنانا ہے۔ اور نہ بے جان دیوار کو فرمانبردار بنانا۔ بلکہ مدعا ومقصد حضرت اللہ تعالیٰ کی دائمی حضوری اور دیدار ہے۔ کچھ مدت کے بعد حضرت سید محمد حصاری اس خیال سے پھر گئے۔ کدورت دور ہو گئی۔ اور سید محمد ہمدانی کو مجازی اور حقیقی تعلیم وتربیت سے نوازا۔ اپنی خلافت کا خط انہیں لکھکر دیدیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر ان کے درمیان ظاہری رنجش واقع ہوئی۔ اسلئے سید محمد ہمدانی لاؤ لشکر لو کر چاکر ساتھ لیکر سنہ ۸۱۷ھ میں حج کو روانہ ہوئے۔ اور رخصت کے وقت حاضرین مجلس کو خیرباد کہی۔ داناؤں نے اس فقرے سے ان کی واپسی کی تاریخ نکالی۔ حج کے مراسم بجالانے کے بعد اپنے وطن کو تشریف لے گئے۔ اور عمر عزیز کو ہمدان میں گذارا۔ منگوار سترہ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۴ھ کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ اور والد بزرگوار کے مرقد کی ہمسائیگی میں قرار پایا۔

سید محمد سامانی

حضرت میر محمد ہمدانی کے نسبت داروں میں سے تھے۔ عالم باعمل فاضل اکمل اور علوم غریبہ کے کمالات میں بے بدل تھے۔ کتاب تنویر شرح سراجیہ ان کی لکھی ہوئی ہے۔ ان کا پاک مزار قتلدل کے پاس سید محمد خاوری کی ہمسائیگی میں ہے۔

قاضی حسین شیرازی

فلسفہ اور روائتی علوم میں فاضل طریقت اور معرفت میں مرد کامل تھے۔ کچھ مدت کے لئے شیراز کے قاضی مقرر ہو کر دیانت داری سے مقدموں کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ آخر کار حضرت میر محمد ہمدانی کے ساتھ خطۂ دلپذیر کشمیر کو رونق بخشی۔ اور یہاں ہی سکونت اختیار کی۔ سلطان سکندر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ بہت سے گاؤں بطور جاگیر عطا کئے۔ حضرت سید نے شریعت کے حکموں کو چلانے کے لئے اور برائیوں کو دور کرنے میں بہت کوشش کی۔ رتینہ حدیثوں کو جمع کر کے ایک رسالہ مرتب کیا۔ اور حضرت میر محمد ہمدانی کی نظر میں گذرایا۔ لیکن بعض محدث ان حدیثوں کو معتبر خیال نہیں کرتے ہیں۔ انتقال کے بعد محلہ زیر پرستان میں دفن کئے گئے۔ اور آج تک قاضی ولی کے نام سے مشہور رہیں۔

سید محمد خاوری

حضرت میر محمد ہمدانی کے یاروں میں سے عالم ربانی اور عارف حقانی تھے۔ موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ بہت سی کتابیں مثل خاور نامہ۔ شرح لمعات وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ ان کا مقبرہ فتح کدل کے متصل فیض برکت کی جگہ ہے۔ اور ان کے روضہ کے ساتھ بابا عبد الکریم ہرسیہ ریز دفن ہیں۔

سید علاؤ الدین بیہقی

دنیا کے لوگوں کے مخدوم سید جلال الدین بخاری کے پوتوں میں سے تھے۔ میر محمد ہمدانی کے ساتھ خطۂ جنت نظیر کو سر سبزی بخشی۔ اور اسکندر پورہ کے گاؤں میں خلوت نشینی اختیار کی۔ آخر عمر میں سُلطان کی التماس اور اصرار پر شہر آ کر شاہی دولت خانہ کے پاس ہی سکونت کی۔ جب وفات پائی مزار کلاں میں دفن ہوئے۔ صاحب فتوحات ان کی قبر اسکندر پورہ میں بتاتا ہے۔

سید فخر الدین

سید علاؤ الدین کے بڑے مرتبہ والے بیٹے تھے۔ اٹھتی جوانی میں اور باپ کی زندگی کے زمانے ہی میں اس غدار دنیا کو رخصت کی۔ کاندہ مامہ کے گاؤں میں مدفون ہیں۔

سید ضیاء الدین

دوسرا بیٹا سید علاء الدین کا سید زیرک کے نام سے معروف تھے۔ یہ بھی کانذہ نامہ میں مدفون ہیں

سید تاج الدین

سید علاء الدین کے تیسرے بیٹے تھے۔ اپنی عمر شریف کو گوشہ نشینی میں گذارا۔ عام اور خاص ان کے عقیدتمند تھے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو ان کی طرف رجوع تھی۔ بادشاہ کی جاگیر میں دئیے ہوئے رقبوں کی پیداوار اور آمدنی کنبہ کی خوراک کے لئے کبھی استعمال نہ کیا۔ ملک کے بڑے بڑے لوگوں کی بغاوت کے دنوں میں سید حسین بیہقی کے ساتھ شہید ہوئے اسکندرپورہ میں سیدوں کی ایک بڑی جماعت کیساتھ دفن ہیں۔

سید محمد

چوتھے بیٹے سید علاء الدین کے۔ صاف دل اور بڑی عزت والے بزرگ تھے۔ اسکندرپورہ کے گاؤں میں دفن ہیں۔

سید جلال الدین بخاری

سید محمد ہمدانی کے رفیقوں میں سے تھے۔ ان کے حکم سے سلطان سکندر کی تربیت کیواسطے یہاں قرار پذیر ہو گئے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے ظاہری اور باطنی فیض کا استفادہ کیا جب اٹل حکم جاری ہوا تو انہوں نے مزار سلاطین میں جگہ پائی۔

سید علی اکبر

حضرت میر کے دوستوں میں سے بڑا روشن ضمیر اور بے نظیر خدا دوست تھے۔ محلہ ناشون میں اپنے کئی متعلقوں کے ساتھ دفن ہیں۔

سید نور الدین

امیر ہمدانی کے یاروں میں سید حسین سمنانی کے ہمشیرہ زادہ تھے۔ لوگوں کے فیض رساں اور کشف و کرامات والے تھے۔ رنگہ مسجد کے متصل زینہ کدل میں ان کی قبر شریف موجود ہے۔

سید شہاب الدین و سید حضور اللہ

سید نور الدین کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ اُنہیں کے مزار میں دفن ہیں۔

سید حسین

حضرت میر کے یاروں میں سے تھے۔ ان کی تربت سید نور الدین کی قبر کے پہلو میں تھی۔ جو اب کوچہ میں گم ہو گئی ہے۔

سید محمد لورستانی

سید محمد ہمدانی کے خاص رفیقوں میں سے علم و عمل میں لاثانی تھے۔ شروع میں راج مزدوری کے پردے میں چھپے ہوئے تھے۔ جب سلطان سکندر مسجد جامع کی تعمیر کر رہا تھا۔ معمار اس کے شمالی کونے کی دیوار کو دن میں چڑھایا کرتے تھے۔ اور وہ رات کو گر پڑتی تھی۔ سید محمد لورستانی نے اس دیوار کی بنیاد میں ایک قبر دکھلا کر مسجد کے کونے کی دیوار کو کچھ ہٹا کر چڑھائی اور اسی سبب سے لوگوں میں ان کی شہرت پھیل گئی اور یہ مشہور ہو گئے۔ اسکے بعد مدت تک بلا اجرت مسجد کی تعمیر کا کام کرتے رہے۔ اور اپنی پاک آمدنی سے بھی زر کثیر مسجد پر خرچ کیا۔ لوگوں کا گماں تھا۔ کہ حضرت سید نے خزانہ پایا ہے۔ کہتے ہیں کہ سایل نے اس وقت جبکہ یہ معماری کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کثرتِ عیال اور تنگی حال کی شکایت کی۔ حضرت سید نے فرمایا۔ دامن پھیلاؤ اور مٹی سے بھرے ہوئے ہاتھوں کی مٹی کو اس کے دامن میں جھاڑ دیا۔ اور فرمایا جب تک اپنے گھر میں داخل نہ ہو جاؤ گے دامن نہ کھولنا۔ جب یہ سایل گھر پہنچا۔ اور دامن کو کھولا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ دامن خالص سونے کے ذروں سے بھرا ہوا ہے۔ کیچڑ کے ریزوں کو سونا بنا ہوا تھا۔ تین ربیع الثانی سنہ ۸۱۹ھ کو رحلت فرمائی اور مسجدِ جامع کے متصل پیروؤں اور رشتہ داروں کے ساتھ مدفون ہیں۔

خواجہ صدر الدین خراسانی

اولیاء کبار میں سے تھے۔ ان کے حالات اور کمالات لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ حقیقت شناسائی اور معرفت آگاہی کو پردہ میں رکھے ہوئے تھے۔ معماری کے فن میں کمال کی مہارت

رکھتے تھے۔ سید محمد لورستانی کے ساتھ بغیر مزدوری مفت میں مسجد کی تعمیر کا کام کرتے تھے۔
۱۲ ربیع الاول ۸۲۱ھ کو وفات پائی۔ محلۂ زینہ کدل میں سید بدرالدین کے مقابلے میں ان کی قبر شریف ہے۔

سیّد حسین خوارزمی

حضرت میر محمد ہمدانی کے رفیقوں میں سے تھے۔ ان کے ارشاد سے محلہ منوارہ میں سکونت کی اور ساری عمر کو تنہائی اور گوشہ نشینی میں گذارا۔ خلق خدا کو راہ خدا دکھا کر فائدہ اور فیض پہنچایا۔ اور اس جگہ کے مندر کو جو ہندوؤں کے پوجا پاٹ کا گھر تھا۔ پنڈتوں کو مسلمان بنا کر انہوں کے ہاتھوں سلطان سکندر کو کے قواعد قرآن مجید کی تعلیم مدت تک دیتے رہے۔ جب انتقال فرمایا۔ تو وہیں دفن کئے گئے۔ اُن کے بھائی کی نسل آج تک چل رہی ہے۔

سیّد محمد مدنی

حضرت میر محمد ہمدانی کے ساتھ نسبت رکھنے والوں میں سے تھے۔ مکہ شریف اور مدینہ طیبہ کی زیارت کے بعد امیر تیمور گورگانی کے سفیر کے ہمراہ سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر کو رونق بخشی۔ جب کشمیر کو دل پسند مقام پایا تو یہیں رہائش اختیار کی۔ لیکن سفارت کے کچھ کام پورے کرنے کے لئے ماوراُلنہر (ترکستان میں دریائے جیحوں اور سیحوں کا درمیانی علاقہ) کی ولایت کو واپس چلے گئے وہاں سے جلدی ہی واپس آ کر بال بچّوں کو ساتھ لیکر رعناواری میں بس گئے۔ جب سلطان سکندر نے ان کے حالات اور کمالات کی اطلاع پائی۔ تو نہایت عجز وزاری اور اصرار کر کے ان کو شاہی محل کے متصل رہنے پر آمادہ کیا۔ اور ایک خوبصورت خانقاہ ان کے خادموں کے رہنے کے لئے بنوائی۔ بادشاہ رات دن ان کی مجلس اور صحبت میں رہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن سلطان کی ضیافت پر ایک پکائے ہوئے کلنگ کو دستر خوان پر لایا گیا۔ حضرت سید نے افسرِ خاطر تواضع سے کہا۔ کہ اس کلنگ والے برتن کو اٹھائیں اور کلنگ والے کو واپس دیں۔ جب سلطان نے کلنگ والے سے پوچھ پاچھ کی اور ڈرایا دھمکایا۔ تو معلوم ہوا کہ کلنگ خود مُردہ تھا۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں۔ کہ یہ کام سلطان کے ملازموں نے حضرت سید کی آزمائش کیلئے

کیا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت سید نے عمرِ گرامی نے مجاہدۂ نفس اور مشاہدۂ الٰہی میں بسر کیا۔ ۱۱ ماہ رجب ۷۹۴ھ کو واپسی کا بُلاوا آیا۔ نوشہرہ کے حدود میں آرام راحت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ بعض مورخ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت سید نے دوسری بار سلطان زین العابدین کے عہد میں اس دلنشین خطہ کو رونق بخشی۔ اور پرگنہ بانگل کے ایک گاؤں مالوہ میں کچھ مدت قیام کیا۔ اور آخرِ عمر میں بادشاہ کی التماس پر شہر آکر نوشہر کی حدود میں سکونت کی۔ اور وہیں خدا سے جا ملے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت زیادہ مصدق ہے۔

کہتے ہیں کہ ان کا متبرک مقبرۂ علمبردار خان کی حکومت کے زمانے تک خاص و عام کی زیارت گاہ تھا۔ سوموار اور پیر دار کو لوگ جوق جوق اس زیارت پر جاتے تھے۔ ایک دن ایک بدکار نے مقبرہ میں ایک بُرا کام کیا اور اسی وقت اندھا ہو گیا۔ دوسرے دن سے زیارت پر جانے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی اور پھر لوگ درگاہِ فیض پناہ سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ پر سوموار اور جمعرات کو جانے لگے۔ چونکہ حضرت سید کی مسجد کے دروازہ کی لوح (تختی) پر "علیؑ ولی اللہ" لکھا ہوا ہے۔ اس لئے اہل تشیع حضرت سید کو اپنے بزرگوں میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ علمبردار خان اور اسکے بیٹے ابراہیم خان نے جو شیعہ عقاید رکھتے تھے۔ تعمیرات کی مرمت اور دیکھ بھال میں پوری توجہ کی۔ اور اسکی آمدنی کا ایک حصہ شیعوں کے لئے مقرر کیا۔ ۱۲۸۹ھ میں شیعوں نے سنیوں کے ساتھ زبردست جھگڑا کیا۔ جس کی بنا پر شہر کے لوگ جوش میں آ گئے۔ شیعوں کو لوٹا اور ان کے گھر بار جلا دئے۔ اس شورش کو فرو کرنے کیلئے راجہ رنبیر سنگھ نے مسجد کے دروازے اور ان کے مقبرے کو مقفل کر دیا اور لوگوں کو یہاں کی آمد و رفت سے ممانعت کی۔

سیّد محمدؐ کرمانی

سیدوں کے قابلِ قدر اولادوں میں سے تھے۔ سلطان سکندر کے عہد میں اپنے قدموں سے کشمیر کو تازہ رونق بخشی۔ محلہ ناشوان میں مُلا نازک کے مقبرہ کے متصل سپردِ خاک ہوئے ہیں۔

سیّد فخر الدین

بہت ہی بڑے خدادوستوں میں سے تھے۔ سلطان سکندر کے عہد کے آخر میں کشمیر آئے پرگنہ چھراٹھ کے ایک گاؤں ینوہ میں مدفون ہیں۔

سید محمد جندہ پوش

بہت بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے۔ مزار سلاطین کے ایک کونے میں دفن ہیں۔

سید عبداللہ

سید کمال الدین کے بھائی محلہ چھتہ بل میں مدفون ہیں۔

سید سلیمان

عالیدرجہ سیدوں میں سے تھے۔ محلہ صفاکدل میں ان کی قبر ہے۔

سید کمال

اسم بامسمّا صاحب کمال نامور سیدوں میں سے تھے۔ ریاضت اور عبادت میں برگزیدۂ روزگار تھے۔ محلہ اہل مریں دفن ہیں۔

سید حسین منطقی

سید نور الدین کے بیٹے اور سید تاج الدین کے پوتے تھے۔ بیہق کے بہت بڑے سیدوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ بیہق خراسان کا ایک شہر ہے۔ کہتے ہیں کہ امیر تیمور کے ظلم و تشدد کے سبب سے حضرت سید اصلی وطن بیہق سے ہجرت کر کے اپنے کنبہ کے چالیس پچاس نفر ساتھ لیکر سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر آئے۔ اور یہاں کچھ برس نہایت عزت و آبرو سے گذارے سید تاج الدین کے بیٹے سید محمد کا ندہ نامی کی لڑکی کا نکاح سلطان زین العابدین کے ساتھ کرایا۔

انہی دنوں میں ہندوستان کی ایک فوج نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کیا اور لڑائی چھیڑ گئی۔ سلطان کے آدمیوں نے حضرت سید پر تہمت لگائی۔ کہ حملہ آوروں کی اندرونی سازش حضرت سید کے ساتھ ہے۔ اسلئے حضرت سید دشمن کے لشکر میں گئے۔ اور منت سماجت اور نصیحت سے ان کو واپس جانے کیلئے کہا۔ لیکن احکام دین سے منکر لشکر نے ان کی نصیحت پر عمل نہ کیا۔ پھر سید پرہیزگوار اس ملک کا جرار لشکر لیکر اس شریر قوم

کے مقابلے کو نکلے۔ گھمسان کی لڑائی کی حالت میں ڈنک مارنے والی بھڑوں کی ایک جماعت نمودار ہوئی جس نے دشمن کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ بھڑوں کے ڈنک مارنے اور کاٹنے سے دشمن شکست کھا کر ہندوستان کی طرف لوٹ گئے۔

کہتے ہیں۔ کہ اس کرامات کے ظہور کے باوجود سلطان کے حوالی موالیوں کو کامل اطمینان نہ ہوا۔ اور کدورت کی آگ بھڑکتی گئی۔ اسلئے حضرت سید اپنے متعلقوں کی جماعت ساتھ لیکر اس ملک سے ہجرت کر کے دہلی کے متصل قصبہ جاوچہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور حضرت کے والد بزرگوار سید نورالدین وہیں رحلت فرما گئے۔

جب سلطان زین العابدین تخت نشین ہو گئے۔ تو انہوں نے حضرت سید کو کشمیر آنے کیلئے بہت تنگ کیا۔ (منت و زاری کی) اسی بنا پر حضرت سید اکیلے کشمیر تشریف لے آئے۔ اور کچھ دیر کے بعد ان کے فرزند سید حسن سارا کنبہ لیکر اس ملک میں آئے۔ اور پھر اسی ملک کو اپنا وطن بنایا۔ کہتے ہیں کہ سلطان زین العابدین کی بیوی سید محمد کاندہ ہامی کی لڑکی بانجھ تھی۔ سلطان نے اپنی بیوی کی استدعا پر سید حسین سے بیٹے کے لئے التماس کی۔ حضرت سید کو مکاشفہ سے معلوم ہوا کہ سلطان کی اس بیوی سے بیٹا پیدا نہ ہوگا۔ دوسرے دن نازنہ جنا ہوا لڑکا آستین سے نکال کر سلطان کی گود میں ڈال دیا۔ اور فرمایا اس کا نام محمد امین رکھیں۔ پھر جس روز سید کا عیال کشمیر پہنچا۔ تو ان کی اہلیہ نے عرض کی کہ فلانی تاریخ کو مجھے ایک بیٹا پیدا ہوا جو اچانک میرے ہاتھ سے غائب ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا میں نے وہ بیٹا لاکر سلطان کو بخشا۔ جب بچے کو ماں کے پاس لایا گیا تو اس نے پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سید علم منطق کے فاضل عالم تھے اور اس میں کمال کی مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے انہیں منطقی لوگ کہا کرتے تھے۔ اور اسی لقب سے معروف تھے۔ ان کے خاندان کو آج تک منطقی کہتے ہیں۔ ان کی قبر شریف مزار سلاطین میں دریا کے کنارے ہے۔

سید محمد بیہقی

سید تاج الدین بیہقی کے بیٹے اور سید حسین منطقی کے چچے تھے۔ سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آکر کاندہ ہامہ کو وطن بنایا۔ سلطان ان کی خدمتگزاری بجالانے میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ اور

سلطان زین العابدین کی شادی ان کی بیٹی سے کی۔ صاحب باغ گل ترین ان کی جاگیریں مقرر کیں۔ لکھتے ہیں کہ حضرت سید ظاہری و باطنی علوم کے کمالات میں مرد لاثانی تھے۔ موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ بے ساختہ اور برمحل شعر کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ ان کے شعروں کی دیوان چالیس ہزار بیت پر مشتمل ہے جس میں تصوف کے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مرقد شریف کاندہامہ میں عقیدت مندوں کی زیارت گاہ ہے۔

سید حسین

سید حسین سمنانی کے پوتوں نواسوں میں سے تھے۔ سلوک کے جادہ پیماؤں کے رہبر کامل تھے پرگنہ پھاگ کے سیدہ پورہ گاؤں میں دفن ہیں۔

سید محمد افضل

کشف و کرامات اور کمالات والے بزرگ تھے۔ نوشہرہ میں سید محمد مدنی کے مزار کے متصل ان کی قبر مٹی میں دب کر ناپید ہوگئی ہے۔ بعض تاریخ نویسوں کے قول کے موجب ان کی قبر شیخ گنج بخش کے مزار میں موجود ہے۔

سید حبیب اللہ

محلہ نوشہرہ میں سید محمد مدنی کے مقبرے سے کچھ اوپر مدفون ہیں۔

سید خلیل

فیوض سبحانی کے مصدر تھے۔ بابہ سومہ کے میدان میں دفن ہیں۔

سید محمد علی و سید محمد ولی

دونوں حضرات کا ناو پورہ کے متصل زینہ دار میں مقبرہ موجود ہے۔

سید حسن منطقی

سید حسین منطقی کے پہلے بیٹے تھے جن کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا گیا۔ فیضوں کے مظہر اور کمالوں کے مصادر تھے۔ دانی پورہ کے شہر میں تبلیغ اور رہبری کا جھنڈا بلند کیا۔ ہمعصروں سے

گوی سبقت لے لی۔ ان کا مقبرہ اسی شہر میں مشہور ہے۔

سیّد بابا محمد امین ویسی

سید حسین منطقی کے دوسرے فرزندِ ارجمند سادات کبار کا مایۂ ناز وقت کے صاحبدلوں کا خلاصہ کشف و کرامات اور فوق الفطرت عادات والے بزرگ تھے۔ بلیت (اگر ان کے جود اور ان کے مہربانیوں کو لکھوں گا۔ تو سینکڑوں کتابوں میں بھی ان کے اوصاف سما نہ سکیں گے۔

لکھتے ہیں کہ ملکہ (سلطان زین العابدین کی بیگم) نے جو کہ سید محمد کاند نامی کی بیٹی تھی۔ بیٹا بنا کر پالا تھا۔ ان کو فرزندی میں لیکر پرورش کی تھی۔ چنانچہ اس کی کیفیت سید حسین منطقی کے تذکرے میں لکھی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت سید میں بچپن ہی سے بزرگی کی علامتیں موجود تھیں بابا حاجی ادہم کی شاگردی میں دینی اور دنیاوی علوم حاصل کر کے اپنے ہمعصروں سے آگے بڑھ گئے کہتے ہیں کہ طالبِ علمی کے زمانے ہی میں پیغمبروں اور ولیوں کی پاک روحوں سے علم باطنی کی تعلیم و تربیت پائی تھی۔ اور اپنے پیارے وقت کو سخت عبادت اور مجاہدۂ نفس میں گذارتے تھے۔

علوم دینی اور دنیاوی میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد خواجہ ہلال نقشبندیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کے منازل اور مقامات طے کئے۔ اور شہود کے بلند درجہ پر پہنچکر واصل باللہ کا مرتبہ پائے۔ بہراشم کے گاؤں میں تنہائی اور گوشہ نشینی میں بڑی مدت گذاری۔ اور بادشاہ نے وہاں ان کے خدمت گذاروں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرالی۔ اسکے بعد ہاری پربت کی نیلی ڈھلان میں ایک باغ لگوایا۔ اور اسی میں تنِ تنہا بیٹھ گئے۔ جسکو آجکل "میرہ واری" کہتے ہیں۔ اسکے بعد محلہ عالیکدل میں اپنے والد بزرگوار کے گھر کے پاس ہی ایک مسافرخانہ سجا کر اسی میں باقی عمر یادِ خدا میں گذاری۔ محبت خدا کے شوق میں بادشاہی چھوڑ کر فقیری۔ تنہائی۔ اور گوشہ نشینی قبول کی۔ مہینوں کے بعد دربار شاہی کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشتے سمجھ بوجھ دانائی اور زیرکی کے موجب ایک موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ ویسی تخلص کرتے تھے۔ ان کا کلام سوز و گداز سے بھرا ہوا ہے۔ اور ترجیع بند راز و نیاز سے پُر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

جملہ کائنات آن منست　　　برتر از لامکان مکانِ منست

(ساری دنیا میری ملکیت ہے۔ اُور لامکان سے اوپر میرا مکان ہے)

تن من عالم است۔ اے عالم ‏ ‏ ‏ جانِ عالم بدانکہ جانِ من است

(اے عالم میرا وجود عالم ہے۔ کیونکہ عالم کی جان، میری جان ہے۔ ارشاد وحدت روح کیطرف ہے)

نکتۂ را کہ عقلِ کل حیران ‏ ‏ ‏ ہمگی بر سرِ زبانِ من است

(وہ بات جس کے سمجھنے سے حضرت جبرئیل بھی حیران ہے۔ میری زبان کی نوک پر ہے)

عقل کل سے مراد نورِ محمدی۔ حضرت جبریل۔ عرشِ عظیم اور عقل کامل ہے۔

چوں سلیمان روزگار منم ‏ ‏ ‏ پادشاہی ہمہ از آنِ من است

(میں وقت کا سلیمان ہوں۔ اور بادشاہی ساری کی ساری میری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان

و زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ میرے حکم کے طابع ہے۔)

ہر کجا خسرو لیست در آفاق ‏ ‏ ‏ کمترین کمترین شبانِ من است

(دنیا میں جہاں کہیں کوئی بادشاہ ہے۔ وہ میرا ادنیٰ گڈریا ہے۔ بادشاہ کو رعایا کی نگہبانی کرنے

کی نسبت سے گڈریے سے نسبت ہے۔)

من گرسنہ۔ زہے خیالِ محال ‏ ‏ ‏ ماہ خورشید ہر دو نانِ من است

(کیا میں بھوکا ہوں؟ واہ! کیا ہی ناممکن خیال ہے۔ دنیا کی نعمتوں کی تو بات ہی نہیں چاند اور سُورج

میری روٹیاں ہیں۔ چاند اور سورج ہی سے پیداوار بنتی ہے۔ اور حقیقت میں قدرت نے انہی کو خوراک

مہیا کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے جب تک چاند اور سورج ہیں۔ دنیا میں خوراک کی پیداوار ہوتی رہیگی اس

واسطے خوراک کا مسئلہ نہیں۔)

استخوانے کہ عالمش جویاست ‏ ‏ ‏ ایں ہمہ لائقِ سگانِ من است

(وہ ہڈی جس کی تلاش میں ساری دنیا کے لوگ ہیں۔ میرے کتوں کے لائق ہے۔ ایک حدیث

کا بھی اشارہ ہے۔ الدُّنیا جِیفَۃٌ وَطَالِبُہَا کِلَابٌ کی طرف اشارہ ہے۔

دنیا مردار ہے اور دنیا ڈھونڈھنے والے کتے ہیں۔ دنیاوی جاہ حشم اور دولت والے انسانی وجود

میں حقیقت میں کتے ہیں جنہوں نے اس مردار سے اپنے آپ کو بچایا وہی انسانی درجہ پا گئے ہیں)

اے گدایاں دہر گوش کنید ‏ ‏ ‏ قاف تا قاف جملہ خوانِ من است

(اے دنیا کے بھکاریو! سن لو دنیا ساری کی ساری میرا دستر خوان ہے۔)

ایں جہانے کہ ہست نیست بداں — تو یقین داں جہاں جہاں من ست

(یہ نظر آنے والی دنیا جو ہے۔ حقیقت میں کچھ نہیں اور ایک دھوکا ہے تو یقین سے جان لو کہ دنیا جو ہے وہ میری دنیا ہے۔ یعنی حقیقی دنیا معرفت کی دنیا جسکی یہ دنیا عکس ہے۔)

آں کہ اورا تو بے نشان خوانی — بر درِ حجرہ پاسبانِ من ست

(جس کو تو بے نشان کہتے ہو وہ میرے دروازے کا پہرہ دار ہے۔ ایک بلند خیال ہے۔ خدا ہر ایک کا رکھی کرنے والا ہے۔ ہر ایک کا محافظ ہے۔ ہر ایک کا پاسبان ہے۔ لیکن شعر کا انداز اسطرح ہے۔ کہ گویا شاعر مالک ہے۔ اور خدا اس کا نوکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم خدا کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کو کسی خدمت اور مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہی ہمارے سب کام کرتا ہے۔ اگر اس نکتہ کو دیکھیں گے تو خدا ہی ہمارا نوکر ہے۔ پالن ہار اور مددگار ہے۔)

زاں بہ کشمیر انزوی شدہ ام — کیں ہمہ جملہ بوستانِ من ست

(میں کشمیر میں اسی لئے گوشہ نشین ہوا ہوں۔ کہ یہ سارا میرا ہی باغ ہے۔)

چند روزے کہ بودہ ام بشما — منتے زاں بسے بجانِ من ست

(یہ کچھ دن جن میں میں تمہارے ساتھ رہا اس کا بڑا احسان میری جان پہ ہے۔)

منطقی در مکان شریک تو بود — چونکہ گفتی کہ "لا" مکانِ منست

(منطقی مکان میں تمہارا شریک تھا۔ چونکہ تو نے کہا کہ "لا" میرا مکان ہے۔ تو نے کہا اے منطقی تمہارا مقام "لا" یعنی نفی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو فنا کیا اور تمہارے پاس پہنچا۔ اور اسطرح سے تمہارے مکان کا شریک ہو گیا۔ اور پھر جب وحدت الوجود کے مقام پر پہنچا تو مکان کی شرکت بھی ختم ہو گی۔ من تو شدم تو من شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری)

بعد ازیں ولیس ترکِ گفت و شنود — کنج کوہ و عبادتِ معبود!!

ولیس اب بولنا اور سننا چھوڑ دے پہاڑ کے کونے میں معبود کی عبادت میں مشغول اور مصروف ہو جاؤ۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن بڈشاہ صاحب نے اپنی خاص آرام کی جگہ "زینہ ڈینب" (زینہ دلدل) پر اُولر جھیل کے درمیان شاہانہ جشن منانے کے لئے عیش و عشرت اور فرحت کا سامان بچھوایا اور حضرت سید بادشاہ کی بخشش جوانمردی اور وزراء و امراء کی التماس کے موجب محفل سرور میں تشریف لے گئے۔ جب کچھ باعث خرابی اور کوتاہی کی محفل میں سرزد ہوئیں۔ تو حضرت سید

نے یا تو غلبۂ حال (وجد و حال) کے موجب یا خلاف شرع باتوں کے واقع ہونے کے باعث اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ غوطہ خوروں اور ملاحوں نے جتنی بھی کوشش کی۔ ان کا کوئی نشان نہ پایا۔ اس واقعہ نے بادشاہ کا عیش مکدر بنا دیا۔ اور محفل کو تتر بتر کر کے غمگین اور پریشان حال میں شہر کی طرف لوٹ آیا۔ جب شاہی بیڑا "اشم" کے مقام پر پہنچا۔ تو کیا دیکھا؟ حضرت سید دریا کے کنارے بیٹھے اپنے خرقہ (گدڑی) کو سی رہے ہیں۔ اور ان کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ یہ حال دیکھ کر سب کے سب حضرت کے پاؤں پڑ گئے۔ اور اپنے ساتھ شہر لے آئے۔ جب عالیکدل پہنچے تو وہ اپنے مسافر خانے میں چلے گئے۔ اور ریاضت و عبادت میں مصروف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سید زیادہ تر ذاتِ الٰہی کے خیال میں ڈوبے رہتے تھے۔ اور اس حال کو اہل تصوف "استغراق" کہتے ہیں۔ اور اسی لئے لوگوں کے ساتھ بہت کم میل جول رکھتے تھے۔ اور ان کا ایک دربان تھا۔ اگر وہ دیکھتا کہ میر خدا کے ساتھ ہے تو کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اگر وہ دیکھتا کہ میر خدا کے ساتھ ہوتے ہوئے ہوش میں بھی ہے۔ تو لوگوں کو اندر جانے کے لئے چھوڑتا تھا اور لوگ ان کی صحبت سے فیض پاتے تھے۔ دربان یہ نہیں کہتا تھا کہ اندر مت جاؤ۔ بلکہ کہتا تھا کہ "میر خدا کے ساتھ ہے" آخر کار سلطان حسن شاہ کے وزیروں مسمی ملک احمد نیو و نازی بٹ وغیرہ میں بگاڑ ہوئی۔ اور خصومت لڑائی پر پہنچی۔ اسی اثناء میں کچھ مفسد لوگوں نے حضرت میر کو کچھ امیروں کی طرفداری کی تہمت لگائی۔ مخالف امیروں نے اپنے کارندوں کو "میرہ واری" کی خلوت گاہ میں بھیجکر حضرت میر پر قاتلانہ حملہ کرا کے ان کے جسدِ مبارک کو زخمی کرایا۔ حضرت میر خون بہاتے ہوئے عالیکدل آکر جاں بحق ہوئے۔ اور یہ دو رباعیاں حجرہ کی دیوار پر خون سے لکھ دیں۔

(۱) منم آں رندِ جہاں گرد و سیاح نفسے — کہ من ایں ہر دو جہاں را نہ شمارم بخسے
اگر از عشق تو ام سر برود گو برود — کہ من ایں سرِ نہانِ تو نگویم بکسے!

(میں وہ مسیح دم (والا) آزاد سیاح ہوں جو کہ ان دونوں دنیاؤں (دنیا اور آخرت) کو گھاس کے تنکے کے برابر بھی خیال نہیں کرتا ہوں۔ اگر تیرے عشق میں میرا سر جائے تو جانے دے۔ میں تمہارے اس پوشیدہ راز کو ہرگز کسی سے نہ کہوں گا۔)

(۲) منِ فارغ غم ز مصلحت اہل روزگار — میدان یقین کہ کشتن من بود بیگناہ

اکنون بیا و مثنوی بخواں بر مزار من		تا روی ظالمان ستمگر شود سیاہ

(میں دنیاوی لوگوں کی مصلحتوں سے فارغ ہوں۔ یقین جانو کہ میرا یار نا بگناہ تھا۔ اب آ اور میرے مزار پر گیت گاؤ۔ تاکہ ستمگر ظالموں کا منہ کالا ہو جائے۔) کہتے ہیں کہ آپ کو قاتلوں کے بارے میں کوئی رنجش دل میں پیدا نہ ہوئی۔ اور اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑی نعمت خیال کیا۔ جب حاضروں نے دم واپسیں توڑنے کے وقت دفنانے کی جگہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنے معبد میں دفن کریں اور دریا کے کنارے بیٹھ کر دیکھتے رہیں کہ غیب سے کوئی چیز پہنچے گی۔ دوسرے دن صبح سویرے لوگوں نے دیکھا کہ صندل کا ایک تختہ دریا میں بہتا ہوا آکر ان کی قبر کے سیدھ میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے تختہ کو دریا سے نکال کر ان کی قبر شریف پر رکھدیا جو کہ آج تک وہیں موجود ہیں۔ آخر ماہ ذیقعدہ سنہ ۸۸۹ھ یہ حادثہ واقع ہوا شہید کشمیر تاریخ وفات ہے:۔ شہید شرع اور شہید عرش بھی مادہ تاریخ ہیں۔

ملک ز آسماں سر بر آورد و گفت

کہ سید محمد امین است شہید!

کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد مدت دراز تک اگر کوئی شخص روضہ شریف کے صحن میں تھوڑی سی بے ادبی یا بد تمیزی کرتا تھا یا حضرت سید وکیس کا نام مبارک بے ادبانہ انداز میں زبان پر لیتا تھا۔ یا اس زیارت پر جھوٹا قسم کھاتا تھا۔ تو اسی وقت [illegible] سے عبرتناک سزا ملتی تھی۔ جب بُرے رسوم اور گمراہی حد سے بڑھ گئی باطنی تنبیہ اور سزا بند ہو گئی۔

لکھتے ہیں کہ حضرت سید کے اخلاص والوں میں سے ایک آدمی مُلّا دولت نام رکھنے والا تھا اس نے بادشاہ کے وزیر سے کچھ گاؤں ٹھیکہ پر لئے تھے۔ اور آسمانی آفت کے موجب خستہ حال اور پریشان ہو گیا۔ ایک رات حضرت سید کی زیارت پر جاکر اپنا حال بیان کیا۔ اسی رات سپنے میں دیکھا کہ حضرت سید۔ حضرت شیخ حمزہ مخدوم رحمتہ اللہ علیہ اور بہاء الدین گنج بخش کے ساتھ اس معاملے کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں حضرت سید کو فرماتے ہیں کہ وزیر حضرت شیخ العالم کا مرید ہے اسلئے ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی حالت میں حضرت شیخ العالم تشریف لائے اور فرمایا "میں اس ظالم کو خبردار کروں گا۔ اگر اس نے اس ظلم کی تلافی کی تو بہتر نہیں تو ہمارے آستانہ کی خانقاہ

کی ختم کرنے پر اس کی روک تھام عمل میں لاؤں گا"۔ پھر حضرت شیخ العالم نے اپنا عصائے شریف قہر و غضب سے وزیر کے سینے پر رکھکر اسکو حقیقت حال سے مطلع کیا۔ دوسرے دن وزیر نے ملا دولت کو بلاکر راضی کیا۔

سید بدرالدین ثانی

پرانے وقت کے سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ کے سادات میں سے تھے۔ صاحب جذبہ اور حالات تھے۔ محلۂ زینہ کدل میں مغرب کی طرف دفن کئے گئے ہیں۔

سید نورالدین

سید بدرالدین ثانی کے بھتیجے تھے۔ انہیں کے مقبرے میں دفن ہیں۔ اور یہ رباعی پرانے خط میں تعویذ قبر پر لکھی ہوئی ہے۔

جامے ست کہ عقل آفرین میزندش — صد شعلۂ زشوق بر زمین میزندش
آن کوزہ گر دہر چنین جام لطیف — میسازد و باز بر زمین میزندش

ان کی دونوں قبریں فیض و برکت کی جگہیں ہیں۔

سید فخرالدین

سید نورالدین کے بھائی اور سید حسین منطقی کے خاص خلیفہ تھے۔ بڑے صاحب حال اور صاحب کمال تھے۔ پرگنہ لار کے سالورہ گاؤں میں دفن ہیں۔

سید حسین بلادوری

حرمین الشریفین (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ) سے بابا عثمان اوچ گنائی کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے۔ ان کی ذاتِ مبارک سے ایسی روشن نشانیاں اور ایسے بڑے حالات ظاہر ہونے تھے کہ ملک کے بڑے بڑے لوگ تمام ظاہری اور باطنی مشکلات کے حل کے لئے ان سے مدد اور یاری طلب کرتے تھے۔ ان کے پیر طریقت کے متعلق درستی سے پتہ نہیں۔ کچھ مورخ کہتے ہیں کہ شیخ اسحاق شطاری سے ان کی نسبت ہے۔ اکثر اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ بہاء الدین

گنج بخش کے ساتھ ان کی نسبت ہے ۔ ان کی قبر شریف راجوری کدل میں عرفان والوں کی طواف کی جگہ ہے حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہؒ بارہ برس تک لگاتار رات کو ان کی زیارت سے مستفید ہوتے رہے ۔ تاریخ وفات ، ۷ رجب سنہ ۸۶۰ھ ہے ۔

سیّد محمدؒ رفاعی

یہ جان بازِ ولی کے نام سے مشہور ہیں ۔ ظاہری ، باطنی کمالات کے جامع فیض و برکت کے منبع اور مرشد کامل تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں شہر میں رہائش کرتے تھے ۔ بعد میں لوگوں کی کثرتِ آمدورفت کے باعث قصبۂ بارہمولہ میں گوشہ نشینی اختیار کی ۔ اور بال بچوں کے ساتھ وہاں بسنے لگے ۔ چونکہ خدا کے راستے میں جان جھوکھوں میں ڈالنے سے دریغ نہ کرتے تھے ۔ اسی لئے جانباز کے عرف سے مشہور ہو گئے ۔ لکھتے ہیں کہ سلطان زین العابدین ان کی خدمتگزاری میں بہت کوشش کرتے تھے اور ان کے خادموں کی روزی اور دن گزاری کے لئے کئی گاؤں بطور جاگیر مقرر کئے ۔ ان کے گھوڑوں کی چرائی کے لئے جانباز پورہ کا میدان کھلا چھوڑ دیا ۔ جب حضرت سید نے رحلت فرمائی تو اسی جگہ دفن ہوئے ۔ آج کل اس محلہ کو جانباز پورہ کہتے ہیں ۔

سیّد ہلال

امیر تیمور کی ملک گیری اور جبروتشدد کے زمانے میں اپنے مبارک قدموں سے کشمیر کو رونق بخشی ان کے سلسلۂ باطنی کی نسبت اختلاف ہے ۔ کچھ ان کو "کبروی" سلسلے کا خیال کرتے ہیں ۔ اکثر مورخ ان کو بلاواسطہ خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الحق والدین قدس سرہٗ کا ابدال مانتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ شروع میں یہ "نقشبندی" تھے ۔ جب کشمیر آئے سید محمد مدنی سے "کبرویہ" سلسلے کی بیعت کی ۔ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۸۶۱ھ مطابق ۱۴ اشرادن ہار بدھی کشیری وفات پائی ۔ ان کی زیارت نسبل کے گاؤں میں مانسبل جھیل کے کنارے ہے ۔

سیّد حاجی مُراد

سید فخرالدین بیہقی کے فرزندِ ارجمند تھے ۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اپنے چچے سید ضیاءالدین زبرک سے تربیت پائی ۔ سلوک کے منزلوں کو طے کرنے کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت

کے لئے روانہ ہو گئے ۔ اسی سفر میں شیخ ابو اسحاق شطاری سے جو کہ شطاری حضرات کے سرگروہ
تھے ۔ بیعت کی اور حظ ارشاد حاصل کیا ۔ پھر ایران کے راستے جیحوں کے اُس پار کے علاقے (توران) میں میر
عبداللہ برزش کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ میر عبداللہ اس وقت سلسلہ کبرویہ کے سر حلقہ تھے ۔ اُن
سے حظ خلافت حاصل کر کے پھر دوسری بار حج کو گئے ۔ اس کے بعد روم شام وغیرہ کے دور دراز ملکوں ،
شہروں اور دیہاتوں کی سیاحت کر کے تیسری بار پھر حج کر کے کشمیر آئے ۔ اندر پرگنہ کروہن کے
ایک گاؤں کربری کو گوشہ نشینی کے لئے پسند فرمایا ۔ جب ظہر (بعد دوپہر) کی نماز کا وقت آیا ۔ وضو کے
لئے پانی کی تلاش کی ۔ ہر طرف دوڑے لیکن پانی نہ پایا ۔ نہایت غمگین ہو گئے ۔ اچانک ایک مقدس نورانی بزرگ
[illegible] ایک طرف سے نمودار ہوئے ۔ حضرت سید نے ان سے پانی کا پتہ پوچھا ۔ انہوں نے کہا ۔ اس جھاڑی
کو اکھاڑنا چاہیئے تاکہ پانی نکلے ۔ حضرت سید نے جھاڑی کو اکھاڑا اور پانی نکل آیا ۔ دونوں بزرگوں نے وضو
کر کے نماز ادا کی ۔ نماز سے فارغ ہونے پر نورانی بزرگ نے فرمایا ۔ حاجی مراد نے مُراد پائی اچھی جگہ ہے ۔ مبارک
ہو ۔ پھر آپس میں باتیں ہوئیں اور دوستی لگائی ۔ وہ نورانی بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے ۔ اس کے بعد
حضرت سید نے اس جگہ کی کھیتی باڑی کے لئے ایک دن کی مسافت کی دوری سے پہاڑ سے نہر لا کر اس
گاؤں کو آباد کیا ۔ کہتے ہیں کہ حضرت بابا پیام الدین ریشی کبھی کبھی ان کے پاس آ کر ان کی صحبت
سے فائدہ مند ہوتے تھے ۔ اور طریقت کی باتیں دریافت کرتے تھے ۔ حضرت میر کو ان دنوں میں نکاح
کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا ۔ حضرت ریشی منع کرتے تھے ۔ آخر کار حضرت سید نے شادی کی ۔
اور ایک بیٹا پیدا ہوا ۔ ایک دن حضرت ریشی آئے اور دیکھا کہ لڑکا قرآن شریف پڑھ رہا تھا ۔
حضرت سید نے کہا ۔ آپ کا انکار اسی لڑکے سے تھا ۔ حضرت ریشی نے معذرت کی ۔ الغرض
حضرت میر وقت کے یکتا تھے ۔ جب رحلت فرمائی تو اسی گاؤں میں ۸۸۹ھ کو دفن ہوئے ۔

سید ناصر بیہقی

تمام سادات بیہقی اور منطقی کے جد بزرگوار سید تاج الدین بیہقی کے پوتے اور سید محمد کاذہ نامی
کے بیٹے تھے ۔ (سید تاج الدین کا مزار شریف ملک بیہق میں مشہور ہے) سید ناصر الدین ۔ سید
حسین منطقی کے مریدوں میں صاحب حال اور کمال تھے ۔ ساری عمر کو مجاہدۂ نفس میں

بسر کیا۔ سلطان زین العابدین ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور ان سے باطنی فیض حاصل کرتے تھے۔ اور ان کے بیٹے سید حسن کی بیٹی سلطان حسن شاہ کے نکاح میں تھی۔ جس وقت سلطان حسن شاہ کے امیروں نے آپس میں تنازع کیا۔ اور سید محمد امین وغیرہ کو شہید کیا۔ سید ناصر الدین بال بچوں کو ساتھ لیکر ہندوستان چلے گئے۔ کچھ مدت کے بعد سلطان حسن شاہ کی خواستگاری پر پھر کشمیر آتے ہوئے بھمبر کے مقام پر داعی اجل کو لبیک کہا اور وہاں ہی دفنائے گئے۔

سید فضل اللہ

سید حسن منطقی کے فرزند بڑے حالات اور عجیب کمالات والے تھے۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہو کر بندگان خدا کی فائدہ رسانی اور فیض رسانی میں بہت کوشش کی۔ سید حسن کے مقبرہ کے صحن میں اپنے پانچ عزیز بیٹوں (سید کمال۔ سید فرید الدین۔ سید بایزید۔ سید نعمت اللہ اور سید ناصر کے جو کہ سارے روشن ضمیر۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔) کے ساتھ مدفون ہیں۔

سید محمد و سید احمد کرمانی

دو پاک ذات روشن ضمیر اور نیک دل بھائی تھے۔ محلہ نواکدل میں مدفون ہیں۔

سید حسن ثانی

سید نعمت اللہ بیہقی کے بیٹے سید فضل اللہ کے پوتے تھے۔ (سید فضل اللہ کے بیٹے) ریاضت۔ عبادت اور مجاہدہ میں وقت گذارتے تھے۔ اپنی زندگی لوگوں کو فیض رسانی میں صرف کی۔ ادنتی پورہ کے گاؤں میں پدر بزرگوار کے مزار میں آرام پایا۔

سید حبیب اللہ

بلند مرتبہ سیدوں میں سے تھے۔ بڑے کمال والے تھے گنج بخش کے بڑے مزار میں دفن ہیں۔

سید حیدر

سید حاجی مراد کے بیٹے تھے۔ کشمیر آتے وقت راستے میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہاں کی بیماری

کے موجب حضرت سید حاجی مراد نے اسکو آستین میں چھپا رکھا تھا۔ اور کشمیر پہنچنے پر آستین سے نکال کر ماں کے حوالے کیا۔ بالغ ہونے پر اپنے والد بزرگوار سے سلوک کی تربیت پاکر لوگوں کو ہدایت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد موضع کریری میں ان کے جانشین ہوئے۔ اور باپ کی قبر کے ساتھ ہی دفن ہیں۔

سید سعید

سید حاجی مراد کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے ہی باپ کے مرید تھے۔ بڑے صاحب کمال تھے۔ ان کے بیٹے خدا داد۔ خداداد کے بیٹے سید احمد اور ان کا بیٹا سید محمد ایک دوسرے کے بعد جانشین ہو کر لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور رہبری کرنے میں مشغول تھے۔ لوگوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ سید مذکور کے مزار میں سب کی قبریں ہیں۔

سید سرتال

حضرت سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے۔ سید تاج الدین بیہقی کے ہمراہ خراسان سے آکر اسکندر پورہ میں سکونت فرمائی اور وہیں آخرت کی نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔

سید عبداللطیف

سید جانباز ولی کے خلیفوں میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ مرشد کے مزار میں ہیں۔

سید سعید

ان کا عرف "شاہ خواجہ" تھا۔ کشف و کرامات اور خارق عادات والے تھے۔ مسجد جامع کے پڑوس میں دفن ہیں۔

سید فخرالدین

بزرگوار روشن دل اور عالی قدر سیدوں میں سے تھے۔ موضع ہیوہ پرگنہ چھرٹ میں مدفون ہیں۔

سید محمد نوری

شہر خوارزم سے آکر گوجوارہ میں رہائش کی، بلند مقام اور صاحب حال تھے۔ اسی محلہ میں دفنا گئے۔

سید فرید

عالی مرتبہ سیدوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ محلہ جمالٹہ میں ان کا مدفن ہے۔

سید عبداللہ

اندراب کے ملک سے آکر پرگنہ پھاگ کے گاؤں جنک میں پیاری عمر یاد مولا میں گذاری۔ وہیں ابدی آرام کی نیند سو گئے۔

سید جعفر

سید محمد حصاری کے پیروؤں میں سے تھے۔ بڑے کمال والے حضرات تھے۔ چھترہار پھاگ کے علاقے میں دفن ہیں۔

سید یعقوب

سلطان زین العابدین کے وقت میں سبنیاں سے آکر کھور کے گاؤں میں ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ تین سو کے قریب خاص مرید (چیلے) ساتھ تھے۔ جو سب کے سب پرہیز گار اور روشن ضمیر تھے۔ کھور کے گاؤں سب دفن ہیں۔

سید قمر الدین

خوارزم سے آکر ایک بڑی مدت تک پرگنہ اچھ میں ٹھہرے۔ آخر عمر میں شہر آکر ملک سیف ڈار کے باغ میں جو آج کل شیر گدھی کے نام سے مشہور ہے۔ گوشہ نشین ہوئے ۲۴ محرم الحرام سنہ ۹۰۷ کو وفات پائی اور اسی باغ میں دفن ہوئے۔

سید حبیب اللہ

صالح اور نیکوکار بڑے سیدوں میں سے تھے۔ پرگنہ آڈوں کے گاؤں امورہ میں وفات پائی۔ اور وہیں دفنائے گئے۔

سید عبداللہ

شیث ولی کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ اپنے چھ نیک دل بھائیوں کے ساتھ اندرواری میں ان کا مرگذار ہے۔

سید مسنحی

ولایت سید علاؤ الدین بیہقی کے ساتھ آکر محلہ لوبہ زچہ بازار میں آرام پایا۔

سید محمد احتاج

بڑے نیکوکردار پسندیدہ اطوار سیدوں میں سے تھے۔ جامع مسجد کے قریب نوہٹہ میں آرام پایا۔

سید محمد عراقی

پرہیزگار۔ خداترس اور صاف دل بزرگ تھے۔ محلہ ملارٹہ میں آرام پایا۔

سید حاجی محمد و سید نور محمد

بلند مرتبہ نیکوکار اور خوش کردار دو بھائی تھے۔ کرالہ یار میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

سید شہاب الدین سندی

سلطان حسن شاہ کے زمانے میں سندھ سے آکر یہاں وطن باش ہوئے۔ فاضل عالم تھے اور بڑے کمالات رکھتے تھے۔ اطراف واکناف کے لوگوں کے ہادی رہنما اور رہنما تھے۔ ملک پٹنہ میں دفن ہوئے ہیں۔

سید موسیٰ بغدادی

شہر بغداد سے آکر اس ملک کو اپنا وطن بنایا۔ خدارسیدہ بزرگ تھے۔ شاخ مرگ کے گاؤں میں ان کا مزار ہے۔

سید رکن الدین بغدادی

بڑے بزرگ سیدوں میں سے تھے۔ پرگنہ ناگام کے گاؤں رنگہ محلہ میں دفن ہیں۔

سید حسین

شہر طالقان کے رہنے والے میر محمد ہمدانی کے مریدوں میں سے تھے۔ یہاں آکر خانقاہ معلیٰ کے آنگن میں دفن ہوئے۔

سید حسین زندہ پوش

خدا ترس پرہیزگار اور صاف دل بزرگ گذرے ہیں۔ خانقاہ معلیٰ کے صحن میں مدفون ہیں۔

سید نور محمد کرمانی:۔ سازگر محلہ میں دفن ہیں۔

سید جعفر:۔ پرگنہ لار کے گاؤں ٹینو میں مدفون ہیں۔

سید محمد صابر:۔ پرگنہ بیروہ کے گاؤں خبنر میں دفن ہیں۔

سید اسماعیل:۔ پرگنہ بیروہ کے گاؤں زانی گام میں دفن ہیں۔

سید داؤد:۔ بیروہ کے گاؤں نچہ پورہ میں ہیں۔

سید محمد کرمانی:۔ علاقہ سوپور کے گاؤں مایہ گام میں دفن ہیں۔

سید حبیب کاشانی

بڑے حالات اور کمالات والے سید تھے۔ سلطان زین العابدین کے عہد میں اس سعادت والے ملک میں تشریف آور ہوئے۔ اور یہاں پیاری عمر کو گوشہ نشینی تنہائی اور نفس کشی میں گذارا۔ سلطان محمد شاہ کے زمانے میں جبکہ امیروں اور بیہقی سیدوں کے درمیان لڑائی ہوئی شہید ہوگئے۔ شیخ گنج بخش کے بڑے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔ (کاسان توران کا مشہور شہر ہے۔ آج کل یہ سارا علاقہ ترکستان میں شامل ہیں۔)

سید محمد منطقی

سید حسن منطقی کے اولادوں میں سے سید حسن ثانی کے پوتے تھے۔ نیک سیرت خوش خصلت۔ فضل و کمال والے صاحب تھے۔ عمر شریف کو عبادت۔ ریاضت اور پرہیزگاری میں گذارا محلہ جھنہ بل میں دریا بہت (جہلم) کے کنارے دفنائے گئے۔ کہتے ہیں کہ دو سو برس گذرنے پر ان

کی قبر شریف کا پتہ کسی کو نہ تھا۔ اچانک دریا کا کنارہ ڈھے گیا۔ اور پانی سید کی قبر کے پاس پہنچ گیا۔ محلہ کے باشندوں میں سے ایک کو حضرت میر نے خواب میں فرمایا کہ میرے جسم کو قبر سے نکال کر دوسرے جگہ دفن کر لینا چاہئے۔ میری قبر کی نشان یہ ہے کہ بارش کے وقت گیلی نہ ہوگی۔ دوسرے روز محلہ کے لوگ جمع ہو گئے اور نعش مبارک کو قبر سے نکال کر دیکھا کہ صرف کفن پر گرد لگا ہے۔ اور پرانا ہو گیا ہے۔ جسم مبارک کسی اثر کے بغیر اپنے حال پر ہے۔ سینکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی گویا ابھی سوئے ہوئے ہیں۔ پھر ان کو مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا۔

میر اسماعیل

سید محمد منطق کے بھائی تھے۔ وقت کے ان بزرگوں میں تھے۔ جن پر لطف الٰہی اور رحمت باری برستی رہتی ہے۔ ان کا سینہ مبارک پوشیدہ بھیدوں کا خزانہ تھا۔ مستی اور جلال کا غلبہ رہتا تھا۔ ان کے حالات اور کشف و کرامات بے شمار ہیں۔ پرگنہ کھوبہامہ کے گاؤں ملہ پورہ میں پہاڑ کے دامن میں ان کی زیارت ہے۔

سید حبیب سرخابی

سید ہیبت پر ظلم قرشید کے زمانے میں تبریز کے ایک قصبہ سرخاب سے آکر کشمیر میں دن رات مجاہدہ اور عبادات میں وقت بسر کرتے تھے۔ جب آخرت کو چلے محلہ کاؤڈارہ میں نالہ مار کے کنارے دفن ہوئے۔ کبھی انہوں نے دولت مندوں اور حاکموں سے الفت نہ کی۔ صاحب قہر اور جلال تھے۔

مشہور یہ ہے کہ ایک رات ایک بدکار نے ان کے مزار میں برا کام کیا۔ اور اسی وقت اس کا سر بدن سے الگ ہو گیا۔ اس واقعہ سے لوگ ان کے قہر اور جلال سے اور بھی کانپنے اور ڈرنے لگے۔

سید موسیٰ۔ سید ذوالفقار۔ سید جعفر۔ سید افضل۔ سید معصوم۔ سید قاسم اور سید داؤد ساتوں بزرگ ایک ہی خاندان سے ایک دوسرے کے بھائی اور چچیرے بھائی تھے پرگنہ بانگل کے ایک گاؤں "انگو" میں مدفون ہیں۔ سید عزیز جوان کے دوستوں میں سے تھے۔ دروازہ کے باہر دفن ہیں۔ سید قاسم تیلہ گام میں۔ سید محمد بخاری کرالہ پورہ پرگنہ بانگل میں

مدفون ہیں۔ سید خلیل اور سید جلیل وغیرہ سارے کے سارے کمال والے حضرات تھے۔
مذکورہ مقامات میں ان کی قبریں ہیں۔

حضرت سید کاشانی۔ سید محمد۔ سید عمر۔ سید علی۔ سید کاظم۔ سید مراد
سید جعفر۔ سید ناصر المعروف سید قادر اور سید حسین بونہ گردوں کے محلہ سے
لے کر محلہ چھتہ بل تک منتشر طور پر دفن ہیں۔

سید ذوالفقار۔ سید علی۔ سید عبداللہ۔ سید قاسم۔ سید حسین۔
سید ابراہیم۔ سید شاہ نواز۔ سید اسحاق۔ سید اسماعیل اور سید فیروز
نور باغ اور سکہ ڈافر میں اور ان محلوں کے طرفوں میں زیر خاک چھپے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ناموں
کے بغیر ان کی جائے ولادت۔ تعلیم وتربیت۔ سکونت۔ حالات وکمالات وغیرہ کے متعلق کسی
کتاب میں کچھ نظر نہیں آیا۔ بیت:۔

(میں ان کے آغاز اور انجام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ میرے لئے میری زبان پر ان
کا نام کافی ہے۔)

ندانم ز آغاز و انجام شاں ۔ مرا بس بود بر زبان نام شاں

سید برخوردار

بڑے بزرگ سیدوں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے مالک تھے۔ ذوق وشوق کی
مستی اور انوار الٰہی کے جلوؤں کے لئے مشہور تھے۔ ان کا وطن مبارک ....
سلطان زین العابدین کے زمانے میں کشمیر آکر محلہ دانہ مزار میں جو شہری آبادی کا انتہا ہے
سکونت اختیار کی۔ خدائی بھیدوں کے واقف تھے۔ بڑی عمر پائی۔ سلطان نے اُن کے خدمت
گذاروں کے لئے ایک خانقاہ آباد کی۔ جو بھونچال کے حادثہ سے منہدم ہوگئی۔ اور چکوں کے عہد
حکومت میں دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اور آج تک موجود ہے۔ سید بزرگوار کی رحلت ۱۲ ربیع الاول
سنہ لکھی ہے ان کی قبر شریف خانقاہ کی ہمسائیگی میں مشہور ہے۔ قدس سرہٗ۔

سید جعفرؒ

عالی قدر بلند مقامات والے سیدوں میں تھے۔ خلوت نشینی کو ہمیشہ پسند کرتے تھے۔ بغیر ذات پاک حضرتِ اللہ جل شانہٗ کسی چیز پر ان کی نظر نہ تھی۔ ان کا روضہ راول پورہ میں مشہور ہے

سید منصور

سید جعفرؒ کے بھائی تھے۔ کشش الٰہی اور خارق عادات رکھتے تھے۔ ایک بڑی مدت کو دنیا کے ملکوں کی سیر کی۔ امدادِ خداوندی سے مکہ شریف اور مدینہ شریف کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔ بڑے بڑے صاحبدلوں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔ فتح شاہ کی حکومت کے زمانے میں موسٰی رینہ کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ زالڈگر کے محلہ میں مدفون ہیں۔

سید احمد

ان کی قبر شہر کے باہر دڈریاں کے پل کے متصل ایک مدت تک پوشیدہ تھی۔ شیخ بابا داؤد مشکوٰۃ نے اپنے وقت میں اس قبر کو ظاہر کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سید قبر کی علامت (تعویز قبر) کو قبول نہیں کرتے تھے۔

سید نصیر الدین خانیاری

بڑے سیدوں اور زمانے کے چنے ہوئے اور چھپے ہوئے خدا دوستوں میں سے تھے۔ ایک تقریب پر ان کی خدا رسیدگی اور صاحبدلی ظاہر ہو گئی۔ محلہ خانیار میں اس بزرگوار کی قبر شریف فیض برکت اور انوارِ الٰہی کی جگہ ہے۔ ان کی قبر کی ہمسائیگی میں ایک قبر کا لوحِ مزار (تعویز قبر) نمودار ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر کی قبر ہے۔ جو پرانے زمانے میں کشمیر کے لوگوں پر بھیجا گیا تھا۔ مصنف "واقعاتِ کشمیر" لکھتا ہے۔ کہ میں نے تواریخ کے کتابوں میں سے ایک کتاب میں دیکھا ہے۔ کہ یہ پیغمبر بادشاہ زادوں میں سے تھا جب خدا ترسی اور پرہیزگاری کے راستے کو اختیار کیا۔ تو کشمیر کے لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے رسول مقرر ہوئے۔ اور کشمیر کے آکر لوگوں کو دعوت حق دی۔ اور وفات کے

بعد انز مرکے محلے میں دفنائے گئے۔ اس کا نام یوز آصف پیغمبر تھا۔ لیکن مصنف "وقائع کشمیر" جو سلطان زین العابدین کے وقت میں تھا۔ روایت کرتا ہے۔ کہ سلطان نے سید عبداللہ بیہقی کو بے شمار نفیس چیزیں اور تحفے دیکر بادشاہ مصر کے پاس دوستی اور محبت کے رشتہ کو مظبوط بنانے کی غرض سے بطور سفیر بھیجا۔ بادشاہ مصر نے اپنے طرف سے یوز آسپ نام ایک شخص کو جو حضرت موسیٰ کی اولاد میں سے تھا۔ اور ظاہری و باطنی کمالات میں یکتائے زمانہ تھا سلطان زین العابدین کے پاس سفیر مقرر کر کے بھیجا جب یہ سفیر کشمیر پہنچا اور سلطان کے ساتھ دوستانہ تعلق کو دوستی سے قائم کیا۔ تو پھر سفارت کا کام انجام دیکر واپس چلا گیا۔ کچھ دن کے بعد سید نصیر الدین بیہقی (جو کہ سید علاؤ الدین بیہقی کے پوتوں نواسوں میں سے تھا۔ اور شریف مکہ کے پاس بطور سفیر اور وکیل گیا تھا) کے ساتھ واپس آئے۔ اور شریف مکہ کی طرف بھلائی کی باتوں اور نصیحتوں سے بھرا ہوا ایک خط لے آئے۔ اس خط کے بیچ میں "سورۂ واقعہ" جو امید بیم کی باتوں پر ہے۔ لپٹا ہوا تھا۔ شریف مکہ نے سلطان کو لکھا تھا۔ کہ اسی وسورہ شریف کے مضمون کے مطابق کام کرنا چاہیئے اور خدا سے ڈرنا چاہیئے۔

یوز آسپ نے سید نصیر الدین کی دوستی اور ہمنشینی میں اپنی عمر یہیں گذار دی۔ وقائع کشمیر کے مصنف نے ان کے دفنانے کی جگہ کے بارے میں کوئی بات نہ لکھی۔ کہاں وفات پائی اور کہاں دفنائے گئے۔ اسکی طرف کوئی اشارہ نہ کیا۔ والد راقم الحروف (حسن کے والد بزرگوار) عبدالرسول شیوا فرماتے تھے۔ کہ میں طالب علمی کے دنوں میں اپنے استاد ملا عبداللہ کے ساتھ سلیمان پہاڑی (تخت سلیمان شنکر آچاریہ) پر گیا تھا۔ اور مندر کی دیوار کی پتھر پر خط ثلث میں لکھا ہوا دیکھا۔ اس وقت میں یوز آسپ نام ایک جوان مصر سے آکر پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ سنہ کشمیری چوبن۔ کچھ مدت کے بعد جب لاہور کے سکھ کشمیر پر قابض ہو گئے۔ مخالف لوگوں نے ذاتی تعصب کی بنا پر پتھر پر جو عبارت لکھی تھی۔ مٹا دی چنانچہ اس عبارت کے حرفوں کے نشان ابھی موجود ہیں۔ ان پسندیدہ حرفوں کا لکھنے والا غلام حسن کہتا ہے۔ کہ سنہ چوبن میں سلطان زین العابدین نے اس مندر کی مرمت کرائی اور پتھر کے چار ستون اس کی چھت کے بائے بنوائے۔ ممکن ہے کہ دیوار پر جو عبارت پتھر پر کندی ہوئی تھی اسی وقت میں لکھی گئی ہوگی۔ اور یہ بات مصنف "وقائع کشمیر" کی تحریر کو

استحکام بخشتی ہے۔ کشمیر کے شیعوں کا اعتقاد ہے۔ کہ یوز آصف امام جعفر صادقؑ کی اولاد میں سے ہے۔ اور اسی لئے وہاں زیارت کے لئے آتے جاتے ہیں۔ اور ان کی نسبت لمبے قصے لکھتے ہیں۔ روشن ضمیر اور صاحبدل لوگ کہتے ہیں کہ اس قبر سے نبوت کا نور جلوہ گر ہے (خدا بہتر جانتا ہے)

میر دلوؒ علامۂ دولر کی

ان کا آبائی وطن شہر ہرات ہے۔ علوم ظاہری اور باطنی حاصل کرنے کے بعد کشمیر آکر لوگوں کو راہِ خدا دکھا کر فیض پہنچاتے رہے۔ مزار سلاطین میں سلطان زین العابدین کے قبر کے بالکل مقابل میں آخرت کی نیند سوئے۔ ان کی اولاد ساری کی ساری عبادت گذاری اور پرہیز گاری میں یکتائے زمانہ تھی۔

سیّد محمد کرمانی

محبت الٰہی اور پرہیز گاری میں عمر عزیز بسر کی۔ قلعہ کے اندر مغرب کی طرف دفنائے گئے تھے۔ ان کی قبر اب ناپید ہے۔

سیّد کالو

کچھ مورخ انہیں "شاہ کالو" لکھتے ہیں۔ حضرت شیخ فرید شکر گنج کے خاندان سے تھے۔ بلند حال والے بزرگ تھے۔ سلطان زین العابدین کے عہد کے آخر میں کشمیر آئے۔ زیارتِ سید محمد مدنی کے قریب ہی عدالت مسجد کی طرف مزار سنگین میں آرام پائے ہوئے ہیں۔ ان کی قبر شریف فیض و برکت کی جگہ ہے۔

سادات پارسائیہ

پارسائی کے بڑے سیدوں میں سے خوش نصیب سات بھائی کشمیر آکر قلعہ کے اندر سکونت پذیر ہوئے۔ پرہیز گاری۔ خدا ترسی۔ عبادت گذاری اور تیز فہمی کے صفتوں سے مالامال تھے۔ حضرتِ سلطان العارفینؒ کے روضہ کے دامن میں دفن ہیں۔

کچھ مؤرخ ان کی سیادت کے قائل نہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: سید جلال۔ سید باقر۔ سید حسین سید احمد۔ سید جعفر۔ سید ابراہیم اور سید محمد۔

سید محمد عالی

بلند مرتبہ سیدوں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات سے بھرپور تھے۔ ریاضت و عبادت میں چمکدار موتی تھے۔ سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آکر موضع بہکہ پورہ میں سکونت اختیار کی حضرت شیخ نورالدین قدس سرہٗ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ سلطان زین العابدین نے پرگنہ ناگام سے جاگیریں مقرر کیں۔ اور خدمتگذاری کی بجاآوری جیسے چاہتے تھی کی۔ جب رحلت فرمائی اپنی آل اولاد کے ساتھ وہیں دفنائے گئے۔

سید محمد بغدادی

پاک نسل عالی مرتبہ سیدوں میں سے تھے۔ محلہ دیدہ مر میں دفن ہیں۔

سید نور شاہ بغدادی

طریقت کے منزلوں کو طے اور معرفت کے نور کو حاصل کرنے کے بعد کشمیر آکر موضع کنڈ دیو سر میں قرار پایا۔ اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں کی حاجت روائی اور فیض کے طلب گاروں کو فیض پہنچاتے تھے۔ اسی موضع میں دفن ہیں۔

سید حسن بیہقی

سید حسین بیہقی کے فرزند ارجمند تھے۔ فقر و سلوک کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور بابا حاجی ادہم سے حاصل کی۔ کے عبادت و پرہیزگاری اور خدا ترسی میں لاثانی بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ اس کا نواسہ (بیٹی کا لڑکا) تھا۔ جب اسکے باپ حسن شاہ نے وفات پائی سید حسن نے اسکی پرورش اور سربراہی اپنے ذمے لے کر ملکی امورات میں مداخلت کی۔ امیروں اور وزیروں

کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس کے دشمن ہو گئے۔ اور اس کو چالیس بزرگ سیدوں کے ساتھ نوشہرہ کے شاہی محل میں ۸۹۲ھ میں شہید کیا۔ اس واقعہ کا بیان دوسرے حصے میں ہوا ہے۔ اور سید حسن کا مقبرہ دکان شری بٹ کے محلہ میں راستے پر ہے۔

سید محمد بیہقی

سید حسن بیہقی کے بیٹے تھے۔ علم و عمل میں بے نظیر تھے۔ باپ کی شہادت کے بعد اس کے قاتلوں سے قصاص (بدلہ) لے لیا۔ اور سب کو قتل کیا۔ دوسرے حصے میں اس واقعہ کا بیان موجود ہے۔

میر محمد منطقی ثانی

سید حسن منطقی فتح پورہ کے پوتوں میں چار پشتوں سے تھے۔ بڑے مقام اور بڑے حال والے بزرگ تھے۔ سلطان حسن شاہ کے عہد میں کئی گاؤں پرگنہ بانگل کے جاگیر میں رکھتے تھے۔ افغانوں کی حکومت تک ان کی اولاد ان پر قابض تھی۔ محلہ ناشون میں ملہ فتو کے مزار کے قریب ان کا مقبرہ ہے۔

سید جمال الدین حافظ

سید کمال کے بیٹے سید تاج الدین کے پوتوں نواسوں میں سے تھے۔ عشق الٰہی میں غرق تھے۔ صاحب کمال تھے جب دنیا سے واپسی کی آواز سنی۔ اپنے بزرگوار دادا کے مزار میں آرام کی جگہ پائی۔

سید نعمت اللہ

سید جمال الدین حافظ کے بیٹے تھے۔ مردان خدا کے چنے ہوئے لوگوں میں سے تھے صاحب دلوں کے رہنما تھے۔ اپنی پیاری عمر لوگوں کی حاجت روائی اور فائدہ رسانی میں گذاری۔ باپ داداؤں کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

سید اسمٰعیل شامی

سید محمد قادری کے نامدار اور باعزت بیٹے تھے۔ تنہائی۔ گوشہ نشینی۔ پرہیز گاری۔ خدا ترسی۔

عبادت و ریاضت۔ خدا بینی۔ فقیری۔ روزہ داری۔ اور ہدایت کے صفتوں سے مزین تھے۔ ہر رنگ میں مرد کامل اور بے نظیر خدا دوست تھے۔ رُوم و شام۔ سندھ و ہند کی سیاحت کے بعد سنہ ۹۹۲ھ میں کشمیر آئے۔ اور خلقِ خدا کی رہبری کی۔ جب حضرت شیخ بابا داؤد خاکی نے ان کے حالات اور کمالات دیکھے تو۔ ان کے ساتھ دوستی اور برادری کا رابطہ باندھا۔ اور ایک دوسرے کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اور اپنے اپنے سلسلوں کی اجازت ایک دوسرے کو دی۔ کہتے ہیں۔ کہ حضرت سید نے شیخ بابا داؤد خاکی سے ایک طالب کو مانگا۔ اور انہوں نے عارفوں کے رہنما میر نازک شاہ کو ان کے حوالے کیا۔ جس کا بیان مشایخوں کے "خمیس" میں ہوگا۔ مختصراً حضرت سید نے کچھ مہینے لوگوں کو رہنمائی کی اور ہندوستان چلے گئے۔

قاضی حبیب اللہ خوارزمی

دُرست نسب والے سیدوں میں سے تھے۔ توران کے ملک سے کشمیر آکر یہاں ہی بسنے لگے۔ عاشقانِ خدا کو فیض پہنچایا۔ حسین خان چک کے عہد میں شیخ الاسلام کا خطاب پایا۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں بہت ہیں۔ ان میں سے عقاید نصریہ جو ملک نصرت چک کے لئے لکھی گئی سُنیوں کے عقاید پر ایک مدلل کتاب ہے۔ جس میں امامت اور خلافت کے مسئلوں کو وسیع پیمانے پر وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کا مقبرہ مزار سلاطین میں دروازہ کے متصل ہے۔

سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہ

کرمان کے شہر سے تشریف لاکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اسی ضمن میں کشمیر کا ایک سلطان جو اپنے چچیرے بھائیوں سے شکست کھاکر ہندوستان میں آوارہ اور دربدر حیران و پریشان تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا حال بیان کرکے دوبارہ کامیابی کے لئے التجا کی۔ حضرت سید نے اس سے قول و قرار اور عہد و پیمان لیا۔ کہ وہ کشمیر پر قبضہ پانے کے بعد شریعت کے حکموں کو رائج کرے گا۔ اور رفض و بدعت کی نشانوں کو مٹا

دے گا شکست خوردہ سلطان نے مان لیا۔ اور حضرت نے فتحمندی کی بشارت دیکر فوراً اسکو کشمیر بھیج دیا۔ اور اس ولیوں کے قطب کی دعا کی مدد سے اس نے کشمیر کو فتح کیا۔ اسکی التماس پر حضرت سید کشمیر تشریف لائے۔ یہاں پہنچکر انہوں نے دیکھا کہ بدعت اور فساد۔ ظلم اور بیداد۔ دین کی دشمنی اور رافضی کی آفت بدستور برپا ہے۔ اور اس جھوٹے کی بدعہدی سے بہت ہی آزردہ دِل ہو گئے۔ اسی وقت ایک تیر کمان کے چلے میں چڑھا کر آسمان کی طرف پھینکا۔ اور اس جھوٹے کی جان جہنم رسید ہو گئی۔ اسکے بعد سلطان نازک شاہ ان کا فرمانبردار ہو گیا۔ اور ان کے خادموں کے لئے محلہ نروره میں ایک خانقاہ بنا دی۔ اور تین ہزار خروار درگاہ کے خادموں کے وظیفہ کے لئے مقرر کئے۔

کچھ وقت گذرنے پر حضرت سید کو صفائی باطن (دل کی صفائی) میں کمی کے آثار محسوس ہونے لگے اور وظیفہ سے دست بردار ہو گئے۔ اور اپنے قیمتی وقت کو توکل پر گذارنے لگے۔ اسی ملک کے مشایخوں اور خدا دوستوں حضرتِ سلطان وغیرہ حبیبوں کے ساتھ گہری دوستی اور بہت ہی میل جول رکھتے تھے۔ اپنے باطنی فیض کے دریا سے ایک دنیا کو سرسبز فرمایا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت سید اپنے زمانے کے فرد واحد اور یکتائے دہر تھے۔ گنج بخش صاحب کے مزار کلاں میں ان کی زیارت فیض و برکات کی جگہ ہے۔

سیّد مسافرؒ

حضرت میر سید احمدِ کرمانی کے فرزند دل پسند تھے۔ سلوک میں بلند درجہ کا حال اور بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ خوفِ خدا اور پرہیزگاری میں والدِ بزرگوار کی قدم بقدم پیروی کرتے تھے۔ والد بزرگوار کے پہلو میں وصال کی نیند میں ہیں۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلواۃ واکمل والتحیات کے جھنڈہ مبارک کا پنجہ اور نعلین شریف اور دوسرے تبرکات جو حضرت میر سید احمد کرمانی سے حرمین الشریفین (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ) سے ساتھ لائے تھے۔ اور ان کے سپرد کئے تھے۔ اپنے خلیفہ بابا مسعود نروری کے حوالے کئے۔ جو محلہ نروره میں موجود ہیں۔ (یوم عاشورہ (۱۰ محرم) پر لوگوں کو ان کی زیارت کرائتے ہیں۔

سید جلال

سید احمد کرمانی کے چیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ تصوف کی باتوں میں کمال کی واقفیت رکھتے تھے اپنے سلسلے کو رواج دینے میں بہت ہی کوشش کرتے تھے۔ اپنے مرشد بزرگوار کے روضہ میں مدفون ہیں۔

سید محمد عین پوش

چکوں کی حکومت کے زوال کے زمانے میں اس ملک کو رونق بخشی۔ بڑے صاحب حال اور صاحب کمال تھے۔ اپنی پیاری عمر گوشہ نشینی اور خلوت کشی میں گزاری۔ غیروں کو دیکھنے سے ہمیشہ آنکھیں بند کرتے تھے۔ بیگانوں کے منہ کو نہیں دیکھتے تھے۔ اسی لئے "عین پوش" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ محلہ ہول میں بڑی سڑک کے کنارے دفن ہیں۔

سید جمال الدین بخاری

قطبوں کے قائدِ اعظم حاجی عبدالوہاب کے خلیفہ تھے۔ جو سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت جناب مخدوم جہانیاں تک پہنچتا ہے۔ نیک بختی اور ولایت میں بڑی شان رکھتے ہیں۔ سلاطین کشمیر کے عہد کے آخر وقت میں سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اس جنت نشان والے ملک میں تشریف لائے۔ اور لولہ پورہ سے ایک صالح شخص جرت خان کو ساتھ لاکر احمد بتو کی خانقاہ میں نزول اجلال فرمائے۔

(بلند مرتبہ شخص کی تشریف آوری کے لئے "نزول اجلال" کا فقرہ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے)

حضرت سلطان العارفین رح فرماتے ہیں جب اس دولت و عظمت والے (حضرت جمال الدین بخاری) نے اس برکت والی خانقاہ میں ڈیرہ ڈالا۔ مجھے اسی رات میں کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تمہاری تکمیل کے لئے ایک عظمت حشمت والے محقق مردِ کامل سید جمال الدین بخاری قدس سرہٗ کو اس شہر میں پہنچا یا ہے۔ جس کے سلسلے اور خلافت کی نسبت معنوی (باطنی) طور پر حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ اور آج رات ملک احمد بتو کی

خانقاہ میں آرام پذیر ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ کل اُن کی خدمت میں جا کر ان کی بیعت (مرید ہونا) کرو۔ اور ان کی فرمانبرداری لازم جانو گے۔ دوسرے دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آخری صف میں جوتیوں کے پاس اس طرح بیٹھ گیا۔ کہ میرے پاؤں کے موڑ کو کسی نے نہ دیکھا۔ (ادب سے دوزانو بیٹھ گیا) اور ان کے دیدار کے نور سے دل کی بنی کو روشن کر کے اپنے غمکدہ میں واپس آیا۔ دوسرے روز پھر گیا اور آخری صف میں بیٹھ گیا۔ حضرت نے مجھ پر شفقت کی نظر ڈال کر مہربانیاں فرمائیں۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج رات تمہارے حال۔ مقام اور تمہارے باؤں کی پیچیدگی کو مجھ پر روشن کیا۔ اور مجھے تمہاری تربیت کا حکم ہوا۔ اور ابھی میں نے تمکو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اور اسی دن مجھے اپنی کلاہ عطا فرمائی اور فرمایا رکھو اس میری کلاہ مبارک کو اپنے سر پہ اور کچھ دن خلوت میں بیٹھ کر "استخارہ" (خدا سے کسی کام کے بارے میں خبر پانے کے لئے دعا کر کے سونا) کرو۔ میں چلا گیا۔ اور ان کی اجازت کے مطابق خلوت میں بیٹھ گیا۔ میں نے اس کلاہ کی برکت سے عجیب و غریب حالات دیکھے جب خلوت سے نکلا تو ان کی خدمت میں وہ سارے حالات عرض کئے۔ جو میں نے دیکھے تھے۔ پھر چھ مہینے میری تربیت کرتے رہے۔ اور دن دن میری کیفیت ایک حال سے دوسرے حال پر اور ایک مقام سے دوسرے مقام پہ بدل جاتی تھی۔ تا آنکہ اس مقام پر پہنچ گیا۔ کہ غیبی اسرار (بھید کی باتیں) مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ اور پھر مجھے اپنی خلافت کا خط عطا کیا۔ پھر واپسی کا ارادہ کر کے سفر کی تیاری فرمائی۔ میں نے عرض کی "میں بھی ساتھ آؤں" منظور نہ فرمایا۔ اس کے بعد رخصت فرمائی۔ اور ہر واقعہ اور ہر حادثہ میں میری امداد کے لئے میرے پاس حاضر ہوتے تھے۔

مثنوی: (۱) راہ والے پیر کی پناہ میں رہو۔ پیر کو سر اور اپنے آپ کو پاؤں جانو۔

(۲) رہبر کا سایہ خدا کی یاد سے بڑھ کر ہے۔ سینکڑوں رنگ رنگ کے کھانوں سے بھری ہوئی تھالیوں سے جو کی شراب کی ایک پیالی اچھی ہے۔

(۳) نور والی (دیکھنے والی) آنکھ بالنو عصا (لاٹھیاں جو اندھے اور بوڑھے ٹیکتے ہیں) سے بہتر ہے۔ کیونکہ آنکھ ہی جواہروں کو کنکروں سے پہنچانتی ہے۔ (۴) پیر کا ہاتھ غائب لوگوں کی مدد کرنے سے دور نہیں۔ اسکا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کے بغیر کچھ نہیں۔ (اسکا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے)

میر بابا حیدر

اپنی تصنیف کی ہوئی کتاب "ہدایت المخلصین" میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ میں سید ہوں اور گجرات سے آیا ہوں۔ لیکن دوسرے مؤرخ مثلاً مصنف "اسرار الابرار" وغیرہ نے ان کی سیادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ حضرت میر حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ رح کے خلیفوں میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت اور کشف و کرامات میں یکتا مرد کامل تھے۔ بہت موقعوں پر بھوت پریاں امداد کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ اپنے مرشد بزرگوار حضرت سلطان العارفین کے حالات اور کرامات میں "ہدایت المخلصین" لکھی ہے۔

بعض مؤرخ کہتے ہیں۔ کہ مذکورہ کتاب ان کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ پرگنہ زینہ گیر کے گاؤں "تجر" کے بابوں نے (پیروں کا وہ فرقہ جنکا نسب سید نہیں) اپنی وراثت کے دعوؤں میں بابا علی ریبنہ کا حضرت مخدوم کا بھائی قرار دینے کے لئے "ہدایت المخلصین" لکھوا کر حضرت میر کی طرف منسوب کی ہے۔ اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو پیش کی ہے۔ اور قاضی خان نے ان کی طرفداری کر کے بابوں کی وراثت کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ خدا ہی حقیقت اور اصلیت کو بہتر جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میر روشن ضمیر خدا دوست تھے۔ آٹھ محرم سنہ ۹۹۹ھ اس دنیا کو الوداع کہی۔ موضع تولہ مولہ میں ان کی زیارت ہے۔ ان کا عرس آٹھ بھادون کشمیری حساب سے دس ساون شدی کو منایا جاتا ہے۔

خواجہ ضیاء الدین امجد

بخارا کے خواجوں کے نسل تھے۔ بادشاہ کشمیر کے مصاحب تھے۔ ایک ہزار نو سو خروار کا عہدہ رکھتے تھے۔ جب سلطنت میں رفض کا رخنہ دیکھا۔ (مصنف نے مذہب اہل تشیعہ کو رفض سے تعبیر کیا ہے۔ شاید اس لحاظ سے کہ شعبہ مذہب نے خلفائے ثلاثہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اور نثر اکو جزو مذہب قرار دیا ہے ۔) مصاحبت سے الگ ہو گئے ۔ اور حضرت سلطان العارفین کی تربیت سے بہرہ اندوز ہو کر فقر و سلوک میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ۔ موزون طبیعت رکھتے تھے ۔ اور چمکیلے شعر کہتے تھے ۔ حضرت مخدوم ان سے بہت محبت کرتے تھے ۔ جب انتقال فرمایا ۔ مرشد کامل کے صحن میں دفن ہوئے ۔ سید محمد دولت ۔ سید محمد عالم ۔ سید محمد عظیم اور سید محمد عادل چاروں بزرگ ہندوستان سے آکر حضرت محبوب العالم شیخ حمزہؒ کے مرید ہوئے ۔ اپنی عمر عبادت و ریاضت اور مشاہدہ میں گذاریں ۔

خواجہ خاوند محمود نقشبندیؒ

بخارا کے بڑے سیدوں میں سے میر سید شریف کے بیٹے تھے جن کا نسب پانچ پشتوں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطار تک پہنچتا ہے ۔ حضرت خواجہ نے چڑھتی جوانی ہی میں خدا کی یاوری سے خواجہ محمد اسحاق دہبیدی سے بیعت کی اور ان کی مریدی کا شرف پایا ۔ اور حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کی روح پاک سے سلوک کے راستے میں باطنی مدد پا کر وقت کے خدا رسیدوں پر سبقت لے گئے ۔ تصوف اور سلوک کے مرحلوں کو طے کرنے کے بعد سفر کا سامان باندھ کر بخارا سے نکلے ۔ اور کچھ مدت کے لئے گجرات میں قیام کر کے کشمیر کی سیر کا خیال دل مبارک میں آیا ۔ اور ایک مدت تک اس ملک کی رونق اور راہِ خدا پہ چلنے والوں کے رہنما رہے ۔ پھر ہندوستان کے شہروں کی سیاحت کا خیال آیا اور ہندوستان کے ملکوں کی سیر کر کے واپس کشمیر آئے ۔ اور حسین شاہ چک کے باغ میں جو آج کل خواجہ بازار کے نام سے مشہور ہے ۔ بال بچوں کے ساتھ سکونت اختیار کی ۔ جب خاص و عام اور حکام ان کی خدمت میں کثرت سے آنے لگے اور فیض پانے لگے تو "سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام" کے دربار سے خانقاہ کی تعمیر کی اجازت پائی ۔ اور پھر اس وقت کے کچھ بڑے لوگوں کی مصلحت سے حضرت محمد امین ویسی کی خانقاہ جو موضع اشم میں بیکار پڑی تھی ۔ مفتیوں کی تجویز سے وہاں سے اٹھا کے لا کر مذکورہ باغ میں نئے سرے سے تعمیر کی ۔ اور اس پر پینتالیس ۴۵ ہزار روپے صرف ہوئے ۔ اسی اثنا میں شیعوں اور سنیوں میں فساد ہو گیا ۔

اور حضرت خواجہ کو اس جھگڑے کی تہمت لگا کر شاہجہاں کے پاس دہلی بھیجا گیا۔ بادشاہ سے ملاقات کے بعد اس کے حکم کے موجب لاہور میں ٹھہرے اور اپنے فرزند ارجمند خواجہ معین الدین کو اپنے سلسلے کے رواج اور خانقاہ کے انتظام کے لئے بادشاہ کے حکم سے کشمیر روانہ کیا۔ حضرت خواجہ خاوند محمود نے ایک ہزار پچاس میں گیارہ ماہ شعبان کو لاہور میں وفات پائی۔ تاریخ :۔

سال تاریخ رحلتش ہاتف بود وے صاحب فضایل گفت

میر حمزہ کریری

سید حاجی مراد کی اولاد اور شیخ یعقوب صرفی کے مریدوں میں سے تھے۔ میر محمد خلیفہ ان کے پیر صحبت تھے۔ اور بابا داؤد سے بھی فیض پایا تھا۔ بہت بڑے عالم اور سلوک کے مقامات سے باخبر تھے۔ مرشد کامل کے دنیای فانی کو رخصت کرنے کے بعد لوگوں کو راہِ خدا دکھانے میں مشغول ہو گئے۔ اور بے شمار لوگوں کو مقام شہود پہ پہنچایا۔ ایک چھوٹا سا رسالہ حضرت یعقوب صرفی (جن کا عرف حضرت ایشان ہے) کے حالات میں لکھا ہے۔ سنہ ۱۰۲۶ میں رحلت فرمائی۔ اور موضع کریری میں دفن ہیں۔

میر باقر

میر حمزہ کریری کے بیٹے تھے اپنے والد بزرگوار سے علوم ظاہری اور باطنی حاصل کئے۔ حضرت میر محمد خلیفہ کی صحبت سے بھی فائدہ مند ہوئے۔ اور حضرت صرفی کی مہربانی کی نظر بھی ان پر تھی۔ حضرت صرفی جب پکھلی کی سیر کو تشریف لے گئے یہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مقبولِ خدا و بندگانِ خدا تھے۔ نیک عملوں اور اچھے شغلوں میں زندگانی بسر کر کے اپنے آبا و اجداد کے مزار میں دفن ہوئے۔

میر محمد یوسف

میر حمزہ کبروی کے بھتیجے تھے۔ میر محمد خلیفہ سے بیعت کر کے طریقت کے کاموں کے عامل ہو گئے۔ جب حضرت "ایشان" حج کے لئے حرمین تشریف لے گئے۔ اور واپسی پر اکبرآباد پہنچے۔ میر محمد خلیفہ نے میر یوسف کو ایک خط دے کر حضرت "ایشان" کے پاس روانہ کیا۔ راستے میں اس کو غیب سے کھانا پہنچتا تھا۔ جب اکبرآباد وارد ہوا۔ تو حضرت "ایشان" کی پہلی نظر ہی سے عالم ملکوت کا کشف اسے حاصل ہوا۔ اور چالیس دن کی چلہ کشی کے لئے مامور ہوئے۔ کہتے ہیں کہ خلوت نشینی کے دنوں ہی میں ان کی ایک آنکھ بے کار ہو گئی۔ اور انہوں نے اسکی طرف دھیان ہی نہ دیا۔ جب کشمیر آئے حضرت "ایشان" نے خلیفہ کو لکھا۔ آپ نے میر یوسف کو بھیجا ہم نے اس کے سونے کو کسوٹی پر پرکھایا۔ ایسا کھرا نکلا کہ لاکھوں صراف اس کے سونے کی چمک سے اچنبھے میں رہ جائیں گے۔ میر حمزہ کو میر یوسف کے لئے "ارشاد" کا خط لکھدیں۔ جب میر یوسف وطن کو آیا راستے میں ہر روز غیب سے کھانا ملتا تھا۔ اور سات پیسے جو سفر خرچہ کے لئے ساتھ لئے تھے واپس لائے۔ جب وفات پائی جد بزرگوار کے مزار کے احاطے میں دفنائے گئے۔

میر شمس الدین اندرابی

سید ابراہیم کے بیٹے صحیح النسب سادات میں سے تھے۔ سلطان زین العابدین کے زمانے میں کشمیر آکر محلہ ملارٹہ میں سکونت کی۔ سلطان اس کو علم و عمل اور کشف کرامات والے لوگوں میں سے پا کر بڑی عزت کرتے تھے۔ الغرض خادموں کے لئے محلہ مذکور میں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور خانقاہ کے لنگر کے اخراجات کے لئے کئی گاؤں وقف کئے۔ جب حضرت سید نے انتقال فرمایا۔ قلعہ کے اندر مسجد ملا شاہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔

شاہ نعمت اللہ قادری

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے اولادوں میں سے تھے۔ اور شیخ

درویش قادری کے خلیفہ تھے۔ چکوں کے عہد میں ہند سے آکر خطۂ کشمیر کو رونق بخشی
اور چھتہ بل کے محلہ میں کچھ مدت کے لئے آرام لیا۔ اور بہت سے لوگوں (میر میرک اندرابی۔
حاجی بابای قادری وغیرہ جیسوں) کو کمال اور مرشدی کے درجے تک پہنچایا۔ زیادہ وقت
عبادت وریاضت اور معنوی مشاغل میں صرف کرتے تھے۔ کبھی کبھار "سماع" کی طرف
بھی میل فرماتے تھے۔ (سماع۔ صوفیانہ کلام کو آلات موسیقی کے ساتھ سننا) حاکموں
اور دولت مندوں کی صحبت کا خیال کبھی نہ کرتے تھے۔

لکھتے ہیں کہ کئی دفع کھانا کھانے کے لئے لوگوں کی دعوت قبول کی۔ اور پھر اپنے
آپ میں کچھ کمی کے نشان محسوس کئے۔ ایک دن میر نازک قادری کے گھر جاکر اپنے باطنی
حال میں کمی آنے کی ان کے پاس شکایت کی۔ حضرت میر نے رات کے کھانے کا اپنا حصہ جو
عورتوں کے چرخہ کاتنے کی کمائی سے تھا۔ انہیں دیدیا۔ کھانا کھاتے ہی ان کو پھر باطنی
صفائی حاصل ہوئی۔ پھر حضرت میر نے انہیں فرمایا کہ اپنی نسبت کی حفاظت میں خبردار
رہنا چاہئے۔ اور مشتبہ (وہ چیزیں جن کے حلال اور حرام یا مکروہ ہونے میں شبہ ہو) چیزوں
سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت سید محلہ چھتہ بل میں کچھ مدت رہ کر ہندوستان
واپس تشریف لے گئے۔

میر میرک اندرابی

میر افضل منطقی کے پوتے اور سید شمس الدین اندرابی کے بیٹے تھے۔ پہلے اویسی
سلسلہ[3] میں تھے۔ پھر شاہ نعمت اللہ حصاری قادری کا دامن پکڑ لیا۔ اور ان کے
مرید بن کر مشاہدہ اور معاینہ کے مقام کو حاصل کیا۔ چالیس برس تک شب بیدار اور
دن کو روزہ دار رہے۔ اکثر وقتوں پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم (چار یار باصفا) کی خاص صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔
اور اولیائے کبار (بہت بڑے ولیوں) کی روحوں کی صحبت رکھتے تھے۔ نیکیوں
کے مجسمہ تھے۔ اور ان کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول تھیں۔ آخر عمر میں سید

محمد حسن قمی کے بیٹے سید عبداللہ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ اور تین بیٹے اور چھ بیٹیاں اس سے پیدا ہوئیں۔ جن میں ایک بیٹی شیخ بابا داؤد خاکی کی گھروالی تھیں۔ ان کا پہلا بیٹا سید محمد جو محلہ ملارٹہ میں باپ کا جانشین ہوا تھا۔ اپنے بزرگوار باپ کے مزار میں آرام پایا۔ اور اس کی اولاد محلہ ملارٹہ، رتن پورہ اور لولاب میں موجود ہے۔ ان کا دوسرا بیٹا سید احمد قاسم نے موضع برچل میں وفات پائی۔ اور اس کے پوتے نواسے وہیں ہیں۔ تیسرا بیٹا گیرد کے گاؤں میں بسا اور وہیں وفات پائی۔ ان کی نسل اس گاؤں میں ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت میر اپنے عہد میں لاثانی مرد کامل تھے۔ پانچ ماہ صفر ۹۹۰ھ کو رحلت پائی۔ اور محلہ ملارٹہ میں ان کی زیارت ہے۔ تاریخ:۔

چو سید زد نیای دوں نقل کرد | زاد تا دو ابدال بود است فرد
پے سال تاریخ آن نام جو!! | بگفتا خرد شیخ و سید بگو!!

میر شاہ بابا

میر میرک اندرابی کے پوتے تھے۔ مضامین نویسی اور خوشنویسی کے عالم اور بے نظیر فاضل تھے۔ علم کے کچھ شعبے ملا باقر نارہ للو سے حاصل کئے تھے۔ ان کا شغل علوم دین پڑھانا تھا۔ جوانی کے جوبن میں اس دنیا سے چل بسے۔

میر ابوالفتاح (میر عبدالفتاح)

سید محمد منطقی کے بیٹے اور حافظ بصیر خندہ بونی کے داماد (جنوائی) تھے۔ حال اور کمال والے بزرگ تھے۔ ۱۷ رجب ۹۷۱ھ کو پوچھ میں وفات پائی۔ (نوٹ:۔ یہاں تک منطقی سیدوں کا نسب نامہ کتاب کے موجب ہے۔ اور یہاں سے آگے صرف زبانی جزوں پر ہے)

سید ابراہیم خان

سید محمد بیہقی کے بیٹے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں کمال رکھتے تھے۔ عبادت و ریاضت میں جانباز تھے۔ سلطان محمد شاہ کے عہد میں قریبی رشتہ کے موجب سال تک سلطنت کے وزیر اعظم رہے۔ کشمیر کا نیمراحیہ جاگیر تھا۔ ان کے جاہ و جلال اور حشمت و دولت کا بیان دوسرے حصے میں کیا گیا ہے۔ جب دنیا سے کوچ کیا مزار سلاطین میں دفن ہوئے

سید مبارک خان بیہقی

سید ابراہیم خان کے بیٹے اور حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہ کے مرید تھے۔ چکوں کی حکومت میں پہلے وزیر تھے۔ پھر ۹۸۸ھ میں شاہی تاج سر پر رکھکر چھ مہینے اور دو دن کے لئے ملک کشمیر کے حکمران رہے۔ جب اکبر بادشاہ نے کشمیر پر قبضہ کیا۔ سید مبارک خان کو روسائے کشمیر کی ایک جماعت کے ساتھ دربار میں بلایا۔ اور سید مبارک خان کو کشمیر کی حکومت حوالے کی لیکن اس نے بادشاہ کی پیشکش قبول نہ کی۔ جس پر بادشاہ آزردہ ہوا۔ اور سید مبارک خان کو بنگال بھیج دیا۔ موصوف نے راستے میں وفات پائی۔ اس کے حالات دوسرے حصے میں لکھے گئے ہیں۔ اس کی وفات کی تاریخ "شہید رفت" ہے۔

(نوٹ :- یہاں تک بیہقی سیدوں کا نسب نامہ تواریخ کے مطابق ہے۔ اسکے بعد بالکل زبانی افواہ پر ہے)

سید حمید

بلند مرتبہ۔ صاحب حال و کمال اور عبادت و ریاضت کرنے والے سیدوں میں سے تھے۔ غازی چک نے تعصب کی بنا پر ان کو ہانجی ویرہ کے گاؤں میں شہید کیا۔ اور ان کی لاش سر کے بغیر رات کے وقت محلہ زالڈگر پہنچی۔ محلوں والوں نے لاش کی حفاظت کی۔ دوسرے دن لوگوں نے لاش کو پہنچان کر دفن کیا۔ اور اس کے سر مبارک کو نہ پایا۔

سید شمس الدین

سید تاج الدین کے پوتوں میں سے سید لعمت اللہ کے بیٹے تھے۔ پرہیزگار اور خدا ترس بزرگ تھے۔ سید تاج الدین کے مقبرے میں دفن ہیں۔

سید علی

سید شمس الدین کے بیٹے صاف دل اور روشن ضمیر لوگوں میں سے تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہیں۔

سید شمس الدین نوشہری

میر محمد یوسف ہمدانی کے پوتوں میں سے سید حاجی احمد کے بیٹے تھے۔ میر محمد یوسف ہمدانی حضرت امیر کبیرؒ کے والد بزرگوار حضرت سید شہاب الدین کے چچے تھے۔ باطنی ارادت حضرت خواجہ حبیب نوشہری سے رکھتے تھے۔ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں لاثانی مرد کامل تھے۔ نوشہرہ میں دفن ہیں۔

سید میر خان

بلند مرتبہ والے سیدوں میں سے تھے۔ سلاطین کشمیر کے زمانے میں کشمیر آ کر حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہؒ کے ارادتمندوں کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ سلوک میں بلند مرتبہ پایا۔ کہتے ہیں۔ کہ سید موصوف کو معماری کے کام میں کامل دسترس تھی۔ اسی لئے مرشد پاک کے حکم سے ہاری پربت کے جنوبی دامن پر ایک وسیع فراخ اور بلند دیوار (بنڈ) کھڑی کر کے ایک ہموار سطح پر بڑا چبوترہ سا بنایا۔ اور اسی جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ حضرت مخدومؒ اکثر بار وہاں جا کر گرد و نواح کا نظارہ کرتے تھے۔

اور سید میر خان کو وصیت کی۔ کہ میری قبر شریف اسی جگہ ہو گی۔ پھر ان کے فرمانے کے مطابق ویسا ہی عمل میں آیا۔ اور حضرت مخدومؒ کی زیارت آفتاب کی طرح وہاں سے نور برسا رہی ہے۔ اور سید میر خان کا روضہ حضرت مخدومؒ کے روضہ مبارک کے مشرق میں ہے۔

سید حسن قمی

عہد سلاطین کشمیر کے زمانے میں قم سے آ کر پرگنہ زینہ گیر میں سکونت کی روحانی فیض و برکت سے بے شمار لوگوں کو نوازا۔ ان کا مزار شریف سید پورہ میں مشہور ہے۔

سید عبداللہ

سید حسن قمی کے بیٹے اور میر میرک اندرابی کے سسر تھے۔ پرہیزگاری۔ خدا ترسی اور لوگوں کو دنیاوی اور دینی فائدہ رسانی میں ساری عمر بسر کی۔ آخر عمر میں ایک شخص نے جو سنی بھیس میں شیعہ تھا اپنی بیٹی نذر کے طور پر پیش کی اور سید موصوف نے ضروری کاموں کو سرانجام دینے کے لئے لڑکی سے نکاح کیا۔ اور سید احمد اس سے پیدا ہوا۔ اسی اثنا میں سید عبداللہ کا انتقال ہوا۔ اور ان کے بیٹے سید احمد کو نانا نے پالا۔ اس کی تعلیم و تربیت سے لڑکے نے شیعہ مذہب قبول کیا۔ سید احمد کا مزار احمد پورہ میں ہے۔ اور ان کی ذریت آج تک اس ملک میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید حسن قمی کی زیارت شیعوں کی تصرف میں ہے۔ اور اہل تشیعہ اس زیارت کو قبلۂ حاجات مانتے ہیں۔ سنی وہاں کم ہی جاتے ہیں۔

میر باقر نقشبندی

سید مبارک خان بیہقی کے پوتوں میں سے تھے۔ بڑے صاحب حال اور کمال والے تھے۔ پرگنہ چھیراٹ کے گاؤں بنوہ میں دفن ہیں۔

میر فاضل

میر باقر کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ اچھے کردار اور پاکیزہ حال والے بزرگ تھے ان کے چیلے برگزیدہ لوگ تھے۔ موضع بنوہ میں مدفون ہیں۔

سید احمد قریشی

مدینہ شریف سے آکر پرگنہ کوہیامہ کے دچھنہ گاؤں میں گوشہ نشین ہوئے۔ اور وہیں وفات پائی۔

خواجہ معین الدین نقشبندی

خواجہ خاوند محمود کے صاحب رتبہ بیٹے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں یکتائے زمانہ تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے سلوک کے مرحلے طے کر کے لوگوں کو راہ خدا دکھانے اور تبلیغ کرنے کی تحریری اجازت حاصل کی۔ اور اسکی جانشینی کے مسند پر بیٹھ گئے۔ شیعوں کے فساد کے زمانے میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ اور جب حضرت خواجہ ان کے والد بادشاہ کے حکم کے موجب لاہور میں سکونت کرنے لگے۔ تو یہ والد بزرگوار کے حکم سے اپنے سلسلۂ عالیہ کو رواج دینے اور خانقاہ کی آبادی اور لنگر اور جاگیر کے انتظام کے لئے کشمیر آئے اور خانقاہ کو زینت دینے اور سلسلہ کو رواج دینے میں مشغول ہو گئے۔ عالموں اور فقیہوں (علم شریعت کے رسیرچ کرنے والوں کو فقیہ کہتے ہیں) کی بڑی تعظیم فرماتے تھے۔ باطنی حسن کے ساتھ کمال کی ظاہری خوبصورتی رکھتے۔ حسن صورت اور حسن سیرت والے تھے۔ بادشاہ نے جب ان کی شکل اور تمیز کو دیکھا تو بہت ہی خوش ہو گئے۔ دربار کے امیروں میں سے ایک نے جو کہ شیعہ تھا۔ ریش مبارک کی درازی پر جو ایک مٹھی بھر سے کچھ زیادہ لمبی تھی۔ اعتراض کیا۔

(شمائل)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے شیعوں کی ذلالت کے لئے اپنی داڑھی لمبی رکھی ہے۔
کہتے ہیں کہ سارے عالم۔ فاضل۔ حاکم اور عدالت کے لوگ جناب حضرتِ خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ باریک نکتوں اور دقیق مسئلوں کو ان سے حل کراتے تھے۔
وقت کے بزرگ، فاضل مُلا محمد طاہر، مُلا ابوالفتح کلو۔ مُلا یوسف مُدرس۔ مُلا عبدالنبی اور شیخ احمد مفتی وغیرہ ہمیشہ ان کی مجلس اور صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور حضرت خواجہ نے ان کے اتفاق اور معاونت سے فتاوای نقشبندی تالیف فرمائی۔ اس کے سوا ان کی بھڑکنے اور چمکنے والی موزون طبیعت سے بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کے حالات میں ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے۔ اور اپنے نسب کو خواجہ علاؤالدین عطار کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ اور مرشدی کی سند کو حضرت خواجہ عبداللہ احرار تک پہنچاتے ہیں۔
مختصر یہ ہے کہ نقشبندی طریقہ اور سلسلہ نے ان کی ذات اور ان کے والد بزرگوار کی ذات کی برکت سے اس ملک میں رواج پایا۔ اور ان کے خاص دوستوں میں سے بہت سے لوگ مرشدی کے رتبہ کو پہنچے۔ جنہوں نے اس طریقہ کو فروغ دینے میں بڑی کوشش کی۔
جب حضرت خواجہ کی عمر شریف ستر سے بڑھ گئی۔ تو سنہ ۱۰۸۵ کے ماہ محرم کے آخری دن انتقال فرمایا۔ اور خانقاہ کے صحن میں راحت کی نیند سو گئے۔
چونکہ ان کے بلند قدر تین بیٹے ان سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اور چھوٹے بیٹوں میں سے کوئی سجادہ نشینی اور خلافت کے قابل نہ تھا۔ اس لئے ان کی اہلیہ محترمہ نے (جو خواجہ عبدالرحیم دہ بیدی کی پاکدامن بیٹی عالمگیر بادشاہ کی بہن کی بطن سے تھی) خانقاہ کا بندوبست اور خانداری امورات کا انتظام نہایت دیانتداری حوصلگی اور محنت سے بجا لا کر نزدیک اور دور کے لوگوں کے دلوں کو خوش کیا۔

میر خداداد

میر شمس الدین نوشہری کے بیٹے عالی مرتبہ سیدوں میں سے تھے۔ جب خدا پرستی کا شوق بڑھ گیا۔ تو مولانا مہدی علی کبروی کی خدمت میں دوڑے اور فقر و فاقہ اور سخت محنت و

شفقت والی عبادتوں میں لگ کر قرب الٰہی حاصل کیا۔ ان کی بیٹی شاہ محمد فاضل قادری کے نکاح میں تھی محلہ نوشہرہ میں اپنے گھر کے پڑوس میں دفنائے گئے ہیں۔

میر سیّد علی خان

سیف الدین خان کے بیٹے سادات کرام میں سے تھے۔ سیف الدین خان شیعہ مذہب والے چک بادشاہوں کے امیروں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت بابا نصیب الدین غازی موضع چیوڈارہ میں تشریف لائے۔ اور سیف الدین خان نے غصہ اور تعصب کے موجب اس پُل کو اپنے نوکروں سے دھلوایا جس پر سے حضرت بابا نصیب الدین نے عبور کیا تھا۔ جب یہ خبر حضرت بابا نصیب الدین نے سنی فرمایا کہ اس نے پُل کو دھویا اور میں اس کے دل کو دھو کر صاف کردوں گا۔ اسی وقت اس کے بیٹے سیّد علی خان کو جو جوانی کے جوبن میں تھا۔ رُوحانی کشش کر کے اپنے پاس لاکر ایک ہی کیمیا اثر نظر دیکھکر اس کے دل کو صفا کے نور سے نورانی کر دیا۔ اور دنیا کے لالچ۔ طمع اور ہوس سے خالی کر دیا۔ اس کے باپ سیف الدین خان نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ سید علی نے گھر بار کو چھوڑا اور ایک غار میں بارہ برس خلوت نشینی کی۔ اور عبادت۔ ریاضت اور یاد خدا میں اس درجہ کی کوشش کی کہ قرب الٰہی حاصل کر کے وحدت الوجود میں گم ہو گئے۔ پھر اپنے باپ سید سیف الدین خان کو باطنی توجہ کے زور سے ہدایت کا راستہ دکھا کر اپنے طریقہ سے واقف کیا۔ اور اپنی تعلیم و تربیت سے اس کو کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ ان دونوں بزرگوں کا مقبرہ چیوڈارہ میں مشہور ہے۔ اور ان کی نسل بھی وہاں موجود ہے۔ میر علی خان کی وفات سنہ ۱۰۸۳ء میں مشہور ہے

شاہ محمّد فاضل قادری

ان کا نسب چھ پشتوں سے حضرت غوث الثقلین تک پہنچتا ہے۔

(نوٹ:۔ محمد شاہ نوشہ نے ذکر الصالحین میں شاہ محمد غوث لاہوری کے رسالہ غوثیہ کا حوالہ دے کر ان واسطوں کو چھ کے بجائے بہت زیادہ دکھایا ہے۔ لکھتا ہے :۔ شاہ محمد غوث لاہوری اپنے رسالہ غوثیہ میں لکھتا ہے۔ کہ اس " فقیر کا والد جو سید حسن نام رکھتے تھے۔ چھ پشتوں

کے ذریعے ان کا نسب حضرت سید عبدالقادر الحسینی الحسنی الجیلانی تک پہنچتا ہے۔ اس طرح پر
۔ سید حسن برادر شاہ محمد فاضل قادری بن (بیٹا) سید عبداللہ بن سید
محمود بن سید عبدالقادر بن سید عبدالباسط بن سید حسین بن قطب العالم سید احمد بن سید
شرف الدین بن سید قاسم بن سید شرف الدین بن یحییٰ بن سید بدر الدین بن حسن بن
علاؤالدین بن علی بن شمس الدین بن محمد بن سید شرف الدین ۔ بن یحییٰ بزرگ۔ بن سید شہاب
الدین۔ بن احمد بن قطب العالم سید ابی الصالح الفربن قطب الدایرہ سید عبدالرزاق بن محبوب
سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم اجمعین۔) شروع میں اکیلے اور مجرد تھے۔ اور
بی بی لینا ان کے دلِ مبارک پر دشوار گذرتا تھا۔ پھر قرآن کریم کے حکم "فانکحوا" (نکاح کرو)
کے موجب شادی کر کے سنہ ۱۰۹۲ میں خطۂ کشمیر کو رونق بخشی۔ قریب ایک سو لغز بال بچوں۔ نوکروں
اور چاکروں کے ان کے ساتھ تھے۔ متوکل لوگوں کے پیشوا تھے۔ سو سے لیکر ہزار تک جو کچھ حاصل
ہوتا ایک منٹ میں مستحق غریب لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ تنگدستی اور قرضداری کے باوجود
کچھ بھی پس انداز نہ کرتے تھے۔ آئے ہوئے اور پہنچنے والے مسافروں کو کھانا۔ لباس اور سفر
خرچ دیا کرتے تھے۔ وظیفہ خوروں (خانقاہ میں مفت خور لوگ) اس قسم کی رعایت کرتے
تھے۔ کہ دیکھکر حیرانی ہوتی تھی۔ ان کا دل بلند کمالات سے بھرا ہوا اور منور تھا۔ وجود کی فنا اور
صفاتِ وجود کی فنا ان کو دیکھ کر سمجھ میں آتی تھی۔

فرماتے تھے۔ کہ مجھے اس وقت وہ رقت (تیلاپن) اور وہ حال ہوتا تھا۔ کہ باوجود جوانی کے
بعض (عمر) کے شیرخوار بچے کی شکل و شمائل کا ہو جاتا تھا۔ جس کو لوگ ہاتھوں میں لیتے ہیں۔
اور پھر جوانی کی شکل و شمائل پر عود کرتا ہے۔ اور تنہائی کے دنوں میں خطرناک راستوں
پر چلتا تھا۔ اور نہیں ڈرتا تھا۔ اور کبھی کڑاکے جاڑے کے دنوں میں پانی میں رہ کر وظیفوں
(دعاؤں) کے پڑھنے میں مشغول ہوتا تھا۔ اور گیلے کپڑوں کو بدن ہی پر سکھاتا تھا۔ اور بیوی۔
بچوں کا تعلق اپنے آپ پر کوہ قاف کے بوجھ سے زیادہ گران سمجھتا تھا۔

ان کا علم۔ ان کا حلم۔ ان کی جوانمردی۔ اور سخاوت محتاجِ بیان نہیں۔ وحید الاول
سنہ ۱۱۱۷ کو بدھوار کے دن زندگی کی پوشاک پھاڑ کر محلہ خانیار میں آرام گزین ہو گئے۔

تاریخ بدرزندہ سرز آسمان ہاتف بگفتا بگو سید محمد فاضل ما

سید حسن خان

میر علیخان چیوڈاری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر برستی تھی۔ حلیمی اور بردباری کے مجسمہ تھے۔ عبادات وریاضت۔ کشف وکرامات۔ مجاہدات اور ضبط اوقات میں کمال رکھتے تھے۔ زیادہ ترمستی اور بیہوشی کی حالت ان پر غلبہ کرتی تھی۔ ایک دن مستی کی حالت میں چھت سے نیچے گرے۔ اُٹھے اور پھر اُوپر چلے کوئی چوٹ نہ لگتی تھی۔ اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہیں۔

سید حسن پھکلی

ایک واسطہ سے میر محمد خلیفہ کے خلیفوں میں سے تھے۔ خدا پرستی میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ صاحبِ حال اور کمال تھے۔ کشمیر میں کچھ برس گذارنے کے بعد حج کو روانہ ہو گئے۔ حرمین الشریفین سے واپسی پر شاہ عالم بہادر سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کے ساتھ خاص دوستی ہو گئی۔ کچھ مدت کے بعد ۱۱۲۲ھ میں پھر کشمیر آ کر دو مہینے یہاں ٹھہرے۔ واپسی پر بادشاہ کے لشکر میں پہنچے اور بیمار ہوئے۔ اسی حالت میں اپنے فرض کو لائے گئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

سید ماہ روشن

حضرت میر محمد خلیفہ کے خلیفہ اور سید حسن پھکلی کے بھتیجے تھے۔ مدت دراز تک سیر و سیاحت کرتے رہے۔ اور بڑے بڑے خدا دوستوں سے صحبت رکھتے تھے۔ کئی برس جناب حضرت امیر کبیر کے روضۂ مطہرہ پر مجاوری کی۔ اور ان کی رُوح پاک سے فیض پاتے رہے۔ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد کشمیر آ کر قصبہ بارہ مولہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور وہیں آخرت کی نیند ڈالی۔

میر ایوب بخاری

دنیای اور دینی علموں میں سید شریف کھکینینی کے شاگرد تھے۔ ہندا کر میاں عبد النبی سیارم
پچو اسی کی خدمت میں تصوف اور سلوک کے مرحلے طے کئے۔ اس وقت میاں صاحب
ہند کے مشایخوں کے پیشوا اور سر گروہ تھے۔ بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں کشمیر کو رونق بخشی۔
اور راہِ خدا کے طالبوں کی ہدایت فرمائی۔ محلہ گوتہ پورہ میں دفن ہیں۔

میر افضل

میر محمد طاہر کے بیٹے میر میرک اندرابی کے پوتوں میں سے تھے۔ شاہ ابو الحسن قادری اور
شیخ برٹہ مالو صاحب سے طریقت کے سبق پڑھ کر اپنے والد بزرگوار سے مرشدی کا خرقہ
حاصل کیا۔ قرآن شریف لکھ کر روزی کھاتے تھے۔ پیاری عمر خلوت اور گوشہ نشینی
میں بسر کی۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔ اور اپنے جدوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

میر محمد ہاشم

سید علی خان کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ جن کے نسب کی نسبت حضرت غوث الاعظم
رضی اللہ عنہ کے ساتھ پندرہ پشتوں سے ہے۔ سنہ ۱۱۳۰ھ کے شروع میں کشمیر کو رونق
بخشی۔ زاہد پرہیز گار اور عبادت گذار تھے۔ نمازوں میں ہر دن کبھی ایک ختم کلام اللہ
اور کبھی دو ختم کیا کرتے تھے۔ شب خیز تھے۔ لوگوں کی صحبت سے فارغ تھے۔ صبح کی نماز
کے بعد چاشت کی نماز تک اور نماز دیگر (چار بجے کی نماز) کے بعد شام کی نماز تک کبھی آخر
شب تک اور جمعہ کی نماز کے بعد ہمیشہ ذکر جہر (بلند آواز میں یاد خدا) کیا کرتے تھے۔ ماہ
شوال سنہ ۱۱۳۵ھ کے آخر میں سنجار چڑھ آیا۔ فرمایا ایک ڈابر بنوائیں۔ حاضروں نے عرض کی
حضرت کس لئے۔ فرمایا کہ اگر کوئی مرتا ہے۔ تو اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔
سکرات کے وقت نہایت تیزی سے قرآن پڑھتے تھے اور رحلت کے وقت اسم ذات
(اللہ) ان کے سینے سے آبشار کی طرح سنا جاتا تھا۔ گوجوارہ میں دفن ہوئے۔
تاریخ:۔ گوہر علم و یقین میر محمد ہاشم

اخوند ملا طیب

بابا نصیب الدین غازی کے سب سے بڑھکر ہدایت یافتہ خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ بہت سے بڑے بڑے خدا دوستوں سے دوستی رکھتے تھے۔ بابا نصیب الدین کے علاوہ ایک اور خدا کے پیارے سے نقشبندی طریقہ کی تربیت پائی آخرکار ایک قلندر کی صحبت میں ان کا حال بالکل بدل گیا۔ مستی اور مجذوبی کا غلبہ ہوا۔ پنجگانہ نماز کی مداومت کا ہوش نہ رہا۔ کچھ مدت کے بعد پھر اپنے حال پر آگئے۔ اور ارشاد کے مسند پر بیٹھ گئے۔ ان کے حالات اور کرامات تحریر اور تقریر سے باہر ہیں۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ ان کے دیوان کے شعر سوز و گداز اور راز و نیاز سے بھرے ہوئے ہیں۔ مورخوں میں سے کسی نے ان کی سیادت ثابت نہ کی ہے۔ لیکن میں نے ان کے طبع زاد دیوان کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اس میں کئی جگہوں پر انہوں نے اپنے سید ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کی وفات ۲۴ ذالحجہ سنہ ۱۰۸۶ ہے۔ اور واتل کدل میں ان کا مقبرہ ہے۔ تاریخ :-

اے کہ پرسی ز وصل سید ما ۔۔۔ شیخ دیں ہادئی انام بگو

شہنشاہ اورنگ زیب نے ان کی قبر پر پتھر کا روضہ تعمیر کرایا۔ تاریخ :-

سال تاریخ ایں خجستہ مکان ۔۔۔ روضۂ طیب امام بگو

شیخ غلام محی الدین نے از سر نو اس کی تعمیر کی۔

خواجہ نور الدین محمد آفتاب نقشبندی

حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے بیٹے خواجہ محمد اشرف کے پوتے تھے۔ خواجہ محمد اشرف کے بیٹے خواجہ نظام الدین ان کے والد بزرگوار تھے۔ جوانی کی اٹھان ہی میں ہر قسم کے ظاہری اور باطنی کمالات میں کامل تھے۔ طریقت کے عملوں کی تعلیم دعاؤں اور وظیفوں کے پڑھنے کی اور لوگوں کو راہ خدا دکھانے کی اجازت خواجہ احمد یسوی سے حاصل کی۔ ایک سانس بھی یاد خدا کے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ خدا کی عبادت اور اطاعت

اور کشف و کرامات میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ جاگیرداری کی آمدنی سے لوگوں کو روٹی کھلانے سخاوت کرنے اور لنگر چلانے میں نیک نام اور مشہور تھے۔
۶ شعبان ۱۱۵۶ھ کو انتقال فرمایا۔ اور باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔ قطعہ تاریخ

رفت آں سالارِ ملک معرفت — در رکابش صد ہزاراں فوج دل
اعظم از یک وزہ کم تاریخ یافت — بود خواجہ آفتاب اوجِ دل!!

میر عبد الوہاب

میر محمد ہاشم کے نیک بیٹے تھے۔ عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ شیخ محمد مراد ٹنگ کے جنوئی تھے۔ صدق و صفا والے لوگوں میں سے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے مزار میں آرام پایا۔

میر عبد الرشید

بیٹے سید احمد کے۔ جو بیٹے تھے سید محمد کے۔ جو بیٹے تھے سید ابراہیم مبارک خان بیہقی کے۔ جن کا نسب حضرت سید تاج الدین بیہقی تک پہنچتا ہے۔ والدہ کی طرف سے دوار کی سیدوں سے نسبت رکھتے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں مرد فاضل اور عبادت و ریاضت میں فرد کامل تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مقرر اور خوش کلام تھے۔ شروع میں باپ سے فیض پایا۔ سہروردی سلسلے کے طریقہ میں تعلیم اور تربیت پاکر جرار کے علاقے میں ایک پہاڑ کے غار میں بارہ برس خلوت نشین ہوکر رات دن عبادت و بندگی خدا میں گذارے۔ اور بڑے بڑے ولیوں کی روحوں سے تربیت پاکر اونچا مرتبہ حاصل کیا۔ پھر شہر آکر شیخ محمد مراد ٹنگ سے قادری اور نقشبندی طریقوں کی تعلیم پائی۔ اسکے بعد شاہ علی رضا سرہندی کی خدمت میں مشرف ہوکر کبروی اور سہروردی سلسلوں کے دائروں میں داخل ہوئے۔ حضرت عبد الصبور ستنلی اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ صحبت تھی۔ سادہ وضع اور بے تکلف تھے۔ ایک کرتہ پر کئی سال قناعت کرتے تھے۔ دھوم دھام۔ فخر و مکر۔ خرقہ (گدڑی) اور کلاہ پسند نہ کرتے تھے۔

علم اور عالموں کے بڑے بڑے قدر دان تھے۔ کمال کا حال اور اونچا مقام رکھتے تھے۔ اہل دل لوگوں کا کہنا ہے بلکہ اعتقاد ہے۔ کہ یہ اپنے وقت کے "قطب عالم" تھے۔ (قطب عالم اہل تصوف کی اصطلاح میں دنیا کے خدا دوستوں کا سب سے بڑا سردار ہوتا ہے۔ جس کے حکم کے تحت دنیا رکھی جاتی ہے۔ اور اس دنیا کا کوئی کام اس کی منظوری کے بغیر نہیں ہوتا ہے) ساری عمر لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔

لکھتے ہیں کہ افغانوں کے غلبہ اور تسلط کے وقت عبداللہ خان ایشک آقاصی کے سپاہی شہر کے لوگوں کے گھروں کو رہائش کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ جس کے موجب شہر باشوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ ان میں سے فوجیوں کی ایک جماعت حضرت سید کے گھر میں گھس گئی اور ان کے نوکروں کے ساتھ لڑنے لگی۔ حضرت سید نے فوجیوں کی اس جماعت کے سردار پر قہر اور غضب کی نظر ڈالی۔ تو وہ اسی وقت بے جان ہو گیا۔ اس کے ساتھی یہ حال دیکھکر حضرت کے پاؤں پڑ گئے اور حد سے زیادہ زاری اور عاجزی کر کے معافی مانگی۔ حضرت سید رحم پر آگئے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنی والی نظر سردار پر ڈالی۔ اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان سے معافی چاہی اور اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار کیا۔ اور اپنے اس حال کی حقیقت ایشک آقاصی کو سنائی۔ ایشک آقاصی نہایت محبت اور عقیدت سے ان کی خدمت میں آیا۔ اور حضرت سید نے ظلم و ستم بند کرنے اور لوگوں کو آرام و آسائش پہنچانے کا امر فرمایا۔ لیکن وہ گمراہی کے باعث لوگوں پر ظلم و ستم کرنے سے باز نہ آیا۔ دوسری دفعہ جب وہ ملاقات کو آیا تو حضرت نے ملاقات نہ دی۔ اور اپنے ہم نشینوں میں سے ایک سے کہا کہ یہ بد خصلت ظالم بہت جلد اس ملک سے نکالا جائے گا۔ اور سکھ جیون جو اس کا نوکر ہے۔ اس ملک کا حاکم بنے گا۔ کچھ دنوں کے بعد ایسا ہی واقع ہوا۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک بیوہ کا جوائی حیدرآباد کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اور بہت مدت گذرنے کے باوجود واپس نہ آیا تھا۔ ایک دن یہ بیوہ حضرت کے پاس آئی۔ اور جوائی کے واپس آنے کے لئے ان سے التماس کی۔

روئی بیٹی حضرت میر کو رحم آیا اور بیوہ کو کہا جاؤ۔ اپنی بیٹی سے کہو کہ نہا دھو کر زیور اور پوشاک لگائے۔ کیوں کہ اس کا خاوند پہنچے گا۔ پھر حضرت طے مکان کر کے بیوہ عورت کے داماد کے رہنے کے مکان میں چلے گئے۔ اور اس کے ہاتھ کو پکڑ کر آنکھ کی جھپک میں بیوہ عورت کے گھر پہنچا یا۔ دوسرے دن بیوہ اپنے داماد کے ساتھ ان کی خدمت میں گئی۔ اور سامان اور جایداد کے لئے التجا کی۔ جو اس مکان میں تھی۔ جہاں سے حضرت نے اس کو طے مکان کر کے لایا تھا۔ رات گذر گئی صبح کو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ سارا سامان ان کے گھر میں پہنچ گیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت اپنے وقت میں لاثانی بزرگ تھے۔ بلند مرتبہ چیلے تیار کئے۔ قادری سلسلے کو زیادہ رواج دیتے تھے۔ پانچ محرم سوموار سنہ ۱۱۸۰ کو انتقال فرمایا۔ اور محلہ خانواری میں اپنے گھر کے پاس ہی دفن ہوئے۔ تاریخ:۔

سید برحق رشید پاک زاد ۔ بود اندر اولیاء غوث فرد
گفت تاریخ وصلش ہاتفی ۔ قطب عالم جان بحق تسلیم کرد

لکھتے ہیں کہ مخدوم بہاء الدین صفاپوری کو وعدہ فرمایا تھا۔ کہ دوسری دفعہ تم کو "دعا سیفی" پڑھنے کی اجازت دوں گا۔ مخدوم گا ڈل گئے تھے۔ اور حضرت نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ دوسرے روز بہاء الدین قبر پہ آئے اور آواز دی "الشیخ۔ الکریم اذا وعد وفا"
(اے شیخ اکرم والے بزرگ لوگ جب وعدہ کرتے ہیں تو وہ پورا کرتے ہیں) اُسی وقت حضرت سید ظاہر ہو گئے اور بہاء الدین کو "حرز یمانی" کی اجازت بخشی۔

سیّد عنایت علی

حضرت سید جلال الدین بخاری کے اولادوں میں سے تھے۔ نیک نہاد اور روشن ضمیر تھے۔ سنہ ۱۱۳۱ میں مدینہ شریف سے بال بچہ ساتھ لے کر سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ مدت تک استنبول میں رہے۔ وہاں سے

ہندوستان روانہ ہوئے۔ بہت برس تک ہندوستان کی سیر کی۔ آخر عمر میں کشمیر آئے اور موضع لونار میں ٹھہرے۔ اس کے بعد شہر آ گئے۔ اور کچھ مدت کے لئے احمد اکدل میں رہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک اور چہار یار باصفا کے موئے مبارک اور دوسرے تبرکات جن کا بیان خاتمہ کتاب میں بیان کیا جائے گا۔ ساتھ رکھتے تھے۔ یہ تبرکات محلہ صورہ میں موجود ہیں۔ ان کا مقبرہ مرزا کامل بیگ کے روضہ کے شمال میں واقع ہے۔ مقبرہ کی دیوار منقش ابھی ایک طرف سے استادہ ہے۔

خواجہ علاء الدین نقشبندی

خواجہ میرزا کے عرف سے معروف، خواجہ نظام الدین نقشبندی کے بلند مرتبہ بیٹے تھے۔ اپنے کامیاب بھائی خواجہ نور الدین آفتاب کے انتقال کے بعد سجادہ نشینی کے مسند پر رونق افروز ہوئے۔ بہت سے برس احکام شریعت کی تبلیغ کرنے اور راہِ طریقت کی رہنمائی کرنے میں گذارے۔ ان کی سجادہ نشینی کے زمانے میں ایک خطرناک بڑا قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے شورش اٹھائی اور غلہ داروں پر حملہ کیا۔ ان کے مال وجائیداد کو لوٹا۔ افراسیاب خان صوبہ دار نے شہر میں فوج بھیجدی لوگوں نے مقابلہ کیا اور لڑائی ہوئی۔ فوجیوں نے زینہ کدل کے علاقے میں کئی محلوں کو آگ لگا دی۔

دوسرے دن حضرت خواجہ کو شورش کی لیڈری کے الزام میں پکڑا گیا۔ اور شہر کے رئیسوں اور امیروں کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کے پاس چالان کیا گیا۔ حضرت خواجہ نے کئی سال شاہجہان آباد میں گذارے۔ اور جب کشمیر واپس آنے کا ارادہ کیا تو اسی اثنا میں موت کا قاصد آیا۔ اور ۱۱۵۹ سنہ میں دوسری دنیا کو نقل فرما کر حضرت خواجہ باقی اللہ کے مقبرے میں دفنائے گئے۔

شاہ ابوالبقا

کشش عشق الٰہی نے بچپن ہی میں اسے بکرہ کرہ شیخ عبدالوہاب لاہوری کی خدمت میں کھینچ کر لے لیا۔ ان سے بیعت کر کے ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ وہیں میاں محمد دام سے تصوف اور سلوک کے کاموں میں امداد لے کر مدارج باطنی میں ترقی پائی۔ اس کے بعد حافظ عنایت اللہ قادری لاشہری کشمیری سے سلسلۂ قادریہ کی تربیت حاصل کی اور اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت تک نہایت محنت و مشقت سے عبادت و ریاضت کرتے رہے۔

ملا عطا اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن مجھے چہار ضرب قادری کی تعلیم دی۔ نفی و اثبات چہار ضرب قادری کو ایک سانس میں ایک سو تک برابر کرنا ممکن ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ ان کے والد بزرگوار طبیب تھے۔ اور علاج معالجہ کا کام کرتے تھے۔ کسی آدمی نے اس سے کہا "آپ کا بیٹا درویشی کا کام کرتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہاں! تن ڈھانپنے کے لئے پرانے چیتھڑے بھی نہ پا سکیگا۔"

حضرت شاہ ابوالبقا نے یہ بات حافظ عنایت اللہ کو گوش گذار کی۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ تمہارے باپ نے نیک دعا دی ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ تو پرانے چیتھڑوں کو کیا کرے گا۔ خداوند کریم تمکو پشمینہ کی پوشاک عطا کرے گا۔ اس کے بعد حضرت شاہ کی لباس ہمیشہ "شال پشمینہ" تھی۔ بڑی عزت اور بڑی شان رکھتے تھے۔ ان کے حالات اور مقامات تحریر سے باہر ہیں۔

ایک دن ایک شخص نے ان کی خدمت میں سونے چاندی کی چیزوں کو بطور نذر پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ سونے اور چاندی کی چیزیں فلانی "سیف الدین" کو پہنچا دو جو کہ اہل دنیا حاصل کرنے کے لئے "دعائے سیفی" پڑھتا ہے۔ میرے لئے یہ چیزیں کس کام کی ہیں۔

بہ سگاں بگذار این مردار را   خورد بشکن شیشۂ پندار را

(یہ مُردار کتوں کے سامنے ڈالدو۔ غرور اور کبر کے شیشہ کو توڑ کر چور چور کردو۔)
۱۱۳۶ھ میں انتقال فرمایا۔ محلہ بُوزگر کدل میں دفن ہوئے۔

حاجی عتیق اللہ قادری

میر افضل اندرابی کے پوتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل کی اور کمال کے مرتبہ پر پہنچے۔ طبیعت اور مزاج کی تیزی کے موجب ملکی کاموں میں بھی دخل دیتے تھے۔ چنانچہ آخر کار بلوۂ عام کی تحریک کا بانی ہونے کی تہمت میں افراسیاب بیگ کے ہاتھ سے ۱۱۵۹ھ میں درجہ شہادت پائے۔ جس کا بیان دوسرے حصے میں ہوا ہے۔ محلہ زال ڈگر میں سید منصور کے مقبرے کے متصل مدفون ہیں۔

میر اسد اللہ منطقی

میر سید حسن منطقی کے خلیفہ اور بابا عثمان قادری کے جنوائی تھے۔ شریعت۔ طریقت معرفت اور حقیقت میں بلند درجہ پاکر لوگوں کو ہدایت کرنے کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ عام طور پر ذاتِ الٰہی کے ساتھ محویت کی حالت میں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن اپنے عالی شان مرشد کے فرمانے پر نمازِ عشاء کے وقت سے صبح ہونے تک کتاب لوائح لکھنے بیٹھے۔ دوسرے صبح جب حضرت بابا عثمان نے ملاحظہ فرمایا۔ تو کیا دیکھتے ہیں؟ رات بھر کے تمام لکھے ہوئے ورق اسم "اللہ، اللہ،، سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور کتاب کا ایک لفظ بھی کسی ورق پر نہیں۔ یہ تھا استغراق کا عالم۔
۲۲ ربیع الاول ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی۔ رُلا بغیر کے مزار میں اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

تاریخ:-

میر دوران و پیر بے ہمتا	اسد اللہ افضل العرفا
شنبہ دوم ربیع الاول بوُد!!!	برکشید او زدارِ فانی پا
یافت سالش زرد حسنِ عمل	اسد اللہ سید الفضلا

۱۱۵۵ھ

میر محمد حنیف

شاہ ابوالبقاء کے فرزند تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے باطنی کمالات میں کمال پر پہنچے۔ اور مولانا امان اللہ سے مذہب اور فلسفہ کے علوم حاصل کئے۔ ایک مدت تک خانقاہ چلاتے رہے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں اونچا مرتبہ رکھنے کے باعث وقت کے حاکموں کی محفلوں اور مجلسوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ سنہ ۱۱۶۱ھ میں اپنے والد بزرگوار کے مقبرہ میں آرام پایا۔

میر مقصود کریری

حاجی عبدالسلام دار کے یاروں میں سے۔ خدا ترس۔ پرہیز گار۔ نفس سے لڑنے والے اور ذکر خدا میں رات دن مشغول رہنے والے تھے۔ جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچے تو سردار عبداللہ خان ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دیدار سے مشرف ہوا۔ اور میر صاحب ہر وقت افسوس کرتے تھے۔ کہ آخر عمر میں میری تقدیر کیا تھی۔ کہ حکام کا مرجع بنا۔ جب رحلت فرمائی موضع کریری میں آرام پایا۔

میر لطف اللہ ڈوارکی

میر داؤد علامہ دوارکی کے پوتوں میں سے۔ شیخ عبدالرشید سہروردی کے مریدوں میں سے تھے۔ پرلے درجے کے زاہد۔ عابد۔ ساجد اور عارف تھے۔ سلسلۂ کبرویہ کی اجازت شیخ اعظم کبروی سے حاصل کی۔ اور سلسلۂ قادریہ کی تعلیم خواجہ عبدالرحیم کا کجو سے پائی۔ ساری عمر عبادت و ریاضت میں گذاری۔ لوگوں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے لئے سال بھر میں ایک دفعہ گوشت کھاتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن برکات خان حاکم کشمیر نے ان کی خدمت ایک ہزار روپے کی تھیلی نذر گذارنی۔ انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور فرمایا جو میں مانگو نذر مجھے دیجئے۔ حاکم نے پوچھا آپ کیا چاہتے ہو۔ فرمایا میری جاگیر ضبط کریں۔ کیونکہ مجھے بکار نہیں۔ سنہ ۱۱۷۰ھ میں رحلت فرمائی۔ اور محلہ قلاشپورہ میں دفن ہوئے۔

خواجہ کمال الدین نقشبندی

خواجہ نور الدین محمد آفتاب کے بیٹے تھے۔ دنیاوی اور دینی ظاہری و باطنی علموں میں معروف و ممتاز تھے۔ شیخ کمان خواجہ عبد الرحیم سے طریقت کی تربیت پا کر دل کی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان گئے۔ اور بڑے بڑے خدا دوستوں کی ملاقات اور صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ اسی ضمن میں ان کے والد بزرگوار کی وفات کا واقعہ وقوع میں آیا۔ جس کے موجب کشمیر واپس آئے۔ جب خواجہ علاؤ الدین نقشبندی نے شاہجہاں آباد میں رحلت فرمائی۔ تو حضرت خواجہ طریقت کے مسند پر جلوہ افروز ہو کر خانقاہ چلانے اور شریعت کے امر و نہی کو اس ہمت اور جرأت سے جاری کرنے میں مصروف ہوئے کہ حافظ عبد اللہ کی گردن رب صحابہ (یاران رسول اللہ) کو برا کہنا اور گالیاں دینا ثابت کر کے خانقاہ نقشبندی کے چبوترے پر اپنے ہاتھ سے ماری۔ اس واقعہ کے بعد کشمیر کی حکومت ایک شیعہ امیر خان کے نام ہاتھ میں پڑی اس سخت گیر ظالم نے حسد اور تعصب کی بناء پر حافظ عبد اللہ کا قصاص (بدلہ) لینے کے لئے خواجہ کو صبح کی نماز کے وقت نور ملک جلاد کے ہاتھ سے ۱۱۸۸ھ ۳۰ رجب کو جام شہادت پلوایا۔ اور اپنے بزرگوں کے مزار میں دفنا دیا۔ تاریخ:-

شد شہید آن سید کشمیری کمال الدین حسین

خواجہ عبد الرحیم

خواجہ محمد شریف کے بیٹے جو بیٹے تھے خواجہ محمد اشرف کے اور مشہور تھے۔ خواجہ شیخ کمان کے عرف سے تاشقند کے رہنے والے تھے۔ ان کے باپ دادے تاشکند کے حکمران تھے۔ جو خانقاہ کی مجاوری میں سرگرم تھے۔ خواجہ عبد الرحیم نے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بھائیوں کے جھگڑے اور فساد کے باعث اپنے جانباز بھائی شاہ نیاز کو ساتھ لے کر وطن سے ہجرت کی اور پنجاب آ گئے۔ یہاں عبد الصمد خان سیف الدولہ صوبہ دار لاہور کے پاس قریبی رشتہ ہونے موجب کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ پھر شاہجہاں آباد روانہ ہو گئے۔ اور وزیر الممالک فخر الدین خان کے گھر میں قیام کیا۔

اور سید محمد خان کی وساطت سے محمد شاہ غازی کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اور شیخ کمالی کے خطاب سے سرافراز ہوئے۔ جب بادشاہ کے ساتھ ان کا تعلق بڑھ گیا۔ اور یہ وزیر کی وساطت کے بغیر ہی بادشاہ سے ملنے جلنے لگے۔ تو وزیر کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی۔ اور خواجہ سے التفات کرنا چھوڑ دیا۔ وزیر کے عدم التفات کے باعث خواجہ نے بادشاہ کی مصاحبت ترک کر دی۔ اور دنیا سے دل برداشتہ ہو کر شیخ عبدالاحد کے فرزند شیخ محمد عابد سرہندی کی خدمت میں آئے۔ چوں کہ حضرت شیخ محمد عابد سر نہیں منڈاتے تھے۔ اس لئے حضرت خواجہ نے سختی سے شریعت کے پابند ہونے کے موجب ان کے مریدوں کے زمرہ میں شامل ہونے سے کچھ دیر توقف کی۔

اس ضمن میں نواب آصف خان کے اصرار پر حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے حج کو روانہ ہوئے۔ حج ادا کرنے اور عرب کے ملکوں کی سیاحت کے بعد واپس آکر دو برس پورب میں گذارے۔ پھر دہلی آئے۔ اور غیبی اشارہ اور آلہی کشش سے دونوں بھائی شیخ محمد عابد کے خلیفہ حضرت خواجہ موسیٰ خان کہ بیدی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تھوڑے وقت میں ان کی دعا اور فیض و برکت سے سلوک اور طریقت کے منزلوں کو طے کر کے خلافت اور ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ اور پھر دونوں بھائیوں نے نکاح کئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی حضرت موسیٰ خان خراسان تشریف لے گئے۔ اور حضرت خواجہ لاہور تک ان کے ساتھ گئے۔ وہاں قمرالدین خان کے بیٹے معین الملک حاکم لاہور کی التماس پر کچھ مدت ٹھہرے۔ معین الملک کی وفات پر میرزا خان حاکم پنجاب ہوئے اس نے حضرت خواجہ کو مین آباد کی فوجداری سپرد کی۔ جس وقت سکھوں نے احمد شاہ درانی سے بغاوت کی حضرت خواجہ کے بڑے بھائی خواجہ شاہ نیاز اسی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ جموں آکر کچھ مدت وہاں رہے۔ پھر خواجہ موسیٰ خان کی ملاقات کے لئے ترکستان روانہ ہو گئے۔ اور بہت مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر عالیشان اور بلند مرتبہ مرشد کے فرمانے پر یارقند کے راستے سے کشمیر تشریف لائے۔ اور کچھ دیر بابا محمود حسنی اور کچھ دیر میاں محمد ولی دار اور کچھ مدت خواجہ کمال الدین نقشبندی کے گھروں میں گذاری۔ پھر الہام ربانی کے موجب حکومت

چک کے مذہکی زمین مالکوں سے خرید کر مکانات اور باغات بنوائے۔ نورالدین خان کی حکومت کے ... کے زمانے میں یارقند اور تاشقند چلے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے آباء اجداد کے عہدوں کو انہی کے حوالے کرنے کا بندوبست اور انتظام کیا۔ لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ بلکہ خداوند کریم کی یاری اور مددگاری سے لوگوں کو راہِ نجات دکھانے کے مسند کو سجایا اور خوازم خان کے عہد میں پھر کشمیر آگئے۔ اور امیر خان کی حکومت کے زمانے میں پھر مرشد بزرگوار کی خدمت میں بخارا تشریف لے گئے مرشد بزرگوار کی ملاقات اور بخارا سمرقند کے صاحبدلوں اور بڑے بڑے خدادوستوں کی زیارت کرنے کے بعد پھر کشمیر کو رونق بڑھائی۔ اور ہر جگہ لوگوں کی رہنمائی کر کے بندگان خدا کو فیض پہنچایا۔

۱۲ جمید الاول ۱۲۰۰ھ کو ایک سو ایک سال عمر پاکر نقل فرمایا۔ اور اپنے گھر کے ساتھ ہی دفن کئے گئے۔ تاریخ یہ۔

گفت تاریخ وصالش ہاتفی قطب دوران رفتہ از دنیائے دون

میرے والد (حسن کے والد) فرماتے تھے۔ کہ ایک دن حضرت خواجہ کھڑکی پر اپنے فرزند خواجہ امیرالدین کو گود میں لئے بیٹھے تھے جن کی عمر اس وقت دو برس کی تھی۔ اور ایک خوش آواز بلبل سفیدہ کے درخت پر چہچہا رہی تھی۔ جب بچے نے گاتی ہوئی بلبل دیکھی حضرت خواجہ کو بلبل پکڑنے پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہ مجبور ہو گئے۔ اور بلبل پر نظر ڈالی۔ بلبل درخت سے اڑ کر آئی اور ان کے گھٹنے پر بیٹھی۔ بچے نے تھوڑی دیر کے لئے بلبل کو ہاتھ میں لے کر کھیلا اور پھر حضرت کے فرمانے پر چھوڑ دیا۔ علیہ رحمۃ اللہ۔

خواجہ شاہباز نقشبندی

خواجہ عبدالرحیم کمان کے بیٹے دینی اور دنیاوی علموں میں ممتاز عبادت و ریاضت اور خداپرستی میں جانباز۔ دولت و حشمت۔ جاہ و جلال اور مال و منال کی کثرت سے سرفراز تھے۔ شریعت کے پابند اور پرہیزگار تھے۔ پڑھائی ختم کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے والد بزرگوار سے تصوف اور سلوک کے سبق سیکھے۔ اور میاں

محمد امین دار کے پوتے میاں ضیاء الدین سے معرفت اور حقیقت کا سرمایہ جمع کیا۔ پھر بخارا جا کر خواجہ موسیٰ خان دہبیدی کے عالی مرتبہ فرزند سے دل کے چراغ کو کمال اور ہدایت کے نور سے روشن کیا۔ اور عبد النبی مرجان پوری سے احادیث نبوی کی سند حاصل کر کے علو مراتب کے درجہ کو حاصل کیا۔ جوانمردی سخاوت۔ بخشائش اور خدا کے راہ میں داد دہش سے لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے ہیں۔ شہر کے فاضل اور وقت کے عالم ان کے دسترخوان کے ہمیشہ بہرے بھرنے والے تھے۔ خاصکر ملا عبد النبی مرجان پوری اور شیخ محمد نعیم نارہ بلی توان کی مجلس اور صحبت میں ہر وقت رہتے تھے۔ تین چار دفعہ نہایت جاہ و حشمت سے لوگوں کی بڑی جماعتیں ساتھ لے کر شاہانہ طریق اور انداز میں ترکستان کی سیاحت کو گئے۔ وہاں کے بادشاہوں۔ امیروں اور دولتمندوں نے ان کی قدمبوسی کو باعث سعادت سمجھکر تحفے تحائف اور نذر و نیاز کے پیشکش خدمت میں گذارے ہیں۔ انہی دنوں میں برطانیہ کا ایک انگریز کرنیل ولیم مورکرافٹ بھیس بدل کر ترکستان کی سیاحت اور تحقیقات کے لئے وہاں گیا تھا۔ جو جاسوسی کے شک پر کئی جگہوں پر گرفتار رہا تھا۔ اور ان کی توجہ سے رہائی پائی تھی۔ ان کی اس مہربانی کے صلے میں لاہور واپس پہنچنے پر اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے برس کی چھ ہزار روپے کی جاگیر ہمیشہ کے لئے واگذار کرائی۔ جو آج تک ان کی اولاد کی جاگیر ہے۔ اس طرح سے کرنیل ولیم مورکرافٹ نے خواجہ شاہ نیاز سے خوشنودی حاصل کی۔ اس چٹھی کی نقل جو کرنیل نے رنجیت سنگھ کو جاگیر واگذار کرنے کے لئے لکھی تھی۔ اختصار کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہے۔

نقل مراسلہ

اوپر ذکر کیا گیا خواجہ بہت اچھے خدا پرست بندے ہیں۔ ان کی اچھائی اور بزرگی میں کوئی شک نہیں۔ مسلمانوں میں ان کی بڑی عزت ہے۔ اور دور کے مشہور ملکوں میں خاصکر توران اور چین کے مسلمان ان کی اسقدر عزت اور تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کہ ادنیٰ اور اعلیٰ سارے کے سارے ان کے سامنے کھڑے رہتے ہیں!

اور جب تک یہ ان کو بیٹھنے کو نہیں کہتے ہیں۔ نہیں بیٹھتے ہیں۔ آپ اگر ان کے ساتھ مہربانی اور پرورش کا طریقہ اختیار کریں گے۔ آپ کی نیکنامی ان ملکوں کے حاکموں اور مسلمانوں میں بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اگر مسلمانوں میں سے اس قسم کا شخص سرکار انگریز کے ممالک محروسہ میں ہوتا اسکی تعظیم و تکریم اور عزت افزائی ہر قسم کی معاشی امداد ہے بہتر سے بہتر طریقے پر کی جاتی ہے پھر بھی خواجہ صاحب جیسے خدا دوستوں کا اس مشفق (رنجیت سنگھ) کے ملک میں ہونا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر دانی ہزار ملکوں کی فتح سے بڑھکر ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خواجہ بزرگوار اپنے زمانے کے صاحب اقتدار لوگوں میں سے تھے۔ خطِ نستعلیق (خوشخط لکھنا) میں بے نظیر تھے۔ اونچے درجے کی موزون طبیعت رکھتے تھے۔ رسالہ چائے نامہ نظم اور نثر نہایت دل خوش کن ہے۔ ان کے شعروں کا دیوان لطافت سے لبریز ہے۔ چائے نامہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں:-

اگر از چائے گویم جائے دارد　　دل و جانم ہوائے چائے دارد
خطا از خطِ سبزش خط کشیدہ　　کہ چین زلف او در چین ندیدہ
ختن بوئے ز بویش وام بردہ　　صبا زان شمۂ تا شام بردہ
گلستان جلوۂ جوشِ بہارش　　ز ہجران مژدۂ وصلِ نگارش
گوارا تلخیش شیرین تر از جان　　بکامم ہمچو حرف تلخ خوبان
ہوایش در دلم چون سکہ در شیر　　بود جان مرا شوقش گلوگیر!

ان کے ایک دیوان سے چند ابیات نمونہ کلام ہیں۔

تیر نئے خنجر مژگانِ تو بے چیزے نیست　　شوخئ نرگس فتانِ تو بے چیزے نیست
غمزہ خون ریز و لبت جان دہ و زلفت صیاد　　شوخ من این سر و سامانِ تو بے چیزے نیست
میل دل بردن خوبان گلستان داری!　　جلوۂ سرو خرامانِ تو بے چیزے نیست
شوخ چشمے مگر از دستِ تو دل برد و نیاز　　آہ این گریۂ پنہانِ تو بے چیزے نیست

اس وقت جبکہ صوبہ پنجاب کے سکھوں کا غلبہ اس ملک کے لوگوں کی تباہی بربادی اور جان کنی کا سبب ہوا۔ حضرت خواجہ سیر ترکستان کے لئے یہاں سے نکل کر کابل میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور وہیں سنہ ۱۲۴۵ کے مہینوں میں دنیا سے رحلت کی۔ تاریخ:- رحلت نمود ند خیر الابرار (سنہ ۱۸۲۹ء)

سید محمد عابد

شاہ ابو الحسن قادری کے پوتے اور شاہ محمد غوث کے بیٹے اور خلیفے تھے۔ عبادت وریاضت مجاہدہ اور کمالات میں لاثانی تھے۔ اپنے نام اور باپ کی جاگیر کے سلسلہ میں (جو کشمیر میں تھی۔) اس فرحت بخش ملک میں آکر رہایش اختیار کی۔ اپنی خداداد ذاتی لیاقت کے موجب حکام کے مرجع اور خاص وعام کی جائے پناہ تھے۔ ہمیشہ یہاں کے محتاجوں کی حاجت روائی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ الیشنگ رقاصی کو اس ملک کے بدر کرنے کی زبر دست کوشش کر کے اس ملک کے لوگوں پر بھاری بڑا احسان کیا۔
۱۹ ربیع الاول ۱۱۸۵ھ میں رحلت فرمائی اور شیخ عبد الرشید کے غار کے متصل دفن ہے۔

سید غلام شاہ آزاد

سید محمد شاہ فاضل کے بیٹے سید عبد القادر معروف بہ سید بادشاہ کے بیٹے سید محمود کے بیٹے تھے۔ بچپن ہی میں اپنے نانا شاہ محمد غوث کے پاس پشاور چلے گئے۔ اور ان کی تربیت میں طریقت کے منازل اور حقیقت کے مدارج طے کر کے کمال کے درجہ پر پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ اس ملک کے دوسرے خدا دوستوں سے فائدہ اٹھایا۔ اور افراسیاب کے عہد میں کشمیر کو رونق بخشی۔ یہاں آکر شاہ عطاء اللہ سے ملے اور ان کی تربیت اور صحبت میں سلوک کے انتہائی مقام کو حاصل کر کے لوگوں کی رہنمائی، فائدہ رسانی اور فیض رسانی میں مشغول ہو گئے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ آزاد تخلص کرتے تھے۔ یہ رباعی نمونہ کلام ہے:-

یارب بسر شک گرم وخونیں جگرے	از چشم ترحم سوی عاصی نظرے
نقد کرمت جنس گناہ مے خواہد	ایں جنس بہ از بندہ ندارد دگرے

ایک دفعہ بابا قایم سپلوئی کو حرز یمانی پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ وہ کوثر ناگ جا کر اس کے لضاب میں (وظیفہ کو مقررہ وقت تک مقررہ تعداد میں مصرحہ جگہ میں پڑھنا) مشغول ہو گئے۔ پچھلے دن نہانے کے لئے چشمہ میں اترے اس چشمہ کے موکلوں نے کھینچکر پانی میں ڈبونے کے لئے لے لیا۔ حضرت سید اسی وقت اپنے غسلخانے میں تھے۔

باباقائم کا حال آنکھوں کے سامنے آیا۔ فوراً ہاتھ لمبا کر کے اسے چشمہ سے نکال کر اپنے پاس پہنچا دیا۔ مدعا یہ ہے۔ کہ حضرت سید وقت کے بڑے بزرگوں میں تھے۔

۱۸ جمیدالاول سنہ ۱۲۰۲ کو رحلت فرمائی۔ دس ہزار کے قریب لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اپنے بزرگوار جد کے مزار میں دفن ہوئے۔ خاتم الصلحا تاریخ وفات ہے۔

سید عبداللہ بیہقی

میر عبدالرشید کے بلند پایہ بیٹے تھے۔ دینی اور دنیاوی علموں میں کامل مہارت پیدا کرنے کے بعد اپنے باپ سے علم باطنی کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ عبادت۔ ریاضت اور مجاہدہ میں نہایت سخت کوش تھے۔ نامور مرشد کے انتقال کے بعد خلیفہ ہو کر سجادہ نشین ہوئے۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں بہت کوشش کی۔ خداداد موزون طبیعت کے مالک تھے۔ علم فقہ (احکام شریعت) میں قائد الاعمیٰ نظم فارسی اور مقامات عشرہ۔ باباعثمان راود کی کتاب اسولہ کے جواب میں نظم فارسی۔ معراج السالکین نظم میں فارسی۔ تحفۃ الرشاد تصوف فارسی میں۔ قصیدہ بدرالدجیٰ عربی۔ قصیدۂ استغفار عربی۔ اور کچھ اور متفرقات رسالے ان کی تصنیفات ہیں۔ ۹ محرم سنہ ۱۲۲۶ کو دنیا سے چل بسے۔ والد بزرگوار کی قبر کے ساتھ دفن ہوئے۔ "مرشد برفت"، تاریخ وفات ہے۔

خواجہ سعدالدین نقشبندی

خواجہ کمال الدین شہید کے بیٹے تھے۔ والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ان کی عمر بارہ برس کی تھی۔ خدا کی مدد اور یاری سے خواجہ عبدالرحیم شیخ کمال کی تربیت میں مرشدی کے درجہ پر پہنچے اور اپنے بزرگوں کے طریقے کو عبادات۔ ریاضات۔ مجاہدات اور کمالات سے نئی زندگی بخشی۔ عقل والے۔ ہدایت والے۔ علم اور استحکام رکھنے والے لوگوں سے ہمیشہ صحبت رکھتے تھے۔ تقریباً پانچ برس تک قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا رہے۔ سنہ ۱۲۱۲ھ میں ناپائیدار دنیا کو رخصت کی اور والد ماجد کے پاس دفنائے گئے۔ تاریخ:-

مرید صادقش از بہر تاریخ — بگفتا پیر کامل سعدالدین رفت

سید عبد الرسول

سید عابد کے بیٹے تھے۔ جوانی کے جوبن میں خدا پہنچاننے کی علامت اور تیز فہمی کی نشانی ان کی پیشانی سے چمک رہی تھی۔ اپنے دادا شاہ محمد غوث سے ظاہری اور باطنی علموں کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ سخاوت مہربانی۔ بخشش۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں بے نظیر تھے۔ ۲۵ شعبان ۱۱۷۰ھ کو وفات پائی۔ اور اپنے والد بزرگوار کے مقبرے میں جگہ پائی۔

سیّد بزرگ شاہ

سیّد غلام شاہ آزاد کے بیٹے تھے۔ نیک خصلت اور جوانمرد تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے خلیفہ بابا نور الدین پاپوری سے طریقت کے آداب حاصل کر کے مقام شہود کے درجہ پر پہنچے۔ سخاوت۔ فیاضی۔ بخشایش اور راہ خدا میں خرچ کرنے میں ہمعصروں سے آگے نکلے تھے دولت مندی اور حشمت و جاہ اس درجہ رکھتے تھے۔ کہ وقت کے حاکم ان کے مال و منال کی کثرت اور ان کی معیشت کے کاموں کے انتظام سے ششد و پنج میں رہتے تھے۔ بڑی آمدنی اور جاگیریں ان کے قبضہ میں تھیں۔ اس ملک کے سارے مشایخوں اور عالموں کو مقررہ وظیفہ محنت و منت کے بغیر ان کے گھروں میں پہنچا دیتے تھے۔ دنیاوی دہندوں میں پھنسا ہوا ہونے کے باوجود عبادت و ریاضت اور ضبط اوقات میں لاثانی تھے۔ شریعت کی پابندی اور پرہیز گاری میں مرد کامل تھے۔ مجلس میں سارے دن کو دوزانو بیٹھکر خدا کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ عالموں اور فقیروں (خدا دوستوں) کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ کبھی حضرت غوث الاعظم کے نام مبارک کو بے وضو ہونے کی حالت میں زبان پر نہیں لیتے تھے۔ (وضو دین اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے نماز اور عبادت کے لئے ہاتھ منہ وغیرہ دھونا) ۱۲۲۱ھ میں سردار عبداللہ خان نے کسی تاجر سے موی مبارک حضرت غوث الاعظم خرید کر کے حضرت سید کو پیشکش کیا۔ حضرت سید نے اس موی مبارک کی تعظیم کیلئے عالیشان خانقاہ اور دلپسند زیارت گاہ بنا کر کے اس کی تعمیر اور سجاوٹ پر بڑی رقم خرچ کی۔ آج کل عقیدت مند کیا چھوٹے کیا بڑے حضرت پیر دستگیر کے عرس مبارک کے دن پر اس کی زیارت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

۴ رجب ۱۲۳۲ھ کو انتقال فرمائے۔ اور اپنے جدوں کے مزار میں جگہ پائی۔ تاریخ
ہاتفی سجع مہر تربت او خواجہ سید بزرگ شاہ نہاد

میر عبداللہ منطقی

میر اسداللہ منطقی کے بیٹے اور بابا محمود قادری کے داماد اور خلیفہ تھے۔ صاحب حال تھے۔ عمر شریف کو گمنامی میں بسر کیا۔ قرآن مجید لکھکر روزی کماتے تھے۔
۴ ربیع الثانی ۱۲۱۵ھ کو رحلت فرمائی۔ حافظ ملا الصبیر کے مزار محلہ خندہ بون میں دفن ہوئے۔

شاہ اسداللہ

شاہ محمد حنیف کے فرزند عبدالقدیم کے بیٹے تھے۔ بابا عثمان رادو سے دینی اور دنیاوی علوں کی تحصیل سے فارغ ہوکر آزاد خان کے زمانے میں مفتی کے عہدے پر مامور ہوئے اور عبداللہ خان کے عہد میں سید منصور کے مدرسہ کے مدرس اعلےٰ تھے۔ ۱۲۲۷ھ کے آس پاس جدوں کے احاطے میں دفن ہوئے۔

سید موسیٰ

سید محمد عابد کے چوتھے بیٹے تھے۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں ایک عجیب شان رکھتے تھے۔ سخاوت اور فیاضی میں مشہور تھے۔

خواجہ علاؤالدین

خواجہ کمال الدین نقشبندی کے فرزند اور حافظ آیت اللہ کے سہروردی کے مرید تھے۔ زندگانی کو پرہیز گاری۔ ریاضت اور عبادت میں گذارا۔ ۱۲۳۶ھ میں اس دنیا سے چل بسے۔

سید اکبر شاہ

سید رسول شاہ کے بیٹے تھے۔ بے پروائی کے باوجود داد دہش سخاوت بخشائش

اور خدا کے راستے میں خرچ کرنے میں لاثانی تھے۔ ۱۲۴۷ھ میں وفات پائی۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

میر نجم الدین منطقی

سید عبداللہ منطقی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ اور خواجہ عبدالرحیم قادری کے جنوائی تھے۔ اپنے نانا بابا محمود اور بابا ضیاء الدین سے بھی طریقت کی باتوں کی تعلیم حاصل کی۔ قلندرانہ طرز اور روش پر چلنے والے۔ تارک الدنیا تھے۔

ایک دن خواجہ محمود دیدہ مری نے جو کہ خواجہ عبدالرحیم قادری کے خاندان کے مرید تھے۔ شالی کے تین سو خروار نذر لائے۔ اور انہوں نے شالی کی ساری مقدار ایک ہی دن میں تقسیم کر دی اور گھر کے لئے دو تین ترک لائے۔ ۱۱۹۵ھ میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ ادائے حج کے بعد بغداد شریف آئے اور وہاں ہی راہی ملک عدم ہو گئے۔

سید جلال الدین

سید غلام شاہ آزاد کے داماد اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں ممتاز تھے۔ رسول مقبول کی حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد زبانی یاد تھی۔ یاد الٰہی کے بغیر ایک منٹ بھی نہ رہتے تھے۔ ان سے بڑی بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ سخاوت اور بخشائش کے موجب ضرب المثل تھے۔ محلہ خانیار میں مسجد کے پاس ہی دفن ہیں۔

خواجہ عبدالرشید

خواجہ نجم الدین نقشبندی کے بیٹے نہایت خوش خلق حلیم تواضع کرنے والے تھے۔

میر کمال الدین اندرابی

حاجی عتیق اللہ قادری کے دوسرے بیٹے تھے۔ والد بزرگوار کی شہادت کے وقت گیارہ سال کی عمر تھی۔ حاجی عبدالسلام وکیل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

اور عشق الٰہی میں کوشش کا راستہ کھول دیا۔ اُن کے انتقال کے بعد سید غلام شاہ آزاد کے اشارہ سے شیخ عبدالوہاب نوری کے پاس سلوک کے مرحلے کو طے کر کے لوگوں کو راہ خدا دکھانے اور ہدایت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جوشِ عشق آلٰہی اور حال میں صاحب کمال تھے۔ آخری عمر میں بڑھاپے کی کمزوری باوجود سماع کی مجلسوں میں دلیرانہ اٹھتے اور رقص کرتے تھے۔ جب اس حال سے واپس آتے تھے۔ تو بے طاقت ہو کر گر پڑتے۔ ۲۵ ماہ ذیقعد ۱۲۳۸ھ سنہ کو انتقال فرمایا۔ اور اپنے جدوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ تاریخ:-

سالِ وصلِ سید ما ہا تفی اکمل شیخان کمال الدین بگفت

سید مقبول شاہ

سید رسول کے دوسرے بیٹے تھے۔ حافظ کلام اللہ۔ محب اولیاء اللہ منظور اہل اللہ۔ اور رسول اللہ کے حدیثوں کیجاننے والے تھے۔ ۱۲۴۹ سنہ میں آخرت کے گھر کو سدھارے

میر بہاء الدین

میر نجم الدین منطقی کے بیٹے تھے۔ پہلے اپنے والد بزرگوار سے طریقت کے سبق پڑھے۔ پھر شاہ عبدالرحمان قلندر کی خدمت میں جا کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور ان کے خلیفہ بن گئے۔ اپنے دادا میر عبداللہ سے بھی لوگوں کی ہدایت و تبلیغ کرنے کا حکم حاصل کیا۔ میر کمال الدین اندرابی سے سلسلہ کبرویہ۔ نقشبندیہ اور چشتیہ کے اسباق سیکھے۔ پھر اپنی عمر شاہ عبدالرحمان کی خدمتگزاری میں صرف کی۔ اور حضرت شاہ نے آخری وقت پر اپنی خلافت ان کے سپرد کی۔

مختصر یہ ہے کہ میر صاحب پرہیزگاری۔ زاہدی۔ اور خدا ترسی کے لئے مشہور تھے۔ عیال دار ہونے کے باوجود دنیا کی رغبت ہرگز نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک ہندو نے اٹھارہ سو روپے بطور نذر پیش کئے۔ انہوں نے اس ساری رقم کو ایک ہی دن میں محتاجوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا۔ اور اپنے لئے ایک پیسہ تک نہ رکھا۔ اسی قسم کے

بہت سے حالات اور کرامات ان کے مشہور ہیں۔
۹ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو انتقال کیا۔ خواجہ عبدالرحیم قادری کے مزار میں دفن ہوئے۔

سید حسن قادری

سید بزرگ شاہ قادری کے قدر وقیمت اور بلند مرتبہ والے بیٹے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں۔ جوانمردی اور سخاوت میں۔ بخشش اور مہربانی میں۔ دانائی اور تیز فہمی میں بے نظیر تھے۔ راجہ تیغ سنگھ والی کشتواڑ کی خوش نصیب بیٹی کو رفیقۂ حیات بنایا۔
اٹھتی جوانی میں ناپائیدار اور غدار دنیا کو جمعہ کے دن رخصت کی۔ اپنے اسلاف کے مزار کے احاطے میں دفنائے گئے۔ تاریخ:۔

شب بود شب برات و تاریخش دل باآہ گفت ۱۲۴۱ھ
آزاد شد آن بزرگ سید ز وجود در روز حسن

سید جمال الدین

سید کمال الدین اندرابی کے بیٹے اور شاہ حفیظ اللہ نوری کے خلیفہ تھے۔ نوّے سال تک اپنے سلسلہ کے کاموں اور شغلوں سے ایک منٹ کے لئے بھی کبھی غافل نہ ہوئے۔ ہمیشہ رونے رہتے تھے اور آہ زاری کرتے رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک وقت شاہ حفیظ اللہ کے ساتھ نزال کی خانقاہ میں اعتکاف (خلوت نشین ہونا) کو بیٹھا۔ ایک رات بھوت کے تصرف (قبضہ کرنا) نے مجھ پر اثر کیا۔ اور میں نے ارادہ کیا۔ کہ آگ سے بھری ہوئی کانگڑی اپنی چھاتی پر الٹ دوں۔ اسی وقت نے شاہ حفیظ نے روشن ضمیری سے جان کر اپنی کوٹھڑی سے آواز دی "جمال الدین خبردار ہو"۔ میں ہوش میں آگیا۔ اور اس حرکت سے باز آیا۔ دوسرے دن جب میں ان کے پاس آیا۔ تو فرمانے لگے کہ ایک بھوت کا قبضہ اس مکان پر تھا۔ اور وہ بھوت تمہاری ہلاکت پر آمادہ ہوا تھا۔ میں بھوت کے اس ارادے سے خبردار ہوگیا۔ اور اس کو ہلاک کر دیا۔ آؤ اس کھڑکی سے دیکھو جب میں نے نظر کی۔ تو ایک بدصورت ہیبتناک مرے ہوئے بلے کو دیکھا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت سید جمال الدین صاحب کمال بزرگ تھے۔

پانچویں ماہ شعبان ۱۲۷۱ھ کو رحلت فرمائی۔ تاریخ ہے:۔ بلغ العلیٰ بکماله

میر کرم اللہ

سید عنایت علی کے پوتے اور خلیفہ تھے۔ پرہیز گار اور خدا کے خوف سے ڈرنے والے تھے۔ صورہ کے محلہ میں سکونت کرتے تھے۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک اور دوسرے تبرکات جوان کے والد بزرگوار نے اکھٹے کئے تھے۔ خواجہ منور شاہ دیوانی رئیس شہر کی تحریک سے اپنے گھر سے نکال کر مسجد میں رکھے۔ اور ان کو مشتہر کرنے پر بڑی کوشش کی۔ اُن کا بیان خاتمۃ الکتاب میں کیا جائے گا۔ سید موصوف کی زیارت کے متصل مدفون ہیں۔

میر سعد اللہ شاہ آبادی

ان کے باپ نے کابل سے آکر پرگنہ کھویہامہ کے ایک گاؤں آرہ گام میں شادی کی اور میر سعد اللہ پیدا ہوئے۔ تعلیم میں کمال حاصل کرکے بقا بابائے شاہ آبادی سے سلوک کے مرحلے طے کئے۔ عجیب ذوق وشوق رکھتے تھے۔ تیز طبع سخن سنج تھے۔ اعلےٰ پیمانہ کے شعر کہتے تھے۔ اور سعادت تخلص کرتے تھے۔ ذیل کی کتابیں۔ مغازی النبی۔ تفسیر قرآن مجید رسالہ گل وبلبل تصوف میں۔ تاریخ کشمیر موسوم بہ باغ سلیمان نظم میں لکھی ہیں۔ علاوہ ان کے رسالے۔ لغت۔ قصیدے اور غزلیں بے شمار کہی ہیں۔ منڈاہ کے گاؤں میں دفن ہیں۔

خواجہ عبد النبی

خواجہ کمال الدین شہید کے پوتے اور خواجہ خالق کے بیٹے تھے۔ علم دین کے بڑے فاضل اور عبادت وریاضت میں بڑے کامل تھے۔ درویش محمد بخاری سے تصوف اور سلوک کی تعلیم پاکر دل کے چراغ کو روشن کیا۔ اپنے بزرگوں کی پیروی صبر وتحمل اور خانقاہ داری میں عمر گزاری۔ ۳ جمیاد الثانی ۱۲۶۳ھ کو رحلت کی۔ اور جد ؔ کے مزار میں دفن ہوئے۔

خواجہ فخر الدین

خواجہ معین الدین نقشبندی کے اولادوں میں سے تھے۔ بلند درجہ کے حالات رکھتے تھے۔ میاں عبدالستار سے جو میاں کنگال کے خلیفہ تھے۔ علم باطنی کی تعلیم و تربیت پاکر اپنے آپ کو گمنام بنایا۔ اور پرگنہ اوتر میں ہجرت کرکے تنہائی میں گوشہ نشین ہوئے کہتے ہیں کہ نیند اچارٹ کرنے کے لئے رات کو درخت پر بیٹھکر یاد خدا کرتے تھے۔ گمنامی تنہائی اور یاد خدا میں زندگی بسر کی۔ آخر عمر میں پنجاب چلے گئے۔ اور وہیں آخرت کا راستہ لے لیا۔

خواجہ محمد شاہ

خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ جودوسخا۔ بخشائش وعطا۔ حسن اخلاق راضی برضائے الٰہی اور دوسرے اوصاف حمیدہ سے مزین تھے۔ دو دفعہ یارقند کے راستے سے ترکستان چلے گئے۔ اور بہت سے بادشاہ حاکم۔ خاص اور عام لوگ ہر جگہ پر ان کے مرید ہو گئے۔ اور نذریں پیش کیں۔ جب کابل کی طرف واپس آگئے۔ اور پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں پہنچے۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کے تین گاؤں جاگیر میں بخشے۔ جو جاگیر اب تک جاری ہے۔ کشمیر آنے پر خلق خدا کی فائدہ رسانی سخاوت اور بخشائش کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ پھر ایک تقریب پر لاہور گئے۔ اور کچھ دیر وہیں ٹھہریں۔ اسی ضمن میں پیک اجل نے پیغام سنایا اور ۱۹ جمید الثانی ۱۲۵۶ھ کو فنا کے راستے سے بقا کے ملک کو چل پڑے۔ اور لاہور ہی میں دفن ہوئے۔ تاریخ

جبریل خرد روز بے وفاتش خبر آورد
فرد وس بریں ست وطنگاہ محمد

میر احمد اندرابی

میر جلال الدین اندرابی کے بیٹے میر بہاء الدین منطقی کے مرید تھے۔ شاہ عبدالرحمان قلندر کی نظر عنایت بھی ان پر تھی جب رحلت فرمائی۔ باپ داداؤں کے مزار میں دفنائے گئے۔ تاریخ

ہشتاد و چہار یکہزار و دو صد تاریخ وفات حضرت میر احمدؒ !

میر مبارک بیہقی

میر عبدالرشید بیہقی کے پوتوں نواسوں میں سے تھے۔ میاں ولایت شاہ سے باطنی فیض حاصل کیا۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی کا خیال بہت زیادہ تھا۔ لوگوں کو فائدہ رسانی اور فیض رسانی میں زندگی بسر کی سنہ ۱۲۸۱ میں اجداد کے مقبرے میں جگہ پائی۔ تاریخ "پیر حجستہ پدر" ہے۔

میر نظام الدین بیہقی

میر عبداللہ بیہقی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ صاحب توکل۔ پابند شرع اور پرہیزگار تھے گوشہ نشینی اور عبادت میں اپنی عمر گزاری۔ آبائی وراثتی مریدوں کی طرف زیادہ رغبت نہ کی۔ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ ان کے شعر لطافت۔ صوری اور معنوی سے لبریز ہیں۔ رسالہ "عقل و عشق" علم تصوف میں ان کا طبع زاد ہے۔ سنہ ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ:۔ "فارغ" ہے۔

میر سعید اندرابی

میر جمال الدین اندرابی کے فرزند دل پسند تھے۔ خدا کی یاوری اور فطرتی قابلیت کے طفیل مولانا علام الدین جامعی سے دینی اور دنیاوی علموں میں کمال حاصل کیا۔ اپنے والد بزرگوار اور قاضی جمال الدین اور شیخ ہادی سے سبق لے کر معرفت و حقیقت کے چراغ کو روشن کیا۔ طبیعت کی پیاس کے موجب سفر کا سامان باندھ کر جہاں آباد چلے گئے۔ اور وہاں مولوی محمد اسحاق دہلوی کے پاس مذہب اور فلسفہ وغیرہ علوم میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مولوی شریف سے باطنی تربیت پائی۔ چھ سال دہلی میں گذارے۔ یہاں آکر تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور فخر کے قابل شاگرد تیار کئے۔ قرآن مجید کی دو تفسیریں ایک عربی میں اور دوسری فارسی میں ان کی پھڑکنے والی طبیعت کے نتیجے ہیں ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ کو رحلت فرمائی۔ اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

تاریخ:۔ بگفت عقل مہ و سال رحلت سید

ربیع اولے والف و دو صد و ہشتاد

ایضاً میر یک آمدہ امیر بہشت!!!

میر عبد الغنی

میر میرک اندرابی کے اولادوں میں سے نندہ صاحب پانپوری کے مُرید تھے۔ پرہیزگار اور پابند شریعت تھے۔ پانچ جمید الثانی سنہ ۱۲۶۲ میں اس دنیا کو الوداع کیا۔ آباواجداد کے مزار میں دفن ہیں۔

میر حسینؒ قادری

میر بہاء الدین منطقی کے بلند پایہ اور صاحب مرتبہ بیٹے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسکی پیدائش سے پہلے شاہ عبد الرحمان قلندر نے میر بہاء الدین کو فرمایا تھا کہ خداوند کریم تمکو ایک خوبصورت سیاہ و سرخ آنکھوں والا بیٹا عطا کرے گا۔ جو حضرت شاہ جیلان کے ڈھول دنیا میں بجائے گا۔ اور تیری اور میری قبر کو زر بفت پہنائے گا۔ اس پیشین گوئی کے چند مہینے کے بعد حضرت میر تولد ہوئے۔ اور بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ہوش سنبھالنے پر خدا کی توفیق سے ارشاد والے خدا دوستوں کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے تربیت پاکر دل کی مراد پائی۔ ان میں سے اپنے والد بزرگوار کے خلیفہ مرزا غلام بیگ سے طریقہ قادریہ کی تعلیم۔ تلقین اور تربیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ اور ایک بلند اور وسیع خانقاہ بہت سا روپیہ خرچ کرکے تعمیر کی اور حضرت شاہ جیلان کی دستگیری۔ بزرگی اور بڑائی کے طبل کو بجاکر عزت و وقار کے جھنڈے کو کھڑا کیا۔ اور آباء واجداد کی پیروی کی گدی پر بیٹھ کر خدمت خلق اللہ اور فیض ربانی میں مشتول ہو گئے۔ اور وہابیوں کے فرقہ کو ذلیل کرنے کے لئے "شیأ اللہ" پڑھنے کا رواج ملک میں جاری کیا۔ (یا شیخ سید عبد القادر شیأ للہ) سخاوت وجوانمردی داد دہش۔ بخشائش اور نان دہی سے ہر کسی کو فائدہ پہنچایا۔ حضرت محبوب سبحانی شیخ سید عبد القادر جیلانی کی محبت اس درجہ کی تھی۔ کہ اُن کے عرسِ مبارک کے دن ہزار روپے سے زاید محتاجوں اور خدا دوستوں کو کھانا کھلانے اور نقد امداد کرنے میں صرف کرتے تھے۔ بہت سی مسجدوں۔ خانقاہوں اور پُلوں کی تعمیر کی۔ مسجد جامع کی چھت کی مرمت کی۔ اور شیم کوہل کی نہر جو چالیس سال سے بیکار ہو گئی تھی۔ زر کثیر لگا کر پھر جالو کی۔ اپنی عمر میں ایک لاکھ روپے

سے زیادہ صرف تعمیراتِ رفاہ عام پر خرچ کیا۔ کوئی جاگیر نہ تھی۔ فقر کے راستے پر سکین حالت میں بیٹھے تھے۔ یہ اخراجات بالائی آمدنی (نذر و نیاز) سے پورے ہوتے تھے۔ لوگ ان کے خرچ کو دیکھ کر حیرانی میں پڑتے تھے۔ اور بہت سے لوگ ان پر کیمیا گیری کی تہمت باندھے تھے اور باتیں کہتے تھے۔ (جیسے دست غیب کا ہونا۔ موکلوں اور جنوں کا روپیہ لانا وغیرہ وغیرہ) حقیقت میں ان کو حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی مہربانی تھی۔ آخر عمر میں حج ادا کرنے مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور بغداد شریف دیکھنے کا شوق غالب ہوا۔ اور روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت شہر کے سارے لوگ رخصت کرنے کیلئے جمع ہو کر ایک میل تک ساتھ چلے گئے۔ یہاں پر شہریوں کو رخصت کی۔ اور اپنے رفیقوں میں سے گیارہ شخص ساتھ لیکر کوچ کیا۔ راستے میں در راہ خدا بہت سارا روپیہ خرچ کیا۔ بیت اللہ (خانہ کعبہ) پہنچے۔ حج کی رسومات ادا کیں اور ۲۲ ذالحجہ سنہ ۱۳۰۰ کو کالرا سے بیمار ہو کر رحلت کی۔ اور مزار جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گنبد کے متصل راحت کی نیند سو گئے۔ مصنف حسن کی تاریخ:۔

چوں میر حسین مکعبہ از شوق !!	ہمو دا داہمہ مرا اسم !!!
پیوست برب کعبہ الجا	فرمود خلیفہ میر قاسم !!!
جستم برائے ہر دو تاریخ	از رائی از پی و فکر راسم!
دل گفت ز معبد خلافت	ہر خاست میں نشست قاسم! سنہ ۱۳۰۰

میر ثناء اللہ

میر حمزہ کبریری کے اولادوں میں سے تھے۔ ملا اسود اور ملا مقصود سے تعلیم دین۔ فلسفہ اور منطق وغیرہ پائی۔ سرور خان کابلی کے مریدین کر روحانی تربیت حاصل کی۔ پرہیز گار۔ خدا ترس تھے۔ علم و فہم کی مشعل تھے۔ خداداد موزون طبیعت کے مالک تھے۔ فارسی اور کشمیری میں نہایت برجستہ شعر کہتے تھے۔ اُن کی نعتیں اور منقبتیں زبان زد عام ہیں۔ چوراسی برس کی عمر پا کر ۴ جمیدالاول سنہ ۱۲۹۳ کو وفات پائی۔ اور اسلاف کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

سید رسول شاہ

میر بہاء الدین کے بیٹے اور سید جلال الدین خانیاری کے بھتیجے تھے۔ اٹھتی جوانی میں خدائی توفیق نے مدد کی اور شیخ ضیاء الدین ذکرؒ سے راہِ خدا کی رہنمائی پائی۔

اور بتیس سال تک خابیار سے فتحکدل روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نقشبندی طریقے کے منزل اور مرحلے طے کر کے مرشدی کے درجہ پر پہنچے۔ اور ہر روز اپنے مرشد کے حکم کے موجب اوابین کے بعد گیارہ مرتبہ قصیدہ بردہ کمال ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ اور اس کی تاثیر و برکت سے بہت فیض پایا۔ مستجاب الدعوت (جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) آدمی تھے۔ پانچ صفر ۱۲۹۴ھ انتقال فرمایا۔ پرگنہ ناگام کے ایک گاؤں گگبچھتری میں دفن ہوئے۔

میر بزرگ شاہ

سید جلال الدین بخاری کے اولادوں میں سے میر قدیر شاہ زینہ کدلی کے بیٹے تھے۔ حافظ کلام اللہ بڑے عابد اور راضی برضائے الٰہی تھے۔ بابا عبداللہ مخدومی سے بیعت کر کے خلوت نشینی کے بہت سے چلے پورے کئے۔ اور اس ملک کے اکثر بزرگ لوگوں (شیخوں) کی صحبت سے روحانی فیض حاصل کیا۔ محمد رضای رفیقی کی اجازت سے حرز یمانی ہمیشہ پڑھا یا کرتے تھے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ سلسلہ قادریہ میں ممتاز تھے۔ ۱۴ ماہ ذالحجہ ۱۲۹۸ھ شہر لداخ میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئے (شہر لداخ کا نام "لیہ" ہے) کچھ محقق تواریخ نویسوں کو ان کی سیادت میں شک ہے۔ واللہ اعلم۔

میر یاسین شاہ قادری

سید بزرگ شاہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ جو سید حسن قادری کی وفات کے بعد اس کی بالائی آمدنی (نذر و نیاز) اور جاگیرات کے مالک ہوئے۔ بڑے سخی۔ جوانمرد اور رند وضع کے آدمی تھے۔ حد درجہ کے لاپرواہ تھے۔ جاگیرات اور نذر و نیاز کی کثیر آمدنی کے باوجود ہمیشہ قرضدار رہتے تھے۔ پرلے درجے کے حلیم۔ متوکل اور صاحب تواضع تھے۔ اگر نذر و نیاز کے ہزاروں روپے ان کو پہنچتے۔ تو ایک گھنٹہ میں محتاجوں اور مستحقوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور کل کے واسطے کچھ بھی نہ رکھتے تھے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ان کی زندگی تک شاہ محمد فاضل قادری کے خاندان کا طریقہ اس ملک میں جاری رہا۔ اور حضرت میر کو جناب حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ کی یاری اور امداد حاصل ہوتی رہی۔ جس چیز کا خیال ان کے دل میں پیدا ہوتا تھا۔ غیبی امداد سے وہ چیز اسی وقت پہنچتی تھی۔ اور ہمارے زمانے میں ان کی ذاتِ بابرکات

خدا کی معطیات میں سے تھی۔ ۱۳ جمید الاول ۱۳۰۵ ؁ کو انتقال فرمایا۔ اور اپنے جدوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

تاریخ:۔

آہ دخا این چہ ملک کرد ملک غمگین رفت | پیر ما ہادی ما میر بزرگ آئین رفت
چون شد آزاد از ین قید وجود ظاہر! | پور طا ہا بجہان در پئے یاسین رفت
چون پئے سالِ وصالش قلم از نون برسید | واہ یاسین بجہان در طلب یاسین رفت

ایضاً

ہاتفی گفت از سر بحر حسن خلق | خاستہ یاسین وبنشستہ حسن!

یوسف شاہ

شاہ ابوالبقاء کے اولادوں میں سے تھے۔ علم ظاہری میں کمال رکھتے تھے۔ کرم شاہ شاہ آبادی سے علم باطنی کی تعلیم پائی۔ پرہیزگار۔ خداترس تھے۔ ضبط اوقات کے پابند تھے۔ اورادخانی اور وظیفہ خوانی بہت کرتے تھے۔ مجازی حسن کے دلدادہ تھے۔ صاحبدل اہل صفا لوگوں کی صحبت سے مستفید تھے۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۰۶ ؁ کو وفات پاکر جدوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

میر عزیز اللہ

اندرابی سیدوں میں سے تھے۔ جوانی کے جوبن میں لدھیانہ جاکر خواجہ امیرالدین پکھلی وال کی خدمت سے فیضیاب ہوئے۔ تھوڑے عرصے میں سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرکے مرشد بزرگوار کی اجازت سے کشمیر آکر موضع پارگام میں سکونت اختیار کی اور اسی گاؤں میں شادی کر کے اپنی عمر کو قناعت اور توکل میں بسر کیا۔
ن ۱۲۰۸ ؁ کو انتقال کیا۔ اور اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

تمام شد خمیس اول

خمیس دوم در ذکر ریشیان کشمیر!

شامہ بی بی

حضرت شیخ العالمؒ کے خلیفوں میں سے تھی۔ لکھتے ہیں۔ کہ اسکو شادی (سہاگ) کے دن خاوند (شوہر۔ میاں) کے گھر لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت شیخ کو اس پر نظر پڑی۔ اور اس پاکدامن پر ایک ایسی حالت واقع ہوئی۔ کہ ڈولی سے نکل آئی اور حضرت شیخ کے پاؤں پڑ گئی حضرت کے پاؤں پکڑ کر زار زار روئی۔ حضرت شیخ نے نصیحت کی اور سمجھایا کہ چلی جاؤ۔ پردہ میں بیٹھو۔ میاں کی خدمت کرو۔ ماں باپ کی لاج رکھو۔ وہ روتی ہوئی بولی:۔

خاک سنز مجھکو عشق خدا نے بنا دیا ناموس و ننگ شرم و حیا کو جلا دیا

ساتھیوں نے سمجھایا۔ اثر نہ ہوا۔ سب مایوس ہو گئے۔ لباس اور زیور کو اتار کر پھینکا۔ دنیا سے بیزار ہو گئی۔ عبادت و بندگی خدا میں تن من مشغول ہو گئی۔ جنگلی ساگ اور جڑی بوٹیوں کے علاوہ کچھ نہ کھاتی تھی ٹھنڈا پانی نہیں پیتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا اناج سے بنے ہوئے کھانے کیوں نہیں کھاتی ہو؟ کہا اپنے مرشد کی پیروی کے لئے۔ پیر آب حیات کا چشمہ ہے۔ جس نے اس چشمہ سے پیا وہ ہرگز نہیں مریگا۔ اور کہا۔ میں تمنا کرتی تھی۔ کاشکی (کیا اچھا ہوتا) میں بابا نصیر کے برابر ہوتی۔ اور جب میں نے اپنے آپ پر نظر ڈالی۔ تو اپنے آپ کو اس کے برابر پایا۔ اور کہا۔ خدا کے بھیدوں کو ظاہر کرنا ہزار خون ناحق کرنے سے بدتر ہے۔ اور کہا۔ دنیا میں مرد کا رتبہ بڑا ہے۔ لیکن ملکوت میں ہمت کا اعتبار ہے۔ اور بے ہمت مرد عورت سے بدتر ہے۔ اور ہمت والی عورت مرد سے بہتر اور افضل ہے۔ کہا جب خدا کے ساتھ تھی۔ تو بے خود تھی جب اپنے ساتھ تھی تو خدا کی معرفت سے بھری ہوئی اسکی بیشمار باتیں مشہور ہیں۔

حضرت شیخ کے انتقال کے بعد کشمیر کے طرفوں کی سیر کی۔ آخر میں پوشکر کے گاؤں میں قرار کیا اور وہیں انتقال کیا۔

بہت بی بی

حضرت شیخ العالم کی مرید تھی۔ اس کا کلام فنافی اللہ میں بہت بلند ہے۔ اور اس کی ریاضت بے مثال۔ کہتے ہیں کہ بہت بی بی اور دہت بی بی دریہ گام کے پٹواری کی بیٹیاں تھیں۔ جنہوں نے سبز گھاس کاٹنے کے دن کے موقعہ پر حضرت شیخ سے گفتگو کی تھی۔ اور حضرت شیخ نے ان کی

To page 131 first

دُوسرا ضمیمہ ریشیوں کا ہے

جاننا چاہئے۔ کہ کشمیر کے ریشی حضرات (بزرگ)، لطیف اور پاکیزہ عبادتوں کا دکھ اٹھانے نہایت مشکل ریاضتوں (تپسیا بندگی) کی محنت برداشت کرنے نفسانی لذتوں اور شہوت کے کاموں کو ترک کرنے۔ فقیری، مسکینی۔ عاجزی اور خاکساری اختیار کرنے میں ہند کے خاک نشینوں اور ولایت کے قلندروں سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر اور بہت زیادہ کامل مانے گئے ہیں۔ لیکن مورخوں میں سے کسی نے ان کے اسماء (ناموں) گرامی کی تعداد نہ تو تحریر میں لائی تھی۔ نہ فرداً فرداً ان کے حالات اور کمالات قلمبند کئے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز فقیر (حسن) چند ایک ریشیوں کا بیان مختصر طور پر کرتا ہے۔ جن کا حال ریشی ناموں کے اوراق پریشان سے ملتا ہے۔

ریشیان طبقہ اوّل

پرانے زمانے کی باتوں کو جاننے والے لوگ واقف ہیں۔ کہ کشمیر کی آبادی کی ابتدا سے اس بہشت جیسے اطراف والے میں کلیتہً بت پرست بود و باش رکھتے تھے۔ ان میں ایک خدا پرست جماعت بھی تھی۔ جس کے افراد غاروں۔ گپھوں اور جنگلوں کے درختوں کی کھوہوں میں اکیلے اور تنہا بیٹھکر اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی کرتے تھے۔ اور تمام مزے دار خوش ذائقہ چیزوں نفسانی جسمانی اور روحانی شہوتوں سے پرہیز کر کے جنگلی کاسنی (کشمیری میں ہند) جنگلی ساگ (وپل ہاک) کڑوے میوے اور نہ کھائے جانے والے اناج اور وہ چیزیں جو انسانی جسم کیلئے مفید نہیں کھا کر جان توڑ تپسیا میں مشغول ہوتے تھے۔ سخت تپسیا (ریاضت) اور نفسانی خواہشوں کو مارنے (نفس کشی) سے جو روحانی طاقت ان میں پیدا ہوتی تھی۔ وہ اس درجہ کی ہوتی تھی۔ کہ جو کچھ ان کی زبان سے اچھا یا بُرا کسی کے حق میں نکلتا اسی وقت وہی عمل میں آجاتا۔ چنانچہ ان کے قصے اور کہانیاں ہندوں

کی کتابوں میں بہت ہی مبالغہ کیساتھ پائی جاتی ہے۔ مثلاً سب دیوتاؤں میں مہادیو جٹا سے نکلی گنگا۔ لوگ ان کو "ریشی" کہتے ہیں۔ "ریشی" اصل میں سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ اپنی ہستی مٹا کر حقیقی اصلی ہستی میں واصل ہوگیا ہوا آدمی جس کو دنیا سے نفرت ہوتی ہے۔ کرود۔ کام۔ لوبھ۔ موہ اور اہنکار سے پاک ہوا ہوتا ہے۔ اس کو نہ نفسانی لذت کی اور نہ روحانی رغبت کی لذت ہوتی ہے۔ کرۂ ارض پر انسانی بود و باش قایم ہونے کے بعد خدا معلوم کتنا طویل عرصہ گذرنے پر دین اسلام کا سورج طلوع ہوا۔ اور اس کی کرنیں عرب سے نکل کر چاروں طرف پھیل کر باطل پرستی کی تاریکی کو ہٹا کر حق پرستی کی روشنی سے دنیا کو منور کرنے لگیں۔ عراق اور ایران میں حق پرستی کو آتش پرستی اور ہندوستان میں بت پرستی (مورتی پوجا) سے مقابلہ ہوا۔ مسلمان بادشاہوں نے ان ملکوں کو فتح کر کے شاہی محلوں اور قلعوں پر اسلامی جھنڈا لہرایا۔ مسلمان خدا پرستوں اور خدا دوستوں نے روحانی فیض اور نور ایمان سے دلوں کو منور کیا۔ بادشاہوں کی تلواروں نے اسلام کو نہیں پھیلایا۔ بلکہ نفرت کا بیج بویا۔ اگر اسلام کی تعلیم۔ وحدت پرستی اور نورِ ایمان کو دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے پر پھیلایا تو مسلمان خدا پرستوں۔ صاحبدلوں درویشوں۔ فقیروں اور خدا رسیدہ بزرگوں نے جن کے مقابلے میں آتش پرستوں کے مغان۔ بت پرستوں کے برہمن۔ تثلیث پرستوں کے کاہن اور راہب روحانیت میں ہار گئے۔ اور یہ دلوں کی فتح اسلام کی فتح تھی۔ اور یہ روحانیت کی فتح حقیقت کی فتح تھی۔ کشمیر جس کے لوگوں کی علمیت۔ صلاحیت اور روحانیت کی شہرت پرانے وقتوں سے مشرق اور مغرب کے ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ کب بزرگان دین اسلام کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ چنانچہ ۳۰۰ھ کی حدود میں مسلمان خدا دوستوں اور بزرگوں میں سے کچھ صاحبدل باہر کے ملکوں سے آکر اس ملک میں رہنے سہنے لگے۔ اور اپنے اطوار۔ کردار۔ حالات۔ کمالات۔ کشف و کرامات سے اس ملک کے برہمنوں اور ریشیوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان بزرگان اسلام کو بھی

یہاں کے لوگ "ریشی" کا نام دے کر پکارنے لگے۔ محمود غزنوی کے ہند اور کشمیر پر حملوں کے زمانے میں کشمیر کے بہت سے لوگ دائرہِ اسلام میں آگئے۔ اور ریشیوں کے فرقہ میں کچھ زیادتی آگئی۔ یہاں تک کہ ۷۲۵ھ میں تمام ریشی۔ پنڈت اور مسلمان ذوالقدر خان کے غدر میں مارے گئے۔ ریشیوں میں سے کچھ نفر غاروں اور پہاڑوں میں باقی رہے۔ جن کا حال صاحب دقائع نے لکھا ہے۔ اور بھیودوں کی کثرت اور غلبہ کے موجب ریشیوں کی جگہوں اور مقبروں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ حضرت شیخ نورالدین قدس سرہٗ سنی سنائی خبروں پر صرف تین چار ریشیوں کے نام اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔ جو یہ ہیں:۔ شلوک:۔

اوّل ریشی احمد ریشی۔ دوئیم ریشی حضرت اویس آؤ۔ تریم ریشی زلکار ریشی۔ ژورم ریشی حضرتِ میران آؤ۔ پانژم ریشی رُومہ ریشی۔ شیم حضرت پلاس آؤ۔ ستمس کریم دشنا ہ ریشی۔ بہ کس ریشی مہ کیْا ناو۔

پہلا ریشی احمد ریشی آیا ہے۔ اور دوسرا ریشی حضرت اویس آیا ہے۔ تیسرا ریشی زلکار ریشی آیا ہے۔ چوتھا ریشی حضرت میران آیا ہے۔ پانچواں ریشی رُمہ ریشی آیا ہے۔ اور چھٹا حضرت پلاس ریشی آیا ہے۔ ساتویں ریشی کو ریشیوں کے زمرہ میں لگاتے ہیں۔ خدا کیلئے بتاؤ میں کون ریشی ہوں۔ اور میرا نام کیا ہے؟ ان سات متبرک ناموں میں سے چار ریشیوں کے بارے میں کوئی پتہ نہیں۔ دیہاتی قصہ خوان "دَندہَ بارتا" کی عبارت اس کی تشریح کرتے ہیں کہ میران ریشی سے مراد حضرت محبوب سُبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ ہیں۔ اور رُمہ ریشی حضرت خواجہ خضر علیہ السلام ہوں گے۔ زلکار ریشی اور پلاس ریشی تو خدا ہی جانتا ہے۔ کون صاحب ہیں۔ (نوٹ:۔ کچھ قصے اور کہانیاں جو کسی کتاب میں درج نہیں لیکن عام لوگ زبانی بیان کرتے ہیں۔ سنسکرت میں "دندہ بارتا" کہلاتی ہیں۔ جو قابل اعتبار نہیں ہوتیں) لیکن مجھے (حسن کو) حضرت شیخ العالم قدس سرہٗ کے کلام سے چند شعر جو ریشی نامہ میں درج ہیں نظر سے گذرے۔ جن پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ چاروں ریشی اسی ملک کے باشندے ہیں۔ اور قصہ خوانوں کا بیان بے بنیاد ہے۔ اور وہ شعر یہ ہیں:۔

کر بندن توشہ خدائے ÷ کر بندن توشہ خدائے
یمن میانن شہترون دندن ÷ کوہ ببر رت پیکو مائے
چہن تارے مزم اندن ÷ کر بندن توشہ خدائے
بر تہ لوب مارم دُ نجے! ÷ مژمن یکبتراہ ژائے
بگیہ کاسِتم ونل بُجے! ÷ کر بندن توشہ خدائے!
میون وکھن چھ دنان کاینت ÷ چاان بخت کم کم آئے
لولہ انگن گنڈ نہک وندن! ÷ کر بندن توشہ خدائے!
حضرتس تہ اُویس قرنس! ÷ تم زہ تنتی یکِ میجائے
بوکھ نہ حکم بادرت کرنس ÷ کر بندن توشہ خدائے
ڈنڈک ونک زلکار ریشی ÷ تم گرتہ ہسں کڈن مائے
اَن کہنک تھادن نہ بندن ÷ کر بندن توشہ خدائے
تم حضرت میران ریشی ÷ کر ڈیڈہ لفتس سینت کرنیئے
پان آنثر من قبرن دندن ÷ کر بندن توشہ خدائے
تم حضرت رُمہ ریشی! ÷ جنتس منزار زان جائے
صدر رحمت تمن چیندن ÷ کر بندن توشہ خدائے
پران ابیکس پلاس ریشو ÷ تم فرسس لون دِزائے
اکہ دمہ منطوس نہ زہ سو ÷ کر بندن توشہ خدائے
پت کالے یم اِشس لوَے ÷ لموتب کرنہجے دشائے
زو تہ مری ہیوسک وندن! ÷ کر بندن توشہ خدائے
اکِسی مالِس تہ ماجے ہندن ÷ کوہ تھادتھک دوئی تہ نیائے
مسلمانن کوہ ہندن! ÷ کر بندن توشہ خدائے
گذار تو چور وقت بہ پیشین ÷ دوہ دنے جنتس جائے

دن دنت نندہ ریشں زندن ؛ کہ نبدن توشہ خدائے

اُوپر کی مناجات جو حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ جو اپنا تخلص "نندہ ریشی،، کرتے تھے۔ پتہ چلتا ہے۔ کہ احمد ریشی سے مراد پیغمبر اسلام احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اویس ریشی سے حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ باقی پانچ ریشی جن میں پانچواں خود حضرت شیخ العالمؒ ہیں کشمیری ہیں۔ زلکا ریشی کو ڈنڈک دن کا بتاتے ہیں۔ ڈنڈک دن کامراج کے علاقہ حمل کے ایک جنگل کا نام تھا۔ جہاں اسی نام کا ایک گاؤں تھا۔ اور حضرت شیخ العالمؒ زلکا ریشی کی جائے وہاں ہی قرار دیتے ہیں۔ حضرت میران ریشی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اُس نے بڑے نفس کیساتھ جھگڑا قایم رکھا۔ اور نفس کو چلو بھر پانی جو صرف دانتوں ہی پر لگ جاتا تھا۔ دیتے تھے۔ حضرت رمہ ریشی کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اُس نے جنت میں جگہ بنائی اس واسطے نفقہ خوالوں کا کہنا کہ اس سے مراد حضرت خضرؑ ہیں۔ درست نہیں۔ کیونکہ حضرت خضرؑ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اور جنت میں جگہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلاس ریشی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ "پران ایاس" کرنے والے تھے۔ (پران ایاس کے معنی ہیں دائمی حبس نفس۔ سانس کو ہمیشہ کیلئے بند رکھنا) کہتے ہیں کہ کشمیر کے کچھ ریشی گذرے ہیں۔ جنہوں نے پانچ پانچ سو برس تک سانس کو بند رکھا ہے۔ حضرت شیخ العالمؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ریشی پرانے زمانے میں تھے۔ اور انہوں نے خدا کی بندگی جیسی چاہئے تھی ویسی کی۔ میں ان پر فدا ہوں۔

(نوٹ:۔ احمد ریشی اور اُویس ریشی نے زندگی کے زمانے میں اپنی تشریف آوری سے کشمیر کو مشرف نہ فرمایا ہے۔ لیکن شیخ کامل ان کو کشمیر کے ریشیوں میں شمار کرتے ہیں۔ اور اس کی بنیاد صوفیائے کرام سے اور حضرات ریشیوں کی اس شہادت پر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اور حضرت اُویس قرنی ان کی تربیت کیلئے نہ صرف رُوحانی طور پر یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔ بلکہ جسمانی لباس میں۔ اور یہ اکثر بزرگان خدا کی چشم دید شہادت ہے۔ بعد وفات اس روحانی اور جسمانی تشریف آوری سے لازم ہوا۔ کہ ان کا تذکرہ بھی کشمیر کے ریشیوں کے تذکرہ کیساتھ ہو۔)

-:-

سیّد کونین فخرِ دارین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

احمدؐ ریشی

شریعت ۔ معرفت ۔ طریقت اور حقیقت کے بحرِ زخار ۔ رحمت الٰہی کے منبع ریشیوں کے بلاواسطہ فیض رساں ۔ راہبر و رہنما ۔ ریشیوں کے عقیدے کے مطابق دنیا میں اسلام کی تعلیم شروع ہونے پر اس وقت تک کے ریشیوں کا دور ختم مانا جاتا ہے ۔ اور اس کے وقت سے نیا دور شروع ہوتا ہے ۔ اور اس نئے دور کا پہلا ریشی احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ آپ کی زندگی ۔ آپ کے حالات ۔ آپ کے کمالات پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئی اور لکھی جا رہی ہیں ۔ اس لئے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے ۔ کہ باطنی اور روحانی عالم میں جس طرح آپ اولیائے کبار کے تمام سلسلوں کے سرچشمہ ہیں ۔ اسی طرح سے ریشیوں کے سلسلے کا بھی مصدر ہیں

حضرت اُویس قرنیؓ

دنیا کے ریشیوں کے سردار اور بڑے بزرگ خدادوستوں اور خدارسیدہ لوگوں میں سے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں فرماتے تھے ۔ " احسان اور مہربانی میں قرن کے اُویس بہترین پیروں میں سے ہیں " (قرن یمن کا ایک گاؤں تھا) ۔ کبھی نبی کریمؐ اپنے رُوئی نازنین کو یمن کی طرف کر کے فرماتے تھے ۔ " رحمت کی خوشبو ہوا قرن سے آتی ہے " ۔ کہتے ہیں کہ حضرت اُویس قرنی رسول اکرمؐ کے غائبانہ جانباز عاشق تھے ۔ لیکن دو وجہ سے حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ۔ ایک غلبۂ حال تھا ۔ یادِ خدا میں اتنے محو تھے ۔ کہ اپنی اور دنیا کی خبر ہی نہ تھی ۔ دوسرا سبب یہ تھا ۔ کہ ان کی ماں بوڑھی کمزور اور نابینا تھی ۔ اس کی خدمت سے فرصت اور فراغت نہ پاتے تھے ۔ لوگوں سے بھاگتے تھے ۔ دیوانوں کی طرح پہاڑوں اور صحراؤں میں پھرتے تھے ۔ لوگوں کے اونٹوں کو چراتے تھے ۔ اور کسی کے گھر نہ جاتے تھے ۔ روایت ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے اپنی گدڑی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے فرمایا ۔ کہ آپ دونوں یمن جا کے اور قبیلہ قرن کے ایک شخص اُویس نام والے کو یہ گدڑی پہنائے ۔ اور اس سے کہئے کہ میری امت

کے حق دعا کرے۔ پھر آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد یہ دونوں صاحب قرن چلے گئے۔ اور اویس قرنی کو رسالتماب صلعم کا پیغام پہنچایا۔ حضرت اویس نے ہاتھ اٹھا کر امت محمدی کی مغفرت کی دعا کی اور غیب سے آواز آئی۔ کہ قوم بنی ربیع اور مضر کی بھیڑوں کی اون کے موئے کی تعداد جیسے برابر امت محمدی کے گنہگاروں کو تیرے لئے بخشدیا۔ ان دو قبیلوں کے بھیڑوں کو اون کے بالوں کے حوالہ دینے کی یہ وجہ تھی کہ ان کے بھیڑوں کے گلے کثرت سے تھے۔ حضرت اویس قرنی کے حالات۔ کمالات اور کرامات بے شمار اور حد سے زیادہ ہیں۔ سرور کائنات صلعم سے غائبانہ بے واسطہ فیض باطنی پاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو "اویسی" کہا کرتے تھے۔ کچھ خدا دوست صفا دل حضرات اسکی قائل ہیں کہ ریشیوں کو حضرت اویس قرنی کے واسطے سے غائبانہ فیض باطنی پہنچتا ہے۔ اور اسی لئے حضرات ریشی "اویسی" سلسلے کے تھے۔ ان حرفوں کا لکھنے والا (حسن) کہتا ہے۔ کہ میں نے کسی کتاب میں جس کا نام مجھے بھول گیا ہے۔ دیکھا ہے۔ کہ "آنحضرت صلعم نے معراج کی رات کو نہایت شان وشوکت والے ایک آدمی کو عالم بالا میں دیکھا۔ اور جبریل امین ع سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ کہ یہ آپ کی امت کی لوگوں میں سے ایک ہے۔ حضرت صلعم نے پوچھا۔ کب دنیا میں آئے گا۔ جبریل ع نے کہا آیا ہے! اور قرن میں رہتا ہے۔ اویس قرنی نام رکھتا ہے۔ اور آپ کے عاشقوں میں سے ہیں۔ حضرت صلعم نے فرمایا۔ اسکو ملیں گے۔ جبریل ع نے کہا۔ حکم نہیں۔ اسی کی طرف حضرت شیخ العالم رح اشارہ کرتے ہیں:-

حضرتس نہ اویس قرنس! ❖ تم زہ نتتے بیل میچائے!
بو کھ نہ حکم بادت کرنس ❖ کر نبدن توشہ خدائے

(آنحضرت صلعم اور اویس قرنی جب وہ دونوں وہاں آپس میں مل گئے تھے۔ لیکن ان کو بات کرنے اور حال بتانے کی اجازت نہ تھی۔ اے خدا تو ہی اپنے بندوں کیلئے زاد راہ کا سامان کر۔) اسکی یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت اویس سر حلقہ ریشیاں ہیں یعنی بغیر ملاقات کے غائبانہ فیض حاصل کرنا۔ حضرت اویس کی شہادت جنگ صفین میں ۳ رجب ۳۷ھ کو ہوئی۔

حضرت زلکار یشی

پرانے زمانے کے بڑے ریشیوں میں سے تھے۔ پرگنہ جمل کے جنگل میں ڈنڈک نام والے گاؤں میں

رہتے تھے۔ ساری عمر عبادت اور ریاضت میں بسر کی۔ جنگلی میوے کھا کر افطار کرتے تھے
نفس کشی میں جانباز تھے۔ حضرت شیخ العالم فرماتے ہیں:۔

ڈنڈک ونک زلکار ریشی ⁂ کرِ ٹھر پھل کھہت کرن سوی!
یحتہ بکھہت آس نکھہت گوی! ⁂ تمت مہ ورد تو دلو ئے

ڈنڈک جنگل کا رہنے والا زلکار ریشی جھاڑیوں کے پھل کھا کر عشق الٰہی میں عبادت
ریاضت۔ محبت۔ بندگی (تپسیا) کیا کرتے تھے۔ پکا عاشق خدا تھا۔ اور نجات پاکر
واصل بخدا ہوگیا۔ اے خدا مجھے بھی وہاں پہنچا دے۔

حضرتِ میران ریشی

پرانے زمانے کے ریشیوں میں سے تھے۔ صفاپور کے پہاڑ پر ریشی ونی کے مقام پر
تپسیا (عبادت و ریاضت) کرتے تھے۔ ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے۔ اور ایک
چلو پانی سے روزہ کھولتے تھے۔ نفس کشی کرتے تھے۔ نریاسی برس عمر پائی۔
نامی گرامی ریشیوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب دوسری دنیا کو چلے گئے۔ تو ان
کی نعش ہوا میں نہ معلوم کہاں اڑ کر چلی گئی۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

رش ونی ہند میران ریشی! ⁂ چندرہ ساسس اَن جَل چوِی
اده دِیہ ہنت آکاش گوی ⁂ تُت مہ ورد تو دِوئے

ریشی ونی کا رہنے والا میران ریشی نے ایک ہزار چاند (مہینے) کو روٹی کھائی اور
پانی پیا۔ (زندہ رہا) اور یہ نریاسی برس کا سارا عرصہ بندگی اور یاد خدا میں گذارا۔
پھر وہ مقام پایا کہ جسم کے سمیت آسمان پر چلا گیا۔ اے مجھے بھی وہ مرتبہ اور درجہ
عطا کر۔

حضرتِ رامو ریشی

رُمہ ریشی کے عرف سے مشہور کشمیر کے ریشیوں کے سرگروہ نفس کشی میں جانباز
اور تپسیا (عبادت و ریاضت) میں ممتاز تھے۔ وقایع کشمیر کا مصنف لکھتا
ہے۔ کہ رامو ریشی دریا جہلم کے اُس پار کے لوگوں میں سے تھے۔ دنیا کی سیاحت
کی۔ سات دفع حج کو چلے گئے۔ بے شمار بڑے بڑے خدا دوستوں سے ملاقات
بھی۔ جب راجہ جسنکر ہندوستان مسخر کرنے گیا۔ تو یہ بھی اس کے لشکر کیا تھا کشمیر

کی سیر کو آئے۔ اور رامدہ کے گاؤں میں جو آج تک اسی کے نام سے مشہور ہے۔
ایک غار میں خلوت نشین ہو گئے۔ جنگلی جڑی بوٹیوں اور ساگ پات پر قناعت کرتے
تھے۔ گوشت اور کسی قسم کا اناج نہ کھاتے تھے کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ آخر عمر میں دودھ
پیا کرتے تھے۔ اور ان کا جسم مبارک صرف چمڑہ اور ہڈیاں ہی رہ گیا تھا۔ دو اور
ریشی شیبان ریشی اور انگول ریشی ان کی خدمت کرتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد یہ
دونوں فوت ہو گئے۔ اور یہ اکیلے تنہائی میں وقت گذارتے رہے۔ اور پہاڑی
بکریاں خود بخود آتیں تھیں۔ یہ ان سے ضرورت کے مطابق دودھ لیتے۔ جب آگ کی
ضرورت پڑتی تو کسی درخت کی ٹہنی پر منہ کا پانی (تھوک) ملتے اور پھونکتے ٹہنی
جلنے لگتی۔ اور آگ تیار ہو جاتی۔ کسی وقت یاردان وغیرہ جنگلوں میں سیر کو نکلتے اور
جنگلی جانور ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ کسی آدمی کو ان کے پاس جانے کی ہمت نہ
پڑتی تھی۔ جب پنجاب کی سیر و سیاحت کو گئے۔ تو کئی برس نگرکوٹ کے علاقے میں گوشہ نشین
ہو گئے۔ ایک دن تھوہر کا کانٹا ہاتھ میں چبھ گیا۔ اور زخم ہو گیا۔ اور اس کے زہر سے
شدت کا درد ہو گیا۔ درد کی شدت سے ان کی زبان سے نکلا۔ "بڑا ہی برا کانٹا ہے
اس کا بیج گم ہو جائے"۔ خدا کی قدرت۔ سولہ برس تک پنجاب میں تھوہر کا نام و
نشان کہیں نہ رہا۔ آخر عمر میں ان کے جسم اور ہاتھ پاؤں میں سستی آگئی۔ اور پھر لدر من
ریشی ان کی خدمت گذاری بجا لاتے تھے۔ جب محمود غزنوی نے کشمیر میں جہاد نی
مقرر کی۔ تو ان کے کمالات کا شہرہ سنکر ان کی ملاقات سے بہرہ ور ہونے کیلئے
چلے گئے۔ اور غار کے دروازہ پر منتظر یہ آیہ کریمہ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و
اولی الامر منکم" (خدا کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو۔ بادشاہ کی اطاعت کرو) اونچی
آواز سے پڑھتے رہے۔ ریشی نے کھڑکی کھولی اور عرفان کی باتیں ہوئیں۔ ریشی نے
کہا تمہارے مرشد شیخ ابوالحسن خرقانی نے مجھے بچپن میں دریا میں ڈال دیا جب میں
نے غوطہ کھایا۔ تو مجھ پر عالم ملکوت کا حال کھل گیا۔ اسی لئے بھائی چارہ کی رعایت سے
تجھ سے ملا۔ اب مجھے فرصت دیجئے۔ سلطان نے عرض کی۔ فتح کانگڑا کیلئے میرے حق
میں دعا فرمائیے۔ ریشی نے کہا۔ فتح کانگڑا کے بعد سومنات کی فتح کی کنجی تجھے بخشی گئی۔
پھر اپنی گدڑی سے چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر بادشاہ کو دیا۔ اور فرمایا۔ اگر یہ ٹکڑا تمہارے
جھنڈے کے پھریرے کیساتھ لگا ہوگا تو تمہاری تلوار کسی جگہ کند نہ ہو گی۔ (تمہیں کسی جگہ شکست

نہ ہو گی) لکھتے ہیں کہ ایک دن ریشی کو جاڑے کی سخت سردی سے تکلیف ہوئی۔ سخت سردی محسوس ہونے پر فرمایا۔ "سورج ہم سے کیوں چھپا ہے"؟ اسی وقت سورج نکل آیا۔ اور سردی دور ہونے لگی اور چھ ۶ برس تک کشمیر میں برف نہ برسی اور نہ جاڑے میں سردی تھی۔ کہتے ہیں کہ راموہ ریشی نے تین سو بائیس ۳۲۲ سال عمر پائی۔ اور ہر سو سال کے گذرنے پر اُس کے دانت نکل کر نئے آتے تھے۔ راجہ جگدیو داتا کے زمانے میں غار سے غایب ہو گئے۔

لدّرہ من ریشی

گڈہ مُنقو کے رہنے والے تھے۔ خدا کی یاوری سے اٹھتی جوانی میں تارک دنیا ہو کر اپنے بھائی پلاس من ریشی کے سمیت راموہ ریشی کی نظر عنایت سے مسلمان ہو گئے۔ نفس کشی عبادت و ریاضت۔ پرہیزگاری اور یاد خدا کرنے میں یہاں تک کوشش کی۔ کہ دونوں دنیاؤں کے بھید ان پر کھل گئے۔ چالیس ۴۰ برس تک جنگلی ساگ کے بغیر کبھی کچھ بھی نہیں کھایا۔ اور نہ کسی سے میل ملاپ رکھا۔ راموہ ریشی کے غائب ہونے (انتقال) کے بعد ہندوستان کی سیر کو چلے گئے۔ اور کوہ شوالک میں سرہنگ ریشی کی خدمت میں کچھ برس گذارے۔ جب کشمیر واپس آئے۔ تو ریشیوں کی ایک جماعت ان کیساتھ تھی۔ جو سارے کے سارے ریشی آری راسی کے غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور برسوں وہیں خدا کی بندگی کرتے رہے۔ کچھ مدت کے بعد واپس ہندوستان گئے۔ اور کچھ اسی غار میں دفن ہوئے۔ لدرمن ریشی ایک سو تیس ۱۳۰ برس عمر پاکر اسی غار میں دفن ہوئے۔

پلاس (من) ریشی

لدرمن ریشی کے بھائی اور چیلے تھے۔ راموہ ریشی کی نظر عنایت بھی ان پر تھی۔ اپنے بھائی لدرمن ریشی سے سلوک کے منزلوں۔ مرحلوں اور مقاموں کو طے کر کے بہت اونچا درجہ حاصل کیا۔ تپ اور جپ عبادت و ریاضت اور نفس کشی میں بھائی سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ نہ دن کو کچھ کھاتے تھے اور نہ رات کو سوتے تھے۔ درخت سفیدہ کے چھلکے کو چاٹ کر روزہ کھولتے تھے۔ برسوں کیلئے غاروں میں چھپ جاتے اور کسی کو منہ نہ دکھاتے تھے۔ کبھی کبھی بومہ زوہ کے غار میں گوشہ نشین

ہو جاتے تھے۔ اور وہاں لوگ کثرت سے ان کی درشن کو آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ
ایک برس غار بومہ زوہ میں عید قربان منائی۔ اور ان کے یار دوست اور
عقیدت مند وہاں ان کی ملاقات کے سلسلے میں جمع ہو گئے۔ ان کے دوستوں
میں سے ایک حج کو چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے اسی عید کے دن پلاس ریشی کو بازار
منا میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ اور یہ بات اسی کی واپسی پر کھل گئی۔ غرض یہ ہے۔ کہ
ریشی کشف و کرامات میں اور طے مکان میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ بہت سے
لوگوں نے ان سے فیض پاکر اونچے درجے کی روحانی طاقت حاصل کی۔ غاروں اور
گوشوں میں عبادت اور بندگی خدا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مسلمان
ہونے سے پہلے اس کے دو بیٹے تھے۔ خلاص من اور یاسمن نام جب پلاس من ریشی
ایک سو اٹھارہ سال عمر پاکر اس دنیا سے چل بسے تو یاسمن کی داڑھی ساری
سفید ہو گئی تھی۔ اور خلاص من کی داڑھی کے بھی کچھ بال سفید ہو گئے تھے۔ اور
پلاس من ریشی ان کے باپ کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا تھا۔ پلاس من ریشی کرلیوہ
بیجبارہ پر دفن ہوئے ہیں۔

خلاص من ریشی (کبلاس)

پلاس من ریشی کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ سے تربیت پاکر سلوک کے مقامات سے پوری
واقفیت حاصل کر کے فضیلت اور کمال کے درجے پر پہنچ گئے۔ اپنے مرشد (باپ)
کے انتقال کے بعد کوہ شوالک جاکر سرہنگ ریشی کے چیلوں سے جو بڑے کمال والے
ریشی تھے۔ مزید تربیت پاکر کشمیر واپس آئے۔ نفس کشی کر کے نفسانی خواہشوں
پر قابو پایا تھا۔ مزیدار اور لذت والی چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ تارک الدنیا
اور تارک لذات تھے۔ سلطان شمس الدین کے زمانے میں وفات پاکر کرلیوہ بیجبارہ
پر باپ کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔

۳ یاسمن ریشی

خلاص من ریشی کا بھائی خدا ترس۔ پرہیزگار۔ ترکِ لذات نفسانی اور خواہشات شہوانی
کی باتوں میں بڑا ہی باکمال تھا۔ عمر کا زیادہ حصہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ کر جنگلوں

بیں درندوں اور پرندوں کی صحبت میں گذارا۔ اگر کوئی آدمی اُسے جنگل میں دیکھتا تھا۔ تو وہ ڈر جاتا تھا۔ ایک دن جنگل میں گئے ہوئے لوگوں نے دیکھا کہ نیل گائے (جنگلی گائے) خود بخود اس کے پاس آ گئی۔ اور اس نے دودھ دوہ لیا۔ اور دودھ دیکر گائے واپس چلی گئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ شیر پر سوار ہو کر جہاں جانا چاہتا تھا۔ جاتا تھا۔ اپنے بھائی خلاص من ریشی کی وفات کے بعد ایک مدت تک اس کی قبر پر مجاور (جو کسی بزرگ کی قبر یا درگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔) بنکر بیٹھا۔ سلطان علاؤالدین کے آخری عہد میں وفات پاکر بھائی کے پہلو میں دفن ہوا۔

سُورن ریشی

خلاص من ریشی کے چیلوں میں سے تھا۔ خدا کی بندگی اور عبادت گذاری میں حد درجہ کی محنت و مشقت کرتا تھا۔ پرگنہ ناگام کے ایک گاؤں کانز میں چالیس برس تک گپھا میں بیٹھکر جنگلی ساگ کے گلے سڑے پتوں کے بغیر کوئی چیز نہ کھائی۔ ایک دن سُلطان شمس الدین کا بیٹا سُلطان جمشید شکار کھیلنے کیلئے جنگل چلا گیا تھا۔ اچانک ریشی کے عبادت خانہ (غار) پر پہنچا۔ دیر تک غار کے منہ پر انتظار کیا۔ لیکن ریشی نے بالکل توجہ نہ کی۔ اور دروازہ نہ کھولا۔ شہزادہ دل آزردہ ہو کر شہر کو لوٹا۔ شہر پہنچکر اسنے ایک بلیوا سندہ تخن بدکار کو جو حسن و جمال میں۔ ناز و انداز اور مکاری میں بے نظیر تھی۔ یہ پٹی پڑھا کر بھیجا کہ جس طرح سے ہو۔ سُوران ریشی کو مکر و جال میں پھنسا کر فقر کے مسند سے اتار دے۔ رنڈی ریشی کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ اور آواز دی "میں جنت کی حوروں میں سے ایک حور آپ کی خدمت کیلئے بھیجی گئی ہوں۔ دروازہ کھولئے اور مجھے اپنی خدمت گذاری کی عزت بخشئے۔ ریشی نے اس مقولے کے موافق "(جب موت آتی ہے۔ تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں") دروازہ کھولا۔ اور اسکو اندر آنے کی اجازت دی۔ رنڈی نے مکر و فریب کے جال کو ایسا بچھایا کہ ریشی کا پاکدامن اس میں پھنسکر آلودہ ہو گیا۔ سندی تخن سویرے بھاگ گئی اور اپنی کامیابی پر ناز کرتی ہوئی جمشید مرزا کو کارگزاری سنا کر اس خدمت کے صلے میں بہت بڑا انعام پائی۔ ریشی یہ حادثہ واقع ہونے پر زندگی سے بیزار ہو گیا۔ اور رونے پیٹنے لگا۔ زمین پر لوٹتا تھا۔ اور زار زار روتا تھا۔ لگاتار سات دن کھانے پینے نیند اور

آرام کرنے کے بغیر رُوتا رہا اور ماتم کرتا رہا۔ اور ساتویں دن اپنی جان خدا کے حوالے کی۔
ریشی کی اسطرح وفات پانے کی خبر فوراً پھیل گئی۔ نندی اپنے کئے پر شرمندہ اور پشیمان
ہوگئی۔ توبہ کی اور ترک دنیا کی۔ اور اسس گناہ کے کفارہ (بدلہ) کیلئے نندی مرگ کے
میدان کو (جو بیجبارہ کے متصل ہے) خرید کر کے چوپایوں کی کاہچرائی کیلئے وقف کر دیا
دریائے ولشو سے نندی کوہل (نہر) ضلع ناندی کے دیہات کی آب پاشی کیلئے بہت سا
رُوپے خرچ کر کے نکلوائی۔ خود کر یوہ بیجبارہ پر جاکر یاسمن ریشی کے دروازے
پر مجاور ہو کر بیٹھ گئی۔ سُلطان جمشید تپ دق کی بیماری میں مبتلا ہو کر زینہ پور
میں مرگیا۔ نوٹ :۔ یہاں تک وقائع کشمیر سے ماخوذ ہیں۔

ریشیان طبقہ دوم

حضرت شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ و برکاتہ

کشمیر کے علمدار۔ ریشیوں کے تاجدار۔ یہاں کے خدارسیدہ بزرگوں میں نامدار۔
فخر اولیائے کبار۔ عبادت۔ ریاضت۔ مجاہدہ نفس کشی۔ ترک لذات۔ ترک شہوات
میں یگانہ رُوزگار۔ کشف و کرامات۔ حالات اور کمالات میں آفتاب نوربار۔
فنافی اللہ اور بقا باللہ کے میدان کا شہسوار۔ جن کے حالات اور کمالات کی تشریح
اور توضیح کیلئے دفتروں کے دفتر درکار ہیں۔ لیکن گنجائش نہ ہونے کے موجب
نمونۂ از خروار بطریق اختصار قلم گوہر بار کی زبانِ خاموش بگفتار سے پیش کرنے
کی کوشش کی جاتی ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں۔ کہ کشتواڑ کے راجوں میں سے اوگر سنز نام
والا ایک راجہ نصیب کے الٹ پلٹ ہونے سے کشمیر آیا۔ یہاں کے راجہ نے بنیاہ دیکر
رُوپہ دن کھ گاؤں اُسے بطور جاگیر دے دیا۔ اور اوگر آسنز نے اسی گاؤں میں رہائش
اختیار کی۔ اسکے بیٹے در پتا سنز نے یہاں کے راجہ کی حکومت میں اپنا اعتبار اور
اقتدار بڑھایا۔ در پتا سنز کا بیٹا زنگا سنز تھا۔ اس کے زمانے میں ذوالقدر خان نے

حملہ کر کے قتل عام کیا اور اسی قتل عام میں زنگا سنز بھی مارا گیا۔ اور اسکا مال و جائداد اور گھربار غارت ہو گیا۔ اور اسکا اکلوتا بیٹا ہنر سنز جو پہاڑوں کے غاروں میں چھپ گیا تھا۔۔ یورش فرو ہونے پر موضع گدہ سھتو میں آکر رہنے لگا۔ ہنر سنز کا بیٹا گرزا سنز تھا گرزا سنز کا بیٹا سُلر سنز آوارہ گرد تھا۔ جو آوارہ گردی کی حالت میں یاسمن ریشی کی خدمت میں بیچبارہ پہنچا۔ ریشی کی صحبت اور نظر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور اُسکا نام "شیخ سالار" رکھا گیا۔ اور اُسکا کام ریشیوں کے گائیوں کو گھاس چرانے کیلئے چراگاہ لینا تھا۔ اُسی زمانے میں اڈگرا منز کے پوتوں میں سے ایک متموّل صاحب ثروت آدمی کو جو پرگنہ آڈون کے ایک گاؤں موضع کیھہ میں رہتا تھا ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور اس زمانے کی رسم کے موجب یہ لڑکی پرورش (دودھ پلانے) کے لئے گاؤں کے چوکیدار کے حوالے ہوئی۔ تقدیر کے موجب لڑکی کے تمام نزدیک اور دور کے رشتہ دار تین چار برسوں کے اندر اندر تباہ ہو گئے۔ اور لڑکی نے اُنھی کے پاس پلکر پرورش پائی۔ اور بالغ ہونے پر رضاعی باپ (دودھ باپ) نے اسکی شادی کیموہ کے چوکیدار کے گھر میں کی۔ جہاں اسے دو بیٹے شششش اور گُندر پیدا ہوئے۔ دوسرا بیٹا پیدا ہونے کے بعد ہی لڑکی بیوہ ہو گئی۔ لڑکی کا دودھ باپ یاسمن ریشی کا بڑا معتقد تھا۔ اور اکثر ان کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے یاسمن ریشی کو لڑکی کے بیوہ ہونے کا قصہ سُنایا۔ اور عرض کی کہ لڑکی راجوں کے خاندان سے ہے۔ اُسکا متوفی خاوند اَدنیٰ لوگوں میں سے تھا۔ اب میں چاہتا تھا کہ لڑکی کی شادی کسی شریف کے گھر میں ہوتی۔ لیکن کوئی ملتا نہیں۔ ریشی نے فرمایا لڑکی کی شادی شیخ سلر سے کرو وہ بھی راجوں کے خاندان سے ہے۔ پھر کیا تھا۔ شیخ سُلر نے مان لیا۔ اور لڑکی کی شادی ہو گئی۔ شیخ سلر کیموہ چلا گیا۔ اور وہیں بسنے لگا۔ مُلا احمد جو حضرت شیخ العالمؒ کے ہمعصر تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ سلر اپنی بیوی سدرہ باجی کے ہمیت یاسمن ریشی کی بیمار پُرسی کو گئے۔ اور وہ ایک چشمہ پر بیٹھے تھے۔ اچانک للہ عارفہ (للہ البشوری۔ لل دید) ہاتھ میں ایک گلدستہ لیکر وہاں پہنچی۔

یاسمن ریشی نے اسے پھولوں کا گچھا لیکر سُدرہ ماجی کو دے کر کہا سر پر لگاؤ۔ خدا وند کریم تمکو ایک بیٹا عطا کرے گا۔ جو ہماری حقیقت اور ہمارے حال کا وارث ہوگا۔ یاسمن ریشی نے کسی بیماری میں وفات پائی۔ اور للہ عارفہ حمل کے دنوں میں شیخ العالمؒ کی والدہ سُدرہ ماجی کی خبر گیری کرتی رہی اور بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سُناتی رہی۔ اور حضرت شیخ العالم ۷۵۷ھ کو بڑی عید (عید قربان) کے دن تولد ہوئے۔ تاریخ پیدائش "خاصُ اللہ" ہے۔ حضرت بابا الغیب الدین غازی خبروں پر اعتبار نہ کرنے کے موجب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ العالمؒ گاؤں کے چوکیداروں (ڈوم کشمیری۔ مہدی ڈوم نہیں جس کے معنی میراثی یا کنجر ہیں۔) کی قوم سے تھے۔ لیکن حضرت شیخ العالمؒ نے اپنے کلام میں جو اپنا نسب نامہ فرمایا ہے وہ یہ ہے:-

شلوک:-

آدنہ ترک رز گنڈم دلکسیی! ٭ ییتھنہ مال ہیم تراسی پو!!!!
کینٹ ہن مہ دنیہک زنجیر کاسی ٭ شیوہ زنمہ آسس گورہ ماندد
تِ تھے بُ ڈوبتہ گرجس داسی! ٭ ییتھہ کرالہ گرہ آسس پانژ پانڈد

(۱) شروع ہی سے میں سرکش سیاہی سرخ مائل رنگ بھاگرہ نفس کے گھوڑے کو دلاسا دے کر اصلی راستے سے بھٹک کر۔ مجھے آلودہ گیہوں کے گھڑے میں نہ گرائے۔
(۲) کتنوں کو میں نے دنیا کے زنجیروں سے چھٹکارا دیا۔ (دنیا کے دلدلوں میں پھنس کر گمراہ ہونے سے بچا دیا۔)۔ میں خدا کے جسم ہی سے (ازل ہی سے) گرد بنا ہوا تھا۔ (مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے خدا کی ہستی ہے۔ میری بھی ہے۔ خدا کی ہستی سے میری ہستی الگ نہ تھی۔)٭
(۳) میں اسی طرح ڈوم کے گھر میں نوکر لگا تھا (ڈوم کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔) جس طرح سے کمہار کے گھر میں پانچ پانڈو لگے تھے۔ (مہابھارت کے مشہور قصے کوروں اور پانڈوں کی طرف اشارہ ہے۔ پانڈو راجہ کے بیٹے تھے۔ دشترتھ کے ظلم اور بدسلوکی سے جلاوطن ہو کر مدت تک دیش دیش پھرتے رہے۔ اور مشہور ہے۔ کہ وہ کشمیر بھی آئے۔ اور ایک کمہار کے پاس ٹھہرے۔ لوگوں کو خبر تھی کہ یہ کمہار کے بچے ہیں۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح پانڈو راج خاندان سے تھے۔ اسی طرح میں بھی راجوں کے نسل سے ہوں۔ اگرچہ میں ڈوم کے ہی گھر میں پیدا ہوا۔ اور اسی میں پرورش پائی۔)

شلوک:۔

بکن دالو کند شوب آسس داسی ÷ بیدہ شوکرالہ گرہ آسس پانژ پانڈد
سنزی چھوم مول تہ سنزی چھم موجی ÷ کل تھاو کل میان سنزی ہو!

بڑا راجہ نہ معلوم ہیں کس طرح تو کرہ ہوا تھا۔ اسی طرح سے جس طرح سے پانچ پانڈو کمہار کے گھر میں تھے۔ سنز راجوں کے خاندان سے میرا باپ ہے۔ اور سنز راجوں ہی کے خاندان سے میری ماں ہے۔ دھیان رکھو میری ہز النسب سنزی کا ہے۔

شلوک:۔

درنیا سنز س سیس یہ داتو!! ÷ پوت پت رودس زنگا سنز!
زنگا سنز یل رن منز مرد ÷ پتھ رودس ہنز سنز
ہنز سنز سدنت کم دپتو! ÷ اک سنتت رودس گرزا سنز
گرزا سنز س سلر تہ سلو ÷ سلرن بوچھ س نندہ سنز

(۱) درنیا سنز کا وقت جب آیا (مرگیا) تو اس کا زنگا سنز نامی ایک بیٹا رہا۔
(۲) جب زنگا سنز رونے پیٹنے (قتل عام) میں مرگیا۔ تو اس کے پیچھے (بیٹا) ہنز سنز رہ گیا۔ ہنز سنز کی اولاد کم تھی۔ اس کو گرزا سنز نام ایک بیٹا رہ گیا۔ گرزا سنز کے دو بیٹے سلر اور سلو تھے۔ سلر سنز کا بیٹا میں نندہ سنز ہوں۔ حضرت شیخ العالم رح کا عام نام "نندہ ریشی" ہے۔ نندہ کے معنی ہیں خوبصورت، خوش صفت۔ خوش اخلاق۔

شلوک:۔

پت کنہ لون تہ بٹ دلیشہ آسی ÷ بونت کنہ اک بٹ خمتی دالو!!!
خمن دالو نیلہ سرہ آسان آسو!! ÷ بگن دالو جد س میانس لو سود گاشو

پرانے زمانے میں لون خاندان اور بٹ خاندان جگہ جگہ تھے۔ ان میں ایک بہت بڑا راجہ تھا۔ وہ بزرگ راجہ نیلہ سر گاؤں میں رہتا تھا۔ میرے جد کا بڑا آقا وہی تھا۔

پیارے جان لو۔

شلوک:۔

ڈکہ لکھت فیراہ پیام شُدی ✣ تتہٕ آسُس تندہٕ پتہٕ کرُہم نا ہ!!!
آسُس تہٕ سُدی گرٛھہ نہٕ سُدی ✣ سیٛدس ہل مہٕ کرم کیا ہ

جو ماتھے پر لکھا گیا ہے۔ (قسمت نصیب) کیا وہ پھر سکتا ہے (بدل سکتا ہے) درست کرنے سے؟ میں وہاں اعلیٰ پیمانے کا خوبصورت۔ خوش شمائل اور خوش اخلاق تھا۔ لیکن یہاں مجھ سے یہ چیزیں رُک گئیں۔ مجھے نہیں کہا گیا۔ میں سیدھا سادھا۔ صحیح راستے سیدھے راستے پر آیا۔ اور میں سیدھا سیدھے سادھے راستے ہی سے جاؤں گا۔ تو ہی بنا سیدھے کو ٹیڑا (سیدھے کو جھوٹا۔ اچھے کو بُرا) کیا کر سکتا ہے۔ (کیا بگاڑ سکتا ہے)۔

شجرۂ نسب

(۱) وگراسنز (۲) درتپاسنز (۳) زنگاسنز (۴) سہزسنز (۵) گرزاسنز (۶) سُلرسنز (۷) نندہ سنز (نندہ ریشی رح۔ نورالدین ولی رح۔ شیخ نورالدین نورانی رح۔ شیخ العالم شیخ نورالدین قدس سرہٗ۔ شیخ سالار رحم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم رح نے ولادت کے بعد دودھ نہ پیا اور اُس کی والدہ کو تشویش ہوئی۔ اسی وقت للہ عارفہ پہنچی۔ اور بچے کو گود میں لیکر اپنی پستان (چوچی) منہ میں ڈال کر کہا۔ آنے سے نہیں شرمایا دودھ پینے سے شرماتے ہو"۔ بچہ دودھ پینے لگا۔ اس کے بعد للہ عارفہ وقت وقت پر شیخ سالار کے گھر آکر حضرت شیخ کو اپنی پستان منہ میں ڈال کر دودھ پلاتی۔ جب حضرت شیخ بالغ ہوئے تو بھائیوں کی خواہش اور زور کے موجب دنیاوی کاموں میں لگ گئے لیکن خدا کی یاد۔ عبادت اور بندگی سے کبھی غافل نہ رہتے تھے۔ کبھی کبھی بھائیوں کے زور کرنے پر ان کے ساتھ چوری کرنے کیلئے بھی جاتے تھے۔ ایک رات ایک دولت مند کو لوٹنے گئے۔ حضرت شیخ کو کہا تم اندر جاکر بھاری بھاری چیزیں اٹھا کر ہمارے ہاتھ دیتے جاؤ۔ حضرت شیخ اندر گئے۔ سونے۔ چاندی اور جواہرات سے بھرے ہوئے صندقوں کو دیکھا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔ نمک مرچ۔ مسالہ پیسنے

کی پھر کی اُدکھلی اور اُس کا پھر کا دستہ کھڑکی سے بھائیوں کو دیا۔ بھائیوں کو غصہ
آیا۔ اور شیخ سے کہا۔ ہلکا ہلکا جلدی سے لاتے جاؤ۔ حضرت شیخ نے ایک پرانی گئی
گذری ہوئی چھلنی ہاتھ میں لیکر باہر آئے۔ یہ دیکھکر بھائیوں نے اُسے سخت ملامت
کی اور کہا تو نابکار ہے کسی کام کا نہیں۔ ایک اور رات کو سب بھائی چوری کرنے
گئے۔ ایک گائے اور ایک اونی چادر کسی گھر سے چرا کر حضرت شیخ کے حوالے کر کے اسے
کہا کہ گھر پہنچا دو۔ وہ دوسری جگہ چلے گئے۔ جب حضرت شیخ گھر کے پاس پہنچے۔ تو
ایک کتا وَوٗ وَوٗ وَوٗ کر کے بھونکنے لگا۔ کشمیری میں وَوٗ کے معنی ہیں۔ (بیج بو۔ تخم
ریزی کرو) شیخ نے کتے کی آواز کے معنی سمجھ لئے۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے
چادر کو گائے کے گلے میں باندھکر اسے چھوڑ دیا۔ جب بھائیوں نے گائے اور چادر
کیلئے پوچھ پاچھ کی اور ڈانٹا ڈپٹا تو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک کتے نے نصیحت کی۔
"جو بوؤ گے سو کاٹو گے" دنیا آخرت کا کھیت ہے۔ قیامت کے دن ہر کوئی اپنے
کئے کا جزا یا سزا پائے گا۔ میں کیوں اپنے آپ کو بلا میں گرفتار کروں۔

ایک اور رات کو پھر چوری کرنے گئے۔ ایک مکان میں گھس گئے۔ گھر والے نہایت
ہی لاچار اور مفلس تھے۔ بیدار ہو گئے اور چپ رہے۔ آپس میں کہا۔ چور خود
ہی شرمندہ ہو کر نکل جائیں گے۔ حضرت شیخ نے ان کی لاچاری اور ناداری دیکھکر
اپنی چادر ان کے اوپر ڈال دی۔ اور بھاگتا ہوا گھر سے نکلے۔ بھائیوں کو کہا گھر
والے بیدار ہو گئے۔ اور میری چادر لے گئے۔ بھائیوں نے سخت سرزنش کی۔
اور یہ سارا قصہ ماں کو سنایا۔ اور اُس کو بال بچوں کے سمیت دیگران سے الگ
کر دیا۔ ماں نے حضرت شیخ کو بہت سمجھایا اور کہا اگر بھائیوں کا پیشہ (چوری) نہ
کرو گے۔ تو کوئی اور ہنر سیکھ لے جس سے تجھے رزق حلال ملے۔ شیخ نے مان
لیا۔ اور ماں اُس کو ایک جولاہے کے پاس لے گئی۔ اور اُسے کہا کہ اس کو کام سکھا دو
حضرت شیخ نے جولاہے کی حرکتوں اور آوازوں سے اصلی معنی اخذ کر کے بننے
کے کام کو چھوڑ دیا۔ اب حضرت شیخ کی تیس برس سے ڈھل گئی تھی۔

اور ایک دن ماں سے کہا۔ آج سے مجھے معاف کیجئے۔ خدا کے کام کیلئے چھوڑ دیجئے۔ ہمارا
اور آپ کے رزق کا ذمہ دار خدا ہے۔ یہ کہکر گھر سے چل پڑے۔ کئی مہینے کشمیر کے علاقوں
کی سیر کی۔ ایک دن پرگنہ آڈون کے ایک گاؤں کیہہ میں پہنچے۔ رات کو خواب میں آنحضرت[۲]
کو چار یار باصفا کے سمیت[۳] ایک کشتی میں جو خشکی پر چلتی تھی دیکھا۔ شیخ کو بلا کر کشتی
میں اتارا۔ اور سرور کائنات[۴] نے اپنی زبان مبارک سے نام پوچھا۔ شیخ نے عرض کی میرا
نام "نندہ" ہے۔ کشمیری میں "نندہ" خوبصورت اور اچھے کو کہتے ہیں۔ سرور عالم[۴] نے فرمایا
جب تمہارا نام "اچھا۔ لائق اور زینت دینے والا ہے۔" پھر چاہئے کہ تو "برا" نہ ہو۔
تاکہ تمہارا نام تم پر مبارک ہو۔ پھر اپنے دست مبارک اس کے کندھے پر رکھ کر دعا
فرمائی۔ اور چار یار باصفا نے آمین کہی۔ جب بیدار ہوگئے۔ اور اس حال سے ہوش
میں آگئے۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ پاتال سے لیکر عرش تک ان کی نظر کھل گئی ہے۔ پوشیدہ[۵]
بھیدوں اور غیبی باتوں کی واقفیت سے ان کا دل بھر گیا ہے۔ دنیا کا کوئی بھید اور کوئی راز
ان سے پوشیدہ نہیں۔ اس واقعہ کے بعد ان کے سینہ[۲] کی آگ کی بھٹی میں عشق الٰہی
کی وہ آگ بھڑک اٹھی جس نے حرص و ہوا جسمانی۔ نفسانی اور روحانی خواہشوں
تک کو راکھ کر ڈالا۔ اور یہ کھانے سے۔ پینے سے۔ سونے سے یہاں تک کہ دیکھنے
سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ یہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر جاتے
تھے۔ لوٹتے تھے۔ راکھ اور مٹی سر پر ڈالتے تھے۔ زار زار روتے تھے۔ اور لوگ ان
کو "دیوانے" خیال کرنے لگے۔ کشمیر کے مورخوں کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت ریشی
شیخ العالم رح کا طریقہ (سلسلہ[۳]) اویسی تھا۔ اور انہیں پیغمبروں اور ولیوں کی روحوں
سے تربیت اور فیض باطنی ملا تھا۔ لیکن وقائع کشمیر کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ حضرت امیر
کبیر رحمۃ اللہ علیہ کشمیر سے واپسی کے دنوں میں مٹن میں بیٹھے تھے۔ اور وہیں حضرت شیخ
العالم رح ان کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقت کی تعلیم و تربیت سے فیضیاب ہوگئے
اور واپسی کی جلدی کے موجب حضرت شیخ کی مزید تربیت سید حسین سمنانی کی
سپرد کی۔ اور انہیں خلوت نشینی کا حکم ملا۔ اور حضرت شیخ کیموہ کے گاؤں میں ایک

بڑا غار کھود کر خلوت بیٹھ گئے۔ اور کبھی کبھی حضرت سید حسین سمنانی کی خدمت میں آکر ان سے حقیقت کی باریک اور مشکل باتوں کا حل پوچھتے تھے۔ جب حضرت شیخ غار میں گوشہ نشین ہو گئے تو ان کے عیال کا بوجھ ان کی والدہ کے کندھوں پر پڑ گیا۔ ایک دن والدہ نے غار میں جاکر عیال کا خرچ اور اپنے مادری حقوق پر بڑی گفتگو کی۔ اور اپنے دودھ کا دعوی کیا۔ حضرت شیخ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اور ایک پتھر سے دودھ بہنے لگا۔ اور ماں سے کہا۔ پیاری اماں! دودھ جو تو نے مجھے پلایا ہے۔ لے لو۔ ماں یہ دیکھکر حیران ہو گئی۔ اور دودھ بخش دیا۔ پھر ان کی بیوی زنگی غار پر آگئی۔ اور اپنے اور بچوں کے خرچ کیلئے حضرت شیخ سے جھگڑنے لگی۔ اور کہا۔ کہ میں یہاں ہی آپ کی خدمت کیلئے گھڑے میں بیٹھوں گی۔ حضرت شیخ نے معذرت کی اور نصیحتیں کیں۔ لیکن وہ ایک نہ مانی۔ حضرت شیخ جنگل کو گئے۔ اور ایک گٹھڑی ببول کے کانٹوں کی لاکر گپھا میں بچھا دی۔ اور اسی پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگے۔ کانٹے چبھ گئے۔ اور لہو بہنے لگا۔ اور بیوی سے فرمایا۔ آؤ آرام کے بستر پر میرے ساتھ لیٹ جاؤ۔ بیوی رو پڑی اور شور مچایا۔ اور کہنے لگی میں نے تو اپنی امید چھوڑ دی۔ لیکن اپنے بچوں کا تو چارہ کر۔ حضرت شیخ نے فرمایا آج رات بچوں کو اپنے ساتھ رکھ لے۔ کل میں خدا سے ان کی چارہ سازی کرنے کیلئے کہوں گا بی بی بچوں کے سمیت روتی ہوئی گھر چلی گئی۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھائے۔ اور دعا مانگی۔ "اے خدایا تو مجھے اپنی بندگی کیلئے فارغ رکھ دے۔ یا بچوں کی خدمت کیلئے چھوڑ دے۔" جب صبح ہوئی۔ تو حضرت شیخ کے دونوں بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بستر پر مرے ہوئے پائے گئے۔ اور دونوں کو ایک قبر میں دفنا یا گیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے بارہ برس اسی گپھا میں گزارے۔ اور کاسنی اور جنگلی ساگ (ڈپل ہاک) کے پتوں کے بغیر کچھ نہ کھایا۔ ایک دن گپھا کے پاس ہی دو عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایک بولی۔ دیکھنا حضرت شیخ سدا کاسنی (یہ زیادہ کڑی ہوتی ہے) کے سوا کچھ نہیں کھاتے ہیں۔ لیکن ان کی جسمانی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ دوسری بولی۔ تو نہیں دیکھتی ہے۔ کہ چوپائے گھاس کے بغیر کچھ نہیں کھاتے۔ پھر بھی ان میں کتنی

طاقت ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سن رہے تھے۔ اپنے آپ سے بولے " ان باتوں کو غیبی خوشخبری
جان کر گپھا سے نکل پڑے۔ اور کشمیر کے سارے علاقوں کی سیر گاؤں گاؤں اور گھر گھر کی۔
اور گائے کے دودھ کے بغیر کچھ نہیں کھایا۔ کچھ مدت خانقاہ معلی کے چبوترے پر ریاضت
میں گذارا۔ اور کچھ دیر کے لئے وچار ناگ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ انہی دنوں البتہ بری میں
ایک نفس کش سخت تپسیا کرنے والا سادھو لوگوں کا ٹھکانہ بنا ہوا تھا۔ لوگ ان کے درشن
کو جاتے اور مراد پاتے تھے۔ ایک دن شہزادہ میرزا شکار ان کے ملاقات کو گیا۔ سادھو نے
ملاقات نہ دی۔ شہزادہ اس کو ہتک سمجھکر ناراض ہو گیا۔ اور یادن مثری کو جو حد
درجہ کی خوبصورت۔ چالاک اور مکار کنجری تھی۔ سادھو کی کٹیا میں بھیجی۔ یادن مثری
نے ناچ نغموں۔ طراری۔ عیاری۔ مکاری۔ شوخی اور چالاکی سے سادھو کو پھنسا کر اپنے
ساتھ حرامکاری کرایا۔ اور شہزادے کے تجویز کے مطابق بات پھیلادی۔ سادھو
شرمندہ ہوئے اور خجالت دور کرنے کیلئے یادن مثری کو بہت سا روپے دیکر
حضرت شیخ کو ورغلانے (بہکانے) کیلئے نوشہرہ بھیجا۔ یادن مثری بڑے طمطراق
اور شان و شوکت سے حضرت شیخ کی کٹیا کے دروازے پر پہنچی۔ اور اپنے فن کی
نمائش کرنے لگی۔ حضرت شیخ دروازے پر آ گئے۔ اور قہر کی نظر ڈال کر اس کی صورت
مسخ کردی۔ (بندر کی سی شکل بنادی) ساتھی یہ دیکھکر کانپ اٹھے یادن مثری کو
آگاہ کر دیا۔ وہ اپنا یہ حال دیکھکر شرمندہ ہو گئی۔ توبہ کی سخت نادم ہو کر حضرت شیخ
سے معافی مانگی چیلوں اور خدمتگذاروں میں داخل ہو گئی۔ تارک دنیا ہو کر واصلان
درگاہ میں سے ہوئی۔ حضرت نوشہرہ کے خلوت گاہ سے نکل کر کشمیر کے
تمام گاؤں میں پھرے۔ چنانچہ ہر علاقے میں ان کے مکانات موجود ہیں۔ ایک دن
مٹن پہنچے۔ وہاں لوگ مچھلیوں کا شکار کھیلتے تھے۔ اور مچھلیاں بن بن کر کھاتے تھے۔
حضرت شیخ کو بنی ہوئی مچھلیوں کی لو آگئی۔ نفس نے مچھلی مانگی۔ حضرت شیخ نے جلتی ہوئی
لکڑی منہ میں ڈالی:-

منہ جلا جب نفس نے فریاد کی ؛ شیخ نور نے مجھ پہ یہ بیداد کی
شیخ بولا ہو گیا خود رد جو تو! ؛ ملک سے میرے نکل جا زود تو
نفس نے کی عرض صاحب تاج سے ؛ دیکھ کچھ مانگوں اگر میں آج سے

اب نہ بھٹکوں گا کبھی میں راہ سے ٭ رہنے دے مجھ کو خدا کیواسطے

ایک دن دریہ گام پہنچے۔ دیکھا کچھ لڑکیاں سبز گھاس کاٹ رہی ہیں۔ شیخ بولے یہ سبز گھاس جاندار ہے۔ کیوں جاندار کو بے جان کر لی ہو۔ لڑکیوں میں سے ایک چمک کر بولی۔ ہم تو سبز گھاس چوپایوں کیلئے کاٹتے ہیں۔ اپنے آپ کو اور ان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ تم تو اپنے عصا (لاٹھی) سے ہزاروں جانوں کو جڑ سے اکھیڑتے ہو۔ اور جہاں بیٹھتے ہو سینکڑوں جانیں پاؤں تلے روندتے ہو۔ حضرت شیخ یہ بات سنکر رو پڑے اور چلنا پھرنا زمین پر بیٹھنا ترک کر دیا۔ دریہ گام کے گاؤں کے باہر ایک پتھر پر بیٹھکر ایک مہینے تک ریاضت کرتے رہے۔ پتھر سے ذرا دور سنگرام گنائی نام ایک دولتمند مال مویشی والے آدمی کا گھر تھا۔ اس حضرت شیخ کو گھر لیکر ایک کوٹھری میں بٹھا دیا۔ ایک دن سنگرام گنائی کی بیوی گائیوں سے دودھ دوہ رہی تھی۔ ان میں سے اس ایک گائے کو دوہنے کے بغیر ہی چھوڑا۔ حضرت شیخ نے پوچھا اس گائے سے دودھ کیوں نہیں لیا۔ سنگرام گنائی کی بیوی بولی۔ حضرت! اس کے دودھ دینے کا وقت گذر گیا ہے۔ اس کے تھنوں میں دودھ نہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا "بسم اللہ" پڑھ کر اس گائے سے بھی دودھ لے لو۔ بی بی نے ویسا ہی کیا۔ اور اس وقت سے چھ برس تک بچہ دینے کے بغیر ہی دودھ دیتی تھی۔ اور حضرت شیخ اسی گائے کے دودھ سے چھ برس تک روزہ کھولتے تھے۔ ایک دفعہ سنگرم گنائی اور اس کی بیوی ایک چھوٹی سی کم عمر لڑکی شیخ کی خدمت کیلئے گھر میں چھوڑ کر کچھ دنوں کیلئے دعوت پر گئے۔ ایک دن لڑکی دودھ لیکر شیخ کی کوٹھری میں آئی۔ اور وہاں غیب کے آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی۔ شیخ نے دودھ کا پیالہ لیکر لڑکی کو منع کیا۔ کہ وہ یہ بات کسی سے نہ کہے۔ جب اس ماں باپ دعوت سے واپس آ گئے۔ تو لڑکی سے رہا نہ گیا۔ اور اس نے ان سے حقیقت بیان کی۔ اور اسی وقت مر گئی۔ ماں کو بڑا دکھ ہوا۔ اور شیخ کی خدمت سے جی چرانے لگی۔ اور حیلے بہانے کر کے حضرت شیخ کو دودھ بند کیا۔ پہلے دن بولی دودھ بچھڑا پی گیا۔ دوسرے دن بولی مہمان آیا تھا۔ اس کو دیدیا۔ تیسرے دن بولی بلّی دودھ پی گئی۔ حضرت شیخ سوچ میں پڑ گئے اور بہت روئے۔ اور وہاں سے نکل کر رُوپہ دن گاؤں میں آ کر ایک برس قیام کیا۔ ایک مسجد بنوائی۔ رُوپہ دن سے سنگرام دار کی منت وزاری اور تنگ کرنے

پر چرار تشریف لائے۔ اور باقی عمر وہیں گذاری۔ ایک دفعہ چرار سے سیر کرنے کیلئے آڈون
چلے گئے تھے۔ اور وہاں ایک عقیدت مند کے گھر میں کئی مہینے ٹھہرے۔ ایک دن گھر والی
دودھ دہتی تھی۔ گائیوں میں سے ایک گائے بانجھ تھی۔ شیخ نے فرمایا۔ اس بانجھ گائے سے
بھی دودھ لے لو۔ گھر والی برتن لیکر گئی اور گائے کو دُہ لیا۔ اور شیخ نے اسی دودھ سے
افطار کیا۔ ایک دن گھر والی حضرت شیخ کے پاس دودھ لیکر آئی۔ انہوں نے یہ کہکر
واپس کیا۔ کہ گائے نے غیر کے کھیت سے گھاس کھائی ہے۔ اور غیر کے حق سے بنا ہوا
دُودھ کیسے پیئوں؟۔ پھر گہرے سوچ میں پڑ گئے۔ اور آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے۔
زمین پر گر کر لوٹنے لگے۔ گذشتہ زندگی کا جائزہ لینے لگے:۔ "بتیس ۳۲ برس لوگوں کا
چرایا ہوا مال کھایا۔ بارہ برس لوگوں کے میدانوں سے کاسنی اور جنگلی ساگ (وُپل ہاک)
کھایا۔ اور بارہ برس ان گایوں کا دودھ پیا۔ جنہوں نے لوگوں کے کھیتوں (حقِ غیر)
کی گھاس کھائی تھی۔ میں ریشی ہوں یا چور" اس کے بعد مرتے دم تک قریباً اڑھائی
برس کیلئے پانی کے بغیر کچھ بھی نہ کھایا۔ اور ان کے اعضائے جسمانی بے کار ہو گئے۔
ہڈیوں پر چمڑے کے بغیر کچھ نہ رہا۔ استخوانی ڈھانچہ سے صرف ایک سانس چلتی رہی۔
اور ایک قسم کے ٹوکرے میں (جس کا پیندا تنگ اور لوکدار۔ منہ چوڑا اور کھلا ہوتا
ہے۔ کسان اُسے پیٹھ پر بوجھ اٹھانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اور کشمیری میں اسے
"بیٹ" بولتے ہیں۔) بیٹھ کر کسی خدمت گذار کی پیٹھ پر سوار ہو کر طرفوں کی سیر
کرتے تھے۔ الغرض حضرت شیخ سات برس روپہ ون اور چرار میں لوگوں کو راہِ خدا
دکھانے۔ فیض پہنچانے جسمانی اور روحانی دکھوں اور دردوں کو دور کرنے
مصیبتوں سے نجات دلانے میں مصروف رہے۔ منکر امتحان کے قصد سے آکر اپنی
حرکتوں سے توبہ کر کے واپس جاتے اور معتقد اپنے مقصدوں۔ مرادوں اور
مطلبوں میں کامیاب ہوتے تھے۔ مصنف فتحات لکھتا ہے۔ کہ چرار میں قیام کرنے کے
دنوں میں قطب ربانی جناب حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ ۲۵ ماہ رجب ۸۱۴ھ
کو اپنے مریدوں اور دوستوں کی ایک جماعت لیکر حضرت شیخ کے ملاقات کیلئے
شہر سے روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ باطنی صفائی سے ان کی روانگی کا حال جان کر
پٹی (چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں سے بنائی ہوئی پالکی سی بڑی ٹوکری) میں بیٹھکر زالوسہ تک ان کے

استقبال کو آئے۔ جس جگہ بہٹت بی بی اور دسہت بی بی کی قبریں ہیں۔ اسی جگہ پر
دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ ذوق و شوق۔ حالات و کمالات۔ درجات و مراتبات
کی باتیں ہوئیں۔ بہت گفتگو۔ سوال و جواب اور بحث و مباحثہ کے بعد حضرت شیخ
نے بیعت لی۔ اور ارشاد کا خط حاصل کیا۔ جس کی نقل فتحات کبرویہ نے لکھی ہوئی ہے۔
مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ العالم رح کے حالات اور کمالات تحریر اور تقریر کے دائرہ سے باہر
ہیں۔ چھتیس ۳۶ برس کے عرصہ کو اناج کی قسم کی کوئی چیز نہ کھائے۔ اور نفس کے
بہکانے سے کوئی کام نہ کیا۔ جب تریسٹھ ۶۳ برس کی عمر میں نزع کے وقت بابا نصر الدین رح
نے ان سے پوچھا "حضرت! کس چیز کی تمنا ہے؟" فرمایا۔ "حق کی" پوچھا "آپ کے سامنے
کون حاضر ہے؟" فرمایا۔ "حق" پوچھا۔ "آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" جواب دیا: "حق
کے ساتھ"۔ عرض کی: "کوئی شربت پی لیں گے؟" فرمایا۔ "ساری عمر کو خدا کی خوشنودی کیلئے
نہ پیا۔ اب کیسے پیوں۔ پھر پانی کا ایک گھونٹ پیا۔ اور "حق" کہکر جان حق کے حوالے
کی۔ حق کا حق کہکے حق ادا جو کیا۔ ش رحمت حق ہو حق سے جا کے ملا
ملفوظات (کلام) حضرت شیخ علیہ الرحمہ موزون کشمیری میں بے شمار ہیں۔ جنمیں حد درجہ
کی فصاحت اور بلاغت بھری ہوئی ہے۔ ہر کلام وحدت اور معرفت کا لبریز پیمانہ
ہے۔ فلسفہ۔ حکمت۔ وعظ و نصیحت کا خزانہ ہے۔ ان کے کلام کے بہت سے جملے
ضرب المثل بنے ہوئے ہیں۔ اور زبان زد عام ہیں۔ موجودہ کشمیری اور اسمیں نمایاں
فرق ہے۔ وہ سنسکرت سے بنی ہوئی کشمیری ہے جس میں فارسی اور عربی کے
ان ہی لفظوں کا دخل ہے۔ جو اسلامی عبادات اور رسومات کو ظاہر کرتے ہیں۔
طول زمانہ کے موجب ملاوٹ اور غلطیاں اگر اس میں پائی جائیں تو ناممکن بات
نہیں۔ سب سے بڑی وجہ تحریف الفاظ کی یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ملفوظات فارسی
رسم الخط میں پرانے بزرگوں نے قلمبند کئے ہیں۔ کشمیری کو فارسی رسم الخط میں
پڑھنا نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ کشمیری حروف علت اور آوازوں کیلئے فارسی
میں نشانات اور علامتیں نہیں مثلاً گرٗ (گھر) گرُ (گھوڑا) گر (بناد) اسواسطے
تحریف سے انکار نہیں ہوتا ہے۔ اور آج کل زبان میں تبدیلی ہونے کے باعث اسکو
سمجھنا بھی آسان نہیں۔ ملا احمد جو تقریباً حضرت شیخ العالم رح کے ہمعصر تھے۔

حضرت شیخ کی ولادت سنہ ۷۵۷ھ میں اور وفات ۲۶ رمضان سنہ ۸۲۰ھ میں کشمیری کلنڈر کے حساب سے ۲۶ پوہ سنہ ۹۱ اور بکرمی جنتری کے موجب ۱۳ انگھر بدی سنہ ۱۴۷۳ھ لکھا ہے۔ مولف "حسن" نے فارسی نظم میں تولد اور وفات کی کئی تاریخیں لکھی ہیں۔:-

(۱) عمر سنین تو اند خاص اللہ ؛ وفات ش خاص معطی یاد بگذار (۲)

بے سر و پا شد ز فوت شیخ آہ ؛ اصل و فرع و شرع و وسع و عقل و دین

(۳) مخلصین (۴) صاحب طریقت۔۔ وغیرہ۔ حضرت شیخ نصیب الدین غازی قدس سرہٗ اپنی کتاب میں ان کی ولادت سنہ ۷۷۱ھ اور وفات سنہ ۸۴۲ھ میں لکھتے ہیں۔ شاید یہ کاتب کی بھول یا تحریری غلطی ہے۔ کیونکہ حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ نے ان کی آخر عمر میں ان کو حظ ارشاد بخشا ہے۔ اور تاریخ تحریر ۲۵ رجب سنہ ۸۱۴ھ ہے۔ اس لیے بابا نصیب الدین غازی کے قول کے مطابق حضرت شیخ کی عمر اٹھائیس سال باقی رہنی چاہیئے۔ اور مصنف فتحات کبرویہ کا بیان ہے۔ کہ حضرت شیخ نے تیس برس کی عمر میں بھائیوں کے کام سے توبہ کی۔ اور صرف تیس برس سلوک اور ریاضت میں گذارے۔ اس صورت میں حضرت بابا نصیب الدین غازی کے خیال کے موجب حضرت شیخ کو شروع ہی میں حظ ارشاد (میر محمد ہمدانی سے) ملا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ جب حضرت شیخ کیموہ کی گپھا میں خلوت نشین تھے۔ حضرت میر حسین سمنانی کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور جب میر حسین سمنانی کی وفات سنہ ۷۹۲ھ واقع ہونی ثابت ہے۔ پھر حضرت شیخ کا ان کی خدمت میں حاضر ہونا تیرہ برس کی عمر میں ثابت ہوتا ہے۔ اور اس چھان بین سے ملا احمد کا بیان زیادہ معتبر نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں چرار میں پرانے زمانے سے نہایت خوش گوار پانی کا ایک چشمہ تھا۔ ایک دن بابا نصر الدین نے حضرت شیخ کی کوٹھڑی کو جھاڑو دیتے ہوئے کچھ پیسے اٹھائے اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کئے عرض کی کہ انہیں کیا کروں؟ حضرت شیخ نے کہا گاؤں میں فلانی آدمی صاحب دختر ہے۔ اس کو دینے چاہئیں۔ بابا نصر نے پیسے اس آدمی کی بیوی کو دئے۔ جب وہ آدمی گھر آیا۔ اور عورت نے اس کو پیسوں کے متعلق سنایا۔ تو اس نے اس کو خوب مار پیٹ کی۔ اور کہا یہ صدقہ (خیرات) ہے۔ تو نے کیوں لیا؟ ابھی جاکر پیسوں کو واپس دے۔ عورت دوڑتی ہوئی بابا کے پاس آئی۔ اور پیسے واپس لینے کیلئے بابا کو مجبور کرنے

لگی۔ بابا نے واپس نہ لئے۔ مجبور ہو کر عورت نے پیسے چشمہ میں پھینک دئے۔ اور اسی دن چشمہ کا پانی سوکھ گیا۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ حیران اور نحوست کے پیسوں کی آفت ہے۔ اور دعا فرما کر کچھ دوری پر اور ایک چشمہ بر آمد کیا۔ جس کا پانی شیخ کی وفات کے بعد کم ہو گیا۔ اور چرار میں پانی کی قلت کی تکلیف ہو گئی۔ اس تکلیف کو دور کرنے کیلئے لالہ رینہ پنڈت نے دور سے ایک نہر کھدوا کر چرار کو پانی مہیا کیا۔ لیکن یہ نہر جاڑے میں بند ہو جاتی تھی۔ اس لئے قاسم چلپان بقال نے بڑا تالاب کھدوایا۔ سنہ ۱۱۳۹ھ میں بابا قایم لسوی نے جو کہ قاضی دولت شاہ بخاری کا خلیفہ تھا حضرت شیخ سے نئی نہر لانے کا اشارہ پایا۔ اور خواجہ محمود دیدہ مری کو جوان کا مرید تھا۔ اسی طریق پر جس کا اشارہ خواب میں پایا تھا۔ نہر لانے کے کام پر متعین کیا۔ اور خواجہ بہت بڑی رقم خرچ کر کے چرار تک پانی لایا۔ جس کے نشان آج تک موجود ہیں۔ تاریخ ہوئی۔ "فیض محمود قائم" ہے۔

خلفائے شیخ نورالدین قدس سرہ

حضرت بابا بام الدین

بومر سادھو نام سخت تپسیا کرنے والا ایک برہمن ہندوؤں کا بڑا گرو تھا۔ جس کے مندر میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کی وہ پوجا کرتا تھا۔ صبح سویرے ۵ مکان کر کے۔ پانچ تیرتھ سے اشنان کر کے سورج نکلنے سے پہلے اپنی کٹیا میں وہ واپس پہنچتا تھا۔ وہ پانچ تیرتھ یہ ہیں:۔ چندرہ پار بیجبارہ میں شیوہ بارہ کوہ شیبان کے دامن میں چھترہ پار چھتہ بل میں۔ اولر ناگ اولر جھیل میں۔ کھادن بار بارہ مولہ میں۔ سی ایک تیرتھ کو مرکز مان کر ان تمام تیرتھوں تک آنے جانے کی مسافت کئی سو میل بنتی ہے۔ اور پھر اشنان اور پوجا میں جو وقت لگتا ہے۔ اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے یہ سارا کام برہمن پو پھٹے سے سورج نکلنے تک پورا کرتا تھا۔ حضرت شیخ اس کے عمل اور کمال سے واقف ہوئے۔ اور ایسے باکمال آدمی کو راہ ہدایت پر لانے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے اس کی روحانی طاقت کا جائیزہ لیا۔ اور یہ طاقت چھین لی۔ اور لہو میں لتھڑا

ہوا۔ گائے کا چمڑا کندھے پر ڈال کر برہمن کے مندر میں گھس گئے۔ برہمن نے شور مچایا اور کہا اے بدذات فسادی اپنے چھاؤں سے میری مورتیوں کو چھوت مت لگاؤ۔ اور گائے کے چمڑے سے مندر کو برشٹھ نہ بناؤ۔ شیخ نے کہا جب تم گائے موت (پیشاب) اور گوبر سے اپنے جسم اور اپنے مندر کو شدھ کرتے ہو۔ تو چمڑے کا کیا قصور ہے؟ سادھو:۔ شاید تو تو سندہ رشی ہے۔ شیخ:۔ ہاں! سادھو:۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ شیخ:۔ اسلام۔ تمہارا مسلمان ہونا ہے۔ سادھو غصے سے آگ بگولا ہو گیا ہے۔ اور لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ شیخ بھائی ٹھہرو۔ یہ تو بتاؤ یہ مورتیاں کس نے جیل کر بنائی ہے۔ برہمن برسنگ نراش نے شیخ یہاں سے نکل جاؤ۔ شیخ:۔ اچھا نکلتا ہوں۔ کچھ تو کھانے کو دے۔ سادھو:۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ دیگچی خالی پڑی ہے۔ شیخ۔ جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ پتیلی بھر کر ہے۔ اس نے پتیلی سامنے لائی دیکھا کہ پکے ہوئے چاول سے بھر کر ہے۔ حیران ہو کر پوچھا۔ کس منتر سے اس کو بھر دیا؟ شیخ نے کہا۔ میرے خدا نے بھر دی۔ اس کو نابود سے بود کرنے کی قدرت ہے اور تیرے یہ بت نہ تمکو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ نقصان۔ تو خدا کی "وحدانیت" (ایک خدا ہونے) پر کیوں اقرار نہیں کرتے ہو۔ سادھو:۔ میں تیری ان چپڑی چکنی باتوں سے مورتی پوجا کو نہیں چھوڑ دوں گا۔ اگر یہ تمہارے بت (مورتیاں) خدا کی "وحدانیت" کا اقرار کریں گے۔ تو کیا پھر مسلمان ہو جاؤ گے؟ سادھو:۔ ہاں۔ شیخ (مورتیوں سے) قابل پرستش کتنے خدا ہیں؟ مورتیاں:۔ لا الٰہ الا اللہ:۔ بغیر ایک حقیقی معبود کے اور کوئی قابل پرستش نہیں۔ پتھر کی مورتیوں کے اقرار کی آواز سے مندر گونج اٹھا۔

بے زبان بت! بولے ہو کر یک زبان ؛ ہے وہی قابل پرستش بے گمان
جس نے پیدا کر دئے دونوں جہان ؛ جس کے ہیں زمین و آسمان

جب دیوتاؤں کی مورتیوں نے اسلام قبول کیا۔ برہمن کے پاس اب کیا چارۂ کار باقی رہا تھا شیخ کے پاؤں پکڑے اور کلمہ پڑھ لیا۔

بت صنم خانے کے ایمان لائے ؛ دیوتا سارے مسلمان ہو گئے

بوڑھا سادھو مسلمان ہو گیا۔ شیخ نے سلب کی ہوئی طاقت واپس کی۔ بلکہ نظر کیمیا اثر سے مقامات سلوک کشف کر کے اعلیٰ علیین پہنچا دیا۔ بابا بام الدین نام رکھ دیا۔ بابا بام الدین نے مرشد پاک سے التماس کی میں آج سے کس چیز سے روزہ کھولا کروں گا۔

حضرت شیخ نے ایک سفید پتھر جو آج تک اسی جگہ ہے۔ دکھا کر کہا۔ تھوڑا سا پتھر گھس کر افطار
کیا کرو۔ اس کے بعد بابا بام الدین بارہ برس زندہ رہے۔ اور اسی پتھر سے تھوڑا پیس کر
پانی کیساتھ پی لیتے تھے۔ دیئے میں تیل کے بجائے پانی ڈال کر جلاتے تھے۔ اور ایک پتھر
سے پانی نکال کر وضو کیا کرتے تھے۔ اور مرتے دم تک کسی خدمت گذار کے محتاج نہ ہوئے
لوگوں کیساتھ بالکل میل جول نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک سلطان علی شاہ فرزند سلطان سکندر
باپ کے فرمانے پر شاہی لباس نکال کر ایک کالے رنگ کا کمبل پہنکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اور التماس کی۔ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ بابا بولے۔ شاہی لباس تو بدن سے اتار دیے
لیکن بادشاہی کا خیال دل سے نہیں نکالا۔ اور غفلت کی روئی کانوں سے نہیں نکال
دی۔ میری نصیحت تم کو کیا فائدہ دے گی۔ بادشاہوں کی طبیعت کی مثال آگ کی سی ہے
آگ ہوا سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ سلطان نے عرض کی۔ اگر کسی چیز کی خواہش ہے
تو حکم کریں۔ بابا نے فرمایا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ دوبارہ پھر آپ میرے پاس آنے کی
تکلیف نہ کریں۔ اور میرا نام اپنی محفلوں میں زبان پر نہ لایا کریں۔ سلطان نے کہا۔ آپ کو اہل
دنیا کے ساتھ عداوت ہے۔ فرمایا اس سے زیادہ جتنی میں دنیا سے دشمنی رکھتا ہوں۔!
سلطان نے پوچھا ان دو جماعتوں (دنیا والوں اور درویشوں) میں کیا فرق ہے۔ فرمایا۔
جتنا آنکھوں والے اور اندھے ہیں۔ اندھیرے اور روشنی میں۔ جب سلطان چلا گیا حضرت
بابا نے کوٹھری کو دھویا۔ اور صاف کیا۔ جب حضرت بابا بام الدین نزع کی حالت پر پہنچے۔
زین الدین دار کو ڈھونڈا وہ لار میں تھے۔ اور طے مکان کر کے اسی دن آ کر ان کے
سرہانے بیٹھ گئے۔ وفات کے بعد انہوں نے خود غسل دیا۔ اور بومہ زوہ میں اپنی کوٹھری
میں دفن کیا۔

حضرت شیخ زین الدین (زینہ ریشی ؒ)

حضرت شیخ نور الدین نورانی کے دوسرے خلیفہ تھے۔ ان کی اصلی جائے پیدائش باندر
کوٹ علاقہ کشتواڑ میں تھی۔ اصلی نام زینہ سنگھ تھا۔ ان کا باپ دشمنوں کے ہاتھوں
قتل ہوا تھا۔ زینہ سنگھ چھوٹا تھا۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی ماں اسکی
حالت دیکھکر رو رہی تھی۔ اچانک ایک نورانی شخص وہاں آگیا۔ اور اس کی ماں سے
پوچھا۔ تو کیوں رو رہی ہو۔ عورت نے کہا۔ میرا بیٹا بیمار ہے۔ اس شخص نے کہا۔ میرے ساتھ

وعدہ کر کہ اگر بچہ ٹھیک ہو گیا۔ تو تم کشمیر آکر مسلمان ہو جاؤ گی۔ زیہ سنگھ کی ماں نے
وعدہ کر لیا۔ اور یہ آدمی غائب ہو گیا۔ لڑکا ٹھیک ہو گیا۔ لیکن کشمیر آنے میں ٹال مٹول
کرتے رہے۔ اسی ضمن میں لڑکا پھر بیمار ہو گیا۔ ماں کو شک پڑ گیا کہ یہ وعدہ خلافی کا نتیجہ ہے
سفر کی تیاری کی اور کشمیر چل پڑے۔ یہ سفر ہی میں تھے کہ حضرت شیخ العالمؒ نے بابا بام الدین
سے کہا۔ "ایک عورت بچہ لیکر یہاں پہنچے گی۔ ان کی خاطر داری اور آؤ بھگت کرنی چاہئے"
زیاسنگھ اور اس کی ماں بابا بام الدین کے پاس پہنچے۔ اور کچھ دن وہاں ٹھہرے۔
جب حضرت شیخ وہاں تو زیاسنگھ کی ماں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کہ یہ وہی بزرگ ہے
جو وہاں باندر کوٹ میں آیا تھا۔ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ زیاسنگھ کا نام شیخ زین الدین
رکھا۔ جب حضرت شیخ کی صحبت۔ نظر اور توجہ نے اسپر اثر کیا۔ تو ماں کو واپس وطن روانہ
کیا۔ اور خود حضرت شیخ کی خدمت میں استقامت کرتا رہا۔ اور عبادات و ریاضات میں اس
درجہ کی ترقی کی۔ کہ حضرت شیخ اپنی مناجات میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: میرزا رینہ
آب حیات کا چشمہ ہے۔ اس نے خدائے تعالیٰ کی اتنی بندگی کی۔ کہ شاگرد۔ استاد (چیلا گرو)
سے آگے بڑھ گیا۔ اے خدا مجھے بھی ایسی ہی کشائش عطا کر۔ جب حضرت شیخ کو معلوم ہوا۔ کہ
وہ کمال کے درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ تو ان کو عیشمقام کے گپھا میں خلوت نشینی کا حکم دیا۔
اور شیخ زین الدین عیشمقام روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچنے پر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ غار
سانپوں اور بچھوؤں سے بھرا ہوا ہے۔ سانپوں اور بچھوؤں کو مخاطب ہو کر کہا۔ کہ یہ غار
اب درویشوں کو دیا گیا ہے۔ تم کسی اور جگہ چلے جاؤ۔ سانپوں نے رات کیلئے مہلت
چاہی۔ اور دوسرے دن نکل کر دوسرے غار میں جو پہاڑ پر ہے چلے گئے۔ حضرت شیخ
زین الدین نے سانپوں سے وعدہ لیا کہ کسی کو ڈنگ نہ ماریں۔ اور نہ ڈسیں۔ اور لوگوں
سے کہا کہ ان کو نہ چھیڑیں۔ باوجود کثرت کے وہ آج کل بھی کسی کو ڈستے نہیں۔ کہتے ہیں کہ
کشمیر کے سانپوں کی قسموں میں سے یہ سانپ زیادہ زہریلے ہیں۔ چھوٹے۔ موٹے اور
بدشکل ہیں کشمیری میں اس کو "پہُر" کہتے ہیں۔ جب حضرت شیخ بابا زین الدین گپھا میں
گوشہ نشین ہو گئے۔ تو معلوم ہوا کہ پانی کا کوئی انتظام کیا۔ حاجی شمس الدین نیچے جا کر کہیں
دور سے پانی لاتا تھا۔ جاڑے میں ایک اسکا پاؤں پھسل گیا۔ گھٹنا ٹوٹ گیا۔ اور گھڑا
ٹوٹ کر چور چور ہو گیا۔ روتا ہوا بابا کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے تھوڑی سی مٹی کی

گھٹنا ٹھیک ہو گیا۔ اور آپ نے پانی کے لئے دعا فرمائی۔ اور پھر آپ نے غار کے پاس ہی ایک
درخت کے نیچے کھود کر ایک گھڑا سا بنایا۔ پانی نکل آیا۔ اور شیخ کے پیچھے بہنے لگا۔ گاؤں
والوں کو بھی پانی ملا۔ جس جگہ سے شیخ واپس مڑے اسی جگہ پانی رس کر غائب ہو گیا۔ آج کل بھی
پانی وہاں تک چلتا ہے۔ اور وہاں سے زمین کے نیچے غائب ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک
گڈریے کو ان کا وہاں خلوت نشین ہونا خوش نہ آیا۔ اور ان کو گپھا سے نکالنے کی تدبیر سوچتا
تھا۔ چنانچہ اس نے ایک دن موقعہ پا کر ایک بکری کے بچہ کو مارا۔ اس کی کھال۔ سر اور پاؤں
چھپا کے لیکر ان کی جائے نماز کے نیچے دبا کر رکھے۔ اور رپورٹ کی۔ سپاہی اور کوتوال
آئے۔ گڈریے نے نشاندہی کی۔ اور دبائی ہوئی چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت شیخ
نے سر۔ پاؤں اور کھال اکٹھے رکھنے کو کہا۔ خدا کی طرف رجوع کی۔ بزغالہ زندہ ہو گیا۔ بزغالہ
کو قدرت نے زبان دی اور اس نے اصلی واقعہ بیان کیا۔ یہ واقعہ حضرت شیخ زین الدین
کی شہرت کا سبب ہوا۔ عقیدتمندوں کی تو بات کیا تھی منکر اور دشمن بھی معتقد ہو گئے
ایک دن حضرت شیخ نے خدمت گذار سے کوئی بے مزہ اور کڑوی چیز کھانے کیلئے
مانگی۔ اس نے تھوڑی سی کالی مرچ لائی۔ شیخ نے اس کی قیمت پوچھی۔ معلوم ہوا مہنگی چیز
ہے۔ واپس کی اور منہ ہاتھ دھونے نکلے۔ اخروٹوں کے درخت کے نیچے سے گذرے۔
کچے اخروٹ زمین پر گرے تھے۔ ایک اخروٹ اٹھایا اور اس کا چھلکا اتار کر چھلکے کا تھوڑا
سا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبایا۔ بہت بے مزہ اور نہایت کڑوی چیز معلوم ہوئی۔ پوچھا اس
کی قیمت کیا ہے۔ ساتھیوں نے عرض کی حضرت کچھ بھی نہیں۔ اس وقت سے حضرت
شیخ نے اخروٹوں کے چھلکے اپنی خوراک بنائے۔ سوکھے ہوئے چھلکوں کو پیس کر
اور چھان کر کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ زین الدین غار سے کچھ اوپر ایک جگہ پر
جس کو گرنڈی مرگ کہتے ہیں جا کر یاد خدا میں مشغول ہو جاتے تھے۔ وحشی
جانور اور پرندے آکر ان کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے۔ اگر کسی بیگانے کو آتے دیکھتے تھے
تو جنگل کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا خدمتگذار ان کے پاس گرنڈی مرگ
جا رہا تھا۔ لوگ ایک نہر کی کھدائی اور صفائی کر رہے تھے۔ خدمتگذار کو پکڑ کر بیگار میں
لگایا۔ جب وہ حضرت کے پاس دیر کر کے پہنچا۔ تو انہوں نے دیری کی وجہ پوچھ لی۔
خدمت گذار نے واقعہ سنایا۔ حضرت ناراض ہو کر نہر پر آگئے۔ اور اپنی کلاہ زمین پر رکھ

اپنی لاٹھی (عصا) کو نہر میں ڈال دیا۔ پانی خشک ہو گیا۔ لوگ حیران اور پریشان ہو گئے
کہ یہ کیا ہوا۔ آخر بات کھل گئی۔ حقیقت معلوم ہونے پر لوگ ان کی خدمت میں دوڑے
عجز و زاری اور منت و سماجت کرتے ہوئے معافی چاہی۔ اور التماس کی کہ اپنے خدمت گذاروں
کیلئے کوئی نشانی رکھیں۔ تاکہ لوگ ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ حضرت شیخ
نے ٹوپی زمین سے نہ اٹھائی۔ اور نہر سے لاٹھی نکالی۔ پانی آگے جاری ہوا۔ اور آج
تک وہ نہر کبھی خشک نہیں ہوئی ہے۔ اپنے خدمت گذاروں کو لکیر دار پگڑی باندھنے
کی اجازت دی۔ جس کو کشمیری میں "ریشی کا ژن" کہتے ہیں۔ اس کے بعد سارے
ریشی لکیر دار پگڑی باندھتے تھے۔ ایک دن سلطان زین العابدین شاہ کوہل (نہر) کے
معاینہ کے سلسلے میں وہاں پہنچے۔ (وہ ان دنوں بڈشاہ کوہل کھدواتے تھے) اور حضرت
ریشی کے ملاقات کو گئے۔ شیخ زین الدین نے کوئی الفت اور پوچھ پاچھ نہ کی۔ سلطان
آزردہ دل ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ ریشی کو تبت جلا وطن کریں۔ کیونکہ یہ ان بودھوں
کی تربیت کرنے کے لائق ہیں۔ حضرت ریشی شاہی حکم کے موجب اپنے چیلے لیکر تبت گئے۔
اور بہت سے لوگوں کو تبلیغ کر کے مسلمان بنایا۔ اور لوگ ان کی خدمت دل و جان سے
کرنے لگے۔ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔ کہ تبت کے راجے کا بیٹا بیمار ہو کر مر گیا۔ راجہ
نے کچھ تو اپنی فطرتی جہالت اور کچھ لاموں کے بہکانے سے حضرت ریشی پر تہمت دھر
دی کہ آپ کے آنے کی شامت کے باعث بچہ مر گیا۔ یا اس کو زندہ کرو نہیں تو اپنی
جان سے ہاتھ دو۔ حضرت ریشی بے چین ہو گئے۔ فرمایا۔ رات کو صبر کرو۔ اور آج کل
صبح جو خدا کی مرضی ہو گی عمل میں آئے گا۔ رات گذر گئی اور صبح کو دیکھتے ہیں کہ لڑکا
زندہ ہے۔ ان ہی دنوں میں شیخ بابا بام الدین نے رحلت فرمائی۔ شیخ زین الدین
طے مکان کر کے انہیں غسل دے کر اور تجہیز و تکفین کر کے پھر تبت پہنچے۔ اور اپنے
دوستوں کو بابا بام الدین کے وفات کی خبر سنا دی۔ حضرت شیخ زین الدین شاہ
تبت میں تبلیغ کے کام میں مصروف تھے۔ یہاں کشمیر میں سلطان زین العابدین کے
پاؤں میں درد ہو گیا۔ علاج معالجہ اور پیروں فقیروں سے آرام نہ ہوا۔ خیال آیا۔ کہ
بیماری کا سبب حضرت ریشی کی ناراضگی ہو گی۔ اور اپنے بیٹے حیدر خان کو ان سے عذر
خواہی کرنے کیلئے تبت روانہ کیا۔ حیدر خان نے حضرت ریشی کو نہایت تعظیم و تکریم

کے ساتھ کشمیر واپس لایا۔ بادشاہ نے بذات خود استقبال میں سبقت کرنے کی تیاری کی۔ طرفہ یہ ہے۔ اپنے پاؤں چل پڑے۔ درد کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ جب حضرت شیخ بابا زین الدین نے دنیائے فانی کو رخصت کیا۔ تو دوستوں اور چیلوں نے ان کی نعش کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر تابوت میں رکھکر غار سے کچھ دور کے فاصلے پر نماز جنازہ پڑھی۔ پاس ہی قبر کھودی گئی۔ جب تابوت کو قبر پر لایا گیا۔ تو اُس کا ڈھکنا نعش کو قبر میں اتارنے کیلئے اٹھایا گیا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ تابوت خالی ہے۔ اور ریشی صاحب کا جسم مبارک غائب ہے۔ یہ حال دیکھکر ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ زار زار روئے اور تابوت اسی جگہ چھوڑ کر گھروں کو چلے گئے۔ رات کو ان کے دوستوں میں سے ایک نے انہیں خواب میں دیکھا۔ فرمایا کہ میری قبر اسی جگہ بنائیں جہاں تابوت رکھا ہوا ہے۔ اس نے التماس کی کہ ہماری قبریں کہاں ہوں گی۔ وہاں ایک قبر کے بغیر گنجائش ہی نہیں۔ فرمایا کچھ اوپر میری دوسری قبر تیار کریں ان دو قبروں کے بیچ میں اور قبروں کیلئے جگہ نکلے گی۔ دوسرے روز ایسا ہی کیا گیا۔ ان دو قبروں کے درمیان ان کے یاروں کی اٹھارہ قبریں ہیں۔ یہ دونوں قبریں خاص و عام کی زیارت گاہ ہیں۔ غار میں بھی ان کے بیٹھنے کی جگہ ایک فرضی قبر بنائی گئی ہے۔ ان کا عرس کشمیری حساب کے موجب بارہ دیت کھی (دیک چاند کے موجب) شدی کو منایا جاتا ہے۔ تیرھویں رات کے گرد ونواح کے تمام گاؤں کے گھروں میں چراغانہ کیا جاتا ہے۔ لوگ چیڑ کی لکڑی کے بڑے بڑے مشعلیں بنا کر بہت رات گئے تک جلاتے رہتے ہیں۔ وہاں کے لوگ اس چراغانہ کو "ذاہ" کہتے ہیں۔

شیخ بابا لطیف الدین ریشی

حضرت شیخ العالمؒ کے تیسرے خلیفہ تھے۔ آوت ریبنہ نام تھا۔ مُرو دارڈون کے حاکم تھے۔ ہر سال ایک دفعہ بادشاہ کی سلامی کیلئے شہر آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قسمت کی یاوری سے حضرت شیخ العالم کی برکت والی خدمت میں آئے۔ شیخ نے پوچھا کس مقصد سے آنا ہوا۔؟ عرض کی آپ کی محبت سے درشن کے لئے آیا ہوا۔ شیخ نے فرمایا۔ جب تک دوست دوست کا ہمرنگ نہ ہو دوستی کا دعوی جھوٹا ہے۔ پوچھا!۔ دوست کا کیا کام ہے؟ فرمایا۔ خدا کے حکم کی تابعداری۔ پوچھا! خدا کا کیا حکم ہے۔

شیخ نے فرمایا۔ خدا کے حکم کی تابعداری۔ پوچھا! خدا کا کیا حکم ہے؟ فرمائیے حکم یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور وحدۂ لاشریک کا بندہ بن جاؤ گے۔ آونت رینہ نے کہا۔ میں اپنے خدا کا بندہ ہوں لیکن مسلمان نہیں ہو جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ رزق تو رازقِ مطلق کا کھاتے ہو۔ اور پوجا بُت (مورتی) کی کرتے ہو۔ آونت رینہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گرا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے۔ اور مسلمان ہو گیا۔ شیخ کی بیعت کی۔ مرید ہو گیا شیخ نے اُس کا نام شیخ لطیف رکھا۔ مال و دولت اہل و عیال۔ جاہ و حشمت اور حکومت چھوڑ کر شیخ کا خاص خدمت گزار ہو گیا۔ عبادت و ریاضت۔ پرہیز گاری و خدا ترسی۔ ترک شہوات و لذات اور ترک دنیا کی باتوں میں ایسا جانباز۔ دلیر اور سوز و گداز والا بن گیا۔ کہ راہ ہدایت اور سلوک کے طلبگار اس سے سبق لیتے تھے۔ لوگوں کو رشک ہوتا تھا۔ کہ ہمیں بھی یہ حال نصیب ہو۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ لطیف الدین نے رجوع کرنے۔ راہ طریقت پر قدم رکھنے اور معرفت کا جام نوش کرنے کے بعد شیخ العالم کے فرمانے پر پرگنہ اچھہ کے ایک گاؤں دُودہ پھکری میں عبادت خانہ تعمیر کیا۔ اور وہیں عبادت۔ ریاضت اور مشقت میں مشغول ہو گیا۔ جنگلی ساگ (وُپل ہاک) کے سوا کچھ نہ کھاتے۔ بابا پیر بازا اور شیخ شریف اشوار جو پاکباز مرشد کے حکم کے موجب ان کی رفاقت اور خدمت کیلئے سرافراز ہوئے تھے۔ جنگلی ساگ پکا کر افطار کو پیش کرتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ لطیف الدین باورچی خانہ میں آگئے۔ شیخ شریف جنگلی ساگ اُبال رہا تھا۔ اور ہانڈی سے بق بق کی آواز آ رہی تھی۔ بابا لطیف الدین نے شیخ شریف سے پوچھا شاید تو نے زندہ ساگ (تازہ جو سوکھی ہوئی نہ تھی) ہانڈی میں ڈالا ہے۔ کیونکہ یہ چلّا رہا ہے۔ میں اُس کو نہیں کھاؤں گا۔ شیخ شریف سُنکر ذرا تیز ہو کر بولا ادھر کا ٹن (اندر این پھل کے پتے) کھاؤ گے۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں! وہی کھاؤں گا۔ اسکے بعد اسی گھاس کو کھاتے رہے۔ (حالانکہ یہ تمام سبزیوں۔ ترکاریوں اور جڑی بوٹیوں میں سے زیادہ زہردار اور کڑوا ہے۔ بلکہ زہر قاتل ہے) کچھ برس اس جگہ سے اٹھکر ونرہ ہیل گاؤں میں ٹھہرے۔ اور وہاں سے بھی کچھ دیر بعد علاقہ بیروہ کے ایک گاؤں پوشکر میں آئے باقی عمر وہیں گزاری۔ رحلت فرمانے پر وہیں دفن ہوئے۔ ان کی زیارت فیض و رحمت کی جگہ ہے۔ پانچ پھاگن کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

بابا نصر الدین ریشیؒ

حضرت شیخ العالمؒ کے چوتھے خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بچپن میں اس کے ماں باپ بڑے دولت مند اور امیر تھے۔ تقدیر کے موجب اس کو الٹی کی بیماری لگ گئی۔ اور دوائیاں کارگر نہ ہوئیں۔ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ طاقت گھٹتی گئی اور بستری ہو گیا۔ اسی رات اور اسی حالت میں خواب میں ایک محفل دیکھی اور اس محفل میں کھدر پوش نورانی قابل تعظیم و تکریم بوڑھا نظر آیا۔ اس نے خواب ہی میں کسی سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ محفل کے تماشائیوں نے کہا۔ یہ ابدالوں (چوٹی کے دوستان خدا) کی جماعت ہے۔ اور ان کا سردار شیخ نور الدینؒ ہے۔ جو کیموہ کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہے۔ ضرور ہے کہ ان کی دعا کی برکت سے تمہاری بیماری دور ہو جائے گی۔ جب بیدار ہوا تو والدین سے خواب سنایا۔ وہ اسی دن اس کو ٹھیک ہو جانے کی امید سے شیخ العالمؒ کے پاس لے آئے۔ حضرت شیخ نے پوچھا بچہ! نام کیا ہے؟ بچہ نے کہا۔ اُدترو۔ شیخ نے پھر سوال کیا۔ لقب تمہارا کیا ہے؟ (لوگ تمکو کیا کہتے ہیں) راؤ بفر (پہلوان) شیخ نے فرمایا۔ کیا پہلوانی کر سکتے ہو؟ بچہ نے کہا۔ آپ کی توجہ اور مہربانی شامل حال ہو۔ تو پہاڑ کو گھاس کے تنکے سے اٹھاؤں گا۔ حضرت شیخ نے پوچھا۔ تمہارا منہ کیوں پیلا پڑ گیا ہے؟ بچہ نے کہا۔ الٹی کی بیماری سے۔ حضرت شیخ نے کھانا منگوایا اور بچہ نے پیٹ بھر کر کھایا۔ الٹی نہ آئی۔ بیماری رفع ہو گئی۔ بچہ نے شفا پائی۔ لڑکے نے ماں باپ کو رخصت کیا۔ اور خود حضرت شیخ کی خدمت میں رہا۔ انھوں نے اس کا نام بابا نصر الدین رکھکر باورچی خانہ اور ریشیوں فقیروں کی خدمت حوالے کی۔ بابا نصر الدین۔ باورچی خانے کی منتظمی کا کام انجام دیتے رہے۔ ریشیوں۔ فقیروں اور آنے جانے والے خادموں کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت شیخ سے سلوک کی تربیت پاتے رہے۔ روحانیت میں ان کا درجہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا۔ کہ جو روٹی پک جاتی تھی۔ وہ ساری کی ساری بانٹ دیتے تھے۔ اور خود پانی میں تھوڑی سی راکھ ملا کر پیتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ بابا نصر الدین خود تو دودھ پیتا ہے۔ اور ہمیں جنگلی ساگ دیتا ہے۔ حضرت نے کہا۔ جب وہ دودھ پینے لگے دودھ کا پیالہ اسی کے

ہاتھ سے لیکر میرے پاس لے آنا۔ جب روزہ کھولنے کا وقت ہوا تو اس آدمی نے بابا نصرالدین کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ چھین لیا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شیخ نے اس سے کہا۔ یہ دودھ کا پیالہ میرے سامنے پی لو۔ جب اس نے ایک گھونٹ پی لیا تو اس کا منہ اور گلا اسکی گرمی اور کڑواہٹ سے جل گیا۔ حضرت شیخ نے بابا نصرالدین کو بلایا اور پوچھا۔ یہ کب سے پینتے ہو۔ عرض کی۔ جب سے درگاہ میں آیا ہوں۔ حضرت شیخ نے حکم دیا۔ کہ آج سے چاول سے افطار کیا کرو۔ بابا نصرالدین نے انگلی کے برابر گھاس کی چھوٹی سی تھیلی تیار کی جس میں چاول کے اٹھارہ دانے آتے تھے۔ باقی عمر کو اسی مقدار پر قناعت کی۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مرشد بزرگوار کے حکم سے چلے کو بیٹھ گئے۔ چار اخروٹ غذا کیلئے ساتھ اٹھائے۔ دس[۱] دن گزرنے پر ایک اخروٹ توڑ رہے تھے کہ شیخ تشریف لائے۔ پوچھا بابا کیا توڑ رہے ہو؟ التماس کی اخروٹ توڑ رہا ہوں۔ شیخ فرمائے۔ میں نے خیال کیا تھا۔ کہ نفس[۳] کو توڑ رہے ہو۔ تم تو ابھی اخروٹ ہی کے خیال میں پھنسے ہو۔ جب چالیس[۴۰] دن گزرنے پر چلے[۳] سے نکلے چاروں اخروٹ پیر بزرگوار کے آگے رکھدئے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت بابا مشقت اور محنت والی ریاضتوں کے کرنے میں جانباز حضرت شیخ العالم کے محرم راز۔ ان کی صحبت اور ہم نشینی میں ممتاز۔ ریشیوں اور فقیروں کی خدمت کے کارساز تھے۔ حضرت شیخ کے کشمیری ملفوظات کثرت سے انہی کی طرف خطاب کئے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب بابا نصرالدین کی عمر آخر کو پہنچی تو ایک رات کو حضرت شیخ نے خواب میں فرمایا۔ "تو نے بہت تکلیف اٹھائی اب میرے پاس آجاؤ۔ اور ملک جوگی رینہ کو چرار میں ریشیوں کا ذمہ دار بناؤ"۔ جب آنکھ کھلی تو نہایت متفکر ہوئے۔ کہ ملک جوگی رینہ کو جو سلطان کا وزیر ہے۔ کیونکر اس مشکل کام کا ذمہ دار بنا سکتا ہوں۔ لیکن پیر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں ملک جوگی رینہ کے پاس گئے۔ اور شیخ کا پیغام سنایا۔ اس نے اس ذمہ داری لینی قبول نہ کی۔ بابا نصرالدین واپس آئے۔ ملک جوگی رینہ کے دل میں اسی رات کو ایک زبردست انقلاب آیا۔ بے قراری اور بے آرامی میں کپڑے پھاڑے۔ نعرہ لگاتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے بابا کے پاس آیا۔ دیکھا کہ حضرت بابا بیمار ہو کر بستر[۳] پر ہیں۔ بیمارداری کی خدمت میں لگ گیا۔ اور ان کی ایک نظر سے مقام اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ حضرت بابا نے کئی دن بیمار رہ کر رحلت فرمائی۔

اور شیخ العالم رح کے مقبرے کے حدود ہی میں دفن ہوئے۔ تاریخ:-

سال وصلش باز پرسیدم ز عقل عارف باللہ نصر الدین بگفت ۸۵۵ھ

بابا قیام الدین ریشی رح

حضرت شیخ العالم رح کے یاروں میں سے تھے۔ جوانی کے دنوں ہی میں مشہور مشایخوں اور خدارسیدہ ریشیوں کی صحبت میں بلند درجہ پایا تھا۔ اور اگر کچھ کمی تھی۔ اس کی تکمیل حضرت شیخ العالم رح کی خدمت کی۔ اور پرگنہ دیوہ سر کے ایک گاؤں منز گام میں ایک ٹیلے پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ وہاں ایک خوبصورت چشمہ تھا۔ اس چشمہ کے کنارے پر سوکھی ہوئی ٹہنی کی ایک کٹیا بنائی۔ اور خشک ٹہنیاں خدا کی مرضی سے گاڑتے ہی سبز ہو گئیں۔ اور مدت تک موجود تھیں حضرت بابا نے ساری عمر کو صرف وپل ہاک (جنگلی ساگ) سے افطار کیا۔ ساری عمر کو ایک ہی خرقہ (گدڑی) پہنا۔ صرف چمڑے اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ وفات پاکر وہیں دفن ہوئے۔

لچھم ریشی

شیخ العالم کے مصاحبوں میں سے تھے۔ ریاضت۔ عبادت۔ مجاہدہ اور نفس کشی میں ساری عمر بسر کی۔ جنگلی ساگ کے سوا کبھی کوئی چیز نہ کھائی۔ رحلت کے بعد حضرت شیخ العالم کے پاؤں کی طرف (قبر کے جنوب میں) دفن ہوئے۔

بابا غلام الدین

حضرت میر محمد ہمدانی رح کے کامل اور مکرم تربیت یافتوں میں سے تھے۔ ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور عزت کی نگاہ دیکھے جاتے تھے۔ جب حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہ نے حضرت شیخ العالم کو خط ارشاد عطا کیا۔ حضرت شیخ العالم نے التماس کی کہ بابا غلام الدین کو مجھے دیں۔ حضرت میر رح نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو حضرت شیخ کے حوالے کیا۔ اس کے بعد یہ حضرت شیخ ہی کے ساتھ رہے۔ اور طریقت کے منازل طے کر کے بہت بڑا رتبہ پایا۔ حضرت شیخ العالم کی وفات

کے بعد کوہ بھاگ دامن کے ایک گاؤں بربن میں گوشہ نشینی اختیار کی اور وہیں وفات پا کر دفن ہوئے۔ کہتے ہیں کہ صحیح النسب سید تھے۔

بابا بدرالدین۔ بابا صدرالدین۔ دتی ریشی!

تینوں ریشی حضرت شیخ العالم کے خلیفہ تھے۔ عابد۔ کامل اور پرہیزدہ خدا ترسی میں بے بدل تھے۔ پرگنہ بانگل کے گاؤں ساتی[۳] میں مدفون ہیں۔

سوزن ریشی

پرگنہ شاہ آباد کے ایک گاؤں ہلر بن ایک درخت کی کھوکھ میں بیٹھکر جلاہے کا کام کرتے تھے۔ اور خشک زاہدی (شریعت کی سخت پابندی میں صفائی قلب کے بغیر ہی نمازیں اور وغیرہ عبادت کرنا) کا بڑا غرور رکھتے تھے۔ حضرت شیخ کی جب اس سے ملاقات ہوئی تو حضرت شیخ کو اس کی اندرونی حالت ظاہر ہوئی۔ اور دیکھا کہ درخت کے کھوکھ کی طرح اندر سے خالی ہے۔ اور بے ثمر درخت ہے۔ ریشی نے حضرت شیخ کے ساتھ بڑی گفتگو اور بحث و مباحثہ کیا۔ حضرت شیخ کی توجہ نے اپنا اثر کیا اور وہ اپنے خیالات پر شرمندہ ہو گیا۔ اور اپنے قصوروں کا اقرار کیا۔ بیعت کی۔ مرید ہو گیا۔ اس کے بعد موضع براں بون میں گوشہ نشین ہو کر اپنی باقی عمر مجاہدہ اور ریاضت میں گزار کر حقیقت شناسی کا اعلیٰ رتبہ حاصل کیا۔ جب رحلت فرمائی، بنگرواری میں دفن ہوئے۔

بابا لچھم ریشی ثانی (دوسرا)

حضرت شیخ العالم کے مریدوں میں سے تھے۔ بڑے بزرگ اور عالی مرتبہ ریشی تھے۔ موضع تھجوارہ میں ایک ٹیلے پر دفن ہیں۔

مولانا نایک ریشی

بڑا عالم عامل۔ فاضل اور کامل آدمی تھا۔ تمام علموں میں کمال رکھتا تھا۔ ایک دن نہایت شان و شوکت

اور عزور سے حضرت شیخ کو امتحان کرنے (آزمانے) کیلئے روبہ وان آیا۔ اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی۔ حضرت شیخ ایک پتھر پر (جو آج تک اسی جگہ ہے۔) بیٹھے تھے۔ ملا مانک بھی آکر پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور بات چیت۔ بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ مُلا مانک کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے پتھر پر چڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ سارے اسی پتھر پر بیٹھ گئے۔ پتھر پر مشکل سے دو آدمیوں کی جگہ تھی۔ مولانا لاجواب ہو کر ہار گئے۔ حضرت شیخ کی توجہ نے وہ اثر کیا کہ اسی وقت ترک دنیا کا عہد دل سے کیا۔ حضرت شیخ نے طریقت۔ معرفت اور حقیقت کے نکتے بتائیے۔ مُرید ہو گیا۔ بیعت لی۔ اسکے بعد باقی عمر پرہیز گاری اور خدا کی بندگی میں گزاری۔ روحانیت میں بھی فاضل اور کامل ہو گئے۔

بابا تازدین ریشی

سُلطان کے کوتوالی کے محکمہ کے افسروں میں سے تھا۔ بڑا قہر اور غضب والا آدمی تھا۔ جب حضرت شیخ کی بی بی نے اپنے اور بچوں کے نان نفقہ کے لئے سلطان کے پاس استغاثہ (فریاد تحریری) کیا۔ سُلطان نے تازدین کو شیخ کی کچہری میں لاکر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب تازدین گپھا کے دروازے پر پہنچا۔ حضرت شیخ غار کے دروازے پر نکلے۔ اور اس پر جلال (غصہ کے ساتھ بزرگی) کی نظر ڈالی۔ کوتوال بے ہوش ہو کر گرا۔ جب ہوش میں آیا۔ حضرت کے پاس جا کر توبہ کی۔ اور عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ وردی اتار دی۔ ریشیوں کی گدڑی زیب تن کی۔ عبادت الٰہی میں ایسا مصروف اور مشغول ہو گیا۔ کہ بلند مرتبہ ریشیوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ جب رحلت فرمائی دنزہ ہیل میں دفن ہوئے۔

بابا قطب الدین معروف بہ کٹی پنڈت

دیدا اور شاستر کا بڑا پنڈت (عالم تھا۔ حضرت شیخ سے تھوڑی سی میل ملاپ اور عقیدت تھی۔ حضرت کی رُوحانی کشش سے اسلام قبول کر کے ریشیوں کے حلقہ میں داخل ہوا۔ لگاتار حضور انور کی خدمت میں رہتا تھا حضرت شیخ العالم کے شعروں کو سنسکرت خط میں (اکھروں میں)

لکھتا تھا۔ ان کے ملفوظات کو کتابی شکل اسی نے دی ہے۔ حضرت شیخ العالم کے احاطے میں دفن ہوئے۔

سنگرام ڈار[۳]

چرار کا باشندہ۔ نامور اور صاحب ثروت آدمی تھا۔ ازلی یاوری کی سعادت سے حضرت شیخ سے خدا کی طرف رجوع کرنے کا شرف پایا۔ ریاضت و عبادت اور مجاہدۂ نفس میں حد سے بڑھکر کوشش کرتا تھا۔ اسی کی منت وزاری پر حضرت شیخ رُوپہ ون سے اٹھکر چرار تشریف لائے۔ اور اسی کے باغ میں سات سال گزارے۔ اس عرصہ میں حضرت کبھی رُوپہ ون جاتے تھے۔ کبھی کشمیر کے دوسرے علاقوں میں سیر کرنے کیلئے جاتے تھے۔ لیکن قیام گاہ چرار اور یہی باغ تھا۔ سنگرام ڈار نے حضرت کی خدمات مالی طور پر اور جانی طور پر جیسے چاہئے تھی بجا لائی۔ بلند ہمت اور وسعت دل رکھنے والا تھا۔ وفات پر چرار میں دفن ہوا۔ اس کی ذریت (اولاد) آج تک چرار میں درگاہِ عالی کے خادم ہے۔

رُوپہ ریشی

حضرت شیخ العالم کے مرُیدوں میں سے تھے۔ بڑے ریاضت کش اور محتاط تھے۔ موضع ۔ پرگنہ وترہیں رحلت فرمائی۔

سدہ ریشی[۳]

حضرتِ شیخ العالم کے خلیفوں میں سے فاضل۔ کامل اور عامل عارف تھے۔ جب واصل بحق ہوگئے ضلع کھل نارہ واو میں دفن ہوئے۔

بابا ہی دین ریشی۔ بابا زینی ریشی اور فیروز ریشی سُودہ ریشی کے خلیفے تھے۔ تینوں بزرگ مرشد کے مزار میں دفن ہیں۔

بابا فیروز ریشی[۱]

حضرت شیخ العالم کے مرُیدوں میں سے تھے۔ چوٹی کے عارف اور ریشی تھے۔ پرگنہ ناگام کے بانہپ گاؤں میں دفن ہیں۔

بابا گلاب ریشی

حضرت شیخ کے تربیت یافتہ مریدوں میں سے تھے۔ ریاضت کش تھے۔ کہل نارہ داوہ میں دفن ہیں۔

سُدؔ شیرہ کنٹھ

باپنور میں ایک ریاضت کش اور نفس کش برہمن تھا۔ مندر میں پوجا پاٹ کرتا تھا۔ ایک دن للہ عارفہ مندر میں آئی۔ اور پنڈت سے کہا۔ میں یہاں پاخانہ کرنا چاہتی ہوں۔ برہمن بولا یہ ایشور کی جگہ ہے للہ عارفہ بولی۔ جو جگہ خدا کی نہیں مجھے وہ دکھا دو۔ تاکہ میں ٹٹی پھیر لوں۔ اور بحثا بحثی شروع ہو گئی۔ برہمن پر بڑا اثر ہوا۔ للہ عارفہ کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں چلا گیا۔ حضرت سے طریقت اور معرفت کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ لیں۔ موزوں جواب پائے مسلمان ہو گئے۔ اسلامی طریقے کی ریاضت و عبادت میں مصروف اور مشغول ہو گئے۔ اور کمال کا درجہ حاصل کیا۔

بہت بی بی

حضرت شیخ العالم کی مُرید تھی۔ اسکی کلام فنا فی اللہ میں بہت بلند ہے۔ اور اس کی ریاضت بے مثال۔ کہتے ہیں کہ بہت بی بی اور دہت بی بی دریہ گام کے پٹواری کی بیٹیاں تھی۔ جنہوں نے سبز گھاس کاٹنے کے دن کے موقعہ پر حضرت شیخ سے گفتگو کی تھی۔ اور حضرت شیخ نے ان کی۔

(باقی دوسرے صفحہ جو آگے سامنے آنکلے ملاحظہ فرماویں)

بالوں سے خبردار ہوکر جنگلی سبزی ترکاری کھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ حضرت شیخ نے ان پر رحم کی نظر ڈالی تھی۔ اور دونوں مسلمان ہوگئی تھیں۔ اور دونوں حضرت شیخ کی خدمتگزاری میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے بھی تیار رہوتی تھیں۔ ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہ کر ریاضت اور عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ طریقت اور سلوک میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ بعض مورخ کہتے ہیں۔ کہ یہ وہ لڑکیاں نہ تھیں جنہوں نے حضرت شیخ سے گفتگو کی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بہت بی بی نے تمام عمر کو اپنی کمائی سے جَو کی روٹی کھائی۔ اور کہتی تھی۔ کہ میں نے اس میں حد سے بڑھکر فائدہ پایا۔ اور کہتی تھی۔ کہ بندہ کا وجود خدا اور بندہ کے درمیان سب سے بڑا پردہ ہے۔ کہتی تھی کہ اپنے آپ کو کاموں کا کرنے والا خیال کرنا سب سے بڑا شرک ہے۔ کہتی تھی۔ جس نے اپنے آپ کو مٹا دیا اور اپنی ہستی سے چھٹکارا پایا۔ اس نے غمخول سے خلاصی پائی۔ امید وبیم۔ رنج وغم۔ سے نجات پائی۔ کہتی تھی کہ اگر حضرت شیخ میرا پیر نہ ہوتے تو خود خدا میرا رہبر ہوتا۔ ایسی معرفت سے بھری ہوئی باتیں اسکی بے شمار ہیں۔ زالنو کے گاؤں میں دفن ہوئیں۔

دہت بی بی

یہ بھی حضرت شیخ العالم کے مریدوں میں سے تھی۔ اکثر مورخوں میں اتفاق ہے۔ کہ یہ بہت بی بی کی بہن تھی۔ کچھ پیر کہتے ہیں کہ حقیقی بہن نہیں تھی۔ روحانی بہن تھی۔ بڑی صاحب کمال اور حال تھی۔ بلند پایہ کی باتیں کہتی تھی۔ جب میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت میر نے فرمایا۔ اے شیخ! گھوڑے کو کیوں اتنا دبلا بنا دیا ہے۔؟ شیخ نے کہا! کچا سوار ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اڑ بیٹھے اور سرکشی کرے۔ مجھے راستے میں ہی کہیں گرا دے۔ بہت بی بی اور دہت بی بی۔ دونوں حاضر تھیں۔ دہت بی بی نے کہا۔ منزل رسیدوں کو سواری (گھوڑے) اور کی وہ (کاٹھی) کی فکر نہیں ہوتی ہے۔ حضرت میر نے پوچھا منزل رسیدہ کون لوگ ہیں؟ بی بی نے کہا۔ جو اپنے آپ سے چھوٹ گئے ہیں۔ حضرت میر نے پوچھا۔ تو نے اپنے آپ سے رہائی پائی ہے؟ بی بی نے کہا۔ اگر میں نے اپنے آپ سے رہائی نہیں پائی ہوتی تو ایسی مقدس مجلس میں کیونکر بھیدوں کی واقف باتوں میں گستاخ ہوتی۔ حضرت میر نے سوال کیا۔ تو بیٹی ہے یا بیٹا؟ کہا اگر نیست (کچھ نہیں ہوں) ہوں پھر نہ میں لڑکی ہوں نہ لڑکا۔ اگر ہست (کچھ ہوں) ہوں تو میں پھر کچھ بھی نہیں ہوں۔ حضرت میر نے پوچھا۔

کس بات سے تجھے یہ شادکامی ملی ہے؟ کہا! اس بات سے کہ میں نے روحانی موت سے نجات پائی ہے۔ حضرت میر نے فرمایا۔ نہایت معنی خیز باتیں سنا رہی ہو۔ بولی مقدس مجلس میں مقدس کلام چاہیئے۔ حضرت میر نہایت خوش ہو گئے۔ اور حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر فرمائے۔ گوشت کھانا کیوں چھوڑ دیا ہے۔؟ دیت بی بی بولی۔ ہمارے مذہب میں جان کو آزار پہنچانا حرام ہے۔ اس واسطے جاندار کو ذبح (مارنا۔ حلال کرنا) نہیں کر سکتے ہیں۔
حضرتِ میر نے فرمایا! ذبح تو دوسرے کرتے ہیں اور ہمارے پاس پاک اور حلال گوشت پہنچتا ہے بی بی بولی۔ پھر بھی جائز نہیں۔ کیوں کہ ہر جانور کی بنیاد حرام مغز (ریڑھ کی ہڈی کا گودا) ہے۔ اور وہ حرام ہے۔ حضرت میر نے سوال کیا۔ تمام پیغمبروں اور خاص سے خاص ولیوں (خدادوستوں) نے پھر کیوں کھایا؟ بولی۔ وہ اس مقام پر پہنچے تھے۔ کہ یہ چیزیں ان پر حلال ہو گئیں۔ اور عام لوگ ان کے پیرو ہیں۔ اور ہم ابھی اس جگہ پر نہیں پہنچے کہ یہ سارے چیزیں ہم پر حلال ہو جاتی پھر لڑکی بولی۔ یا حضرت میر شیخ سے سوال پوچھنا تھا کہ دنیا اور آخرت دونوں کو کیوں اپنے آپ پر تو نے حرام کئے۔ تاکہ میں جواب دیتی دنیا کیا ہے۔ اور آخرت کیا ہے۔ اور خدا کے پیاروں نے ان دونوں کو اپنے آپ پر کیوں حرام کر دیا ہے۔ جس شخص کے لئے دنیا اور عقبےٰ حرام ہیں۔ اس کے لئے گوشت حلال ہونے یا حرام ہونے کی تو بات ہی کیا ہے۔ حضرت میر ان جوابوں سے بہت ہی خوش ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔ اگر میں اچھی قسمت والی ہوں گی تو میری قبر جہاں حضرتِ میر بیٹھے ہیں اسی جگہ ہو گی۔ دوسری بولی اگر میں ازلی سعادت مند ہوں گی۔ میری قبر اسی جگہ ہو گی۔ جہاں اسوقت حضرت شیخ بیٹھے ہیں اور خدا کی مرضی سے یہی عمل میں آیا۔ دونوں زالوسہ[2] میں انہیں دو جگہوں پر دفن ہیں۔

شنگہ بی بی معروف بہ یاون مشری

پری پیکر دلربا و دلآرام۔ گل رخسار[3] و گل اندام حسن و جمال میں پرستان کی پریوں کو شرمانے والی۔ ناز ادا سے دلوں کو موہ لینے والی۔ حزیں سریلی دلکش آواز سے نغمہ سرائی میں بلبلوں اور ہزار داستانوں کو خاموش بنانے والی۔ رقص و ناچ اور رنگ رلیوں میں ناز و ادا اور غمزہ کرشمہ کی ایک جھلک سے منزل رسیدہ عابدوں اور زاہدوں کو زلف کی ایک تار مو میں پھنسا کر ایمان چھیننے والی مشہور رقاصہ تھی۔ لوگ اس کو یاون مشری۔

(دیوانگی کی شکل میں حسن شباب کا ظہور) کہتے تھے۔ حضرت شیخ کے حالات میں اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ کہ جب کچھ شریر لوگوں کے لالچ دینے اور اکسانے پر یہ لوشہرہ کی عبادت گاہ پر حضرت شیخ کو نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے آزمانے کے لئے گئی۔ اور اپنے حسن و شباب ناز و انداز سے اور نغمہ سرائی کے بل بوتے پر دروازہ پر پہنچی۔ حضرت شیخ دروازے پر آئے غضب اور قہر کی ایک ہی نگاہ سے اس کے حسن و جمال کو بدل ڈالا۔ گلا بیٹھ گیا۔ شباب کا رنگ اڑ گیا۔ دل کی دھڑکن۔ بدن میں تھرتھراہٹ۔ ٹانگوں میں سستی ایسی ہو گئی۔ کہ اٹھنا اور بولنا محال ہو گیا۔ چیخی چلائی۔ روئی پیٹی۔ تڑپی۔ تلملائی۔ عجز و زاری کی رنگ شباب اڑ نا تھا اُڑ گیا۔ رنگ ہی نہیں۔ بلکہ خود شباب بھی جوانی کی امنگوں۔ امید دل چلبلاٹ شوخی اور طنازی کا جنازہ نکلا۔ دریائے رحمت میں جوش آیا۔ دل میں امید اور نجات کی ایک کرن دکھائی دی حضرت شیخ کے پاؤں پڑ گئی۔ "خطا کار کو معاف کیجئے اور دامن میں جگہ دیجئے" توبہ کی۔ عقیدت مند مریدوں میں داخل ہو کر حقیقی فیض سے مالا مال ہو گئی۔ عبادت۔ بندگی۔ ریاضت اور نفس کشی اب پیشہ ہو گیا۔ بڑے بڑے بزرگوں اور خدا دوستوں کی خدمتگزاری اور ہم نشینی کی برکتیں حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت شیخ کا انتقال ہوا۔ تو یہ آستانہ کے دروازے پر مرتے دم تک مجاور رہی۔ جب اس کا انتقال ہوا۔ تو روضۂ عالی کے آستانہ کے نیچے دفن ہوئی۔

دتہ بی بی

حضرت شیخ کی ریاضت کش اور جانباز مرید تھی۔ لوشہر کے متصل محلہ پھکری کے محلہ میں دفن ہیں۔

بڑی سلابی بی چھوٹی سلابی بی

دونوں حضرت شیخ العالم کی مریدہ تھیں۔ خدا رسیدہ عارفہ تھیں۔ مقبرہ شریف کے احاطے میں دونوں دفن ہیں۔

حضرت بابا بام الدین کے خلیفے

بابا رحب دین

حضرت بابا بام الدین کے خلیفوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ تین بھائی تھے۔ اور تینوں فوجی افسر تھے۔ پرگنہ مارتنڈ کے ایک گاؤں ناگہ ماران کے رہنے والے تھے۔ ایک دن شراب کا مٹکا ساتھ

لے کر جا رہے تھے۔ راستے میں بابا بام الدین ملا۔ اور شراب کا مٹکا اس پر لادیا۔

جب گھر پہنچے حضرت بابا سے کہا اب ساقی بن جاؤ۔ پیالوں میں شراب بھر بھر کر ہم کو پلاتے جاؤ۔ حضرت بابا نے ساقی بننا مان لیا۔ اور پیالوں میں شراب انڈیلنے لگے۔ اور جس پیالے میں شراب ڈالتے تھے۔ پیالہ دودھ سے بھرا جاتا تھا۔ جان گئے۔ کہ یہ شخص بڑا بزرگ خدادوست ہے۔ پوچھا۔ تمہارا کیا نام ہے؟ کہا۔ بابا بام الدین۔ اسی وقت تینوں نے معافی مانگی۔ اور توبہ کی۔ اور ان کی خدمتگذاری میں لگ گئے۔ بابا نے ایک کا نام رجب دین۔ دوسرے کا نام شکور دین۔ اور تیسرے کا نام فخر الدین رکھا۔ ان میں سے شیخ رجب دین کرارگام ناگہ مارن میں گوشہ نشین ہوگیا۔ متقی اور پرہیزگار رہا۔ بے شمار لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ ناگہ مارن میں بعد وفات دفن ہوا۔

بابا شکور الدین

رجب الدین کے بھائی تھے۔ پہلا نام شوگہ میر تھا۔ جب بابا بام الدین سے تربیت حاصل کی بابا شکور الدین کا خطاب پایا۔ کچھ عرصہ بھائی کے ساتھ کراریگام میں خلوت نشین ہوئے۔ اور جنگلی ساگ (ڈیل ہاک) کے بغیر کچھ نہیں کھاتے تھے۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں بڑی شان رکھتے تھے۔ آخر میں مٹن ٹور چلے گئے اور خدا کے پہنچاننے میں عمر بسر کی۔ اور اسی گاؤں میں دفن ہوئے

بابا فخر الدین

بابا رجب دین کے تیسرے بھائی تھے۔ خدا کے راستے میں سرفروش اور جانباز تھے۔ اوّل تو حضرت بابا بام الدین سے سلوک کے اسرار سے واقفیت حاصل کی۔ اور حضرت بابا زین الدین سے اس کی تکمیل کی۔ بعد میں بابا دریا الدین کے ساتھ بھاگ کے پہاڑ پر عبادت و ریاضت میں عمر گذاری جب وفات پائی تو بابا دریا الدین کے مقبرہ سے ذرا نیچے کریوہ میں آرام پایا۔

صبور ریشی

حضرت بابا بام الدین کے خلیفوں میں سے تھے۔ خدا طلبی میں کامل اور فاضل تھے۔ مجاہدہ اور مشاہدہ میں عمر بسر کی ۸۷۲ھ میں رحلت فرمائی اور پرگنہ کوٹھام کے گاؤں مالکس میں پہاڑ پر دفن ہوئے۔

میر حسین ریشی

صوم ریشی کے خلیفہ تھے۔ عبادت خدا۔ پرہیزگاری۔ نفس کشی۔ اور خلوص میں بے نظیر تھے۔ سنہ ۹۱۰ میں مرشد بزرگوار کے پہلو میں ابدی آرام پایا۔

بابا نوروز ریشی

حسن جمال اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ اٹھتی جوانی میں راہِ خدا دریافت کرنے کا شوق سینہ میں ابھرا۔ اور شیخ رجب الدین سے تربیت لی۔ نفس کشی اور عبادت و ریاضت میں نڈر اور بہادر تھے۔ حضرت بابا رجب نے منع کیا تھا۔ کہ گاؤں کی سیر کو کبھی نہ جائے۔ تقدیر کے موجب ایک دن اپنے یار دوستوں کے ساتھ گاؤں چلے گئے۔ اور ایک لڑکی اس پر عاشق بیہوش ہو گئی۔ یاروں نے یہ کیفیت حضرت بابا کو رات کے وقت سنائی۔
حضرت رجب بابا غصے میں ہو کر نوروز بابا پر ٹوٹ پڑا۔ قہر میں کہا۔ یا تو میری نظر سے دور ہو یا میں تمہاری نظر سے دور ہو جاؤں گا۔ نوروز ریشی بھاگ گئے۔ بھاگتے بھاگتے گذری گام گاؤں میں چلے گئے۔ اور وہاں ایک بہت بڑے دولت مند سنتی پنڈت کے گھر میں چلے گئے۔ اور سنتی پنڈت کو کہا۔ کہ میں حج کو جانا چاہتا ہوں۔ مجھے خرچ کے لئے کچھ دیدو۔ اس نے کہا۔ تم پر حج تو فرض نہیں۔ خوشی سے میرے گھر میں بیٹھئے اور خدا کی بندگی کیجئے۔
نوروز ریشی کو یہ بات پسند آئی۔ اور اس کے گھر کی ایک کوٹھڑی میں تنہا بیٹھ گئے۔ اور اسکی بیوی کے بغیر کسی کو منہ نہ دکھایا۔ اور چھ برس گذرنے تک گاؤں کے لوگوں میں سے کسی کو اسکی خبر نہ لگی۔ چھ برس گذرنے پر رجب ریشی کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور نزع کے وقت درگاہ کے ریشیوں نے جمع ہو کر عرض کی۔ کہ آپ کے بعد آپ کے خلافت کے لائق کون شخص ہے؟ حضرت بابا نے فرمایا۔ کہ میری عمر کا سرمایہ گذری گام کے سنتی پنڈت کے گھر میں امانت ہے۔ اس کو لانا اور میری خلافت کی گدی پر بٹھانا۔
ریشیوں نے حضرت رجب کی تجہیز و تکفین و تدفین کے بعد سنتی پنڈت کے گھر جاکر نوروز بابا کو لایا۔ اور رجب کی جگہ بٹھایا۔ اور تین برس خلافت کی۔ ایک دن گاؤں والوں نے سنتی پنڈت کو پندرہ لاکھ پیسوں کے خورد برد (غبن) کی تہمت لگا کر حکام کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ اور دعویٰ ثابت کر کے سنتی پنڈت کو رقم ادائے گی کے لئے نہایت تنگ کیا۔

سنتی پنڈت نوروز بابا کے پاس آیا۔ نوروز بابا نے گذری گام جاکر زمینداروں کو دلاسا مدار کرکے
اپنے حقوق سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا۔ زمینداروں نے التماس کی کہ اگر جناب مہمانداری
قبول فرماکر یہاں ہی کھانا کھائینگے۔ تو ہم آپ کے لئے دست بردار ہو جائیں گے۔ ریشی نے منظور
کیا۔ اور شرط یہ رکھی کہ سورج ڈوبنے سے پہلے ضیافت تیار ہو۔ دہ باشوں نے غروب آفتاب سے
پہلے ضیافت تیار کی۔ لیکن نوروز ریشی شام ہونے تک مراقبہ (سر اور گردن جھکا کر آنکھیں بند کرکے
یاد الٰہی اور فکر میں رہنا) میں رہے۔ اور جب شام کی نماز ادا کرنے کو اٹھے۔ گاؤں والوں نے کہا۔
حضرت آپ نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے کھانا نہ کھایا۔ اس واسطے ہم شرط کے
مطابق سنتی پنڈت کو حقوق نہیں بخش سکتے ہیں۔ اور اسکو ادائیگی کرنا پڑے گی۔ حضرت
بابا نے فرمایا ابھی سورج نہیں ڈوبا ہے۔ تم کیوں حیلے بہانے کرتے ہو۔ دیکھو! سورج کہاں ہے؟
لوگوں نے دیکھا تو ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ سورج ابھی اونچا تھا۔ گاؤں کے سارے لوگ ان
کے پاؤں پڑ گئے۔ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئے۔ ضیافت ریشی کے سامنے لائی گئی۔
کھانا کھانے کے بعد نماز شام کو اٹھے اور سجدہ میں رب اعلیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے۔ اور
موضع ناگہ نارن میں ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔

بابا ہردی ریشی

بابا رجب دین کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کے بعد نوروز بابا کی خدمت میں رہ کر فیوض
باطنی کا استفادہ کرتے رہے۔ اور مجاہدہ کے زور سے مشاہدہ کے مقام پر پہنچے۔ بابا نوروز
کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ لوگوں کی فائدہ رسانی میں نہایت کوشش
کرتے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے کاشتکاری کر کے روزی کھاتے تھے۔ مریدوں کو کسب و ہنر
سے روزی کمانے پر بڑا زور دیتے تھے۔ درگاہ اور ریشیوں کے روزمرہ اخراجات زراعت
کی کمائی سے پورے کرتے تھے۔ سات برس تک مرشدی کے سجادہ کو زینت بخشی
اپنے مرشد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

بابا نندہ ریشی

بابا نوروز ریشی کے مرید تھے۔ پرہیزگار۔ پابند شریعت۔ روشن ضمیر اور صاحب کشف و کرامات

تھے۔ چوبیں برس تک خلوت میں رہ کر عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ عورت کے منہ کو کبھی نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اپنی بہن کو اپنے پاس آنے نہ دیتے تھے۔

ایک دن مریدوں سے فرمایا۔ کل ایک چور آئے گا جو تو تمہارے قناعت کے خزانے توکل کے سرمائے کو لوٹ لے گا۔ دوسرے دن ایک نیک اور صالح عورت مالکہ نامی آئی۔ آکر التماس کی "حضرت! میں ایک خرواری زرعی زمین خرید کر حاصل کی ہے۔ اور میں درگاہ کے ریشیوں کے لئے اس کو وقف کرانا چاہتی ہوں۔ بابا نندہ ریشی نے تسلیم نہ کیا۔ لیکن مقام کے ریشیوں نے ترغیب دے کر تسلیم کرا دیا۔ اس رقبہ کا نام مالکہ کے نام پر مالک خرواری رکھا۔ حضرت بابا نے بہار کے موسم میں حکم دیا کہ اس زمین میں مٹی بوئیں۔ تاکہ توکل کے سرمایہ میں کوئی خرابی اور نقص نہ آنے پائے۔ ریشیوں نے ویسا ہی کیا۔ کچھ مدت کے بعد بی بی مالک اسی زمین پر گذری۔ رقبہ کو بیکاشت دیکھ کر نہایت آزردہ ہوئی۔ اور بابا کے پاس آکر التماس کی۔ کیوں میری نیت کو آپ نے ضائع فرمایا۔ اور زمین بغیر کاشت کے رکھ دیا۔ حضرت بابا نے کہا۔ آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ میں نے کاشت کرائی ہے۔ دوسرے دن دیکھتے ہیں کہ زمین شالی کے پودوں سے ڈھاپی ہوئی ہے۔ اور فصل کاٹنے پر ایک سو خرواری شالی لنگر کے خرچ کے لئے برآمد ہوا۔ جب حضرت نے اس دنیا سے نقل کیا۔ مرشد کے پاس ہی دفن ہوئے۔

بابا حاجی ریشی

نندی ریشی کے مریدوں میں سے تھے۔ عجیب و غریب حالات و کمالات رکھتے تھے۔ ایک دن لنگر کے باورچی نے اس کو گرم چاول کھانے کو دئے۔ حاجی نے چاول کی تھالی کوٹھڑی میں رکھی۔ اور دروازے کو قفل لگا کر نندی ریشی کے پاس آئے۔ حضرت ریشی نے کسی قصور کے لئے اسے ڈانٹا اور غضب سے کہا مجھ سے دور ہو۔ اسی وقت بھاگ گیا اور حج کو چلا گیا۔ بارہ برس کے بعد جوگیوں کے بھیس اور لباس میں آیا۔ اسکے پہنچنے سے پہلے بابا نے فرمایا تھا۔ کہ یہاں کا مالک آج پہنچیگا۔ اور تھوڑی دیر بعد حاجی دروازے سے اندر آیا۔ حضرت بابا نے قصور معاف کر کے فرمایا۔ اپنی کوٹھڑی میں جاؤ۔ جب حجرہ کی طرف گیا۔ تو قفل اسی طرح لگا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ تھالی اسی جگہ دیکھی۔ اور چاول اسی طرح گرم تھے جس طرح ۱۰ برس پہلے اس نے لنگر سے لائے تھے۔ نہایت حیران ہوا۔ اور یہ چاول درگاہ کے سارے رہنے والوں

میں بانٹ دئے۔ جب حضرت بابا نے سُنا تو بہت ہی افسوس کیا۔ اور کہا کہ خدا کے بھید دل میں سے ایک بھید کھل گیا تھا۔ اور تو نے اس کو فاش کر دیا۔ اب اس کی سزا دیکھو گے اور ریشیوں کی ایک جماعت میں خرابی آئے گی۔ اور یہ جگہ بے رونق ہو جائے گی۔

تندی ریشی کی دفات پر باباحاجی اس کا جانشین ہوا۔ لیکن دو ہی سال گذرے تھے۔ کہ نابینا ہو گیا۔ ایک دن چوروں کی ایک جماعت نے آکر باندھی ہوئی ایک گھڑی ان کے خادم کے حوالی کی اور کہا کہ ہمکو حکومت ستارہی ہے۔ یہ مال اپنے پاس رکھ دو۔ چوروں کو توال بھی تعاقب میں بھی پہنچا۔ اور مال مسروقہ سالم کا سالم پکڑ لیا۔ اور حضرت بابا کو عبادت خانہ سے نکال کر چراگاہ تک پہنچا دیا۔ جونہی چراگاہ میں پہنچے گائیں چاروں طرف سے دوڑتی ہوئی آئیں۔ اور پولیس کے سپاہیوں پر حملہ کیا۔ اور حضرت بابا کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا دیا۔ حضرت بابا واپس مقام پر آگئے۔ بات نکل کر مشہور ہو گئی۔ اور لوگ جوق جوق ان کی خدمت میں آنے لگے۔ وفات کے بعد مرشد بزرگوار کے پہلو میں آرام کی نیند سو گئے۔

باباشمس الدین

اُن کا گھر مروارڈون میں تھا۔ جب حضرت بابا بام الدین سے بعیت لی۔ تو موضع کردن میں آئے۔ یہاں عبادت۔ ریاضت اور نفس کشی سے اتنا کمزور اور لاغر (دُبلا پتلا) ہو گئے کہ اٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ خدمت گذاروں نے ان کو ایک تابوت میں رکھا اور اُسی میں اپنی طاقت کے موجب عبادت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک سپاہی ان کا مرید ہو گیا تھا۔ اور وہ تبت کی لڑائی کو فوج کے ساتھ چلا گیا۔ ایک دن اس کے گھر والوں کو اسکے مارے جانے کی خبر ملی۔ اسکی بیوی حضرت بابا کے پاس آئی۔ اور نہایت عاجزی کی۔ بابا نے فرمایا تم وسواس اور اندیشہ مت کرو۔ جو گولی اس کے بدن میں لگی۔ وہ میں نے اسکو اپنی گدڑی پر لے لیا۔ سپاہی کی عورت نے یہ بات لوگوں کو سُنادی۔ اور راز افشا کر دیا۔ حضرت بابا نے سُنا۔ ناراض ہو گئے۔ اور اس گاؤں سے ڈیرہ اٹھا کر نارنگام چلے گئے۔ جب سپاہی واپس گھر آیا۔ تو اس نے بابا کی بات کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ جو گولی میرے بدن پر آئی تھی حضرت بابا حاضر ہو کر۔ اپنی کلاہ میں لیتے تھے۔ سپاہی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر اس کے گاؤں میں آنے کیلئے بہت منت وسماجت کی۔ بابا نے منظور نہ کیا۔ سپاہی کو کہا تو ہر ہفتے

میں ملاقات کو آؤ۔ خیال رکھو کہ گویا میں تمہاری ہی گاؤں میں ہوں۔ تاریگام میں ان کی زیارت مشہور ہے۔

میر ی ریشی

باباشمس الدین کے مریدوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت بابا نے اسے اذان دینے کے لئے کہا۔ اس نے ذرا دیر کی۔ اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اذان دی۔ باباشمس الدین نے ٹھہرنے کی وجہ پوچھی۔ کہا۔ آسمان کا مرغا بانگ دے رہا تھا۔ بابا نے اسکی قلبی صفائی کا شکر بجا لایا۔ کہ اُس کے ایک مرید کی دل صفائی اتنی ہے۔ کہ اس کو غیبی باتیں سنائی دیتی ہیں۔ اور دکھائی دیتی ہیں۔ پیر کی ہمسایگی میں دفن ہیں۔

باباحنیف الدین حیدر

پرگنہ لال کے اکہال گاؤں کے باشندے تھے۔ حسن وجمال میں یوسف مثال تھے۔ اعلیٰ پایہ کے خوش خلق۔ نیک سیرت اور خوش خصلت تھے۔ ازلی سعادت کی رہنمائی سے بابا بام الدین کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے بیعت لیکر عبادت۔ ریاضت اور پرہیزگاری کے راستے پر چل کر ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

حیدر بٹ نام تھا۔ مرشد بزرگوار نے حنیف خطاب دیا۔ حضرت بابا کے پاس کچھ مدت گذارنے کے بعد اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ اور سوئرتح گاؤں میں یاد الٰہی میں مصروف ہوئے۔ سوائے دودھ کچھ نہیں کھاتے تھے۔ وہاں سے کسی ناپسندیدہ بات کے دفوع کے موجب اکہال آکر رہنے لگے۔ گاؤں کے باشندوں میں سے ایک نے ان کے کھانے پینے اور اخراجات کی ذمہ داری اپنی آپ پر لی۔ ایک دن بابا کا خدمتگذار بال بچوں کے سمیت کہیں دعوت پر چلا گیا۔ اور ایک عورت نے جو مدت سے بابا کے عشق میں گرفتار تھی۔ موقعہ پاکر بابا اور گھر کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ گھر میں بابا کے سوا کوئی نہ تھا۔ عورت نے بابا کو پھنسا کر شربت وصل سے شہوت کی پیاس بجھانے کا تہیہ کر لیا۔ اور بابا کے پاس آکر منت و زاری کر کے اُس کو مجبور کرنے لگی۔ بابا نے کہا۔ اچھا ذرا ٹھہر جاؤ۔ اور صبر کرو۔ بابا کے پیراہن (لمبا کرتہ۔ فرن) کے اندر انگاروں سے بھری ہوئی کانگڑی تھی۔ چپکے سے عضو تناسل کو کانگڑی میں ڈال کر ساری کا سارا جلا دیا۔ اور بیہوش ہو گیا۔ دو تین دن کے بعد ہوش

میں آیا۔ اور وہاں سے بھاگ کر موضع میگام میں یارہ کے گئے گدڑی گدڑی کو رسی سے ٹانکے لگاتے تھے۔ ۷ رجمید الاول ۸۹۰ھ کشمیری سات ولیشا کھی چتر سدی لو کو وفات پائی۔ اور یارہی میں دفن ہوئے۔

سوزن ریشی

بابا حنیف الدین کے مرید تھے۔ بڑے صاحب کمال تھے۔ ان کے حالات عجیب و غریب تھے ہمیشہ مرشد بزرگوار کی خدمت میں سرگرم رہے۔ ان کی وفات پر ان کے جانشین ہوئے۔ لوگوں کو راہ خدا دکھا کر گمراہی سے بچاتے تھے۔ اپنے پیر بزرگوار کے ساتھ ہی ابدی آرام کی جگہ پائی۔

بابا لدہ ریشی

بابا حنیف الدین کے خلیفہ تھے۔ ریشیوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ عمر بھر جنگلی ساگ کے بغیر اور کوئی چیز نہ کھائی۔ رحلت کے بعد اندر ون کے گاؤں میں پہاڑ کے ڈھلوان پر دفن کئے گئے۔

بابا سمان ریشی

بابا لدہ ریشی کا مرید تھا۔ انسانوں سے بھاگ کر جنگل چلا جاتا تھا۔ جنگل کے وحشی جانور درندے۔ چرندے اور پرندے ان کے پاس آ کر ان کے ساتھ پیار اور محبت کرتے تھے۔ فرمانبرداری کرتے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں اپنے مرشد کے پاس ہی دفن ہیں۔

بابا دلہ ریشی

بابا حنیف کے خلیفوں میں سے تھے۔ زاہد۔ عابد۔ مجاہد اور بندگی خدا میں جانباز تھے۔ موضع اکہال میں دفن ہیں۔ **بابا شوگہ ریشی۔ حاجی ریشی۔ کینی ریشی۔ سنت ریشی۔ رتن ریشی۔ چالاک ریشی اور دنت ریشی۔** ساتوں بابا بام الدین کے مریدوں میں سے تھے۔ خدا رسیدہ اور صاحب کمال تھے۔ ریاضت عبادت۔ پرہیزگاری۔ خدا ترسی۔ اور نفس کشی میں پورے پیرو اپنے پیر کے تھے۔ ساتوں نے مرشد بزرگوار کے مقبرہ میں جگہ پائی ہے۔

بابا نورُوز ریشی دوم

بابا بام الدین کے مُریدوں میں سے تھے۔ ہر رنگ میں کامل ریشی تھے۔ بجباڑہ میں چکدر کی اونچائی پر آرام پائے ہُوئے ہیں۔

شیخ زین الدین کے خلیفے

بابا شمسُ الدین

زین الدین کے پیاروں میں سے تھے۔ پاکیزہ حال اور صاحب کمال تھے۔ بہت سا وقت ان کی خدمت میں گذارنے کے بعد حج کو چلے گئے۔ مکہ شریف میں ایک بزرگ نظر آیا۔ چاہا کہ اس کی بیعت لیں۔ مرد بزرگ نے پوچھا کہ آج سے قبل کس کی خدمت میں رہے شمس الدین نے کہا کشمیر میں ایک اَن پڑھ آدمی زینہ ریشی ہے۔ اس کی خدمت میں تھا۔ اس خدا کے پیارے نے کہا۔ آج رات صبر کرو کل جو ہونا ہے ہوگا۔ اتفاق کے موجب یہ رات جمعہ کی رات تھی۔ حضرت شیخ زین الدین مکہ شریف میں وارد ہو کر اس خدا کے پیارے سے ملے۔ اور اس کو کہا۔ میں وہی اَن پڑھ کشمیری ہوں۔ جس کی باتیں بابا شمسُ الدین نے سُنائیں۔ اور میں ہمیشہ جمعہ کے دن اس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں جب صبح ہوئی بابا شمس الدین آ گئے۔ اس بزرگ آدمی نے اس سے پوچھا۔ تم اس اَن پڑھ آدمی کو پہچان سکتے ہو۔ شمس الدین نے کہا ہاں! مرد بزرگ اس کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ لے گئے۔ حضرت شیخ نماز میں مشغول تھے۔ اور شمسُ الدین نے انہیں پہچان لیا۔ مرد بزرگ نے فرمایا۔ یہ شخص جمعہ کی نماز ہمیشہ یہاں ادا کرتا ہے۔ بتاؤ۔ کس عالم کا یہ کام ہے؟ کس پڑھے ہوئے شخص سے یہ کام ہو سکتا ہے؟ جاؤ اور ان کی خدمت میں رہو۔ شمسُ الدین شرمندہ اور پشیمان ہو گیا۔ اور کشمیر واپس آیا۔ جب شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ تو اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ اس کا پاؤں ٹوٹ جائے۔ اسی وقت اس کا پاؤں پھسل گیا۔ گر کر گھٹنا ٹوٹ گیا۔ حاضروں نے شفاعت اور سفارش کی حضرت شیخ کے سامنے لوہے کی ایک سلاخ تھی۔ فرمایا اسی سلاخ سے اس کے گھٹنے پر تین چوٹ لگاؤ۔ جب تین ضرب لگے۔ تو گھٹنا جڑ گیا۔ اُٹھا اور شیخ کے پاس آ کر پاؤں

پڑ گیا۔ نہایت عجز و زاری کی۔ حضرت شیخ نے معافی دی۔ اس کے بعد باقی عمر شیخ اور شیخ کے خادموں کی خدمت گذاری میں گذار کر آخر میں انہی کے پہلو میں ابدی آرام پایا۔

بابا پیام الدینؒ

بابا زین الدین کے خلیفوں میں سے تھے۔ ان کی جائے ولادت پرگنہ لار کا ایک گاؤں چھندلو ہے۔ بادشاہ کے قریبی مصاحبوں میں سے تھے۔ ایک دن نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں چونٹیوں کی ایک جماعت پر نظر پڑی۔ دیکھا کہ ہر چونٹی منہ میں کوئی نہ کوئی دانہ پکڑ کر بِل کی طرف جا رہی ہے۔ گھوڑی سے اترے اور شام تک حیران ہو کر اسی نظارہ میں محو رہے۔ سوچتے سوچتے خیال آیا۔ کہ چیونٹیاں جاڑے کے لئے کتنی دوڑ دھوپ سے ذخیرہ جمع کر رہی ہیں۔ اور میں آخرت کے خرچہ کے لئے کچھ بھی نہیں رکھتا ہوں۔ توشۂ عقبیٰ کی فکر نے اس پر اتنا اثر کیا۔ کہ سلطان کی نوکری سے مستعفی ہو گئے۔ اور گھر بار چھوڑ کر بابا زین الدین کی خدمت میں جا کر خدا کی بندگی میں مصروف ہو گئے۔ آخر مرشد بزرگوار کے فرمانے میں پرگنہ بانگل کے ایک گاؤں رنبوہ میں چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ یہاں بھوتوں کی آبادی تھی۔ اور بھوت بابا کے پاس آ کر جھگڑنے لگے۔ کہ ہم یہاں سے تب تک نہیں نکلیں گے۔ جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔ حضرت بابا نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور دعا کی۔ اچانک غیب سے کاغذ کا ایک ورق پیدا ہوا۔ جب دیوؤں نے کاغذ کو پڑھا۔ تو اس مکان سے نکل گئے۔ اور حضرت بابا نے اسی جگہ خلوت نشینی میں عمر کے باقی دن گذارے۔
کہتے ہیں کہ جب حضرت بابا نے ترکِ دنیا کیا۔ انہوں دنوں میں ان کی بیوی حاملہ تھی۔ اور اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بالغ ہونے پر لڑکا باپ کے پاس آیا۔ اور ان کی خدمتگذاری کرتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت بابا نے اس کو ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہونے کے لئے بھیجا۔ وہاں اس سے خلاف شرع کام سرزد ہوا۔ اور بات بابا تک پہنچی۔ حضرت بابا نے ہاتھ اٹھائے اور کہا "اے خدا اگر یہ بات سچ ہے تو اس کی جان لے لے؟" دعا کا تیر نشانہ پر لگا۔ اور فرزند دلبند وفات پا گیا۔ بابا پیام الدین کی وفات ۳ ذالحجہ سنہ ۸۸۹ھ کشمیری ۲ وہک مطابق چیت سدی پنچم کو ہوئی۔ رنبوہ میں دفن کئے گئے۔ تاریخ مصنف:۔

(حسن) خرد تاریخ سالِ رحلتِ او بگفتا ہے پیام الدین ولی رفت

بابا دریا الدین

بابا زین الدین کے خاص خلیفہ تھے۔ عجیب و غریب حالات اور کمالات رکھتے تھے۔ ایک مدت تک حضور ہی کی خدمت میں رہے۔ آخر تنہائی نشینی کی اجازت ملی کشمیر کے اطراف کی سیر کی۔ ہر جگہ گئے۔ اور پرگنہ پھاگ کے ایک گاؤں رنگل میں بابا فخرالدین سے ملاقات ہوئی۔ اس کے مشورے سے پہاڑ کے وسط پر ایک غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔
کہتے ہیں کہ غار سے کچھ اوپر ایک بڑا پتھر ہموار ہے۔ جس کو پلنگ کہتے ہیں حضرت بابا اسی پتھر پر بیٹھتے تھے۔ اور ہر جمعہ کی رات کو نماز میں افطار کرتے تھے۔ جمعہ کے دن واپس جاتے اور کھانے کی کوئی چیز ساتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اور دوسرے ہفتہ تک کچھ نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ چوروں کی ایک جماعت گپھا میں گھس آئی۔ اور ریشیوں کا جو سامان تھا۔ لوٹ لیا حضرت بابا کو بھی تکلیف دی۔ غار سے نکال کر چیزیں بانٹنے بیٹھے۔ خدا کے حکم سے سارے چوروں کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اب جائیں تو کہاں جائیں۔ بھاگیں تو کیونکر بھاگیں۔ اسی وقت حضرت ریشی کے پاؤں پڑ گئے۔ عاجزی کی۔ رو دئے پیٹے اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معافی مانگی۔ حضرت ریشی نے دعا کی اور بینا ہو گئے۔ ایک دن نواعتکاف (مقررہ وقت تک مسجد میں یا کسی جگہ اکیلا بیٹھنا) کی نیت کر کے غار میں بیٹھ گئے۔ اور خادموں کو حکم دیا۔ کہ چالیس دن تک غار کے دروازے کو نہ کھولیں۔ چالیسویں دن بہت سا کھانا پکا کر اس طرح بانٹ دیں کہ سب پیٹ بھر بھر کر کھائیں۔ اور سیر ہو جائیں۔ پھر غار کا دروازہ کھولیں اگر میں زندہ ہوں گا۔ تو نکلوں گا۔ نہیں تو فاتحہ پڑھیں۔ جب چالیس دن ختم ہو گئے۔ تو دوستوں نے حکم کے مطابق کھانا پکا کر مسکینوں اور فقیروں میں تقسیم کیا۔ پھر دروازہ کھول کر غار میں آئے۔ اور کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ژندہ (گدڑی) اور کلاہ کے بغیر وہاں کچھ بھی نہیں۔ بہت حیران ہو گئے۔ گریہ زاری کی۔ حضرت بابا نے ایک شخص کو واقعہ میں کہا۔ کہ میرا مقبرہ غار کے اوپر درست کریں اور اسی طرف فاتحہ پڑھیں۔ دوستوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت ان کا مقبرہ مشہور زیارت گاہ ہے۔

مستہ ریشی

بابا دریا دین کے یاروں میں سے تھے۔ ریاضت اور عبادت میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ مرشد کی ہمسائیگی میں دفن ہوئے۔

بابا سنگی ریشی

بابا دریا الدین کے خلیفوں میں سے تھے۔ صدق و یقین والے تھے۔ نہایت محنت کش عابد۔ زاہد۔ اور محتاط تھے۔ جنگلی ساگ (وپل ہاک) کے بغیر کچھ نہ کھاتے تھے۔ بہت بڑی شان والے تھے۔ جب اس دنیا سے رحلت فرمائی پرگنہ بھاگ میں دریا دین کے مزار کی طرف ہمرہ کوہ پر دفنائے گئے۔

بابا حنیف الدین

بابا زین الدین کے یاروں میں سے تھے۔ مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ اور سخت ریاضتوں میں مشغول رہے۔ پھر نامور مرشد کے فرمانے پر پرگنہ ناچھہاموں کے داراش پہاڑ کے درہ میں خلوت نشین ہو گئے۔ اور سالہا سال کسی کو اپنا منہ نہ دکھایا۔ غذا جنگل کی گھاس تھی۔ اس لئے چہرہ ہاتھی کی کھال کے طرح سخت ہو گیا تھا۔ جب خلوت کی مدت ختم ہوئی۔ تو غار سے باہر نکلے۔ اچانک ایک گڈریا وہاں پہنچا۔ گدڑی پہنا ہوا اور بالوں سے بھرا ہوا۔ ایک آدمی دیکھا خیال کیا غیبی مردوں سے کوئی ہوگا۔ (رجال الغیب) اور دور ہی سے پکارا تو کون ہے؟ ریشی نے جواب دیا انسان ہوں۔ گڈریا اس کے پاس چلا گیا۔ حقیقت دریافت کی۔ کتنی مدت سے یہاں بیٹھے ہو؟ کون تمہاری خدمت کرتا ہے؟ فرمایا! اتنی مدت سے یہاں ہوں۔ اور رزق دینے والا خدا ہی رزق پہنچا دیتا ہے۔ گڈریا جنگل سے واپس آیا۔ اس نے لوگوں کو قصہ سنایا۔ پھر کیا تھا۔ دوسرے دن لوگوں کی ایک بڑی جماعت غار پر چلی گئی۔ اور دیدار دکھانے کے لئے التجا کی۔ ریشی نے اندر ہی سے آواز دی۔ کل آئیں۔ لوگ چلے گئے۔ اور دوسرے دن لوگوں کی کثیر جماعت اکٹھے ہوئی۔ اور کھانا تیار کیا۔ اور ملاقات کے لئے التماس کی۔ اچانک ایک بڑا خطرناک اور ہیبتناک اژدہا (بڑا سانپ) غار سے نکلا۔ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ تین چار دن کے بعد لوگوں نے آکر بحد درجہ منت و زاری کی۔ اور ریشی کو غار سے نکلا۔ اور اس کے باطنی فیض سے فیضیاب ہونے لگے۔ جب انتقال فرمایا۔ اسی پہاڑ پر دفن ہوئے۔

بابا لست ریشی

بابا حنیف الدین کے چیلوں میں سے تھا۔ نہایت حیران کن حالات اور کمالات رکھتا تھا۔ مرشد کی زندگی کے آخری دم تک استقلال سے خدمت کے حقوق بجا لاتا رہا۔ پیر بزرگوار کے انتقال پر ان کا جانشین ہوگیا۔ کیا خاص اور کیا عام کے لئے فیض کا دروازہ کھلا تھا۔

لکھتے ہیں کہ ان دنوں میں شیعہ فرقے کے مسلمان کا روز تھا۔ شیعے عام لوگوں کو شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے جبر کرتے تھے۔ اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ ایک دن شیعہ فرقہ کے امیروں نے ایک میٹنگ کی اور بحث و مباحثہ میں ممبران مجلس اس نکتہ پر پہنچے۔ کہ ریشیوں کا فرقہ اہل سنت و جماعت کے لوگوں کا پیشوا ہے۔ اگر ریشیوں کا فرقہ ہمارے مذہب کو قبول کرے گا۔ تو پھر عام لوگ بھی خود بخود قبول کریں گے۔ یہ بات پاس ہوئی۔ اور ریشیوں کو جمع کر کے شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ آپس میں سوال و جواب ہوئے۔ لٹن ریشی نے کہا کہ میں اور تمہارا آغا (شیعوں کا بڑا پیشوا اور عالم) دونوں ایک کوٹھڑی میں چالیس دن کے لئے خلوت میں بیٹھیں گے۔ اور ان دنوں میں قطران (چیڑ کا تیل۔ کشیری میں کلم) سے افطار کریں گے۔ اور وقت گذرنے پر ہم دو میں سے جو زندہ نکلے گا۔ اس کے مذہب کی پیروی کریں گے۔ شیعہ لیڈروں کو یہ بات تسلیم کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور کہا آپ پہلے کر کے دکھائیں۔ پھر ہمارا مرشد یہ کام کرے گا۔ اس فیصلہ کے موجب حضرت بابا چالیس دن کیلئے خلوت نشین ہو گئے۔ اور شیعوں نے اپنا پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت شیخ صرف چیڑ کے تیل سے افطار کرتے تھے۔ دس دن گذر گئے۔ حضرت شیخ کی طاقت اور رنگ رو میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ مخالفوں نے سمجھ لیا یہ کام انسانی قدرت سے باہر اور مافوق الفطرت ہے۔ ریشیوں کو رخصت دی۔ اور ان کی ایذا رسانی سے پرہیز کرنے لگے۔ کوہ داراشس پر کے دامن میں ان کا مقبرہ مشہور ہے۔

بابا شکور الدین

اپنے وقت کا بڑا دولت مند تھا۔ مال مویشی اسباب علیش اور بے شمار جایداد کا مالک تھا۔ اپنے وقت کو قرآن مجید کی تلاوت (پڑھنا) میں صرف کرتا تھا۔ پرگنہ ماتیج ہاموں کے ایک گاؤں آرت میں سکونت کرتا تھا۔ جب عشق الٰہی کے انگارے کی چنگاری اس کے دل کی انگیٹھی میں پڑی۔ تو تارک الدنیا ہو گیا۔ حضرت شیخ زین الدین کے پاس جا کر روحانی

تعلیم وتربیت حاصل کرنے لگا۔ مرشد پاک کی اجازت سے پرگنہ کھویہامہ میں شنگہ پال کے مقام پر پہاڑ پر گوشہ نشین ہو گیا۔ شنگہ پال پہاڑ پر مدت تک ریاضت وعبادت کرتے رہے۔ آخر عمر کو شیرہ کوٹ کی پہاڑی پر جو اولر جھیل کے کنارے کھویہامہ اور زینہ گیر کے بیچ میں واقع ہے۔ تنہا نشینی کی۔ اپنی زندگی ہی میں وہاں ایک قبر کھدوا کر رکھی۔ ایک دفعہ ایک دولت مند کسی کام کے سبب اور بادشاہ کے ڈر سے بھاگ کر وہاں پہنچا۔ اور قبر میں چھپا۔ حضرت بابا نے یاروں کو وصیت کی کہ "میری لئے دوسری قبر کھدوائیں" کیوں کہ کھودی ہوئی قبر میں اہل دنیا نے پاؤں رکھا۔ جب رحلت فرمائی یاروں نے وصیت کے مطابق دوسری قبر کھودکر انہیں اُسی میں دفن کیا۔

کہتے ہیں اور آج تک مشہور ہے۔ کہ ان کے روضہ سے رات کے وقت توپ داغنے کی آواز نکلتی ہے۔ اور سخت آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ جب یہ گرج سنائی دیتی ہے۔ تو کشمیر پر کوئی نہ کوئی خطرناک حادثہ واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک عمر رسید بوڑھے کا بیان ہے۔ کہ سکھوں کے آنے سے پہلے ان کے روضہ سے توپ چلنے کی آواز آئی اور ایسی سخت کہ زمین تھرتھرائی۔ دوسرے دن لوگ زیارت پر دوڑے اور دیکھا کہ مشرق کی طرف سے مقبرے کے پنجرے ٹوٹ کر اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اولر کے پانی میں تیرتے ہیں۔ اگرچہ فلسفیوں کی عقل یہ باتیں ماننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ لیکن قدرت الٰہی سے کچھ بھی دور نہیں۔ اور پھر لوگوں کی شہادت کا کیا جواب ہے۔

(مترجم نے ایک دفعہ یہ گرج سوپور میں خود سنی ہے۔ رات کے دس بجے کے قریب توپ داغنے کی آواز آئی۔ لوگ کہنے لگے کہ حضرت بابا شکورالدین کی زیارت سے توپ نکلی۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ میں نے کہا یہ بات ناممکن ہے۔ قبر سے یا زیارت کے مکان سے خودبخود اتنی آواز نکلے۔ وہ اصرار کرنے لگے۔ نکلتی ہے۔ میں نے کہا۔ پھر وہاں کے مجاور لوگوں کو ڈرانے کے لئے کوئی بڑا سا بم کا گولہ بنوا کر پہاڑی کی چوٹی پر سر کرتے ہوں گے۔ وہ کہنے لگے زیارت پر رات کو کوئی نہیں رہتا ہے۔ میں نے کہا یہ کام کرنے کے لئے مجاور رات کو جاتے ہوں گے وہ مجھ پر لوٹ پڑے۔ بکواس نہ کرو۔ میں نے کہا اچھا! اولر جھیل اور گرد کے پہاڑ اس آواز کے باعث ہیں۔ گرمی سے بخارات کثرت سے جھیل سے اٹھتے ہیں۔ ادھر پہاڑ ہیں ادھر ہوا چلتی ہے۔ فضا میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ اور آواز نکلتی ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کو واہیات اور بکواس

کہنے لگے - میں نے دھیان نہ رکھا - اور مجھے یاد نہیں - کہ بعد میں کوئی واقعہ رُونما ہوا تھا یا نہیں)

بابا دریا ریشی

بابا شکورالدین کے یاروں میں سے تھے - نام دُرّہ سادھو تھا - پرگنہ اونتر کے ایک گاؤں دڑکھنی (متصل درگہ مولہ) کے مندر میں تپسیا کرتا تھا - اور جپ تپ کے زور سے صاحب کشف (غیب سے اور دور کی چیزیں اور باتیں نظر آنی) ہوگیا تھا - چنانچہ ایک دن سرینگر کی مسجد جامع کو آگ لگ گئی - اور سادھو مندر کے پاس ہی چشمہ پر بیٹھکر چاروں طرف پانی پھینک رہا تھا - شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک سادھو مسجد کے بام پر بیٹھکر چاروں طرف پانی ڈال رہا تھا - یہاں تک کہ آگ بجھ گئی - اور درمیانی فضیلہ باون میل کے قریب ہے -

ایک دن سادھو حضرت بابا شکورالدین کی ملاقات کو آیا - اور حضرت نے اس کو عبادت گاہ میں آنے نہ دیا - سادھو نے کہا - ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے - جھگڑا کس بات کا حضرت بابا نے فرمایا - اگر جھگڑا نہیں تو اندر آجاؤ - اندر آیا - جونہی حضرت بابا پر نظر پڑی - دل پر کچھ ایسا اثر ہوا - کہ اسی وقت مسلمان ہوگیا - پھر حضرت بابا کی تربیت سے حقیقت آشنا ہوکر عالم لاہوت سے بھی بالاتر پہنچ گیا - اس کا نام دُرّہ سے دریا رکھا گیا - اور دریا ریشی کے نام مشہور ہوگیا - مرشد بزرگوار کی قبر کے پہلو میں مدفون ہے -

ریگی ریشی

بابا شکورالدین کے مُریدوں میں سے تھے - اپنے زمانے کے بے بدل پرہیزگار تھے - بابا کی خدمت گذاری ان کے آخری دم تک کی - شیرہ کوٹ پہاڑی کی چوٹی پر ضرورت کے مُطابق اُولر سے پانی لیتے تھے - حضرت بابا کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے - صاحب حال اور قال تھے - رحلت کے بعد شیرہ کوٹ پہاڑی پر بابا کے مقبرے سے نیچے شمال کی طرف دائمی آرام کی جگہ پائی -

رُوپی ریشی

ریگی ریشی کے مرید تھے - بڑا مرتبہ رکھتے تھے - ایک دن مرشد کے حکم کے موجب اور کئی ریشیوں کے ساتھ اناج لانے کے لئے کشتی میں بیٹھکر اولر جھیل کے گذر رہے تھے -

مچھلیاں پانی سے پھاند کر اور چھلانگیں مار مار کر ریشی کے پاؤں کے پاس گرتی تھیں۔ ریشی نے منع کیا۔ مچھلیوں کو کوئی نہ پکڑے نہ ہاتھ لگائے۔ مچھلیاں اچھل کر پانی میں واپس جاتی تھیں۔ ساتھیوں نے طمع نفسانی کے باعث چوری سے ایک مچھلی پکڑ کر رکھ لی۔ اور اس کو کھا لیا۔ جب ریگی ریشی کی خدمت میں پہنچے۔ تو وہ قہر میں تھے۔ ریشیوں کی لباس اتار کر ان کو نکال دیا۔ اور فرمایا آج کے بعد ریشیوں میں اپنی حقیقت نہیں رہی۔ اور مقام کو برباد کیا۔ الغرض روپی ریشی عارف کامل تھے۔ روشندل اور واصل تھے۔ وفات کے بعد مرشد کے برابر میں دفن کئے گئے۔

بابا رتی ریشی

ریگی ریشی کے مرید پرہیزگاری اور خدا ترسی میں ممتاز تھے۔ پرگنہ کھوہامہ کے گاؤں منگنے پورہ میں ان کا مقبرہ ہے۔

سنگہ بی بی

اس کا اصلی وطن علاقہ حمل میں کچھل دن تھا۔ اور خوش قسمت عابدہ تھی۔ خدا کی توفیق سے بابا شکور الدین ولی سے ملاقات ہوئی۔ اور طریقت کے راستے کے منزل ان سے معلوم کر کے سخت ریاضت میں مشغول ہو گئیں۔ ہمیشہ رات کو بیدار اور دن کو روزہ دار ہوتی تھیں۔ مرشد بزرگوار کے فرمانے پر علاقہ کھوہامہ کے گاؤں بولہو میں آہام پہاڑ پر تنہا نشین ہو گئیں۔ اور ساری باقی عمر وہیں گزاری۔ بڑی شان والی بی بی تھیں۔

ایک دن ایک درندہ شیر نے اس کے خدمت گذاروں میں سے ایک کو راستے میں پکڑ لیا۔ حضرت بی بی نے اپنی عبادت کی کوٹھڑی سے آواز دی۔ اے شیر! اس بے گناہ آدمی کو کیوں ستاتے ہو؟ شیر نے آواز سن کر اس آدمی کو چھوڑ دیا۔ اور چلا گیا۔ ان کے حالات اور کرامات بہت ہیں۔ ان کا مقبرہ بولو میں فیض کی جگہ ہے۔ اس عارفہ کے روضہ کے متصل دو تین میل لمبا ایک کریوہ ہے۔ لوگ اس کو موسیٰ کی قبر کا کریوہ بولتے ہیں۔ خواجہ اعظم لکھتے ہیں کہ اس کے مقبرے کے نزدیک ایک جگہ ہے۔ جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی قبر سے مشہور ہے۔ بزرگ لوگوں اور قال وحال والے لوگوں نے اس جگہ کے فیوض و برکات کے قصے سنائے ہیں۔

حضرت خواجہ اعظم نے یہ سنی سنائی بات لکھی ہوگی۔ جو بالکل غلط ہے۔

بابا نیکی ریشی

سنگہ بی بی کے خلیفہ تھے۔ خدا ترس۔ پرہیزگار۔ روشن دل صاحب حال و قال تھے۔ رت تک بی بی کی خدمت کی اور اس کے بیٹے کے مقام اور اناج رکھنے کے کوٹھے کے منتظم تھے عارفہ کے انتقال کے بعد اس کے جانشین ہوئے۔ اور جو کچھ جائداد مال مویشی وغیرہ تھی۔ خدا کے راستے میں وہ سب صدقہ کیا۔ چار درندوں کو ہر روز اپنے ہاتھ سے روٹی کھلاتے تھے۔ ایک دن تبت سے ایک لشکر آیا۔ اور مقام کا مال و متاع لوٹ لیا۔ اور مقام میں جو ریشی تھے۔ ان کو گرفتار کر کے اور باندھ کر ساتھ لے گئے۔ راستے میں نیکی ریشی نے دشمنوں سے نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ اور بعد نماز دعا مانگی۔ اسی وقت لٹیرے اندھے ہو گئے۔ اور اب کیا تھا۔ ریشی کے پاؤں پڑ گئے۔ عاجزی کی۔ منت و سماجت کی۔ توبہ کی حضرت بابا نے کہا۔ تم میرے ساتھ واپس چلو۔ اور حضرت بی بی کی قبر پر دعا کرو۔ لٹیروں نے لوٹا ہوا مال کندھوں پر اٹھایا۔ اور عارفہ کے مقبرے پر پہنچے۔ وہاں عاجزی اور صدق دل سے دعا کی۔ سب کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ حضرت بابا کو جب آخرت کے سفر کا وقت آیا۔ اپنے خلیفہ نوروز بابا کو کہا۔ کہ مجھے آج دنیا سے جانا ہے۔ آؤ ہم دونوں ایک قبر کھود کر ٹھیک بنائیں گے۔ دونوں نے اتفاق سے حضرت بی بی کے قبر کے احاطے میں ایک قبر کھودی۔ حضرت بابا نے غسل کیا۔ کفن پہنا اور قبر میں سو گیا۔ اور جان خدا کے حوالے کی۔ نوروز بابا نے قبر کو ڈھانپا اور فاتحہ پڑھی۔ اور دعا مغفرت کی۔

بابا نوروز ریشی

ایک ظالم اور بدخوی آدمی تھا۔ ایک دن نیکی ریشی کے پاس چلا گیا۔ اور حضرت نیکی ریشی اس وقت اپنے پالتو درندوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ نوروز میر نے دور سے ان درندوں کو دیکھا۔ اور ایک دیوار کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اسی ضمن میں ایک ریچھ نے لومڑی کا حصہ زبردستی کر کے کھا لیا۔ نیکی ریشی نے اس ریچھ کو کان سے پکڑا اور اس کے منہ پر ایک تھپڑ لگا کر کہا۔ تو بھی ظالم نوروز کی طرح غریبوں پر ظلم کرتے ہو۔ نوروز میر

نے یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنی بدنامی اپنے کانوں سے سنی۔ اسی وقت دنیا سے بیزار ہو گیا۔ درندے جنگل کو چلے گئے۔ یہ دیوار سے نکل کر کے بابا کے پاس آیا پاؤں پکڑے۔ توبہ کی۔ اور ترک دنیا کیا۔

حضرت بابا نے اُسے راہِ خدا دکھانے کی تعلیم دی۔ سلوک کی تربیت دی۔ صداقت اور ایمان کی تلقین کی۔ مقام کا انتظام سُپرد کیا۔ ایک زمانے کا ظالم نورد زمیر عابد۔ زاہد اور خدا ترس اور خادم خلق اللہ بنا۔ تصوف کے منازل طے کئے۔ اپنی لیاقت سے نیکی ریشی کا جانشین ہوا۔ اور لوگوں کی فائدہ رسانی میں دن رات بسر کرنے لگا۔

حضرت سلطان العارفین رح کے ساتھ دلی دوستی تھی۔ اور ان کے باطنی فیوض سے بہرہ در ہوتا رہا۔ ایک مقام کے تعمیرات کو آگ لگ گئی۔ اور تمام مکانات نذرِ آتش ہوئے۔ نورد زمیر نے ان کی تعمیرات دوبارہ کی۔ ایک دن تعمیر کے کارخانہ کے لئے خوراک ختم ہو گئی تھی۔ نورو زریشی نے خدمت گذاروں سے کہا۔ چولہا گرم کر دو۔ خادم حیران تھے۔ کہ سُوپور سے دس خادم چاول اور دوسرا ضروری سامان ساتھ لے کر پہنچ گئے۔ اور کھانا حسبِ معمول پک گیا۔ وفات کے بعد حضرت بی بی کے مزار کے احاطے میں آرام پایا۔

بابا لُدہ مل

بابا زین الدین کے رفیقوں میں سے تھے۔ اُس کا لگاؤ سلوک اور تصوف کی باتوں کے ساتھ تھا۔ طریقت کے راستے کی حقیقتوں سے آگاہ ہونے کے بعد علاقہ اُوتر کے ایک جنگل میں ایک چنار کی کھوہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ہمعصروں میں سے کوئی بھی مجاہدوں اور ریاضتوں میں ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ تین سو ساٹھ ۳۶۰ صاحب کمال مرشد تھے۔ اور سبھوں کو زراعت کے کام میں لگایا تھا۔

کہتے ہیں کہ گوشہ نشینی کی جگہ پر ادھر اُدھر نزدیکی میں پانی نہ تھا۔ بابا نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔ اور ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ جو آج تک جاری ہے۔ اور چشمہ کی یہ بھی خاصیت ہے۔ کہ اگر کوئی جلدی امراض والا (جرب۔ خارش اور پھنسیاں وغیرہ) یا پیٹ کی بیماری والا اس میں نہاتا ہے۔ تو بیماری دور ہو جاتی ہے۔ حضرت بابا کی شہرت پھیلتی گئی۔ اور وہ بھاگ کر بجبرواری آ گئے۔ اور جنگل میں چھپے۔

جنگل جانے والوں میں سے کسی ایک نے ان کو دیکھا۔ گاؤں والوں کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے اُن کو پھر گاؤں میں لایا۔ اور ان سے فیض پاتے رہے۔ وہاں کے مندر کے پوجاری بھی مسلمان ہو کر اُن کے چیلوں میں شامل ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت بابا ڈنڈک والی پہاڑ پر چلے گئے۔ اور وہاں ہی ڈیرہ ڈال دیا۔ پہاڑ پر پانی نہ تھا۔ ریشی پانی کے لئے تنگ ہو گئے۔ حضرت بابا نے ایک جگہ پر اپنا عصا (لوہے کا پھل والی لاٹھی) ٹھوک دیا۔ اور اپنے خدمت گذار سے کہا۔ عصا کو زمین سے اکھیڑ۔ لیکن خیال رکھنا کہ اگر زمین سے پانی اچھل کر نکلے تو تمہارے بدن کو چھینٹ نہ لگے۔ تاکہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ خادم نے عصا کو کھینچ کر نکالا۔ پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اور پانی کا ایک قطرہ اس کے پاؤں کو لگا۔ اس جگہ زخم ہو کر ناسور ہو گیا۔ بابا کی خدمت میں عرض کر کے دعا کرالی۔ اور ناسور ٹھیک ہو گیا۔ حضرت بابا نے باقی عمر اسی جگہ گذاری۔ آخری وقت پر یاروں کو وصیت کی۔ کہ میری قبر پر کوئی تعمیر نہ بنائیں۔ اگر چالیس دن تک میری قبر پر غیب ہی سے کوئی سائبان پیدا ہو گا۔ تو اچھا ورنہ پھر آپ کو اختیار ہے۔ کچھ دنوں کے بعد قبر پر ایک پودا اگا۔ اور اس کی ٹہنیوں نے چالیس دن تک قبر کو ڈھانپ لیا۔ اور پودا تناور درخت بن گیا۔ اس کے نشان اُس جگہ کو آج کل ہندہ دن پورہ کہتے ہیں۔ علاقہ کمل میں واقع ہے۔

بابا لنگر مل

بابا لدہ مل کے خلیفہ تھے۔ ابتداء میں ایک مال دار ظالم اور جفا پیشہ آدمی تھا۔ خدا نے ہدایت کی اور بابا لدہ مل کے پاس آکر توبہ کی۔ اُن کا مُرید ہو گیا۔ ان کی تربیت کی برکت سے عالم لاہوت کی باتوں سے واقفیت پائی۔ ہمیشہ سونٹھ کھا کر افطار کرتے تھے۔ بابا لدہ مل کے ساتھ ہی مدفون ہیں۔

لنگہ بی بی

بابا لنگر مل کی بیوی تھیں۔ اپنے خاوند کے ساتھ اس نے بھی توبہ کر کے ان سے تعلیم اور تربیت حاصل کی تھی۔ اکثر خلوت نشین ہوتی تھیں۔ طریقت میں اس مرحلہ پر پہنچی کہ پورا سال گذرنے پر روزہ کھولتی تھی۔ اپنی کمائی سے پل بنائے اور مسجدیں آباد کیں

جب خلوتوں کی مدت ختم ہو گئی۔ بابا لدہ مل سے التماس کی کہ میرے ذمے بھی کوئی خدمت کریں۔ بابا نے فرمایا۔ ذرا صبر کرنا۔ جب حضرت بابا ڈنڈک دل کے پہاڑ پر گئے۔ تو اس پاک دامن کو حکم دیا۔ کہ میرے وضو (نماز کے لئے منہ ہاتھ دھونا) کے لئے پانی کا ایک گھڑا لایا کرو۔ وہ یہ کام کرتی رہیں۔ جنگلی درندے پانی لاتے وقت اُس کو کبھی کبھی رستے میں سامنے سے گذرتے تھے۔ اور اُس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ جب اس کی عمر آخر کو پہنچی تو کہا۔ کل جمعرات کو مجھے مرنا ہے۔ اور جمعہ کے دن مجھے دفن کریں۔ ایسا ہی ہوا۔ لنگر مل کے قبر کے ساتھ ہی اُسکی قبر ہے۔

وتر ٹھاکور

ٹھاکروں کے خاندان میں صاحب دولت اور حکومت تھا۔ اچانک دیوانہ ہو گیا۔ شیخ زین الدین نے خادم کو اُسے لانے کے لئے بھیجا۔ جب ان کے پاس پہنچا تو ہوش میں آ گیا۔ انہوں نے اپنے پاس رکھا تربیت کی۔ حقیقت کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ بڑی بڑی کرامتیں ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ عیش مقام میں مرشد کے مزار میں دفن ہیں۔

بابا لستہ ریشی

دولت مند اور مال دار ہونے کے باوجود بڑے بڑے بزرگوں اور ولیوں کے ساتھ صحبت رکھتے تھے۔ آخر کار شیخ زین الدین کی خدمت میں پہنچے۔ اُن کی صحبت سے بہرہ اندوز ہو کر ریشیوں کی پوشاک پہنی۔ اور بابا پیام الدین کے ساتھ رنوہ پہاڑ پر مدت تک رہے۔ بابا پیام الدین کی دنیا سے رحلت کے بعد پرگنہ کردن کے ایک گاؤں کچھوہ میں تنہا نشین ہو گئے۔ ۹ ذالحجہ ۸۹۲ھ کو رحلت فرمائی۔ اور وہیں دفنائے گئے۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے خادموں کو وصیت کر رکھی تھی۔ کہ مجھے نہر کے نیچے کی طرف دفنائیں۔ انہوں نے پانی کے ڈر سے نہر کے اُوپر والے طرف میں ان کو دفن کیا۔ اُسی دن نہر کا سر بند ٹوٹ گیا۔ اور اسّی برس تک باوجود لوگوں کی کوششوں کے اسی طرح ٹوٹتا رہا۔ ایک دن ایک روشن دل شخص وہاں پہنچا۔ باتیں ہوئیں اُس نے کہا۔ کہ ریشی کے فرمانے کے خلاف کام واقع ہوا ہے۔ اسی لئے سر بند ٹوٹتا رہا ہے۔

اور پانی جاری نہیں رہتا جب دیہاتوں نے یہ بات سنی۔ تو وہ حضرت بابا کو قبر سے نکال کر اُن کی فرمائی ہوئی جگہ پر اُن کو دوبارہ دفن کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ رات کو مشورہ ہوا کہ کل صبح یہ کام کیا جائے گا۔ دوسرے صبح کو جب وہ مقبرہ پر گئے۔ تو دیکھتے ہیں کہ نہر اوپر کی طرف سے جاری ہے۔ اور قبر شریف معہ دو درختان کے اسی جگہ ہے۔ جہاں حضرت ریشی نے قبر بنانے کا حکم دیا تھا۔ لوگ آنکھیں ملتے رہے۔ اور حیران تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ رُوضہ معہ درختان کیسے نیچے منتقل ہوا ہے۔ یا نہر اُوپر سے جاری ہوگئی ہے۔

یہ کسقدر قابل افسوس ہے۔ کہ ایسے روشن واقعات عمل میں آنے کے باوجود وہابی لوگ کیوں گمراہ اور اولیاء اللہ کی حیات اور طاقت کے منکر ہیں؟ خدا ہی ہادی ہے۔

مُبارک ریشی

حضرت زین الدین ریشی کے برجستہ خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب قال وحال تھے۔ بلند درجہ کے کمالات رکھتے تھے۔ عبادت مُولیٰ میں ہمیشہ سرگرم تھے۔ ان کے کرامات اتنے ہیں۔ کہ لکھے نہیں جاسکتے۔ مرشد بزرگوار کے مقبرے میں دفن ہیں۔

شیخ اکھد ریشی۔ مالکہ ریشی

داؤد ریشی۔ افضل ریشی۔ کنڈل ریشی۔ پتی ریشی۔ فقیر ریشی۔ صفی ریشی۔ دنہ ریشی۔ لوزرد ریشی۔ ریگی ریشی۔ رُوپی ریشی۔ اور بابا ریشی۔ بابا زین الدین قدس سرہٗ کے خلیفے تھے۔ پاک باز۔ رُوشن دل۔ عابد۔ زاہد۔ پرہیزگار۔ نفس کش۔ ریاضت کش صاحب حال وکمال تھے۔ مرشد بزرگوار کے مقبرہ میں شہر خوشحال کو آباد کئے ہوئے ہیں۔

خلفائے بابا لطف الدین

شیخ پیر باز

ان کی جائے پیدائش پرگنہ اچھ کا رازہ دین گاؤں تھا جب حضرت شیخ العالمؒ رُویہ دن

میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی خدمت میں جاکر روحانی تربیت حاصل کی۔ حضور نے ان کو اپنی خدمت پر رکھا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ نے ان کو پانی لانے کے لیے بھیجا۔ یہ پانی کا گھڑا لا رہے تھے۔ کہ اچانک ایک شیر راستے پر آیا۔ اور راستہ روک لیا۔ پر باز نے شیر کو کہا۔ شیر! اگر ریشیوں کی نماز میں دیری ہو جائے گی۔ تو کل قیامت کو گرفتار ہو جاؤ گے۔ اور شیر بھاگ گیا۔ اور بابا پانی لیکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے پوچھا؟ ایسا نہ ہو۔ کہ تم شیر سے ڈرے۔ بابا نے عرض کی۔ جب آپ جیسا پشتیبان اور محافظ ہو۔ تو جنگلی درندوں سے کیا ڈر ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ مدت تک حضرت شیخ کی خدمت کر کے اُن کی خوشدلی حاصل کی۔ اور بہت سے عمدہ اور شایستہ کام بجا لائے۔ آخر کار حضرت شیخ نے بابا لطف۔ بابا پر باز اور شیخ شریف کو حکم دیا۔ کہ تم تینوں پرگنہ اچھ کے دودھ پھکرن گاؤں میں خلوت نشین ہو جائیں۔ اور سخت ریاضت میں لگیں۔ فرمان کے موجب تینوں وہاں جاکر ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اور کھانا ان کا روزہ کھولنے کے وقت جنگلی ساگ (ڈیل ہاک) تھا۔

(ڈیل ہاک پکنی کے لئے سخت سبزی ہے اور بے مزہ ہے۔ خاصکر سوکھا ہوا کشمیر کے لوگ جو جنگلوں کے قریب رہتے ہیں لاتے ہیں اور سکھا کر کھاتے ہیں)

ایک دن ڈیل ہاک گلا نہ تھا۔ بابا لطف الدین نے پوچھا کیا وجہ ہے۔ کہ ساگ گلا نہیں بابا شریف نے کہا۔ میں سبز اور تازہ لاتا ہوں۔ اور وہ خوب پک جاتا ہے۔ بابا پر باز سوکھا ہوا لاتے ہیں۔ اسی لئے وہ گلتا نہیں اور سخت رہ جاتا ہے۔ اور خود پگڑی میں سے کوئی چیز نکال کر پانی کے ساتھ پی جاتا ہے۔ حضرت بابا نے پر باز سے پوچھا۔ آپ کیوں سبز ڈیل ہاک (جنگل کی ترکاری) نہیں لاتے؟ کہا سبز لانے میں مجھے تین باتیں رکاوٹ ہیں۔ ایک یہ کہ سبز گھاس ہمیشہ یاد خدا میں ہوتی ہے۔ خاصکر سورج نکلنے پر۔ دوسری بات یہ ہے! کہ سبز ڈیل ہاک سے کاٹتے وقت لہو نکلتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ ابال آنے پر فریاد کرتا ہے۔ مجھے کیوں جلاتے اور مارتے ہو۔ حضرت بابا افطار کے وقت تاک میں رہے۔ اور پگڑی سے چیز نکالنے کے وقت پر باز کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور دیکھا کہ کاچن (اندرائن پھل کا ایک قسم) ہے۔ پوچھا کب سے کھاتے ہو۔ پر باز نے کہا بارہ برس سے۔ شیخ لطف الدین نے سلوک میں اسکی استعداد اور قابلیت دیکھکر خط ارشاد دیکر اپنی خدمت سے مستغنی کر دیا۔ اور دنترہ ہیل کے متصل چوترہ سپال میں خلوت نشین ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوئے

کی اجازت دی۔ کچھ عرصہ کے بعد ونزہ ہیل کے لوگوں نے زارہ بارہ اور منت عاجزی کر کے اپنے گاؤں میں لایا۔ اُن کے ساتھی ریشیوں میں سے دو آدمی ان کے ساتھ نہ آئے اور چوتزہ پال ہی میں رہے جب دونوں نے صبح کی نماز ادا کی۔ اور ہاتھ منہ اور ریش پر ہاتھ پھیرا۔ دونوں کی داڑھیاں سر بسر ان کے ہاتھوں میں آگئیں۔ بڑے شرمندہ ہوئے۔ پر بازک کے پاس آکر توبہ کی۔ بابا نے اپنے لئے ایک کوٹھڑی بنوائی اور اُس کے بیچ میں ایک قبر کھودی۔ جب وفات پائی اسی میں آرام پایا۔ اُن کا ایک خلیفہ بھی اِس حجرہ میں دفن ہے۔

شیخ شریف اشوار

خدا نے ہدایت کی۔ حضرت شیخ العالمؒ کی خدمت میں آئے۔ اُن کے حضور میں توبہ کی۔ ان کے دامن میں پناہ لی۔ خدمت گذاری کے کام انجام دیتے رہے۔ وقت آنے پر بابا لطف الدین کے ساتھ دُودَہ بھکرن جاکر ان کے پاس رہنے پر مامور ہوئے۔ سلوک کے منازل طے کرنے اور مقامات تکمیل کرنے تک ان کے پاس رہے۔ پھر چاتر گام جاکر ریاضت عبادت میں زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کئے۔ دنیا سے رحلت کرنے کے بعد اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

بابا لدی گنائی

شیخ بابا لطیف کے مُریدوں میں سے تھے۔ سوز و گداز والے تھے۔ صاحب حال و قال تھے۔ ریاضت و عبادت میں جانباز تھے۔ شیخ کی خدمت بجالانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے۔ جس دن حضرت شیخ چوتزہ پال سے اُٹھکر علاقہ کامراج کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اور پوشکر کے متصل زنڈو پال گاؤں پہنچے تو فرمایا۔ کیا ہی دلکش اور پر فضا جگہ ہے۔ لدی گنائی نے التماس کی اگر مجھے اجازت ہوگی۔ تو میں یہاں ہی اپنی عمر گذاروں۔ حضرت شیخ نے اجازت دی۔ حضرت لدی گنائی نے وہاں ہی عبادتخانہ بنایا۔ اور اسی میں یادِ الٰہی میں مصروف اور مشغول ہوگئے۔ کبھی کبھی حضرت بابا کی خدمت میں پوشکر جایا کرتے تھے۔ ایک دن پوشکر گئے تھے۔ اور وہاں ہی بیمار ہوگئے۔ یاروں کو وصیت کی کہ مجھے زنڈو پال میں دفن کرنا۔ اسی بیماری میں رحلت فرمائی۔ اس دن شدت کی بارش تھی۔ اور دوستوں نے پوشکر ہی میں ان کی نعش سپرد خاک کی۔ دوسرے روز فاتحہ کے لئے صبح کو قبر پر گئے۔

دیکھا قبر کھلی پڑی ہے۔ اور خالی ہے۔ حضرت شیخ کو واقع کی خبر دی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ رات کو بھاگ کر زنڈو بال چلا گیا۔ یار دوست دوڑے کہ دیکھا عبادت خانہ کے پاس کفن پہنے ہوئے پڑے ہیں۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

خواجہ بابا

لدی گنائی کے دوستوں میں سے تھے۔ بڑے صاحب کمال اور حال تھے۔ شیخ لطیف الدین سے بھی تربیت لی تھی۔ پرگنہ بانگل کے گاؤں بدرہ کوٹ میں عبادت و ریاضت میں بہت سا زمانہ گذار کر وہیں راہی ملک بقا ہوئے۔ اور ان کے جسم مبارک کو وہیں مٹی کے حوالے کیا گیا۔

لدی کٹور

شیخ لطیف کے یاروں میں سے تھے۔ لنگر میں بارہ برس تک خلق خدا کی خدمت کرتے رہے۔ ایک دن حضرت شیخ بولے۔ لدی کٹور نے بہت ہی تکلیف اٹھائی ہے۔ اب اسے اس کام اور اس محنت سے رہائی دیتے ہیں۔ دوسرا ایک ریشی جو اس کا مخالف تھا۔ بول اٹھا۔ اس کو کیا تکلیف ہے؟ ہر روز تنہا خلوت میں دہی کا پیالہ کھاتا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ دہی دودھ کا پیالہ اس سے لے کر میرے پاس لے آنا۔ مدعی نے ویسا ہی کیا۔ اور بھرا ہوا پیالہ شیخ کو پیش کر دیا۔ شیخ نے ہم نشینوں سے اس کا ملاحظہ کروایا۔ دیکھا کہ پانی میں سفید راکھ گھولی ہوئی ہے۔ شیخ نے پوچھا کب سے یہ عمل جاری رکھا ہے؟ عرض کی جب سے اس آستانہ کی خدمت پر کمر باندھی۔

کہتے ہیں کہ علاقہ زینہ گیر کے بچہ کوٹ گاؤں کا ایک بڑا دولت مند بے اولاد آدمی ایک دن شیخ کی خدمت میں آیا۔ اور التماس کی کہ مجھے ایک ریشی عنایت کریں۔ جو میری وفات کے بعد میرا وارث ہوگا۔ شیخ نے فرمایا کچھ وقت گذرنے پر تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ اور یہ شخص چلا گیا ہے۔ کچھ وقت گذرنے پر ایک دن حضرت شیخ نے لدی کٹور کو لوٹا لگانے کے لئے زینہ گیر روانہ کیا۔ جب وہ لدی کہجو کے پاس پہنچا تو اس کو خیال ہوا۔ کہ شیخ نے میری التماس پر اس کو بھیجا ہے۔ رات کو سونے کے وقت اس کمرے کے دروازے کو باہر سے کنڈی لگائی۔ جس میں لدی کٹور بچھا تھا جب لدی کٹور تہجد (آدھی رات

کی نماز) کے لئے اُٹھا۔ تو دروازہ بند پایا۔ آواز دی۔ لدی کھجو نے کہا اول وعدہ کرو۔ کہ اس گھر سے اور کہیں نہ جاؤ گے۔ تو میں پھر دروازہ کھولوں گا۔ لدی کٹور نے اس ڈر سے کہ نماز تہجد فوت ہو جائے گی۔ وعدہ دیا۔ دوسرے دن لوہا وصول کر کے اپنا حال شیخ کو لکھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا۔ کہ اسی گھر میں قرار کیجئے۔ تاکہ دونوں وعدوں کی وعدہ وفائی پوری ہوگی۔ پھر باقی عمر اُسی کی جگہ گذاری۔ اور اسی گاؤں میں دفن ہیں۔

بابا نورُوز ریشی

بابا لطیف کے مریدوں میں سے تھے۔ لولہ پورہ میں سکونت کرتے تھے۔ ازلی سعادت کی یاوری نے شیخ لطیف الدین کی خدمت میں جانے کی رہنمائی کی۔ اور ان سے طریقت کے راستے کے نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کی واقفیت مدت تک معلوم کرتے رہے۔ اور مرشد کی خدمت گذاری میں سرگرم رہے۔ آخر پیر بزرگوار کی اجازت سے لولہ پورہ میں تنہائی اختیار کی۔ ایک دن کسی شخص نے زردہ پلاؤ کے دو تین سیر ان کے پاس لائے۔ بابا کے پاس ساٹھ آدمی بیٹھے تھے۔ یہ خود بانٹنے اٹھے۔ ساٹھ آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ ایک دفعہ بابا شہر جا رہے تھے۔ اچانک ایک سخت نعرہ لگایا۔ ساتھیوں نے نعرہ مارنے کی وجہ دریافت کی۔ بولے! چوروں نے کاٹے ہوئے شالی کے انبار کو چرانے کا ارادہ کیا تھا۔ میرے نعرہ سے بھاگ گئے۔ جب لولہ پورہ پہنچے۔ تو دیکھا کہ شالی کی گڈریاں (کاٹنے پر تین یا چار مٹھی بھر شالی کے پودوں کو اکٹھے باندھتے ہیں کشمیری میں اس کو لُو کہتے ہیں) دور دور پڑی ہیں۔ لولہ پورہ میں ہی بعد وفات دفن ہوئے۔

بابا جندہ ریشی

بابا نوری ریشی کے خلیفوں میں سے تھے۔ بڑے کمال والے اور نیک کردار ریشی تھے۔ اپنی عمر مرشد بزرگوار کی خدمت میں گذاری۔ عبادت و ریاضت اور پرہیزگاری میں جانباز اور ممتاز تھے۔ جب دنیا سے رحلت فرمائی۔ حضرت بابا کہیں گئے تھے۔ ریشیوں نے چاہا کہ بابا جندہ ریشی کو دفن کریں جب غسل دینے کے لئے پانی کے گھڑوں کا ڈھکنا اٹھایا۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ گھڑے سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسی ضمن میں بابا پہنچ گئے۔ اور کیفیت سُنا دی۔ فرمایا کہ سانپ میرے انتظار میں تھے۔ اب اپنا کام کرو۔ جب ریشی پھر اُٹھے

تو دیکھا کہ پانی صاف ہے۔ پھر اُس کو غسل دیا۔ اور مرشد بزرگوار کے مقبرے کے احاطے میں دفن کیا۔ قدس سرہٗ:-

بہرام ریشی

لوزی ریشی کے خلیفے تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ کہتے ہیں کہ لوزی ریشی ہر جمعہ کو اسکندپورہ جا کر کھانا پکوا کر مسکینوں اور فقیروں محتاجوں میں بانٹ دیتے تھے۔

ایک دن بہرام ریشی کو کہا۔ کہ میرے اسکندر پورہ سے آنے تک اپنے خود کاشت باغ کی نگرانی کرے۔ تاکہ پرندے میوؤں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اُس نے اپنی سمجھ اور دانائی کے موجب اس بات کے معنی یہ سمجھے کہ اپنے خود کاشت باغ سے مراد "اپنا وجود" ہے۔ اور اس کی نگرانی نفس کو گناہوں سے پاک رکھنا ہے۔ اور جانوروں (پرندوں) سے مراد خوبصورت عورتیں ہیں۔ جو یہاں سے چلتی ہیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ نیک عمل اور نفس کی پاکی مجھ سے چھین لیں۔ اچھا یہ ہے۔ کہ اپنے آلۂ تناسل کو کاٹ دوں۔ اسی وقت اپنے عضوِ مخصوص کو کاٹ ڈالا۔ اور بیہوش ہو کر گرا۔ بابا لوزی خطبۂ پڑھ رہے تھے۔ اور خطبۂ پڑھنے ہی میں نعرہ لگایا۔ "افسوس! تو نے مجھے مار دیا" اور نماز ادا کرنے کے بعد کھانا تقسیم کرنا اور ایک کے سپرد کیا۔ اور خود روانہ ہو گئے۔ جب مقام پر پہنچے۔ تو دیکھا کہ بہرام ریشی بیہوش گرا ہوا ہے۔ اور جلدی جلدی اُسکو اٹھا کر اپنی چپلی دیکر کہا "پاؤں میں لگا دو" جب اُس نے چپلی لگائی۔ اُس کی باطنی آنکھیں کھل گئی۔ اور ملکوت کے حالات نظر آنے لگے۔ اور اُسی وقت دیکھا جو دیکھنا تھا۔ اس کے بعد ساری عمر بابا لوزی کی خدمت میں گذاری۔ جب رحلت فرمائی اُن کے مقبرے کے احاطے میں دفن ہوئے۔

لچھم ریشی

شیخ لطیف کے یاروں میں سے تھے۔ روشن دل اور صاف ضمیر تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد لوشکر میں ان کے جانشین ہوئے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت ریشی لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول ہوتے تھے۔ تسبیح کو لٹکائے رکھتے تھے۔ اور تسبیح کے دانے خود بخود پھرتے تھے۔ اور حضرت بابا فارغ ہونے پر ان کا شمار معلوم کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کھانا تقسیم کرتے وقت روٹی سے بھری

ہوئی ٹوکری خود بخود مجلس میں چکر لگاتی تاکہ فقیروں کو حسب منشا خود کھانا ملے۔
جب ان کی عمر آخر کو پہنچی۔ یاروں کو وصیت کی۔ کہ مجھے شیخ کے مقبرے کے باہر دفن کریں انہوں نے عرض کی۔ باہر سے ریچھ اور بجو (لگڑ بھگا) مردوں کو قبروں سے نکال کر لے جاتی ہیں۔ فرمایا۔ میں جانوں اور ریچھ (میں خود نپٹ لوں گا) اس کے بعد ریچھوں اور بجو ول مردوں کو نکال کر لے جانا بند کیا۔

اوتار ریشی

پرگنہ بیروہ کے گاؤں ڈانگر پورہ کے باشندوں میں سے تھے۔ بچپن میں شیخ لچھم ریشی کی صحبت سے فائدہ مند ہوئے۔ بہت ہی بڑے صاحب استعداد تھے۔ بابا نے خدمت گذاروں کو پہلے دن فرمایا۔ کہ اس بچے کے لئے کھانا موجود رکھیں کیونکہ چھوٹی عمر کا ہے۔ اور روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ اس نے ریشیوں سے پوچھا تم چاشت کا کھانا نہیں کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہم عمر بھر روزہ رکھتے ہیں۔ کہا۔ میں نے بھی روزہ رکھنے کی نیت ہمیشہ کے لئے کی۔
کچھ عرصہ گذرنے پر اس کے ماں باپ کو اطلاع ملی۔ کہ لڑکا بابا کے پاس ہے وہ آئے اور نہایت عاجزی کرکے اس کی واپسی کی درخواست کی۔ بابا نے توجہ کی۔ اور انہیں معلوم ہوا۔ کہ اس کے دل کا آئینہ اب صاف ہو گیا ہے۔ ان کو اجازت دی۔ کہ اس کو گھر لے جاؤ۔ ریشی والدین کے ساتھ ڈانگر پورہ جا کر وہیں رہنے لگے اور عبادت۔ ریاضت۔ خداشناسائی اور پرہیزگاری میں زندگی بسر کرکے وہیں دفن ہوئے۔

حاجہ ریشی

بابا لطیف الدین کے خلیفوں میں سے تھے۔ ریاضت کش اور محنت کش خدادوست تھے۔ مرشد کی خدمت میں مدت گذاری۔ جب رحلت فرمائی تو انہی کے مقبرے کے احاطے میں دفن ہوئے۔

بابا نصر الدین کے خلیفے

ملک ژوگی ریشی

ہلمت ریبنہ کے چچیرے بھائیوں اور سلطان زین العابدین کے دربار کے قریبی درباریوں میں سے تھے۔ ایام حکومت ہی میں بابا نصر الدین سے سلوک کی باتوں کچھ واقفیت حاصل کی۔ حضرت شیخ العالمؒ بھی انہیں محبت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ بابا نصر الدین کے انتقال کے بعد جوگی ریبنہ نے دنیا ترک کی اور بابا نصر الدین کے قائم مقام ہوئے۔ اور اس کا بیان بابا نصر الدین کے حالات میں کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت ریشی صرف جنگلی بوٹیاں اور راکھ کھاتے تھے۔ اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔ اور کچھ بھیک مانگ کر آدھ پاؤ چاول پر گذارہ کرتے تھے۔ اور دس گھروں سے زیادہ بھیک مانگنے نہ جاتے تھے۔ کل کے واسطے کچھ بھی نہ رکھ چھوڑتے تھے۔ یہاں تک کہ کوزہ کا پانی بھی رات کو نہ رکھتے تھے۔ ملک جوگی ریبنہ عالی خاندان اور مشہور رئیس تھے۔ رات کو وزارت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ دوسرے دن بھیک مانگنے نکلے۔ سب سے پہلے اپنے گھر بھیک مانگنے گئے۔ ان کی بیوی نے بچوں سے کہا۔ اب ہمارے "ملک نے" ہم سے اور ہم سے منہ موڑ کر بھکاری کا مرتبہ پایا ہے۔ سبحان اللہ! ملک نے یہ بات سنی خالی ہاتھ واپس نکلے۔ اور مٹھی بھر وپل ہاک (جنگلی ساگ) کہیں سے وصول کر کے کھا گئے۔ پھر مقام کے سارے ریشیوں کو بلا کر زراعت کرنے کی تجویز کی۔ اور ہر ریشی کھیتی باڑی کرنے لگا۔ اور کھیتی باڑی کے کام میں غیروں کی تو بات کیا۔ ماں۔ باپ اور بھائی کی امداد بھی منظور نہ تھی۔ جوگی ریبنہ بھی اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کا کام کرنے لگے۔ اور دل وجان سے فقیروں کی خدمت بجا لاتے تھے۔ جب اس دنیا سے کوچ کیا۔ تو بابا نصر الدین کے پہلو میں ابدی راحت کے لئے جگہ پائی۔

زوگی ریشی

بابا نصر الدین کے یاروں میں سے تھے۔ حضرت شیخ العالمؒ کی نظر عنایت اور نگاہ قبولیت بھی رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ العالمؒ نے اسے راستے میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ یہ کس کا بیٹا ہے؟ کسی نے کہا۔ آپ کو اس سے کیا غرض ہے۔ فرمایا۔ کہ میرے تکیہ اور میری زیارت کرنے والوں کی خدمت اسی لڑکے کے نصیب ہوگی۔ اور اس کے بیٹے پوتے ہمیشہ اس تکیہ کے خدمت گذار ہوں گے۔ کچھ مدت کے بعد اس لڑکے کی شادی

پرگنہ ناگام کے رئیس سنگرام ڈار کی لڑکی سے ہوئی۔ اور لڑکا سسرال ہی کے گھر بطور خانہ داماد گیا۔ سنگرام ڈار کے دو بیٹے بابا اسماعیل ڈار اور بابا یوسف ڈار چرار ہی پورہ گاؤں میں کھیتی باڑی کے کام میں لگے تھے۔ اور آستانہ کی مجاوری جوگی ریشی کے حوالے کی۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ حسن ریشی، حسین ریشی۔ اور صالح ریشی۔ اپنے دونوں بھائیوں کی تسلیم پر حسن ریشی۔ مجاور آستانہ ہوا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ الیاس بابا۔ کریم بابا۔ ہاشم بابا۔ اور نظام بابا۔ اور دو لڑکیاں ہاجرہ بی بی اور رابعہ بی بی تھیں۔ ان میں سے ہاجرہ بی بی عیشمقام کے سیدوں کے گھر میں بیاہی گئی۔ رابعہ بی بی کی شادی عبدالرحیم بابا کے ساتھ کی گئی۔ اور اس کے دو بیٹے تھے۔ رستم بابا اور قادر بابا۔

جب حسن ریشی نے وفات پائی۔ تو الیاس بابا نے آستانہ کی نذر و نیاز جاگیر وغیرہ آمدنی پر اپنا تصرف جمایا اور بابا سنگرام کے دوسرے وارثوں میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ ادھر سے آستانہ کی رونق اور آمدنی روز بروز بڑھتی گئی۔ اور ہاشم ڈار نے سنگرام ڈار کے باقی وارثوں کے ساتھ اتفاق کر کے الیاس بابا کے ساتھ جھگڑا کیا۔ اور تنازع اتنا بڑا کہ صدر کشمیر شیخ محمد حسن کو اس کا فیصلہ کرنا پڑا۔ شیخ محمد حسن صدر کشمیر کی تجویز پر یہ قرار پایا کہ آستانہ کی آمدنی از قسم نذر و نیاز و مدد معاش گیارہ حصوں میں تقسیم ہو۔ دو حصے اسماعیل ڈار کے وارثوں کو اور دو حصے یوسف ڈار کے وارثوں کو جو آج کل چرار ہی پورہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ ایک ایک سہم (حصہ) حسین ریشی اور صالح ریشی کے وارثوں کو۔ ایک ایک سہم ہاشم بابا۔ کریم بابا۔ نظام بابا۔ اور عبدالرحیم بابا کو اور دو حصے اس الیاس بابا کو جس نے سارے پر قبضہ کیا تھا۔ اور یہ گیارہ حصے آمدنی نذر و نیاز اور مدد معاش کے اکاسی حصوں میں پھر منقسم ہوئے۔ جب [illegible] زوگی ریشی نے اس دنیا سے رحلت کی۔ تو مقبرۂ عالی میں دفن کیا گیا۔

بابا ولی ریشی

بابا نصرالدین کے خلیفے تھے۔ دونوں پاؤں سے لنگڑے تھے۔ اور دونوں آنکھیں ترچھی تھیں جائے پیدائش علاقہ آڈول کا گاؤں چلندر تھی۔ کہتے ہیں کہ اٹھتی جوانی میں دلی چاہت سے ایک لڑکی کے ساتھ شادی کی۔ سہاگ رات کو جب دلہن کے کمرے میں آئے۔ تو دلہن انہیں دیکھ کر ہنس پڑی۔ بابا اسی وقت کمرے سے باہر نکلے۔ اور عورت کو طلاق دے دی۔ اور حج کی تیاری کرنے

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے۔ حج ادا کرنے کے بعد کشمیر واپس آئے۔
اور بابا نصر الدین سے طریقت کے سبق اور حقیقت کی تعلیم حاصل کی۔ ساری عمر کو مجرد رہے۔
تنہائی میں عبادت وریاضت کرتے رہے۔ یاد الٰہی میں زندگی بسر کی۔ رحلت کے بعد
روضہ عالی میں آرام پایا۔

ریپور ریشی

پتہ جھراٹ کے گاؤں لاجورہ کے رہنے والے تھے۔ بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔ خدائی کشش
سے سلوک کی خواہش پیدا ہو کر بابا لولی حاجی کے دامن کو پکڑا۔ عبادت۔ ریاضت اور مجاہدہ
کے جھنڈے کو بلند کیا۔ جب کاشغر کا لشکر مرزا حیدر ملک کی افسری میں کشمیر کو لوٹ مار اور
غارت کر رہا تھا۔ لولی حاجی کا گھوڑا بھاگ گیا۔ ریپور ریشی اس کی تلاش میں میدان میں چلا گیا
وہاں نماز پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ میدان میں فوجی سپاہی تھے۔ انہوں نے
ریشی کو دیکھا۔ اور خیال کیا کہ یہ ہمارے حق میں بد دعا کر رہا ہے۔ چنانچہ ان میں سے
ایک اٹھکر ریشی کے پاس آیا اور اسے شہید کر دیا۔ ریشی کی نعش وہیں پڑی
رہی۔ ایک کتا آیا اور نعش کی حفاظت کرتا رہا۔ لوگوں کو خبر ہوئی۔ انہوں نے نعش
اٹھا کر لائی۔ اور چکو کے قریب ریشی پورہ میں دفن کی۔

رتیپار ریشی

بابا رکن الدین کے نام سے مشہور تھے۔ ریپور ریشی کے بھائی تھے۔ بابا لولی حاجی کے پاس
طریقت کے راستے کی واقفیت حاصل کی۔ عشق الٰہی میں مست اور سرشار تھے۔ سخت
عبادت اور ریاضت کے وسیلے سے ابدی دولت حاصل کی۔ حاجی کے انتقال کے
بعد چرار کی خلافت کے مسند پر بیٹھکر خلق خدا کی رہنمائی اور رہبری کرتے رہے۔ کھیتی باڑی
کرکے اپنا روزی کماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سخت گھنگور گھٹا چھائی اور کالے بادل
خطرناک شکل اختیار کر گئے۔ ریشی نے خدمتگذاروں سے کہا۔ کہ کھیتوں سے کاٹے
ہوئے شالی کے پولوں انبار اٹھا کر لاویں ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے سستی
کی۔ یہ اٹھے اور کھیت پر چلے گئے۔ خفتن کی نماز ادا کرنے کے بعد شالی کے پولوں کے گٹھڑے
اٹھانے لگے۔ اور رات میں سات سو گٹھڑے کھلیان (خرمن) میں پہنچا دئے۔ ادھر گٹھڑا

پہنچانے پر نماز کی دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔ ایک دن ایک خادم کو نمک لانے کے لئے ہقفنہ روانہ کیا۔ پیر پنچال کی چوٹی پر پہنچکر اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اور نیچے لڑھکنے لگا۔ بچنے کی امید نہ رہی۔ ریشی کے نام بُرا کہنے لگا۔ اچانک ایک آدمی حاضر ہو گیا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو گھاٹی میں گر کر مرنے سے بچا لیا۔ جب خادم ہقفنہ سے نمک لے کر واپس آیا۔ انہوں نے فرمایا۔ گالیاں کیوں دیں؟ کیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔ جو تمہیں مرنے نہیں دیتا؟ وہ بڑا ہی شرمندہ ہو گیا۔ اور حادثہ کا قصہ یاروں کو سُنایا۔ یاروں نے کہا۔ ریشی یہاں سے کبھی بھی کہیں نہ گیا۔ ریشی کا مقبرہ موضع چکو میں ہے۔ بابا گنگی ریشی۔ بابا میری ریشی۔ سگے ریشی۔ معروف بہ سہہ ریشی۔ شیخہ ریشی مشہور بہ ہاکہ ریشی اور فتنہ ریشی۔ ریپا ریشی کے مرُیدوں میں سے ہے۔ سب کے سب روشن دل۔ صاف ضمیر۔ اہل حال وقال اور صاحب کمال تھے۔ شیخ بزرگ کے رُوضہ میں آرام پائے ہوئے ہیں۔ خدا کی رحمت ان سب پر ہو۔

جنید ریشی

فتنہ ریشی کے مرُید تھے۔ ریاضت۔ عبادت اور پرہیزگاری میں کمال رکھتے تھے۔ شیخ کے مقبرہ میں دفن ہیں۔ ان کے پوتے نواسے آج کل آستانہ کے مجاور اور خادم ہیں۔ نذر و نیاز تحفہ و تحائف اور دوسری مفت کی آمدنیوں کے مالک ہیں۔

یوسف ریشی

بابا لولی حاجی کے مرُید تھے۔ نفس کشی۔ مجاہدہ اور ریاضت میں بے مثل تھے۔ ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازی کے ساتھ دوستی اور آنا جانا رکھتے تھے۔ حضرت شیخ نامدار کے روضہ عالیہ کے احاطے میں دفن ہیں۔

بابا جوہر الدین

بابا نصر الدین ریشی کے خلیفوں میں سے تھے۔ عارف۔ عابد۔ ریاضت کش اور نفس کش صاحبدل تھے۔ رُوضہ عالی میں دفن ہیں۔

{نوٹ}

عام طور پر یہ مشہور ہے۔ کہ حضرت شیخ العالمؒ نے تین سو ساٹھ ۳۶۰ لغزوں کو اپنی تربیت سے سرفراز

فرمایا ہے۔ لیکن ان کی خلافت صرف چار بزرگوں تک ہی محدود ہے۔ اور ان چار خلیفوں سے بے شمار لوگ فیضیاب ہوئے ہیں۔ جن سے کشمیر کے مورخوں نے صرف متذکرہ بالا حضرات کا حوالہ اپنی اپنی تاریخوں کی کتابوں میں دیا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار ریشی گمنامی کے پردے کے پیچھے پوشیدہ ہیں۔ خدا کی رحمت ان سب پر ہو۔

تیسرے طبقے کے ریشی

بابا ہردے ریشی

لوہاروں کے گھرانے سے تھے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے ایک سو سال پہلے اس صاحب کمال کے ظہور کی خبر دی تھی۔ جوانی کے جوبن میں عشق آلہی کی چنگاری سینہ میں چمک اٹھی اور خدا شناسی کا شوق اور ذوق بے چین کرنے لگا۔ چنانچہ ریشیوں کا راستہ اختیار کر کے اس پر استقامت کی۔ کہتے ہیں اوائل میں اویسی تھے۔ اور ظاہر طور سے کسی سے تصوف اور سلوک کی تعلیم و تربیت حاصل نہ کی۔ عمر بھر شادی نہ کی۔ توکل۔ تنہائی اور گوشہ نشینی میں زندگی گذاری۔ دن کو روزہ دار اور رات کو بیدار رہتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔ اور ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان کے کمالات اور کرامات کا تو اندازہ نہ تھا۔

ایک دن ان کے ہاں ایک مہمان آیا۔ ان کی والدہ نے آکر کہا۔ آج تحفہ کے طور پر ایک مچھلی بھیجی تھی چیلؒ نے لے لی۔ ریشی نے کہا اگر مچھلی کو ہمیں دیا گیا تھا۔ تو پھر چیلؒ نے کیوں لے لی۔ اگر مچھلی اُسی کا حق تھی۔ تو کیوں ہمارے پاس بھیجدی۔ اسی وقت چیل آئی۔ اور مچھلی ان کے پاس رکھدی۔ اسی قسم کے عجیب و غریب بے شمار باتیں ان سے ظہور میں آتی تھیں۔

فرماتے تھے۔ کہ میرے کام کی کشایش (سلوک اور طریقت میں کامیابی) سانس کی ذکر کی حفاظت سے ہوئی۔ (کوئی سانس یاد خدا کے بغیر نہ چھوڑا) اور کوئی شک نہیں۔ کہ اس پر مضبوطی سے قدمزن رہے۔ آخر میں جناب محبوب العالمؒ شیخ حمزہ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے پوری طور پر فائدہ مند ہو کر کمال کے درجے کو پہنچے اور اپنے حالات میں ترقی پائے۔

طریقہ سہروردیہ قبول کیا۔ اور حضرت محبوب العالمؒ نے خط ارشاد کے ساتھ اپنا خرقہ اور اپنی کلاہ مبارک کو ان کو عطا فرمائی۔ کہتے ہیں کہ ساری عمر میں حضرت محبوب العالمؒ کے

زمانے پر ایک مرتبہ گوشت کو چکھا ہے۔ اور بس۔ خدا کے بھید دل اور دفینوں کے سربمہر خزانہ تھے۔
شیخ باباداؤد خاکیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے جوان کی طرف شریعت سے لاپرواہونے۔ ممنوع چیزوں کو استعمال کرنے۔ گوشت نہ کھانے۔ جمعہ اور جماعت کی پابندی نہ کرنے کی باتیں لگائی ہیں۔ من گھڑت اور بہتان ہیں۔ اگر ابتدا میں مستی اور حالات کے غلبہ کے باعث کوئی اس قسم کی بات ظہور میں آئی ہو تو عجب نہیں۔ لیکن جب مشائخوں کے ساتھ اُن کی صحبت ہوئی تو انہوں نے کسی سنت کو نہیں چھوڑا۔

حضرت خاکیؒ فرماتے ہیں:

(۱) برسوں تک ہر صبح کو اوراد فتحیہ پڑھتے تھے۔ اور یہ بات اِن کے سچے اعتقاد کی دلیل تھی۔

(۲) برسوں تک نماز کے پانچوں وقت جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ بغیر ضرورت کے اس سنت کو نہیں چھوڑتے تھے۔

(۳) دن اور رات کے جو نفل ہیں وہ ادا کرتے اور دعا مانگتے تھے۔ خدا کی عبادت میں دل سے عاجزی کرتے تھے۔

(۴) جن جن طریقوں سے یادِ خدا کی جاتی ہے۔ ان سارے طریقوں سے ذکر خدا کرتے تھے۔ مگر دل کے ذکر میں سانس کی حفاظت کرنا اُن کا شغل تھا۔ (پاس انفاس کا پورا خیال تھا)۔

(۵) سب سے بہتر جاننے والا تو خدا ہی ہے۔ لیکن ان کے کلام اور اُن کے طور طریقہ سے یہی سمجھ میں آیا۔ کہ وہ شہود (اہل تصوف کے پاس وہ درجہ جس میں نہ صرف جلوۂ حق بلکہ ہر شئے میں عین حق نظر آتا ہے۔) قرب (اہل تصوف کے پاس وہ درجہ جس میں خدا سے بندہ دور اور جدا نہیں) دیدار (تصوف کے اصطلاح میں بے مثل و مانند بیچوں بےچگوں۔ فہم۔ خیال۔ وہم وگماں سے بالاتر کو۔ ذات اور صفات کے رنگ میں دیکھنا) اور وصال (تصوف میں عشق۔ عاشق اور معشوق کے مراتب کے خاتمہ کے نام ہے۔ عاشق اور معشوق مل کر ایک ہی ہو جاتے ہیں) دوئی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نہ عاشق ہے نہ معشوق۔ نہ عابد ہے نہ معبود۔ نہ ساجد ہے نہ مسجود خود ہی عاشق خود ہی معشوق۔ خود ہی عبد ہے خود معبود۔ خود ہی ساجد ہے خود ہی مسجود۔ ظاہری رنگ میں بندگی اور خدائی ہے۔ حقیقی رنگ میں خدائی ہی ہے۔ خدائی بندگی ہے نہیں) والے لوگوں میں سے تھے۔

(۶) کہا (بابا ہردے ریشی نے) میں نے۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ ابراہیم اور خضر علی نبینا علیہم السلام کو دیکھا۔

اور ان سے بغیر کسی شریک کے نصیحتیں سن لیں۔

(۷) کہا (بابا ہردے ریشی نے) میں نے بہت دفعہ پیغمبر آخر الزماںؐ اور اس کے یاروں کو دیکھا ہے اور (خاکی کہتے ہیں) ہمارے پاس ان کی بتائی ہوئی کچھ باتیں بیان کرتے تھے۔

(۸) کہا (بابا ہردے ریشی نے) میں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو دیکھا۔ اور اُن سے رفض (تین خلیفوں اور صحابیوں کو چھوڑنا اور ان کے حق میں تبرا اور سب کہنا) کا حال پوچھا۔ انہوں نے فرمایا مسلمانوں کو برا کہنا اور گالیاں دینے کی سزا عذاب اور مصیبت ہے۔

(۹) (بابا ہردے ریشی) کہتے تھے۔ کہ میں غیبی مردوں کو بارہا دیکھا ہے۔ اور ان بزرگ لوگوں سے بہت سے اشارے خوشخبری کے سنے ہیں۔

(۱۰) (بابا ہردے ریشی نے) مسجدیں تعمیر کیں اور مہمان خانے بنائے۔ آخرت کو یاد رکھتے ہوئے۔ مقبروں کی مرمت اور آرائش کی۔

(۱۱) کھیتی باڑی کرنے کی طرف ان کی زیادہ خواہش تھی۔ اور حلال روزی حاصل کرنے کے لئے نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔

(۱۲) قناعت کے موجب سادہ (بغیر کسی زینت کے) لباس پہننے کی عادت تھی۔ کبھی ننگے پاؤں چلتے تھے۔ اور کبھی گھاس کی بنائی ہوئی جوتی پہنتے تھے۔

(۱۳) بڑے درجے کے زاہد تھے۔ اور اس کی ریاضتوں میں سے ہمیشہ دن کو روزہ رکھنا۔ گوشت نہ کھانا۔ اور ہر روز نہانا ریاضتیں ہیں۔ (ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے۔ کبھی گوشت نہ کھاتے تھے۔ اور ہر روز نہاتے تھے۔)

(۱۴) جنوں۔ انسانوں۔ فرشتوں چشموں اور پہاڑوں کی روحوں کا کشف (ظاہر ہونا) انہیں حاصل تھا۔ (ان کی روحوں کا حال دیکھتے تھے۔ ان سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور ان سے کوئی غیبی بات پوشیدہ نہ تھی)۔

(۱۵) کبھی کبھی اپنے یاروں کو وہ باتیں سنا دیتے تھے۔ جو جمادات اور نباتات کے ساتھ بات چیت کرتے وقت ہوتی تھیں۔ (پتھر۔ مٹی وغیرہ۔ گھاس پودے درخت وغیرہ ان سے باتیں کرتے تھے)

(۱۶) اس کو خدا کی مہربانی اور اپنے دل کے کشف سے وہ ساری باتیں روشن ہو جاتی تھیں۔ جو سامنے بیٹھنے والوں کے دلوں میں سے گذرتی تھیں۔ (دوسروں کے دلوں کے حالات ان پر پوشیدہ نہ تھے)

(۱۷) اُن کی ذاتِ مبارک وہ ہستی تھی جس کی دعا مقبول ہوتی تھی۔ اور اس سعادت مند کی۔

دعاؤں کی برکت سے اس کے دوستوں کے سارے مطلب اور مقصد پورے ہو گئے تھے۔
(بابا ہردے ریشی جو دعا کرتے تھے۔ وہ قبول ہوتی تھی۔ اس لئے جن کے حق میں دعا کرتے تھے۔ ان کی آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہوتی تھیں)

(۱۸) یاروں میں یہ بات مشہور ہے۔ کہ اکثر بار ان کی دعا سے بیماروں اور لاعلاج مریضوں نے صحت پائی۔

(۱۹) وہ مقامات اور وہ کرامتیں جو ان سے دیکھی گئی بے شمار ہیں۔ اور اس ناممکن بات کو کس کی طاقت گننے کی ہے۔

(۲۰) اس کشمیر میں اپنے عہد کے شیخ الدین تھے۔ اس کی وفات سال کی تاریخ "شیخ دین بود" آئی ہے۔

(۲۱) اس سال کے ماہ ذلیقعدہ کا پہلا دن تھا۔ کہ آدھی رات کو کھانسی کی بیماری سے ذکر خدا کرتے ہوئے چل بسے۔ (کھانسی کی بیماری تھی۔ ذلیقعدہ کا غرۃ تھا۔ آدھی رات کیوقت جان بحق ہو گئے) ان کی وفات تاریخ غرہ ذلیقعدہ ۹۸۶ھ کو ہوئی۔ عمر شریف کی تاریخ لفظ عابد ۷۷ ہے۔ اسلام آباد (اننت ناگ) میں ان کی زیارت مرجع خاص وعام ہے۔ ان کا عرس کشمیری حساب کے موجب پوہ کا غرہ ہے۔ شدی گھر تری (سوم)

اس عرس پر سُراج کے لوگ جہاں کہیں بھی ہوں سات دن گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو گوشت کھانا ترک کرکے ان کی متابعت کرتے ہیں۔ (اب اس رواج میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ اور وہابی فرقے کے لوگ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ گوشت کھایا کرتے ہیں۔ گو ضمیر کُشی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔

۲۷ ۱۹۴۸ء سنہ میں میرے ایک دوست کے گھر عرس کے دنوں میں آگ نمودار ہوگئی۔ شور برپا ہوا جلدی آگ پر قابو پایا گیا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ دوسرے دن میں اس کا دل ٹٹولنے کا لگا۔ اور سُراغ نکالا۔ کہ شام کو ان کے ہاں گوشت پکا تھا۔

لوگ عام طور پر گوشت کھا کر روضہ کے اندر نہیں جاتے تھے۔ میں وہاں تھا۔ میرا یہاں حیدرآباد دکن کے مدرسوں کے انسپکٹر مہمان تھے۔ انہوں نے عیش مقام جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور قرار پایا کل جائیں گے۔ ہم کھانا کھا کر نکلے ریشی صاحب کے دروازے پر میرے دوست کو مقبرہ دیکھنے کا خیال آیا۔ آستانہ کے مجاور نے دروازہ کھولا۔ اور ہم اندر گئے۔

فاتحہ پڑھی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر واپس نکلے۔ آستانہ سے نکلنے کے بعد مجھے خیال آیا۔ کہ ہم نے گوشت کھایا تھا۔ اور اس کا اظہار اپنے دوست سے کیا۔ وہ ہنس پڑے۔ اور کہا یہ کیا وہم ہے؟ میں نے کہا لوگوں میں یہ عام خیال ہے۔ تانگہ آیا اور چل پڑے۔ مٹن سے تین چار میل پر آ گئے۔ اچانک گھوڑا ٹھوکر کھا کر تانگہ الٹا اور ہم ساتھ ہی گر پڑے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ چوٹ آنے سے بچے۔ وہ کہنے لگے آپ کے وہم کا اثر تھا۔ بڑی ہنسی ہوئی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ حادثہ گوشت کھا کر مقبرہ پر جانے کے باعث ہوا۔ کیونکہ ہم نے ارادتاً نہ گوشت کھایا تھا۔ اور نہ روضہ میں جانے کا ارادہ تھا۔ لیکن بات از معنی خالی نہ تھی۔ مترجم)

بابا گنگی ریشی

خوش قسمتی اور عیش و عشرت کے اسباب اور سامان کی بہتات ہوتے ہوئے جوانی کے جوبن میں نفسانی لذتوں اور شہوت پرستیوں کو چھوڑ کر ریشیوں کے طریقے کو اپنایا۔ اور اپنی عمر تنہائی اور گوشہ نشینی میں گذاری خلق خدا کی خدمت طریقہ و عمل بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ شروع میں اُویسی تھے۔ اور کسی مربی کے پاس زانوئے ادب تہہ نہ کرتے تھے۔ کچھ مورخوں کا قول ہے۔ کہ نوری ریشی لولہ پوریکا کے تربیت یافتہ تھے۔ اور آخر میں شیخ داؤد خاکی سے طریقت کے راستے کے مرحلوں کی واقفیت حاصل کر کے دشوار گذار اور کٹھن منزلوں کو طے کر کے منزل مقصود پر پہنچکر کمال کا درجہ پایا۔ اور ارشاد کی سند حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن کھیت کھودتے کھودتے (زمین سے) پیسوں کا بھرا ہوا مٹکا نکل آیا۔ سوچنے لگے کہ ان پیسوں کو کیا کیا جائے غور و فکر کے بعد بہتر طریقہ استعمال کا یہ نظر آیا۔ کہ ٹھٹھہ سے نمک لا کر خدا کے راستے میں مسکینوں۔ محتاجوں اور غریبوں کو دیا جائے۔ ٹھٹھہ گئے اور چھ ترک (تقریباً بتیس ۳۲ سیر انگریزی) نمک کندھے پر اٹھا کر کشمیر لائے۔ راستے میں لوگوں کے چوپایوں کو پکڑ کر نمک کھلاتے اور مسکینوں اور غریبوں کو مفت میں دیتے۔ جب نمک ختم ہو گئے۔ یہی کام کرتے رہے۔ اس کے بعد جنگلوں سے میوہ دار درختوں کے پودے لا کر ادھر گاؤں میں لگا کر باغ بناتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہزار باغ میوہ دار درختوں کے اپنے ہاتھ سے لگائے۔ اس کے علاوہ پلوں اور مسجدوں کی تعمیر اور مرمت اپنے ہاتھوں کرتے تھے۔ سخت محنت اور بارکشی کے باعث ان کے جسم کا چمڑہ سخت اور کھردرا ہو گیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ چیڑ کا ایک بہت بڑا اور موٹا درخت پل بنانے کے واسطے جنگل سے کاٹا۔ اتنا بڑا کہ ہزار آدمیوں سے بھی نہ ہلتا۔ جب کانٹ چھانٹ کر کے ٹھیک کیا۔ تو آہستہ سے لٹھے کے ساتھ کا نا چوکی۔ اسی وقت لٹھا حرکت میں آیا۔ اور نہایت زور اور شور کر کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکتا۔

ہوا۔ راستے میں آنے والے درختوں کو گراتا ہوا میدان میں پہنچ گیا۔ اور پل کی جگہ لگایا۔ لٹھے کی چوڑائی تین گز (۹ فٹ) تھی۔ آخر عمر میں پوشکر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ایک دن خدمت گذاروں نے لنگر کے لئے نمک خریدنے کے واسطے قصائی کے ہاتھ ایک گائے بیچی۔ گائے شیخ کی کوٹھڑی کے دروازے پر آئی۔ اور زبان حال سے فریاد کی۔ شیخ نے منع فرمایا۔ اور خادموں کو کہا۔ گائے نہ بیچنا۔ اس کے بعد مرتے دم تک نمک نہ کھایا۔ ایک دن ایک شخص نے ایک روٹی اور ایک بنی ہوئی مچھلی بطور ہدیہ شیخ کو لائی۔ اور عرض کی کہ یہ خود ہی تناول فرمائیں۔ کیونکہ "سنت" ہے۔ شیخ نے کہا۔ میں نمک نہیں کھاتا ہوں۔ مچھلی کو دھو کر اور نمک ہٹا کر لاؤ۔ یہ شخص نہر پر مچھلی لے کر گیا۔ اور مچھلی دھونے لگا۔ مچھلی ہاتھ سے نکل گئی۔ اور بھاگ گئی۔ ایک دن پوشکر میں مسجد کی چھت کے لئے تختوں کا ایک گٹھا کندھے پر اٹھا کر چل رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا گنگی ریشی کی کوئی خبر سناؤ۔ کہا کیا خبر سناؤں۔ وہ بد ذات آدمی ہے۔ ایسا ہے ویسا ہے۔ شخص ناراض ہو گیا۔ اور لاٹھی سے ان کو پیٹنے لگا "تم کیوں بھر دخدا کو برا کہتے ہو؟" شیخ کے دوستوں نے دیکھا اور دوڑتے ہوئے آئے۔ اور ان کو چھڑایا۔

زندگی کے آخری دنوں کو ایک قبر کھودی اور رات کو اسی میں بیٹھتے تھے۔ اور واقع ہونے والی باتوں میں مرنے کے بعد کے عذاب اور قبر کی آزمائشوں کی ڈرانے والی باتیں دیکھیں اور قبر سے ڈر گئے۔ پھر ایک صندوق بنوا کر دوستوں سے کہا مجھے اسی صندوق میں رکھیں۔ دفن نہ کریں۔ جب عالموں نے سنا تو وہ ان کے پاس آ گئے۔ اور کہا۔ کہ آج تک آپ نے سنت کی متابعت کی اب کیوں نہیں کریں گے۔ عالموں کا کہنا مان لیا۔ پھر دوسری قبر کھودی گئی اور اسی میں ان کو دفن کیا گیا۔ سنہ ۱۰۱۷ میں وفات پائی۔ ان کا مقبرہ علاقہ بانگل کے گاؤں وانی گام میں ہے۔

شیخ روپی ریشی

اٹھتی جوانی میں دلی جوش کے شوق سے فانی دنیا سے متنفر ہو کر خدا شناسی کے راستے پر گامزن ہوئے۔ ریشیوں کے طریقے کو پسند کر کے تنہائی اختیار کی۔ اسی عرصے میں باطنی روحوں سے فیض و برکت پاتے رہے ایک مدت استرون کی چوٹی پر جو ولر کے گرد کے پہاڑوں پر واقع ہے۔ تنہائی میں گذارا۔ ایک رات کو وضو کرنے نکلے تھے۔ اور دور سے دیکھا کہ ایک نورانی سوار برف پر سے چلتا ہوا آتا ہے۔ جب سوار نزدیک آیا۔ ریشی نے اپنی دانائی سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی بڑا بزرگ ہوگا۔ سلام کر کے اپنا حال سنایا۔ اور عرض کی کہ میری دلی تمنا ہے۔ کہ میں آپ کا مرید بنوں۔ بزرگ نے درخواست منظور کی اور فرمایا۔ میرے

گھر آنا چاہئے۔ ریشی نے التماس کی حضرت کے دولتخانہ کو نہیں جانتا ہوں۔ فرمایا شہر آکر شیخ حمزہ کے گھر کی تلاش کرو تاکہ مجھے پاؤ گے۔ اتنا کہہ کر مرد بزرگ غائب ہو گئے۔ ریشی شہر آیا۔ پوچھتے پوچھتے حضرت شیخ حمزہؒ کے گھر پر پہنچا۔ شیخ نے کہا۔ اس گھر کا پتہ تم کو کس نے دیا تھا۔ عرض کی۔ گھر والے نے۔ اسی وقت رجوع کی اور مرید ہو گئے۔ اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ محبوب العالم نے اس کے کھانے کا انتظام الگ کروایا۔ اور ایک الگ کوٹھڑی بیٹھنے کو دی۔ ایک دن کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھے تھے۔ کہ ایک خوفناک شیر دکھائی دیا۔ سخت ڈر گئے۔ اور فریاد کی جب حضرت محبوب العالمؒ نے اسکی فریاد سنی تو ہنس پڑے۔ اور ریشی سے فرمایا۔ ریشی یہ فقیر کا گھر ہے اشترون نہیں کہ شیر ہوں گے۔ ڈرو نہیں۔ یہ غیبی آدمی ہیں جو میں نے تمہارے پاس تمہاری خدمت و صحبت کے لئے بھیجے تھے۔ ابھی ان کی صحبت کی طاقت تم میں نہیں ہے۔ تم اسی جنگل میں واپس جاؤ تاکہ تیری ہمت مضبوط ہو جائے گی۔ پھر حکم موجب اسی پہاڑ پر واپس گئے۔ اور عبادت خدا میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ۔ اعلیٰ تربیت۔ مرتبہ پر پہنچے۔ اور ارشاد حاصل کیا۔ پھر شہر آ گئے اور رحبہ کدل میں تنہا نشین ہو گئے۔ مستجاب الدعوت اور لوگوں کے حاجت روا ہو گئے۔ حضرت بابا نصیب الدین فرماتے ہیں "شیخ رؤپی ریشی کے پرتو سے میرے حال کی روشنی ہے۔ اور فقر کے مرتبہ نے اُسی سے طاقت پائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ریشی کا ہمعصر ایک کامل زاہد تھا۔ جو کچھ بھی نہ کھاتا تھا۔ اور بغیر کھانے پینے کے زندگی بسر کرتا تھا۔ اور غیب سے اس کو کھانا پہنچتا تھا۔ جب حضرت ریشی نے اس کا یہ حال سُنا۔ اپنے پاس بلایا اور حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص غیب سے جنت کا دسترخوان میرے پاس لے آتا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا دی کھانوں سے رغبت نہیں رکھتا ہوں۔ ریشی نے کہا! اے درویش خبردار رہو! ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو راستے سے بھٹکائے اور خراب کرے۔ جائے اور دسترخوان پہنچنے پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھئے۔ پھر دیکھئے کیا واقعہ ہوتا ہے۔ درویش نے رات کا کھانا پہنچنے پر ایسا ہی کیا۔ کھانے لانے والے غائب ہو گئے۔ اور کھانا بغیر نجاست اور پلیدی کے کچھ نہ تھا۔ مرد زاہد سخت پشیمان ہو گیا۔ شیخ کے پاس آکر توبہ کی۔ اور نئے سرے سے عمل کرنے لگا۔ کہتے ہیں کہ جان کنی وقت دوستوں نے ان کے پاس شربت لایا۔ شیخ نے کہا۔ میں نے عہد کیا ہے۔ کہ رب العالمین کے ساتھ ملاقات کے وقت روزہ دار ہوں۔ اور سوائے اس گدڑی کے جو میرے بدن پر ہے کچھ بھی نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ریشی کی عمر بیس برس کی تھی۔ اور اس میں ایک نو برس دائمی روزہ دار تھے۔ شروع میں ہر تیسرے دن روزہ کھولتے

تھے۔ آخر پر چالیس دن رات گذرنے پر پانی کا ایک گھونٹ پی کر افطار کرتے تھے۔ ساری عمر کو
ایک ہی خرقہ (گدڑی) میں گذارا اور نئے کپڑے کبھی نہ پہنے۔ کہتے ہیں کہ کنزدوں پہاڑ پر ایک مردم خوار
شیر تھا۔ ایک دن اس نے بارہ آدمی مارے۔ جب حضرت ریشی نے یہ حال دیکھا تو سر مبارک کو مراقبہ
میں رکھا۔ اور عالم غیب سے مراقبہ میں ان کو کہا گیا کہ یہ چور آپ کے سامان اور جایداد کو لوٹنے آئے
تھے۔ ہم نے ان کو اپنی نیت کی سزا دی۔ حضرت ریشی نے دعا کی۔ یا باری یہ چور امید لے کر آئے تھے
ان کو پھر زندگی بخش دے۔ دعا قبول ہوئے اور یہ پھر زندہ ہو گئے۔ یہ چور پھر حضرت ریشی کے مرید ہو گئے
اور ابدالوں میں شامل ہو گئے۔ غرض کی کہ حضرت ریشی ریاضت۔ عبادت اور پرہیزگاری میں لاثانی
اور اصلان حذا میں سے تھے۔ ۱۷ محرم الحرام ۹۹۷ھ کو انتقال فرمایا۔ اور محلہ کاٹل میں دفن ہو گئے۔ تاریخ

روپی ریشی رفت وسال وصل او ۔۔۔ گفت ہاتف بود شیخ اہل دین!

اہلہ ریشی معروف بہ حالہ بابا

مرہامہ کے ایک کمہار کا لڑکا تھا۔ بچپن میں گاؤں کے بچوں کے بچوں کے ساتھ میدان میں چلا گیا۔ وہاں
ایک گپھا کے اندر چلا گیا۔ اچانک دروازے پر غار کی چھت گری اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اور اسی
جگہ عشق الٰہی کا دروازہ کھل گیا۔ مٹی اٹھائی گئی اور لڑکا باہر نکلا۔ بابا ہردے ریشی کی خدمت میں
جا کر سلوک کے راستے کی تعلیم پائی۔ ریاضت و مجاہدہ میں بے نظیر ہو گیا۔ حضرت ریشی کے انتقال
کے بعد خواجہ مسعودی پانپوری کی خدمت میں چلا گیا۔ اور کمال کا درجہ حاصل کر کے ارشاد کی سند حاصل کی۔ صاحب
حال اور قال منبی لوگوں کی صحبت رکھتا تھا۔ طے مکان کرنے والا تھا۔ ایک ہی دن کے فاصلہ کو ایک منٹ
میں طے کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ریشی ایک دن مسجد میں بیٹھے۔ وہاں ایک آدمی نے پاد مارا۔ ریشی نے کہا۔ مسجد
کی عزت کا خیال نہ رکھا۔ چاہیے کہ تمہارا پیٹ پھٹ جائے۔ اسی وقت اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر
گیا۔ ایک دن کسانوں میں سے ایک نے ان کے پاس آ کر کہا کہ سنگھ کی فصل تیار ہے۔ آپ ہماری کھیتی
پر آ کر کچھ کھائیں۔ ریشی نے منظور کیا۔ اور کھیتی پر چلے گئے۔ کسان کو کہا اپنی کھیتی کی حدود دکھاؤ۔ تاکہ
دوسری کھیتی سے کچھ نہ کھاؤں۔ اس نے حدود دکھائی۔ ریشی کھانے بیٹھے اور سات آٹھ خردار
(پندرہ سولہ من) دانے ایک ہی وقت چٹ کر گئے۔ اور دعا کی خدا [illegible] دو گنی برکت کرے۔
اس شخص نے گھاس اکٹھے کی اور دو گنی مقدار میں دانے پائے۔ کہتے ہیں کہ کسی شہر میں کسی آدمی نے
ان کی غیبت کی۔ کسی اور آدمی نے ان کے پاس آ کر بیان کیا۔ حاضروں میں سے ایک نے کہا۔ حضرت میرا

گھر اسی محلہ میں ہے۔ ریشی نے کہا۔ اپنے گھر کی چھت پر کوئی نشان رکھ دو۔ رات کو سارا محلہ جل گیا اور صرف اسی آدمی کا مکان بچ گیا۔ وفات کے بعد حضرت ریشی بیجبارہ میں دفن ہوئے۔

سیہہ ریشی

بابا اسحاق نزوری کے مرید تھے۔ زاہد اور پرہیزگاری میں بے نظیر تھے۔ کھیتی باڑی کر کے روزی کما کر کھاتے تھے۔ عجیب و غریب حالات و کمالات کے مظہر تھے۔ بابا لضیب سے بھی نظر عنایت رکھتے تھے۔ بابا داؤد مشکوتی کہتے ہیں کہ ایک دن ان کی کھیتی پر گیا۔ دیکھا شلی کی نلائی کرتے تھے۔ کہا۔ صوفی آؤ میرے ساتھ نلائی کر دو۔ میں نے کہا۔ میں ریشی ہوں۔ کہا۔ مجھے بھی ریشی کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر تو ریشی ہوتا تو اتنے جاندار گھاس پھوس اور کیڑے ٹیے۔ جو تمہارے ہاتھ سے مر جاتے ہیں نہ مرتے۔ یہ بات سنی۔ ایک نعرہ لگایا۔ اور بیہوش ہو کر گرا۔ جب ہوش میں آیا۔ رونے لگا۔ اور کہا کہ "اس کام میں جو کوئی کیڑا (سانپ یا چیونٹی) سامنے آیا۔ مار ڈالا۔ اب اس کا کیا جواب دوں۔ اسی غم میں بیمار ہو گئے۔ اور ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ داراسیدہ پورہ میں پہاڑ کی تلہٹی میں دفن ہوئے۔ تاریخ:-

خرد گفت از بہر تاریخ او ! | کہ شیر بیابان عشاق گو

شنکر ریشی

بابا لضیب الدین غازی کے مریدوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ اور چچا پالتا تھا۔ ایک دن وہاں بابا لضیب الدین پہنچے۔ اس بچے کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اور ایک استاد کے حوالے کر کے قرآن مجید کے سورے یاد کرائے۔ کچھ مدت کے بعد لڑکا ابو الفقرا (بابا لضیب الدین) کے پاس چرا گیا۔ شام کو ابو الفقرا نے لڑکے سے کہا۔ حضرت شیخ العالمؒ کی قبر کے سرہانے پر جا کر کہو "میں آیا ہوں تاکہ اس طائفہ کے ساتھ شامل ہو جاؤں"۔ لڑکے نے ایسا ہی کیا اور سو گیا۔ چوروں نے کمبہ لیا اور ننگا ابو الفقرا کے پاس آیا۔ انہوں نے فرمایا۔ "سمجھ گیا کہ انہوں نے کیا کہا؟" یعنی کہ نہ بھی ریشیوں کے لئے اچھا نہیں اور خدا کے راہ میں پردہ ہے"۔ پھر اس کو سلوک کی باتیں بتا کر گھر روانہ کیا اور وہاں ایک گپھا میں خلوت نشین ہو کر ریاضت کرنے لگے۔ ایک دن بھوتوں نے گپھا میں تکلیف دی۔ اسی موقعہ پر حضرت محبوب العالم شیخ داؤد خاکیؒ۔ اور بابا لضیب الدین کی روحیں حاضر ہو گئیں۔ اور بھوتوں کو سخت جھڑکی دی۔ شنکر ریشی کو تسلی دی۔ غرض یہ ہے۔ کہ شنکر ریشی

عارف کامل تھے۔ اور شاہ دولت کی بھی صحبت رکھتے تھے۔ ایک دن بابا داؤد مشکوتی کو کہا کہ اس سال ہمارا مرشد دنیا سے عقبیٰ کو جائے گا۔ اس کا مقبرہ بیجبارہ میں سلطان زین العابدین کی جگہ مقرر کی گئی ہے۔ مجھے بھی وہیں جگہ دیں گے۔ اسی سال میں حضرت بابا نے انتقال فرمایا کہتے ہیں کہ حضرت بابا نے وصیت کی تھی کہ اُسے حضرت محبوب العالم کے روضہ کے احاطے میں دفن کریں۔ لیکن دس ہزار سے زیادہ لوگ بیجبارہ کے جمع ہو گئے۔ اور تابوت کو بند کیا۔ اور اسی جگہ دفن کیا۔ تین برس گذرنے پر شنکر ریشی نے بھی نقل کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

بنگر ریشی

خواجہ مسعود پامپوری کے مریدوں میں سے تھے۔ شوگہ بابا کے ساتھ بھی دوستی رکھتے تھے۔ ساری عمر کو غار نشین رہے۔ زعفران (کیسر) کاشت کرکے روزی کماتے تھے۔ دائمی روزہ دار اور شب بیدار تھے۔ بلند مرتبہ کے ریشی تھے۔ ان کا مزار پانپور میں مشہور ہے۔

شوگہ ریشی

بابا داؤد خاکیؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ کھویہامہ کے باشندے تھے۔ نہایت ریاضت کش اور محتاط ریشی تھے۔ کھیتی باڑی کرکے روزی کھلاتے تھے۔ ساری عمر کو صرف ایک گدڑی سے ڈھاپ بنتے رہے۔ عجیب حالات اور کمالات والے تھے۔ جب رحلت فرمائی موضع سمکہ کے متصل پہاڑ کے دامن میں آرام پایا۔ کہتے ہیں کہ ریشی کے وفات کے بعد ناگہانی آفتوں اور حادثوں کے واقع ہونے کے موقع پران کے روضہ سے توپ داغنے کی سی آواز نکلتی تھی۔ چنانچہ ۱۲۲۷ھ کا کالرا پھوٹ پڑنے سے پہلے نہایت سخت گرج نکلی۔ ایسی سخت کہ روضہ کے مغربی سمت کے پنجرے ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ اور سفیدہ کا ایک بڑا درخت جو کہ روضہ کے متصل تھا۔ اس طرح پھٹ گیا تھا۔ کہ گویا اس کو توپ کا گولہ لگا ہے۔ واللہ اعلم! ایک بوڑھے نے جوان کے مقبرہ کا مجاور تھا سنایا ہے کہ وہ ایک دن شام کے بعد اس نہر سے جو روضہ کے پاس ہی ہے۔ عبور کرتا تھا۔ اور اچانک ڈوب کر پانی کے نیچے چلا گیا۔ نہایت گھبراہٹ اور بے چینی کی حالت میں تین دفعہ شوگہ بابا کا نام زبان پر لایا۔ غیب سے پیدا ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کنارے پر پہنچایا۔ اور فرمایا ارے بے وقوف ایسا کام کیوں کیا؟

لدہ ریشی

بابا ہردے ریشی کے مُریدوں میں مددرجہ خدا ترس - پرہیزگار - تارکِ دنیا اور بڑی عمر والے تھے۔ عمر بھر پرگنہ برنگ کے سُندہ براری کے چشمہ پر گوشہ نشین رہے۔ ان کا مقبرہ پرگنہ ادلہ کے کوچہ مولہ گاؤں سے ایک کوس اوپر نورہ گام میں ہے۔ کہتے ہیں کہ لدہ ریشی کی خدمت ایک آدمی کرتا تھا کچھ لوگوں نے اس آدمی کے پاس بابا کی غیبت کی اور یہ بات بابا نے سُنی ۔ یہ شگوفہ کھلنے کا وقت تھا۔ ماہ شعبان کا مہینہ تھا۔ حضرت بابا نے بیس ۲۰ ماہ شعبان کو کوٹھڑی میں چلہ کاٹنے کی نیت کی۔ عنبر سیب کی شگوفہ دار ٹہنی ساتھ رکھی۔ خدمت گذار کو کہا۔ کوٹھڑی کے دروازے کو کنڈی (زنگل) لگا کر مٹی سے بند کر دو عید کے دن اگر کوٹھڑی سے آواز آئے گی تو دروازہ کو کھول دو۔ نہیں تو کچھ نہ کرنا۔ عید کے دن کوٹھڑی سے آواز آئی۔ خادم نے دروازہ کھولا۔ حضرت بابا کو انار کے پھول کی طرح چمکتا ہوا دیکھا۔ لوگ ان کی زیارت کو آئے ہر آدمی کو ایک ایک پکا ہوا سیب تبرک کے طور پر دیدیا۔ منافق شرمندہ ہو گئے۔

بابا نمی ریشی

بابا ہردے ریشی کے خلیفے تھے۔ نہایت ہی ریاضت کرنے والے تھے۔ اسلام آباد کے قصبے میں عید گاہ کی طرف دفن ہیں۔

اللہ داد ریشی

ہردے ریشی کے چھوٹے بڑے خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ خواجہ مسعود پانپوری کی صحبت حاصل تھی۔ بیجبارہ میں دفن ہیں۔

لونی ریشی ۔ زونی ریشی اور شنگہ ریشی۔

تینوں ریشی قصبہ اسلام آباد میں۔ کریوہ کی چوٹی پر دفن ہیں۔ بعض مورخوں کے قول کے موجب یہ سابقہ ریشیوں کے طبقے میں سے ہیں۔ بعضوں کے بیان کے مطابق یہ حضرت ہردے ریشی کے مریدوں میں سے ہیں یہ سارے روشن ضمیر اور صاف دل خاصانِ خدا گذرے ہیں۔

رنگی ریشی ۔ سونتی ریشی ۔ زینی ریشی اور اللہ داد ریشی۔

حضرت بابا الدین غازی کے یاروں میں سے تھے۔

شیخ نجم الدین ریشی مشہور بہ نجی ریشی

خواجہ مسعود پانپوری کے خلیفوں میں سے تھے۔ باطنی کمالات حاصل کرنے کے بعد کوہ سلیمان (تخت سلیمان

شنکر آچاریہ پہاڑی) کے دامن میں خوبستی پورہ کے مقام پر تنہا نشینی اختیار کی۔ ساری عمر تنہائی۔ گوشہ نشینی۔ دائمی روزہ رکھنے اور گوشت ترک کھانے میں گذاری۔ عالم سال کو سوتی کپڑے کے ایک ہی کرتہ میں رہتے تھے۔ سبزی ترکاری بھی نہ کھاتے تھے۔ نہایت ہی تھوڑے کھانے سے روزہ کھولتے تھے۔ اور ایک زمانہ تک گمنام رہے۔ عالمگیر کے وزیر سعد اللہ خان کو کہیں سے ان کا پتہ چلا اور وہ کسی خاص وجہ سے ان کے معتقد ہو گئے۔ ان کی آمد و رفت سے ریشی کی شہرت ہو گئی۔ اور ریشی کے پاس عام و خاص آنے لگے۔ یہاں تک کہ ریشی لوگوں کے ہجوم سے تنگ دل ہوتے تھے۔ اور نذر و نیاز ہدیہ اور تحفے جمع کر کے فقیروں میں بانٹ دیتے تھے۔ اور کل کے واسطے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک دن ان کی بہن نے آزمائش کے طور پر نذر میں آئی ہوئی ایک اشرفی (سونے کا پونڈ) قصابے (سر پر باندھنے کا رومال) میں چھپا کر رکھی۔ اس وقت پیٹ کے درد سے بیمار ہو گئی۔ جلدی جلدی اشرفی سر بند سے نکال کر بابا کے حوالے کی۔ سدّ ناو پورہ (سقو۔ بنڈ) (یہ بنڈ آج کل بھی سدّ قاضی ہی سے مشہور ہے۔ حسن نے ناو پورہ محلہ کا نام اس لئے ساتھ رکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بنڈ کہاں واقع ہے۔) جس کو قاضی زادہ ابو القاسم نے بنوانا شروع کیا تھا۔ بانی کے وفات کے موجب نامکمل رہ گیا تھا۔ لوگوں کو آنے جانے وقت دلدل اور کیچڑ سے تکلیف پہنچتی تھی۔ حضرت ریشی نے زر کثیر خرچ کر کے اُسے اونچا اور چوڑا کیا۔ اور پہاڑ سے پتھر منگوا کر اس پر ڈلوا دئے۔ حضرت ریشی ان پڑھ تھے۔ اس لئے ایک مہر کھدوائی تھی جس پر یہ دعا "یَا خَفِیَّ الْاَلْطَافِ نَجِّنَا مِمَّا نَخَافُ" کندہ تھی۔ اسی مہر کو چھٹیوں و تیقوں (لین دین کے کاغذات) پر لگاتے تھے۔ حاجت مندوں کو کاغذ پر یہی مہر لگا کر تعویذ کے طور پر دیتے تھے۔ سنہ ۱۰۷۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اور اسی گاؤں میں آرام کی نیند سو گئے۔

شنگہ ریشی

مولانا شاہ گدا کے خلیفوں میں۔ خاصانِ خدا اور صاف دل صاحبدلوں میں سے تھے۔ محلہ خانڈانی میں سڑک پر دفن ہیں۔

رُوپی ریشی

پرگنہ اولر کے لورہ گام گاؤں کے باشندے تھے۔ صاحب حال و قال۔ کمالات و حالات تھے۔ ابتدائی حال سے دل برداشتہ ہو کر ترک دنیا کی۔ آبادی سے دور جنگل میں ریاضت و عبادت کرنے کیلئے گوشہ نشین ہو گئے

اویسی طریقے کے ریشی تھے۔ حضرت بابا لطیف الدین۔ شیخ بٹہ ملو اور لودی ریشی سے دوستی اور صحبت رکھتے تھے۔ آخر کار پرگنہ اُولر کے کوچھ موُلہ گاؤں میں ایک چشمے پر اپنے ہاتھ سے مسجد بنا کر پچاس برس تک اسی جگہ تنہائی میں گذارے۔ اس زمانے میں کبھی کبھی دو دو تین تین مہینوں کے لئے جنگل میں جاتے اُور واپس آتے۔ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے۔ گوشت کبھی نہ کھاتے تھے۔ اور کسی تھوڑی سی چیز سے رُوزہ کھولتے تھے۔ کبھی دو دو تین تین دن کیلئے روزۂ وصال (روزہ ہی نہ کھولنا بغیر افطار کے روزہ لگاتار رکھنا) رکھتے تھے۔ کبھی تو سیر کھانا بہ یک وقت کھاتے تھے۔ حضرت شیخ العالمؒ کے شعر زبانی یاد تھے۔ مزے لے کر پڑھتے تھے۔ جب دنیا کو الوداع کہی وہیں دفن ہوئے۔

مہدی ریشی کاکاپوری

میر محمد باقر نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ پرہیز گار۔ ریاضت کش اور نہایت محتاط بزرگ تھے۔ خطار شاد حاصل کرنے کے بعد کاکاپور کی مسجد میں چالیس ۴۰ برس گذارے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اور گوشت نہیں کھاتے تھے۔ بہت نرم دل۔ رحمدل اور سوز گداز والے تھے۔ رات دن آہ و نالہ اور گریہ زاری کرتے تھے۔ لمبی عمر پائی۔ سنہ ۱۰۹۹ میں رحلت فرمائی مسجد کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔

علی ریشی

میر محمد باقر کے مُرید اور مہدی ریشی کے بڑے بھائی تھے۔ پرگنہ چھراٹ کے ایک گاؤں کونیل میں ریاضت و عبادت کی ضروری عملوں کو مشغول رکھتے تھے۔ ریشیانہ رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اُن کے مُریدوں میں سے شیخ یعقوب نام محلہ جمالتہ میں صالح۔ ذاکر۔ گوشہ نشین۔ ریاضت کش اور نہایت ہی احتیاط والا تھا۔

لالہ ریشی

بکی ریشی کے بھتیجے اور خلیفہ تھے۔ خدا کی یاوری اور توفیق سے طریقت اور معرفت کی باتیں خالو سے سیکھکر بلند مقام پر پہنچے۔ روزہ دار اور شب بیدار ہوتے تھے۔ پرہیز گاری۔ خدا ترسی اور نفس کشی میں عجیب شان رکھتے تھے۔ پرگنہ بھاک کے ایک گاؤں ذکرہ میں دفن ہیں۔ ۸ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۱۰۵ھ کشمیری ۸ مارچ۔ جیٹھ سنڈی دہم کو وفات پائی۔

سونتی ریشی

بجی ریشی بابا کے مرید تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور گوشت سے پرہیز کرنے والے تھے۔ تنہائی اور خلوت نشینی میں عمر گذاری۔ ترکِ ترک، اُن کا لائحہ عمل تھا۔ (ظاہری اور باطنی بدی یا شر کے چھوڑنے کو ترک کہتے ہیں۔ ترک میں نیکی اور خیر ہی کا پہلو باقی رہتا ہے۔ ترک ترک میں اس پہلو سے بھی بے نیازی ہے)

لالہ ریشی و ایبہ ریشی عرف ٹھگ

کھونہ موہ گاؤں کے باشندے تھے۔ اور بنگرہ پانپوری کے مرید پانپور کے قریب گبل کے مقام پر دریا کے کنارے تکیہ بنایا تھا۔ اور اسی میں اپنی عمر تنہائی اور گوشہ نشینی میں گذاری۔ تمام لذیذ چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اور ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے۔ لوگوں سے میل جول بہت کم رکھتے تھے۔ لالہ ریشی اسی جگہ وفات پا گئے۔ ایبہ ریشی اپنے خاص خلیفہ خواجہ علی سود کے ساتھ چھتہ بل آئے۔ بقیہ عمر کو وہیں عبادت۔ ریاضت اور قناعت میں گزار کر راہی ملک بقا ہوئے۔ یہ اور ان کا خلیفہ دونوں وہیں دفن ہیں۔

شیخ محسن معروف بہ ہاکہ بابا

حضرت ابوالفقرا (بابا نصیب الدین) کے مریدوں میں سے تھے۔ ساری عمر پرگنہ لار کے ایک گاؤں ہاری پورہ کے پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے کے کنارے گزاری۔ بغیر نمک ساگ کے اور کچھ نہ کھاتے تھے۔ جن کے موجب ان کو ہاکہ بابا کہتے تھے (ہاک کشمیری میں ساگ کو کہتے ہیں۔) کسی رالفت نہ کرتے تھے جانباز ریاضت کش تھے۔ اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

شیخ احسن مشہور بہ لونہ ہاکہ بابا

حضرت ابوالفقرا کے مرید تھے۔ نمکین ساگ سے روزہ کھولتے تھے۔ ریاضت اور پرہیزگاری میں بڑی شان رکھتے تھے۔ خداشناسی اور صاحب عرفان تھے۔ پرگنہ لار کے گاؤں دسن میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

تمام شد خمسِ دوم

تیسرا حصّہ مشائخ اور صالحوں کے بیان میں

شیخ بہاء الدین گنج بخش

خواجہ اسحاق ختلانی کے مریدوں میں سے تھے۔ طریقت کے منزلوں اور حقیقت کے مرحلوں کو طے کرنے سے فراغت پاکر جلال و رعب داب۔ ولولہ اور دبدبہ۔ علو مراتب و بلندیٔ مقامات آلٰہیہ۔ فانی اللہ و بقا باللہ کی کشش۔ شورش ظلمی۔ مستی مدہوشی۔ اور استغراق جیسے بدلنے والے حالات کے میدان میں پڑ گئے۔ مدت تک تنہائی۔ گوشہ نشینی اور گمنامی کے پردے میں چھپے رہے۔ محتاجوں کو گنج بخشنے والے۔ گداؤں کو شاہی دینے والے پکے ہوئے چاولوں کے دانے گلیوں اور کوچوں میں سے دن کو چلتے چلتے اٹھانے اور دھوکر کھاتے۔ کہاں تک چھپے رہتے؟ اوّل تو بابا عثمان اُوچیپ گنائی جنکا ذکر آگے آئیگا اور جن کو ان کے کمالات کا کچھ پتہ لگا تھا۔ اور ان کے معتقد ہوئے تھے۔ ان کی شہرت کے باعث ہوئے۔ پھر ایک نالوائی کے بیٹے کو دوبارہ زندہ کرنے کے واقعہ نے ان کی شہرت بڑھائی اور مشہور آفاق کر کے عقیدت مندوں کا ملجا و ماوا بنا دیا۔ کہتے ہیں کہ آنجناب نے زینہ کدل پل کے نیچے سرکنڈوں (نرسل) کی جھونپڑی بنائی تھی۔ اور اسی میں ریاضت و عبادت اور مجاہدہ میں وقت گذارتے تھے۔ ایک دن سلطان زین العابدین ملاقات کو آیا۔ اور عرض کی کہ میری کشتی میں اتر کر تھوڑی دیر دریا کی سیر سے دل بہلائیں۔ جناب نے نہ مانا۔ سلطان نے اصرار کیا۔ حضرت کو جب خیال آیا کہ یہ اپنی کشتی میں اتارنے کے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ تو اپنی جائے نماز (مصلا) کو پانی پر ڈال دیا۔ اور خود اس پر بیٹھ گئے۔ اور مصلا دریا پر اس تیزی سے چلا کہ شاہی ملاحوں کی کوشش اسکو پکڑنے میں ناکام رہی۔ ایک دفعہ سلطان زین العابدین کی کسی بات پر نہایت خوش ہو گئے۔ اور مہربان ہو کر فرمایا "ہم نے تمکو اپنے وقت کا بادشاہ بنا دیا"۔ "اور بے شمار خزانے تمکو دئے" زیادہ وقت گذرنے نہ پایا۔ کہ سلطان زین العابدین اپنے بھائی علی شاہ پر غالب ہو کر بادشاہ بنا اور بے شمار خزانے جمع کئے۔ اسی لئے آنجناب کو گنج بخش کہنے لگے۔ اور آجتک کہتے ہیں۔ ان کے ایسے ہی کمالات اور کرامتیں بے شمار ہیں۔ ایک رات موضع کرشہ بل میں مراقبہ کر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ چوروں کی ایک جماعت نے اس جگہ آکر مال مسروقہ آپس میں بانٹ دیا۔ اور جب بانٹ کر فارغ ہوئے تو ان کو دیکھا اور دل میں ڈر پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ راز کھل جائے۔ اسی اندیشہ سے انہیں شہید کر دیا۔ اسی وقت سلطان زین العابدین نے

اُس واقعہ کو خواب میں دیکھا۔ اور نہایت جلدی سے جائے وقوعہ پر دوڑے اور ان کے جسم مبارک کو اٹھا کر ان کی عبادت کی کوٹھڑی میں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے وقوع ہونے سے پہلے شیخ نے یاروں کو وصیت کی تھی۔ کہ مجھے مرنے کے بعد پاؤں میں رسی باندھ کر گھسیٹتے گھسیٹتے مرگزار تک لیجائیں۔ محب اور دوست اس بات کو عملی جامہ پہنانے میں وسوسہ میں پڑ گئے۔ اور پریشان ہوئے۔ سلطان نے گھاس کی رسی کا تابوت جیسا بنوا کر ان کی نعش کو اسی میں رکھوایا۔ اور پاؤں کو رسی سے اسی کے ساتھ باندھ کر گھسیٹتے گھسیٹتے مقبرہ تک لے گئے اور دفن کیا۔ یہ واقعہ ۸۴۳ھ کے ماہ رجب کے غرہ پر ہوا کشمیری حساب کے جہنزندی تیری (سوم) لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ کو سید محمد مدنی۔ شیخ نورالدین اور شیخ سلطان کشمیری کے ساتھ دوستی اور صحبت تھی۔ حضرت بابا عثمان اوچپ گنائی فرماتے تھے۔ کہ شیخ نورالدین اپنے ساتھیوں سے بڑھ چڑھ کر خیال کرتے تھے۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ یہ کسی مدت کے لئے قطب عالم تھے۔ ان کی زیارت مزار کلاں (محلہ کھواہ) میں ہے جو مقبرہ سلطان زین العابدین کی بیوی نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اور ان کے موجب عام وقف کر دیا۔

میاں شاہی

سید بلبل شاہ کے مریدوں میں سے عارف باللہ اور فنافی اللہ تھے۔ عبادت۔ ریاضت۔ زہد تقویٰ۔ مجاہدہ تنہائی اور گوشہ نشینی میں عمر بسر کی۔ مرشد بزرگوار کی خدمت جانفشانی سے کرتے رہے۔ حضرت بلبل شاہ کے مزار مقدس میں آرام پائے۔

شیخ سلطان

کشمیر کے بہت ہی بڑے صاحب حال وقال۔ روشن ضمیر اور بے نظیر دوست خدا تھے۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کے منظور نظروں میں سے تھے۔ شیخ نورالدین بدخشی اور خواجہ اسحاق ختلانی سے ارشاد کی سند حاصل کی تھی۔ ساری عمر کو عبادت۔ ریاضت اور مجاہدہ میں گزارا۔ دنیا کی ملکوں کی سیاحت میں بڑے بڑے ولیوں سے ملاقات اور دوستی ہوئی۔ انجام کار تگین میں ایک بند اور وسیع خانقاہ تعمیر کر کے خلق خدا کی فائدہ رسانی میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخ نورالدین ریشی اور شیخ بہاءالدین گنج بخش کے ساتھ دوستی اور ملاقات تھی۔ آخر عمر میں سلطان محمد خان کی منت وسماجت اور اصرار پر کھیلی کے علاقہ میں تشریف لے کر راہ خدا کے طالبوں کی رہبری کی۔ اور وہیں راحت ابدی کی نیند میں سو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مریدوں سے فرمایا تھا۔ کہ حاجت اور درماندگی عاجزی اور لاچاری کے وقت پر میرے نام کو "مددا" کر کے سات دفعہ پڑھا کریں۔ انشاءاللہ حاجت روائی ہوگی۔ اسی باعث سے

اُن کے معتقد اسی طرح سے عمل کرتے ہیں۔ اور اپنی حاجت روائی کے لئے یہ "ورد" کافی خیال کرتے ہیں۔ جناب کا روضہ پکھلی کے ملک میں فیض و برکت کی جگہ ہے۔ اعتقاد والے ان کی قبر شریف پر حاجت روائی کے لئے دعا مانگ کر اپنے مقصدوں کو پاتے ہیں۔

حاجی ابراہیم ادہم

سُلطان ابراہیم ادہم کے خاندان کے ساتھ نسبت رکھتے تھے۔ شہر بلخ کے بہت بڑے امیروں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے بحر زخار تھے۔ عشق آلہی اور جذبۂ خداشناسی نے ترک دنیا کرا کے ملک ملک اور شہر شہر کی سیر کرنے کے لئے گھر بار اور جاہ و حشم کو خیرباد کہلوایا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے کرتے سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر پہنچے اور تقریباً پچاس برس گذار کر ۸۲۱ھ میں دار جاودانی کو سدھارے۔ شاعرواری میں جو شاہی قلعہ کے باہر ہے۔ دفنائے گئے۔ حضرت ابراہیم ادہم کو شیخ بہاءالدین گنج بخش۔ شیخ سلطان کشمیری اور شیخ نورالدین نورانی کے ساتھ دوستی اور میل جول تھا۔ فرمایا تھا کہ میں نے ان تین بزرگوں جیسے صاحب حال اور قال نہیں دیکھے ہیں۔ کتاب "مقامات" در حالاتِ اولیا ان کی تصنیف ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نہایت بلند پایہ دوستِ خدا تھے۔ بے اندازہ اور بے شمار لوگ ان کے ظاہری اور باطنی فیض و برکت سے فیضیاب ہوئے۔

شیخ جدل بخاری

نہایت ہی عالی مرتبہ اور بلند پایہ ولیوں میں سے تھے۔ عالی قدر سیدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ کشمیر وارد ہوئے۔ لوگوں کو راہِ راست دکھانے اور فائدہ پہنچانے میں بہت کوشش کی۔ اور رحلت کے بعد مزار سلاطین میں آرام پائی۔

شیخ داؤد

شہر کے بزرگوں اور شریفوں میں سے تھے۔ سید تاج الدین سے طریقت کے منزلوں اور حقیقت و معرفت کے مرحلوں کی آگاہی پا کر منزل مقصود کو پالیا۔ مسند ارشاد پر متمکن ہو کر لوگوں کی رہبری کی۔ شہام پورہ میں دفن ہیں۔

شیخ سلیمان

کشمیری پنڈتوں کے رشیوں میں سے تھے۔ سری کنٹھ پہلا نام تھا۔ ازلی سعادت سے جینوزا کا ٹانکا توڑ دیا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ مدرسۃ الاسلام میں قرآن مجید کو زبانی یاد کیا۔ بھائیوں اور رشتہ داروں کے ڈر سے سمرقند چلے گئے۔ وہاں سے لفظی اور عملی علموں کو حاصل کرنے کے بعد پھر کشمیر آ گئے۔ یہاں اپنے آپ کو بھائیوں سے محفوظ نہ پاکر پھر کولاب چلے گئے۔ اور وہاں حضرت امیر کبیر کی خدمت حاصل کی۔ حضرت امیر نے پوچھا۔ اے شیخ کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی۔ باغ سلیمان کے ملک سے حضرت امیر نے شیخ سلیمان نام رکھا اور مریدوں کے دائرے میں شامل کیا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت امیر کے ہمراہ یہاں آئے۔ اور یہیں ٹھہر گئے۔ جب رحلت کی تو جامع مسجد کے متصل دفنائے گئے۔

شیخ احمد خوشخوان

شیخ سلیمان کے بیٹے تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ بچپن میں باپ کے ساتھ کولاب جاکر حضرت امیر کبیرؒ کی ملازمت سے مشرف ہوئے۔ اور حضرت کے خاص مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوئے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں سب سے آگے بڑھے۔ حضرت امیر نے ان کو فرزند معنوی قرار دیکر ان کے بیٹھنے کی جگہ اپنے ساتھ صدر عالی پر مقرر کی۔ کچھ مدت کے بعد حضور کے ہمراہ کشمیر آئے۔ اور ہر لحظہ آنجناب کی منظور نظر رہے۔ جب آنجناب کولاب واپس تشریف لے گئے۔ تو انہی اپنے جگہ خلیفہ بناکر مسند خلافت پر بٹھایا۔ اور شیخ سلیمان کی تزئین جواب سفید ریش ہوگئے تھے۔ ان کے حوالے کی۔ اور فرمایا کہ سفید ریش خلافت کی نشانی نہیں۔ باطنی ازلی عنایت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ مدعا یہ۔ کہ شیخ احمد صاحب حال وقال والے لوگوں کے اس پیشوا اور رہبر کے انتقال کے بعد کولاب میں کئی سال تک ارشاد کے سجادہ پر بے شمار لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض پہنچاتے رہے۔ چونکہ قرآن مجید کی تلاوت نہایت ہی خوش لحن سے کرتے تھے۔ اسی لئے خوشخواں کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ آخر عمر میں کشمیر آکر گوشہ نشین ہوئے۔ اور والد بزرگوار کے مقبرہ میں متصل جامع مسجد سید محمد لورستانی کی قبر کے برابر ان کی قبر ہے۔

مولانا سعید

حضرت میر محمد ہمدانی کے خلیفوں میں سے تھے۔ مجاہدہ۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں لاثانی تھے۔ سید بزرگوار کے زمانے میں خانقاہ معلّٰی کی تولیت پر مستقل ہوکر عمر شریف کو نیکنامی میں بسر کیا۔ کامل اور

اور فاضل لوگوں کو دوست بنائے۔ رحلت کے بعد صحن خانقاہ معلی میں دفن ہوئے۔

بابا عثمان اوچپ گنائی

اپنے عہد کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اس زمانے کے عرف کے مطابق "گنائی" لکھے پڑھے لوگوں کا "لقب تھا۔ منشی۔ مفتی۔ پٹواری۔ وثیقہ نویس وغیرہ کو "گنائی صاحب" کہہ کر پکارتے تھے۔ مروجہ تعلیم وقت سے فارغ ہوکر خداشناسی کا ذوق اور شوق دل میں موجزن ہوا۔ اور مرشد کی جستجو کی فکر میں پڑ گئے۔ یہاں صاحبدلوں اور خدا دوستوں سے استفادہ کرکے سفر کا ارادہ کیا۔ اور دنیا کی طرفوں کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے حرمین شریف (مکہ و مدینہ) پہنچے اور شیخ اسحاق شطاری کی خدمت میں مشرف ہوکر ان سے منازل طریقت اور اسرار حقیقت کا استفادہ کیا۔ شیخ اسحاق شطاری نے حضرت شیخ بہاء الدین گنج بخش سے فیضیاب ہونے کی تلقین فرمائی اور موخرالذکر کے اوصاف اور شمائل بیان فرمائیں۔ حضرت بابا ارکان حج پورے کرنے کے بعد کشمیر آئے اور حضرت شیخ بہاء الدین گنج بخش کی صحبت اور ملازمت سے مشرف ہوئے۔ اور انہیں چھپے رہنے اور گمنامی کے پردہ سے نکالا۔ حضرت گنائی نے ان کے زیر تربیت رہ کر خود نہایت محنت اور جانفشانی سے وہ ریاضتیں۔ وہ مجاہدے اور وہ عبادتیں کیں جن سے وہ اس مرتبہ پر پہنچے جسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مقام "لانفعل" کہتے ہیں۔ اور حضرت شیخ نورالدین اور بابا حاجی ادہم کی صحبت سے مزید فائدے حاصل کیے۔ جب رحلت فرمائی مزار سلاطین میں مرزا حیدر کاشغری کی قبر کے آگے ان کی نعش کو دفنایا گیا۔ ان کے پوتوں نواسوں اور ان کی ذریت کے افراد علم اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے۔ جن میں سے کسی کسی کے حالات کا تذکرہ اپنی جگہ پر ہوگا۔

شیخ فتح اللہ

شیخ احمد خوشخواں کے فرزند ارجمند تھے۔ صاحب جمال و جلال۔ حال و قال۔ انوار سبحانی کے مظہر اور اسرار ربانی کے مصدر تھے۔ عقلی اور نقلی علوم کے علاوہ تصوف اور معرفت کے حقائق اور رموز کنایات کی پوری واقفیت رکھتے تھے۔ والد بزرگوار کی خلافت کا خلعت پہنا۔ اپنے زمانے میں روزگار کے بلند پایہ مردوں میں سے تھے۔ قاضی کدل کے سیدوں کے مرگزار میں دفن ہوئے۔

بابا اسماعیل زاہد

شیخ فتح اللہ خوشخوان کے پیارے بیٹے اور خلیفہ تھے ۔ روشن دل ۔ پرہیز گار ۔ خدا ترس ۔ ریاضت
کش چھوٹے اور بڑوں کے مطاع اور کشمیر کے شیخ الاسلام تھے ۔ مجازی اور حقیقی حقیقتوں کے دریافت
کے بعد کوہ ماران (ہاری پربت) کے دامن میں شمال کی طرف راجہ ہرشہ دیو کے بتخانہ کو گرا کر ایک بلند اور
وسیع خانقاہ تعمیر کی جس کے تین سو ساٹھ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے ۔ اسی میں لوگوں کو راہ خدا
دکھانے میں اور ہدایت کرنے اور ظاہری و باطنی فیض پہنچانے کے لئے مرشدی کی گدی بچھائی اور
لنگر جاری کیا ۔ ہزارہا فقیر مسکین اور طالب علم دور دراز ملکوں اور شہروں سے آکر یہاں جمع ہو گئے
سبوں کو لنگر سے روٹی ملتی تھی ۔ خانقاہ میں چار سو صوفی روزانہ اوراد پڑھا کرتے تھے ۔ اور
چاک کے دیہاتوں کے لوگ جو کئی کوہ میلوں کی دوری پر تھے ۔ ان کی آواز سنتے تھے ۔ طالب
علموں کو درسی کتابیں اور دوسری ضرورت کی چیزیں اپنی گرہ سے دیتے تھے ۔ ہر آدمی کی ظاہری
اور باطنی تربیت نہایت خوشدلی سے کرتے تھے ۔ مال و جایداد ۔ زراعت اور نذر و نیاز ۔ تحفہ
و تحایف میں خدا نے بہت ہی برکت کی تھی ۔ باغ دولت آباد ۔ معروف بہ رینہ واری جو راجہ دلن
رینہ کے بیٹے دولت رینہ نے بنایا تھا ۔ جہانگیر رینہ نے اس کو انہیں بطور نذر دیدیا تھا ۔ اس
میں انگور کے بے شمار درخت تھے ۔ اور حضرت مخدوم قدس سرہٗ ایک مدت تک اس باغ کی رکھی
کرتے تھے ۔ اس باغ کی آمدنی خانقاہ کے لنگر پر خرچ ہوتی تھی ۔ کوپہ وارہ کا شمس چک
حضرت بابا کا مرید صادق تھا ۔ اور ان کی دعا کی برکت سے سلطان محمد شاہ کے زمانے میں وزارت
کا عہدہ سنبھالے ہوئے تھا ۔ ان کے فرمانے پر وزیر مذکور نے اسلام کو رواج دینے ۔ بت
خانوں کو منہدم کرنے اور بتوں کو توڑنے میں بہت کوشش کی ۔ اور ان کی بندگی کے لئے سید
محمد لورستانی کے مزار کے متصل ایک عجیب دو طبقی خانقاہ جس کے اوپر اور نیچے کی دونوں طرفوں
میں کوٹھریاں اور دریچے تھے ۔ مضبوطی سے تعمیر کی ۔ اور مسافروں ۔ مستحق لوگوں کے لئے لنگر بھی جاری
کیا ۔ موضع بنہ ہامہ اور ہرن پرگنہ لار میں لنگر کے لئے وقف کئے ۔ حضرت بابا آخر عمر میں اسی
میں قرار پذیر ہو کر خلق خدا کو راہ خدا دکھاتے رہے ۔ اسی خانقاہ میں عالمگیر کے وقت تک وقفی کتب
خانہ موجود تھا ۔ اور جاگیر کے گاؤں اور باغات کی آمدنی سے لنگر جاری تھا ۔ سنہ ۱۰۹۰ھ میں خانقاہ
کو آگ لگ گئی ۔ اور لنگر بھی اسی کے ساتھ راکھ ہو گیا ۔ مختصر یہ ہے ۔ کہ حضرت بابا اپنے
وقت کے لاثانی و خدا دوست تھے ۔ ہر سال گھر کو لوٹ کراتے تھے ۔ اور علاوہ اس کے
لاکھوں روپے سخاوت اور داد دہش میں صرف کرتے تھے ۔ ایک لمبی عمر پائی تھی ۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۱۶ کو دنیائے فانی سے کوچ فرمایا۔ شیخ بہاء الدین گنج بخش کے دروازہ کے باہر اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ آرام فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انتقال کے دن اپنے سارے مال وجائیداد اسباب اور سامان کھیت اور باغات کو خدا کے راستے میں دیدیا۔ اور اپنے بیٹے بابا فتح اللہ کو مستحق لوگوں کے حصّہ سے کچھ بھی زیادہ نہ دیا۔ اور رینہ واری باغ کو لوگوں کے مزار کے لئے عام وقف کر کے میر محمد ہمدانی کے وقف کی ہوئی زمین کے ساتھ شامل کر دیا۔

شیخ شمس الدین بغدادی

بلند درجہ رکھنے والے خدا دوستوں میں سے تھے۔ صاحب حال و قال۔ کشف وکرامات اور خوارق عادات تھے۔ دنیا کے ملکوں کی سیر وسیاحت کرتے کرتے سلطان زین العابدین کے وقت میں گلشن کشمیر کو تر وتازگی اور سرسبزی بخشی۔ سلطان نے اُن کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھکر زینہ پور کے محل شاہی میں جو انہی دنوں میں تعمیر ہو کر تکمیل کو پہنچا تا ہوا۔ انہیں ٹھہرایا۔ اور بذات خود خدمات سرانجام دیتا رہا۔ حضرت شیخ کو یہ جگہ پسند آئی اور ایک روز سلطان سے کہا۔ "دو بادشاہ در اقلیمی نگنجند" (دو بادشاہ ایک ہی ملک میں نہیں سما سکتے ہیں۔ یا اس جگہ کو ہمارے لئے خالی کر دیں۔ یا ہمکو کوئی اور جگہ رہنے کو دیں۔ سلطان خود شہر آئے اور محل کو ان کے لئے خالی کر دیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ اسی جگہ رہ کر لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کرتے رہے۔ ایک بڑا اور وسیع لنگر جاری کیا۔ جس کا خرچ سلطان سے پہنچتا تھا۔ جب حضرت شیخ نے وصال کے پیغام کو لبیک کہا۔ تو اپنے سارے مریدوں اور مخلصوں کی ساتھ اسی جگہ ابدی آرام کے لئے جگہ پائی۔

مولانا خاکی

شیخ شمس الدین کے مریدوں میں سے تھے۔ مجاہدہ، مشاہدہ اور یقین والے تھے۔ حضور کی خدمت گذاری کے علاوہ لنگر کا بندوبست انہیں کے سپرد تھا۔ کہتے ہیں کہ باورچی خانہ میں ایک دن نمک نہ تھا۔ حضرت شیخ نے چولہا جلانے کے وقت مولانا خاکی کو نمک لانے کا حکم دیا۔ مولانا اسی وقت طے مکان کر کے ختنہ گئے۔ اور ایک خروار (قریباً دو من) نمک پیٹھ پر اٹھا کر لائے پیر پنجال پر پہنچے تو برف کی شدت اور پانی کی کثرت کے موجب نالہ کو عبور نہ کر سکے۔ کم ہمتی سی ہوئی۔ اسی وقت حضرت شیخ حاضر ہوئے اور مولانا خاکی کو نالہ کے پار کیا۔ ابھی کھانا پک

رہا تھا۔ کہ نمک پہنچا۔ دس بارہ دن کے فاصلہ کو گھنٹہ بھر میں طے کیا۔ ان کے اسی قسم کے حالات اور کرامات بہت مشہور ہیں جب دنیا سے کوچ کیا۔ تو مرشد بزرگوار کے مقبرہ میں جگہ پائی۔

ملک سیف الدین

سلطان سکندر بت شکن کے وزیر اعظم اور صدر انجمن میشران تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے "سہہ بٹ" نام تھا۔ جب میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ کشمیر تشریف لا رہے تھے۔ ملک سہہ بٹ ان کے استقبال کیلئے خود روانہ ہو گیا۔ ان کی کیمیا اثر والی نظر نے کفر اور کافری سے بیزار کر دیا۔ مسلمان ہو گئے۔ واحد خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور حضرت میر کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ طریقت حقیقت اور معرفت کے منزلوں کو طے کر کے بہت بلند درجہ پر پہنچے۔ اپنی بیٹی بی بی بارعہ کا حضرت سید سے نکاح کیا۔ اس کے بعد آخری دم تک بندگی خدا۔ احکام اسلام کی اشاعت۔ بت خانوں کو توڑنا۔ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانا ان کا کام رہا۔ اس کا پورا بیان کتاب کے دوسرے حصے میں سلطان علی شاہ کے حالات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ حضرت ابوالفقرا بابا نصیب الدین غازی "نور نامہ" میں ان کی دانشمندی عقلمندی۔ درست رائے اور صاحب ذہن ہونے کے بارے میں بہت سی کہانیاں لکھتے ہیں۔ جن کے لکھنے کی گنجایش یہاں نہیں مدعا یہ۔ کہ ملک سیف الدین دنیا اور دین کے لحاظ سے اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ۸۲۵ھ میں رحلت کی اور راجوری کدل میں گنبد قصر سنگین میں دفن ہوئے۔

ملک سیف ڈار

کشمیر کے رئیسوں میں دولت مند امیر اور نامور تھے۔ شیخ اسماعیل زاہد ان کے پیر طریقت تھے۔ شریعت اور طریقت کے کاموں کو نہایت ہی پابندی سے سر انجام دیتے تھے۔ سلطان حسن شاہ اور سلطان محمد شاہ کے زمانے میں وزارت کے قلمدان کو سنبھالے ہوئے تھے۔ امور مملکت اور دنیاوی کاموں سے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود یاد الٰہی اور باطنی کاموں کو پورا کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ حقیقی لگاؤ کو کسی بھی وجہ سے ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ امر و نہی کے بعمل لانے میں پوری کوشش کرتے تھے۔ جگہ جگہ پر مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ عدل [illegible] اور انصاف میں بے نظیر تھے۔ داد و دہش اور جود و سخا میں لاثانی تھے۔ انجام کار ملک شمس چک کی مخالفت کے موجب نورنگ چک کے ہاتھ سے لڑائی میں شہید ہو گئے۔ محلہ داتل کدل میں ڈھگہ بابا کے روضہ کے متصل پتھروں کے مندر میں دفن ہیں۔

ملک لدی ماگری

کشمیری پنڈتوں کے رئیسوں میں نامور اور بااثر شخصیت تھے۔ جناب حضرت امیر کبیر کی توجہ سے مسلمان ہو کر ان کی تربیت میں سلوک اور تصوف کے مرحلوں کو طے کر کے خط ارشاد حاصل کیا۔ اور حضرت امیر کے پھیلی جانے پر ان کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت امیر نے جھنڈا ان کے سپرد کر کے انہیں علمبرداری کا خطاب دے دیا۔ آنجناب کی رحلت کے بعد لدی ماگری نے وہی جھنڈا کشمیر لایا۔ جس کی کیفیت حضرت امیر کے ذکر میں بیان کی گئی ہے۔ ان کا مقبرہ علاقہ بانگل کے گاؤں احمد پورہ میں مشہور ہے۔

ملک احمدؒ ماگری

لدی ماگری کے بیٹے تھے حضرت امیر کی توجہ سے مسلمان ہوئے۔ آنجناب نے تعلیم و تربیت سے نوازا بہت ہی صاحب حال و قال اور باکمال تھے۔ کچھ مدت تک سلطان حسن شاہ کے وزیر رہے۔ جامع مسجد کو جلنے کے بعد پھر تعمیر کیا۔ احمد پورہ بانگل میں جو ان کے باپ کا اصلی وطن تھا۔ دفن ہیں۔

ملک عثمان رینہ

جہانگیر رینہ کے پوتے اور حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہؒ کے والد بزرگوار تھے۔ بابا اسماعیل کی تربیت سے ترک دنیا کر کے زندگی کو پرہیز گاری۔ خدا ترسی۔ خلوت نشینی اور گوشہ نشینی میں گذارا کہتے ہیں کہ چکوں کے تعصب کے موجب ان کی تمام مددی جاگیریں ضبط ہو گئی تھیں۔ اور موضع تجر کی آمدنی پر جو جاگیروں میں سے صرف باقی رہی تھی گذارہ تھا۔ اور شہر کے شیعوں کے ڈر کے موجب بھاگ کر اسی جگہ سکونت اختیار کی تھی۔ خود کاشتکاری کرتے تھے۔ زراعت کے پیشہ کو اپنایا تھا عبادت اور ریاضت میں عمر بسر کی۔ وفات کے بعد وہیں دفن ہوئے۔

ملک احمدؒ یتو

سلطان حسن شاہ کے عہد میں سلطنت کا وزیر اعظم تھا۔ ازلی توفیق کی یاوری سے بابا اسماعیل زاہد کے دامن کو پکڑ لیا تھا۔ سلوک کے منزلوں کو طے کیا۔ باوجود دنیاوی کاروبار میں مشغول ہونے کے یاد الٰہی کے بغیر ایک سانس بھی نہ چھوڑتا تھا۔ صاحب حال اور قال تھا۔ آخر کار۔

تازی بٹ کے ساتھ مخالفت ہوگئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے ہونے لگے جس سے سلطنت میں رخنہ پیدا ہوگیا۔ سلطان نے دونوں کو قید کیا۔ اور ملک احمد نے قید خانہ ہی میں وفات پائی۔ محلہ چھتہ بل کے اُس مزار میں جو اُس نے خود تیار کیا تھا۔ دفن کیا گیا۔

ملک یوسف

ملک سیف الدین کا بھائی اور حضرت میر محمد ہمدانی رح کا مرید تھا۔ صاحب حال وقال تھا۔ وقت کا مانا ہوا بزرگ تھا۔ ملک سیف ڈار کے مزار میں دفن ہیں۔

ملک مسعود ٹھاکور

عالم فاضل۔ ولی کامل۔ صاف دل۔ روشن ضمیر اور صاحب تاثیر بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کا باپ ملک فیروز جو سلطان شہاب الدین غوری کے پوتوں میں سے تھا۔ سلطان زین العابدین کے زمانے میں چھ بھائیوں کو ساتھ لے کر کشمیر پہنچا۔ سلطان نے عالی خاندان کی بنا پر ان کی تعظیم و تکریم جیسی چاہیئے تھی ویسی کی۔ پرگنہ شادرہ کے کئی گاؤں بطور جاگیر دیدیئے۔ اور اپنے مصاحبوں میں شامل کرکے "ملک" کا خطاب دیدیا۔ اور اُس کے بھائیوں کو جو بہادر۔ دلاور اور جری سپاہی تھے اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ اور ملک جلال ٹھاکور کو اسکی اعلیٰ لیاقت اور استعداد کے موجب ملک سیف الدین کی بیٹی لچھمہ خاتون کے ساتھ بیاہا۔ اور سلطان کی وفات کے بعد جب اسکے بیٹوں میں جھگڑے اٹھے ساتوں بھائیوں نے ترک دنیا کرکے غاروں اور گپھاؤں میں بیٹھکر ریاضت اور مجاہدہ نفس میں اپنے آپ کو لگاکر باطنی حکومت کا سررشتہ ہاتھ میں لے لیا۔ اور لوگوں کو فائدہ رسانی کا جھنڈا بلند کیا۔ ملک جلال نے گوجوارہ کے محلہ میں وہ خانقاہ جس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔ تعمیر کرکے لوگوں کی رہبری۔ رہنمائی اور فائدہ وفیض رسانی کا بیڑا اٹھایا۔ اُس کی بیوی لچھمہ خاتون نے خانقاہ کی رونق اور مسجد جامع کو پانی پہنچانے کی نیت سے نالہ ماروں سے ناگہ پورہ کے پاس ایک نہر نکالکر سد بندی کرکے اور قالبی پل بنوا کے نوشہرہ کے متصل شہر میں پہنچادی۔ جس روز نہر کا پانی شہر میں پہنچا تقریباً اسی ہزار لوگوں کو عیدگاہ میں کھانا کھلایا گیا۔ اور نہر کو وقف کیا گیا۔ جو آج تک لچھمی کوہل کے نام سے جاری ہے۔ جلال ٹھاکور باطنی صفائی میں لاثانی آدمی تھے۔ شیخ سلطان کشمیری۔ شیخ بہاء الدین گنج بخش۔ اور نور الدین ریشی سے میل جول اور دوستی

رکھتے تھے۔ گوجوارہ کے محلہ میں دفن ہیں۔

ملک بلند

ملک جلال کے بھائی تھے۔ صاحب حال و قال۔ ساری عمر پرگنہ شاورہ کے اَجن گاؤں میں ریاضت میں بسر کی۔ وہیں وفات پاکر دفن ہوئے۔

ملک آرغوش

ملک جلال کے تیسرے بھائی خدا ترسی۔ پرہیز گاری میں لاثانی تھے۔ پرگنہ شاورہ کے گاؤں لاسی پورہ میں دفن ہیں۔

ملک آل بال

ملک جلال کے صاحب کمال بھائی تھے۔ موضع آرہ مولہ میں ان کا مقبرہ ہے۔

ملک گدا

ملک جلال کے بھائی خاصگان خدا میں سے تھے۔ موضع سیرن میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

ملک اسمٰعیل

ملک جلال کے بھائی خدا ترسی۔ پرہیز گاری۔ ریاضت و عبادت میں بڑے شان والے تھے۔ شاورہ پرگنہ کے گاؤں میں چنزاگام میں دفن ہیں۔

ملک ناصر

ملک جلال کے چھوٹے بھائی تھے۔ صاف دل۔ روشن ضمیر اور صاحب تاثیر بزرگ تھے۔ پرگنہ شاورہ کے گاؤں وہہ پورہ میں ان کی نعش سپرد خاک ہوئی ہے۔ ان مذکرہ بالا بزرگوں کے قبیلہ کو ٹھاکور کہتے ہیں۔ کشمیر کے لوگ ان کی ذریت (اولاد) کو غوری خان کہتے ہیں۔ شیخ داؤد مشکواتی ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔

بابا فتح اللہ ثانی

بابا اسمٰعیل زاہد کے بھیجے وارث اور قابل قدر بیٹے تھے۔ ظاہری و باطنی عقلی و نقلی علموں کے بے کنارہ سمندر۔ ریاضات اور مجاہدات میں جانباز اور بلند پرواز طائر قدسی تھے۔ حضرت محبوب العالمؒ

نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم انہیں سے پائی تھی۔ ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں بیان کیا ہے۔ کہ شمس عراقی نے پہلی بار بابا اسماعیل کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو ان کے عقیدت مندوں کے دائرہ میں شامل کیا۔ اور ان کا خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ بابا اسماعیل کے انتقال کے بعد دوسری دفعہ یہاں آ کر شیعہ مذہب کو رواج دیا۔ عام لوگوں کو ذہن نشین کیا۔ کہ حضرت بابا دل سے شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔ اور مجھے تعلیم و تربیت کے ضمن میں انہوں نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت بابا فتح اللہ اس کے اس بیان کی تردید فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو اس کی پیروی کرنے کی برائی کرتے تھے۔ اور اپنے بیٹوں کو تین خلیفوں (ابوبکر عمر اور عثمان) کے نام اس نیت سے رکھے کہ شیعہ جو برا بھلا کہتے ہیں اس کا انتقام تین خلیفوں کے بدلے تین بیٹے ہیں۔ شمس عراقی کے مخالفت کے موجب شیعہ شاہی درباریوں نے ان کے باغات اور جاگیر ان ضبط کئے اور سخت ایذائیں دیں۔ اسی اثنا میں شمس کو چک کو بہ وارہ نے جو حضرت بابا کا مرید اور رئیس ملک تھا۔ موسیٰ رینہ کے ساتھ مخالفت کی۔ اور موسیٰ رینہ کے ہاتھ جو شمس عراقی کا مرید تھا قتل ہوا۔ موسیٰ رینہ اس کی جگہ مقرر ہوا اور حضرت بابا کے ساتھ سختی کرنے لگا۔ اس کے ملازم ستانے لگے اور رنگ رنگ کی تکلیفیں پہنچانے لگے۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔

حضرت بابا کو یہاں آرام سے رہنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ یہاں سے کوچ کر کے ہی میں اپنی بہتری اور رستگاری نظر دکھائی دی۔ اور نہایت رنجیدہ دل اور غمگین حالت میں بال بچوں کے ساتھ سیالکوٹ چلے گئے۔ اور وہاں ہی سکونت اختیار کی۔ زندگی کے باقی ایام لوگوں کو فیض رسانی میں گذارے۔ فتح اللہ حقانی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان کی بیٹیوں کی شادی مولانا کمال الدین اور مولانا جمال الدین کے ساتھ وہیں سرانجام پائی۔ جب اس دنیا سے کوچ کیا۔ سیالکوٹ ہی میں اُن کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ ان کی اولاد (بیٹے نواسے) سب کے سب فضل و کمال والے اور صاحب حال وقال کے مشہور رہیں۔

محبوب العالم حضرت شیخ حمزہ مخدوم قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ

چندربنسی راجپوتوں کے خاندان سے ہیں۔ ہندوں کے دیوبالا کے موجب ویدک زمانہ کے آریہ لوگوں کی حکومت سورج ونشی اور چندرونشی خاندانوں کے راجے کرتے تھے۔ ایک خاندان اپنے نسب کو سورج تک اور دوسرا اپنی نسل کو چاند تک پہنچاتا ہے۔ تیسرا ایک خاندان اگنی کل سے اپنا نسب بتاتا ہے۔

آگ سے چار سو برہمنوں کی حفاظت کے لئے پیدا ہوئے ۔ یہ قصے کہانیاں ہیں اس واسطے تاریخ کی کسوٹی پر ان کو نہیں پرکھا جاتا ہے ۔ اسقدر ضرور ہے ۔ کہ جو آریہ وسط ایشیا سے آئے گو وہ خانہ بدوش گڈرئے تھے ۔ لیکن بہت سی باتوں میں ہندوستان کے اصلی باشندوں پر فوقیت رکھتے تھے ۔ ان کی تہذیب اور عالی نسبی کا اندازہ اس بات سے لگانا آسان ہے ۔ کہ وید اگرچہ مذہبی عقیدے کے مطابق الہامی کتابیں ہیں ۔ لیکن سائینسی اور تاریخی لحاظ سے اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ لوگ کتنے عالی دماغ تھے ۔ کہ جن کے ذہن رسائی کا یہ نتیجہ ہے ۔ اور اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں کہ اسی قسم کے عالی دماغ اور بلند حوصلہ ۔ بہادر اور دلیر ۔ عقلمند اور دانشمند لوگ ان کے حاکم تھے ۔ اور حکومت کے موجب ان کے گھرانے دوسرے گھرانوں سے اونچے تصور ہونے لگے ۔ اور چونکہ کائنات میں سورج اور چاند عام لوگوں کو اونچے اور بلند نظر آتے تھے ۔ اس واسطے ان خاندانوں کی نسبت ان دو اجرام فلکی سے منسوب کی گئی ۔ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے راجے شمالی ہند میں اسلام کے غلبہ تک مستقل طور پر راج کرتے تھے ۔ چندر ونشی خاندان کے راجوں میں سے ایک راجہ ملچندر نام والا سنہ ۵۲۶ھ میں نگر کوٹ (کانگڑہ) کا حاکم تھا ۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سوسرن چندر (شوشرن چندر) گدی پر بیٹھا ۔ تخت نشینی کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی اس کو چچیرے بھائیوں کے ہاتھ شکست اٹھانی پڑی اور وہ بھاگ کر کشمیر آیا ۔ ان دنوں میں راجہ جے سنگھ یہاں کا راجہ تھا ۔ اس نے سوسرن چندر کو دوستی اور خاندانی رعایت سے پناہ دی ۔ لار کا علاقہ جاگیر میں دیا اور وزارت اور سپہ سالاری کے عہدے پر ممتاز کیا ۔ اس کے بعد اسکے بیٹے اور پوتے سنہ ۷۲۵ھ تک یکے بعد دیگرے وزارت اور مدار المہامی پر مستقل رہے ۔ جس کا بیان ہم نے کتاب کے دوسرے حصے میں کیا ہے ۔ ذوالقدر خان کے کشمیر پر غلبہ اور قبضہ کے وقت راجہ سہدیو کشتوار بھاگ گیا ۔ اس کا وزیر رامچندر جو ملچندر کے پوتوں میں سے تھا ۔ گنگہ کے قلعہ میں محصور رہا ۔ تر کی فوج تباہ و برباد ہونے پر رامچندر نے گدی پر بیٹھکر کشمیر کی حکومت کی باگ دوڑ ہاتھ میں لی ۔ کچھ مہینے گذرنے نہ پائے تھے ۔ کہ رنچن شاہ نے حملہ کیا ۔ اور رامچندر اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ اندر کوٹ کے قلعہ میں مارا گیا ۔ رنچن شاہ نے رامچندر کی بیٹی کوٹہ رین کو بیوی بنالیا ۔ اور اس کے بیٹے راوان چندر کو مسلمان کر کے رینہ کا خطاب دیدیا ۔ اس زمانے میں "رینہ" مدار المہام کو کہتے ہیں ۔ اور راوان چندر کا نام "راوان رینہ" مشہور ہوگیا ۔ راوان رینہ کے اولاد سلاطین کشمیر کے خاندان میں پشت در پشت مدار المہامی اور وزارت کرتے رہے

چنانچہ ملیت رینہ ۔ بڈشاہ کے عہد میں نامور سپہ سالار تھا۔ اور اس کا بھائی احمد رینہ مدار المہام تھا۔ اور اسی کا بیٹا جہانگیر رینہ حسن شاہ کے عہد میں حکومت کا کرتا دھرتا تھا۔ جو ملک احمد یتو کے ہاتھ سے بیہقی سیدوں کی جماعت کے ساتھ مارا گیا۔ اس کا بیٹا زینی رینہ حالات کے تقاضا کے موجب علاقہ زینہ گیر کے گاؤں بجر میں جو ان کی پشتنی جاگیر تھا جاکر بسنے لگا۔ اس کا بیٹا عثمان رینہ جو بابا اسماعیل کے یاروں میں سے ایک فاضل کامل ۔ روشن دل ۔ صوفی منش صاحب حال وقال تھا۔ اور طریقت میں ایک عجیب وغریب شان رکھتا تھا۔ حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ کا والد بزرگوار ہے۔ بہارستان شاہی کے مصنف نے حضرت مخدوم کا نسب نامہ یوں دیا ہے ۔:۔

(۱) ملیچندر (۲) سوسرم چندر (۳) گہگہ چندر (۴) بلاد چندر (۵) سنگرام چندر (۶) رامچندر (۷) روان رینہ ۔ کوٹہ رانی (۸) دولت رینہ (۹) ابدال رینہ (۱۰) جہانگیر رینہ (۱۱) زینتی رینہ (۱۲) احمد رینہ (۱۳) عثمان رینہ (۱۴) حمزہ رینہ ۔ راون رینہ وزیر رنیچن ۔ کوٹہ رانی ملکہ نہیں شاہ ۔ دولت رینہ :۔ وزیر سلطان سکندر بت شکن ۔ احمد رینہ :۔ مدار المہام عہد بڈشاہ سلطان زین العابدین ۔ جہانگیر رینہ :۔ وزیر مملکت عہد حسن شاہ ۔ زینی رینہ :۔ بجر کے گاؤں ہی میں چلا گیا جو ان کی جاگیر میں تھا۔ عثمان رینہ کا بجر کے گاؤں ہی میں جاگیر اور کھیتی باڑی پر گذارہ تھا۔ صاحب حال اور قال بزرگ تھا۔

حمزہ رینہ :۔ جناب حضرت محبوب العالم مخدوم سلطان کشمیر کا نام گرامی ہے۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ کا سال ولادت سنہ ۹ھ ہے۔ خاص دہر تاریخ ہے۔ شیر خوارگی کے زمانہ کے بعد بچپن ہی سے نیک لوگوں اور فقیروں کی میل جول کی رغبت تھی۔ کبھی جھوٹ نہ بولتے تھے۔ پاؤں میں تھوڑی سی ٹیڑھ تھی۔ لیکن چلنے اور کام کاج کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ گھڑ دوڑ اور غلیلہ چلانے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ جب تک مکتب جاتے تھے۔ تو ایک دن راستے میں بچوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلنے لگے۔ اچانک ان کے والد ادھر ہی سے آنکلے۔ اور انہیں اتنا پیٹا کہ بیمار ہو گئے۔ بیماری ہی میں دل سے عہد کیا کہ اب کہیں نہیں کھیلوں گا۔ اور شہر آکر علم پڑھوں گا۔ جب صحت یاب ہو گئے تو اپنے دادا زینتی رینہ کو ساتھ لیکر شہر چلے گئے۔ اور حضرت بابا اسماعیل کے بیٹے بابا فتح اللہ کی خدمت میں جو رینہ قبیلہ کے پیر طریقت تھے مشرف ہوئے۔ اور ایک سال تک ان کے پاس خانقاہ کوہ ماران میں کلام اللہ قرآن مجید کی تعلیم پڑھ کر ختم کی۔ اس کے بعد ان کے فرمانے پر خانقاہ

شمسی چک کے مدرسہ میں جو بابا اسماعیل کی بندگی کے لئے بنا کی گئی تھی علم دین حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور اس میں بیس برس تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اسی مدرسہ میں فقہ۔ حدیث تفسیر۔ منطق۔ فلسفہ۔ اخلاق و آداب۔ اوراد۔ اذکار اور تصوف کے علوم کا مطالعہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت اور ریاضت۔ مجاہدہ۔ مشاہدہ اور تفکر کے عملوں کی مشق بھی جاری رہی۔ فرماتے تھے کہ کم عمری کے موجب ڈر کے خوف سے خانقاہ میں مجھے الگ کمرہ نہ دیتے تھے۔ ایک آدمی خانقاہ میں آدھی رات کو اٹھکر تہجد کے بعد اونچی آواز میں سورۂ کہف پڑھا کرتا تھا۔ میں بھی اس کے متابعت میں وضو کر کے بیدار رہ کر اس کی تلاوت سنتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ سورہ شریف مجھے زبانی یاد ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن میں نے اس درویش کے پاس زبانی پڑھکر سنایا اور اس نے تعجب کر کے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ یہ نصف شب کی بیداری مجھے اسی وقت سے عادت ہو گئی۔ اسی جگہ مولانا درویش سے جو خانقاہ کا پیشوا تھا کلام اللہ کی تعلیم کی۔ اور حافظ عربی سے علم قرأت کو سیکھا۔ قرآن مجید کو روزانہ پڑھنا کبھی نہ چھوڑا۔ اور مرشد کی تمنا جو میرے ہدایت اور رہنمائی کرتا ہمیشہ میرے دل میں تھی۔ خدا کی عنایت سے مجھے ورودوں۔ وظیفوں اور خدا کی ذکروں کی تعلیم اور تلقین عالم غیب سے یا انبیا اور اولیا کی روحوں سے یا غیبی الہاموں سے یا ہاتفی کی زبان سے ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کچھ مشائخ حلقہ میں بیٹھے حرز یمانی پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی غیب سے حکم ہوا۔ ان کے ساتھ پڑھو۔ جب میں ان کے ساتھ ایک دفعہ پڑھ چکا تو مجھے زبانی یاد تھا۔ اور پھر ان مشائخوں کی اجازت سے حرز یمانی کو میں نے ورد بنایا۔ اسی طرح بہت سی باتیں عالم غیب سے پائیں اور ان کو عمل میں لایا۔ جب کبھی سلوک کے کاموں میں مجھ سے سستی۔ کاہلی یا غفلت ہوتی تھی۔ تو مجھے عالم غیب سے ڈانٹا جاتا تھا۔ اور آگاہ کیا جاتا تھا۔ اور غفلت اور کہالف سے روک لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مجھے ایک دوست نے دعوت پہ بلایا تکلف سے تیار کیا ہوا کھانا کھلایا اور کچھ پیسے ہدیہ کے طور پر دئے۔ مجھے خیال آیا۔ کہ یہ پیسے کاغذ اور روشنائی کے کام آئیں گے۔ ہاتھ میں لے کر خانقاہ آنے کیلئے نکلا۔ راستے میں ایک کیچڑ سے بھرے ہوئے خندق میں گرا سر سے پاؤں تک لتھ پتھ ہو گیا۔ اور جو ہاتھ میں تھا گم ہو گیا۔ رات کو میں اداس اور غمگین بیٹھا تھا۔ کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھے نصیحت کرنے لگا "تمہارا کھائی میں گرنا بے ادبی کے باعث ہے۔ خبردار دوسری دفعہ ہرگز دنیا کی طرف میل نہ کرنا اور اس پر فریفتہ نہ ہونا۔ کیوں کہ یہ راستے میں رکاوٹ ہے۔ اگر تہجد (نصف شب کی نماز) کے وقت

مجھے غفلت ہو جاتی تو میرے کمرے کے دروازے کو کھٹ کھٹایا جاتا اور اونچی آواز میں پکارا جاتا "اٹھو وقت ہو گیا"۔ اگر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں مجھے تردد ہوتا تو نیند یا بیداری میں مجھے "کرو یا نہ کرو" بول کر سنوائی جاتی تھی۔ ایک دن مولانا لطف اللہ کے پاس جو دار الشفا خانقاہ کے مدرس تھے۔ فقہ شیخ شریف کو پڑھنا شروع کیا۔ رات کو جب کتاب کھولی تو پڑھا ہوا سبق سارے کا سارا بھول گیا تھا۔ میں اس غم میں ساری رات روتا رہا۔ صبح کو آواز آئی "اسطرح اور اسطرح پڑھو"۔ اس آواز سے مجھے سبق یاد آ گیا۔ اور اس کا اعادہ کیا۔ اسی طرح مجھے عالم غیب سے بارہا تربیت ملی۔ اور میری سمجھ اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ میرا استاد خیال کرتا تھا۔ کہ میں ان سے سبق لینے سے پہلے کسی اور کے پاس پڑھ کر آیا ہوں۔ کبھی کبھی جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم صحابیوں کے ساتھ بیداری یا خیال کے عالم میں جلوہ گر ہوتے تھے۔ اور مجھے تعلیم۔ تلقین اور نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ایک آدمی حج کر کے واپس آیا تھا۔ لوگ اس کی ملاقات کو جاتے تھے۔ اور میں بھی گیا۔ حاجی نے میرے ساتھ بڑی الفت اور تپاک سے پیش آیا اور مجھ سے پوچھا۔ کیا پڑھتے ہو۔ میں نے کہا فقہ کی کتابوں میں سے کچھ کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ کہا ایسی کتابیں نہیں پڑھنی چاہیئے اگر پڑھو گے تو رسالہ امامیہ اور اسی قسم کی کتابیں زیادہ اچھی ہیں۔ میں نے کہا جو کتابیں اہل تشیع پڑھتے ہیں۔ وہ کیوں کر زیادہ اچھی ہیں۔ کہا۔ نہیں۔ یہی کتابیں "برحق" ہیں۔ (سچی ہیں اور اصلی مذہب کی ہیں) میں جان گیا کہ یہ شیعہ ہو گا۔ اور اس کی مجلس سے تنگ دل ہو کر نکلا۔ اور سوچ میں پڑھ گیا۔ کہ لوگوں میں مذہب کے بارے میں اختلاف کروں گا۔ میں نہیں جانتا ہوں۔ کہ کونسا مذہب "حق نما" ہے۔ (سچے راستے پر ہے) تاکہ میں اسی پر استقامت کرتا۔ پھر میں کوہ ماران کے مسجدوں میں سے ایک مسجد میں چلا گیا اور تین دن کچھ نہ کھایا۔ تیسری رات کو مجھے غلبہ ہوا نیند کا۔ اور خواب میں دیکھا کہ سورج نکل کر اونچا ہوا ہے۔ اور مسجد کے باہر بے شمار لوگ اکٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے مسجد کی کھڑکی سے دیکھا اور پوچھا۔ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اسی وقت سردار کائنات علیہ افضل الصلوۃ سوار ہو کر تشریف لا رہے ہیں۔ جب سید کائنات کے جلوس کو دیکھا۔ میں نے صلوات پڑھی۔ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور فرمایا اگر ابدی آرام و نجات چاہتے ہو۔ تو خدا تعالیٰ کی محبت کے بعد چار یار باصفا کی محبت دل میں رکھو اور جب تک دنیا میں رہو گے۔ "اہل سنت و جماعت" کے مذہب پر مضبوط رہو۔ جو لوگ تم دیکھتے ہو شیطان ہیں۔ ان کے کاموں اور ان کے باتوں سے پرہیز کرو۔ پھر حضرت عمر فاروق رضہ دروازے سے اندر آئے اور اسی طریقہ کی نصیحت فرمائی۔ کہ اسی طریقہ پر

تقریر فرمائی اور نصیحتیں کیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دروازے سے آئے اور اسی طرح
کی نصیحت فرمائی۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آکر فرمانے لگے "اے عزیز! جو کوئی سید مختار کے
صحابیوں میں سے ان تین یاروں کو بہترین نہ جانے گا۔ اور ان کے چوتھے کا محب نہ ہوگا۔ اس سے
خدا۔ اور رسول خدا اور یہ تین یار اور میں بیزار ہوں۔ اور سارے مومن اور فرشتے" اور یہ سارے
غائب ہو گئے۔ فرماتے تھے۔ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے بعد ایک نورانی۔ سفید ریش اور سبز
پوش بزرگ نے میرے ساتھ مصافحہ (دست بوسی۔ ہاتھ سے ہاتھ ملانا) کیا اور میرا ہاتھ پکڑ
کر مجھے ذالڈگر کے میدان میں لایا۔ وہاں قبلہ کی طرف منہ کرکے مناجات کی اور مجھ پر ایک عجیب
حالت طاری ہوئی۔ پھر مجھے خندہ پوراں محلے میں پہنچایا۔ وہاں دونوں نہر کے کنارے ایک بید
کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ راستے میں مجھے نصیحتیں کرتے رہے۔ اور عجیب و غریب حالات
دکھاتے رہے۔ میں نے جان لیا کہ یہ بزرگ خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے نہایت ہی خلوص سے
التماس کی کہ مجھے کچھ وظیفے ذکر خدا کے اور حمد و ثنا کے تعلیم کریں تاکہ میں ان پر ڈٹ کر عامل
رہوں۔ فرمایا جو کچھ کرتے ہو۔ اسی پر استقامت کرو۔ میں تمہیں عام اجازت دیتا ہوں۔
اور مجھے تمہارے ساتھ اور ملاقات کرنی ہے۔ اس کے بعد میں نے عصر (دیگر) کی نماز ان
کے پیچھے (وہ امام ہوئے اور میں مقتدی) پڑھی۔ نماز ختم ہوتے ہی۔ میرے نظر سے غائب ہو گئے۔
اس کے بعد اکثر بار ملاقات کے موقع پر مشکلوں کے حل واقعات کی درستی اور پوشیدہ حالوں
کی خبر مجھے دیتے رہے۔ فرماتے ہیں کہ جاڑے کے شروع میں دریا جم گئے تھے۔ اور میں ایک رات
ایک حمام میں نہانے گیا۔ حمامیوں نے دروازہ نہ کھولا۔ مجھے ڈر ہوا۔ ایسا نہ ہو کہ نماز تہجد فوت
ہو جائے۔ دریا پر گیا۔ یخ توڑ کر نہایا۔ اور اسی وقت خداتعالیٰ نے مجھے اپنے جلوے دکھا کر تسکین
دی اور بہت سی باتیں مہربانی کیں۔ اس کے بعد ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے نہاتا تھا۔ اور اس
کا لطف اٹھاتا تھا۔ فرماتے تھے بیس برس تک مجھے آخر شب میں نہانا عادت ہو گئی تھی۔ اور
دن میں بھی دو تین دفعہ نہاتا تھا۔ یہ عادت ہر مذہب میں مقبول ہے۔ اور باطن پاک کرنے کے
لئے اثر والی ہے۔ فرماتے تھے شروع میں مجھے کسی سے ملنے جلنے اور الفت کرنے کی سخت چڑ تھی۔
ویرانوں اور کھنڈروں میں اکیلا جاتا تھا۔ پرانی مسجدوں میں بیٹھتا تھا۔ رات کے وقت قبروں
کی زیارت کو جاتا تھا۔ اکثر خدا دوستوں کی روحوں کے ساتھ صحبت رکھتا تھا۔ ایک رات میں
نے سید حسن بلادری کے روضہ کے نزدیک ایک سفید ریش نورانی آدمی کو ایک جماعت کے

ساتھ دیکھا۔ مجھے انہوں نے شفقت سے سلام کیا۔ اور تپاک سے معانقہ کیا۔ نصیحتیں فرمائی
انہوں نے فرمایا قبروں کی زیارت کرنے میں بہت سی فضیلتیں اور بے شمار فائدے ہیں خاصکر
راتوں میں۔ اور جو کوئی ہمیشہ کرتا رہے گا۔ حق تعالیٰ اُس کے دونوں دنیاؤں کے مقصد اور
مطلب پورے کریگا۔ اور دونوں زندگیوں کی سعادت عطا کرے گا۔ اور یہ کہہ کر غائب ہوگئے
پھر میں نے ولیوں کی روحوں اور کچھ مجذوب لوگوں کی زبان سے سنا کہ وہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام تھے۔ فرماتے تھے کہ شروع میں مجھے دن رات تلاوت قرآن مجید کا نہایت شوق اور
ذوق تھا۔ اور قرآن مجید پڑھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے سارے لفظ زبانی یاد ہوگئے۔ اور
اس کی ترتیب کی حفظ کمالی کی رہی۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ نے اُس کی لذت چکھا کر مجھ پر
اس کے اسرار۔ انوار اور خواص ظاہر کئے۔ کچھ وقت گذرنے پر سلوک کے شغلوں کی کثرت اور
دوسرے ذکروں سے فراغت نہ ہونے کے موجب اس کے آیات کی ترتیب کی حفظ پوری طور
نہ رہی۔ فرماتے تھے۔ کہ باوجود دلی جوش اور رنگ رنگ کی کشش الٰہی ہونے کے قسم قسم کے حالات واقع ہونے
کے۔ غیبی باتوں کا مجھ پر ظاہر ہونے کے اور تسخیر جمعیت کا ملکہ حاصل ہونے کے میرا دل ہمیشہ رہنمائے کامل
کی نظر کیمیا اثر کے لئے تڑپتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت سید جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فرحت نشان
والے ملک میں تشریف آور ہوئے۔ اور میں غیبی اشارہ پانے پر اُن کی خدمت میں مشرف ہوا۔ اور بے کسی توقف
کئے مجھے قبول فرماکر میری بیعت کی اور ذکر چار ضرب۔ سلطان الاذکار۔ وغیرہ کی تلقین فرمائی۔ چھ مہینے
تک میری تربیت کرتے رہے۔ اور سلسلہ نامہ جو مشائخوں کا سند (طریقہ بزرگوں کا) ہے مجھے عطا فرمایا
فرماتے تھے جو امانت بڑے بڑے بزرگوں مشائخوں سے میرے پاس پہنچی تھی۔ تمہارے پاس پہنچائی۔ اور میں
تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ کہ اگر کوئی راہ خدا کا سچا طالب تمہارے پاس آئے اس کی دستگیری کروگے
اور یہ ودیعت (امانت) اس کے حوالہ کروگے۔ جب انہوں نے اس شہر سے کوچ کیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ
سفر کا ارادہ کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ سفر تو کوئی کام نہیں۔ بلکہ کام وہ ہے۔ کہ اسی جگہ بیٹھکر عالم ملکوت
اور لاہوت کی سیر کروگے۔ مقیم ہوکر مسافر ہوگے۔ میں بھی ہر دفعہ تمہارے پاس حاضر اور ناظر ہوں گا
میں ان کے حکم کے موجب بیٹھ گیا۔ اور اطوار سبعہ (سات طریقے۔ سات بلندیاں۔ سات منازل طریقت)
جو ارشاد کے لئے شرط ہیں ان کی امداد سے طے کئے۔ اور ان اطوار سے جس پر سالکوں کے راستے
ہیں گذر گیا۔ طور جن۔ طور نفس۔ طور قلب۔ طور روح۔ طور سیر۔ طور خفی اور طور غیب الغیب سے
جو مقام تمکین کے متصل ہے پرواز کر گیا۔ ایک طور سے دوسرے طور تک دس ہزار پردے حائل ہیں اور میں

نے پہلے طور سے آخر طور تک ستر ہزار پردے پائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تعالیٰ کو نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں"۔ شیخ بابا داؤد خاکیؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ رحمۃ اکثر اوقات پر سر درد سے بے قرار ہوتے تھے۔ اور طبیب اس کے علاج کرنے میں عاجز ہو گئے۔ ایک دن ایک طبیب نے اس بیماری کا سبب ان سے دریافت کیا۔ فرمائے۔ میرے سر کا بھیجا پگھل گیا ہے۔ کیونکہ جوانی میں ذکر چار ضرب اس طرح زور سے کرتا تھا۔ کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ میرے سر کی کھوپڑی زمین پر گری ہوگی۔ اور میں پھر بھی اس شغل کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اور اپنے آپ سے کہتا تھا۔ کہ دو دفعہ مرنا تو نہیں اگر میں اسی حال میں مر جاؤں تو یہ مبارک بات ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حبس نفس اور ہوش در دم کی مشق اسطرح پر کرتے تھے کہ نماز خفتن کے وقت سے لے کر صبح کی نماز کے وقت تک صرف ایک سانس لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے فرض نمازوں کی۔ ادائیگی کی ضرورت نہ ہوتی تو دن رات میں صرف ایک ہی سانس لے لیتا۔ شیخ داؤد خاکی فرماتے ہیں کہ سیاحت کشمیر کے دنوں میں ایک دن ہم بارہ مولہ پہنچے۔ ایک اخلاص مند نے جو وہاں کا رئیس بھی تھا۔ دعوت کی اور نماز پیشین کے بعد ہم نے کھانا کھایا۔ ضیافت کھانے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ ہماری روحانی حلاوت اور قلبی کیفیت میں کچھ تغیر سا واقع ہوا ہے۔ خیال ہوا کہ ضیافت شبہ سے خالی نہ تھی۔ اور رات کو کچھ نہ کھایا۔ صبح سویرے نکل کر بنز گاؤں میں پہنچے۔ حضرت شیخ مزے میں تھے۔ اور میں بے مزہ تھا۔ فرمائے۔ یہ بے مزگی اس نا عاقبت اندیشہ نہ کھانے کی ہے۔ میرے مزہ کو بھی بے مزہ بنا دیا تھا۔ لیکن میں نے رات کو اس نالائق ردی کھانے کو جلا دیا۔ تم کو جلا نہیں سکتے ہو اٹھ کھڑے ہو۔ جب میں نے اٹھی کی تو میں اپنے حال پر آیا حضرت خاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کشمیر کے علاقوں کی سیاحت کے وقت حضرت شیخ کھویہامہ کے علاقے میں پہنچے اور یہ علاقہ ان کو پسند آیا اور بہت سی مسجدیں بنائیں۔ نادی ہل گاؤں میں دو چشمے تھے۔ ہندو ان کو تبرک مانتے تھے۔ اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ پاس ہی بہت ہی بڑا اور موٹا بید کا ایک درخت تھا۔ اور جو کوئی اس جگہ پہ جاتا اسے بھوت چمٹ جاتا تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ اسی جگہ کچھ دن ٹھہرے اور بھوتوں کا تصرف دور کرکے ایک اچھی مسجد آباد کی۔ مسجد کی تعمیر کی تاریخ سنہ ۹۷۲ھ ہے۔ اسی طرح کرورہ میں چشمہ بچھ ناگ ہندوں کا متبرک مقام تھا حضرت شیخ نے وہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ اور بھوتوں کا تصرف دور کیا۔ وتہ گام میں بھی ایک عجیب چشمہ تھا۔ ہندو اس کو بھی متبرک مانتے تھے۔ جناب حضرت مخدوم وہاں بھی تھوڑی مدت کے لئے قیام پذیر ہوئے۔ اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ موضع براد میں پہاڑ پر چشمہ ستنگہ پال

ناگ جنوں اور بھوتوں کی جای رہائش اور ہندوؤں لوگ کا متبرک مقام اور پوجا کی جگہ تھا۔ حضرت شیخ وہاں بھی کچھ دیر کے لیے وہاں ٹھہرے اور عبدالرشید کے زیر اہتمام مسجد کی بنا فرمائی۔ اور بھوت پریت کا جوڑ لوگوں کے دلوں میں تھا اس کو دور کیا۔ موضع آتام میں ایک دلکش خوش منظر جگہ تھی مشہور تھا کہ وہ غیبی آدمیوں (رجال الغیب) کی گذرگاہ ہے۔ حضرت شیخ نے وہاں بھی کچھ دن قیام کیا۔ اور اپنے ہاتھوں ایک مسجد تعمیر کی جس کی تاریخ "کعبہ ثانی مریدان" ہے ۹۶۳ھ

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ ایک دن اوتہ کے علاقے میں تشریف لائے اور چشمہ کے کنارے سر مبارک کو گریبان میں ڈال کر مراقبہ کئے ہوئے تھے۔ کہ ایک بڑا سانپ بل سے نکل کر ان کی طرف آیا ملا نوروز نے پتھر مار کر سانپ کو مارا۔ جب حضرت شیخ کو خبر ہوئی تو ملا نوروز کو سخت ڈانٹا۔ اور فرمایا کہ سانپ ہماری ملاقات کو آیا تھا۔ اور بے گناہ مارا گیا۔ کہتے ہیں میاں نعمت اللہ ہندی اسی طائفہ کے بزرگوں کا تربیت یافتہ تھا۔ اور حضرت شیخ کے ساتھ نہایت ہی قرب رکھتا تھا۔ اور حضرت شیخ اکثر اس کے دل میں گذرنے والی باتوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک نعمت اللہ بھوکا تھا۔ اور روٹی کھانے کے خیال سے غیر وقت پر حضرت شیخ کے پاس آیا۔ اور اس کے بولنے سے پہلے ہی حضرت شیخ نے خادموں سے کہا۔ میاں نعمت اللہ کو کھانا کھلاؤ۔ میاں نعمت اللہ کھانا کھا رہے تھے۔ اور ان کے دل میں کوہ ماران کی سیر کا خیال آیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میاں کھانا جلدی کھاؤ اور کوہ ماران کی سیر کو جاؤ۔ ایک آدمی خواجہ علی آبخاب کے مریدوں میں سے تھا۔ ایک دن اس کے دل میں ہریسہ کھانے کا خیال آیا۔ حضرت شیخ نے ہریسہ سے بھر کر ایک برتن اس کو بھیجدیا۔ ایک دن نیکی ریشی کے فاتحہ کو بولبٹو تشریف لے گئے۔ بابا نوروز ریشی جو ان کا خلیفہ تھا۔ امتحان کی غرض سے دوسری قبر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخ مسکرائے اور نیکی ریشی کی قبر پر آکر فاتحہ پڑھی اور نوروز ریشی سے کہا۔ تو قبر کو دیکھتے ہو اور میں قبر والے کو دیکھتا ہوں۔ شیخ خاکی فرماتے ہیں کہ ایک دن تین آدمی آئے اور حضرت شیخ ان کو جانتے نہ تھے۔ فرمایا یہ رافضی ہیں۔ میں نے التماس کی بظاہر صورت میں اہل سنت نظر آتے ہیں۔ اور رفض کی کوئی نشانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت نے دست مبارک میرے سر پر رکھا۔ میں نے دیکھا کہ تینوں سور کی شکل کے تھے۔ فرمایا رفض کی نشانی دیکھی۔ اسی طرح کئی دفعہ پوشیدہ اور نامعلوم حال والے بدعتی ان کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اور انہوں نے اسی وقت ان کی اندرونی پلیدگی کی خبر مجھے دی۔ لکھتے ہیں۔ کہ بندۂ آزاد ملا الہداد نے حضرت کے گھوڑے جو در کو کھانا کھلاتے وقت منہ پر پھتر مارے۔

دوسرے دن حضرت طویلہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت خاکی اور ملا یوسف بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت
مسکرائے اور فرمایا جو درالہداد کی شکایت کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اُس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارے
الہداد نے اقرار کیا اور توبہ کی۔ اسی طرح کبھی کبھی شہد کی مکھی اور مکھی کی باتیں بیان فرماتے۔
ایک دن ایک شہد کی مکھی بھنبھناتے ہوئے شیخ کے کان کے پاس آئی۔ شیخ نے اپنے یاروں
کی ایک جماعت شہد کی مکھی کے ساتھ یہ کہہ کر روانہ کی کہ جہاں یہ مکھی جائے تم بھی اس کے پیچھے
جانا۔ جنگل میں پہنچے اور دیکھا کہ ایک ریچھ پتھر سے شہد کی مکھیوں کا چھتا توڑ رہا ہے۔ ان کو
دیکھ کر ریچھ بھاگ گیا۔ شیخ خاکی فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن ہمیشہ کی نماز کے بعد جتنی دیر میں میں
نے نفل کی ایک رکعت سورۂ فاتحہ اور سورۂ الم نشرح پڑھ کر پوری کی انہوں نے معمول کا وظیفہ جو
دو سو آیتوں سے زیادہ تھا پڑھ کر ختم کیا تھا۔ (طے لسان) اور ایک وقت ہم نماز تہجد کے لئے وضو
کر کے آئے۔ میں زور سے چلائے ہوئے تیر کے فاصلے پر دور تھا۔ اور دوڑتا ہوا آیا کہ ان کے
پیچھے نماز میں شامل ہو جاؤں۔ یہ تہجد سے فارغ ہوئے تھے۔ (طے افعال) ایک دن طلوع ... ایک نیزہ
اونچا ہوا تھا۔ اور حضرت چند اخلاص مندوں کے ساتھ شہر سے بیجبارہ جانے کے لئے سوار ہوئے۔
وہاں وقت پر چاشت کی نماز ساتھیوں کے ساتھ ادا کی (طے مکان) شہر سے بیجبارہ تک تقریباً
اٹھائیس میل کی دوری ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت شیخ کبھی کشمیر سے باہر نہ گئے
لیکن کئی حاجیوں نے آنجناب کو طواف کعبہ اور رسوم حج ادا کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت
شیخ فرماتے تھے۔ کہ مجھ پر ... ایک دفعہ ایسی حالت واقع ہوئی کہ گویا میں کسی اور ملک
میں ہوں۔ اور ایک سال وہاں گذار کر سفر کا سامان کر کے خشکی کے راستے زیارت بیت اللہ (خانہ
کعبہ) سے مشرف ہوا۔ اور رسومات حج بجا لایا اور وہاں سے ایک سال بعد وطن پہنچا۔ اور ان
دو برسوں میں روزہ۔ نماز اور وظائف حسب معمول بجا لاتا رہا۔ جب اس حال سے واپس آیا
تو دنیا کے وقت کے موجب گھنٹہ بھر بھی نہیں گذرا تھا۔ (طے زمان) شیخ خاکی فرماتے ہیں۔ کہ
آنحضرت موضع نادی ہل میں مسجد تعمیر کر رہے تھے۔ مجھے اور صوفی الہداد کو شہر ہی میں چھوڑا
تھا۔ اور گھر کے بالا خانے میں بہت سی سوکھی گھاس موجود تھی۔ حضرت نے نادی ہل تشریف لے
جاتے وقت فرمایا تھا۔ خبردار رہا کرے کہ بالا خانہ پر نہ جانا کیونکہ وہاں بہت گھاس ہے۔ ایسا
نہ ہو کہ آگ لگ جائے۔ کچھ دن تو ہم چراغ کے بغیر اوپر جاتے رہے۔ ایک رات صوفی الہداد چراغ
لے کر گئے۔ اچانک دیوار کی ایک طرف سے منہ پر تھپڑ کھایا۔ اور چراغ ہاتھ سے گر گیا اور حضرت

تاکہ دوسری دفعہ حکم کے خلاف کام نہ کرے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ اکتسابی جسم اور روحانی شخصیت کی حالت میں سندھ کے شہر میں گئے تھے۔ اور وہاں کئی درویشوں کو ملے تھے۔ جن میں ایک ابراہیم دوسرا طاہر اور تیسرا ابراہوم تھا۔ اور انہیں اپنا نام و نشان اور سکونت کی جگہ بتائی تھی۔ وہ تینوں کچھ وقت کے بعد شوق کی زیادتی کے موجب کشمیر آئے اور جناب کی ملاقات سے سرافراز ہو کر مدعا و مقاصد پا کر واپس گئے۔

(اکتسابی جسم اور شخصی روح:۔ اہل اللہ اور صاحب کمال اپنے خاص جسم کے علاوہ اور جسم بھی جو ہر پہلو میں خاص جسم کے مشابہ ہوتے ہیں۔ پیدا کر سکتے ہیں۔ ان میں جو روح ہوتی ہے وہ شخصی روح ہوتی ہے۔ ذاتی نہیں۔ اس کی مدد سے یہ لوگ گھر بیٹھے جس جگہ جس گھر میں یا جتنی جگہوں اور جتنے گھروں میں چاہیں جا سکتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ دینی اور دنیاوی باتیں کرتے ہیں۔ اور ان جسموں اور روحوں کا تعلق براہ راست اصلی جسم اور اصلی روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا ہے۔ کیوں کہ اصلی جسم اور اکتسابی جسم میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے) لایا گیا ہے۔ کہ غازی خان چک نے مذہبی تعصب کے موجب حضرت شیخ کو شہر سے نکالا۔ اور جناب علاقہ بیروہ کے ایک گاؤں اُمہ میں تشریف لے گئے۔ اسی دن غازی شاہ کو کوڑھ کی بیماری لگ گئی۔ کچھ دن گزرنے پر چاہیے نہ چاہیے مجبور ہو کر اپنے بیٹے کو حضرت شیخ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت نے شہر آنا منظور نہ کیا۔ اور فرمایا جب تک وہ شہر میں ہے میں نہیں آؤں گا۔ اس نے عرض کی "بادشاہ بیمار ہے۔ اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت نے فرمایا "جو اس نے ہمارے ساتھ کیا آج اس کے ساتھ وہی کریں گے"۔ جب اس نے حد درجہ عجز زاری کی۔ حضرت نے اس کو فرمایا "جو تیر ہاتھ سے نکلا واپس نہیں آتا ہے۔ آپ جائیے ان کی خدمت کیجئے"۔ جب وہ شہر واپس پہنچے تو غازی خان مر چکا تھا۔ لکھتے ہیں کہ صوفی الہداد کشتی میں شالی شہر لا رہے تھے۔ رات کو پاسر جھیل میں سخت آندھی آئی۔ خوفناک لہریں اٹھنے لگیں۔ کنارہ دور تھا۔ صوفی نے حضرت شیخ کی طرف توجہ کی آندھی اور لہروں میں سکون ہونے لگا۔ اور ایک ویران ٹاپو کے ساتھ کشتی کنارے لگی۔ کشتی کو باندھ کر فاقہ بیٹھے۔ الہداد روزہ دار تھے اور کل کے روزہ کے لئے متفکر اور ملول ہو گئے۔ اچانک ایک آواز حضرت شیخ کی آواز جیسی کان میں پڑی "پکڑو اور کھاؤ"۔ دیکھا کہ گود میں کچھ روٹیاں ہیں۔ کچھ خود کھائیں اور کچھ ملاحوں کو دیں۔ جو لوگ حضرت شیخ کے ساتھ دسترخوان پر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت نے کچھ روٹیاں دسترخوان سے اٹھا کر اپنے پیچھے ڈالدیں اور فرمایا۔ ہاں "لیلو اور کھاؤ" وہ ٹاپو پندرہ کوس کے فاصلے پر تھا۔ لکھتے ہیں کہ ان کے مریدوں میں سے کچھ مرید جو کچھ خواب میں

دیکھتے تھے۔ حضرت انہیں بتا دیتے تھے۔ کہ کیا خواب دیکھا ہے۔ حضرت خاکی فرماتے ہیں۔ جب مُلا احمد اصغر نے ان کے پاس آکر توبہ کی تو حضرت نے اس کے کہنے سے پہلے ہی وہ خواب سنایا۔ جو اس نے رات کو دیکھا تھا۔ اور ایک نے منادی خواب سنایا۔ حضرت نے فرمایا۔ ارے بے خوف ہمارے سامنے۔ یعنی ابھی تو نے یہ خواب بنایا۔ تو وہ شرمندہ ہوا۔ اور پھر کبھی ایسی حرکت نہ کی۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کا ایک مخلص مرید تھا۔ اور حضرت نے اس کو ایک کام کے لئے بلایا۔ اس کا بیٹا جان کنی کی حالت میں تھا۔ اور وہ اس کی جان نکلنے تک نہ آیا۔ بیٹے کے مرنے کے بعد اس کو اسی طرح چھوڑ کر حضرت شیخ کے پاس آیا۔ عرض کی ہے۔ حضرت بیٹا جان دے رہا تھا۔ اسی واسطے دیر ہوئی۔ مجھے معاف فرما دیں اور اجازت دیں کہ اس کی تجہیز و تکفین کر دوں۔ حضرت شیخ ہنسے میں ہی لئے۔ خدا سے لڑکے کی زندگانی کے لئے دعا کی۔ اور اس کو کہا جاؤ تمہارا بیٹا زندہ ہے۔ جب وہ آدمی گھر پہنچا تو بچے کو زندہ پایا۔ ایک آدمی نے اپنے جوائی کو عداوت کے موجب وقت کے حاکموں سے جرمانہ کرایا وہ روتا ہوا امداد کے لئے شیخ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے حاکموں کے ساتھ جان پہچان نہیں۔ ہاں۔ تمہارے لئے میں دعا کروں گا۔ اس کے جانے کے بعد اس کا سسر آیا اور داماد کے حق میں برا بھلا کہنے لگا۔ حضرت شیخ کو غصہ آیا اور قہر سے بولے! ارے حاسد تجھے کیا گھمنڈ ہے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ یہ گرا ہوا ہے۔ میں تم کو ہلاک کر دوں گا۔ وہ آدمی کمال شرارت سے گھر چلا گیا۔ اور رات ہی میں مر گیا تھا۔ حضرت شیخ کی نظر عنایت اور توجہ سے بے شمار بیمار۔ مریض۔ فالج والے سل اور تپ دق والے۔ جگری بیماری والے۔ کوڑھ کی بیماری والے شفایاب ہو گئے۔ اندھے بینا ہو گئے حضرت خاکی فرماتے ہیں:۔ ان کی دعا کی برکت سے بے شمار اندھے بینا ہو گئے۔ خاص کر وہ اندھا جو فتح اللہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حضرت شیخ داؤد خاکی فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دن مثنوی مولوی روم میں حضرت بایزید بسطامی کا قصہ پڑھ رہا تھا۔ کہ وہ حج کے ارادے سے نکلے اور راستے میں ایک آدمی کے گھر کا طواف کیا جس کا دل کعبہ حقیقی تھا۔ اور قبول شدہ گناہوں سے پاک کرنے والے حج کا ثواب پایا۔ میں نے چاہا کہ میں بھی اپنے شیخ کے گھر کا طواف کر دوں۔ لیکن ان کی شان اور رعب کے ڈر سے ظاہری طور پر اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اسی ضمن میں حضرت شیخ نے آہام میں کچھ دن قیام فرمایا۔ میرے ذمے کلوخ وضو اور غسل کے کاموں میں امداد دینے کا کام رہا۔ اور چاندنی رات میں حضرت شیخ ایک مسجد میں جو "مکہ ثانی" کے نام سے مشہور ہے۔ مختلف عبادتوں میں مشغول ہوتے تھے۔ میں نے غنیمت موقعہ جانا۔ اور احرام (مکہ معظمہ کے قریب حج کی نیت سے سلائی

کے بغیر کپڑے پہننا) کی نیت سے غسل کر کے احرام کا کپڑا پہنکر ننگے سر اور ننگے پاؤں گھر کے طواف میں مشغول ہوگیا۔ طواف کے بعد کونے میں بیٹھکر صبح تک ذکرِ خدا میں لگ گیا۔ صبح کو جناب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف روانہ ہو گئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "جو ثواب خواجہ شمس الدین پال اور اس کے بھائی نے حج سے پایا۔ اسی قبول شدہ حج کا ثواب تم نے بھی اسی طواف سے پایا جو آج رات تم نے کیا اور عمل میں لایا" جب ان کے کلام سے میں نے یہ غیبی خوشخبری پائی تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ کہ جناب کو کیوں کر خبر ہوئی۔ پھر فرمایا "اس وقت گھر کی دیوار مجھے حائل نہ تھی۔ اور میں نے تمہارے اعتقاد کے خلوص کو نظر میں لاکر خدا کی بارگاہ سے التماس کی اور خدا نے تجھے قبول شدہ حج کا ثواب عطا کیا۔ خواجہ اسحاق قاری جل جلتہ العارفین میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت شیخ میرے گھر آئے۔ ہم نے کچھ پرندے افطار کے لئے بھون کر تیار کئے تھے۔ افطار کے وقت دسترخوان حضرت کے سامنے لایا گیا۔ حضرت کھانے سے فارغ ہوئے۔ پرندوں کی ہڈیاں اکٹھی کیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہڈیاں جمع ہو گئیں اور پرندے اپنی اپنی شکل میں زندہ ہو کر کھڑکی سے پرواز کر کے چلے گئے۔ اور حضرت تماشا دیکھ رہے تھے۔ میں نے التماس کی کہ اذان (بانگ) کا وقت ہوگیا ہے۔ فرمایا ابھی نہیں جب ہمارا مؤذن (بانگ دینے والا) اذان دے گا۔ نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کی۔ جناب کا مؤذن کہاں ہے؟ فرمایا "جو مرغ پکا کر الگ برتن میں موجود رکھا ہے لائیے۔ ہم نے لایا۔ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لے کر گوشت تناول فرمایا۔ ہڈیوں کو اکٹھے کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیے۔ ایک عجیب شکل کا مرغ جو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ زندہ ہوگیا۔ پر اور بازو جھاڑ کر بانگ دی۔ حضرت نے فرمایا اب نماز کا وقت ہے۔ ہم نے نماز ادا کی۔ دوسرے دن رخصت کے وقت اس مرغ کو مجھے عطا فرمایا۔ اور تین سال تک میرے پاس تھا۔ پھر حضرت نے کر حرمین کو طواف کے لئے گیا۔ مدعا یہ ہے کہ حالات و کرامات حضرت شیخ تحریر اور تقریر کی حد سے باہر ہیں۔ تبرک کے طور پر تھوڑا سا نمونہ پیش کیا گیا۔ جس کسی کو ان کے حالات دیکھنے کا شوق ہو تو ان کے خلیفوں کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ حضرت کا انتقال چوبیس ماہ صفر سنہ ۹۸۴ھ کو ہوا۔ کوہ ماران کے دامن میں مرقد مطہر ہے۔ (واقعات ہالاجو مصنف (حسن) نے "مشتے از خروارے" کے طور پر قلمبند کئے ہیں۔ جناب محبوب العالم سلطان العارفین حضرت شیخ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی۔ علم و عمل فضیلت و بزرگی۔ علو مراتب۔ ریاضت۔ عبادت۔ زہد۔ تقویٰ۔ خداترسی۔ خدابینی۔ خداشناسی۔ پابندی احکام شریعت۔ آگاہی منازل طریقت۔ کمالِ معرفت۔ تحقیق حقیقت۔ مالک حیات و ممات۔ صاحب حال و قال۔ صاحب جمال و جلال۔ صاحب کشف و کرامات۔ صاف باطن و روشن ضمیر۔ صاحب مجاہدات و مشاہدات۔ صاحب شہود و قرب و وصال فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہونے پر ایک حد تک روشنی ڈالتے ہیں۔

عقیدت مندوں کو ذاتی تجربوں کی بنا پر یہ بات تسلیم ہے۔ کہ حضرت مخدومؒ کے فیوض و برکات کا دریا آج کل بھی اسی طرح بہہ رہا ہے۔ جس طرح اس وقت بہہ رہا تھا جب حضرت مخدومؒ ظاہر بین نظر میں جسدِ عنصری کے لباس میں ملبس خلق خدا کو ظاہری اور باطنی فیوض سے مالا مال فرماتے تھے۔ حضرت محبوب العالم شیخ حمزہؒ کا عرس مبارک ۲۴ صفر کو نہایت ہی خلوص۔ عقیدت اور شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ اس روز دمال پر کشمیر کے اطراف و اکناف سے لاکھوں زائرین مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے مسلمان کیا ہندو روضہ مبارک پر جو ہاری پربت پہاڑی کی جنوبی ڈھلوان پر واقع ہے آتے ہیں۔ ماہ صفر کے تیرہ تاریخ سے عرس کی تیاری شروع ہوتی ہے۔ لوگ صبح و شام زیارت پر آتے جاتے ہیں۔ ہر روز ختمات اور اوراد و وظایف کی محفلیں گرم رہتی ہیں۔ یوم عرس کے بعد بھی کئی دن تک میلا لگا رہتا ہے۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے جسدِ عنصری کے آرام و آسودگی کی یہ جگہ بغیر کسی شک و شبہ کے عقیدت مندوں اور مخلصوں کے لئے مشکل کشائی۔ حاجت روائی۔ دنیاوی اور دینوی مقاصد اور مطالب پانے کی جگہ ہے۔ یہ ایک نیک فال اور مبارک بات ہے۔ خوش قسمتی اور سعادت مندی کی نشانی ہے۔ کہ امید وار فیوض و برکات و عنایات حضرت مخدوم علیہ رحمہ ایام عرس ہی میں ان کے حالات و کرامات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مترجم)

مولانا حافظ بصیر معروف بہ مُلّہ بابا

علاقہ کامراج سے بچپن میں شہر آ کر قرآن مجید حفظ (زبانی یاد) کیا جسمانی آنکھیں بے نور تھیں۔ مادر زاد اندھے تھے۔ لیکن دل کی بینائی میں بے مثل تھے۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ ریاضی۔ فلسفہ۔ منطق وغیرہ کے بڑے عالم تھے۔ اس وقت کے اکثر عالم اور خدادوست ان کی ظاہری اور باطنی تربیت سے فائدہ مند ہو گئے۔ حضرت شیخ بابا داؤد خاکیؒ۔ شیخ یعقوب صرفی اور شمس الدین پال انہیں کے شاگرد تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے فیضیاب ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ سبق پڑھاتے وقت باتوں باتوں میں ان کی زبان سے نکلا " اہل تشیعہ بھی ایک دل پسند بات رکھتے ہیں۔ اسی بات کے موجب شیخ بابا داؤد خاکی شمس الدین پال وغیرہ ان کو چھوڑ کر مُلا رضی الدین کے مدرسہ میں گئے۔ ظاہری طور پر ان کا دامن لوگوں کی قیاسی باتوں کی آلودگیوں سے پاک تھا۔ سنہ ۹۴۶ میں رحمت حق ہوئے۔ اور خنہ بون میں دفن ہیں۔ شیخ یعقوب صرفی نے کمال کا مرثیہ لکھا۔ تاریخ کا شعر یہ ہے:۔

آں حافظ علم ادب بودہ بصیر از علم رب ۔۔۔ تاریخ خویش زاں سبب شُد عالم تفسیر دال

مولانا محمد آنی

مولانا عبدالرحمان جامی کے شاگرد رشید تھے۔ بڑے فاضل اور عالم باعمل تھے۔ عہد سلاطین کے زوال کے زمانے میں کشمیر آئے۔ اور بہت سے لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض سے فایدہ پہنچایا۔ شیخ یعقوب، صرفی انہیں سے اصلاح لیتے تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کرتے تھے بلند پایہ کے نازک خیال تھے۔ یہ شعر نمونہ کلام ہے:۔

عرق نشست زبیدم ز رُخ نکوی ترا! زمن مرنج کہ میخواہم آبروی ترا!

جب اس دنیا سے کوچ کیا۔ شیخ گنج بخش کے مزار میں دروازہ کے اندر دفن ہوئے۔ ان کے قبر کی تعویز لمبی ہے اور اونچی ہے۔

مُلّا فیروزہ مفتی

مولانا لونی گنائی کے بیٹے اور شنگرف گنائی کے بھتیجے تھے گنائی کے نام سے معروف تھے۔ اُٹھتی جوانی میں حج کو چلے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد اودھ کے قصبہ بداؤں میں عقلی اور نقلی علوم حاصل کر کے ظاہری اور باطنی کمالات میں یگانہ روزگار ہو گئے۔ باطنی کمالات کے بل بوتے پر حضرت خضر سے ملاقات کر کے چالیس دن تک حدیث اور تفسیر کی باریک باتوں اور نکتوں کی تحقیق کی۔ اکبر شاہ کا استاد مخدوم الملک ان کا شاگرد تھا۔ کشمیر واپس آنے پر فتویٰ (شرعی فیصلہ) کے موروثی منصب پر بیٹھے اور نہایت دیانت داری اور محتاطی سے فیصلہ دیتے تھے۔ باطنی ارادت حضرت سلطان العارفین سے تھی۔ حضرت شیخ سے تربیت پائی تھی۔ حسین شاہ چک کے زمانے میں یوسف منڈو کے قتل کی تہمت ان کے سر دھر دی گئی۔ اور شہید کیے گئے۔ تاریخ:۔

از پئے تاریخ آن در دین وحید گفت شد از بہر دین مُلّا شہید!

مُلّا الماس گنائی

اصلی نام ملا یوسف تھا۔ سلطانوں میں سے ایک نے الماس کہہ کے اس کو مخاطب کیا۔ اور اسی نام سے معروف ہو گیا۔ مُلا فیروز کا شاگرد تھا۔ حضرت خضرؑ سے علمی مسایل کا حل کرتا تھا۔ اور ان کی زیر تربیت تھا۔ حسین شاہ چک کے وقت میں مفتی تھا۔ یوسف منڈو کے قتل کے معاملے میں ملا فیروز کے ساتھ شہید ہوا۔ جس کا بیان دوسرے حصہ میں ہوا ہے۔

ملا جوہر گنائیؒ

اس شہر کے شریفوں میں سے تھے۔ بچپن اور جوانی کا سارا زمانہ عقلی اور نقلی علموں کے حاصل کرنے میں صرف کیا۔ صراف کدل کے متصل قطب الدین پورہ کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ آخر عمر میں حج کو گئے۔ اور ممتاز عالموں سے ملاقات ہوئی۔ شیخ ابن حجر مکی اور ملا علی قاری سے حدیث کی سند حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ اور گوشہ نشین ہو کر عبادت خدا میں مشغول ہو گئے۔ رزق حلال حاصل کرنے کے لئے اون اور پشمینہ کی تجارت شروع کی۔ توکل اور قناعت پر گذارہ کیا۔ حضرت سلطان العارفین کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ سنہ ۹۲۶ کے کالرا میں دنیا سے کوچ کیا۔

ملا شمس الدینؒ پال

بہت بڑے عالم تھے۔ عالموں اور فاضلوں کے سرتاج تھے۔ میرزا حیدر کے زمانے میں راست گوئی کے سبب سے "اعلم العلماء" کا لقب پایا تھا۔ مرزا کے عالموں کے ساتھ مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ مخالف ہر بات میں ان کے سامنے ہار جاتے تھے۔ خواجہ داؤد طوسی ان کا ایک شاگرد حضرت سلطان العارفین کا عقیدت مند تھا۔ اس کی زبانی حضرت شیخ کے کمالات سن کر ملاقات کا شوق ہوا۔ جب پہلی بار دربار سلطان العارفین پہنچے تو فرش فروش اور جناب کا لباس دیکھ کر دل میں تذبذب سا پیدا ہوا۔ حضرت مخدوم پر ان کے دل کا حال روشن ہوا۔ اور حکم دیا کہ فرش وفروش اور لباس ملا شمس الدین کے ہاں لے جائیں۔ کیونکہ ملا کو جبہ سے اس کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ مولانا یہ حال دیکھ کر نادم ہوئے۔ اپنے آپ کو جناب کے مریدوں میں شامل کر کے تربیت پانے لگے۔ عالم باعمل ہونے کی حقیقت معلوم ہوئی۔ ریاضت اور عبادت میں لذت پانے لگے۔ مرزا حیدر کی شہادت کے بد شیعوں کے غلبہ کے سامنے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر حج کو تشریف لے گئے اور وہاں ہی قیام کر کے مزار بقیع میں دفن ہوئے۔

ملا داؤد طوسیؒ

شمس الدین پال کے شاگرد تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں آ کر منظور نظر ہو گئے۔ حضرت کی تربیت میں سلوک کی منزلیں طے کر کے دنیا سے کوچ کرنے تک خلق خدا کی رہبری۔ رہنمائی اور باطنی امداد کرتے

شیخ بابا داؤد خاکیؒ

محلہ کلاشپورہ سرینگر کے گنائی خاندان سے تھے۔ دانائی اور عقلمندی کے مجسمہ تھے۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ خدا کی یاوری سے ملا بصیر، ملا رضی اور شمس الدین پال جیسے عالم اور فاضل اُستاد ملے۔ اس پر ان کی خداداد فہم و فراست ذہانت اور ذکاوت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ نقلی اور عقلی علوم میں ان کے ہمعصروں میں سے ان کے مقابلے کا کوئی دوسرا نہ تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد سلطان کے بیٹوں کو سو روپے ماہوار تنخواہ پر پڑھاتے تھے۔ ایک دن جناب حضرت محبوب العالم کی خدمت میں چلے گئے۔ ان کی عرفان سے بھری ہوئی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ علم و ادب میں فضل ہی کا گھمنڈ دل سے نہ جاتا رہا۔ بلکہ دنیا و ما فیہا سے متنفر ہو گئے۔ ننگ و ناموس۔ عزت آبرو۔ شان و شوکت کو سلام کیا۔ دنیاوی جاہ و حشم۔ مال و متاع۔ اسباب عیش و عشرت کو خیر باد کہا۔ جناب کی خدمت گذاری کے لئے ہمت کی کمر باندھی۔ سبحان اللہ! بابا داؤد خاکی! عالم فاضل۔ شاعر کامل۔ مصاحب دربار سلطان۔ شہزادوں کا اُستاد کمر باندھ کر۔ دامن اُوپر چڑھا کر۔ گھاس کی بنی ہوئی جوتی پاؤں میں لگا کر حضرت کی سواری کے وقت گھوڑے کی بھاگ دوڑ پکڑ کر آگے آگے بائیں کاربند پر ہاتھ رکھ کر ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں۔ ایک دن حضرت شیخ نے دوپہر کے بعد کی نماز کے وقت عیش مقام جانے کا ارادہ فرمایا۔ یاروں نے کہا پیشین نماز پڑھ کر روانہ ہوں گے۔ انھوں نے فرمایا آگے جا کر ادا کریں گے۔ شہر سے روانہ ہوئے عیش مقام پہنچے پیشین کی نماز وقت پر ادا کی۔ اور مسافت دو پڑاؤ سے زیادہ تھی۔ واپسی کے دن جب شہر کے نزدیک پہنچے۔ بابا داؤد خاکی نے شرم کے موجب دامن کو کمر سے نیچے کر دیا۔ حضرت شیخ تاڑ گئے کہ اس نے یہ حرکت لوگوں سے شرمانے کے موجب کی۔ دوسرے دن حضرت شیخ نے شہر میں سوار ہو کر چکر لگانے کا ارادہ کیا۔ بابا داؤد خاکی کو حکم ہوا کہ وہ گائے کا بھرہ پہنکر۔ چمڑے کی ٹوپی سر پر رکھ کر۔ گھاس کی جوتی پاؤں میں لگا کر ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ حضرت سوار ہوئے۔ خاکی آگے آگے دوڑتے تھے۔ شہر کے لوگوں نے بابا داؤد خاکی کی یہ حالت دیکھ کر اندازہ لگایا کہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ بہت افسوس کرنے لگے۔ جب گھر واپس پہنچے۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ محنت کل کی حرکت کی سزا ہے۔ دو برس اسی طرز پر گذرے۔ ننگ و ناموس اور غرور خاک مل کر خاک ہوئے۔ اور بابا داؤد "خاکی" ہوئے۔ پھر علاقہ کھویہامہ کے ایک مقام سنگہ پال میں چالیس چلے کے لئے خلوت نشینی کا حکم ملا۔ اس عرصہ میں

جو کی روٹی کھائی اور کسی سے بات نہ کرنے کی پابندی تھی۔ جب حکم کے مطابق مسجد شنگہ پال میں
بیٹھے تو بھوت پریت۔ جن اور پریاں ستانے لگیں۔ اور حضرت خاکی کو مسجد سے باہر نکالا۔ دوسرے
دن حضرت محبوب العالمؒ بذات خود تشریف لائے اور ایک دن رات میں بھوتوں اور پریوں کو وہاں
سے نکالا۔ حضرت بابا کو کہا اب بغیر کسی وسوسہ اور اندیشہ کے اپنے کام میں مشغول ہو جائیے۔ اس
کے بعد خاکی چالیس۴۰ چلے ختم ہونے تک وہیں رہے۔ زیادہ تر جنگلی سبزی ترکاریاں (ڈیل ہاک اور
جنگلی کاسنی وغیرہ) سے افطار کرتے تھے۔ اور کبھی جو کی روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں
ایک شیر رات کو مسجد کے گرد پہرہ دیتا تھا۔ اور صبح کو غائب ہو جاتا تھا۔ ان دنوں اگرچہ شیعوں کا
غلبہ تھا۔ لیکن دن دھاڑے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے چوروں کی ایک جماعت حضرت بابا کے مارنے
کے لئے مقرر کی۔ ایک رات یہ لوگ حضرت بابا کے عبادت خانے پر آ گئے۔ ساری رات مسجد کے
ارد گرد چکر لگاتے رہے۔ شیر کے ڈر سے نزدیک آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ صبح کو بھاگے اور گاؤں
کے نمبرداروں کے ہاتھ گرفتار ہوئے زدوکوب اور تفتیش کرنے پر چوروں نے اصلیت بیان
کی اور میر عدل (چیف جسٹس) کے حکم کے موجب سزا پا گئے۔ ان میں ایک جو بچ گیا تھا حضرت
بابا کا مرید ہو گیا۔ کہتے کہ حضرت بابا داؤد خاکی خلوت نشینی کے دنوں میں کسی سے بات نہ کرتے تھے۔
ایک دن ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے تفسیر توضیح کی ضرورت پڑی۔ کچھ لفظ لکھکر کھڑکی پر رکھے
خادم پرچہ لیکر شہر گیا۔ حضرت شیخ باطنی طور پر حضرت بابا کی اس حرکت سے مطلع ہوئے۔ حضرت بابا کو
عتاب کیا۔ فرمائے۔ "تم تو ملا ہو تمہارے ہاتھ سے درویشی نہیں آئے گی۔ آؤ اندر علاؤالدین پورہ
میں بچوں کو سبق پڑھاؤ۔ ایک دن نماز تہجد کے غسل کے لئے چشمہ پر نکلے تھے۔ چشمہ کے بیچ میں
ایک آدمی کو کپڑے پہنے ہوئے کھڑا دیکھا۔ ڈر گئے کہ بھوت ہے۔ بہت ڈر لگنے کے باوجود خدا
پر بھروسہ کر کے چشمہ پہ گئے۔ دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ سلام کے بعد آپس میں پیار
اور محبت کی باتیں ہوئیں۔ حضرت بابا نے سوالات پوچھے تسلی بخش جوابات حاصل کئے۔ چشموں
کی کیفیت دریافت کی۔ اور حضرت خضر نے ان کی حقیقت بیان کی۔ اور فرمایا آج سے جہاں جاؤ گے
چشموں کے موکل تمہارے استقبال کو آئیں گے۔ اور مرید بنیں گے۔ جہاں کہیں خطرناک چشمہ
ہوگا وہاں میں تمہاری مدد کروں گا۔ انہی دنوں میں میرزا حیدر سلطان سکندر کاشغری کا لشکر ساتھ
لے کر کشمیر پہنچا۔ کوہ شنگہ پال کے دامن پر کیمپ لگایا۔ اور کشمیریوں کے ساتھ لڑتا رہا۔ حضرت
خاکی کو اس خطرناک واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی۔ خلوت نشینی کی مدت ختم ہونے پر حضرت شیخ کے فرمانے

سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے آستانہ کی زیارت کے لئے ملتان چلے گئے۔ اور اوچھ میں زیارت پر
کچھ مدت رہے۔ وہاں کے صاحب حال اور بزرگوں کی ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اس ملک کے
متبرک مقامات دیکھنے کے بعد لاہور آئے اور وہاں جناب حاجی احمد قادری کو اپنے ساتھ کشمیر لے آئے
جونہی حضرت بابا سفر سے واپس آکر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تو حضرت نے ان کو خلعت
ارشاد پہنایا۔ شیخیت کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ لوگوں کی فیض رسانی اور فائدہ رسانی میں کوشش
جاری کی۔ امر معروف اور نہی منکر پر عملدر آمد کرانے کی بڑی سعی کرتے رہے۔ نہایت ہی عالی مرتبہ خدا
دوستوں اور ولیوں سے اخلاص اور دوستی تھی۔ جن میں سے میر سید احمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حاجی احمد
قادری اور بابا ہردے ریشی قابل ذکر ہیں۔ حضرت میر سید اسماعیل شامی سے سلسلہ علیہ قادریہ کی اجازت
حاصل کی۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ بزرگ مجرۂ خاص میں اکیلے بیٹھے تھے۔ شیخ داؤد خاکی نے
باہر سے باتیں کرنے کی آوازیں سنی۔ یہ آوازیں قسم قسم کی مختلف نوع کی تھیں۔ دروازہ سے
انہوں نے اندر جانے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ متحیر ہو گئے۔ اور حضرت شیخ سے اجازت لینے کے بغیر
ہی دروازہ کھولا۔ نہایت صد درجہ خوبصورتوں کی ایک جماعت دیکھی جو بحث و مباحثہ میں اور بات
چیت میں مشغول تھی۔ حضرت نے غصہ کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ ایسی حالت میں بلا پوچھنے کے
دروازہ کھولنا اور اندر آنا ادب کے خلاف ہے۔ یہ چشموں کی روحیں تھی۔ جو فیض حاصل کرنے
کو آئی تھیں۔ خدا نے چاہا تمہیں بھی کچھ وقت کے بعد ایسی ہمت اور طاقت حاصل ہو گی۔ کہ تم ان
کے مکانوں میں جاکر غیبی باتوں کی حقیقتوں سے واقف ہو جاؤ گے۔ غیب لوگوں کا یہ طبقہ فرشتوں
اور جنوں سے الگ ہے۔ ان کی مثال آگ کی سی ہے۔ اور پانی جوان سے ابلتا ہے۔ دھواں جیسا
ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت خاکی داؤد علاقہ کامراج کے ایک گاؤں اندرہامہ میں ایک چشمہ پر
کچھ مدت کے لئے خلوت نشین ہو گئے۔ اور ورد اعظم۔ حرز یمانی۔ حزب البحر۔ اسماء عظام
اور سورۂ یاسین پڑھتے رہے۔ جب تک ان کو غیبی کائنات کا کشف حاصل ہو گیا۔ اور پھر جہاں
جاتے چشموں کی روحوں کا معاینہ کرتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کی تربیت فرماتے۔ اس
معاملہ میں انہیں حضرت خضر علیہ السلام سے پوری مدد ملی۔ اور بابا ہردے ریشی سے بھی۔ سب سے پہلے
دو سو افراد ساتھ لے کر کوثر ناگ گئے۔ یہ چشمہ دیوہ سر کے پہاڑ پر ہے۔ وہاں پہنچنے پر آندھی
چلی۔ کالے بادل چھا گئے۔ بجلیاں چمکنے لگیں۔ گرج کے ساتھ اولے اور بارش برسنے لگی۔ لیکن جناب
کی توجہ سے کوئی نقصان نہ ہوا۔ اور سورج نکل آیا۔ یہ چشمہ کے کنارے بیٹھے۔ چشمہ سے ایک سبب ابھر

اور کنارے کے پاس پہنچا۔ حضرت نے اٹھا کر توبرے میں ڈال دیا۔ اور چادر پہنکر چشمہ میں اُترے چشمہ کے موکلوں میں ایک جماعت اکٹھے ہوئی اور مسلمان ہو گئے۔ اور بیعت کا نوشتہ مانگا۔ حضرت بابا چشمہ سے نکلے۔ کچھ لفظ لکھکر پانی کی سطح پر ڈال دیئے۔ اچانک ایک بڑے سانپ نے پانی سے سر نکالا۔ تین دفعہ جناب کی طرف سر جھکایا اور خط بیعت لے گیا۔ وہاں سے واپس آکر بابا ہردے ریشی کے زمانے پر دو سو آدمی ساتھ لے کر واسک ناگ چشمہ پر گئے۔ اس کے موکلوں کی تلقین اور تربیت کی۔ اس چشمہ سے واپس آکر بڑی جماعت ساتھ لے کر کاجی ناگ چشمہ پر گئے۔ چشمہ میں اترے اور اس کے موکلوں کو مسلمان کیا۔ کہتے ہیں کہ چشمہ سے نکلتے وقت چشمہ کے موکلوں نے ایک چھوٹا پیالہ اور ایک مٹی کی سربستہ ہنڈیا نذر کے طور پر پیش کی۔ جب اوپر لائے۔ تو دونوں میں پیسے تھے۔ جن کی ایک طرف عورت کی تصویر تھی۔ دوسری طرف راجہ ہرشہ دیو لکھا تھا۔ حسین علی اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ وہ پیسے مدت تک میرے پاس موجود تھے۔ وہاں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ کوہ شاردا پر گئے۔ جو دراوہ میں واقع ہے۔ جب شالبوت ناگ چشمہ پر پہنچے۔ ایک شہزادہ نمودار ہوا۔ کہا میں شالبوت ناگ ہوں۔ اور یہ میرا وزیر نیلہ ناگ ہے۔ ہم جناب کے استقبال کو آئے ہیں۔ حضرت بابا نے پوچھا۔ شالبوت کا معنی کیا ہے۔ کہا۔ دراوڑ زبان میں شالبوت اس کو کہتے ہیں۔ جو ایک لاکھ بیٹوں کا باپ ہو۔ کوہستان دراوڑ میں ایک لاکھ چشمے میرے بیٹے ہیں۔ دونوں نے بیعت لی اور غائب ہو گئے۔ اسی طرح اس ملک کے سارے چشمے جناب کی مریدی کے دائرہ میں آ گئے۔ اس کی کیفیت ان کے خلیفہ حسین علی نے جو ہر جگہ ان کے ساتھ تھا اپنی کتاب تذکرۃ الابرار میں پوری طور لکھی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ بابا داؤد خاکی رح بلند مرتبہ صاحب حال وقال صوفی تھے۔ علم و فضل اور اجتہاد پر نظر رکھ کر کچھ ان کو امام اعظم ثانی کہتے تھے۔ امر معروف اور نہی منکر کے اجرا میں سخت کوشش کرتے تھے۔ جس وقت قاضی موسیٰ یعقوب خان چک کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آنجناب نے چکوں کے حق میں بد دعا کی اور ان کے زوال کی پیشین گوئی کی۔ پھر حضرت خود بذات اور حضرت شیخ یعقوب صرفی۔ بہرام نیابک۔ فتح خان چک۔ اور حیدر خان یعقوب خان کا بھائی دہلی چلے گئے۔ اور اکبر بادشاہ کو کشمیر پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دی۔ اور ایک عہد نامہ پر دستخط کئے۔ جب اکبر بادشاہ کی فوج کشمیر کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئی حضرت بابا مرشدوں اور پیروں کی ملاقات کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں کی زیارتوں اور متبرک مقاموں کو دیکھنے کے بعد کشمیر واپس لوٹے۔ راستے میں ہی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور

کشمیر پہنچتے ہی تین ماہ صفر ۹۹۲ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ تاریخ "جیر مقدم" ہے۔ اور "روی جنت بدید شیخ احمد" پہلے ان کا مقبرہ اسلام آباد میں مقرر ہوا تھا۔ پھر ان کے دوستوں اور عقیدت مندوں نے نعش مبارک کو شہر لاکر مرشد بزرگوار کے مرقد میں سپرد خاک کیا۔ بلند پایہ کے مصنف تھے۔ ورد المریدین۔ اور اس کی شرح دستور السالکین۔ قصیدۂ جلالیہ۔ قصیدۂ عینیہ۔ رسالہ صفدریہ اور اس کی شرح مجموعۃ الفوائد ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔

خواجہ حسن قاری رحمۃ اللہ علیہ

ایک بہت بڑے شریف خاندان میں سے تھے۔ علم و فضل میں لاثانی تھے۔ سات قرأتوں میں قرآن مجید کی تلاوت زبانی کرتے تھے۔ مدرسی کا پیشہ کرتے تھے۔ جب عشق الٰہی کا پرتو ان کے دل کے چہرے پر پڑا۔ تو حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں جاکر مشرف ہوئے۔ دنیاوی کاموں کو چھوڑنے اور باطنی معانی حاصل کرنے کی طرف مشغول ہوگئے۔ عبادات اور مجاہدات میں اکثر بار جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کی روح مبارک سے فیض پاتے تھے۔ آخر پر علاقہ زینہ گیر کے ایک گاؤں شیوہ میں تنہا نشین ہوگئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ حالات و کمالات والے بزرگ تھے۔ راحت الطالبین جناب مخدوم رح کے حالات پر لکھی ہوئی کتاب ان کی تصنیف ہے۔

خواجہ اسحاق قاری

خواجہ حسن قاری کے بھائی حافظ قرآن مجید اور علم قرأت کے عالم تھے۔ شروع میں شیخ احمد قلندر سے جو ایک مجذوب بزرگ تھے۔ ملاقات تھی۔ اور ان کی تربیت سے بڑے فائدے حاصل کئے۔ پھر حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں آکر حلقہ مریدان میں داخل ہوگئے۔ تصوف اور سلوک کے متعلق جو قلندر کے فرمانے کے موجب عمل میں لاتے تھے۔ ان کے فرمانے پر ترک کئے۔ ایک دن کسی معمولی سی بات پر جناب حضرت مخدوم رح نے کچھ کوڑے مارے۔ خواجہ نے پروا نہ کی اور نہ آزردہ ہوئے۔ حضرت شیخ نے قبولیت کی خوشخبری سنائی۔ بائیس ۲۲ برس شیوہ میں اپنے بھائی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں خلوت نشین ہوکر گذارنے کے بعد حج کو گئے۔ اور ڈیڑھ برس خانہ کعبہ کے مجاور رہنے کے بعد دنیا سے کوچ کیا۔ مزار بقیع میں دفن کئے گئے۔ حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ رح مرشد بزرگوار کے حالات پر چہل چلۃ العارفین ان کی تصنیف ہے۔

شیخ احمد چاگلی

حضرت مخدوم رح کے خلیفوں میں سے تھے۔ انہوں نے خود فرمایا ہے۔ کہ میں نے ایک رات خواب میں ایک پل دیکھا۔ اور ایک شیخ پل کی تعریف کرتا تھا۔ اور کہا کہ پل حضرت مخدوم رح کا پل ہے۔ جب میں پل سے پار گیا۔ حضرت مخدوم کو ایک محل پر دیکھا۔ حضرت نے آواز دی۔ مُلا احمد اُوپر آ جاؤ۔ میں اُوپر گیا اور مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ دوسرے دن جب میں حضرت کی خدمت میں گیا۔ تو انہوں نے میرے خواب کو اُدھر ہی سے بیان کیا۔ اور فرمایا اے مُلا احمد تو نے مجھے بارگاہِ الٰہی سے قبول کیا گیا۔ آؤ اور بیعت کر اسی وقت ہاتھ پر بیعت کر کے مُریدوں کے زمرہ میں شامل ہوا۔ لکھتے ہیں کہ شیخ احمد کو سلسلہ میں داخل کرنے کے بعد "معرفت" حاصل کرنے کے لئے خلوت نشینی کی تجویز ہوئی۔ حکم ملتے ہی ہروان کے پہاڑ پر چلے گئے۔ اور ایک گپھا میں تنہا نشین ہو گئے۔ چھ برس غار میں گذارے اور کسی آدمی کو منہ نہ دکھایا۔ درندے اور وحشی جانور دوست بنائے۔ چھ برس کے بعد حضرت مخدوم رح خلوت نشینی کی جگہ پر تشریف لے گئے۔ اور ان کو اپنے ساتھ موضع چاگل میں لائے۔ اور حکم دیا کہ جو چاہو گے اور جتنا چاہو گے کھاؤ۔ اب ان کی روزانہ خوراک چاول اور سبزی ترکاریوں کے دو من خالی تھی۔ کبھی جنگلی گائے خود بخود رسوئی خانہ میں آتی اور باورچی حلال (ذبح) کر کے اس کو پکاتا اور شیخ احمد ایک ہی دم میں سارا گوشت چٹ کر کے کھا جاتے تھے۔ اور خوراک کی اتنی مقدار کھانے پر نہ تو وضو کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ بیت الخلا (پاخانہ) جانے کی۔ یہ حال چھ برس تک رہا۔ اور تمام لوگ حیران تھے۔ پھر سلطان العارفین نے ان کو اس مقام سے نکال کر بلند مقام کے راستے پر ڈال دیا۔ اور کمال کے درجے کو حاصل کر کے علاقہ چھچی پورہ کے گاؤں چاگل میں ارشاد کے مسند پر بیٹھ لوگوں کی رہبری اور فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ وفات پر ان کی نعش کو اسی گاؤں میں سپردِ خاک کیا گیا۔ رسالہ سُلطانیہ کی کتاب حضرت مخدوم رح کے حالات میں ان کی تصنیف ہے۔

شیخ حسن مُتولی

علاقہ کھاہور بارہ مولہ کے گاؤں چنانہ پورہ کے باشندے تھے۔ حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں جب فانی الشیخ کے مقام پر پہنچے۔ ہر کام میں بسم اللہ یا حضرت مخدوم رح زبان سے نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ بسم اللہ یا حضرت مخدوم رح کہہ کے دریاؤں۔ ندی نالوں۔ اور جھیلوں کے اُوپر سے چلتے تھے۔

حضرت شیخ ان کے حق میں حد سے زیادہ مہربان تھے۔ اور ان کی عنایت و مہربانی سے وہ بلند مرتبہ پا گئے۔ جس کی آرزو اور تمنا ان کے دل میں مچھر رہا ہوتی تھی۔ رحلت کے بعد اسی گاؤں میں آرام کی جگہ پائی۔

شیخ بہرام گوریٹنگی

حضرت مخدوم سلطان العارفین کی تربیت سے حقیقت کے راستے پر چلنے کی توفیق پائی۔ سلوک اور عرفان کے ابتدائی مدارج ختم کرنے پر مرشد برحق کے فرمانے پر علاقہ اتر کے ایک گاؤں گوریٹنگو میں چشمہ کے کنارے گپھا میں تنہانشین ہو گئے۔ حضرت ریشی شاہ مجذوب (درویشوں کا فرقہ مستی کے موجب دیوانہ نظر آتے ہیں۔ اور شرع کی پابندی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ان کی قلبی کیفیات کا عالم سمجھنے سے ہوش والے قاصر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی دھن میں مگن ہوتے۔ دیوانہ بکار خود ہشیار) ان کی خدمت گذاری کرتے رہتے۔ بڑی بڑی کرامتیں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ مرتے دم تک سلوک کے مقامات اور منازل طے کرتے رہے۔ اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

شیخ بابہ یشہ ناگی

اسلام آباد کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ آپ حضرت مخدوم رحمہ کے مریدوں میں شامل ہو کر بیعت کی۔ ریاضت و عبادت میں تن من سے مشغول ہو گئے۔ حج کو جا کر مکہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ میں روضۂ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ ادائے حج کے بعد کشمیر واپس آکر پرگنہ اوتر کے ایک گاؤں یشمہ ناگ میں قرار پذیر ہو گئے۔ اور ایک کوٹھڑی میں جس کی کوئی کھڑکی نہ تھی۔ تنہانشین ہو گئے۔ ایک دن حضرت مخدوم رحمہ اسی جھونپڑی میں تشریف لائے اور اس کا حال دیکھ کر نہایت ہی خوش ہو گئے۔ حضرت مخدوم رحمہ کی واپسی پر ایک اخلاص مند نے جھونپڑی میں دروازہ اور کھڑکیاں لگوانے کی پیشکش کی۔ لیکن بابہ یشہ نے قبول نہ فرمائی۔ کہا۔ کہ حضرت مخدوم رحمہ کو اسی صورت میں جھونپڑی پسند آئی ہے۔ اس واسطے اس کو کسی طرح سے بدلا نہیں جا سکتا ہے۔ جب اس دنیا کو الوداع کہی۔ اسی گاؤں میں دفن کئے گئے۔ قدس سرہٗ +

شنگرف گنائی

قسمت کی یاوری سے حضرت مخدوم رحمہ کی خدمت میں بارگاہِ خدا کی قبولیت حاصل کر کے سخن سے سخت

ریاضتوں میں مشغول ہوگئے۔ مجاہدہ اور مشاہدہ کے میدان سے سعادت کی گیند لے کر شہود کی سند حاصل کی۔ دنیاوی لحاظ سے خوش حال اور دینوی کمال کے رو سے صاحب حال اور قال تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن صبح کی بانگ بہت ہی اونچی آواز میں پڑھی۔ اور اذان کی آواز غازی خان چک کے کانوں تک پہنچی غازی خان شیعہ تھا۔ اس نے اذان میں "اَشْہَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ" پہنا بہت ہی غصے میں ہوا۔ ان کو مارنے کا ارادہ کر کے شام کا کھانا اسی کے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ چالیس۴۰ سیر چاول کا پلاؤ تیار کرایا جس میں سات سیر گھی ڈال دیا۔ سارے کا سارا منگوا کر ان کے آگے رکھ کر بہانہ تراشا۔ کہ اگر "آپ یہ سارا کھانا نہیں کھائیں گے تو جان سے ہاتھ دھوئیں گے"۔ حضرت نے خدا سے دعا مانگی اور کھانے کو بیٹھ گئے۔ اور سارا چٹ کر گئے۔ رخصت لے کر نکلے۔ والی ملک غازیخان اپنے اس ارادہ پر پشیمان ہوگئے۔ دوسرے دن دربار میں پھر بلوا کر کہا کہ فلانی گاؤں میں چشمہ کے بیچ میں ایک بڑا پتھر گرا ہے۔ اور مال مویشی کو پانی پینے میں بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ چونکہ آپ سب سے بڑے کھاؤ ہیں۔ کھانے میں کمال کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لئے وہاں جا کر پتھر کو چشمہ سے نکالیں۔ شیخ نے کہا۔ یہ کام میرے ہاتھ سے نہیں آئے گا۔ ہرگز نہیں آئے گا۔ غازی خان یہ جواب سُن کر آگ بگولا ہوگیا۔ اور حکم دیا کہ شیخ کو قید میں ڈال کر کھانا پینا کچھ نہ دیں۔ تیسرے دن کی صبح کو شیخ نے غازی شاہ کو پیغام بھیجا کہ انہیں چشمہ پر [illegible] کی اجازت [illegible]۔ [illegible] دن [illegible] چشمہ پر گیا۔ اور چار ہی انگلیوں سے چٹان کو پانچ میل کی دوری پر پھینک دیا۔ جب اس جہاں سے کوچ فرمایا۔ گنڈ ابراہیم میں دفن ہوئے۔

خواجہ عثمان کول

کشمیر کے بڑے تاجروں میں مالدار۔ معزز اور باعزت آدمی تھے۔ نیک بختی کی رہنمائی سے حضرت مخدوم رحمہ کی خدمت میں قبولیت کا درجہ حاصل کیا۔ دنیاوی کاموں سے دست بردار ہوکر مولا کی بندگی میں عمر بسر کرنے لگے۔ حج کو گئے خانہ کعبہ اور روضۂ مطہر کی زیارت کی۔ اور وہیں رحمت حق ہوگئے۔

خواجہ ابراہیم کول

صاف دل۔ دانشمندوں میں سے تھے۔ خوش خلقی اور خوش نویسی کے تمام قسموں سے

واقفیت رکھتے تھے۔ خدا کی توفیق سے حضرت مخدوم رح کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ ریاضت اور مجاہدات کے سلسلے میں حضرت مخدوم کے دلپسند تھے۔

مولانا میر افضل

اپنے وقت کے پاکیزہ اور شریف لوگوں میں سے تھے۔ اچھے خاصے عالم تھے۔ شیخ بابا داؤد خاکی ان کے شاگرد تھے۔ خدا کی مہربانی سے حضرت مخدوم رح کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ تھوڑے زمانے میں سلوک کے منزلوں اور مقاموں کو طے کر کے بلندی کے درجہ کو حاصل کیا۔ ہم نشینوں اور ہم قرنوں سے فوقیت پا گئے۔ ان کے دل میں ایک دن حج کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسی خیال میں سو گئے۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سرخ رنگ سیاہی مائل گھوڑا، سفید پگڑی۔ اور ایک سبز چھڑی عطا کی۔ دوسرے دن سفر کی تیاری کر کے حضرت مخدوم رح کی خدمت میں رخصت لینے آئے۔ جب السلام علیکم کہا حضرت شیخ نے فرمایا۔ وعلیکم السلام یا حاجی افضل آؤ۔ اور بیٹھو۔ یہ بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ نے ایک سرخ رنگ سیاہی مائل گھوڑے کو زین کرایا۔ ایک سفید پگڑی کو تہہ کیا ایک روغن کی ہوئی چمکدار سبز چھڑی کو منگوائی اور یہ چیزیں میر افضل کو عطا کرتے ہوئے فرمایا۔ یہی ہے جو آج رات آپ کو دیا گیا۔ میر افضل نے عرض کی رقسم خدا کی! یہی تین چیزیں ہیں جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج رات مجھ کو بخشدیں۔ پھر ان سے اجازت اور رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچکر خدا کی بے اندازہ عنایتوں سے سرافراز ہو کر دنیا آخرت کی راہ لی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا زین علی

ملا شمس الدین پال کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت صرفی سے بھی شاگردی کا تعلق تھا۔ حضرت سلطان العارفین سے تصوف کی باریک حقیقت پر مبنی عرفان سے بھری ہوئی باتوں کی آگاہی پائی۔ شریعت کے پابند۔ طریقت کے راہ رو۔ معرفت کے پیالہ نوش اور حقیقت کے شناساؤں میں شامل ہو گئے۔ حضرت مخدوم رح کے انتقال کے بعد حج کو گئے۔ شیخ ابن حجر مکی سے محدثی کی سند حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ یہاں آ کر ظاہری اور باطنی میں علوم کی اشاعت اپنا مشغلہ قرار دیا۔ رینہ واری کے محلہ میں دفن ہیں۔

میاں نعمت اللہ

ملتان کے رہنے والے تھے ۔ بڑے بزرگ خدا دوستوں سے ملاقات رکھتے تھے ۔ ملکوں کی سیاحت کرتے کرتے کشمیر وارد ہوئے ۔ اور حضرت مخدوم رح سے بیعت کی ۔ حضرت مخدوم رح ان کی بڑی عزت کرتے تھے ۔ اور یہ بھی زیادہ وقت جناب ہی کے پاس رہ کر گزارتے تھے ۔ مرشد بزرگوار کے فرمانے پر ریپور کے گاؤں میں چلے گئے ۔ اور پہاڑ کے دامن میں تنہا نشین ہو گئے ۔ زیادہ تر محویت کے عالم میں دنیا سے بے خبر رہتے تھے ۔ ریپور کے گاؤں میں رحلت کے بعد ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا ۔

بابا علی رینہ

کہتے ہیں کہ یہ حضرت مخدوم رح کے حقیقی بھائی تھے ۔ لیکن شیخ داؤد خاکی رح نے اپنی کتاب میں کسی جگہ بھی ان کا نام لیا ہی نہیں ہے ۔ البتہ بابا حیدر تولہ مولی نے اپنی کتاب ہدایت المخلصین میں ان کے حالات بہت ہی مبالغہ کے ساتھ درج کئے ہیں ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے ۔ " بابا علی حضرت محبوب العالم رح کے حقیقی بھائی ہیں ۔ بارہ برس تک مرشد کی تلاش میں ملکوں کی سیاحت کی ۔ تین دفعہ حج کو گئے علم فقہ اور حدیث میں کمال رکھتے تھے ۔ ایک رات حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں روضہ مطہرہ (آنحضرت ؐ کی قبر شریف کی عمارت) میں اکٹھے دیکھا ۔ آنحضرت صلعم نے حضرت مخدوم رح کو حکم دیا ۔ کہ بابا علی آپ کا بھائی ہے ۔ اس کی تربیت کرنی چاہئے ۔ بابا علی کشمیر آئے ۔ حضرت مخدوم رح نے میر بابا حیدر اور خواجہ اسحاق قاری کو ان کی پیشوائی کے لئے میر پور روانہ کیا ۔ جب دربار سلطان العارفین میں پہنچے تو ان کی نظر کیمیا اثر سے فیضیاب ہوئے ۔ ایک سال ڈیوڑھی پر پہرہ داری کا کام کرتا رہا ۔ اور تعلیم و تربیت معنوی پاتے رہے ۔ پھر حضرت بابا داؤد خاکی رح کے ساتھ ملتان جا کر بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے ۔ حضرت بابا علی رینہ طے مکان میں کمال کا دستگاہ رکھتے تھے ۔ اپنی تئیں کی تو بات ہی نہیں، دوسروں کو بھی طے مکان کرا سکتے تھے ۔ کہتے ہیں کہ ان کا ایک مرید پورب گیا تھا اور ایک دن اس کی بیوی کا اس کے مرنے کی خبر کسی نے سنائی ۔ بیچاری روتے پیٹتے گریہ زاری کرتے ان کی خدمت میں آئی اور قصہ سنایا ۔ حضرت نے اس کو کہا ۔ تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر دو ۔ اس نے آنکھیں بند کیں ۔ پورب پہنچی ۔ سات دن اپنے خاوند کے ساتھ رہی ۔ پھر بابا کے فرمانے پر آنکھیں کھولیں ۔ اور ہنسی خوشی گھر چلی گئی ۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت بابا علی رینہ وقت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے ۔ تذکرۃ العارفین کی کتاب ان کی تصنیف ہے

نجز کے گاؤں میں دفن ہیں۔

خواجہ بیرم

ایک مشہور دولت مند تاجر تھے۔ ازلی توفیق کی برکت سے حضرت محبوبُ العالم رحہ کی خدمت میں قبولیت پائی۔ حضرت نے خدا کی ذکروں اور وظیفوں کی تعلیم فرمائی۔ دوسرے دن حضرت کو بلا کر اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نے انتالیس ۳۹ آدمی جن میں سے ہر ایک ابدال تھا۔ اپنے ساتھ دعوت پر لئے۔ جب دسترخوان بچھایا گیا۔ دو دو آدمیوں کو ایک ایک تراجی (تانبے کے تھال جس میں تین یا چار آدمی اکٹھے روٹے کھاتے تھے) سامنے رکھی گئی۔ آخر پر تنہا ایک آدمی (انتالیس ۳۹ وال) کے سامنے ایک تراجی رکھی گئی۔ حضرت شیخ نے خواجہ برم سے کہا آپ اس کے ساتھ کھائیں۔ خواجہ برم اس کے شریک ہو گئے۔ حضرت نے نظر عنایت فرمائی اور اسی وقت ابدالوں کے زمرہ (گروہ) میں داخل ہوئے اور نہایت بلند درجہ پر پہنچ گئے۔ نظم اور نثر لکھنے میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ تذکرۃ المرشدین حضرت مخدوم رحہ کے حالات میں ان کی تصنیف ہے۔ ان کی "سنی غزلی" مشہور ہے۔

مُولوی فیروز ثانی

حضرت محبوب العالم رحہ کے مریدوں میں سے تھے۔ ہمیشہ محویت۔ مدہوشی اور مستی کے عالم میں ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ نوزیشی دلربا لڑکے پر عاشق ہوا تھا۔ ایک دن اچانک ایک کالے سانپ نے نوجوان کو ڈسا، اور ڈنگ لگتے ہی مر گیا۔ مولوی موقعہ پر موجود تھے۔ بلا درنگ ڈنگ کی جگہ پر منہ لگا کر زہر چوس لیا۔ نوجوان زندہ ہو گیا۔ اور مولانا افعی کے زہر کی تیزی سے مر گئے اس معشوق نے جب عاشق کا یہ حال دیکھا زار زار رونے لگا۔ اور اپنے عاشق کو گود میں لے کر نوحہ میں یہ رباعی پڑھنے لگا:۔

آنانکہ زہر عشق بخوردند مردہ اند   در تیغ عشق سر خود را سپردہ اند۔
زان زہر عشق و شوق شراب بقائے دوست   جان ابد چو خضر بیک لحظہ بردہ اند۔

(جنہوں نے عشق کا زہر کھایا اور مر گئے۔ عشق کی تلوار کے نیچے اپنے سر کو دھر دیا۔ اس محبت اور شوق کے زہر اور بقائے دوست کی شراب سے خضر کی طرح ایک لحظہ میں ابدی حیات پائی ہے) مولوی اپنے معشوق کی آواز سُن کر اسی وقت زندہ ہوا اور رقص کرنے لگا

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ مولوی جب تک زندہ تھے۔ وجد حال اور درود سوز و گداز میں تھے۔

صوفی الہداد۔ اللہ داد

حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ رح کے خاص خدمتگذار تھے۔ جناب کے گھوڑے "جودر" کے سائیس تھے۔ شطار رنبد پر ہاتھ رکھ کر سواری کے ساتھ دوڑتے رہتے تھے۔ صاحب حال وقال مشفقت اور ریاضت تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم کی کیمیا اثر نظر کی برکت سے "جودر" میں انسانی اوصاف اور کمالات پیدا ہوئے تھے۔ اور جسم "اکتسابی" کے ذریعہ ہر جگہ پہنچ سکتا تھا۔ کبھی کبھی جہانوں کی ضیافت کے لئے اس کو ذبح کرتے تھے۔ اور طویلہ میں اسی طرح باندھا ہوا ہوتا تھا۔ کئی دفعہ حضرت پیر بزرگوار نے اس کو فروخت کر دیا۔ خریدنے والے کے گھر میں بھی موجود ہوتا تھا۔ اور جناب مخدوم کے طویلہ میں بھی۔ اکثر بار حضرت مخدوم رح کشتی میں اِدھر اُدھر تشریف لیجاتے تھے۔ "جودر" کشتی میں سے اُترنے کے مقام پر (گھاٹ پر) موجود ہوتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ "جودر" دوسرے جوانوں کو تربیت کرتا تھا۔ اور درجہ ولایت پر انہیں پہنچاتا تھا۔ حضرت مخدوم رح کے مریدوں مخصوں۔ خدمت گذاروں اور دوسروں نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ کہ اولیاء اللہ میں طاقت ہے۔ ! ع سگ را ولی کنند کسی را ہا کنند" (نظر سے کتے کو ولی اور کبھی کو راج ہنس بنا دیتے ہیں) یہ تو حضرت کی سواری کا پیارا گھوڑا تھا۔ تو اس کے خوش نصیب اور نیک بخت ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ صوفی اللہ داد پر مدہوشی۔ مستی۔ اور محویت غالب رہتی تھی۔ مست بادۂ الست تھے۔ شہود کے مقام پر تھے۔ ہر چیز میں جلوۂ الٰہی نظر آتا تھا۔ ہر چیز میں عین خدا مشاہدہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک سوداگر زادہ کے ساتھ ان کی محبت اور دل لگی تھی۔ اس کو دیکھنے کے بغیر انہیں آرام نہ آتا تھا۔ سوداگر بچہ بھی ان کے پاس دن رات رہتا تھا۔ سوداگر نے جب بچہ کا حال اور ہی طرح کا دیکھا۔ تو وہ ڈر گیا۔ کہ بچہ تارک الدنیا اور دیوانہ نہ ہو جائے۔ اس نے ان کو جدا کرنے کی ترکیب سوچی اور بچہ کو تجارت کے لئے ہندوستان روانہ کیا۔ اور لڑکے کو دوگنا نفع حاصل ہوا۔ جب سوداگر نے خبر سنی۔ تو بہت خوش ہو کر اور مال روانہ کیا اور لڑکے کو واپس آنے سے روکا۔ کہتے ہیں کہ اس دفعہ یہ مال جو سوداگر نے بیٹے کو بھیجا تھا۔ سارے کا سارا دریا برد ہو گیا۔ اور جب سوداگر کے ملازموں نے سوداگر کو یہ خبر پہنچا دی۔ تو وہ نہایت ہی پریشان ہو گیا۔ اور ایک دیوانہ

کے پاس چلا گیا۔ دیوانہ نے کہا اگر واپس نہ بلاؤ گے تو تم کو زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا اور پھر سوداگر نے بیٹے کو واپس بلایا۔ لڑکا ہندوستان سے واپس آیا۔ صوفی الہداد نے سنا اور وہ اُسے دیکھنے کے لئے گئے۔ آپس میں گلے لگے۔ اور لڑکا غائب ہو گیا۔ باپ نے شور اٹھایا تھوڑی دیر بعد لڑکا ظاہر ہو گیا۔ اور صوفی نظر سے غائب ہو گئے۔ اسی طرح سے کبھی ایک کبھی دوسرا غائب ہوتا تھا۔ سوداگر حیرانی کے عالم یہ حال دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت صوفی کے پاؤں پکڑے اور ترک دنیا کی۔ صوفی کی تربیت سے بلند پایہ کا صوفی بنا۔ اور خدا نے لڑکے کو بہت ولایت کا درجہ عطا کیا۔

مولانا صوفی علی

حضرت محبوب العالم رح کے مکرم خدمت گذاروں میں سے تھے۔ اچھے خاصے عالم تھے۔ اور انہیں خود بھی خیال تھا۔ کہ میں عالم ہوں۔ حضرت کی صحبت کے اثر سے مُریدوں میں شامل ہوئے۔ حضرت نے مال و دولت اور گھر بار کو خیرباد کہنے کی صلاح دی۔ حضرت کے دربار میں بیٹھنے لگے۔ باورچی خانہ میں برتن مانجھنے لگے۔ ظاہری علوم کا وسوسہ اور دغدغہ بھی مانجھتے مانجھتے دل سے مٹ گیا۔ اور حضور کے پاس قبولیت کا درجہ پایا۔ مجاہدہ کے زور سے مشاہدہ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ طے مکان ان کے پاس ایک کرشمہ تھا۔ طے مکان کے ذریعہ ملکوں کی سیر کرتے تھے۔ اور دور دراز ملکوں سے مرشد بزرگوار کے لئے چیزیں خرید کر کے لاتے تھے۔ اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اگر کسی وقت ان کو خیال گذرتا تھا۔ کہ مہمان زیادہ ہیں اور کھانا تھوڑا پکا ہے۔ تو بسم اللہ کہکر دیگ میں ہاتھ ڈالتے تھے۔ اور سینکڑوں مہمانوں کے لئے اس میں سے کھانا نکالتے تھے۔ کسی وقت اگر مسالہ موجود نہ ہوتا۔ یا سالن نہ ہوتا۔ تو بسم اللہ کہکے سالن کی ہانڈی سے جس قسم کا سالن چاہتے نکال لیتے تھے۔ مرتے دم تک جناب کی خدمت میں رہے۔ اور مطبخ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔

میاں یوسف

حضرت محبوب العالم رح کے مرید تھے۔ ریاضت کش۔ عابد اور مکرم تھے۔ ساری زندگی جناب کی خدمت میں بسر کی۔

میاں غریب

آنجناب کے کامل۔ فاضل اور روشن دل خدمت گذاروں میں سے تھے۔

میاں علی

حضرت مخدوم رح کے خدمت گذاروں میں سے تھے۔ جناب اس کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ خدا ترسی اور پرہیزگاری میں بے مثل تھے۔

مولوی جعفر

حضرت مخدوم رح کے مرید دل میں سے تھے۔ عالم باعمل اور صوفی روشن دل تھے۔ ان کی کرامات اور کمالات حد زیادہ ہیں۔ کتاب رموز الطالبین ان کی تصنیفوں میں سے ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے نویں فصل میں موسیقی اور ساز و سرود سننا۔ حسن اور خوبصورتوں کو دیکھنا شرعی دلیلوں سے مباح (وہ کام جو اگر آدمی کرے تو ثواب نہیں۔ نہ کرے تو گناہ نہیں) قرار دیا تھا۔ جب کتاب حضور کی نظر سے گذری۔ حضرت نے نویں فصل کو مٹانے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا کہ آئندہ زمانے میں یہ باتیں مشکلات پیدا کریں گی۔

ملا عبد الغنی

کامل اور فاضل عالم تھے۔ حضرت مخدوم رح کے مرید تھے۔ عمر بھر مجاہدہ میں رہے۔

شیخ محمد شافی

افغان فرقہ سے تھے۔ لشکر شاہی کے افسر تھے۔ گیارہ ہزار خروار کی جاگیر رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں درجۂ قبولیت پاکر ترکِ دنیا کی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ اور بلند درجہ پائے۔

خواجہ ابو الحق سمرقندی

مرشد کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ ملکوں کی سیر کرتے کرتے کشمیر پہنچے۔ یہاں حضرت محبوب العالم رح کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے۔ طریقت میں کمال حاصل کر کے دل کے مقصد و مدعا کو پا لیا۔

بہادر شیخ و زینی ریشی

یہ دونوں بزرگ بیس بیس برس تک پہاڑوں میں رہ کر ریاضت و عبادت کرتے رہے۔ لیکن حقیقی روشنی کی جھلک نظر نہ آئی۔

ایک دن حضرت مخدوم رح طے مکان کر کے ان کی عبادت گاہ پر گئے۔ اور دونوں کو شہر لائے۔ اپنے دسترخوان پر دونوں کو گھوڑے کا گوشت کھلائے۔ دونوں عالم لاہوت کے مقام پر پہنچے۔ بہادر شیخ ہاردن میں دفن ہیں۔ درگہ مولہ کے متصل علاقہ اوتر میں پہاڑ کے دامن میں زینی شاہ کے نام پر زینی شاہ گاؤں آباد ہو گیا ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی خوشنما چشمہ ہے۔

ہادی ریشی

مرشد کی تلاش میں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر انتظار کر رہے تھے۔ ایک دن غیب سے آواز آئی "ہادی ریشی تمہارا مرشد شیخ حمزہ مخدوم رح کشمیر میں ہے"۔ مکہ سے کشمیر آنے کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہر روز ایک آدمی پیدا ہو کر حال پرسی کرتا تھا۔ جب کشمیر پہنچے حضرت مخدوم کو پہنچانا۔ اور کہا یہی بزرگ ہر روز میری حال پرسی فرماتے تھے۔ تربیت حاصل کی اور دونوں جہانوں کی سعادت پائی۔

ملک ریگی ڈار

سیف ڈار کے پوتوں میں سے نامور رئیس اور بادشاہ کے کرتا دھرتا تھے۔ ازلی سعادت نے حضرت مخدوم رح کی درگاہ کی طرف راہ نمائی کی۔ حضرت کے مرید ہوئے اور بیعت کی۔ مجاہدہ کی زور سے ملکوت کی سیر کا مقام حاصل کیا۔ اور رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ "دل با یار دست در کار" ان کے حق میں بالکل درست تھا۔ دنیاوی کام دینی اور بھلائی کاموں میں کوئی پردہ حائل کرتے تھے۔ آخر پر شیعوں کے فساد کے موجب حکومت سے دست بردار ہو گئے۔ اور اپنی خانقاہ میں تنہا نشینی اختیار کی۔ سخاوت اور بخشش میں لاثانی مرد تھے۔ جب اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ محلہ صورہ میں پر درسین کے مندر میں دفن ہوئے۔

لوزہ وزہ ماگری

نامور رئیس تھے۔ جناب حضرت محبوب العالم رح کی تربیت سے دنیا کو لات مار کر راہ خدا پکڑ کر دولت لازوال حاصل کی۔ صاحب کشف و کرامات اور حال و قال بنے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت محبوب العالم رح کے مرید کیا کشمیر میں اور کیا دوسرے ملکوں میں بے شمار ہیں۔ اور ہر ایک کا حال قلمبند کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ ان میں سے صاحب حال و قال خواجہ جہدی پال۔ صاحب درد و سوز

خواجہ نوروز۔ ریاضت کش وراست قول خواجہ محمد شریف و خواجہ اشرف کول۔ عالی قدر و روشن ضمیر ملک پنجی میر۔ فاضل اور متقیؔ خواجہ علی بانٹھی۔ پرہیزگار و نیک خو خواجہ ابوالفتح و خواجہ اسماعیل کابجو۔ مطلع انوار و مخزن اسرار خواجہ کاجی ڈار و یوسف دار۔ نیک ذات و نیک صفات خواجہ موسیٰ و خواجہ علی نانت۔ فرخندہ سیر خواجہ حیدر۔ مقربِ بارگاہ ودود خواجہ داؤد۔ حبیب خدا ملا حبیب اللہ قریب بارگاہ مجیب خواجہ صالح غریب۔ مقبول و مسعود خواجہ قاسم سود۔ صاف باطن اور نیک خو۔ خواجہ غلام۔ رہبران راہ مستقیم عبدالکریم و عبدالحکیم۔ زبدۂ ارباب کرام خواجہ عبدالرحیم شاہ گلو۔ عارف مست و مجذور خواجہ عبدالصبور۔ ہادی راہ تحقیق نور محمد رفیقؔ۔ صاحبان حال و قال خواجہ حسن و خواجہ کمال۔ مرشد ارشد خواجہ محمدؐ۔ محرمان سراہ پردہ یکتائی خواجہ نور محمد و خواجہ کمال اشائی۔ واقفان اسرار سرمدی خواجہ حسن و خواجہ عبدالرحیم بانڈے۔ عالم عاملان و نیک خو خواجہ عبدالکریم و خواجہ غریب شاہمو۔ واقف اسرار مرزا بیگ منصب دار۔ مقبول حیؔ لایموت میاں حمید راجپوت نیک سیرت و نیک خو قاضی ابراہیم و قاضی موسیٰ نادچو۔ حال اور قال والے حضرات خواجہ علی کادو خواجہ زبید نوشہری۔ محمد قاسم مجنون۔ خواجہ محمد ہاشم لوٹبیگر و محمد محسن گنائی۔ خواجہ عطار گنائی۔ حاجی گنائی۔ خواجہ شریف گنائی۔ عبدالرحیم نادچو۔ محمد افضل جھنتو۔ اور محمد امین کلو وغیرہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

خواجہ شہاب الدین

حضرت مخدوم رحمہ کے مرید تھے۔ تنہائی گوشہ نشینی اور ریاضت عبادت میں عمر بسر کی۔

عبدالرزاق بال

حضرت شیخ حمزہ مخدوم رحمہ کے تربیت یافتوں میں سے تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔

نور محمدؐ گنائی

حضرت سلطان کے خلیفوں میں سے تھے۔ حافظ قرآن۔ ورد خوان و سیف خوان۔ ریاضت و عبادت مجاہدہ و مشاہدہ میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ رحلت فرمانے کے بعد ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

شیخ ہم نانت

حضرت محبوب العالم رح کے ریاضت و عبادت والے مریدوں میں نہایت مکرم شمار ہوتے تھے۔ آستانہ کے صحن میں دفن ہیں۔

حافظ عبد اللہ

حضرت محبوب العالم رح کے مرید۔ بڑے درجے کے پرہیزگار۔ خدا ترس۔ ریاضت کش۔ اور عبادت کرنے والے تھے۔ ایک دن ایک اندھے نے ان کے پاس بینائی کے لئے التجی کی۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ دریا سے پانی لاؤ۔ اندھا شش و پنج میں ہوگیا۔ دریا پر کیونکر جاؤں۔ انہوں نے فرمایا کہ تونے ہمارے لئے پانی اس واسطے نہیں لایا۔ کہ تو ابھی بینا ہونا نہیں چاہتے ہو۔ اب خلوت میں بیٹھو۔ اندھا خلوت نشین ہوگیا۔ چند روز کے بعد ہی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

شیخ معمر

حضرت مخدوم رح کے خلیفوں میں سے تھے۔ بڑے شوق اور ذوق والے۔ صاحب حال و قال تھے۔ لیکن حال چھپانے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ لوگوں سے بھاگتے تھے۔ کسی سے الفت نہ کرتے تھے۔

شیخ یعقوب

حضرت سلطان رح کی تربیت پائے ہوئے مرید صاحب وجد و حال تھے۔ سماع (موسیقی صوفیانہ کلام) کے وقت جس کسی پر ان کی نظر پڑتی وہ بھی وجد و حال میں دیوانہ ہوتا تھا۔ عمر بھر سیاحت کرتے رہے۔ مجازی عشق کا غلبہ تھا۔ حسن کے شیدائی تھے۔ خوبصورتوں اور خوب رؤں کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔

میرہ بی بی

حضرت محبوب العالم رح کی مریدنی تھیں۔ بڑے درجے کی عارفہ تھیں۔ خلوت اور تنہائی میں سوت کات کر روزی کماتی تھیں۔ غیر محرم کو کبھی منہ دکھایا۔ محویت کے عالم میں غرق رہتی تھی۔ رات کو وحشی جانور اور درندے ان کے پاس آتے تھے۔ وفات کے بعد پرگنہ کھویہامہ کے گاؤں گامرو میں دفن ہوئیں۔

شیخ بابا ولی

حضرت مخدوم اعلم شیخ حسین خوارزمی کے مرید تھے۔ بلند درجہ کے صاحب حال و قال و کرامات اور کمالات تھے۔

شیخ محمد شریف حسین سے ارشاد نامہ حاصل کیا۔ شیخ خلیل بدخشانی کے ساتھ جہاد کو جاکر کافروں سے لڑتے تھے۔ ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے کرتے سنہ ۹۹۹ھ میں کشمیر پہنچے۔ ان کے حالات اور کمالات دیکھ کر لوگ جوق جوق ان کی خدمت میں آنے لگے۔ محویت کا عالم ان پر غالب تھا۔ یہاں تک کہ نمازوں میں بھی خبردار کرنے پر ہی ہوش میں آتے تھے۔ استغراق کا یہ حال ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ان کے باطنی فیض سے فائدہ مند ہو گئے۔ بڑے بڑے خدا دوست بزرگوں کی تربیت کی۔ ہر کسی کو "کبرویہ" طریقہ کا ارشاد عطا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد باقی سرہندی۔ امیر الامراء شیخ فرید بخاری کے ساتھ انہیں دنوں میں وارد کشمیر ہوئے۔ اور دو برس تک حضرت شیخ بابا دالی سے فیوض باطنی و معنوی حاصل کرتے رہے۔ میرزا بادگار کے فساد کے موقع پر جب کہ اکبر بادشاہ کے کارکنوں اور رؤسائے کشمیر کے درمیان نااتفاقی نمودار ہوئی تھی۔ اور جھگڑا بہت بڑھ گیا تھا۔ جناب حضرت بابا دالی کی توجہ سے مصالحت ہوئی۔ اور کچھ شریر اس صلح و صفائی کے خلاف تھے۔ اور انہوں نے شیخ بابا دالی کو شربت میں زہر ڈال کر سنہ ۱۰۰۱ھ میں ۱۵، صفر کو جامِ شہادت پلایا۔ صحن خانقاہ معلیٰ میں ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ تاریخ "شیخ اکمل" ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے حضرت شیخ کو آزمانے کے ارادہ سے ایک زندہ آدمی کو تابوت میں رکھوا کر حضرت شیخ کو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا۔ حضرت شیخ نے کئی بار جنازہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ بلانے والے اصرار کرتے رہے۔ کہ جنازہ پڑھ لیں۔ بادل ناخواستہ اور اپنی روشن ضمیری کو عوام سے چھپانے کے سبب سے انہوں نے نماز باندھ کر چار تکبیریں پڑھیں۔ ان کو شرمندہ کرنے کے لئے جب تابوت کا ڈھکنا اسی جگہ اٹھایا گیا تو کیا دیکھتے ہیں؟ کہ آدمی مرا ہوا ہے۔

حضرت شیخ یعقوب صرفی قدس سرہ

خاندان عاصمی کے شیخ حسن گنائی کے فرزند تھے۔ جو شہر کے امیروں، دولت مندوں اور نقلوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت صرفی کی پیدائش سنہ ۹۲۸ھ کے مہینوں میں مشہور ہے۔ بچپن ہی سے زیرکی۔ دانائی۔ تیز فہمی۔ سخن فہمی کے آثار ان کے ماتھے سے دکھائی دیتے تھے۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید کو زبانی یاد کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا آنی کے شاگرد ہوئے۔ مولانا حضرت جامی کے شاگرد تھے۔ ان کی تیز طبعی اور خداداد فہم و فراست کے موجب مولانا انہی جامی ثانی کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کا لقب انہوں نے جامی ثانی رکھ دیا۔ ان سے استفادہ کرنے

کے بعد ملا بصیر کی خدمت میں جا کر زانوی ادب تہہ کئے۔ اور علم کے تمام شعبوں (مذہب۔ فلسفہ۔ منطق۔ نجوم۔ صرف و نحو۔ عروض۔ تاریخ و سیر۔ طب۔ ریاضی۔ الٰہیات۔ مابعد الطبیات وغیرہ وغیرہ) میں کمال حاصل کیا۔ حضرت ایشان کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔ ایک دفعہ باپ سے اجازت لینے کے بغیر دوستوں کے ساتھ گاؤں کی سیر کو گئے۔ وہاں کوئی ناپسندیدہ کام ان سے سرزد ہُوا۔ اُس برے کام کا پتہ جناب کے والد کو لگا۔ انہوں نے لعنت ملامت کر کے واپس گاؤں بلایا۔ دوسرے دن صبح کی نماز میں حضرت ایشان نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گرے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ان کا پاؤں زخمی ہوا ہے۔ اور خون بہہ رہا ہے۔ کپڑے آلودہ ہو گئے ہیں۔ نماز دیگر (چار بجے) کے وقت ہوش میں آئے۔ اور حاضروں نے حال پوچھا۔ فرمایا۔ جب میں نماز کی دوسری رکعت کے لئے اٹھا جناب حضرت امیر کبیر رح جلوہ گر ہوئے اور کوتوال سید محمد خلیل کو حکم دیا کہ اس بھگوڑے کا پاؤں کاٹ دو۔ تاکہ دوسری دفعہ بھاگ نہ جائے۔ سید خلیل نے میرے پاؤں میں تلوار کا زخم لگایا۔ ساتھ ہی التجا کی کہ اب یہ کبھی راہ حق سے نہیں بھاگے گا۔ دوسرے دن پھر بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد فرمایا۔ کہ میں نے ایک سرخرو اُونچے قد والے بوڑھے کو دیکھا جس نے فرمایا۔ میں شیخ حسین خوارزمی ہوں۔ مجھے حضرت امیر کبیر میر سید علی ثانی سے تمہیں تربیت کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ جلدی میرے پاس آ کر ماوراالنہر میں پہنچ جاؤ گے تاکہ تم کو تربیت کروں۔ (ماوراالنہر: ترکستان میں دریائے سیحوں اور جیحوں کا درمیانی علاقہ بخارا۔ سمرقند۔ تاشقند وغیرہ شہر اسی میں واقع ہیں۔)

اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد حضرت ایشان استخارہ کے ارادے سے خانقاہ معلی میں خلوت بیٹھ گئے۔ وہاں جناب حضرت امیر کبیر رح پھر جلوہ گر ہو کر حضرت ایشان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا اے فرزند میں نے تمکو مخدوم اعظم کے سپرد کیا ہے۔ جلدی ان کی خدمت میں جاؤ تا ہمارے فیض و برکات کے وارث ہو جاؤ گے۔ بیدار ہوتے ہی سفر کا خیال پیدا ہوا۔ والدین اور اُستاد سے حقیقت بیان کی۔ وہ ٹالنے لگے اور رُد کرنے لگے۔ لیکن ان کی مخالفت کا کوئی اثر ان پر نہ ہوا۔ مصمم ارادہ کر کے اور چار ساتھی ہمراہ لے کر بانہال راستے کو کوچ کیا۔ کشمیر سے سمرقند تک سفر خطرات سے کب خالی تھا۔ لیکن راستے میں حل مشکلات کے جو واقع ظاہر ہوئے وہ مجزون

اور کراماتوں سے کم نہ تھے۔ سمرقند پہنچے۔ حضرت شیخ حسین خوارزمی کا پتہ دریافت کیا۔ جا کر دروازہ پر بیٹھے اور مجلس میں جانے کی جرأت نہ کی۔ حضرت شیخ نے دور ہی سے انہیں دروازہ پر دیکھا اور اندر بلایا عنایت و مہربانی کے پورے انداز میں حال پرسی کی۔ سات خلیفے جو سات دروازوں پر مقرر تھے۔ راہ خدا ڈھونڈنے والوں کو مرشد بزرگوار حضرت شیخ کے حکم سے تربیت کرتے تھے حاضر ہو گئے اور منتظر رہے۔ کہ اس نووارد نوجوان کی تربیت کس کے سپرد ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم اعلم نے فرمایا اس نوجوان کا کام ہی جدا قسم کا ہے۔ اس کو مجھ پر ہی چھوڑو حضرت مخدوم اعلم بذات خود حضرت ایشان کی تربیت۔ تعلیم اور تلقین فرمانے لگے۔ ان کے ذمے جنگل سے باورچی خانہ کے لئے جنگل سے لکڑی (بالنس) لانے کی کام ہوا۔ جاڑے کے موسم میں چلہ کشوں کے غسلخانوں کو صاف کرنے کی ڈیوٹی پر مامور ہو گئے۔ پھر حضرت مخدوم اعلم نے اپنی صحبت میں لے لیا۔ سلوک کے منزلوں اور مقاموں کو سخت ریاضت اور مجاہدہ کر کے یکے بعد دیگرے طے کرتے گئے اور منظور نظر ہو گئے۔ دن دن حضرت مخدوم اعلم کی مہربانیاں اور عنایتیں ان پر بڑھتی تھیں۔ اور حضرت مرشد بزرگوار نے خلعت ارشاد سے انہیں نوازا۔ والدین کی جدائی اور وطن کی یاد تو کبھی کبھی توستانی تھی۔ ارشاد حاصل کرتے پر وطن آنے کی رخصت چاہی۔ اجازت عطا ہوئی۔ کشمیر آئے۔ یہاں پہنچکر فیض کے دروازوں کو کھولا۔ سالکوں اور طالبوں کی ایک بڑی جماعت کو فیض پہنچایا۔ عام و خاص کو فائدہ پہنچایا۔ جام عرفان کے پیاسوں کی پیاس بجھائی۔ بہت مدت گزرنے پر دنیا کے مرشد کی قدمبوسی پھر حاصل کرنے کے لئے خراسان کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ حضرت مخدوم اعلم زیارت حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت ایشان نے اس حرکت کو شگون نیک سمجھا۔ اور موقعہ غنیمت جان کر بغداد کے راستے قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے سفر میں ایک بیابان ایسا آیا جس میں دو پڑاو تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ قافلہ والے نہایت پریشان ہو گئے۔ حضرت ایشان کیمپ سے تھوڑا دور صحرا میں کھڑے ہوئے۔ اور خدا خداوند کریم کی بارگاہ میں التجا کی اور خدا کے فضل و کرم سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ اور قافلہ والے سیراب ہو گئے۔ ایک دن خرچ راہ کے لئے رفیقوں کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔

حضرت ایشان ایک پتھر کو راستے سے اٹھایا۔ ان کی دعا کی برکت سے پتھر کو سونا بنا۔ اور فروخت
کر کے خرچ راہ میں صرف کیا۔ اس سفر میں بھی حضرت ایشان کو بزرگوں کی ملاقاتوں سے کمال
درجہ کا روحانی فائدہ حاصل ہوا۔ ان میں سے دو واسطوں سے شیخ ابوسعید معمر حبشی کا مصافحہ
مشہد مقدس اصغریہ کی زیارت۔ شیخ ابن حجر مکی سے مختلف روایتوں سے حدیث کی سند
کو۔ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی کا چوغہ۔ حضرت بایزید بسطامی کی کلاہ مبارک اور حضرت امام موسیٰ
علی رضا رضی اللہ عنہم کا عصائی مبارک حاصل کرتے ہیں۔ شیخ سلیم چشتی کی ملاقات اور اس
طریقے کی اجازت ان سے لینا۔ اور دوسرے عطیے جن کی تفصیل ان کے خلیفوں نے اپنی کتابوں میں
دی ہے۔ فتوحات سفر میں شامل ہیں۔ اس سفر سے جب حضرت ایشان واپس کشمیر پہنچے۔
چکوں کی حکومت کا دبدبہ اور غلبہ تھا۔ شیعوں کے مذہبی فساد نے کشمیر کے لوگوں کو پریشان
کر دیا تھا۔ حضرت ایشان اس کی روک تھام کی فکر میں پڑ گئے اور کیا ظاہری کیا باطنی طور
پر کوشش میں لگ گئے۔ حضرت ایشان نے یہاں کے کچھ رئیسوں اور بابا داؤد خاکی کو اپنے
ساتھ متفق کر کے اکبر بادشاہ کے پاس جانے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ان کی سرکردگی میں یہ وفد
ہندوستان روانہ ہوا۔ اکبر بادشاہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور ان کی اطمینان دہی
پر فوج شاہی ساتھ لے کر کشمیر آئے۔ اور کشمیر چکوں کے ہاتھ سے نکل کر اکبر کی سلطنت
میں شامل ہوا۔ حضرت ایشان نے مخالفوں کو ہٹانے اور لوگوں کو امن و امان سے بسانے
کے بعد پھر حج کا ارادہ کیا۔ دہلی میں حضرت شیخ احمد سرہندی سے ملاقات ہوئی ان کو طریق کبرویہ
کی اجازت بخشی۔ زیارت بیت اللہ اور روضہ مطہرہ کر کے جلدی واپس آئے۔ اور
تفسیر و حدیث کی وہ کتابیں جو یہاں کسی کے پاس موجود نہ تھیں۔ جمع کر کے ساتھ لائیں
ان کی کرامتوں میں لکھتے ہیں۔ کہ آنجناب کو ہندوستان کے سفر میں ایک لڑکے کے ساتھ
دل لگی اور عنایت کی نظر تھی۔ کسی نے مذاق اور مخول کے طور پر اس کو کہا۔ کہ حضرت
ایشان سے کیمیا گری کا ہنر سیکھو۔ لڑکے نے اس بات کا اظہار حضرت ایشان کے
پاس کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں تو کیمیا گری نہیں جانتا ہوں۔ البتہ مٹی کو نظر سے
سونا بنا سکتا ہے۔ اور مٹی کا چھوٹا سا ڈھیلا ہاتھ میں لے کر لڑکے کے ہاتھ میں دیدیا۔

یہ سونے کا ڈھلا تھا دوستوں میں سے ایک دوست کی عجز و زاری اور اصرار پر حضرت ایشان نے ایک پتھر کے ٹکڑے پر نظر ڈالی پتھر کا ٹکڑا سونا بن گیا۔ ان رفیقوں میں سے کئی ایک کی روایت ہے۔ کہ جب ہم آگرہ میں تھے حضرت ایشان کو قیلولہ (چاشت کا کھانا کھانے کے بعد کی نیند) میں ایک سخت تھرتھراہٹ سی ہوگئی اور ساتھ ہی ان کے جسم مبارک پر ایک سفید کپڑا نمودار ہوگیا۔ جب حضرت بیدار ہو گئے۔ تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مخدوم اعظم جلوہ گر ہوئے۔ حضرت مخدوم نے نبی کریم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ میرا صادق مرید ہے۔ آنحضرت نے اپنا جامۂ مبارک ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ یہ کرتہ اس فرزند کو دیدو۔ میں نے جامۂ مبارک پہن لیا اور مجھے خوش خبری کی بہت سی باتیں بتائیں اور میں بیدار ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ جامۂ مبارک اس دنیا سے جاتے وقت تک حضرت ایشان کے پاس موجود تھا آخر پر خواجہ حبیب اللہ لوستہری کو بخشدیا۔ انہوں نے اپنے خلیفہ زین الدین علی دار کو عطا کیا۔ شیخ عبدالوہاب نوری فرماتے ہیں کہ میں نے اس جامۂ مبارک کی زیارت کی ہے۔ اور وہ مقدس جامہ مبارک زین علی دار کے پوتوں کے پاس موجود ہے۔ جس کو وہ عرس کے دن لوگوں کو تبرکاً دکھاتے ہیں۔ ایک دن حضرت ایشان تقریباً سو دوستوں کو ساتھ لیکر ایک درویش کی ملاقات کو گئے۔ درویش ایک سیر چاول پکائے تھے۔ وہی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت بسم اللہ کہکر خود تقسیم کرنے لگے اور سبھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ ایک دن اسیطرح دس بارہ آدمیوں کا کھانا بلورچی خانہ میں موجود تھا۔ آتے آتے دو سو کے قریب مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضرت نے کھانا منگوایا اور خود تقسیم فرمایا۔ دو سو آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ ہیں حضرت ایشان کے کمالات اور فیوض برکات کے خزانے میں سے معمولی نمونے۔ غرض یہ کہ حضرت ایشان کی زندگی ہوش سنبھالنے کے وقت سے آخری سانس تک شریعت کی اشاعت اور معرفت کی قیادت کے لئے وقف تھی۔ لوگوں کی دینی اور دنیوی بہتری کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہا۔ اور فیض رسانی میں بہت ہی کوشش کی۔ بارہ ذیقعدہ ۱۰۳۰ھ کی تاریخ پر دنیائے فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کر کے رفیق اعلیٰ کے پاس جا پہنچے۔ محلہ زینہ کدل میں دریا کے مغربی کنارے کے متصل جسم عنصری پردۂ خاک میں چھپا ہوا ہے۔ حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی کا شمار بہت بزرگ صوفیائے کرام ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ چوٹی کے عالموں میں۔ اور بلند پایہ شاعروں میں۔ فارسی شعر گوئی میں انہیں جامی ثانی کا لقب ملا تھا۔ ایران کے شاعروں کو ان کے سامنے سر تسلیم خم تھا۔ نثر اور نظم میں کامل

دستگاہ اور قدرت رکھتے تھے۔ صرفی تخلص کرتے تھے۔ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ان کا کلام معرفت اور حقیقت سے لبریز ہے۔ نازک خیالی اور بلند خیالی میں کبھی کبھی اتنے مشکل پسند واقع ہوئے ہیں کہ سخن فہم بھی آسانی سے معنی کو درستی سے نہیں پاسکتا تھا۔ ان کی بے شمار تصنیفات ہیں۔: تفسیر قرآن مجید نہایت مبسوط طریقہ پر شروع کی تھی۔ جو پوری نہ ہوئی مسلک الاخیار۔ وامق و عذرا۔ لیلیٰ مجنون۔ مغازی النبی۔ مقامات مرشد۔ پانچ کتابیں حضرت مولانا جامی کے خمسہ کے مقابلے میں۔ مناسک حج۔ شرح صحیح بخاری۔ حاشیہ توضیح وتلویح۔ قرآن کریم کے آخری دو پاروں کی تفسیر۔ شرح رباعیات۔ رسالہ اذکار۔ کنز الجواہر۔ چہار رسالہ دیوانی: قصاید۔ غزلیات۔ نعت اور منقبت وغیرہ وغیرہ۔ تاریخ وفات: "شیخ اہل مجد اور فخر الانام" ہیں۔

گفت حیّ بسال تاریخش + پنج وہفتاد سالۂ آنشہ: رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ محمد

حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی کے حقیقی بھائی تھے۔ عین جوانی میں حضرت ایشان کی تعلیم و تربیت سے ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے۔ حضرت سے خط ارشاد حاصل کرکے ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانے میں شب و روز مشغول تھے۔ وفات کے بعد مرشد بزرگوار کے مزار میں دفن ہوئے۔

میر محمد خلیفہ

حضرت شیخ یعقوب صرفی کے برگزیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ ان کا باپ یوسف میر۔ یعقوب خان چک کا وزیر تھا۔ یعقوب خان شیعہ مذہب کا تھا۔ اور سنیوں کو بہت ستاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب شیعوں نے غلبہ پایا۔ تو سنی عالموں اور امیروں کو رنگ رنگ کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ چنانچہ اکثر امیر اور عالم یہاں سے ہجرت کر گئے۔ ایک دن یعقوب خان نے یوسف میر سے کہا کہ سنی ریشیوں کا تدارک کس طرح کر سکیں گے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرا بیٹا محمد میر بہت بہادر اور دلاور ہے۔ اس کے ہاتھ سے شیخ یعقوب صرفی کا کام ختم ہوگا۔ پھر دوسرے

لوگوں کا ڈر اور اندیشہ نہیں یعقوب خان نے محمد میر کو عہدہ بڑھانے کا وعدہ کیا۔ اور حضرت ایشان کے قتل پر آمادہ بنایا۔ جب محمد میر موقعہ پر پہنچے حضرت ایشان نے سر مبارک کو مراقبہ سے اٹھاکر اس پر نظر ڈالی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سُن ہو گئے۔ بدن تھر تھرایا اور بیہوش ہو کر گرا۔ گھنٹہ بھر کے بعد ہوش میں آیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ مریدوں میں شامل ہوا۔ اور بیعت بننے کی درخواست کی۔ تمام مال و دولت کو مسکینوں اور محتاجوں کے لئے وقف کر دیا۔ اور خلیفہ لقب پایا۔ شیعوں کو معاملہ کی خبر ہوئی۔ اور ان کو ستانے لگے۔ بہ کریری چلے گئے۔ اور حضرت ایشان کے ایک مرید میر حمزہ کے گھر میں چھپے رہے۔ سلوک کے ابتدائی ایام میں نیند کے ڈر سے ایک ستون پر ساری رات یادِ خدا کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی میں سوت کے ایک کرتہ کے بغیر اور کچھ نہیں پہنتے تھے۔ جب حضرت ایشان مرشد بزرگوار کی ملاقات کے لئے خراسان روانہ ہو گئے۔ میر محمد کو ارشاد کا خلعت پہنا کر خلافت کے مسند پر بٹھا دیا۔ اور خلیفہ درگجن پل کی خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ہدایت اور فیض رسانی کرتے رہے۔ کچھ مدت کے بعد ملارتہ آکر سکونت کرنے لگے۔ اتفاقی طور پر واقعات کچھ ایسے پیدا ہو گئے۔ کہ سلطان ابدال پکھلی کے حکمران سلطان حسین کا بھائی ان کا مرید ہو گیا۔ اور اس نے خلیفہ سے پکھلی آنے کیلئے التماس کی خلیفہ نے مولانا شریف خادم۔ میر باقر اور میر حمزہ کریری کو سلطان ابدال کے ساتھ پکھلی روانہ کیا۔ پھر سلطان نے بذاتِ خود تشریف لانے کے لئے نہایت منت و سماجت کی۔ اور خلیفہ مجبور ہو کر پکھلی روانہ ہو گئے۔ سلطان نے خدمت گذاری کے سارے درجے بجالائے۔ اُن کے احکام کی تعمیل کمربستہ ہو کر کرتے رہے۔ ان کے خدمت گذاروں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی۔ حضرت خلیفہ نے زندگی کے باقی ایام وہیں بسر کئے۔ اور بہت سے لوگ ان کی تربیت سے انسان کامل کا مرتبہ پاگئے اور اکثر مریدوں کو ان کی خلافت کا فخر حاصل ہوا۔ چار محرم الحرام سنہ ۱۰۱۵ھ کو "کل نفس ذائقۃ الموت" کا جام نوش کیا۔ پکھلی میں دفن ہوئے۔

حضرتِ خواجہ طاہر رفیق

اثنائی خاندان سے تھے۔ شروع میں اویسی تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ بارہ برس تک بزازی کی دوکانداری یونہی کرتے تھے۔ مال کی بکری کی طرف چنداں توجہ نہ تھی۔

ان کے والد کو کچھ وسوسہ سا پیدا ہو گیا۔ اور دکان کی پڑتال کی دیکھا کہ صندوق اور برتن روپیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ ان کے والد خواجہ ابراہیم اشائی تجارت کے لئے لاہور چلے گئے۔ ان دنوں میں شیخ عبدالشکور جو مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتوں میں سے تھے۔ لاہور تشریف لائے۔ ان کی بزرگی اور ولایت کا شہرہ لاہور میں ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم بھی ملاقات سے سرفراز ہوئے۔ ایک دن خواجہ ابراہیم نے شیخ عبدالشکور کو ڈیرہ پر آنے کی دعوت دی۔ اور حضرت شیخ معہ یاروں کے تشریف لے گئے۔ ضیافت تناول فرمانے کے موقعہ پر خواجہ ابراہیم نے ایک عجیب و غریب تحفہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شیخ تحفہ دیکھکر نہایت خوش ہو گئے۔ اور فرمائے۔ خواجہ ہم سے بھی کچھ مانگو۔ خواجہ نے عرض کی کہ کشمیر میں میری لڑکی بیمار رہتی ہے۔ اس کے حق میں دعا خیر فرمائیں۔ حضرت شیخ نے دعا کی اور فرمایا۔ یہ کونسا مشکل کام تھا۔ اس سے بہتر کوئی چیز مانگو۔ التماس کی۔ جو کچھ عنایت ہو۔ مجھے قبول ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کتنے بیٹے رکھتے ہو۔ عرض کی دو بیٹے۔ فرمائے۔ جو خواجہ طاہر ہے۔ اس کو میں اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ خواجہ نے کہا حضرت وہ تو کشمیر میں ہے۔ شیخ مسکرائے۔ اور خواجہ نے اپنے بیٹے خواجہ طاہر کو مجلس میں دیکھا۔ شیخ عبدالشکور نے خط ارشاد۔ اسناد۔ اذکاروں میں بیٹھنے کے طریقوں کی تعلیم طریقت کے قاعدے اور مسئلے۔ خلوت نشینی کے آداب۔ طالبوں اور مریدوں سے بیعت لینے کی اجازت تحریر کر کے خواجہ ابراہیم کے حوالے خواجہ طاہر کو پہنچانے کیلئے کئے۔ اور فاتحہ پڑھ کر دعا کی۔ اپنی تسبیح (مالا) اور خرقہ (گدڑی) بھی دیدئے۔ اور فرمایا میں مشکلات کے وقت ہر وقت اس کے پاس حاضر ہوں گا۔ خواجہ ابراہیم جب کشمیر واپس آیا۔ تو اس نے خواجہ طاہر کو امانت کی چیزیں دے دیں۔ خواجہ طاہر کا حال یہ عطیہ وصول کرتے ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ تحایف لیتے ہی مجاہدہ کے منزل ہی مشاہدہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ سلوک میں یہ مرتبہ حاصل ہونے کے بعد بھی حضرت خواجہ بزازی کی دکان پر بیٹھتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام نے اشارہ دیا۔ "سب سے بری جگہیں بازار ہیں۔" حضرت خواجہ نے دکان چھوڑ دی اور وانی کام جا کر جہاں ان کی اپنی زمین تھی۔ کاشتکاری کرنے لگے۔ حضرت خواجہ طاہر کو حضرت مخدوم ر۔ شیخ یعقوب صرفی۔ میر بابا ولی۔ اور بابا ہردے ریشی کے ساتھ دوستی تھی۔ سلسلہ سہروردیہ۔ نقشبندیہ۔ کبرویہ اور قادریہ میں ممتاز تھے۔ حضرت سلطان العارفین فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ طاہر نے سرمایہ کو خزانہ میں جمع کر کے

محفوظ رکھا۔ میں زمیندار تھا۔ میں نے خرچ کیا۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے۔ مجھے بارگاہ الٰہی سے بخشائش عطا ہوئی۔ میں نے اسی طرح محفوظ رکھیں۔ حضرت مخدوم نے تجارت کرکے اس کو بڑھایا۔ حضرت مخدوم فرماتے تھے۔ کہ میں نے اور اس نے (خواجہ طاہر نے) مساوی درجہ کی خدمت کی مجھے تو صرف مزدوری دی گئی۔ اور اس کو ایک تو مزدوری ملی اور پھر انعام ملا۔ کچھ مؤرخوں کا خیال ہے۔ کہ حضرت خواجہ کچھ مدت کے لئے قطب الاقطاب تھے۔ (وقت کے مالک کل تھے)۔ ایک دن یعقوب خان ملک ان کے پاس آیا۔ راستے میں نوکر کو کہہ کر رکھا۔ کہ جب میں اشارہ کروں تو حضرت خواجہ کو قتل کرنا۔ یعقوب خان حضرت خواجہ کے پاس اندر چلا گیا۔ انہوں نے برتن میں کچھ انڈے لاکر اس کے سامنے رکھ دئے۔ اس نے انڈوں کو چھلکا اٹھانے کے بغیر ہی کھا لیا۔ اور رخصت چاہی۔ باہر آکر نوکر نے پوچھا۔ آپ کیوں پیلے پڑ گئے ہیں۔ اور آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا۔ کہا میں نے مجلس میں ایک منہ کھولے ہوئے شیر کو دیکھا۔ اور میں سخت ڈر گیا کہ مجھ پر حملہ نہ کرے۔ ایک دن ملک مسعود کی مسجد کے امام نے ان کے پاس تنگدستی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔ لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتایا کرو۔ اسی وقت اس کو خوابوں کے تعبیر بتانے کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ اور لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتانے لگے۔ افلاس دور ہو گیا۔ ایک دن اسی مسجد کے امام نے آزمائش کے طور پر عرض کی مجھے کوئی چیز عطا کریں۔ جس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ حضرت خواجہ نے اپنی چٹائی کا ایک تنکا کاٹ کر دیا۔ اس نے ٹھٹھا سمجھ کر پگڑی میں رکھا اور جناب سے رخصت لے کر نکلا۔ کچھ قدم چلنے ہی راستے میں ایک مری ہوئی چڑیا نظر آئی۔ تنکا پگڑی سے نکال کر اس پر رکھ دیا۔ چڑیا زندہ ہو گئی۔ اور تنکے کو چونچ میں لے کر اڑ گئی۔ امام صاحب حیران ہو کر دیکھتے ہی رہ گئے۔ لکھتے ہیں کہ ان کے ایک اخلاص مند نے اپنے حال کی سختی اور تنگدستی کا گلہ ان کی خدمت میں آکر کیا۔ انہوں نے فرمایا شام نماز کے سجدے میں آج کے دن سے تم کو روزانہ ایک ایک اشرفی ماتھے کے نیچے ملتی رہے گی۔ اسی کو عیال پر خرچ کیا کرو۔ دوسرے دن کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہ رکھو۔ مدت تک اشرفی (سونے کا پونڈ) ملتی رہی۔ ایک دفعہ اس نے بانپور سے زعفران کی کچھ کیاریاں خرید کیں۔ سجدے میں اس کا شام سے اشرفی بند ہو گئی۔ شیعہ حاکموں کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے دنوں اس ملک کے اکثر عالم اور فاضل۔ صالح اور بزرگ یہاں سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ شہر چھوڑ کر مراج کے

کوہستانوں میں نو برس رہ کر گوشہ نشینی کرتے رہے۔ اس علاقے کے بے شمار لوگ ان کے فرمانبردار اور مرید ہو گئے۔ کچھ مدت لورہ گام۔ کولی اور میرزین گزارا۔ یہ پرگنہ اولر کے گاؤں ہیں۔ اور کچھ مدت پرگنہ کوہہار کے گاؤں ساموران میں گزارا۔ اور پھر شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی کے ساتھ شاہ آباد پہنچے۔ اور آدر سہہ کے گھر میں جو اس علاقے کا رئیس تھا کچھ دیر ٹھہرے۔ آدر سہہ مسلمان ہو گیا۔ یہاں سے شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی اور یہاں کے بڑے بڑے رئیس ہندوستان گئے اور اکبر بادشاہ کی فوج ساتھ لا کر کشمیر آئے۔ اور ملک کو شیعوں (چکوں) کے ہاتھوں سے چھڑا دیا۔ لکھتے ہیں ہجرت کے موقعہ پر جب اولر کے علاقہ میں تنہا پہنچے۔ تو کاٹنے والی ایک جھاڑی کے نیچے چالیس دن خلوت نشین ہو گئے۔ اکتالیسویں دن ایک صاف دل اور روشن ضمیر بوڑھے نے بہت دور ٹیلے پر نور کی روشنی چمکتی ہوئی دیکھی۔ یہ دوڑتا ہوا موقعہ پر پہنچا۔ اور حضرت خواجہ کو خاردار جھاڑی سے نکال کر اپنے گھر لایا۔ جہاں انہوں نے چھ مہینے گذارے۔ ایک دن نہر کے کنارے وضو کرتے تھے۔ آدھی جلی لکڑی بہتی ہوئی آئی۔ انہوں نے اٹھا کر کنارے رکھ دی۔ درویش بوڑھا وہیں تھا۔ اس نے التماس کی اس کو اپنے ہاتھ سے لگائیں۔ اس کے کہنے پر حضرت خواجہ نے لکڑی کو زمین میں گاڑ دیا۔ وہ چنار آج تک سرسبز ہے۔ جب شیعوں کے غلبہ کا خاتمہ ہو گیا۔ جناب شہر آ گئے اور فتحکدل میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض پہنچانے میں مشغول ہو گئے۔ سنہ ۹۹۶ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور لنگر جاری کیا۔ غرہ ماہ ذالحجہ سنہ ۱۰۰۱ھ رحلت فرمائی۔ اور فتحکدل میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کی زیارت مشہور ہے۔ "شیخ الاولیا اور شیخ کامل" تاریخ وفات ہے۔

شیخ اسماعیل قادری

حضرت سید عبدالخالق قادری کے مرید تھے۔ جنہوں نے مالوہ سے طے مکان کر کے آ کر ان کی تربیت کی۔ اپنا خرقہ۔ عصا اور کلاہ دیکر ان کو تصوف کے راستے پر لگا کر وطن کو واپس گئے۔ شیخ اسماعیل مرشد بزرگوار کی نظر عنایت اور ان کے فرمودہ پر عمل کرنے سے بہت بلند مرتبہ پر پہنچے۔ آخر عمر میں قحط کے موجب کچھ مدت سوپور میں رہے۔ وہاں سے بارہ مولہ جا کر کچھ مدت کے لئے تنہا نشین اور خلوت نشین ہو گئے۔ وہاں خواجہ قاسم درگران کا معتقد ہوا۔ اور اس کے

امراء پرشہر آکر اسی کے گھر میں چھ برس رہے۔ پھر تین برس کی مدت کے لئے صدر الدین مجو کے گھر میں قیام کیا۔ حضرت محبوب العالم رح اور شیخ داؤد خاکی کے ساتھ دوستی تھی۔ اور لوگوں کو ان کے علو مراتب ہونے کا حال بتاتے تھے۔ سنہ ۱۰۲۷ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار خواجہ صدرالدین میں متصل مقبرہ بابا حاجی ادہم دفن ہوئے۔

شیخ شہاب الدین سندیؒ

سلطان حسن شاہ کے زمانے میں ہندوستان سے کشمیر آکر یہاں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ صاف باطن اور روشن ضمیر بزرگوں میں سے تھے۔ نوا کدل میں دفن ہیں۔ کشمیر کی تعریف میں یہ رباعی ان سے ہے:

کان الکشمیر دل کا ہنا! ؛ جنات عدن ہی للمومنین!!
قد کتب اللہ علی بابہا ؛ من دخلہ کان من الآمنین

(کشمیر اس کے بسنے والوں کے لئے جنت عدن ہے۔ جس کا وعدہ مومنوں کو کیا گیا ہے۔ اس (کشمیر) کے دروازے پر خدا نے لکھا ہے۔ جو اس میں داخل ہوا وہ امن والوں میں سے ہے)

ملا حسین غزنوی

حضرت بابا حاجی ادہم کے مریدوں میں سے تھے۔ صاحب حال وقال اور کمالاتِ عالی تھے۔ مرشد کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

شیخ بایزید

فتح اللہ ثانی کے صاف دل روشن ضمیر خدا رسیدہ مریدوں میں سے تھے۔ خلاصی پورہ میں راحت کی نیند سوئے ہیں۔

مولانا احمد کاتب

ایک خدا رسیدہ مرشد کامل کی تلاش کرتے کرتے مولانا کمال الدین محمود کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور مدعا و مقصد حاصل کیا۔ صاحب ریاضت و عبادت اور حالات و کمالات تھے۔ ان کی نظم اور نثر کی تصانیف بہت ہیں۔ مقبرہ بادی شاہ کے قریب دفن ہیں۔

حاجی احمد قاری

حضرت مخدوم عباس ملتانی کے بیٹے اور خلیفہ۔ حافظ کلام اللہ۔ حقیقت و معرفت کے سمندر کے غواص علوم ظاہری اور باطنی میں کامل اور فاضل۔ مرید مخدوم زکریا ملتانی تھے۔ روحانی صفائی اور خداشناسی میں بڑی شان رکھتے تھے۔ اٹھتی جوانی میں مولی طلبی کی جلن اور عشق نے ملک ملک میں پھرایا۔ ہر ملک کے بڑے بڑے بزرگ اور خدا دوستوں سے دوستی کی۔ جب دل کے آئینہ کو معرفت والے لوگوں کی صحبت اور بدنی ریاضت و عبادات کی صنیقل سے صاف کیا۔ دل کے دامن کو ماسوی اللہ سے لپیٹ کر تارک دنیا ہو گیا۔ ایک کالے کمبل کو جو کانٹوں سے بند رہتا تھا۔ کندھوں پر ڈالتے تھے۔ یہ مرحلہ گذرنے کے بعد شادی کر کے لاہور کے صوبہ میں کچھ مدت سکونت فرمائی۔ وہاں شیخ محمد ماہ روشن سے نہایت فصاحت کے ساتھ علم قرأت کے سارے طریقوں کو سیکھا اور پھر اپنے دوستوں اور محبوں کو اس علم کی تعلیم دینے لگے اور ہر جگہ کے علم قرأت کے شائقوں کو رہنمائی کی جب شیخ بابا داؤد خاکی طریقت کے پیروں اور اولیائے کرام کے مقبروں کی زیارت کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ تو مخدوم احمد قاری سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اور دونوں نے آپس میں برادری اور دوستی کا عہد و پیمان باندھا۔ اور حضرت خاکی کی ترغیب اور اصرار پر اس بزرگوں کے سرتاج نے کشمیر آنے کا ارادہ کیا۔ یہاں پہنچکر جب حضرت محبوب العالم کی فیض بخش ملاقات سے فیض یاب ہو گئے۔ تو یہیں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت کے کشمیری ث۔ ص۔ س ت۔ ط۔ ذ۔ ز۔ ظ۔ ا۔ ع۔ ء۔ ق۔ ک۔ ح۔ ہ کے پڑھنے میں فرق نہ کر سکتے تھے۔ حضرت قاری کی توجہ سے سینکڑوں قرآن خوانوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم قرأت میں کامل مہارت حاصل کی۔ سینکڑوں طالبان راہ خدا ان کی رہنمائی سے فایدہ مند ہوئے۔ سینکڑوں کو ظاہری اور باطنی فیوض سے مستفید کیا۔ حالانکہ حضرت قاری لوگوں کے ساتھ زیادہ ملنے جلنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور صرف تعلیم قرآن کے وقت لوگ ان کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے۔ غازی خان چک شیعہ ہونے کے باوجود ان کا معتقد تھا۔ اور میرزا ابوالمعالی کے حملہ کے وقت انہی کی دعا کی برکت سے فتح پائی۔ اور ایک ہزار اشرفی ان کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کیا۔ ایک دفعہ حضرت قاری ایک کفن چور سے قید خانہ میں ملے۔ اس سے پوچھا۔ کیا تم نے اپنے اس پیشہ میں مُردوں کے متعلق کوئی عجیب و غریب بات کبھی دیکھی ہے؟ اس نے کہا ایک دن قبر میں اترا۔ مجھے ایک طرف سے ایک نورانی کوٹھڑی دکھائی دی۔ اور قبر والا ایک

اونچے تختہ پوش پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اور طاقچہ سے کفن اٹھا کر مجھے دیدیا۔ دوسرا ایک دفعہ ایک عورت کی قبر کھولی اور دیکھا کہ اس طرح اور اُس طرح کے عذاب اس کو دیتے تھے۔ اور اس قسم کی عذاب بیان کئے کہ حضرت مخدومی ان کے سُننے کی تاب نہ لاسکے۔ پھر کفن چور سے پوچھا۔ کہ مرد کہاں کا رہنے والا تھا؟ اس نے اس کا پورا پتہ بتایا۔ حضرت مخدومی اس متوفی کے گھر گئے۔ اور اس کی بیوی سے اس کی زندگی کا حال دریافت کیا۔ عورت نے کہا۔ "میرا متوفی شوہر اپنا اکثر وقت قرآن خوانی میں گذارتا تھا۔ رات بھر نمازیں پڑھتا تھا۔ اس کی عبادت عاجزی اور انکساری کی عبادت تھی۔ خیرات دینے پر فخر نہ کرتا تھا۔ زکوٰۃ دینے پر منت نہ کرتا ہے۔ ہر کام خدا کی رضامندی کے لئے خلوص کرتا تھا۔ حضرت مخدومی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ایک ملاح (ماہی گشتیبان) کو دیکھا ہے۔ جس نے دنیا ترک کی تھی۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا میں نے ایک رات دریا میں ایک مردہ کو دیکھا۔ اور فرشتوں کی ایک جماعت نے اس کا نام اور اس کی ماں کا نام پکار کر آواز دی۔ مردہ زندہ ہوگیا۔ مؤکلوں نے اس کو باندھ کر رنگ رنگ کے سخت عذاب کئے۔ اور صبح ہوتے ہی مردہ اپنی جگہ آکر گرا۔ یہ دیکھکر میں نے ترک دنیا کیا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت مخدوم احمد قاری وقت کے یگانہ تھے۔ ۸ رمضان سنہ ۹۶۹ھ کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ نو مسجد کے متصل محلہ قطب الدین پورہ میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات:۔ "توفی اَعْلَم القرا" ہے۔

بابا مسعودُ نزوری

شہر کے شریفوں اور بڑے امیروں میں سے تھے۔ ملک النجار لقب تھا۔ ساتھ ہی خدا پرستی کی بھی خلش تھی۔ ان دنوں میں شمس عراقی کا شہرہ ہر طرف ہو رہا تھا۔ اور وہ اپنے کو بابا اسماعیل کا مرید اور خلیفہ کہکر مذہب شیعہ کو فروغ دے رہا تھا۔ بابا مسعود بھی اس سے ملنے کے لئے ایک دن گھر سے نکلا۔ اور راستے میں ایک آدمی ملا۔ اس نے بابا کو حبذی بابل عراقی کے پاس جانے سے رُوکا۔ اور اپنے ساتھ بلبل لنکر حضرت میر سید احمد کرمانی کی خدمت میں لے گیا۔ ان کی نظر کیمیا اثر سے بابا کے دل کو کچھ اطمینان سا حاصل ہوا۔ اور آنجناب کے فرمانے کے موجب رات کو نماز استخارہ پڑھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کشتی میں بیٹھے ہیں۔ اور سارے سُہروردی حضرات گردنوں میں رسیاں ڈال کر کشتی کو کھینچ رہے تھے۔ بابا مسعود کو بھی گردن میں رسی ڈال کر کشتی کو

کھینچنے کی اجازت ملی۔ دوسرے دن حضرت میر سید کرمانی کی خدمت میں جاکر خواب بیان کیا۔ انہوں نے مبارکباد دی۔ اور سہروردی طریقہ کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ اسی دن مال و دولت۔ جاہ و حشم۔ امیری اور دولت مندی کا خیال دل سے مٹ گیا۔ اور معبود حقیقی کی یاد نے اس کی جگہ دل میں جگہ لی۔ آنجناب کی تربیت اور توجہ ذاتی ریاضت اور مجاہدہ سے دنوں میں سلوک کے منزل اور طریقت مدارج طے کرتے گئے۔ اور نیک بختی۔ خوش قسمتی اور سعادت ابدی کی دولت سے مالامال ہو گئے۔ مرشد بزرگوار کی خدمت جیسی چاہئے تھی۔ ویسی بجا لاکر اس کی خوشنودی حاصل کی۔ مرشد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند میر سید مسافر سے حضرت بابا کو خطِ ارشاد ملا۔ حضرت میر کے خلیفہ سید جلال الدین کی صحبت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔
حضرت سلطان العارفین رح اور حضرت حاجی احمد قاری کے پاس زیادہ آنا جانا تھا۔ حضرت محبوب العالم رح ان کے بلند استعداد اور مرتبہ کا اکثر ذکر فرماتے تھے۔ کچھ گران بہا تبرکات جو حضرت میر احمد سید کرمانی رح کو اپنے بزرگوں سے ملے تھے۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ کشمیر لائے تھے۔ میر سید مسافر نے خط ارشاد عطا کرتے وقت وہ تبرکات بھی خواجہ مسعود کو عطا فرمائے جو اس وقت نزورہ میں موجود ہیں۔ ایک مقفل سربستہ ڈبہ ہے۔ جس کے کھولنے کی کسی نے جرأت نہیں کی ہے۔ روایت ہے۔ کہ اس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دوپٹہ۔ شہدائے کربلا کے خون آلودہ جامہ ہیں۔ دوسرا تبرک سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کی نعلین مبارک ہے۔ تیسرا تبرک جھنڈے کا پنجہ ہے۔ جو سرورِ کائنات جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے۔ خواجہ مسعود کا مقبرہ نزورہ میں ہے۔

آخوند مُلا جمال

قاضی جمال بڈشاہی کے پوتوں میں سے۔ حضرت بابا فتح اللہ ثانی کے داماد اور مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں کے پورے عالم تھے۔ ساری عمر کو دینی اور دنیاوی علم پڑھاتے رہے۔ کہتے ہیں۔ کہ آخوند کو شیخ العالم شیخ نور الدین نورانی رح کے متعلق کچھ زیادہ حسن ظن نہ تھا۔ ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے ساتھ آپ کے دوش بدوش ایک اور بزرگ بیٹھے تھے۔ آخوند کچھ حیران سے ہو گئے۔ اتنے میں آپ نے فرمایا۔ مُلا جمال یہ شیخ نور الدین ہے۔ جو کام اس نے کیا وہ کسی سے نہیں ہو سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے۔

کہ مولانا نہایت بلند مرتبہ خدا دوست تھے۔ بڑے فیض والے تھے۔ فقیروں کے وضع کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ نفسانی اور جسمانی لذتوں کی رغبت نہ تھی۔ گوشت بھی کم کھاتے تھے۔ رحلت کرنے کے بعد ملہ کہواہ میں دفن ہوئے۔

آخوند مُلا کمال

مُلا جمال کے بھائی بابا فتح اللہ ثانی کے داماد اور خاص مُرید تھے۔ مُلا جمال سے زیادہ عالم۔ حقیقت سمجھانے والے اور باریک باتوں کو حل کرنے والے تھے۔ خواجہ عبداللہ احرار کے پوتے خواجہ عبدالشہید نقشبندی سے تربیت پا کر ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں فارغ التحصیل ہو کر لاہور اور سیالکوٹ میں طالب علموں کو پڑھاتے رہے۔ بے شمار لوگوں کو اپنے فیض سے فائدہ مند بنایا۔ کہتے ہیں کہ حق بھی تعلیم کے لئے ان کی خدمت میں آتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور مُلا عبدالحکیم سیالکوٹی ان ہی کے شاگردوں میں ہیں۔ رحلت فرمانے پر لاہور میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات:۔

ملحق حق قطب تاج اولیا مُلا کمال ۱۰۱۷ھ

بابا عبدالکریم

خدا کی یاوری سے شیخ فتح اللہ ثانی کا مُرید ہو کر صاحب حال اور کمال بن گئے۔ معیشت کے لئے ہر سہ گری کرتے تھے۔ ہر سہ کی ایک دیگ فروخت کرتے تھے۔ اور ایک دیگ مسکینوں اور فقیروں میں بانٹ دیتے تھے۔ ایک دفعہ ملک میں سخت قحط پڑ گیا۔ ایسا شدید کہ صاحبدلوں میں سے کسی کی دعا سے یہ بلا نہ ٹلی۔ اولیائے کبار میں سے ایک بزرگ نے جناب رسالت پناہ صلعم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ شیخ عبدالکریم کی دعا کے بغیر یہ آفت دور نہ ہو گی۔ بزرگ نے دوستوں سے خواب بیان کیا۔ اور لوگوں نے بھی سُنا۔ حد سے زیادہ عجززاری کر کے ان کو اپنے ساتھ عیدگاہ لے لیا۔ انہوں نے دعا کی اور لوگوں نے آمین کی۔ دعا کا اثر یہ ہوا۔ کہ جس کسی نے اور جہاں کہیں غلہ لوگوں نے چھپا کر رکھا تھا۔ سر بازار فروخت کے لئے لایا۔ قحط کے بدلے فراخی ہو گئی۔ اور یہ واقعہ ان کے شہرت کا سبب ہوا۔ مقبل

فتحکدل علاؤہ الدین پورہ کے محلہ میں سید محمد خاوری کے مزار میں ان کا مقبرہ ہے۔

شیخ اسمٰعیل چشتی

شہر برگزیدوں میں سے تھے۔ ملا جمال کے شاگرد تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے پر ہند روانہ ہوگئے۔ اور وہاں شیخ نور اللہ چشتی کی خدمت میں حاضر ہو کر طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ سلوک کے منزلوں کو طے کرنے کے بعد جناب میر عبداللہ بلخی سے اجازت حاصل کر کے کشمیر واپس آئے اور تنہا نشینی و گوشہ نشینی اپنائی۔ محویت کے گرداب میں غرق تھے۔ اوپر کی طرف ہرگز نظر نہیں اٹھاتے تھے۔ اور کسی سے الفت نہ کرتے تھے۔ بارہ برس ایک ہی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ مدرسہ پر انگور کی بیل چڑھی تھی۔ ایک دن پانی کا ایک قطرہ اس سے ان کی کتاب پر پڑ گیا۔ حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ پانی کہاں سے ٹپکا۔ شاگردوں نے انگور کی بیل اور اس کی سایہ سے انہیں مطلع کیا۔ اس وقت تک انہوں نے نظر اٹھا کر کبھی نہ دیکھا تھا۔ ان کا مقبرہ ملہ کھاہ میں قاضی شہید کی قبر سے ذرا اوپر اور مولانا جمال کی قبر کے نزدیک سڑک پر واقع ہے۔

خواجہ بہاء الدین محمد

اصلی وطن خوارزم تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حج کو گئے۔ حج ادا کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے۔ ہندوستان پہنچکر اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ عشق الٰہی کی کشش نے ترک منصب کر کے سنہ ۹۹۲ھ میں کشمیر پہنچا دیا۔ یہاں آکر میر اسمٰعیل شامی سے بیعت کر کے محلہ ملدیمر میں ریاضت شاقہ کے لئے خلوت نشین ہوئے۔ کمال کا ذوق و شوق رکھتے تھے۔ سلوک کے منزلوں اور مقاموں کو ختم کرنے کے بعد مرشد کامل سے خطار شاد حاصل کیا۔ اور لوگوں کو فیض پہنچانے میں مصروف ہوگئے۔ آخر عمر میں بال بچوں کو شہر میں چھوڑ کر گاؤں چلے گئے۔ اور زندگی کے باقی دن وہیں گوشہ نشینی میں گذارے۔

حضرت میر نازک قادری

شہر کے بزرگوں۔ وقت کے یگانوں اور زمانہ کے فرزانوں میں سے تھے۔ ان کے نسب کی نسبت

قاضی شہید کے خاندان کے جدِ بزرگوار قاضی میر علی کے ساتھ ہے۔ دینی اور دنیوی ظاہری
اور باطنی علموں سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ غرور اور خود بینی۔ مکر اور ریاکاری کی بو بھی
ان کے راستے نہ چلی تھی۔ ابتدا میں حضرت محبوب العالم قدس سرہٗ کی نظر فیض سے مکرم اور محترم
ہوئے تھے۔ لیکن سعادت ابدی کی مقاموں کی کنجیاں حضرت خاکی کے ہاتھ سے حاصل کیں اور
اعلیٰ علیین کے دروازے کھول کر علویت کے کرسی نشینوں میں جگہ پائے۔ جب میر اسماعیل
شامی نے حضرت خاکی کے ساتھ بھائی چارے کا عقد باندھا میر نازک نے حضرت شیخ سے مانگ کر
لے لیا۔ اور معنوی فرزند بنایا۔ اور سلسلہ قادریہ کے طریقے کی تعلیم دیکر خط ارشاد عطا فرمایا۔
حضرت میر نازک نے سلسلہ قادریہ کے لازمی امورات ایک ایک کر کے پوری طور سے عمل میں لائے
فقیری اور تنہا نشینی اختیار کی۔ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں نہایت احتیاط مدنظر رکھتے
تھے۔ اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بغیر کمرہ سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ نذر و نیاز کی ساری
آمدنی مسکینوں اور فقیروں میں بانٹ دیتے تھے۔ ایک دن ایک مرید نے ان کو دعوت کر کے گھر
لے لیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی بھی اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور وہ اس روز پر
کہیں گئے ہیں۔ حضرت نے ضیافت کھانے سے انکار فرمایا کہ بھائیوں کی اجازت ضروری ہے۔
کیونکہ وہ شریک ہیں۔ شاید وہ مجھے یہاں بلانا ناپسند کرتے تھے۔ ایک شخص نے اپنے باغ
سے کچھ میوے خیال کر کے کہ یہ بالکل حلال ہیں لائے۔ حضرت نے قبول نہ کئے۔ فرمایا مجھے معلوم
نہیں کہ کیا تو نے سرکار کا حق پوری طور سے ادا کیا ہے یا نہیں۔ یہاں کے حاکموں میں سے ایک
حاکم ان کے پاس ملاقات کو آیا۔ اور خانقاہ میں اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت میر نے اس
کو اس وقت تک باہر ہی رکایا۔ جب تک کہ فرش کی چٹائیاں کمرہ سے اٹھائی گئیں۔ مشہور
ہے۔ کہ اہل سماع (وہ درویش جو صوفیانہ گانے کو سننا جائز مانتے ہیں۔) میں سے ایک
بزرگ ان کی ملاقات کو آیا۔ حضرت میر نے ملاقات منظور نہ فرمائی۔ اس بزرگ نے پرچہ لکھ کر اندر
بھیجا۔ "ہم آپ کی دیدار کے شوق سے جل گئے"۔ حضرت میر نے پرچہ کے پشت پر واپس لکھا۔
"ہم جل گئے۔ راکھ ہو گئے۔ اور ہوا نے اس راکھ کو بھی اڑایا۔ حضرت میر کے حالات اور کمالات اتنے
زیادہ ہیں۔ کہ لکھے نہیں جا سکتے۔ ان کی کرامتیں اور برکتیں حد سے زیادہ ہیں۔ سلسلہ علیہ عالیہ
قادریہ نے ان سے اور ان کے اولادوں سے کشمیر میں کافی رواج پایا جو آج تک بدستور جاری ہے۔

کہتے ہیں کہ کشمیر میں ایک عجیب و غریب پرندہ تین دفعہ جامع مسجد سری نگر میں نمودار ہوا ہے جس کی شکل باز کی اور رنگ مور کا سا تھا۔ (سفید۔ سبز۔ نیلا۔ قرمزی وغیرہ۔) پہلی بار ۱۰۲۲ھ میں مشرقی دروازہ کی طرف سے چار بڑے ستونوں کا طواف (اردگرد چکر لگانا) کرکے غائب ہو گیا۔ اور حضرت میر نازک قادری کا انتقال پر ملال اسی سال ہوا۔ پھر ۱۰۲۶ھ میں جامع مسجد کی محراب کے گنبد میں جس کو سلطان خانہ کہتے ہیں۔ ظاہر ہوا اور چار بڑے ستونوں کے اردگرد چکر لگا کر بھاگ گیا۔ اس سال زبردست ہیضہ پھوٹ پڑا جس کی شکار بے شمار لوگ ہو گئے۔ تیسری دفعہ شمالی دروازہ کی طرف سے دکھائی دیا۔ اور اکیس ۲۱ دن تک مسجد ہی میں چار بڑے ستونوں کے اردگرد اڑتا رہا۔ بچے پتھر مارتے تھے۔ لیکن وہ ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ اس سال کشمیر میں سخت قحط پڑ گیا۔ حضرت میر نازک قادری نے ۹ ذالحجہ ۱۰۲۲ھ کو دنیا سے نقل مکانی کرکے عقبیٰ کا راستہ لیا۔ محلہ قاضی کدل میں ان کی نعش مبارک کو سپرد خاک کیا گیا۔ تاریخ وفات:۔ "تقبا تقیا" ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ابو الفقرا حضرت بابا نصیب الدین غازی

کشمیر کے بہت بڑے شیخوں میں ان کا مقام ہے۔ شیخ بابا داؤد خاکی کے برگزیدہ خلیفہ تھے۔ بچپن ہی سے ان کی جبین سے بزرگی کی نشانیاں نمودار تھیں۔ طریقت اور معرفت والے لوگوں کی صحبت کے دل دادہ تھے۔ قسم قسم کی ریاضت عمل میں لاتے تھے۔ یاد خدا اور عبادت میں دن رات مشغول اور مصروف رہتے تھے۔ جسمانی لذتوں نفسانی شہوتوں اور گوشت خوری سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا تھا۔ یہاں تک کہ میوہ کھانے اور ٹھنڈے پانی پینے میں بھی محتاط تھے۔ زندگی کو مجرد رہ کر تنہائی میں گذارا۔ وقت کے عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ انسانی کمالات اور روحانی صفائی اور پاکیزگی میں بے نظیر تھے۔ شریعت کے حکموں اور طریقت کی لازمی باتوں کو فروغ دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے تھے۔ مسکینوں۔ محتاجوں اور فقیروں کی پرورش کرنے میں سرگرم رہتے تھے۔ اور اسی وصف کے موجب ابو الفقرا (فقیروں کا باپ پرورش کرنے والا۔) لقب ہو گیا۔ کسی خاص ایک جگہ پر سکونت نہ فرماتے۔ پرگنوں اور گاؤں میں لوگوں کو ہدایت کرنے اور دین پہنچانے کے لئے زیادہ وقت خرچ کرتے تھے۔ تین تین۔

چار چار سو آدمی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ ہر گاؤں میں مسجدوں غسل خانوں اور ٹٹیوں کی مرمت یا تجدید فرماتے تھے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک آدمی مسافری کی حالت میں جھوٹی تہمت میں گرفتار ہو کر قید ہو گیا۔ اس نے حضرت بابا کی طرف رجوع کی۔ حضرت قید خانہ میں گئے۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وطن کو پہنچا دیا۔ ان کا ایک اور مخلص ایلچی کے کام پر تبت گیا تھا۔ وہاں کے راجہ نے کسی ناراضگی پر اس کو قید میں ڈال دیا۔ اس نے رات کو حضرت بابا کی طرف رجوع کی۔ اسی رات میں راجہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک جماعت اس کے پاس آ گئی۔ اور راجہ کو اس قیدی کے لئے بہت ڈانٹا۔ صبح کو راجہ نے قیدی کو رہا کیا۔ اور اس سے معافی چاہئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت بابا کے استاد کی بیوی فوت ہو گئی یہ بھی قبر پر گئے۔ اور فاتحہ پڑھی۔ دوسرے دن فاتحہ کو نہ گئے۔ متوفیہ کے وارثوں نے شکایت کی۔ فرمے کہ متوفیہ کی قبر کے ساتھ جو دوسری قبر ہے۔ وہ بھی ایک عورت کی ہے۔ اس عورت کو ایک لوہے کے پتیلہ کے لئے جو کسی اور کا ہے۔ سخت عذاب کرتے ہیں اور مجھے وہ عذاب دیکھنے کی طاقت نہیں اس پتیلہ کو صاحب مالک کے حوالے کر کے حق عیز کے عذاب سے اس بچاری کو نجات دلائیں اس عورت کے وارثوں نے مالک کو پتیلہ واپس دیا۔ اور معافی مانگی۔ غرض حضرت بابا طے مکان۔ کشف القلوب۔ کشف القبور۔ اور غائب لوگوں کی امداد کرنے میں ممتاز تھے۔ عالم ملکوت جبروت اور لاہوت کے بلند پرواز شہباز تھے۔ شیخ داؤد مشکواتی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ مسلمانوں کے قبرستانوں اور ہندوں کے مرگھٹوں دونوں پر فاتحہ پڑھتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا۔ فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں۔ تم نہیں دیکھتے ہو۔ بہت سے لوگوں کی روحیں جو ظاہر طور پر مرتے وقت تک ہندو لباس میں تھے۔ صاحب ایمان دیکھتا ہوں۔ اور کچھ مشرکوں کی روحیں کہتی ہیں۔ آپ کی فاتحہ کی برکت سے ہم کو عذاب میں کمی ہوتی ہے۔" اس لئے میں یہ احسان کرنے سے جی نہیں چراتا تھا۔ اور رو پڑے۔ فرمایا۔ تم کیا جانتے ہو۔ کہ موت آدمی کے بگڑنے کا کیا حال ہے۔ مرنے کے بعد کیا تباہی اور بربادی ہوتی ہے۔ اور قبر کیسی جان گھٹانے والی جگہ ہے؟ فرماتے ہیں۔ اگر دولت مندوں کو موت کی خبر ہو جائے۔ تو دنیا داری کے سارے اسباب کو بھول جائیں گے۔ اور اگر غریب اپنی موت سے واقف ہو جائیں تو اپنے آپ کو بھول جائیں گے۔ فرمایا۔ جو کوئی خدا کو پہنچاتا ہے۔ بیوی بچوں کا خیال اس کے دل سے مٹ جاتا ہے۔ ان کا فرمانا ہے۔ با خود آدمی شیطان کے ساتھ ہے۔ اور بے خود آدمی رحمان (خدا) کے ساتھ ہے۔ ان کا فرمودہ ہے۔ ایک منٹ کی خدا آگاہی ہزار برس

کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور ایک حق آگاہ مرد لاکھ زاہدوں سے بڑھ کر ہے۔ خدا کی شناسائی بازار
میں نہیں بیچی جاتی ہے۔ کہ ہر دولت مند خرید سکے۔ خدا کی واقفیت ساگ اور کاسنی کھانے سے
حاصل نہیں ہوتی ہے۔ کہ سارے زاہد عارف خدا ہو جاتے۔ الٰہی پہچان شوکت اور حشمت سے نہیں
کہ سارے بادشاہ واقف ہوتے۔ آدمی اگر جنگلی جڑی بوٹیوں اور گھاس پتوں سے پیٹ بھرے گا۔ تو
گائیوں اور گدھوں کے شمار آئے گا۔ اگر لذیذ اور لطیف کھانوں سے شکم پر کرے گا۔
تو چینوں اور بھیڑیوں کی جماعت میں ہے۔ کیونکہ نالائق کھانے سے سیری روح کیلئے مفید ہے
اور بھوک لذیذ کھانوں کی کمی سے دل کی صفائی کا باعث ہے۔ شیخ داؤد مشکوتی لکھتے ہیں
کہ جب بابا نے تبت کا سفر کیا۔ تو میں ان کے ساتھ تھا۔ وہاں کے راجہ نے بڑی قدر دانی کی۔ کچھ
دن گذرنے پر لداخ کے علاقوں کی سیر کو گئے۔ ایک گاؤں میں ایک چشمہ دیکھا جس کا پانی
نہایت گرم تھا۔ (چھوتروں۔ شگر کے علاقے میں) مترجم) جب حضرت شیخ نے چشمہ میں ہاتھ ڈالا
تو جلدی سے واپس نکالا۔ گویا اس کا پانی آگ تھا۔ مسکرا کر فرمائے۔ اس چشمہ سے واجب الوجود (خدا)
کے اپنے چشمہ تک ایک راستہ ہے۔ سبحان اللہ! اگر اس گرم پانی کے پاس ہی سرد پانی بھی ہوتا
تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ تاکہ زمانے کا سرد گرم ایک ہی جگہ ظاہر ہوتا۔ پھر اپنے پاؤں کے جوتے ایک جگہ پر
رکھ کر فرمایا۔ یہاں کھودو۔ ساتھیوں نے جوتیوں کی جگہ پر کھودا اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ اُبل
پڑا۔ ہم سبھوں نے اسی چشمہ سے پانی پیا۔ اس واقعہ کی خبر ملک میں پھیل گئی۔ اور لوگ
گروہ گروہ دیکھنے آنے لگے۔ شیخ داؤد مشکوتی کہتے ہیں۔ کہ علاقہ کرناہ کے سفر میں ایک دن
شدت کی برف باری سے کپڑے گیلے ہو گئے۔ جب پڑاؤ پر پہنچے میں نے ایک سوکھے کپڑے کو پہن لیا
حضرت نے پوچھا۔ یہ جوغہ کس طرح خشک رہا ہے۔ میں نے عرض کی۔ یہ دوسرا ہے۔ جو میں نے
پہن لیا۔ فرمایا۔ اتنے کپڑے رکھتے ہو۔ کہ کپڑا پر کپڑا پہنتے ہو۔ میں نے کہا جناب ہاں۔ فرمایا۔
میرے لئے یہی ایک گدڑی ہے جو پہنتا ہوں۔ میں نے عرض کی۔ حضرت اس کے علاوہ ایک کالی گدڑی
اور دو سوت کے کرتے اور ایک کمبل ہے۔ یہ سنکر مجھے اپنے پاس سے نکالا اور اس نزدیکی
سے جو مجھے ان کے ساتھ تھی دور کیا۔ کہ میں اتنی دنیاداری جائز سمجھتا تھا۔ فرمایا۔ طالبی کے
وقت میں شدید جاڑے میں سوت کا ایک کرتہ پہنتا تھا۔ اور دن و رات میں دو دفعہ نہاتا تھا۔ اور
وہ کرتہ پھٹ گیا تھا۔ اس لئے نماز کے وقت پاجامہ لپیٹ لیتا تھا۔ یہ حال دیکھکر ایک آدمی

نے پٹو کا کرتہ مجھے دے دیا جو اپنے اُستاد ملا یوسف اعمیٰ کے اصرار کرنے پر میں نے پہن لیا۔ اسی رات عالم غیب سے مجھے ڈانٹا گیا۔ اور کہا گیا کہ ابھی اچھے کپڑوں کی میل رکھتے ہو۔ میں نے پھر کبھی نہ پہنا۔ ایک دن ایک شخص کچھ پیسے نذر کے طور پر ہاتھ میں لے کر ان کے پاس آیا۔ مصافحہ (ہاتھ ملانا) کرتے وقت جناب کی آستین میں ایک پیسہ گر گیا۔ انہوں نے آستین کو اسی طرح جھاڑا کہ گویا وہ پیسہ انگارا تھا۔ خادم کو حکم دیا۔ پانی لاؤ۔ اسی وقت ہاتھ اور بازو دھو ڈالے اور آستین کو بھی دھویا۔ بابا داؤد نے عرض کی۔ حضرت پیسہ کا حکم پتھر کا حکم ہے۔ اور ناپاک نہیں۔ فرمایا۔ اس درویش کو پیسہ بالکل مردار اور ناپاک دکھائی دیتا ہے اگر آپ بھی اسی نظر سے دیکھیں گے۔ تو دھونا واجب جانیئے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کے حالات اور کمالات تحریر کرنے کے لئے دفتروں کے دفتر چاہئیں۔ حضرت غازی خدا کی لٹ ہیوں میں سے ایک لٹانی تھے۔ آخر عمر میں شہر آئے۔ اور تمام شیخوں۔ فقیروں اور صاحبدلوں سے ملاقات کی۔ خواجہ خاوند محمود اور ملا شاہ سے دوستی لگائی۔ پھر بیجبارہ گئے۔ اور ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۰۴۷ھ کشمیری ۱۲ ہاڑ جیٹھ شدی پورن ہستی کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ ان کی زیارت بیجبارہ میں لوگوں کی امن گاہ ہے۔ تاریخ وفات "دہو حیز الصالحین اور شیخ مومن" ہیں۔

خواجہ مسعود پانپوری

یہاں کے دولت مند اعتبار والے بڑے تاجروں میں سے تھے۔ عشق الٰہی کی کشش اور خدا کی یاوری سے کاروبار اور تجارت سے دست بردار ہو کر پہاڑ کے غار میں تین مہینے خلوت نشین ہو گئے۔ غار ہی میں حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت شیخ بابا داؤد خاکی کی خدمت میں جانے کا اشارہ پایا۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو ان کی زبان مبارک سے اپنا سرگذشتہ سنکر حد درجہ کے معتقد ہو گئے۔ حضرت نے خلوت میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ خلوت کی میعاد گذرنے پر حضرت خاکی کے طفیل سے حضرت بابا ہردے ریشی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ سلوک کے کمالات حاصل کرنے میں بہت کوشش کی اور اپنے وطن پانپور ہی میں قرار فرمایا۔ زعفران (کیسر) کی کاشت سے روزی کمانے لگے۔ بڑی فراخی والے تھے۔ جو کچھ نذر و نیاز اور تحفہ و تحائف کے طور پر آتا تھا۔ فقیروں اور غریبوں پر خرچ کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن

ایک مخلص ان کی ملاقات کو دور سے آیا۔ انہوں نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی فرمایا۔ فلانی شخص آرہا ہے مجلس میں اس کے واسطے جگہ کھلی رکھیں۔ اسی طرح ان کے کشف اور روشن ضمیری کے بہت قصے مشہور ہیں۔ بست ۲۱ ماہ صفر کو رحلت فرمائی۔ پانپور میں ان کی زیارت مشہور ہے۔

حاجی داؤد بلخی

اندجان (ملک کے) باشندے تھے۔ سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ زیارت خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ سے مشرف ہوکر ملکوں کے بزرگوں سے ملاقات کر کے ان سے فیض حاصل کیا۔ سیر و سیاحت کرتے کرتے کشمیر تشریف لائے۔ حضرت سلطان العارفین نے شیخ بابا داؤد خاکی کو ان کے استقبال کے لئے بارہ مولہ تک بھیجا۔ ایسے بزرگوں کی صحبت نے پھر کشمیر سے کہیں باہر جانے نہ دیا۔ باطنی فیض سے مالا مال ہو گئے۔ اور ارشاد کے خاص خلعت سے سرافراز ہوئے۔ عالی شان اور بلند مرتبہ خدا دوستوں کی صف اول میں جگہ پائی۔ آنچار کے گپھا میں جو نہایت ہی گہرا ہے۔ خلوت نشین ہوکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کثرت سے ان کی خدمت میں آتے تھے۔ اور اپنے اپنے مقاصد و مطالب پاتے تھے۔ آخر شادی کی اور لوگوں کی زحمت سے نجات پائی۔ اور لوگ ان سے ڈر کر دور ہو گئے۔ جب ان سے اس کی اصلیت دریافت کی گئی۔ تو کہا "میں اس قوم کی شریعت سے واقف ہو گیا" یہ اس سے بھاگتے ہیں۔ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس کے پاس جاتے ہیں۔ جو ترک سنت کرتا ہے۔ یہی لوگ چارپاؤں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔" (آیہ کریم کا ترجمہ) جب شیخ نازک میر نے یہ بات سنی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ اس کلام سے معشیت کی تنگی اور سختی کی بو آتی ہے۔ اور دوستوں سے چندہ کر کے مناسب اور موزون خرچ ان کے گھر بھیجدیا۔ اس کے اپنے مخلص رفیقوں نے کوئی امداد نہ کی۔ بابا داؤد مشکوتی لکھتے ہیں۔ کہ خواجہ خاوند محمود قدس سرہٗ نے فرمایا۔ کہ میں نے اس ملک میں لوگوں کو درختوں کی پرستش کرتے دیکھا جیسے "بڈباج" ان کی زیارت کو جاتے ہیں۔ ان سے حاجت روائی کی التجا کرتے ہیں۔ (بڈباج۔ بڑی مائی چیچک کے مؤکلہ۔ کشمیر میں جہاں کہیں کوئی بڑا درخت ہوتا ہے۔ لوگ اس کو بھوتوں کا ٹھکانہ مانتے ہیں۔ خیرات اور صدقہ وہاں لے کر بانٹتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ وہم ہندوں سے

آیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہ درخت کو کسی خدا دوست سے منسوب کرتے ہیں) میں نے دلگی کے طور پر کہا۔ بے وقوفی۔ کم ہمتی اور بخیلی و کنجوسی کے باعث خدا دوستوں سے صحبت نہیں رکھتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت ان کی خدمت نہیں کرتے ہیں۔ چونکہ شیخ اور پیر رہنما سے بھاگتے ہیں۔ اسلئے لکڑی کے شیخوں (درختوں) کو انہوں نے پکڑ لیا ہے۔ جو نہ تو کچھ کھاتے ہیں۔ اور نہ کچھ پہنتے ہیں۔ نہ اچھے کام کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ نہ برُے کاموں کے کرنے سے منع کرتے ہیں۔ خواجہ قدس سرہ ہنس پڑے۔ اور فرمایا۔ حاتم اصم نے فرمایا ہے۔ میں نے لوگوں سے پانچ چھ چیزیں چاہی تھیں۔ لیکن ایک بھی نہ پائی۔ خدا کی بندگی ان سے چاہی۔ انہوں نے نہ کی میں نے کہا میری مدد کرو تاکہ میں خدا کی بندگی کروں۔ انہوں نے مدد نہ کی۔ میں نے کہا اگر میں خدا کی بندگی کروں تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ راضی نہ ہوئے۔ میں نے کہا۔ مجھے خدا کی بندگی سے نہ روکو انہوں نے روک دیا۔ پھر میں نے کہا جس بات میں خدا کی رضا نہیں اس کی تکلیف مجھے نہ کرو۔ انہوں نے کی۔ میں نے کہا۔ اگر کسی کام کے کرنے میں تمہارا تابع نہ رہوں گا۔ میرے ساتھ عداوت نہ کرو انہوں نے عداوت کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ داؤد بلند مرتبہ والے دوستِ خدا تھے۔ اکثر بار اپنے پیر کامل بابا داؤد خاکی کی خدمت میں آتے تھے۔ ان کے بدن کے ہر تارِ مُو سے "اللہ" کی آواز حاضرین کے کانوں میں آتی تھی۔ اور شیخ داؤد خاکی اس بات کا اعتراف قصیدہ لامیہ میں فرماتے ہیں۔ رحلت کے بعد ان کی نعش مبارک محلہ زونی مر میں سپرد خاک کی گئی۔

حاجی وتر بابا

حضرت شیخ داؤد خاکی کے مریدوں میں سے تھے۔ دن کو روزہ دار اور رات کو شب بیدار رہتے تھے۔ زاہد اور پرہیز گاری۔ مجاہدہ اور مشاہدہ میں کمال حاصل تھا۔ حج کو گئے۔ پیدل چلے۔ روزہ دار اور شب بیدار رہے۔ بدن کی کمزوری اور سفر کی سختیوں کو خاطر میں نہ لائے پیدل واپس آئے۔ پرگنہ کرو ہن کے گاؤں اٹھورہ میں دفن ہے۔

شیخ محمد پارسا

ہر کوان علاقہ زینہ گیر کے رہنے والے تھے۔ جُہند بٹ نام تھا۔ ایک دن حضرت مخدوم قدس سرہ بخدو

میں بیٹھے تھے۔ زینی شاہ مستانہ بھی پاس ہی تھے۔ زینی شاہ کو حضرتؒ نے فرمایا جاؤ اور جنگل سے ہمارے واسطے کوئی شکار لاؤ۔ وہ جنگل کو روانہ ہو گئے۔ اور پہاڑ کے دامن میں ایک جوان کو لکڑیوں کا گٹھا لے کر جنگل سے آتے دیکھا۔ زینی شاہ کے ہاتھ میں ہمیشہ ڈنڈا ہوتا تھا۔ دوڑے اور ڈنڈا مار کر لکڑی کے گٹھڑے کو تتر بتر کر دیا۔ جوان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضرت مخدومؒ کے سامنے لایا۔ اور کہا۔ میں نے چڑیا لائی۔ انشاءاللہ بادشاہ کے ہاتھ کا شہباز بنیں گی۔ حضرت کی ایک نظر سے جوان کا حال بدل گیا۔ گھر اور دنیا کو بھول گیا۔ شیخ محمد نام پایا۔ مدت تک حضرت مخدومؒ کی خدمت رہ کر روحانی ترقی کے کاموں میں مشغول ہوا۔ پھر اس کی تربیت اور دیکھ بھال شیخ داؤد خاکی کے سپرد ہوئی۔ اور شیخ داؤد کے فرمانے پر شیخ غازی کے ساتھ بھائی چارہ کر کے ان کے گھر کے پاس بالہ حصین کے چشمے کے کنارے (کھوئیہامہ علاقہ) عبادت خانہ بنا کر ریاضت اور عبادت میں لگ گئے۔ شیخ غازی ضرورت کی چیزیں مہیا کرتے تھے۔ شیخ محمد نے لوگوں کے ساتھ بولنا چالنا بھی ترک کر دیا تھا۔ اور کسی سے کچھ نہیں پکڑتے تھے۔ ایک دن ایک آدمی نے مصافحہ (ہاتھ ملانا) کے وقت ایک دو روپے ان کے ہاتھ میں رکھے۔ انہوں نے ہاتھ کو اس طرح جھاڑا گویا روپے رکھنے والے نے آگ کا انگارا ہاتھ پر رکھا تھا۔ اور ہاتھ کو کئی بار پانی سے دھویا۔ یہ بات شیخ خاکی نے سنی۔ انہوں نے "پارسا" کا خطاب دے دیا۔ تذکرۃ العرفان کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ حضرت مخدومؒ کی جب زینی شاہ نے ان کو لایا۔ اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ نوے برس ریاضت و عبادت میں گذارے۔ آخر عمر میں غیبی اشارہ پر نکاح کیا۔ بڑھاپے کے موجب نچلا دھڑ تقریباً بے کار ہو چکا تھا۔ شیخ غازی کا بیٹا شیخ یعقوب ان کی خدمت کرتا تھا۔ اور نماز کے لئے کھڑا کرتا تھا۔ پھر بہ خود بخود نماز کے ارکان بجا لاتے تھے۔ اور سلام کے بعد پھر کھڑا کرتا جب تک نماز پوری ہو جاتی۔ ۲۲ محرم ۱۰۶۶ھ کو انتقال فرمایا۔ بالہ حصین علاقہ کھوئیہامہ میں آرام پاتے ہیں۔ تاریخ وفات:-

بہر تاریخ رحلت ایشان
ہاتفی شیخ دین محمد گفت!!

شیخ غازی الدین

گنیش کول نام وناتری ریشیوں کے خاندان سے تھے۔ ان کے بزرگ سلطان زین العابدین کے زمانہ سے کل کشمیر کے متصل قانون گوئی کے عہدہ دار تھے۔ یہ بھی بذات خود عزت اور منصب والے تھے۔ کھویہامہ کے علاقہ میں ماڈر اور دوسرے کئی گاؤں جاگیر میں تھی۔ ایک دن یہ ازل کا مقبل شان و شوکت سے نوکر چاکر ساتھ لے کر کہیں جا رہے تھے۔ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ میں کچھ دوستوں اور مخلصوں کے ساتھ راستے میں بیٹھے تھے۔ گنیش کول نے حضرت کو دور ہی سے دیکھا گھوڑے سے اترا اور ادب بجا لا کر خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دعاء خیر کے لئے التجا کی۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھائے اور ہدایت ہونے کی دعا کی۔ اور تھوڑی دیر ان کی طرف توجہ سے دیکھتے رہے۔ گنیش کول کا دل کفر و شرک کی تمام آلودگیوں سے دھویا گیا۔ تعلیم اسلام کرنے کی درخواست کی۔ اسی جگہ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت شیخ نے شیخ غازی الدین نام رکھا۔ شیخ غازی نے گھر جا کر بال بچے سب مسلمان بنائے۔ اور حکومت سے دست بردار ہو کر ماڈر کے موروثی باغ میں ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت محبوب العالم کے انتقال کے بعد حضرت شیخ داؤد خاکی سے تربیت پاتے رہے۔ شیخ محمد پارسا کے ساتھ نہایت دوستی اور برادری تھی۔ دونوں بزرگواروں نے ایک دوسرے کی صحبت میں عمریں گذاریں۔ مقبرہ شیخ ماڈر میں شیخ محمد پارسا کے مقبرے سے ذرا اوپر تھوڑی سی دوری پر واقع ہے "شیخ مکمل" ۱۰۱۰ھ تاریخ وفات ہے۔

میر یعقوب

حضرت میر نازک نیازی قادری کے چچیرے بھائی اور حضرت شیخ داؤد خاکی کے مریدوں میں سے ریاضت و عبادت میں لاثانی تھے۔ شیعوں کے غلبہ اور ظلم و ستم کے زمانے میں ان کا دائیاں پاؤں اور بائیاں ہاتھ کاٹا گیا۔ اس کے بعد باقی عمر کتابت اور عبادت میں گذاری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ محمد پارسا

خواجہ مسعود پانپوری کے بھائی حضرت شیخ بابا داؤد خاکی کے مریدوں میں سے تھے۔ غنی دل صاحب فقر و فاقہ تھے۔ عمر گرامی گوشہ نشینی میں گزاری۔ حضرت شیخ نے پارسا کا خطاب دیا تھا۔ اپنے

بھائی خواجہ مسعود کے مرگزار میں پاپنور میں دفن ہیں۔

خواجہ زین الدین

خواجہ بہاء الدین کے بیٹے عالم باعمل اور باجبر تھے۔ سلوک اور زہد و تقوی میں بے مثال تھے۔

خواجہ بایزید

حضرت خاکی کے مرید تھے۔ حضرت بابا نے "گوشت خور" بیماری کے موجب ان کا پاؤں کٹوایا۔ ایک ہی پاؤں پر مکہ اور مدینہ کی زیارت کو گئے۔ وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت خاکی کے تمام خلیفوں کے تذکرہ کی گنجائش اس مختصر سی کتاب میں نہیں ہے۔ اتنا ہو سکتا ہے۔ کہ مشہور اور معروف بزرگوں میں سے نمبر کا چند ایک کے اسماء گرامی سے قارئین کو واقف کیا جائے۔ مثلاً خواجہ داؤد گنائی۔ خواجہ عطار۔ خواجہ مسعود۔ تین حضرات پرہیزگاری کے لئے نامور تھے۔ مولوی شیخ دولت عالم فاضل اور موذنی کے باعث مشہور تھا۔ میاں بابا ذاکر۔ حافظ اور شاکر۔ خواجہ عبداللہ قاری حافظ قرآن و صاحب عرفان۔ بابا حاجی بہرام۔ مدرس اور خوشنویس۔ اس درجہ کا کہ ایک ہزار تنگہ کو قرآن مجید ہدیہ کرتا تھا۔ اور زر قیمت خیرات دیتا۔ خواجہ زاہد لاری۔ تارک دنیا اور طالب مولیٰ۔ پیر بابا یوسف۔ تصوف اور سلوک میں یکتا۔ مولانا محمد کامراجی۔ خداترس اور صاحب جفا۔ بابا حسن زاہد۔ چلہ کش و بے ریا۔ خواجہ اسماعیل نادلی۔ قاضی و صاحب رضا۔ شیخ محمد چوٹی مولہ۔ سب سے بہتر اور ادلی۔ بابا یوسف رڈونی۔ عارف فنا فی اللہ۔ شیخ ونتر عادی۔ صاحب کشف و حیا۔ شیخ خداوردی ولائتی۔ ہنرمند و صاحب ذکا۔ خواجہ ارزان۔ صاحب مکاشفہ اعلی علاقہ زینہ گیر موضع منڈجی میں ان کی زیارت ہے۔ زینہ بابا سیاہ پوش۔ صاحب ہوش۔ شیخ حسن کھوہیامی۔ علم و عمل میں گرامی۔ شیخ محمد صادق۔ خادم فقیران برحق۔ شیخ محمد بکھلی۔ کامل ولی۔ خواجہ الہداد کاسب۔ مولیٰ طالب۔ خواجہ ابراہیم لاہوت کا مقیم ۱۔ خواجہ احمد متقی۔ پرہیزگار و نقی۔ شیخ حسن مجذوب۔ خدا کا محبوب۔

مُلا جوہر نانت

بچپن میں حضرت محبوب العالم کی خدمت میں آتے تھے۔ اور حضرت مخدوم اس کو پیار کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جناب کے فرمانے پر حضرت شیخ داؤد خاکی کے شاگرد بنے اور ظاہری علم سے فراغت پانے پر علوم باطنی کی طرف رجوع کی اور حضرت خاکی سے تربیت پا کر سلوک کے منزلوں اور مقاموں کو طے کر کے منزل مقصود پہ پہنچے۔ مرشد کامل کے انتقال کے بعد مخدوم حاجی مکی سے ارادت کا رابطہ باندھا اور اگر کوئی کسر باقی رہی تھی۔ وہ نکالی۔ حج کو جا کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ سفر میں جہاں کہیں کسی بزرگ کا نام سُنا۔ اس سے ملاقات کر کے فیض حاصل کیا۔ واپسی پر درس و تعلیم کے کام میں مشغول ہو گئے۔ بہت بڑے عالم صاحب مجاہدہ اور باعزت تھے۔ آنکھیں آنسو سے بھری رہتی تھیں۔ خوفِ خدا اس درجہ پر رکھتے تھے۔ کہ حاضرین بھی رو پڑتے تھے۔ محلہ حول میں دفن ہوئے ہیں۔

خواجہ احمد لوٹیگرو

ملا جوہر نانت کے مریدوں میں سے تھے۔ وقت کے تمام صاحبدلوں اور خدا دوستوں سے میل جول رکھتے تھے۔ مرشد بزرگوار کے پاس ہی حول میں دفن ہیں۔

خواجہ حکیم کاولو

مُلا جوہر نانت کے خلیفوں میں سے۔ صاحب حال و قال تھے۔

شیخ موسیٰ

میر بابا حیدر تولہ مولی کے مرید صاحب ذوق و شوق تھے۔ منہامہ گاؤں میں ریاضت و عبادت میں عمر گذاری۔ جنگل سے ہر روز لکڑیوں کی گٹھڑی لاتے تھے۔ تولہ مولہ میں فروخت کر کے نصف قیمت مرشد بزرگوار کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اور نصف اپنے آپ پر خرچ کرتے تھے۔ باوجود صاحب کمال ہونے کے عمر کو گمنامی میں بسر کی۔ ۹ صفر سنہ ۱۰۲۷ھ کو رحلت فرمائی۔ موضع منہامہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات:۔

ہاتفِ غیب سال رحلت اُو   گفت گو شیخ اکمل وہادی

شیخ موسیٰ کبروی

اٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق کا سمندر دل میں لہریں مارنے لگا۔ اور حج کو جاکر خانہ خدا اور روضہ مطہر رسول خدا کے دیدار سے آنکھیں منور کیں۔ کشمیر واپس آنے پر جناب شیخ بابا والی کے ساتھ توسل کر کے طریقت کی باریک باتیں اخذ کیں۔ بابا ولی کے واقعہ کے بعد غیبی اشارہ کی بناء پر شیخ حسین خوارزمی کے بلند مرتبہ خلیفہ شیخ خلیل کی خدمت میں جانے کا ارادہ کر کے بلخ روانہ ہو گئے۔ بلخ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جناب رحلت کر گئے ہیں۔ اور خدائی الہام کے موجب شیخ پائندہ سگری کی خدمت میں جاکر تین برس وہیں گذارے۔ طریق کبرویہ کے قواعد۔ فواید۔ اصول اور فروغ سے کامل واقفیت حاصل کر کے مرشد کامل سے خلعت ارشاد پائے۔ کشمیر واپس آئے۔ بلدیمر میں خانقاہ تعمیر کی اور کبرویہ طریقہ کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ خانقاہ میں سینکڑوں صاحب عجز اور صاحب ارادہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت جمع ہو کر نماز تہجد ادا کرتی تھی۔ اور یہ عمل ان کے خاص جاری کئے ہوئے کاموں میں سے ہے۔ سنہ ۱۰۲۶ھ کے مہینوں میں اس دنیا سے کوچ کیا۔ خانقاہ معلیٰ کے صحن میں شیخ بابا والی کے روضہ کے متصل صفہ عالی پر مدفون ہیں۔

شیخ محمد سعید

شیخ بابا داؤد خاکی کے قابل فخر بیٹے تھے۔ پہلے تو والد بزرگوار سے تربیت پاکر باطنی کمال حاصل کرنے کی کوشش فرمائی۔ پھر ہردی بابا ریشی کی کیمیا اثر نظر سے فائدہ مند ہوکر ارشاد کے درجہ پر پہنچے۔ لوگوں کی فائدہ رسانی میں نہایت کوشش فرمائی۔ حضرت ریشی کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ دنیائی فانی کو رخصت کرنے کے بعد اسلام آباد کے عقیدت مندوں کے اصرار پر حضرت ریشی کے مزار میں دفن ہوئے۔

ملا حسین خباز[۳]

شروع میں خواجہ اسحاق قاری سے ارادت تھی اور ان کی زیر تربیت ظاہری اور باطنی

کمالات حاصل کئے۔ حضرت خواجہ کے وفات کے بعد حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ اکبر آباد میں خواجہ عبداللہ احرار کے پوتے خواجہ عبدالشہید کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اور ان کے فیوض برکات سے حاصل کیا جو کچھ ان سے حاصل کرنا تھا۔ اور ان کے عزیزوں میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ عبدالباقی کی ملازمت میں قسم قسم کی مہربانیوں سے سرافراز ہوئے۔ جب کشمیر واپس آئے قانون شریعت کو رواج دینے اور بدعتوں کو ہٹانے کی کوششوں میں سرگرم ہو گئے۔ اور خواجہ حبیب اللہ نوشہری کے ساتھ جوان دنوں کے لئے حال کے غلبہ کے موجب قوالوں کی صحبت اور صوفیانہ گانے سننے کی طرف زیادہ مائل تھے۔ بحث ومباحثے اور مناظرے ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ جانبین کا جھگڑا حاکم وقت کو پیش ہوا۔ اور حضرت مولانا شرعی دلائل پیش کر کے مقدمہ جیت گئے۔ حضرت خواجہ حبیب اللہ ہار گئے۔ صاحب تصنیفات تھے۔ رسالہ ہدایت الاعمیٰ انہی کی تصنیف ہے۔ عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ خواجہ محمد صوفی سے نقل ہے۔ کہ ایک دن نماز جمعہ کے بعد حضرت بابا نصیب الدین غازی۔ ملا حیدر علامہ اور ان کا بیٹا محمد افضل حضرت آخوند کی ملاقات کو خانقاہ ملک جلال ٹھاکور میں آئے۔ میں چھوٹا تھا۔ اور حضرت ابوالفقراء (بابا غازی) کی جوتیاں اٹھاتا تھا۔ دروازہ کے پاس جوتیاں ہاتھ میں اٹھا کر کھڑا رہا۔ آخوند ملا حسین نے ایک حدیث پڑھ کر ملا حیدر علامہ سے پوچھا۔ اس حدیث شریف کا راوی کون ہے۔ محمد افضل نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ آخوند نے اس کی طرف دھیان نہ دی۔ ملا حیدر کی طرف متوجہ رہے۔ انہوں نے بھی کہا۔ تیسرا خلیفہ اس حدیث کا راوی ہے۔ آخوند نے کہا اگر آپ پہلے کہتے تو میں قبول کرتا۔ چونکہ آپ نے اپنے فرزند کے کہنے کی تصدیق کی۔ اس لئے میں شک میں پڑ گیا۔ اب تیسرے خلیفہ ہی سے اس بات کی تصدیق کرائیں گے۔ اسی ضمن میں ایک نقاب پوش آدمی دروازہ سے اندر آ کر صدر کے مقام پر بیٹھ گیا۔ اور یہ حضرات تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے پاؤں پکڑے۔ پھر آہستہ آہستہ آپس میں بات چیت کرنے لگے۔ نقاب پوش حضرت اٹھ کر نکلے۔ میں نے بھی دروازہ پر ان کے قدموں کو ہاتھ لگایا۔ اور معلوم کیا کہ یہ کون صاحب تھے۔ مجھے بتایا گیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ۱۳ ذالحجہ ۱۰۵۲ھ کو رحلت فرمائی۔ اور گوجوارہ میں ان کی قبر شریف ہے۔

خواجہ محمد صادق

سرینگر کے رئیسوں میں سے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے پر ہندوستان گئے۔ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مرید ہو کر پرہیزگاری اور خدا ترسی کو اپنا شعار بنایا۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ حضرت مجدّد الف ثانی کے دو مکتوب ان کے نام ہیں۔ ان کا مقبرہ وانہ پورہ میں ہے۔

شیخ مہدی علی سوپوری

اپنے زمانے کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ عقلی اور نقلی علوم میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ہندوستان کی سیاحت کے وقت دہلی میں حضرت شیخ احمد سرہندی کی ملاقات اور صحبت سے مقصد اعلیٰ کو پہنچ گئے۔ حضرت شیخ کی بے اندازہ مہربانیوں سے سلوک کے مقامات اور منازل طے کر کے کشمیر واپس آئے۔ سوپور میں ارشاد کے سجادہ کو بچھا کر فیض کے دروازے کھولے۔ حضرت مجدّد کے مکتوبوں میں سے ایک مکتوب دوسری جلد میں دیا گیا ہے۔ یہ مکتوب ایک تعزیہ کی تقریب پر حضرت مجدّد نے ان کے نام لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے دادا سلطان زین العابدین کے زمانے میں ختا کے شہر سے آ کر یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ جس کے موجب ان کی اولاد کو آج تک ختائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کا مقبرہ سوپور میں مشہور ہے۔

شاہ قاسم حقانی

میر شمس الدین شامی کے پوتوں میں سے تھے۔ جو جناب حضرت علی ثانی امیر کبیرؒ کے ساتھ کشمیر آ کر یہاں ہی سکونت پذیر ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کو کچھ لوگ ملا قاسم اور کچھ حاجی قاسم کہتے تھے۔ علم و ہنر دونوں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں کو چھوڑنے پر بڑی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت میں میر محمد خلیفہ صوفیانہ گانے رقص اور وجد و حال میں مست تھے۔ ملا قاسم ان سے اس بارے میں پوچھ پاچھ کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ اس کے چیلوں اور مریدوں میں سے ایک ایک کو سو سو دُرّے ماروں گا۔ انہی ایام میں حضرت ایشان اکبر آباد میں تھے۔ اور خلیفہ کو وہاں ہی سے لکھا کہ ملا قاسم کی آپ سے باز پرسی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انشاء اللہ:۔

قید میں ایسا پھنس جائے گا۔ کہ دوسروں کو عبرت ہوگی۔ ایک دن میر محمد خلیفہ نے پامپور میں محفل سماع رچائی تھی۔ ملا قاسم کو پتہ لگا۔ خشمناک ہوکر محفل میں گئے۔ جونہی خلیفہ کے چہرے پر نظر پڑی۔ تھر تھر کانپنے لگے۔ خلیفہ نے شیخ یوسف شوقی کو اشارہ کیا۔ شکار کا وقت ہے۔ یوسف نے یہ شعر ترنم کے ساتھ شروع کیا:۔

خنجر کشیدہ بر سر قتلم شتاب چیست　　　　خود کشتہ میشویم دترا اضطراب چیست

(میرے قتل کیلئے خنجر نکالنے میں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو خود ہی قتل ہوجائیں گے۔ تجھے کس بات کی بے چینی ہے؟) ملا قاسم وجد میں آکر بیہوش ہوکر گرے۔ جب پیشین (دوپہر کی نماز) کا وقت نزدیک آیا۔ شیخ یوسف نے یہ بیت شروع کیا:۔

اے گرفتار وصالش تابکے گردی بروں　　　　اندر آتا گویمت اسرار از راز دروں

(اے! اس کا وصل چاہنے والے کب تک باہر پھرتے رہوگے۔ اندر چلے آؤ تاکہ تمہیں چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف بنائیں گے۔) ملا قاسم نے آنکھ کھولی اور خلیفہ کے پاؤں پر پڑ گئے۔ جب نماز کی اذان ہوئی۔ ملا نے خلیفہ کے وضو کے لئے پانی لایا۔ خلیفہ نے نماز کے بعد فرمایا۔ اے! ملا قاسم "ملا" رہو گے یا "شاہ" کہا جو فرمائیں گے۔ خلیفہ نے کہا حضرت ایشان نے مجھے فرمایا ہے۔ آج جس کسی کو میں تمہارے پاس بھیجتا ہوں اس کو "شاہ" کہنا چاہیئے۔ اب تم خطاب "شاہی" دے دیا۔۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت خلیفہ کبرویہ تشریف لے گئے۔ اور جناب "شاہ" کو میر حمزہ کبرویہ کے ساتھ خلوت نشین رکھا۔ اور شاہ نے کچھ عرصہ میں سلوک کے سات طریقوں اور منزلوں کو طے کر کے تکمیل کے درجے کو پہنچکر سب سے مافوق ہوگیا۔ جب حضرت ایشان کشمیر آئے۔ تو انہوں نے حضرت شاہ کو اپنا خاص آدمی بنایا۔ آخر کے وقت پر اپنا خرقہ پہنایا۔ اور خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت شاہ آن جناب کی عنایت اور مہربانی سے کس حال پر پہنچے۔ کہ ایک دن ذکر (یاد خدا) کی گرمی سے ان کے پہنے ہوئے کپڑوں میں آگ لگی۔ ایک دن نماز تہجد کے غسل کے بعد سردی کی شدت سے سارے بدن سے لہو نکلنے لگا۔ حضرت ایشان کو خبر ہوئی۔ انہوں نے اپنا جامہ پہنایا۔ خون بند ہوگیا۔ اور یہ ٹھیک ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ایشان کے سلطان شاہ کہیں جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک سوار آیا۔ گھوڑے سے نہ اترا اور نہ تعظیم بجالایا۔ حضرت شاہ نے قہر کی نظر ڈالی۔ سوار گر کر بیہوش ہوگیا۔

حضرت ایشان نے اٹھوایا اور شاہ کو منع کیا کہ آیندہ ایسا نہ کرنا۔ ایک دن حضرت شاہ چلتے تھے۔ دو آدمی آپسہیں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ حضرت ایشان خدا کے پیاروں میں سے ہیں دوسرے نے کہا۔ ائے۔ کیا کہتے ہو؟ ایک مُلا ہے اور کیا ہے۔ یہ بات سُنکر شاہ غضبناک ہو گئے اور جلال کی نظر ڈال کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ ایک دن حضرت ایشان نے جمعہ کی نماز کے وقت ہیبت کے انداز میں فرمایا۔ اس وقت کون میرے ساتھ آئے گا؟ حاضروں میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت شاہ نے کہا۔ حضرت میں حاضر ہوں۔ دونوں مجلس سے غائب ہو گئے۔ مکہ معظمہ میں نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ منورہ میں سرور کائنات کو سلام کیا۔ حضرت سرور دو عالم صلعم نے جواب سلام کر کے حضرت ایشان سے فرمایا۔ یہ تمہارا بیٹا عجم میں بے مثل ہے۔ اور تمہارا آخری پہلوان ہے۔ تمہارے نام کو زندہ رکھیگا۔ اور صحابیوں نے شاہ کے حق میں دعا کی۔ حضرت ایشان پھر مجلس میں آئے۔ اور اہل مجلس کو سُنایا۔ کہ آج کے دن مہربانیاں بچھاور ہوئیں۔ جو اس جوان (شاہ) کے نصیب ہوئیں۔ حضرت ایشان کے انتقال کے بعد شاہ قاسم حج کو روانہ ہوئے۔ راستے میں بڑے بڑے خدا دوستوں سے ملے۔ صوبہ اُجین میں شیخ فیض اللہ قادری کی زیارت سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت شیخ ایک جنگل میں خلوت نشین تھے۔ حضرت شاہ بھی چالیس دن پے درپے رُوزہ رکھکر اعتکاف کو بیٹھے۔ اور چلہ گزرنے پر ہرنی کے دودھ سے افطار کیا۔ جب شیخ فیض اللہ نے ان کی ریاضت اور مجاہدہ کو دیکھا۔ ان کو سلسلۂ قادریہ کی اجازت عطا کی۔ اور حضرت غوث الاعظم کا ایک جامۂ مبارک اور حضرت شاہ ہمدان کا ایک خرقہ اور ایک تسبیح تبرک کے طور پر ان کو بخشدی جوان کی اولاد کے پاس نرپرستان میں آج تک موجود ہیں۔ دوران سیاحت میں جب حضرت شاہ خراسان پہنچے۔ سپاہیوں نے ان کو بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا۔ حضرت شاہ نے نہ مانا۔ بات بڑھ گئی۔ اور دو سو کے قریب سپاہی تلواریں نکال کر جمع ہو گئے۔ حضرت شاہ نے ایک نظر ڈالی اور سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اور وہ بذات خود ان کے پاس آیا اور گھر آنے کی دعوت دی۔ جب دسترخوان بچھایا گیا۔ اور خدمت گذاروں نے کھانا لایا۔ ایک طباق میں بنا ہوا مرغ تھا۔ جب حضرت شاہ نے ضیافت کی چیزوں کو نگاہ فرمائی۔ مرغ والے تھال میں سے مرغ زندہ ہوا۔ اور حضرت شاہ سے بولا۔ مجھے میرے مالک سے زبردستی سے لایا گیا۔ بادشاہ یہ حال دیکھکر ششدر و حیران ہو گیا۔ اور حضرت شاہ کی بیعت کر کے مُرید ہو گیا۔ جب سورت بندر میں پہنچے۔ خواجہ جمال الدین معروف بہ خواجہ دیوانہ سے ملاقات کی۔ ان کی اجازت

سے ان ہی کے حجرہ خاص میں ایک چلّہ کو خلوت میں بیٹھے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت
حاصل کی۔ خواجہ جمال الدین نے خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤالدین مشکلکشا کا کمربند اور رومال تبرک
کے طور پر انہیں عطا فرمایا۔ کہتے ہیں کہ سورت بندر میں حضرت شاہ کی شہرت پھیل گئی۔ اور وہاں
کے راجہ نے بھی سُنا کہ کشمیر کا ایک بہت بڑا فقیر آیا ہے۔ اس نے امتحان کے طور پر ایک رنڈی
کو رانی کے ٹھاٹھ باٹھ سے نوکر ساتھ دے کر ہاتھی پر سوار کر کے ان کے پاس بھیجدیا۔ کنجری حضرت
شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولی۔ کہ میں یہاں کے راجہ کی رانی ہوں۔ بے اولاد ہوں۔ مدت سے
درود شریف پڑھ رہی ہوں۔ آج رات میں نے حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔
انہوں نے فرمایا۔ کہ شاہ قاسم کے پاس جاؤ وہ تمہارے ننگے پیٹ پر دعا پڑھیں گے۔ اور ایک مدلح
بیٹا تمکو نصیب ہوگا۔ حضرت شاہ نے کہا خلوت کے دن ختم ہونے کے بعد تمہارا علاج کروں گا۔ اس نے
ہٹ کی۔ حضرت شاہ نے پوچھا۔ کیا نام ہے؟ کہا۔ بختاور۔ حضرت شاہ بولے اچھا بختاور ہی ہو۔
اور ایک لات ماری۔ بختاور بیہوش ہو کر گری۔ ہوش میں آئی۔ حضرت شاہ نے نائی منگوا کر اس
کا سر منڈوایا اور بال بادشاہ کے پاس بھیجدئیے۔ بختاور نے اپنا سارا مال واسباب فقیروں
اور مسکینوں میں بانٹ دیا۔ ایک کالا کمبل پہن لیا۔ خدا کی بندگی کے لئے کمر باندھی اور خدا کے
نیک بندوں میں بلند مرتبہ والی عورت ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت شاہ فتحپور پہنچے۔ تو حضرت
شیخ سلیم چشتی کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ حضرت شیخ نے ان کی استعداد دیکھکر سلسلۂ
چشتیہ میں ان کو داخل کیا۔ اور سلسلۂ چشتیہ کا ارشاد عطا کر کے خواجہ معین الدین چشتی کی لکیر والی
پگڑی جس کو کشمیری میں "لونگی" کہتے ہیں۔ تبرک کے طور پر بخشدی۔ بیرونِ جنت سیاک کے دن ختم ہونے
پہ حضرت شاہ واپس آئے۔ اور کشمیر کے لوگوں کو راہِ خدا دکھانے میں مصروف ہو گئے۔ سینکڑوں
بندگانِ خدا کو تعلیم و تلقین فرمائی۔ سینکڑوں بندگانِ خدا کو درجہ شہود پر پہنچایا۔ کہتے ہیں کہ
ایک دن حضرت شاہ اپنے گھاٹ پر کشتی میں بیٹھے تھے۔ اور حضرت خواجہ مسعود پانپوری ان کے ملاقات
کو آئے۔ شوگہ بابا ان کے ساتھ تھے۔ بات چیت میں شوگہ بابا کی زبان سے کوئی گستاخی کی بات
نکلی۔ حضرت شاہ نے جلال کی نظر ڈالی۔ خواجہ مسعود نے ان کی نظر اور شوگہ بابا کے نظر درمیان ہاتھ رکھا
بکدم ان کی آستین میں آگ لگی۔ اور حضرت شاہ سے معافی مانگی۔ شوگہ بابا کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر
ہاتھ بیچ میں نہ رکھتا۔ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوا ہوتا۔ ایک دن حضرت شاہ نے پل پر جاتے ہوئے ایک
سُریلی آواز سُنی۔ وجد میں آکر دریا میں گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد پانی سے نکلے اور کشتی میں بیٹھ

گئے۔ کپڑے بالکل سوکھے تھے۔ ایک دن ایک قصائی نے ایک گائے کو ذبح کرکے سری الگ کی تھی حضرت شاہ موقعہ پر پہنچے۔ یوں ہی سری کو گلے کے ساتھ لگایا۔ زخم جڑھ گیا۔ گائے زندہ ہوگئی۔ اسی قسم کے خارق عادات بے شمار ان کے مشہور تھے۔ ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۰۳۳ھ کشمیری ۲۹ پھاگن۔ پھاگن شدی اوّل کو انتقال فرمایا۔ علاؤ الدین پورہ میں دفن کئے گئے۔ "مقرب خاص" تاریخ ہے۔ لکھتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے مقبرے پر سرکنڈے اگ گئے۔ اس نیستان کی کیفیت شاہ یعقوب خفانی جوان کی اولاد میں سے تھے۔ اپنی کتاب "معرفتہ المخفانی" میں یوں تحریر کرتے ہیں:۔

حضرت شاہ کے مرض موت کے دنوں میں ان کا ایک مرید خانقاہ معلیٰ میں تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیر کا اب کیا حال ہے۔ مرید نے کہا۔ بیمار ہی ہیں۔ اس آدمی نے کہا۔ خدا اس کا آخر اچھا کرے۔ مرید نے کہا۔ ایسے بزرگوں کا انجام کیوں اچھا نہ ہوگا۔ ایسے لوگوں کو تم جیسے آدمیوں کی کیا ضرورت ہے۔ کہ تم دعا کریں۔ اس نے کہا۔ تمہارا پیر ہمیشہ شریعت کے خلاف نغمہ اور موسیقی سنتا تھا۔ اسی لئے مجھے معلوم نہیں۔ کہ اس کا کیا حال ہوگا؟ مرید پیر کی عیادت (بیمار پرسی) کو گیا۔ وہاں حضرت شاہ نے پوچھا۔ کہ فلانی آدمی خانقاہ معلیٰ میں تمہارے ساتھ کیا گفتگو کر رہا تھا۔ سچ سچ بتانا۔ اس نے کیا کہا اور تو نے کیا جواب دیا۔ اس نے لفظ لفظ حقیقت بیان کی۔ حضرت شاہ جوش میں آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے عمر بھر ساز اور بانسری کو سنا۔ اگر میرا انجام بخیر ہوگا۔ تو میری مٹی سے قیامت تک نرسل اگتا رہے گا۔ اگر میرا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اور نرسل کے پودے میری قبر سے نہیں اُگے گیں۔ تو مجھ پر لعنت کرنا اور میری نعش کو قبر سے نکال کر مایہ سومہ کے مرگھٹ میں جلانا۔ تاکہ کوئی صوفیانہ کلام سننے والا پھر درویشی کا دعویٰ نہ کرے۔ حضرت شاہ وفات پائے۔ اور جونہی [illegible] قبر کو ڈھانپا گیا اور فاتحہ پڑھی گئی۔ سر مبارک کی طرف سے ایک نرسل کی ڈنٹھل نے سر نکالا۔ ایک دن رات میں سارا مقبرہ سرکنڈوں سے سبز ہوگیا تھا کہتے ہیں کہ ان کی قبر کے نزدیک ایک لوہار کا گھر تھا۔ اور حضرت شاہ کے عقیدتمندوں نے مقبرہ کو وسعت دینے کیلئے تھوڑی سی زمین اس سے مانگی۔ اس نے رقبہ دینے سے انکار کیا۔ دوسرے دن اس کی بھٹی میں سرکنڈا اگا جو آگ میں سونے کے رنگ کا ہوگیا۔ دوسرے دن آہرن میں سے سرکنڈا نکل آیا۔ لوہار نے جب یہ حال دیکھا زمین اور گھر کو آستانہ کے لئے وقف کر دیا۔ دوسری طرف سے ایک قصائی کا گھر تھا۔ اس کی بیوی بے خبری کے موجب جھاڑ و دیگر کوڑا کرکٹ۔ دھول راکھ بے ادبی سے مقبرہ میں پھینک دیتی تھی۔ اس کے چولھے میں سرکنڈے نکل آئے۔ قصائی گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور یہ رقبہ بھی مقبرہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ محمد شریف اشائی جو حضرت شاہ کا متبنیٰ تھا۔ مقبرہ کے ساتھ ہی سکونت کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے مقبرہ کا ادب کرنے میں لاپرواہی برتی۔ چولھے میں سرکنڈے اگ آئے۔ جن کا رنگ آگ جلانے پر بھی نہیں بدلتا تھا۔ شاہ یعقوب کہتے ہیں۔ کہ

یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ شروع کے سالوں میں جب جاڑا آنے پر سرکنڈے سوکھ جاتے تھے۔ لوگ ان کو کاٹ کر بڑی بڑی گٹھریاں باندھ کر کے دریا میں ڈالتے تھے۔ اور سرکنڈے ڈوب جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پوتوں میں سے ایک نے مزار سے سوکھے ہوئے سرکنڈے گھر لاکر چولھے میں جلائے۔ ان کو اس کے پارچہ کے بانچ کرتے جو نماز جمعہ پر لگاکر امامت کرتا تھا۔ جل کر راکھ ہو گئے۔ لیکن دار باہر سے بالکل ٹھیک تھا۔ امام صاحب پریشان ہو کر اپنے مرشد کے پاس گئے۔ اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے حضرت شاہ کی طرف توجہ کی۔ حضرت شاہ نے فرمایا۔ اس سے بھی میری ہڈیاں جلائیں اگر اس کا کچھ سامان جل گیا۔ تو کون سی بڑی بات ہوئی۔ اس سے کہدو کہ پھر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ اور نہ کوئی دوسرا ہمارے نبستان کو کوئی نقصان پہنچائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ کے انتقال کے بچاس برس بعد ابراہیم خان صوبیدار کا ہاتھی جس کا نام الہداد کھوپٹر تھا۔ دیوانہ ہو کر گلی میں پھرتا تھا۔ رات کو لوگوں کے گھروں کے پاس جاکر کان لگاتا تھا۔ اور اگر کوئی ہاتھی کو برائی سے یاد کرتا ہوا پاتا تھا۔ تو اس کو سخت تکلیف پہنچاتا۔ اور اس سے انتقام لیتا تھا۔ ایک دن مقبرہ سے گزرا۔ اور ایک سرکنڈے کی ڈنڈی سے کاٹ کر منہ میں ڈال دیا۔ اسی وقت اسی جگہ رہ گیا۔ اور ادھر ادھر ہل نہ سکا۔ سرکنڈے کو منہ سے نکال کر سونڈ سے پھر مقبرے میں ڈال دیا۔ اور خطرناک طریقے میں چنگھاڑتا ہوا سجدہ کو جھکا۔ سجدہ سے سر اٹھاکر وہاں سے بھاگ گیا۔ صاحب فتحات کبرویہ نے سرکنڈے اگنے کی کیفیت اور ہی طرح سے لکھی ہے۔ جس کا نقل خواجہ بابا طاہر کے بیان میں مذکور ہے۔

شیخ ابراہیم

حضرت ایشان کے چھوٹے بھائی تھے۔ خداداد ہمت اور استعداد کے لئے بہت مشہور تھے۔ پرگنہ دلوہ سر میں ان کا مقبرہ ہے۔

شیخ لال

حضرت ایشان کے چنے ہوئے برگزیدہ مریدوں میں سے تھے۔ صاحب حال وقال اور کمال تھے۔ ایک دن ایک چھت پر کھڑے تھے۔ آس پاس سے کوئی آدمی سریلی۔ حزین خوش آواز میں گا رہا تھا۔ شیخ رقص میں آ گئے۔ اور چھت سے گر گئے۔ لوگوں نے شور مچایا۔ شیخ لال کی ہڈیاں چور چور ہوئی ہوں گی۔ دوڑے اور دیکھا وہ صحن میں ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ حضرت ایشان کی سیاحت ہند کے وقت شیخ لال ان کے ساتھ تھے۔ احمد آباد گجرات میں جب پہنچے وہاں کے صوبہ دار نے ان کی دعوت کی۔ صوبہ دار نے محفل سماع کا انتظام بھی کیا تھا۔

سازندوں کے ساتھ دو رنڈیاں بھی تھیں۔ جو ناچنے میں کمال رکھتی تھیں۔ جب محفل گرم ہوئی شیخ لال نے ایک نعرہ لگایا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں رنڈیوں کو گود میں لے کر پاس آخر (تیسرے پہر رات) تک وجد کرتے رہے۔ آخر رات بیہوش ہو کر زمین پر گرے۔ بیہوشی میں ان کے بال بال سے "یا ھو یا ھو" کی آواز نکلتی تھی۔ اور بدن کے سارے مساموں سے خون جاری تھا۔ حضرت ایشان نے ان کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں رکھ دیا۔ اسی ذکر میں پو پھٹنے تک تھے۔ صبح ہوتے ہی اپنے پیارے کو اپنی جان قربان کر کے خاموش ہو گئے۔ اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔

خواجہ محمد یوسف مانجی

تاجروں کے خاندان سے تھے۔ خدا بینی کے بازار میں ازلی ہدایت نے راستہ دکھایا۔ اور حضرت ایشان کے فیض کی دکان پر آئے۔ تھوڑی دیر میں وہ نفع پایا جس سے دل کی تسکین ہو گئی۔ دل کے غنی ہو گئے۔ حج کو جا کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بیت اللہ اور روضہ مطہرہ کے دیدار سے آنکھیں منور ہو گئیں۔ سفر میں اولیائے کبار سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور ہر صاحب سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا۔ کشمیر واپس آ کر بارہ مولہ میں قیام کیا۔ سلوک کے مقامات طے کر کے سنہ ۱۱۱۸ھ میں جنت کو سدھارے۔ بارہ مولہ میں نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا حسن آفاقیؒ

عالم فاضل اور عامل کامل علاقہ بھاگ کے رہنے والے تھے۔ ایک دن سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کب تک کتابوں کے خالی لفظوں کو دیکھتے رہو گے اور معنی پر فکر نہ کرو گے۔ دوسرے دن انہوں نے یہ خواب اپنے شاگرد خواجہ حبیب اللہ نوشہری کو سنایا۔ انہوں نے کہا۔ ہم کو چاہیئے۔ کہ راہ حق کے رہبر کی تلاش کریں اور آج کل میر محمد خلیفہ کے مقابل کا کوئی دوسرا آگاہ نہیں۔ اگر مشورہ ہے۔ تو ان کے پاس جائیں گے۔ مولانا نے کہا وہ بدعتی ہے۔ نغمہ اور ساز وسرود کا دلدادہ ہے۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ مجذوب میاں نانک شاہ ریبہ واری کے پاس جائیں گے۔ وہ روشن ضمیر اور صاحب دل آدمی ہے۔ اور دونوں چھ مہینے تک اس کے پاس جاتے رہے۔ اور اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ ایک دن مولانا نے پکا ارادہ کیا کہ اگر آج میاں نانک شاہ نے پوچھ پاچھ نہ کی پھر کل سے جانا بند کریں گے۔ اس دن حضرت میاں نے ان کو تین پیسے دے کر کہا یہ طرحی لے کر ملارٹہ کے شراب فروش سے دو تمبیر کے لئے شراب لاؤ۔ دونوں نہایت بیدلی سے گئے اور

شراب خرید کر کے خواجہ حبیب کے کندھے پر اٹھا کر لائے اور خدمت میں پیش کی۔ میاں مانک نے دمنو کرنے کے برتن میں شراب ڈالی۔ اور ان سے کہا۔ پی لو۔ دونوں نے پینے سے انکار کیا میاں مانک نے شراب پی لی۔ اور ڈنڈا اٹھا کر دونوں کو پیٹا اور کہا چلے جاؤ۔ تمہارے کام کا حل اسی بدعتی کے پاس ہے۔ مجبور ہو کر دونوں میر محمد خلیفہ کے پاس چلے گئے۔ جب یہ پہنچے محفل سماع گرم تھی ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا چھ مہینے ناحق برباد کئے۔ اور میاں مانک کی مرمت کے بغیر یہاں نہ آئے۔ قوال کو اشارہ کیا۔ اور اس نے شروع کیا:

بکجا روم ز درد چہ دوا کنم چہ چارہ!

کہ ہزار بار خون شد جگر ہزار پارہ!

دونوں حضرات وجد میں آئے۔ اور سر دھننے لگے۔ جب محفل ختم ہو گئی۔ خلیفہ نے اپنی پگڑی مولانا کو اور اپنا کرتہ خواجہ حبیب کو دے دیا۔ دونوں حضرات نے توبہ کر کے بیعت کی اور دونوں تھوڑی مدت میں درجہ اعلیٰ کو پہنچ گئے۔ جب حضرت ایشان واپس کشمیر تشریف لائے۔ دونوں ان کی خدمت میں سرافراز ہوئے۔ حضرت ایشان نے اپنا جامۂ مبارک مولانا کو اور کتاب "اسرار النقط" خواجہ حبیب اللہ کو عطا کی۔ مولانا ۱۰۱۱ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ نوشہرہ میں ملا کبیر کے قبر کے نزدیک ان کی قبر ہے۔

خواجہ حبیب نوشہری

سنہ ۹۶۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ تاریخ پیدائش پر مورخوں کا اتفاق نہیں۔ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان کے باپ شمس گنائی نے نمک کی دوکان پر بٹھایا۔ یہ قرآن مجید کھول کر پڑھنے لگتے تھے۔ جو لوگ نمک لینے آتے تھے۔ صندوقچی میں پیسے ڈال کر خود ہی تول کر نمک لیتے تھے۔ اور دوکان خوب چمکی۔ خواجہ شمس نے دوکان کی پڑتال کی دیکھا۔ کہ اچھا منافع رہا ہے۔ کچھ مدت کے بعد خواجہ حبیب ملا حسن آفاقی کے پاس کتابیں پڑھنے کے لئے گئے۔ اور فارسی عربی میں اچھی قابلیت حاصل کی۔ اس کے بعد میر محمد خلیفہ کے پاس ملا حسن کے ساتھ گئے۔ حسن کا بیان ملا حسن کے تذکرہ میں ہو چکا ہے۔ اور میر محمد خلیفہ کی عنایت اور مہربانی سے روحانی ترقی اس درجہ کی کہ لوگوں کے حاجت روا ہو گئے۔ صاحب حال اور قال۔ صاحب خرق عادات اور کرامات بن گئے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ تبت کی طرف سے قزاق کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے آئے اور زوجہ بال کو عبور کر کے کشمیر میں داخل ہو گئے۔ خبر ہوا کی طرح پھیل گئی۔ اور لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ خواجہ کے پاس آنے جانے والے مضطراب حالت میں پوچھنے لگے اب کیا ہو گا

اب کیا کریں گے۔ مر گئے قزاق قتل و غارت لوٹ مار کر کے اینٹ سے اینٹ بجا بیٹھ گے۔؟ خواجہ نے اپنے یاروں میں سے ایک کو بتا دیا۔ کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر فلانی میدان میں چلے جاؤ۔ اور تلوار کو اپنے سر پر سے اسطرح سے مارتے رہو۔ گویا تم دشمن پر مار رہے ہو۔ وہ خدا کا پیارا ارات کو میدان میں چلا گیا۔ اور حضرت خواجہ کے فرمانے کے مطابق تلوار چلاتا رہا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ قزاقوں کی جماعت میں سے ایک بڑی تعداد ماری گئی ہے۔ اور جو بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ جہانگیر کشمیر آیا۔ اس کے ساتھ کافی فوج تھی۔ یہاں غلہ کی تنگی تھی۔ اور بادشاہ نے جاڑا یہیں گذارنے کا ارادہ کیا۔ لوگوں کو قحط پڑ جانے کا خطرہ لگ گیا۔ خواجہ سے بھی یہ باتیں ہوئیں۔ مُریدوں نے عرض کی اس کا سُدھار کچھ ہونا چاہیئے ایک موچی ان کا مُرید تھا۔ جو سڑک پر بیٹھکر پرانی جوتیوں کی مرمت کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے اُس کو بلا کر کہا بادشاہ کو بلا درنگ کشمیر سے نکالو۔ موچی نے پھٹی پرانی جوتیاں۔ سڑے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے اور اپنا جندہ (ژندہ) گدھے پر لاد دیا۔ اور گدھے کو ڈنڈے مار کر آگے آگے ہانکنے لگا۔ جلدی چلو۔ جلدی چلو۔ بادشاہ نے اسی دن دہلی واپس جانے کا حکم دیا۔ ایک دن نوشہرہ کی طرف چکوروں کے شکار کو گئے۔ حضرت خواجہ نے کچھ چکور پالے تھے۔ اور وہ ایک چنار کے نیچے گھوم رہے تھے۔ باز چھوڑے گئے۔ اور انہوں نے چکوروں پر دھاوا بول دیا۔ چکوروں نے بازوں کی آنکھیں نکال دیں۔ شکاریوں نے بادشاہ کو واقعہ کی خبر دی۔ بادشاہ بھی حیران ہوا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاضروں میں سے کسی نے سُنایا۔ کہ یہ چکور خواجہ حبیب کے ہیں۔ بادشاہ اُن کی ملاقات کو آئے۔ محفل سماع گرم تھی۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور دعا کے لئے عرض کی۔ خواجہ چُپ رہے۔ نذر گزاری انہوں نے قبول نہ کی۔ جاگیر قبول کرنے کی التجا کی انہوں نے منظور نہ فرمایا۔ بادشاہ یہ سلوک دیکھکر پریشان سے ہو گئے۔ اور بادشاہ کے دل میں اندیشہ اور وسوسہ پڑ گیا۔ بادشاہ کی یہ حالت محسوس کر کے خواجہ کے حقیقی بھائی خواجہ یعقوب نے پیشکش قبول کرنے کیلئے منت و سماجت کی۔ حضرت خواجہ نے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے ایک لاکھ دمڑی (پائی) کی جاگیر قبول کی۔ جو سکھوں کے زمانے تک ان کی جاگیر تھی۔ لکھتے ہیں کہ مُلا حُسین جنازہ" سماع" کے موجب خواجہ کے منکر تھے۔ اور خواجہ کے ساتھ کئی دفعہ اس کے جواز پر مباحثے ہوئے۔ اور خواجہ کو منع کیا۔ لیکن خواجہ ترک سماع نہ کر سکے۔ مولانا ملا حُسین نے صفدر خان حاکم صوبہ دار کے پاس معاملہ پیش کیا۔ اس نے اہل سماع کی رعایت کے موجب ٹال مٹول سے کام لیا۔ مولانا نے عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ نائب عدالت کچھ ملازم اور رئیس ساتھ لے کر خواجہ کے گھر تحقیقات کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت محفل رقص اور سرود جمی ہوئی

تھی۔ محفل میں خبر پہنچی کہ نائب عدالت آرہا ہے۔ حضرت نے قوالوں سے کہا۔ کہ موسیقی کے آلات کو اندر کے کمرے میں چھپا کر رکھیں۔ عدالت کے ملازم آ گئے۔ اور خواجہ سے کہا۔ کہ سرکار کا حکم ہے۔ کہ آپ شریعت کی منع کی ہوئی باتوں سے پرہیز کریں۔ اور سماع شرع کی ممنوع کی ہوئی باتوں میں ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ہم مانتے ہیں۔ اور تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے عدالتیوں کو کھانا کھانے کی دعوت دی۔ کھانا تیار ہو گیا۔ اور جب کھانا لایا گیا۔ اور اہل مجلس کھانے لگے۔ تو اندر کے کمرے سازوں کے بجانے کی آواز آنے لگی۔ اہل مجلس متحیر ہو گئے۔ اور کوٹھری کا دروازہ کھولا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ لیکن سارے آلات بج رہے تھے۔ یہ چشم دید حال حاکم اعلیٰ کو سنایا گیا۔ وہ بذات خود ان کے پاس آیا اور عذر خواہی کی۔ صفدر خان کی تبدیلی پر احمد بیگ خان کشمیر کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا۔ ملا حسین نے پھر اس کے پاس استغاثہ دایر کیا۔ اس نے حضرت خواجہ کو طلب کرایا۔ اور شہر کے عالموں اور فاضلوں کو بلوا کر سماع کے جواز اور گناہ پر بحث کی۔ طرفین سے جائز اور ناجائز ہونے پر دلایل اور نظایر پیش ہوئے۔ آخر پر حضرت خواجہ نے فرمایا۔ "ہمارے عالم مرض دور ہونے کے لئے حرام چیز کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہم بیمار ہیں اور اپنے مرض کا علاج بغیر "سماع" کے اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اس لئے ہم سے باز پرسی نہ فرمائیے"۔ اس بات سے دلوں پر کچھ ایسا ہوا۔ کہ سب بول اٹھے۔ "معاملہ چھوڑ دیجئے"

اوایل سنہ ۱۰۲۷ھ ملک میں ہیضہ کی عام بیماری پھیل گئی۔ دنوں میں ہزاروں آدمی اس کے شکار ہو گئے۔ کسی کو موت کے پنجے سے چھٹکارا پانے کی امید نہ رہی۔ لوگ حضرت خواجہ کے پاس ہجوم کر کے آئے۔ انہوں نے فرمایا آج رات صبر کیجئے۔ میں اب خود تمہارے بدلے جاؤں گا۔ اسی رات ان پر کالرا کا حملہ ہوا۔ ۱۹ ذالحجہ سنہ ۱۰۲۷ھ کو انتقال فرمایا۔ نوشہرہ محلہ میں ان کو دفن کر کے لوگ فارغ ہو گئے۔ اور کالرا کا بھی خاتمہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ آخر وقت پر انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے عمر بھر "سماع" کا خطا اٹھایا جس طرح اس کا فائدہ اور خطا اٹھانا لازم تھا۔ وہ پورا نہ ہوا۔ اس لئے اس کمی اور گناہ کی معافی کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ شعر و سخن میں خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ حبیبی تخلص کرتے تھے۔ کشمیری میں بھی ان کا کلام بہت بلند پائے کا ہے۔ تنبیہ القلوب۔ مقامات حضرت ایشان۔ ایک دیوان جس میں قصیدے۔ رباعیاں اور قطعے وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے مشہور ہیں۔ عرفان۔ ایقان۔ حال و قال کی دولت سے مالامال تھے۔ خواجہ حبیب ذالشان۔ تاریخ ہے۔

خواجہ یوسف ثانی

میر محمد خلیفہ کے یاروں میں سے تھے۔ حضرت ایشان کی نظر عنایت بھی رکھتے تھے۔ وقت کے اکثر

مشائخوں اور بزرگوں کی ملاقات حاصل تھی۔ ان سے جو فیض حاصل ہونے کا امکان تھا۔ وہ حاصل کر کے اعلیٰ مرتبہ پائے۔ ارشاد کے درجہ پر پہنچکر کھجوارہ میں قیام کیا۔ اور وہیں مدفون ہیں۔ شیخ محمد قاری جو وقت کے نہایت پرہیزگار۔ خداترس اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ وہ بھی اسی گاؤں میں دفن ہیں۔

مولانا شریف خادم

سوپور کے مچھلی پکڑنے والوں کے قبیلہ میں سے تھے۔ غیبی کشش نے میر محمد خلیفہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور ابدی سعادت پائی۔ خلیفہ کی خدمت گذاری میں نہایت سرگرم تھے۔ کمال کی بڑی بڑی عجیب غریب باتیں ان سے ظاہر ہوئیں۔ ایک ہفتہ کے بعد افطار کرتے رہتے تھے۔ بہت بلند مرتبہ والے خدادوست تھے۔

بابا نازک کشمیری

میر محمد خلیفہ کے مریدوں میں سے تھے۔ حفظ سنت۔ رعایت طریقت اور ریاضت و عبادت و مجاہدہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ میر حمزہ کبریا سے تکمیل اور ارشاد کی سند حاصل کی۔ سنہ ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی۔ ملہ خواہ مزار میں ملا زین الدین مانیجی کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

مہدی علی بلخی۔ مولانا حسن ترکی۔ شیخ بہادر کشمیری

مولانا لطیف۔ یوسف شوقی۔ میاں ناصر۔ کشف و کرامات والے۔ خداترس۔ ریاضت کش حضرات تھے۔ ان کے حالات اور ان کی قبریں دونوں ابھی تحقیق طلب ہیں۔

شیخ محمد لبیب

مولانا شنگرف گنائی کے بیٹے تھے۔ مولانا کا حال تو گذشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی ظاہری اور باطنی علوم میں ممتاز تھے۔ حضرت شیخ یعقوب صرفی سے عقیدت تھی۔ ان کے تربیت یافتہ تھے۔ اپنے والد کے مقبرے میں دفن ہیں۔

خواجہ حسین ختلانی

خواجہ اسحاق ختلانی کے مرید تھے۔ بہت بڑے فاضل اور کامل بزرگ تھے۔ شریعت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت سے واقف تھے۔ ریاضت اور عبادت میں جفاکش اور جان فشان تھے دنیا کے ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے کرتے کشمیر پہنچے۔ خانقاہ معلیٰ کے صحن میں سفروں کی تکان

دور کرنے کے لئے راحت کی نیند سوئے۔

خواجہ بہادر

شیخ شہود اللہ کے نام سے مشہور حضرت ایشان کے مرید تھے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ خوارزم بھی ان ہی کے ساتھ گئے۔ صاحب حال تھے۔

مخدوم حاجی موسیٰ

حضرت حاجی احمد قاری کے بیٹے صاحب حال و قال۔ ریاضت و عبادت تھے۔ کبھی جنگلوں میں اکیلے چھپ جاتے اور کبھی خانقاہ میں بیٹھ جاتے۔ جب بازاروں میں سے گذرتے تھے۔ نانوائیوں کی دکانوں سے روٹیاں اٹھا اٹھا کر غریبوں میں راستے چلتے چلتے بانٹ دیتے تھے۔ اور ان کا خدمت گذار نان بائیوں کو قیمت ادا کرتا تھا۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح کالا کمبل پہنتے تھے۔ اکثر مستی میں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک بدمست ہاتھی نے ان پر حملہ کیا۔ انہوں نے ہاتھ سے ایک تھپڑ مارا اور ہاتھی گر گیا۔ تمام شہر میں خبر پھیل گئی۔ اور یہ واقعہ ان کی شہرت کا سبب ہوا۔ کشمیر واپس آ کر اس فیض و کرم کے بادل نے رحمت خدا کی بارش سے ایک دنیا کو سرسبز و سیراب کر دیا۔ دنیا سے کوچ کرنے پر جسم خاکی کو والد بزرگوار کے مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔

مخدوم شیخ عبداللہ

حضرت حاجی احمد قاری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ محویت کے عالم میں غرق رہتے تھے۔ خوش لحن اور درست لہجہ میں قرآن کریم پڑھنے کیلئے مشہور تھے فداانزمیں۔ روشن دل اور ریاضت کش بزرگ تھے۔ والد کے مرگزار میں دفن ہوئے۔

مخدوم شیخ عباس

حضرت حاجی احمد قاری کے تیسرے بیٹے تھے۔ قرآن کریم کی قرأت میں کمال رکھتے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے عالم فاضل تھے۔ صاحب حال و قال تھے۔ والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہیں۔

مخدوم شیخ عبدالواحد

حضرت مخدوم احمد قاری کے چوتھے بیٹے عمل اور علم میں بے بدل حالات اور کمالات میں ہمعصروں سے

بہتر اور افضل۔ ریاضت اور مجاہدہ میں اکمل تھے۔ اپنے باپ، داداؤں کے مزار میں آرام پائے ہیں۔

مولانا شاہ گدا

متصل سوپور کرانکہ شبوں کے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ایک دن حاجی احمد قاری کی خدمت میں آئے۔ اور ان کی نظر سے متاثر ہو کر دنیا کو سلام کیا۔ اور جناب کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ حاجی موسےٰ سے تعلیم بھی اور تربیت بھی پائی۔ باطنی شغلوں میں اس طرح لگ گئے۔ کہ تھوڑی مدت میں کہیں سے کہیں پہنچکر درجہ ارشاد حاصل کیا۔ کرامات اور لوگوں کی حاجت روائی نے ان کی شہرت دور دور تک پھیلادی۔ جب لوگوں کی کثرت حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ تو ایک دن خواجہ داؤد مجذوب نے آکر ملامت کی اور کہا میری طرح دیوانگی کا لباس کیوں نہیں پہنتے ہو۔ اور اتنا جمگھٹا قبول کئے ہوئے ہو؟ مولانا نے جواب دیا ابھی تونے کیا دیکھا۔ کل اس سے زیادہ بازار گرم ہوگا۔ دوسرا دن جمعہ تھا۔ انہوں نے اپنے ایک معتقد کو فرمایا کہ خانقاہ کے ایک کونے میں ایک کوٹھڑی تیار کردو جو دوسرے جمعہ کو کام آئے۔ دوسرے جمعہ کی رات کو دوستوں اور عقیدتمندوں کی ایک بڑی جماعت کو طریقت، معرفت اور حقیقت کی باتیں رات بھر سناتے رہے۔ وعظ نصیحت فرماتے تھے۔ صبح آنے لگی۔ انہوں نے وضو کیا اور خانقاہ میں بنوائی ہوئی کوٹھڑی میں چلے گئے۔ دروازہ بند کیا۔ چاشت کے وقت تک لوگ باہر بیٹھے حیرانی میں انتظار کر رہے تھے۔ دوپہر کے وقت حجرہ میں انتقال فرمایا تھا۔ ملارٹہ کے محلہ میں سید میر مبرک کے مرگزار میں دفن ہوئے۔ "گدائی شاہ اقلیم ولایت" سنہ ۹۶۹ھ تاریخ ہے۔

بابا اسحاق

شیخ مسعود نروری کے برگزیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب حال وقال۔ صاحب کرامات اور مستجاب الدعوات تھے۔ شیخ کے خلیفوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ پابند شرع ہونے اور سنتوں کی ادائیگی کے لئے مشہور تھے۔

شیخ عبداللہ

بابا مسعود نروری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ پرلے درجے کے عالم، پرہیزگار اور فیض وبرکات کے

شیرین چشمہ تھے۔ کشف قبور اور روشن دلی میں بے مثل تھے۔ وسعت دل اور خوش اخلاقی میں ضرب المثل تھے۔ کہتے ہیں ان کی بیوی۔ بدخو اور جھگڑالو تھی۔ ان کو بہت ستاتی اور بہت تکلیف دیتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اس کو چھوڑ دیں۔ اور رخصت کریں۔ فرمائے۔ اس کاٹنے والی پاگل کتیا کو بند میں رکھنا ہی اچھا ہے۔ ورنہ یہ دوسروں کو نقصان پہونچائے گی۔ اپنے والد بزرگوار کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ باباحاجی

بابا مسعود نزدری کے بیٹے تھے۔ کشف و کرامات اور ریاضت و عبادت میں لاثانی مانے جاتے تھے۔ ارشاد کے درجہ کو پہونچکر انتقال کیا۔ اپنے نامور باپ کے پہلو میں دفن ہیں۔

شیخ ابراہیم

بابا مسعود نزدری کے تیسرے بیٹے تھے۔ نیک اعمال کے کرنے اور برے کاموں اور بدعتوں سے دُور رہنے۔ حال کی بلندی اور قال کی شیرینی کے لئے بہت مشہور تھے۔ دیوہ سر کے پرگنہ کے ایک گاؤں آکھرن میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہیں۔

باباحُسین

شیخ عبدالکریم فتحکدلی کے بیٹے اور خلیفہ عقلی و نقلی۔ ظاہری اور باطنی علموں میں ممتاز ریاضت۔ عبادت اور پرہیزگاری میں جانباز۔ احکام شریعت بجا لانے میں سرافراز تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مکان کے ایک کمرے میں ایک قبر کھدوائی۔ عقیدتمندوں نے شکایت کی۔ فرمایا کہ میرے مرنے کے دن لوگوں کو چلنا پھرنا ناممکن ہوگا۔ اور بصورت دیگر ان کو تکلیف پہنچ جاتی۔ آنے والے جمعہ کو آندھی چلی اور شدت کی برفباری ہوئی۔ اور اسی روز انہوں نے وفات پائی۔ اور اسی کھودی ہوئی قبر میں دفن کئے گئے۔ کہیں نہیں جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر اپنی خلوت کی جگہ سے ایک دن کہیں جاتا ہوں۔ چالیس دن تک مجھے آرام نہیں ہوتا ہے۔ اور مضمحل سا رہتا ہوں۔

میر محمد یوسف قادری

حضرت میر نازک قادری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ صاحب حال وقال۔ ظاہری اور باطنی کمالات والے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد پانچ برس مسند خلافت کو رونق دیتے رہے۔ سنہ ۱۰۱۴ھ میں ہیضہ کی بیماری کے شکار ہوئے۔ باپ کے قبر کے پاس ہی دفن ہیں۔

میر احمدؒ قادری

حضرت میر نازک قادری کے دوسرے بیٹے تھے۔ عالم فاضل اور عابد کامل تھے۔ جاہ طلبی اور شہرت سے نفرت تھی۔ والد بزرگوار کے تربیت یافتہ تھے۔ لیکن سجادہ نشینی منظور نہ کی۔ ۴؍ رجب سنہ ۱۰۲۱ھ میں باپ دادا کے مزار میں جگہ لی۔

میر محمدؐ علی قادری

حضرت میر نازک قادری کے گران قیمت بیٹے اور پسندیدہ خلیفہ تھے۔ عالم باعمل۔ زاہد متشرع۔ خدا ترس۔ پرہیزگار مرجع خاص وعام تھے۔ ان کا پہلا بھائی اٹھتی جوانی میں ہیضہ کی بیماری کا شکار ہوا۔ دوسرے بھائی نے علمی شغلوں کی کثرت کے موجب سجادہ نشینی اختیار نہ کی۔ اس لئے عقیدت مندوں نے حضرت میر محمد علی کو باپ کی جگہ مسند خلافت پر بٹھایا۔ اور انہوں نے سلسلہ قادریہ کو وہ رواج دیا کہ بایدوشاید حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت رکھتے تھے۔ ان کے اطوار اور کردار سے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ رحمت الٰہی کی کھلی نشانی ہیں۔ ذکر جہر (بلند آواز سے یاد خدا کرنا۔ خدا کا نام لینا) کرتے وقت وہ جوش وخروش ان سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ سننے والوں کے دل دھک سے رہ جاتے تھے۔ بھوت اور پریاں فرمانبردار تھیں۔ اور ان کا کام کاج کرتی تھیں۔ میر داؤد دوارکی کی دختر نیک اختر نکاح میں تھیں۔ خدا نے بیٹے کی نعمت سے نہیں نوازا اور یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ ابر رحمت تھے۔ اور راہ خدا کے بےشمار پیاسوں کی پیاس بجھائی۔ حاجت مندوں کے حاجت روا تھے۔ دعا مقبول تھی۔ آخر عمر میں مہادیو پنڈت کارہ کے فساد کے سلسلے میں جس کا بیان دوسرے حصے میں رہے۔ شہر کے معزز اراکین کے ساتھ ان کو بھی دہلی لیا گیا راستے میں شیخ محمد معصوم فاروقی سے ملاقات ہوئی۔ اور دونوں میں محبت اور دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا۔ چنانچہ ان کی توجہ سے صرف گیارہ دن فوج کی نگرانی میں رہے۔ اور واپس کشمیر تشریف لائے۔ ۱۷؍ ذالحجہ سنہ ۱۰۷۰ھ میں رحلت فرمائی اور والد بزرگوار مزار میں دفن ہوئے۔

جو تھے کے فاتحہ پر عقیدتمندوں نے ان کے نام ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا۔ اور مسجد جامع میں لوگوں کو جمع ہونے کے لئے منادی کرائی گئی۔ کہتے ہیں کہ اتنا ہجوم ہوگیا کہ چار آدمی مر گئے۔

خواجہ حیدر منٹو معروف بہ چرخی

ان کا والد بزرگوار خواجہ فیروز خواجہ عبد الشہید احراری کا معتقد تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں مرشد بزرگوار سے کہا۔ کہ چار لڑکیوں کا باپ تو ہوں۔ لیکن بیٹے کی دولت سے محروم ہوں حضرت خواجہ نے دعا فرمائی اور تسلی دے کر ایک صالح بیٹے کی بشارت دی۔ خواجہ فیروز وطن کو واپس آئے۔ نو برس گذرنے پر خواجہ حیدر تولد ہوئے۔ سات برس کی عمر تھی اور عبادت اور ریاضت کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ مرتے دم تک کوئی سنت اور کوئی اچھا کام عبادت اور خدمت خلق کا کرنے کے بغیر نہ چھوڑا۔ پہلے حضرت بابا نصیب غازی سے ظاہری اور باطنی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ملا جوہر ناتھ کی خدمت میں دوڑے۔ پھر شیخ عبد الحق دہلوی سے علم و عمل کے سارے مرتبے حاصل کرکے اطمینان قلب پائے۔ قرآن خوانی میں کمال حاصل تھا۔ عرفان میں بے مثل تھے۔ حکام وقت کی منت کرنے پر بھی قاضی کے عہدے کو قبول نہ کیا۔ بلکہ اسی کے ڈر کے موجب شہر سے بھاگ گئے۔ بیٹوں کو بھی قاضی گری کرنے میں منع کیا۔ ۲۲ صفر سنہ ۱۰۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اور اسلاف کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

خواجہ مومن جہیل

خواجہ ابو القاسم جہیل کے بیٹے تھے۔ غازی تخلص کرتے تھے۔ موسیقی کے کامل استاد تھے۔ باپ چونکہ یوسف خان چک کا مصاحب تھا۔ اور امیروں میں ان کا شمار تھا۔ اسواسطے بچپن میں تعلیم و تربیت سے اچھا خاصا فائدہ اٹھایا۔ ان کا پہلا استاد ملا جوہر ناتھ تھا۔ جو مسلم الثبوت فاضل عالم تھے۔ پھر مولوی حیدر کے پاس زانوی تنا کردی تہ کرکے علوم ظاہری میں تکمیل حاصل کی۔ عشق الٰہی کی چنگاری جب دل میں پڑی۔ ترک دنیا کی۔ اور مرشد کی تلاش میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک پہنچے۔ مدینہ منورہ میں روضہ مطہر میں رجوع کرکے بیٹھے تھے۔ کہ آواز آگئی۔ اور حضرت رسالت مآب صلعم سے بشارت ملی۔ "تمہارا مرشد کشمیر میں ہے"۔ یہ خوشخبری پاکر نہایت جلدی کشمیر آئے۔ اور بابا سہہ ریشی

کی خدمت میں گئے۔ اور دو ہفتہ بعد انہوں نے کہا۔ اگرچہ تمہیں خوشخبری ملی ہے۔ لیکن میں نہیں ہوں۔ وہ ابوالفقرا بابا الضیب الدین غازی ہیں۔ خواجہ موسن ابوالفقرا کی خدمت میں گئے۔ انہوں نے تعلیم وتربیت شروع کی۔ اور زندگی کے دن انہیں کی خدمت گزار کر جاودانی سعادت حاصل کر کے بلند مرتبہ پر پہنچے۔ جب حضرت بابا نے رحلت فرمائی خواجہ موسن بغداد تشریف لے گئے۔ راستے میں اور شہر میں گمراہ خدا کے طالبوں کے رہنما اور مرشد ہوئے ان کے بھائی خواجہ عبدالخالق فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بغداد آ کر ان سے ملاقی ہوئے۔ جب خواجہ عبدالخالق نے کشمیر آنے کی تیاری کی۔ اور خواجہ موسن سے رخصت چاہی۔ انہوں نے فرمایا عبدالخالق میری رحلت کی تاریخ یاد رکھ "حفظ نماند" ۹۵۳ھ بھائی کے رخصت کے بعد وہیں وفات پائی۔ خداداد موزون طبیعت پائی تھی۔ فصیح شاعر شعر کہتے تھے نمونہ یہ ہے:

اے باد تر گر گزری در دلبرہ + از من خبرے ببر بہ آں دلبر بر
کشمیری و فارسی اگر گوش نکرد + ہندی سخن بگو کہ اوتر بیرادتر
عمر لیست درین رشتہ پریشان گشتیم + گفتم گران شویم ارزان گشتیم!!!!
در طالع ما کسادِ بازاری بود!!!!! + آئینہ فروش شہر کوران گشتیم

شمس الدین بنایک

حضرت بابا الضیب غازی کے خلیفوں میں سے تھے۔ بچپن ہی سے حضرت بابا کی نظر عنایت ان پر تھی۔ تھوڑے وقت میں ذاتی استعداد کی برکت سے کمال کے درجے پر پہنچے۔ ساگ اور کاسنی کے سوا اور کچھ نہیں کھاتے تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن خواجہ حبیب نوشہری کی ملاقات کو گئے۔ خواجہ میں شنوائی کچھ کم ہوئی تھی۔ انہوں نے سلام کیا۔ خواجہ نے سلام نہ سنا۔ انہوں نے اونچی آواز سے دوبارہ کیا۔ خواجہ کے یاروں کو یہ حرکت بری لگی۔ اور شمس الدین کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آئے۔ حضرت خواجہ نے اپنے ساتھیوں پر عتاب کیا۔ اور پوچھا "اے جوان کس کا مرید ہو"؟ بولے۔ میرا مرشد ابوالفقرا ہے۔ پھر پوچھا "کہاں رہتے ہو"؟ کہا۔ فلاں گاؤں میں۔ حضرت خواجہ نے سوال کیا "اس گاؤں میں انگور ہے"؟ جواب دیا نہیں۔ شراب ہے؟ نہیں۔ مست لوگ ہیں؟ نہیں۔ وہاں سب ہوشیار ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ یہاں آیا کرو۔ کہا میں ہشیار

ہوں۔ مستوں کے ساتھ میرا کیا کام ہے۔ یہ سُنکر خواجہ کھڑے اٹھے۔ اور رقص میں آ گئے۔ مجلس میں ایک عجیب حالت پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی گاؤں میں وعظ و نصیحت کرنے کے لئے گئے۔ لوگوں نے ان کے فرمانے پر عمل نہ کیا۔ یہ قہر میں آ گئے۔ اور چشمہ جو اس گاؤں میں تھا سوکھ گیا۔ جب لوگوں نے عاجزی کی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔ تو انہوں نے دعا فرمائی۔ چشمہ پھر اُبل پڑا۔

شیخ شمس الدین

حضرت ابو الفقرا بابا نصیب کی ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔ جوانی کے جوبن میں خداشناسی کے جذبے نے فانی دنیا سے بیزار کیا۔ ریاضت و عبادت اور مجاہدہ میں لگ کر کمال حاصل کیا حضرت بابا کے خلیفہ بن کر تبت گئے۔ اور تبلیغ اسلام کر کے لوگوں کے مرجع ہو گئے۔ شہود کے قائل تھے

شیخ داؤد گھنی

بابا نصیب کے نصیب والے مریدوں میں سے تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی میں عمر گزاری۔ شریعت کی پابندی کے لئے بہت کوشش کرتے تھے۔ گوہن کا مندر گرا کر اس گاؤں سے بت پرستی کا خاتمہ کیا۔ اور گاؤں کے زن و مرد۔ چھوٹے بڑے توحید پرست ہو گئے۔ اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

شیخ حاجی حسن

حضرت ابو الفقرا کے برگزیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ حضرت بابا کے امام (پیش نماز) تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی میں عمر بسر کی۔

مولوی یوسف

حضرت بابا نصیب کے خلیفے عالم فاضل اور صاحب تصانیف تھے۔ کشف و کرامات کے لئے مشہور تھے۔

بابا صالح

علاقہ اچھم کے گاؤں گواہ گوہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابو الفقرا کے مُریدوں میں برگزیدہ خلیفوں کا رتبہ پائے۔ بڑی مدت اسی گاؤں میں ایک گپھا میں تنہا نشین ہو کر قرآن کریم کی

کتابت سے روزی کھاتے تھے۔ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ کبھی کبھی انڈے استعمال کرتے تھے۔ ایک دن حضرت بابا نے فرمایا ہمارے یاروں میں سے کچھ دوست مرغوں کو پر بال کے سمیت کھا جاتے ہیں۔ اسی دن سے انڈے کھانے چھوڑ دئے۔ ایک دن داراہ شکوہ اسی علاقے میں شکار کو گیا تھا۔ اس کو ساتھیوں نے سنایا کہ گواگوہ میں ایک غار نشین فقیر ہے۔ وہ ان کی ملاقات کو غار میں آیا۔ بابا نے چنداں التفات نہ کی۔ شہزادہ نے ترکی زبان میں ساتھیوں سے کہا۔ کہ اس آدمی نے منہ چڑھایا ہے۔ اور کیف کیا ہے۔ بابا نے کہا۔ "حیف اس پر جو کیف کرے سینکڑوں حیف اس پر جو بے کیف ہوگا"! شہزادہ یہ سنکر نہایت خوش ہوا۔ اور اشرفیوں کی ایک تھالی بطور نذر پیش کی۔ بابا نے سخت اصرار پر اشرفیاں اٹھائیں اور خود لکھی ہوئی ایک حمائل شریف (چھوٹی تختی کا قرآن شریف) تھالی میں رکھدی۔ اور قرآن اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کا ہدیہ (قیمت) وصول کیا۔

شیخ صالح و شیخ درویش

دونوں حضرات ابوالفقراء کے مریدوں میں سے تھے۔ غازی- پرہیز گاری۔ اور ریاضت و عبادت میں صاحب تاثیر اور بے نظیر تھے

شیخ حسن لالو

علاقہ لار کے ایک گاؤں وسن کے باشندے تھے۔ لالوں کی مسجد میں امامت کرتے تھے لالوں کا قبیلہ معروف و مشہور تھا۔ کسی کام کے سلسلے میں ہندوستان گئے۔ واپسی پر راجوری کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ حضرت بابا نصیب غازی کی خدمت میں جا کر تربیت حاصل کی اور ایک اونچے مقام پر پہنچے۔ بہت مدت تک انہیں کی خدمت میں تنہا اور گوشہ نشین رہے۔ آخر پر شادی کی اور حضرت بابا آزردہ ہو گئے۔ شیخ نے شرم کے مارے ان کی ملازمت چھوڑ دی۔ اور لالوں کے محلہ میں ایک وقف زمین پر کوٹھڑی بنا کی۔ اور پھر امامت کرنے لگے۔ ریاضت اور توکل میں دن گزاری کرتے تھے۔ بڑھاپے میں ملا ابوالفتح کلو کے مدرسہ میں آکر شریعت کے مسئلے سیکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے لیکن ہنگامہ آرائی سے نفرت تھی۔ انتقال کے بعد حضرت مخدوم کے صحن میں دفن کئے گئے۔

خواجہ حسن تبل

بابا نصیب الدین غازی کے یاروں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں سے آراستہ و پیراستہ صاحب دل۔ صاحب توکل۔ خدا ترس و خدا شناس بزرگ تھے لمبی عمر پائی تھی۔ بوٹہ کدل کے آس پاس دفن کئے گئے ہیں۔

حاجی بہرام

بابا نصیب الدین غازی کے مرید تر کھانوں کے گھرانے سے تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے شب بیدار رہتے تھے۔ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اکیلے رہے۔ شادی نہ کی۔ خلوت نشین۔ گوشہ نشین پرہیزگار اور بڑے درجے کے متوکل تھے۔ کشف و کرامات اور اپنے حال کو چھپانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ نذر و نیاز اور ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔ ان کا بھائی ترکھان تھا۔ اسی کی کمائی سے افطار کرتے تھے۔ کھانے پینے میں حد درجہ کی احتیاط برتتے تھے۔ کم خوراکی۔ ریاضت اور محنت و مشقت سے پوست اور ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا تھا۔ پاؤں میں کھڑاؤں پہنتے تھے جس میں گھاس کی رسی تسموں کے بدلے لگی ہوتی تھی۔ وضو اور غسل کے لئے کبھی گرم پانی استعمال نہ کیا۔ حج کو پیدل گئے۔ خانۂ خدا اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کر کے پیدل واپس آئے۔ اور ایسے لمبے سفروں میں بھی کھڑاؤں پر ہی چلتے رہے۔ توکل اس درجہ کا تھا۔ کہ ایک دن حفظ اللہ خان صوبیدار نے پچیس روپے نذر کے طور پر پیش کئے۔ ہزاروں منت کرنے پر ایک روپیہ اٹھا لیا۔ مختصر یہ ہے کہ "ترک کل" کے مرتبہ کو پہنچے تھے۔ نوے برس کی عمر پا کر بقا کے گھر کو سدھارے اور علاقہ ادترمچھی پورہ کے گاؤں بیرپھٹہ میں دفن ہوئے تھے۔ لیکن کچھ دن بعد خود غرض عقیدت مندوں نے نعش کو وہاں سے نکال کر لوجہ پورہ میں پھر سپرد خاک کیا۔

شیخ یعقوب بانہی

بابا نصیب الدین غازی کے یاروں میں سے تھے۔ جوانی کے جوبن میں طبلہ بجاتے تھے۔ اور قصہ خوانی کرتے تھے۔ حضرت بابا کے پاس آئے۔ ڈھولکی بجائی کہانی سنائی۔ اور خاتمہ اس پیشہ کا کیا۔ ڈھولکی بجانے والے ہاتھ تسبیح (مالا) میں بند ہو گئے۔ کہانی سنانے والی زبان یادِ

میں مصروف ہو گئے مجاہدہ میں اس قسم کی سرتوڑ کوشش کی کہ جام معرفت کو لبالب کر کے پی گئے۔ اور سرمست الست ہو گئے۔ شیخ داؤد مشکوتی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ یعقوب کو کور کنڈی میں ایک جگہ بیٹھا ہوا دیکھا۔ حال پوچھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ دس دن سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ ایک دفعہ کہیں سفر کو جا رہے تھے۔ رات پیر پنچال پر لگ گئی۔ بادل چھا گئے اور برف برسنے لگی یہ سانس بند کر کے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اور ذکر کی گرمی سے نہ تو سردی کا اثر ہوا نہ برف ان کے بدن پر اور ارد گرد جمع ہو سکی۔ خوبصورت تھے اور خوبصورتوں پر فریفتہ ہو جاتے تھے۔ مالا گلے میں باندھ کر اور ٹوپی میں پر لگا کر رقص کرتے تھے۔ بابا اس حرکت پر ملامت کرتے تھے لیکن مانتے نہ تھے۔ علاقہ اسلام آباد کے گاؤں رڈونی میں دفن ہوئے۔

شیخ مومن و شیخ شریف

دونوں بھائی حضرت ابو الفقرا کے مرید تھے۔ دونوں مجرد ہوئے۔ دونوں تنہا نشین اور گوشہ نشین رہے۔ دونوں اعلےٰ پایہ کے صاحب توکل تھے۔ دونوں نے ترک حیوانات (گوشت نہ کھانا) کیا تھا۔ شریعت کے اتنے پابند تھے۔ کہ ایک دن شیخ مومن نے اس زمانے کے بڑے مفتی سے پوچھا۔ اگر لکڑی کے تختہ کے نیچے ناپاک بھوج پتر جلایا جائے۔ کیا اس تختے پر نماز جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کے دن دونوں بھائی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے شہر آیا کرتے تھے۔ دن کو روزہ دار اور رات کو شب بیدار رہتے تھے۔ آخر پر شیخ مومن نے شادی کی۔ اور شہر میں رہنے سہنے لگے۔ خدا نے نیک اور صالح اولاد عطا کی۔ اور شہر ہی میں وفات پائی۔ شیخ شریف شہر کے نزدیک ایک گاؤں برتھن میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

ایبہ بابا

اٹھتی جوانی میں حضرت ابو الفقرا کی خدمت میں حاضر ہو کر باطنی راستے کی رہنمائی حاصل کی حضرت بابا نصیب کے انتقال کے بعد ڈُنہ بابا سے جو بابا داؤد خاکی رح کے خلیفہ تھے۔ درجہ تکمیل پائے۔ عمر کو تنہائی اور خلوت نشینی میں گزارا۔ ریاضت۔ مجاہدہ اور پاکیزگی میں یکتا تھے۔ رینہ واری میں دفن ہیں۔ ۱۱۰۷ھ وفات تاریخ ہے۔

حاجہ بابا

ان کا اصلی نام عبدالرحمان تھا۔ حضرت ابا الفقراء کے خاص خلیفہ اور با اخلاص رفیق تھے۔ جو کام حضرت بابا کا ہوتا تھا۔ وہ ان کے ہی ذریعہ سرانجام پاتا۔ فقر اور فنا میں بلند درجہ کا شان رکھتے تھے حضرت بابا اکثر مریدوں کی تربیت ان کے سپرد کرتے تھے۔ مرشد نامدار کے انتقال کے بعد گاؤں گاؤں جاکر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ مسجدوں کو آباد کیا۔ جامع مسجد کے متصل راجوری کدل کے خانقاہ میں خلوت نشین ہوئے۔ دن کو روزہ دار اور رات کو شب بیدار رہتے تھے۔ علاقہ پھاگ کے گاؤں کنجہ نوبوگ میں چالیس[۴] برس مجرد رہ کر گذارے۔ آخر شادی کی۔ بیجبارہ میں وفات پائی۔ اور مرشد بزرگوار کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

شیخ ناصر بنگالی

حضرت بابا نصیب الدین غازی کے یاروں میں سے تھے۔ اگر پابند شریعت تھے۔ لیکن کبھی کبھی مجذوبوں کی سی (دیوانوں) حرکتیں کرتے تھے۔ جس کسی پر غصہ اور قہر کرتے تھے۔ اس پر اس کا اثر بہت جلد ظاہر ہوتا تھا۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر کچھ درویشوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر گاؤں گاؤں جاکر شریعت کی پابندی اور نیک کاموں کی پرچار کرتے تھے۔ شہر میں محلہ محلہ میں بیٹھتے اور ایک استاد ساتھ رکھ کر چھوٹے بچوں کو تعلیم دلواتے تھے۔ کتاب مشکوٰۃ المصابیح ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ زبان میں ہکلاپن تھا۔ توتلی سی باتیں کرتے تھے۔ گردن بہت چھوٹی تھی۔ بہت بڑی پگڑی باندھتے تھے۔ شیعوں کے ساتھ بحث ومباحثہ اور جھگڑے کرتے تھے۔ اگر شہریوں میں کوئی بدسلوکی کرتا۔ تو دوڑ کر حضرت محبوب العالمؒ کی قبر پر جاکر تربت شریف پر ضربیں مار مار کر پکارتے تھے۔ کیوں سوئے ہو؟ فلانی نے ہمارے ساتھ ایسا اور ویسا کیا۔ اس کو سزا فرمائے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ آدمی کسی نہ کسی غیبی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ ان کی کرامتیں شہر میں مشہور تھیں ۲ صفر سنہ ۸۹ھ میں رحلت فرمائی۔ نندہ پورہ میں ان نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ ان کا بیٹا عالم بابا نہایت نیک وصالح بزرگ تھا۔ شیعوں کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا۔ باپ کی طرح شریعت اور مذہب کو فروغ دینے میں کوشاں رہتا تھا۔ شیخ ناصر کے مریدوں میں شمس دیدی نام ایک عورت صاحب حال وقال اور صفا تھی۔ ساری عمر کو اس نے کسی کو منہ نہیں دکھایا ہے

ملک جہانگیر

علاقہ آدون کے رئیسوں میں مشہور تھے۔ شیخ حسن لالو نے حضرت بابا نصیب الدین غازی سے تعارف کر دیا۔ اور داخل طریقہ ہو گئے۔ بہت مدت تک اسی مسلک پر چلتے رہے۔ پھر خواجہ عبدالرزاق نقشبندی کی (جو شاہجہاں کے امیروں میں سے ہوتے ہوئے صاحب برہان اور عرفان تھے) خدمت میں جا کر تکمیل معرفت کر کے ارشاد کے رتبہ کو حاصل کیا۔ اس کے بعد باقی عمر کو کسی سے [illegible] نہ کرتے تھے۔ تیز مزاج تھے۔ تنہائی۔ خلوت نشینی۔ توکل اور پرہیزگاری میں بسر کی۔ جب اس دنیا سے چل بسے۔ مزار گنج بخش میں دفن کئے گئے۔

بابا مظفر

حضرت بابا نصیب الدین غازی کے خاص اور منظور نظر مریدوں میں سے تھے۔ ریاضت و عبادت مجاہدہ اور مشاہدہ میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ مگر عمر غار نشین تنہائی پسند تھے۔ روایت ہے کہ حضرت بابا مظفر ایک دفعہ کچھ مدت کے لئے علاقہ اولر کے گاؤں میں خلوت نشین ہو گئے تھے۔ اور کچھ بد خصلت اور شریر لوگ ان کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ بابا گاؤں سے بھاگ کر جنگل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ دن گذرنے پر اسی گاؤں کا ایک آدمی اچانک اسی جگہ پر پہنچ گیا۔ اور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ رخصت کے وقت بابا نے فرمایا۔ تمہارے گاؤں کے جن لوگوں نے مجھے ستایا ہے۔ آج رات ان کو سزا ملے گی۔ یہ آدمی گاؤں آیا۔ اور لوگوں کو واقعہ سنایا۔ اسی رات دس آدمی ایذا دینے والوں میں سے نیند میں مر گئے۔ دوسرے دن گاؤں کے چھوٹے بڑے اُن کو لانے کے لئے جنگل دوڑے اور عذر خواہی کر کے معافی حاصل کی۔ اور انہیں گاؤں میں منت سماجت کر کے پھر لے آئے۔

شیخ حسینؒ

حضرت بابا نصیب الدین غازی کے چُنے ہوئے خلیفوں میں سے تھے۔ ساری عمر ریاضت اور مجاہدہ میں بسر کی۔ صاحب حال و قال۔ کرامات اور مشاہدہ تھے۔ ایک دن کچھ مسافر ایک بیمار کو ساتھ لا کر ان کے گھر پہنچے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر تمہاری جماعت میں سے کسی کو مرنا ہے۔ تو وہ

ہمارے گھر میں مرے مسافر رات کو وہاں ٹھہرے۔ ایک آدمی جو ہٹا کٹا تھا اچانک مر گیا۔ حضرت شیخ آسمز عمر کو ہندوستان گئے۔ اور بیجا پورہ پہنچکر اس دنیا سے کوچ کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات:۔ ۱۱۰۸ھ

چون ز دنیا شد حسین و ہاتفی گفت آشکارا　　سال تاریخ وصالش بلبلِ باغِ طلب

شیخ حیدر

حضرت بابا نصیب کے مُرید تھے۔ شریف و پاکباز۔ صاحب مجاہدہ و ریاضت و عبادت مرد کامل تھے۔ ایک دن دیوہ سر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جماعت سامنے آئی۔ انہوں نے ان کو ایک کاغذ دکھایا اور ان سے فاتحہ پڑھائی۔ بابا نے کہا۔ وہاں ایک مُرید ہے۔ اس کی حفاظت کی جائے۔ انہوں نے کہا اس کو حکم دیں کہ ہمارے لئے روٹی اور دہی طاقی دن گھر کی چھت پر رکھے۔ حضرت بابا نے مُرید کو بلوا کر۔ اور اس کو سُنا کر جماعت کے کہے پر عمل کرنے کے لئے کہا۔ مقررہ دن آیا۔ اور اس نے ان کے فرمانے کے مُطابق عمل کیا۔ رات کو آگ لگ گئی۔ سب جل گئے۔ مگر اس کا گھر بچ گیا۔ جب دیکھا گیا۔ تھال میں روٹیاں اور دہی ختم ہو گیا تھا۔ رحلت پر گنڈ ابراہیم علاقہ شادرہ میں دفن ہوئے۔ سال وفات ۱۰۱۲ھ ہے:۔

بہر سالِ وصلِ حیدر ہاتفی!　　مرشد اہل عبادت بودہ گفت

شیخ اسمٰعیل

حضرت بابا کے مُریدوں میں سے تھے۔ پرہیزگار اور خدا ترس بزرگ تھے۔ گنڈ ابراہیم میں دفن ہیں۔

شیخ داود مُشکوتی

فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ طب اور علم سیکھے اور شیعوں میں خواجہ حیدر چرخی کے شاگرد تھے۔ مشکوٰۃ شریف کی ساری حدیثیں زبانی یاد تھیں اس لئے اُستاد کی طرف سے "مشکوتی" لقب پایا۔ فارغ التحصیل ہونے پر خدا پرستی کے شوق نے حضرت بابا نصیب الدین غازی کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت بابا نے باطنی تعلیم و تربیت فرمائی۔ سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرنے میں وہ مسرود اور وہ اطمینان پائے۔ کہ نہ تو انہوں نے مُرشد کو چھوڑا اور نہ انہوں نے ان کی

دوری برداشت کی۔ گھر میں اور سفر میں حضرت بابا کے رفیق رہے۔ ان کے کمالات بیان اور تحریر کے احاطے سے باہر ہیں۔ خواجہ خاوند محمود اور مُلا شاہ سے دوستی تھی۔ صاحب قلم تھے۔ اولیائے کشمیر کے حالات پر کتاب "اسرار الابرار" ایک تاریخی یادگار ہے۔ "منطق الطیر" کے مقابلے میں "اسرار الاشجار" لکھی۔ ان کے علاوہ ان کی اور بھی تصنیفات ہیں۔ وقت کے مانے ہوئے لاثانی مرد کامل تھے۔ ۹۷ برس کی عمر پاکر ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۷ھ میں وفات پائی۔ عیدگاہ کے متصل گندر پورہ میں ان کا مقبرہ ہے۔

بابا عبداللہ گرزیالی

بابا لطیف الدین غازی کے برگزیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ حضرت بابا کے انتقال کے بعد حاجی بابا سے تربیت پاکر کمال کے درجے کو پہنچے۔ شراب وحدت سے مست اور "شہود" کے سمندر میں غرق تھے۔ جس کے موجب ان کو "مستانہ" کہتے تھے۔ اگر کسی کی زبان سے خدا کا نام (اللہ) سنتے تھے۔ تو نہایت جوش وخروش سے "حیّ اللہ" ان کی زبان سے نکلتا اور آنے والی نماز کے وقت تک بے ہوشی کے عالم میں رہتے تھے۔ مستی کے عالم میں ہونے کے باوجود فرضوں کی تو بات ہی نہیں کسی سنت اور مستحب کام کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ نیک کام کرنے اور بُرے کام چھوڑنے پر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ بہت سے خوش قسمت ان کے ہاتھ سے مسلمان ہو گئے۔ گاؤں کے بے خبر اور ان پڑھ لوگوں کو سمجھانے کے لئے زیادہ وقت دیہات میں گذارتے تھے۔ تین چار سو آدمی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ لوگ دعوتیں کرتے اور ان کی باتوں کو دل وجان سے دھیان دیکر سُنتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بہت سے گاؤں میں مسجدیں، حمام غسل خانے۔ بیت الخلا (ٹٹی۔ پاخانہ) اور باغات بنائے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بے اولاد مرید نے ان کی خدمت میں آکر پچاس رُوپے نذر کے طور پر پیش کئے اور اولاد کے لئے التماس کی حضرت نے دعا کی۔ کچھ دِنوں کے بعد ہی حضرت علاقہ لاہور تشریف لے گئے۔ اور بارہ برس تک اسی علاقہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ مسجدیں۔ حمام اور پل تعمیر کرائے نوشہ بال کی سڑک پر مسافر خانے بنوائے۔ اس علاقے سے واپسی پر اس مرید کے گھر پہنچے۔ خوبصورت اور شایستہ بارہ لڑکے ان کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ حضرت بولے:

درفزوں باد امتانِ رسول (رسول اللہ صلعم کی امت میں اور زیادتی ہو) بیٹوں کے باپ نے عرض کی حضرت یہاں زمین کی گنجائش نہیں ۔ اتنے ہی کافی ہیں۔ حضرت نے پھر دعا کی اس کی عورت بانجھ ہو گئی۔ علاقہ لولاب میں میٹھی گری والی خوبانیوں کا ایک باغ بنوایا تھا۔ حضرت بارہ برس علاقہ لار میں رہے۔ اس عرصے میں ظالم لوگ زبردستی سے باغ کی گریاں لیتے رہے۔ واپسی پر باغ کی حقیقت لوگوں نے سنائی۔ انہوں نے دعا کی آج سے گری کے بغیر خوبانیاں نکلا کریں۔ اس وقت سے اس باغ کی خوبانیاں گری کے بغیر ہوتی ہیں۔ میں (حسن) ایک دفعہ خوبانیاں پکنے کے موسم میں سیاحت کے طور پر کھمبربال پہنچا۔ باغ میں اب صرف دو درخت موجود تھے۔ میں نے کچھ دانے خوبانیوں کے کھائے جو حد درجہ میٹھے تھے۔ لیکن گری کے بغیر۔ حضرت بابا نے سنہ ۱۱۱۷ھ میں اس دنیا کو الوداع کہی۔ اُوتر کے علاقہ کے ایک گاؤں گرزیال میں ان کی نعش کو سپردِ خاک کیا گیا۔

خواجہ علی الماس

بابا الضبیب کے مُرید تھے۔ پرہیزگار۔ خداترس اور خدا کے خاصوں میں سے تھے۔ موضع وُسن علاقہ بانگل میں دفن ہیں۔

خواجہ بابا لاری

حضرت ابوالفقرا کے مُرید صاحب کشف و کرامات صاحب حال و قال عالم باعمل اور سالک خدا رسیدہ تھے۔ حضرت بابا کی تصانیف کی تصحیح اور نظر ثانی کرتے تھے۔ آخر عمر میں لار کے ایک گاؤں وندہ ہامہ میں شادی کی۔ اور باقی عمر کے دنوں کو وہیں خلوت نشینی میں بسر کر کے اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔ ان کا فرزند بابا صالح بڑے درجے کا پرہیزگار اور خداترس تھا۔ والد بزرگوار کے مقبرہ سے کچھ اوپر پہاڑ کے ڈھلوان پر دفن ہیں۔

بابا یوسف

حضرت ابوالفقرا کے مُرید صاحب ریاضت۔ عبادت۔ پرہیزگار اور خداترس اور صاحب صفا بزرگ تھے۔ کوٹہار کے علاقہ کے گاؤں نیلوونی میں دفن ہیں۔

شیخ حیدر

بابا نصیب کے خلیفوں میں سے تھے۔ علم و عمل دونوں میں خوش نصیب تھے۔ پرگنہ اولر کے گاؤں گیرد میں وفات پائی اور وہیں آرام پائے ہوئے ہیں۔

شیخ دولت

ابوالفقرا کے ذوق اور شوق والے مرید تھے۔ تنہائی اور خلوت نشینی میں عمر گزاری۔ بتیس برس کے قریب مرشد کے پاس رہے۔ ان کے انتقال کے بعد حج کو روانہ ہو گئے۔ اور راستے میں وفات پائی۔

شیخ یوسف ثانی

عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ حضرت ابوالفقرا سے علم باطنی کی تعلیم و تربیت پا کر زندگی کو یاد الٰہی۔ پرہیزگاری۔ خداترسی۔ اور ریاضت و عبادت میں گزارے۔ پرگنہ جمل کے گاؤں ڈنگ وڑہ میں مدفون ہیں۔

شیخ موسیٰ

حضرت بابا کے صاف دل اور روشن ضمیر مریدوں میں سے تھے۔ ایشہ براری کے گاؤں میں ان کی نعش سپرد خاک ہوئی ہے۔

شیخ طاہر

حضرت بابا سے علم باطنی کا فیض حاصل کر کے لار کے علاقے میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور وہیں ان کا انجام بخیر ہوا۔ وہیں دفن ہیں۔

شیخ بابا حاجی

حضرت بابا کے مریدوں میں جوش عشق الٰہی اور صاف دلی کے لئے مشہور تھے۔ لار کے گاؤں گوری پورہ میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

بابا صادق

حضرت ابوالفقرا کے خلیفوں میں سے تھے۔ فقر۔ ریاضت اور خوف خدا رکھنے میں بے بدل تھے۔ نیرہ پورہ

میں مدفون ہیں۔

بابا عثمان

حضرت ابوالفقرا کے تربیت پائے ہوئے ریاضت کش اور حد درجہ احتیاط رکھنے والے مرید تھے لوہہٹہ میں دفن ہیں۔

شیخ یعقوب

حضرت بابا کے مخلص معتقدوں میں سے تھے۔ ریاضت و عبادت میں فرد یکتا تھے۔ کامراج کے علاقے میں وفات پائے۔

بابا بدر الدین

حضرت بابا کے ریاضت کش۔ احتیاط والے۔ ہمیشہ روزہ دار اور شب بیدار مرید تھے۔ ساری عمر قصبہ لار کے پہاڑ میں گوشہ نشینی اور تنہا نشینی میں بسر کی۔ وہیں وفات پاکر دفن ہوئے۔

• — : • ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ • : —

ان کے علاوہ حضرت بابا کے خلیفے بہت ہیں۔ جن میں سے دو بھائی علی خان و کریم خان بے نظیر متقی تھے۔ شیخ ناصر و شیخ اسماعیل روشن ضمیر تھے۔ حافظ رشید و حافظ شمس علم قرأت کے عالم اور تنہائی و گوشہ نشینی میں صاحب کمال تھے۔ حاجی محمد اور ملا حسن چنے ہوئے صاحب حال تھے۔ ان بزرگوں نے اعمال صالحہ میں پیاری عمریں بسر کیں اور سپرد خاک ہوئے۔
ملک جہانگیر ریبنہ۔ ملک کنز ریبنہ اور جوگی ریبنہ۔ تین بھائی حضرت محبوب العالمؒ کے خاندان سے اور حضرت ابوالفقرا کے مریدوں میں بڑے درجے کے عالم۔ زاہد۔ پرہیزگار۔ ریاضت کش۔ تنہا نشین گوشہ نشین۔ تارک الدنیا حضرات گذرے ہیں۔ کھوہامہ کے پہاڑوں میں عمریں گزار کر اسی علاقہ میں وفات پائے۔ ملک جہانگیر ریبنہ شدرہ کوٹ میں۔ کنز ریبنہ بانڈی پورہ میں۔ اور جوگی ریبنہ آرن میں دفن ہیں۔ ان کے بزرگ رئیسوں میں سے تھے۔ اسی لئے ان کو "ملک" کے خطاب سے پکارتے تھے۔

بابا شمس الدین

حضرت ابوالفقرا کے حقیقی بھائی اور بابا اسحاق نزدری کے مرید تھے۔ خدا ترسی اور پرہیزگاری میں لاثانی تھے۔ آخر پر اپنے نامور بھائی سے ارشاد کی اجازت حاصل

کر کے ان کے وفات پر ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ اپنے بھائی کے مزار میں دفن ہیں۔

محمد امین صوفی

بچپن ہی میں حضرت ابوالفقرا کی صحبت میں رہ کر کفش برداری (جوتیوں کی حفاظت) کرتے تھے۔ اور سلوک اور سالکوں کے ادب سیکھ کر خلوص کے نور سے ان کا دل چمک اٹھا۔ جب بالغ ہونے لگے۔ تو حضرت بابا اس دنیا سے نقل فرما گئے۔ محمد امین نے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے اپنے آپ کو وظیفوں اور عبادتوں میں لگایا۔ دل کی صفائی حاصل کر کے بہت سے خدا رسیدہ بزرگوں کے ساتھ دوستی لگائی اور مقبول بارگاہ خداوندی ہو کر خلق خدا کی رہنمائی اور فائدہ رسانی میں مشغول ہوگئے۔ ایک مدت کے لئے کلوؤں کے گھر میں رہے۔ اور کچھ مدت گانکھن میں گزاری جب لوگوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہوگئی۔ تو جامع مسجد کے متصل آ کر رہنے لگے اور وہیں نکاح کیا۔ پھر مرشد نامدار کی متابعت میں دیہات کے لوگوں کو راہ حق دکھانے کے لئے گھر سے نکلے۔ لوگوں کو توبہ کراتے۔ بیعت دیتے مسجدیں تعمیر کراتے گاؤں گاؤں پھرے۔ بے شمار لوگ ان کے عقیدت مند ہو گئے۔ آخر پر دوسری شادی کی اور بیٹے بیٹوں والے ہوئے۔ پانچ وقت نماز ملک شمسی چک کی خانقاہ میں جو حضرت محبوب العالم کی عبادت گاہ تھی ادا کرتے تھے۔ اسماء الٰہی کی دعوت میں کمال رکھتے تھے۔ استخارہ کا درست جواب دیتے تھے۔ ان کے عملوں میں ہر قسم کا اثر تھا۔ جب حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی یہاں تشریف لائے۔ محمد امین نے ان سے بیعت لے کر خط ارشاد حاصل کیا۔ لوگوں کی فائدہ رسانی میں حد درجہ کی کوشش کی۔ اور صالح دوست بوڈی بابو۔ حافظ داؤد۔ خورم حافظ وغیرہ جیسے حاصل کئے۔ جب موت کے پیالہ کو نوش کیا۔ ملہ کھاہ میں کلوؤں کے مزار میں آرام کی نیند سو گئے۔

میاں حسین چشتی

کوتوالوں کے فرقے میں سے تھے۔ کچھ مدت حضرت بابا نصیب الدین غازی کی خدمت میں رہ کر خدا طلبی کے راستے کو تلاش کرتے رہے۔ راستہ نہ ملا۔ دروازہ نہ کھلا۔ مرشد بزرگوار نے ہندوستان کے سفر کا فرمان دیا۔ اور روانہ ہوگئے۔ شاہ تمکین چشتی کی خدمت میں پہنچکر دل کی تمنا اور آرزو پوری ہوئی۔ باطنی کمالات حاصل کر کے خلافت کا مرتبہ پایا۔ کشمیر واپس

آ کر نو مہینے گزرنے پر ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام یحیٰی رکھا گیا۔ بالغ ہونے پر بچہ نے والد بزرگوار سے چشتی طریقہ کو اپنایا۔ اور میاں یحیٰی چشتی نے اس ملک میں چشتی طریقہ کے چراغ کو روشن کر کے ابدی سعادت کے سرمایہ کو جمع کیا۔

فیروز شاہ

حضرت ابوالفقرا کے مرید تھے۔ مستی اور مدہوشی غالب ہونے کے باوجود حد درجہ کے خدا ترس اور پرہیزگار تھے۔ ان کے حالات اور کمالات اتنے ہیں۔ کہ لکھے نہیں جا سکتے۔ بیجبارہ میں دفن ہیں۔

مولوی لمنک

حضرت ابوالفقرا کے تربیت یافتوں میں سے تھے۔ ساری عمر عبادت و ریاضت میں بسر کی ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ اور پیراستہ تھے۔ صاحب مجاہدہ اور شاہدہ تھے۔ بیجبارہ میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

ملہ بابا

حضرت ابوالفقرا کے برگزیدہ اور چنے ہوئے خلیفوں میں سے تھے۔ بڑے جوش و شور والے فقیر تھے۔

اگر شاہ

بابا لفیب کے مرید تھے۔ مستی اور شراب معرفت کے نشہ میں سرشار رہتے تھے۔ ان کے حالات اور مقامات اتنے زیادہ ہیں۔ کہ ان کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ کامراج کے علاقے میں واصل بخدا ہوئے

مخدوم شیخ محمد اور مخدوم عبد الصمد

حاجی موسیٰ کے بیٹے تھے۔ سارے علموں میں دسترس رکھتے تھے۔ خوش خلق اور اچھے صفتوں والے تھے۔ شیخ محمد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس واسطے ان کو شیخ مکی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے والد بزرگوار سے روحانی تربیت پا کر سلوک کے منزلوں کو طے کیا۔ دونوں رہنمائی اور حاجت روائی میں مشغول تھے۔ باپ کے مزار میں دونوں دفن ہیں۔

مخدوم شیخ حامد اور مخدوم عبد الرشید

دونوں شیخ عباس کے فضیلت والے اور صاحب کمال بیٹے تھے۔ مخدوم شیخ عبدالرشید ایک مدت کے لئے مسجد جامع سری نگر کے خطیب تھے۔ ایک دن استسقا (باران طلبی) کی نماز کے لئے نکلے قصیدہ بُردہ اس رقت سے پڑھا کہ کئی آدمی بیہوش ہو گئے۔ اور جب انہوں نے سر پر سے چادر ہٹا کر آسمان کی طرف نظر ڈالی۔ تو ان کی آنکھوں سے آنسوں کی دھاریں بہنے لگیں۔ منٹوں میں بادل چھا گئے۔ اور موسلادھار بارش اس زور کی ہوئی کہ لوگ مشکل سے گھروں کو پہنچے۔ دونوں بزرگ حد درجہ کے صالح اور خدا کے نیک بندے تھے۔ دونوں اپنے بزرگوں کے مزار میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

مخدوم شیخ محمد معصوم اور مخدوم حسین

شیخ عبدالواحد کے بیٹے ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ریاضت و عبادت میں جفاکش اور جانباز تھے۔ مخدوم حسین نے ملکوں کی سیر و سیاحت میں وقت کے نامور خدا دوستوں اور مشائخوں سے ملاقات کی۔ کشف و کرامات والے تھے۔ ان کے حالات عجیب اور غریب ہیں۔ صاحب دل اور روشن ضمیر تھے۔

شیخ احمد زاہد عرف گول

حضرت خواجہ رفیق اشائی کے پاک ذات جوانی اور ارشد والے مرید ظاہری اور باطنی کمالات والے تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور حال و قال تھے۔ ایک دن ایک آدمی ان کے پاس کدو لے کر آیا۔ جونہی وہ دروازہ سے اندر آیا۔ شیخ احمد نے فرمایا آج کل خربوزہ تم کو کہاں سے ہے۔ اس نے عرض کی۔ حضرت کدو ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ اس سے خربوزہ کی بو آتی ہے ادھر لاؤ۔ انہوں نے چاقوں سے قاشیں بنا کر حاضروں میں بانٹ دیں۔ سب حیران ہو کر بولے یہ خربوزہ تھا۔ مختصر یہ ہے کہ جناب مجاہدہ۔ مشاہدہ۔ ریاضت اور عبادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اشوال ۹۹۷ھ میں رحلت فرمائی۔ حضرات رفیقی کے فرقے کے جدیہی شیخ احمد زاہد ہیں۔ تاریخ وفات۔ ذوالکرام ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ سید علی۔

باباداؤد مشکوتی۔ ہادی۔ خواجہ اعظم دیدہ مری۔ شایق اور نافع جیسے محقق تاریخ نویسوں نے خواجہ طاہر رفیقی کواشائی خاندان سے لکھا ہے۔ اور یہ خاندان کچھ پشتوں سے کشمیر کے بڑے خاندانوں میں گنا جاتا ہے اور خواجہ احمد زاہد کو کول خاندان سے نسبت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے رفیقی حضرات کا جد اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک غلطی ہے۔ اور خواجہ احمد زاہد غلطی سے کول خاندان سے منسوب کئے گئے ہیں۔ علاوہ اسکے رفیقی خاندان کے حضرات میں سے ۱۳۰۰ھ تک کسی نے سید ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں خواجہ بدرالدین نام کانگہ میں رہنے والے ایک آدمی نے جو رفیقی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور ایک بہت بڑا عالم تھا اپنے آباء واجداد کے سیدوں میں سے ہونے کے ثبوت کا دو رسالے ایک عربی اور دوسرا فارسی میں لکھے اور اپنے نسب نامہ کو حضرت شاہ نقشبند مشکلکشا سے ملایا۔ مگر:۔

بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست ۔ آئینہ جو تیرہ گردد لایق دیدار نیست

شیخ محمد شریف

حضرت خواجہ رفیق اشائی کے خاص خلیفے اور پوتے شیخ احمد زاہد کے بیٹے۔ عالم باعمل۔ فاضل کامل۔ عبادات ریاضات۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں بے مثل تھے۔ سید میرک خان فرزند سید میرخان کی بیٹی (جو واسوارہ میں دفن ہیں۔) نکاح میں تھی۔ حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد اکاون برس سجادہ نشین رہ کر طالبان راہ خدا کے رہنما اور حاجت مندوں کے حاجت روا رہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن بیجبارہ میں ایک سفیدہ کے درخت کے نیچے مخلصوں اور محبوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک شخص ایک سیب لے کر آیا۔ اور سیب ان کو دے دیا۔ حضرت شیخ نے سیب سفیدہ کے درخت پر مارا۔ سفیدہ کا درخت سیبوں سے بھر گیا۔ اور جتنے لوگ بیٹھے تھے۔ سبھوں نے سیب کھائے۔ بیجبارہ میں ایک درخت تھا۔ لوگ اس کو متبرک مانتے تھے۔ ہندو اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس بدعت کو ہٹانے کے لئے حضرت شیخ نے اسکے کاٹنے کا حکم دیا۔ کسی نے جرأت نہ کی۔ آخر مقدم زادہ نے ہمت کی۔ اور درخت کاٹنے لگا۔ جب درخت گرنے لگا مقدم زادہ اس کے نیچے آکر مر گیا۔ لوگوں نے اس کو درخت کے نیچے سے نکالا۔ حضرت شیخ آگئے اور تھوڑا سا پانی اس پر چھڑک دیا۔ مقدم زادہ نے آنکھیں کھولیں اور اُٹھکر بیٹھ گیا۔ گویا کہ اس کو کوئی چوٹ ہی نہیں لگی تھی۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ کو رحلت فرمائی۔ خواجہ کے مزار میں دفن ہیں۔ تاریخ وفات:۔ شیخ کا ملان ہے۔ (آج ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۰ھ ہے اور میں نے ان کا حال لکھا۔ مترجم)۔

شیخ موسیٰ زہگیر

زین الدین زہگیر کے بیٹے اور حضرت خواجہ رفیق کے خاص خلیفہ تھے پہلے خدا کی توفیق سے حضرت شیخ یعقوب صرفی کے دامن کو پکڑ کر سلوک کے مرحلے طے کئے۔ پھر خواجہ رفیق کے پاس آ کر ارشاد کی سند حاصل کر کے وقت کے مرشد اور پیر رہبر ہوئے۔ اپنی گران قدر عمر کو لوگوں کی بہبودی اور بہتری میں بسر کی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کھنہ بل میں ان کے ایک خادم کو گاؤں والوں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی۔ اور گاؤں والے حضرت شیخ پر حملہ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ حضرت شیخ کو بھی تردد ہوا اور کاغذ کی پرچیوں پر کچھ لکھکر داباں اور باباں کی طرفوں میں ڈال دیا۔ اسی وقت ایک فوج نمودار ہوئی اور حضرت شیخ اور اسکی یاروں کو بیچ میں رکھکر اسلام آباد تک ان کے ساتھ گئے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ حضرت بابا نصیب الدین کی ملاقات کو بیجبارہ گئے۔ اور حضرت بابا کی کوٹھڑی میں ایک دیوانہ عورت کو دیکھا انہوں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اس کو دروازے سے باہر نکالدیا۔ عورت سے اسی وقت دیوانگی دور ہو گئی۔ ۲۷ ذالحجہ سنہ ۱۰۱۶ھ کو انتقال فرمایا۔ محلہ قطب الدین پورہ میں دفنائے گئے۔ تاریخ وفات:۔ شیخ موسیٰ۔

خواجہ میر علی اسلام آبادی

بڑے عالم فاضل تھے۔ علم باطنی کا استفادہ خواجہ رفیق سے کیا۔ اور بلند درجہ پر پہنچ گئے۔ صاحب کشف کرامات تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کسان لڑکے کو جن ٹکر گیا۔ اور گردن ٹیڑھی ہو کر اس کا منہ پیٹھ کی طرف ہو گیا۔ لڑکے کو ان کی خدمت میں لایا گیا۔ انہوں نے منہ پر ایک تھپڑ لگایا۔ اور اس کا سر ٹھیک کر دیا۔ اکثر یاد خدا میں اتنا محو ہوتے تھے۔ کہ اپنے آپ اور دنیا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ اور حالت استغراق ان پر طاری ہو گی لوٹیل کے قریب گھوڑا اصلی مقام سے آگے چلتا گیا۔ وہاں سے گھوڑا خود بخود مڑ کر گھر واپس آیا۔ اور ان کو آنے اور جانے کی خبر نہ تھی۔ ایک دفعہ ایک مرید ایک گھوڑا ہدیہ کے طور پر لے کر آیا اور عرض کی میں نے گھوڑا نذر لایا ہے۔ کہاں رکھوں۔ فرمایا۔ طاقچہ پر رکھدو۔ مرید بولا۔ گھوڑے کو کسطرح طاقچہ پر رکھوں۔ فرمایا۔ مجھے تنگ نہ کرو۔ جہاں مناسب ہے رکھو۔ ۶ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۱ھ کو اسلام آباد میں وفات پائی۔ تاریخ وفات:۔ "خواجہ میر علی ولی" ہے۔

-:~~~~~~~:-

مولانا شمس الدین گنائی

حضرت شیخ یعقوب صرفی کے چچیرے بھائیوں میں سے حضرت خواجہ رفیق کے بااخلاص مرید تھے۔ کشف و کرامت میں۔ علم و عمل میں۔ صفائی ظاہر اور باطن میں۔ رہبری۔ رہنمائی۔ اور لوگوں کی دستگیری کرنے میں بے بدل بزرگ تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک شیعہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر امتحان کرنے کے لئے ان کے پاس آیا اور دعا کی التماس کی۔ انہوں نے فرمایا "الممتحن ملعون" (امتحان کرنے والا لعنتی ہے۔) کسی طبیب کے پاس جاکر علاج کراؤ۔ اس نے ہٹ کی۔ انہوں نے فرمایا "تمہاری جوتی تمہارے سر پر" اور یہ شعر (اذا مقلتی رمدت ÷ فکحلی تراب مس لعلی رابی تراب) پڑھ کر دم کیا۔ اسی وقت اس کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ مولانا ۲۰ محرم سنہ ۱۰۵۰ھ کو دنیا سے کوچ کرگئے اور ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

مولانا حسن لنکر

خواجہ رفیق کے چنے ہوئے خلیفوں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں نہایت اچھی مہارت رکھتے تھے۔ ریاضت اور عبادت میں بے نظیر تھے۔

خواجہ نورالدین اشائی

خواجہ رفیق کے بھتیجوں میں بڑے دولت مند تاجر تھے۔ کشش الٰہی سے خواجہ رفیق اشائی کے دامن کو پکڑ لیا۔ اور سلوک کے منزل قطع کئے اُن کی خانقاہ کے خادموں کی خدمت دل و جان سے کرتے تھے۔ پارۂ عمہ کی نہایت خوب تفسیر لکھی ہے۔ ۱۱ شوال سنہ ۱۰۱۱ھ کو رحلت فرمائی۔ رینہ واری میں دفن ہوئے۔ "صاحب فضل" تاریخ ہے۔

شیخ محمد یوسف کانٹھ

حضرت خواجہ رفیق کے خلیفوں میں علم و عمل اور فضیلت میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ "جن" لقب تھا۔ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ایک دن ترال میں مرشد بزرگوار کے ساتھ کھانا اکٹھے کھا رہے تھے۔ صاحب دعوت نے مچھلیاں پکائی تھیں۔ جب ان کی نظر ان پر پڑی مچھلیاں زندہ ہوگئیں

حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اے جن مجھے اسرار دکھاتے ہو۔ اب تمہارا نام جن رکھتے ہیں۔ اور جن (بھوت پریت) تمہارے مرید ہوں گے۔ اور بارہ سو بھوت ان کے مرید ہو گئے۔ علاقہ اڈلر کے مُدرگاوں میں دفن ہیں۔

خواجہ مُوسیٰ مانٹجو

پہلے خواجہ یوسف جن کے پاس ... خدا طلبی میں رہنمائی کے لیے گئے۔ اور ان کی بیٹی نکاح خوانی کر کے شادی ہونے سے قبل ہی چھوڑ دی۔ پھر خواجہ رفیق کی خدمت میں جاکر سلوک کے مرحلے طے کئے۔ عمر بھر مجرد رہے۔ ریاضت اور عبادت میں زندگی کے دن بسر کر کے علاقہ کوٹھار کے گاوں لوگام میں وفات پائی۔ وہیں ان کی قبر شریف ہے۔

خواجہ زین الدین معروف بہ زینہ ولی

حضرت خواجہ کے رفیق کے خاص مرید اور مخلص خدمت گذار تھے۔ ساری عمر کو جناب کے لنگر کی خدمت کرتے رہے۔ پرہیزگاری۔ خداترسی اور دل کی صفائی میں لاثانی تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک سال ۲۹ صیام کو مطلع ابر آلود تھا۔ لوگ حضرت خواجہ کے پاس عید کے بارے میں پوچھنے کیلئے گئے۔ کل عید منائیں گے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ زین ولی کو نیا چاند دیکھنے میں کمال ہے۔ اس سے پوچھو۔ لوگ اس کے پاس گئے۔ انہوں نے ایک لاٹھی ہاتھ میں لے کر آسمان کی طرف گھمائی۔ چاند کی جگہ سے بادل ہٹ گئے۔ اور ہلال (نیا چاند) نظر آیا۔ زینہ داری میں دفن ہیں۔

خواجہ عطّار

خواجہ رفیق اشائی کے بھائی اور مرید۔ صاحب کشف اور مشہود تھے۔ عشق الٰہی میں ان کا درجہ اس بات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دن ایک بھکاری نے آواز دی "خدا کے نام پر کچھ دید د" حضرت فرمائے۔ اس وقت کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ سائل نے اپنی عادت کے موجب ہٹ کی اور کئی بار خدا کا نام لے کر سوال کیا۔ خواجہ عطار خدا کا نام بار بار سننے پر جوش میں آگئے۔ سائل کو اپنے پاس بلوائے۔ اور سائل سے کہا۔ کجکول میرے منہ کے سامنے رکھو۔ سائل نے پیالہ منہ کے سامنے کر دیا۔ حضرت خواجہ نے شہادت کی انگلی سے اپنے گلے پر لکیر کھینچی اور سر مبارک کٹ کر پیالہ میں گر گیا۔ حاضر یہ حال دیکھکر افسوس کرنے لگے۔ بھکاری بھی سخت پریشان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۹ ذیقعدہ

۹۶۷ھ کو ہوا۔ محب مخلص یار دوست جمع ہو گئے۔ اور ربنہ واری میں نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ ہمہ آہوان صحرا سر خود گرفتہ در دست   بہ امید آن کہ روزی لشکار خواہی آمد

خواجہ محمدؒ

حضرت خواجہ رفیق اشائی کے گران قدر بیٹے تھے۔ والد بزرگوار سے علم باطنی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور بہت بلند درجہ پر فایز ہو گئے تھے۔ ایک دن آغا کے ساتھ چل رہے تھے۔ سامنے سے لوگوں کی ایک جماعت مردے کو تابوت میں رکھ کر گزری۔ حضرت خواجہ نے پوچھا۔ تابوت میں کیا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ مردہ ہے۔ اس کو گورستان لے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نے کہا۔ مرنا کیا ہوتا ہے؟ یہ آدمی کیوں مرا؟ خدا کے حکم سے مردہ نے تابوت میں سے حرکت کی اور زندہ ہو گیا۔ تابوت کو نیچے رکھا گیا۔ یہ آدمی اس سے نکل کر چلتے چلتے گھر گیا۔ یہ خبر خواجہ رفیق نے سنی۔ اور ان کا حال تغیر ہو گیا۔ رنجیدہ ہو کر ایک آہ بھری۔ اسی دن خواجہ محمد بیمار ہو گئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد داغ مفارقت دے گئے۔ باپ کی قبر کے سامنے ان کی قبر ہے۔

شیخ محمدؒ طاہر

خواجہ رفیق کے صاحب تحقیق اور توفیق مرید اور رفیق تھے۔ عمر گرامی مجاہدہ میں لبسر کر کے واصل بحق ہوئے۔

شیخ محمدؒ طالب

خواجہ رفیق کے خلیفوں میں سخت ریاضت کش۔ احتیاط والے اور جانباز تھے۔ اس کے معصر اسکو اپنے آپ پر فوقیت دیتے تھے۔

شیخ صالح

حضرت خواجہ رفیق کے زیر نظر لوگوں میں سے صاحب تحقیق تھے۔

خواجہ ابراہیم

حضرت خواجہ رفیق کے فرزند ارجمند ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ باپ کی زندگی میں وفات پائی۔

بابا طاہر

خواجہ مسعود پاپنوری کے پوتوں میں سے تھے۔ سخاوت اور ریاضت کے لئے مشہور تھے۔ جدِ بزرگوار کے مزار میں دفن ہیں۔

بابا علی

بابا مسعود پاپنوری کے خاص یاروں میں سے تھے۔ پرہیزگاری، خوفِ خدا اور عبادت گذاری میں ایک عجیب شان رکھتے تھے۔ عمر بھر مرشد کی خدمت گذاری کرتے رہے۔ حضرت بابا کے روضہ میں ان کی قبر ہے۔

بابا عبداللہ

حضرت بابا مسعود پاپنوری کے خلیفہ تھے۔ اسرارِ آلہی کا خزانہ اور نورِ آلہی کی کان تھے۔ شائستہ کردار اور اطوار تھے۔ مرشد کے مقبرے میں دفن ہیں۔

حضرت حاجی بابائے قادری

کانٹھو خاندان کے مال دار اور مشہور تاجر تھے۔ جب ان کے دل میں مولیٰ طلبی کی آگ بھڑک اٹھی۔ تو حضرت شاہ نعمت اللہ قادری کی خدمت میں جاکر یہ آگ سلگتی رہنے کے لئے التجا کی۔ حضرت نے ایندھن بہم پہنچایا۔ اذکار۔ اوراد۔ ریاضت و عبادت۔ پرہیزگاری۔ خداشناسی اور خدمتِ مرشد کے مشغلوں نے خلافت اور ارشاد کے درجہ پر پہنچا دیا۔ سنت رسول اللہ صلعم کی متابعت کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کرتے تھے۔ جب تک ان کی عمر ساٹھ برس کی ہوئی والدہ زندہ تھیں اور ماں کی وفات پر تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی حج کو روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ میں مناسک (رسوماتِ) حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ گئے۔ کئی سال روضہ مطہرہ کی جاروب کشی کی خدمت انجام دیتے رہے ایک رات نبی اکرم صلعم خواب میں آئے۔ اور کشمیر واپس جاکر نکاح کرنے کی بشارت پائی۔ یہ فرمان پاکر کشمیر واپس آئے۔ نکاح کیا۔ اور سعادت مند بیٹا بابا عثمان تولد ہوا۔ زندگانی کے باقی ایام شریعت کو رواج دینے اور بدعتوں کو دور کرنے میں بسر کئے۔ ۱۴ رشعبان سنہ ۱۰۶۶ھ کو رحلت فرمائی۔ محلہ بلبل لنکر میں بلبل شاہ کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ وفات: "ستون دین افتاد" ہے۔

مولانا یوسف ترکی

خواجہ خاوند محمود نقشبندی کے مرید تھے۔ ریاضت کش۔ نفس کش اور نہایت احتیاط کرنے والے بزرگ تھے۔ ایثار کرنے میں وسیع دل رکھتے تھے۔ اپنی لازمی ضروریات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور مسکینوں اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ راتوں کو غائب ہو جاتے۔ اور کوہ ماران (ہاری پربت) کی طرفوں میں عشق الٰہی کی جلن سے رو رو کر وقت نبھاتے تھے۔ محلہ دیدہ مر (براری پورہ) میں نالہ مار کے کنارے دفن ہیں۔

خواجہ محمّد بزاز

یہاں کے تاجروں میں سے تھے۔ بزازی کی دکانداری پیشہ تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ میں بھڑک اٹھی۔ دکانداری اور مالداری کو دور سے سلام کیا۔ حضرت شیخ موسیٰ کبروی نے جام معرفت سے دل کی جلن کو ٹھنڈک دی۔ صاحب حال وقال اور کمال ہو گئے۔ مرشد کے انتقال کے بعد ان کی خانقاہ میں ان کے جانشین ہو کر خاص و عام کے فیض بخش بنے۔ ضبط اوقات۔ ریاضات۔ عبادات۔ چلہ کشی اور خلوت نشینی میں استقامت کر کے سبھوں سے آگے بڑھے۔ خانقاہ معلیٰ کے صحن میں مرشد بزرگوار کی ہمسائیگی میں دفن ہیں۔

شیخ داؤد معروف بہ ٹھ مالو

ڈڈریاں گاؤں میں پل کے پاس رہتے تھے۔ بہت طاقتور اور بہادر آدمی تھے۔ ہفتہ سے نمک خرید کر پیٹھ پر اٹھا کر لاتے تھے۔ اور فروخت کرتے تھے۔ جب عشق الٰہی کی چنگاری دل کی انگیٹھی میں چمک اٹھی۔ خواجہ یوسف کابچھو کی خدمت میں دوڑے۔ ان کی وساطت سے الہداد ریشی۔ خلیفہ بابا ہردے ریشی لاٰمے سے تعارف ہوا۔ ان کی رُوحانی تعلیم و تربیت سے زمانہ کے مرشد بنے۔ کشف و کرامات اور خارق عادات کے باعث ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اگرچہ بالکل ان پڑھ تھے لیکن علم لدنی (معرفت کا علم۔ خداداد علم) کی برکت سے وقت کے بزرگوں کے سرگروہ اور خاص و عام کی جائے پناہ بنے۔ ہمیشہ شب بیدار اور روزہ دار رہتے تھے۔ اور زندگی کے دن گذارنے کے لئے اپنے ہاتھ سے زراعت کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ یہ چاول کا ایک بڑا دیگچہ پکا کر کسی کے ساتھ لے کر پل کے پاس سڑک پر رکھتے تھے۔ خود کھیت پر کام کرتے تھے۔ اور جو آدمی اس راستے سے چلتا۔ اس سے پوچھتے تھے۔ بھوک تو نہیں لگی۔ بیٹھو بنہ دیکائے ہوئے چاول کھاؤ گے؟ اور اس طرح دن بھر آنے جانے والوں کو بنہ ساگ اور لسی کھلاتے رہتے تھے

جس کے موجب ان کا نام بتہ مالو (چاول کھلانے والا باپ) مشہور ہوگیا۔ جو بگڑ کر بٹہ مالو ہوگیا۔ دوسری کہانی یہ ہے کہ کشمیری پنڈت جن کو عام طور پر کشمیر میں مسلمان بٹہ کہتے ہیں۔ ان کے معتقد تھے اور یہ بھی ان کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اس سلوک کے باعث ان کا نام "بٹہ مالو" (پنڈتوں کا باپ) پڑ گیا۔ کھانے پینے میں نہایت محتاط تھے۔ کسی کے ہاتھ سے اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔ جبتک اطمینان نہ ہوتا کہ چیز پاک صاف اور حلال کی کمائی سے ہے۔ اُن کا خلیفہ نوزہ بابا کہتا تھا۔ کہ ہمارا مرشد کشف و کرامات میں حضرت مخدوم شیخ حمزہ رح سے کم نہ تھے۔ لیکن کسی نے ان کے حالات تحریر نہ کئے۔ کہتے ہیں کہ اُن کا ایک مرید رات کو مسجد میں سویا ہوا تھا۔ اور اس کو احتلام لگ گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ چشمہ کوہل کا پانی جم کر یخ بستہ ہوگیا تھا۔ درویش آخر شب کو اٹھ کر نہر پر گیا۔ یخ توڑ کر نہایا اور سردی کی شدت سے بیہوش ہو کر گرا۔ حضرت شیخ بھی وضو کرنے کے لئے نہر پر نکلے دیکھا کہ درویش بیہوش ہو کر گرا ہے۔ اس کا سر ہلا کر کہا۔ کیوں خودکشی کی؟ اس وقت تم کو تیمم کرنا جائز تھا۔ درویش ہوش میں آیا۔ اپنے آپ کو مسجد میں پایا۔ اور بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ ایک دن ایک آدمی نے نہایت عجزِ زاری سے التماس کی کہ فلانی نے مجھے اپنی معمولی خدمت سے معزول کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کوئی پرواہ نہیں اچھا ہوگا۔ سایل چلا گیا۔ دوستوں نے حضرت بٹہ مالو سے معاملہ کی حقیقت پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ آج کل فلانی آدمی "ابدال" ہے۔ انہوں نے سائل کو اس علاقے کی زراعت کا "محافظ" مقرر کیا تھا۔ اور سایل سے نوکری سرانجام دینے میں کوئی قصور واقع ہوا ہے۔ اور اُسکو نوکری سے برطرف کیا گیا۔ اب مجھ سے سفارش چاہتا ہے۔ تاکہ پھر اپنے کام پر دوبارہ مستقل ہوجائے۔ ایک خدا دوست نے نقل کیا ہے۔ کہ میں چودہ برس کی عمر میں بٹہ مالو کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک ایک درویش طریقے کا آدمی اندر آیا۔ حضرت بٹہ مالو نے فرمایا۔ "ایبہ کاک" (ابلیس شیطان) آیا۔ اور کھڑے ہو کر اس کی تعظیم بجالائے۔ حد سے بڑھ کر عاجزی کرتے ہوئے۔ اُس سے کہا۔ ابھی میں نے تمہارے ہاتھوں سے رہائی نہیں پائی ہے۔ جو کچھ کروگے۔ مجھے اس کی تعمیل کرنے میں چارہ نہیں۔ گنہگار ہوں۔ شیطان نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا۔ یعنی دیکھو کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت بٹہ مالو نے فرمایا یہ بیچارہ کیا جانتا ہے۔ بڑے بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ لوگ تمہارے مکر اور فریب سے لاچار اور عاجز ہیں۔ پھر بٹہ مالو صاحب کو نماز ادا کرنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکلا روایت کرنے والا کہتا ہے۔ کہ میں نے اس کی شکل ایسی دیکھی کہ گویا اسکے چہرے سے آگ

برس رہی تھی۔ ایک دن ایک جن زدہ (جس کو بھوت لگ گیا ہو) مریض ان کے پاس بھوت کا تصرف دور ہونے کے لئے آیا۔ انہوں نے بھوت کو اپنے پاس بلایا۔ بُرا بھلا کہا۔ تضیحت کی۔ اور مریض کو اشارہ کیا یہ آدمی ہے جس نے تم کو تصرف کیا تھا۔ اب اس نے تم کو چھوڑ دیا۔ شخص اُٹھ کر بھاگ گیا۔ مریض اس کے پیچھے دوڑ گیا۔ دونوں دروازہ پر پہنچے۔ دروازہ پر وہ آدمی مریض کو نظر ہی نہ آیا۔ کہ کہاں گیا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت بٹہ مالو صاحب بلند پایہ کے صاحب حال وقال۔ کمالات اور خرق عادات تھے۔ جو کچھ ان کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے۔ وہ اتنا زیادہ ہے کہ لکھا نہیں جا سکتا ہے۔ ۲۱ رجب سنہ ۱۰۷ھ کو رحلت فرمائی۔ مُلا محسن خوش نویس ان کی وفات کی تاریخ کی فکر میں سو گئے۔ خواب میں بٹہ مالو صاحب آ گئے۔ اور انہوں نے فرمایا۔ میری وفات کی تاریخ "ع ع" ہے۔ اپنے کمرے میں دفن کئے گئے۔ اب محلہ کا نام بٹہ مالو ہے۔ اور ان کی زیارت مرجع خاص و عام ہے۔ تاریخ:

شیخ مومن از سر اخلاص گفت! بَبَہ مالو کرد ماوی در جنان۔

اخوند مُلا شاہ

شاہ محمد نام اور وطن بدخشان تھا۔ جوانی کے جوبن میں علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ اور ہمعصروں پر فوقیت پائی۔ خداشناسی کی دھن نے راہ فقیر پر لایا۔ گھر بار چھوڑ کر رہبر کی تلاش میں سیر عالم کو نکلے۔ لاہور پہنچے۔ وہاں میاں میر لاہوری (جو مجذوب نما خدا دوست تھے) کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ سلوک کے مرحلے ان کی زیر تربیت طے کر کے بلند مقام پر پہنچے۔ اس کے بعد مدت تک قلندروں کے بھیس میں ملکوں اور شہروں میں پھرتے رہے۔ توحید کے سوز و گداز نے ان کا حال رعب داب اور جلال کر دیا تھا۔ اسی حال میں کشمیر پہنچے۔ اور کوہ ماران (ہاری پربت) کے دامن پر ٹھکانہ کیا۔ خاص و عام خدمت میں آنے لگے۔ شاہزادہ داراشکوہ نے حسن عقیدت کے موجب مالی اور جانی خدمات انجام دئیے۔ اور آخوند کے فرمانے پر ایک مظبوط گھر ایک پتھروں کی خانقاہ اور دل پسند باغات بنائے۔ اسی اثنا میں مُلا شاہ کے بھائی اور رشتہ دار پہنچے۔ اور یہاں کی سکونت اختیار کی۔ حضرت آخوند عمر بھر اکیلے اور تنہا رہے کبھی شادی نہ کی۔ بڑے بڑے امیر۔ فاضل۔ مشائخ۔ اور نامآور لوگ ان کی خدمت میں آکر ظاہری اور باطنی فیض پاتے رہے۔ شاعر تھے۔ اور خداداد موزون طبعیت کے مالک تھے۔ تقریباً ایک لاکھ شعروں کا دیوان ان کی تصنیف ہے جس کے شعر معرفت۔ حقیقت اور واحدانیت کے مخزن ہیں۔ ایک دن شاہجہان نے موسیخان صدر کو امتحان کے غرض سے ان کے پاس بھیجا۔

آخوند نے کوئی تعظیم نہ کی۔ خان نے کہا۔ میں موسوی خان ہوں۔ آخوند نے جواب دیا۔ ہم محمدی ہیں موسوی اور عیسوی کو نہیں جانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ آخوند ہمیشہ توحید کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے۔ اور ان کے اندرون حال کو بیرونی کثرت اور خطاب سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں پہنچتی تھی۔ ایک دن بابا نصیب الدین غازی لوگوں کی ایک بڑی جماعت لے کر ان کی ملاقات کو آئے۔ آخوند نے فرمایا۔ "کثرت عین وحدت ہے" حضرت بابا نے فرمایا۔ "وحدت کثرت میں ہے"

جب عالمگیر نے دارا شکوہ کو قتل کرایا۔ اور اپنی بادشاہیت کا اعلان کیا۔ حضرت آخوند کو بھی طلب کرایا۔ حضرت آخوند لاہور پہنچے اور وہیں امید و بیم کی حالت میں کئی سال گذارے۔ فرماتے تھے۔ شکر ہے خدا کا میرا اوّل اور میرا آخر دونوں مسافرت اور غربت میں گذرے۔ جب اس دنیا سے کوچ کرنے کے دن نزدیک آگئے۔ تو ایک دن پالکی میں سوار ہو کر نکلے اور اپنے مرشد بزرگوار کی ہمسائیگی میں زمین خرید کر کے وصیت کی کہ مجھے اس زمین میں دفن کریں۔ پھر دن دن کمزور ہوتے گئے۔ اور رحلت کی رات کو میاں ملا محترم اور میاں اسماعیل لاہوری کو اپنے مرنے کی خبر دی۔ اور تجہیز و تکفین کی تاکید کی۔ یہ دونوں آخوند کے سرہانے بیٹھے اور آخوند اپنی وفات کی تاریخ خود کہہ کر زبان بند کی۔ داد در توحید ملا شاہ جان = سنہ ۱۰۷۲ھ۔

یہ رباعی ان کی طبع زاد ہے:۔

از علم نظر اگر کسی باخبر است ÷ قطع رہ بارش بہ پیر شاہ پیر است + از ذکر و فکر اگر جہاں را اثر است۔ قربان نظر شوم کہ کارش دگر است ÷ یہ شعر "مقام فنا" کے بارے میں ہے:۔

شاہ جہان آفرین جائے مرا بگرفت + گفت تو برخیز شاہ جائے تو شد جائے ما

اپنے حسب ذیل میں ایک نسخہ لکھا ہے۔ جو قابل دید ہے۔

بابا مجنون نزوری

فرزند بابا معود نزوری بابا حاجی کے بیٹے اور ملا جمال سیالکوٹی کے شاگرد تھے۔ ان کی وفات پر ان کے فرزند قاضی ابوالقاسم کی تربیت میں علمی کمالات میں کمال حاصل کیا۔ ملا عبداللہ غازی سے علم طب میں اعلیٰ لیاقت اور استعداد حاصل کر کے کشمیر میں یونانی طب کو رواج دیا چنانچہ حکیم محمد شریف گانی اور حکیم عبدالرحیم اشائی جیسے حاذق اور نامور طبیب جو علم طب میں وقت کے افلاطون خیال کئے جاتے تھے۔ انہیں کے شاگرد تھے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد ان کے دل میں علم باطنی حاصل کرنے کا خیال زور پکڑتا گیا۔ اور اپنے جیسے بابا

عبداللہ سے روحانی تربیت پانے لگے۔ عبادات اور ریاضات میں زبردست کوشش کے موجب جلد ہی ان پر عجیب و غریب حالات ظاہر ہو گئے۔ اور مرشد بزرگوار نے خلافت اور ارشاد کی سند عطا کی۔ کہتے ہیں کہ نہایت سیدھے سادھے طریقہ میں رہتے تھے۔ اور بڑے بڑے دوستان خدا بابا نصیب وغیرہ جیسے بزرگوں کی خدمت میں مشرف ہو کر ان کی خدمت گزاری بجالاتے تھے۔ محتاجوں کے مشکل کاموں کو آسان بنانے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ اپنے آپ کو حاجت مندوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ بہت ہی سوز و گداز والے تھے۔ ۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۶ھ کو رحلت کی۔ اپنے والد بزرگوار کے مزار بزدرہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ: "گفت ہاتف ستون دین افتاد" ہے۔

حاجی مصطفے نقشبندی

شیخ تاج الدین مکی کے مرید تھے۔ مکہ معظمہ سے بطور سیاحت تنہا کشمیر میں آگئے محلہ اطراف کدل میں کچھ مدت ریاضت و عبادت میں مشغول رہے۔ پھر تکیہ دین شاہ مجذوب کے متصل کریوہ ہانجک میں باغ، گھر اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور آخری دم تک وہیں رہے۔ کسی کو تربیت نہ کرتے تھے۔ اور نہ کسی کو مرید بنایا۔ اپنی "نگہداشت اور یادداشت" میں کمی آنے نہ دیتے تھے۔ سخت محنت کش۔ ریاضت کش اور نفس کش تھے۔ اپنے باغ میں دفن ہیں۔ (نگہداشت:۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں۔ اپنے آپ کو تمام دنیاوی کششوں سے بچانا ہے۔ اور جو کچھ باطنی کمال حاصل ہوا ہو اس کی حفاظت کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اظہار بھی کسی رنگ میں نہ ہو۔ یادداشت:۔ صوفیائے کرام کے پاس اس حالت کو سامنے لانا ہے۔ جب ازل میں خدا نے روحوں سے مخاطب ہو کر کہا "الست بربکم"، کیا میں تمہارا پیدا کرنے والا اور تربیت کرنے والا نہیں ہوں؟ روحوں نے جواب دیا "بلیٰ" "ہاں تو ہمارا رب ہے۔ اس حالت کو ہمیشہ سامنے رکھ کر یاد خدا سے کسی وقت غافل نہ ہونا" "یادداشت" ہے۔

خواجہ عبدالحکیم

خواجہ عبدالکریم بانڈے کے بیٹے تھے۔ علوم عقلی و نقلی حاصل کرنے کے بعد خواجہ معین الدین نقشبندی کی خدمت میں جا کر سلوک میں داخل ہوئے۔ ان کی تربیت کی برکت سے واصلان خدا کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

خواجہ یعقوب دار

ملک ریگی دار کے پوتوں میں سے تھے۔ جو عہد سلاطین کشمیر میں نامور اور با اقتدار رئیس تھا جس کی

خانقاہ دریائے بہت (جہلم) کے کنارے مشہور ہے۔ اٹھتی جوانی اور خوش نصیبی کے دنوں میں
حضرت شاہ قاسم حقانی کی نظر سے خداشناسی کا ذوق پیدا کر کے نجات ابدی اور قرب الٰہی
حاصل کیا۔ فضل و کمال میں۔ وجد و حال میں مردان خدا میں سب سے بلند پایہ رکھتے تھے۔ ان کی کرامات
بے شمار ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا ایک بیٹا پانچ برس عمر کا تھا۔ دریائے کے کنارے بیٹھ کر اس کے
کھیل کود کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اسی وقت الہام ہوا۔ "حالت فنا ماسوا اللہ" میں اس بات
سے خوش ہوتے ہو" اسی وقت بچے کو دریا میں پھینک دیا۔ آواز آئی۔ "کیوں ہمارے پیدا کئے ہوئے
کو ناحق مارتے ہو۔؟" بلا درنگ دریا جہلم میں کود پڑے۔ اور دوسرے نچلے گھاٹ سے بیٹے کو پکڑ
کر اوپر لائے۔ دونوں کے کپڑے سوکھے تھے۔ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک قوال ان کا مرید تھا۔
حضرت خواجہ اس کی زبان سے قرآن سننا پسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ قوال کاروبار کے لئے
گاؤں گیا۔ کچھ مدت کے بعد خواجہ نے اُس کو یاد کیا۔ قوال کو خبر پہنچی۔ اور گاؤں سے واپس آیا۔
کچھ سامان جو گاؤں میں خریدا تھا۔ راستے میں کہیں بھول گیا تھا۔ جب ان کے پاس پہنچا۔ خواجہ
نے کہا۔ سورہ الرحمٰن پڑھ کر سناؤ۔ سورہ کا کچھ حصہ پڑھ کر اس کو یاد آ گیا۔ کہ میں راستے میں
سامان بھول گیا ہوں۔ بے چین ہو گیا۔ خواجہ نے فرمایا۔ سورہ پڑھ کر ختم کر دو۔ تمہارا سامان
کوٹھڑی میں ہے۔ سورہ پڑھ کر کوٹھڑی میں گیا۔ اور اپنا سامان اسی طرح سے باندھا ہوا پایا۔
ایک دن ان کے دوستوں کی ایک جماعت حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے
چالیس اکتسابی وجودوں میں بہ یک وقت چالیس مریدوں کے گھروں میں افطار کرنے
اور جہل اسرار تصنیف کرنے پر حیرانی اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بحث کر رہے تھے۔
خواجہ نے فرمایا۔ آج جمعہ کا دن آپ میں سے ہر ایک الگ الگ مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کریں۔
بحث و مباحثہ کرنے والوں کی تعداد سو کے قریب تھی۔ اور فرمان کی تعمیل میں یہ لوگ شہر
کے سو مسجدوں میں گئے۔ ہر ایک نے خواجہ کو اسی مسجد میں جس میں وہ گیا تھا۔ نماز ادا کرتے
دیکھا۔ جب حضرت شاہ قاسم حقانی حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ خواجہ یعقوب کو اپنا قائم
مقام بنائے۔ تقدیر کے موجب ایک دن ان کے مریدوں میں سے ایک نے مرتے وقت حضرت
خواجہ کے دیدار کی تمنا کی۔ حضرت خواجہ مراقبہ میں تھے۔ اس واسطے خادم کو خبر نہ دے سکے۔
اور مرید مر گیا۔ اور غسل دے کر اس کو تابوت میں نماز جنازہ کے لئے رکھ دیا گیا۔ حضرات خواجہ
کو خبر لگ گئی تھی۔ کہ یہ مرید آپ کے دیدار کی آرزو دل میں رکھ کر مر گیا۔ حضرت خواجہ جنازہ
پر پہنچے۔ اور تابوت کے پاس جا کر اس کا نام لے کر کہا۔ "فلانی اٹھ جاؤ۔ کیوں میرے دیدار کی تمنا

قبر میں ساتھ لیجاؤ گے"۔ مرا ہوا مرید زندہ ہوگیا۔ اور اسی جگہ کہنے لگا "مجھے بھوک لگ گئی کھانے کے لئے کچھ دیدو"۔ یہ آدمی چھتیس برس کے بعد مرا۔ یہ واقعہ حضرت قاسم نے سورت بندر میں شاہ نعمت اللہ کی زبان سے سنا۔ اور ان کا حال متغیر ہوگیا۔ شیخ ناصر نے حجام کو بلاکر کہا میری مونچھ کا ایک بال سخت ہوگیا ہے۔ اس نے کہا اس کو نکالنا اچھا ہے۔ اور ایک بال ان کی مونچھ سے نکالا۔ اسی روز خواجہ حبیب اللہ عطار کھبلی کی بیماری سے سخت بیمار ہوگئے۔ حضرت خواجہ یعقوب نے توجہ دیکر ان کی بیماری اپنے آپ پر لی۔ ان کا سارا بدن نیلا ہوگیا۔ اور فرمائے میرا آخر وقت آگیا ہے۔ ساتھی کون بننا چاہتا ہے۔ خادم نے فرمایا۔ حضرت مجھے قبول کریں۔ اور دونوں بزرگ ۱۱ صفر سنہ ۱۰۳۰ھ کو رحلت کر گئے۔ اور ایک ہی قبر کی دو لحدوں میں سید حسن بلادوری کے روضہ کے متصل سازہ گری محلہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ:-

بلبل دل زباغ سر زدہ گفت　　ہادی دہر خواجہ یعقوب!

خواجہ یعقوب منتو

شاہ قاسم حقانی کے خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب حال وقال اور فنافی اللہ تھے۔ ایک دن حضرت شیخ العالم رح کی خانقاہ کے دوسرے طبقہ میں بیٹھے تھے۔ اچانک قوال آگئے۔ اور آستانہ کے صحن میں گانے لگے۔ یہ وجد میں آگئے۔ اور کبوتر کی طرح خانقاہ کے اوپر سے اڑکر گوئیوں کے بیچ میں گر گئے۔ لوگوں کو خیال ہوا۔ کہ ان کی ہڈیاں چور چور ہوئی ہوں گی۔ یہ وجد میں ہی رقص کرنے لگے۔ اور معمولی چوٹ بھی نہیں لگی تھی۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ان سے عرض کی۔ حضرت میں چالیس کی برس کی ہوگئی اور بے اولاد ہوں۔ حضرت خواجہ کے ہاتھ میں ایک مولی تھی۔ عورت کو دیکر کہا۔ کھاؤ۔ نو مہینے گذرنے پر خدا کی مہربانی سے اس کو بیٹا پیدا ہوا۔ ایک دن عیدگاہ میں چکر کر رہے تھے۔ اچانک ابراہیم خان کا ہاتھی عماوت کو منہ میں لے کر مستی کی حالت میں عیدگاہ آیا۔ حضرت خواجہ نے نظر ڈالی اور ہاتھی نے منہ سے عماوت کو زمین پر رکھ کر خود ان کے پاؤں پر سجدہ کیا۔ حضرت خواجہ نے آدھ موئے عماوت کی مالش اپنے ہاتھ سے کرکے اس کو ہوش میں لاکر ہاتھی پر سوار کرکے روانہ کیا۔

میر حبیب اللہ

خواجہ حسن آفاقی کے بیٹے حضرت شاہ قاسم حقانی کے صاحب حال وقال خوش سیرت نیک خصال مرید تھے۔ ایک دن مسجد جامع میں نماز کو گئے تھے۔ ایک کوڑھ والا مریض پاس آکر عاجزی

سے عرض کرنے لگا حضرت مال و دولت اور داشت نداشت جو کچھ رکھتا تھا۔ اس نامراد مرض کے علاج میں صرف کر چکا۔ اب کاسۂ گدائی کرتا ہوں۔ میرے حق دعا فرمائیے۔ حضرت بابا نے فرمایا پانی کا گھڑا لاؤ۔ مریض دوڑ کر گیا۔ اور پانی کا ایک گھڑا بھر کر لایا۔ حضرت نے منہ میں پانی کا لعاب (چیپ) ڈال کر کوڑھ والے سے کہا لیجاؤ اور اس سے نہاؤ۔ وہ نہا کر فارغ ہوا۔ اور کوڑھ کا نشان بھی جسم پر باقی نہ رہا تھا۔ اپنے والد نامدار کے مزار میں دفن ہیں۔

خواجہ حبیب اللہ گانی عرف عطار

رئیس کشمیر خواجہ ابراہیم گانی کے بیٹے تھے۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا۔ حد درجہ کے خوبصورت تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ یعقوب دار کو راستے میں ان پر نظر پڑی۔ ان کی حسن صورت اور باطنی استعداد دیکھکر انہیں رُوحانی فرزند بنالیا۔ خواجہ حبیب عطار فرماتے تھے۔ کہ ایک دن ایک بیمار عورت خواجہ یعقوب دار کے پاس شفا پانے کیلئے آئی۔ خواجہ نے دو تین دن کا باسی چاولوں کا ایک پیالہ کوٹھڑی سے لاکر اس کو کھانے کیلئے دیا۔ اور کہا۔ کھاؤ۔ عورت نے کہا۔ مجھے پریوں کا تصرف ہے۔ اور علاوہ اس کے مجھے رغبت نہیں۔ اور میری طبیعت کچھ نہیں کھانا چاہتی ہے۔ پھر ان کے فرمانے پر میں نے وہ باسی چاول کھائے۔ میں کھاتا تھا۔ اور مجھ پر اوّل اور آخر کے بھید کھل جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے یعقوب دار سے سلوک کے کسی شغل کی تعلیم نہ تھی۔ لیکن جب حضرت شاہ حقانی حج کے سفر سے واپس تشریف لائے۔ تو مجھے اپنے حضور میں بلائے اور فرمایا "اس جوان کو مدینہ شریف میں حضرت رسالتمآب صلعم نے مجھے سپرد کیا۔" پھر مجھے سلوک کی باتیں بتادیں۔ اور مراقبوں کی تعلیم فرمائی۔ اور دونوں میں مجھ پر باطن کے دروازے کھل گئے۔ ایک دن حضرت شاہ نے فرمایا میں نے اپنی پونجی کو تین حصے کئے ہیں۔ دو حصے خواجہ حبیب کو دئے۔ اور ایک حصہ شاہ قطب الدین کے لئے رکھا اور مجھے ارشاد کا خرقہ دے کر رنگا رنگ کی مہربانیوں سے سرافراز کیا۔ اور فرمایا ہے۔ کہ میں حضرت شاہ کی وفات کے بعد بابا ہال میں خلوت نشین تھا۔ اور ایک رات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ اور فرمایا ع ہر کہ افتاد قبول تو قبولم افتادم (جس پر تم مہربان ہو میں بھی اس پر مہربان ہوں) فرمایا ہے۔ اوراد فتحیہ پڑھنے میں ایک دن جب میں نے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین" پڑھنے لگا۔ سردار عالم صلعم نے اپنا پرتو

مجھ پر ڈال کر فرمایا۔ یہ فقرہ تمہاری زبان سے مجھے خوش آیا۔ اس کو تین بار دہرایا کرو؟ مدعا یہ ہے کہ حضرت خواجہ پوشیدہ بھید دل کے خزانہ اور خدائی فیضوں کے سرچشمہ تھے۔ علم طب میں کمال رکھتے تھے۔ اکثر بار اُلٹا علاج کرتے تھے۔ اور لوگ شفا پاکر اچھے ہوتے تھے۔ ایک دن ایک مریض نے آکر کہا۔ میری نبض دیکھئے۔ انہوں نے کہا میں طبیب نہیں ہوں۔ جاؤ۔ وہ نکلا اور راستے میں گر کر مر گیا۔ ایک دن ایک آدمی نے پوچھا۔ مُلّا شاہ خدا رسیدہ بزرگ تھے یا محض طبیب خواجہ نہایت غصّے میں ہوئے۔ اور فرمایا۔ مجھے خبر نہیں۔ جاؤ انہیں سے پوچھو جب وہ آدمی گھر پہنچا تو مر گیا۔ ایک دن ایک آدمی کی لڑکی گم ہو گئی تھی۔ حضرت خواجہ کے پاس آکر اس کی بازیابی کے لئے التجا کی۔ حضرت نے فرمایا۔ دریا میں تلاش کرو۔ وہ دریا میں ڈھونڈنے گئے۔ اور دریا میں سے لڑکی کو بیہوشی کی حالت میں اٹھا لائے۔ جب لڑکی ہوش میں آئی۔ تو اس نے کہا۔ مجھے اماں نے دریا میں پھینک دیا۔ ایک دن شیطان اپنی اصلی شکل میں ان کی مجلس میں آکر گفتگو کرنے لگا۔ خواجہ نے کہا اگر تو نے ایک سجدہ کیا ہوتا تو مردود نہ ہوتا۔ شیطان نے کہا۔ میں نے چاہا تھا کہ سجدہ کر دوں۔ اسی وقت مجھ میں ایک طاقت پیدا ہوئی۔ جس نے مجھے سجدہ نہ کرنے دیا۔ ان کا ایک مرید لاہور گیا تھا۔ اسکی ماں نے خواجہ کے پاس آکر سخت عاجزی کی۔ حضرت خواجہ نے رات کو اُسے اپنے گھوڑے پر سوار کر کے محلہ کی مسجد میں پہنچا دیا۔ ستّر برس کی عمر میں ۲ رجب سنہ ۱۰۸۰ھ کو انتقال فرمایا۔ قطب الدین پورہ محلے میں دفن ہیں۔

بابا زاہد ناگامی

بابا شریف ناگامی کے بیٹے تھے۔ خداشناسی کے ذوق نے حضرت شاہ قاسم حقانی کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہو کر عبادت اور مجاہدہ میں جانفشانی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ جب حضرت شاہ حجاز (عرب) کو روانہ ہو گئے۔ ایک رات نماز تہجد کے ارادہ سے دوستوں کے ساتھ خواجہ قاسم کی خدمت میں ایک جلتے ہوئے چراغ کو ہاتھ میں لے کر آئے۔ دوسروں کی طرح ان کی تربیت بھی خواجہ قاسم کے ذمہ کی۔ اور ارشاد کے حقدار ہو گئے۔ راستے میں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ گل ہو گیا۔ حضرت بابا نے شہادت کی انگلی مُنہ کے پانی سے گیلی کر کے شمع کی طرح روشن کی اور خواجہ قاسم کے دروازہ پر پہنچکر اسکی روشنی بند کی۔ خواجہ نے تیز ہو کر فرمایا اتنی طاقت ہو کر ہوا کو کیوں منع نہ کیا۔

تاکہ تمہارے چراغ کو نہیں بجھاتی ۔ اور تمہارا حال آشکارا نہ ہوتا ۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ اس کی سزا میں جلدی ہی آگ میں جل جاؤ گے ۔ کچھ وقت گذرے پر ان کے محلے میں آگ لگ گئی ۔ اور زاہد کا گھر بھی اسکی لپیٹ میں آگیا ۔ بابا کی ماں نے ان کو ایک صندوقچی گھر سے نکال لینے کے لئے کہا ۔ یہ اندر گئے اور چھت سے کچھ جلتی کڑیاں ان کے سر پر گر گئیں اور وہیں جل کر جان بحق ہو گئے ۔ قلعہ کے باہر شاعر داری سے کچھ اوپر دفن کئے گئے ۔

خواجہ محمد صالح عرف اشائی

حضرت شاہ قاسم خفانی کے خلیفوں میں سے تھے ۔ صاحب حال وقال ۔ کشف وکرامات ۔ مجاہدہ اور مشاہدہ تھے ۔ ریاضت اور عبادت میں طاقت سے بڑھ کر مشقت کرتے تھے ۔ ایک دن مسجد میں بیٹھے تھے ۔ ایک اندھا آیا خواجہ سے التماس کی کہ تنیس برس سے اندھا ہو گیا ہوں ۔ میرے حق میں دعا فرمایئے ۔ حضرت خواجہ نے انگلی لعاب (تھوک) سے گیلی کرکے آنکھوں پر ملی ۔ اندھے نے آنکھیں کھولیں اور کہا ۔ آنکھوں میں روشنی آگئی ۔ تنیس برس کا اندھا ایک منٹ میں بینا ہو گیا ۔ آخر عمر میں خانہ کعبہ کے طواف کے ارادے سے دوستوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر روانہ ہو گئے ۔ حجاز کے علاقے میں پہنچکر بدوؤں لٹیرے قافلہ کو لوٹا اور کچھ لوگوں کو قید کر دیا ۔ حضرت خواجہ بھی گرفتار ہو گئے ۔ ایک دن دھوپ کی شدت سے تنگ آکر خدا کی بارگاہ میں رجوع کی ۔ دیکھتے دیکھتے بادل کا ایک ٹکڑا ان کے سر مبارک پر سایہ کرنے لگا ۔ لٹیرے یہ حال دیکھ رہے تھے ۔ سمجھ گئے کوئی بڑا خدا دوست ہے ۔ ان کے پاؤں پکڑ کر توبہ کی اور لوٹا ہوا مال واپس کر کے رخصت کی ۔ حضرت خواجہ طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مدینہ شریف گئے ۔ اور عمر کے باقی دن وہیں گذار کر وہیں راہی ملک بقا ہو گئے ۔ تاریخ :- "مرشد اہل وفا بودہ" ہے ۔

سنہ ۱۰۴۷ھ

خواجہ رجب

حضرت شاہ کے خلیفوں میں خدا آگاہ اور صاحب صفا تھے ۔ نفس کشی کا یہ حال تھا ۔ کہ اکثر بار کئی ہفتے کے بعد چاول کے کئی دانوں سے روزہ کھولتے تھے ۔ ہر نماز پر غسل کرتے تھے ۔ کبھی کبھی ساری رات کو یادِ الٰہی میں سانس بند کرتے تھے ۔ اور بیہوش ہو کر اس طرح گر جاتے تھے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہو جاتا تھا ۔ کہ جان بحق ہو گئے ۔ باتیں بہت کم کرتے اور جو کچھ ان کی

زبان سے نکلتا اسکا اثر فوراً ظاہر ہو جاتا۔ ان کی زبان سے بیہودہ بات کبھی نہیں نکلی ہے

خواجہ احسن اللہ

شاہ قاسم حقانی کے تربیت یافتوں میں ریاضت کش۔ پرہیزگار اور سخت احتیاط برتنے والے بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک تاجر ان کا مُرید اور مخلص تھا۔ ایک دفعہ وہ تجارت کا مال لیکر تبت چلا گیا۔ راستے میں ایک مزدور کہ بوجھ کے سمیت دریائے سندھ میں گر گیا۔ مخلص نے مرشد کی طرف رجوع کی اور ان کے نام نذر رکھی۔ اسی وقت حضرت خواجہ کی شکل کا ایک آدمی دریا کے کنارے پہنچا۔ اور دریا میں اتر کر مزدور کو مال کے سمیت ہاتھ پکڑ کر کنارے لا کر غائب ہو گیا۔ جب یہ مُرید تبت سے واپس آگیا۔ نذر پیش کر کے واقعہ سُنایا۔

شیخ حسن کلو

حضرت شاہ کا خادم اور با اخلاص مُرید تھا۔ صاحب حال وقال اور کمال تھے۔ مؤرخوں کی زبانی ہے۔ کہ ایک دن شیخ موسیٰ کبروی حضرت شاہ کی ملاقات کو آئے تھے مجلس گرم تھی۔ اور شام کی نماز پڑھ کر خادم جلانے کے لئے فتیلہ سوز ڈھونڈنے لگے شیخ حسن نے شہادت کی انگلی منہ میں ڈال کر نکالی اور انگلی شمع کی طرح روشنی دینے لگی۔ جب تک خدا کے یہ پیارے باتوں میں مشغول رہے۔ اسی روشنی سے خادم کام کرتے رہے۔ مجلس ختم ہونے پر انہوں نے ہاتھ کو نیچے لایا اور روشنی ختم ہو گئی۔

شیخ عبداللہ چک

حضرت شاہ کے روشن دل اور خدا آگاہ مُریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ ایک دن ان کے محبوں اور مخلصوں میں سے سات آدمیوں نے ان کے پاس آ کر کلنگ کے گوشت کی خواہش کی۔ کلنگ اوپر سے اڑ رہے تھے۔ انہوں نے کلنگوں پر نظر ڈالی اور سات کلنگ ان کے سامنے گرے۔ انہوں نے ہر ایک کو ایک ایک کلنگ دے دیا۔

خواجہ قاسم تاشوانی

سوداگر زادہ تھے۔ بچپن میں اُستاد کے ڈر سے بھاگ کر شاہ قاسم کے گھر میں رہنے لگے

اور سرگرمی اور مستعدی سے ان کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت نے تعلیم اور تلقین سے نوازا رفتہ رفتہ خلافت اور ارشاد کے درجہ کو حاصل کیا۔ ایک دفعہ قحط پڑ گیا تھا۔ چوتھی دن خواجہ قاسم نے حضرت شاہ کے حکم سے ایک سیر چاول اپنے ہاتھ سے پکایا جو پچاس آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ ایک دفعہ صفاپورہ کے گاؤں میں خلوت بیٹھے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے خدمت میں آکر بیان کیا کہ یہاں ایک آدم خور شیر نے آج تک دو سو آدمی کھائے۔ خواجہ نے فرمایا۔ کوئی ڈر کی بات نہیں۔ شام کو شیر نے ان کی خدمت میں آکر سنایا۔ کہ میں فلانی دیو (بھوت) ہوں۔ اور مجھے درگاہ سے ان کے عذاب کے لئے بھیجا گیا ہے۔ خواجہ نے دعا کی اور بلا دور ہو گئی۔ ان کا مقبرہ تاشون میں ہے۔

شاہ قطب الدین

شاہ قاسم حقانی کے بیٹے حسن و جمال اور خوبصورتی میں یوسف ثانی تھے۔ جب ہوش سنبھالا اور تمیز کی عمر کو پہنچے۔ حافظ قرآن تھے۔ اور عقلی و نقلی علموں میں کامل ہوئے تھے۔ فکر و ذکر میں اس طرح محو ہو گئے۔ کہ حال اور محویت کے غلبہ کے باعث کوئی ان کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اور اس حال سے واپس آنے کے لئے انہیں کئی مہینے بازار کی روٹی کھانے کو دیتے رہے۔ جب بارہ برس کے ہو گئے۔ تو حضرت شاہ نے ملک بقا کو کوچ کیا وفات سے پہلے خواجہ قاسم کو ان کی تربیت سپرد کر کے ان کے نام کا خطِ ارشاد بھی حوالہ کیا۔ خواجہ قاسم مرشد بزرگوار کے فرمانے کے موجب انہی کے گھر میں بیٹھ گئے۔ اور لوگوں کی رہبری کرتے رہے۔ شاہ قطب الدین پانچ برس تک ان کے تابع فرمان رہے۔ اور تربیت پاتے رہے۔ سترہ برس کی عمر میں خطِ ارشاد حاصل کر کے لوگوں کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی ہمسائیگی میں ایک بدکار آدمی کا گھر تھا۔ ایک دفعہ شاہ قطب الدین کی دیوار میں رخنہ ہو کر کچھ مٹی اس کے آنگن میں گری۔ اس کو بات ہاتھ لگ گئی۔ اور گالی گلوچ کرنے لگا۔ شاہ نے خدمت گذاروں سے کہا کہ اس کی عذر خواہی کرو۔ نوکروں نے معافی چاہی۔ اور عذر خواہی کی لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اور برا بھلا کہتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو کر گرا۔ حال تغیر ہو گیا بال نے دوڑ کر طبیب کو لایا۔ طبیب نے دیکھ کر کہا۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اٹھا کر حضرت شاہ کے پاس لے آئے۔ اور التجا کی کہ کچھ کیجئے۔ کہ بچ جائے۔ ان کے سامنے ہوش میں آیا۔ اور گھر چلا گیا۔ رحلت کے بعد والد بزرگوار کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

مولانا یعقوب ناتھ

ملا جوہر ناتھ کے بیٹے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ ازل کی یاوری نے شاہ قاسم کی خدمت کا راستہ دکھایا۔ قبولیت کا درجہ حاصل کر کے کامل خدادوست بن گئے۔ باوجود اس کے کہ لوگوں کے جھگڑے سے ان کو نجات نہیں ملی تھی۔ پھر بھی آداب سلوک بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ شاہ قاسم کے صاحب کمال خلیفوں میں اوّل درجہ پر شمار ہونے لگے۔ اپنے والد بزرگوار کے مقبرے میں دفن ہیں۔

شیخ ناصر حجام

شاہ قاسم حقانی کے مرید تھے۔ جناب کے منظور نظر ہونے کے باعث سلوک میں کمال کر کے خلافت کی گدڑی حاصل کی۔ وقت کے بزرگ تھے۔

بابا عبدالرحمان

بابا حاجی کے بیٹے اور شاہ قاسم حقانی کے مرید تھے۔ اس ملک کے بڑے بڑے خدادوستوں سے دوستی رکھتے تھے۔ ایک مدت کے لئے آنچار کے گپھا میں باپ کی جگہ تنہا نشین تھے۔ اسی غار کے اوپر دفن ہیں۔

خواجہ زین علی دار

ان کے والد بزرگوار خواجہ عبداللہ۔ خواجہ رفیق عشائیؒ کے خلیفہ تھے۔ ایک دن خواجہ حبیب اللہ نوشہری سے ملاقات ہوئی۔ اور وہ ان کی حسن صورت اور حسن سیرت پر گرویدہ ہو گئے۔ اور اپنی توجہ سے ان کو اپنی جماعت میں شامل کر کے ریاضت و عبادت کی طرف مائل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس سماع گرم تھی۔ اور اہل محفل وجد و حال اور قیل وقال میں پڑ گئے۔ زین علی اپنی جگہ ہلنے جلنے کے بغیر خاموش بیٹھے رہے۔ جب محفل ختم ہوئی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اصلی وجد اس جوان سے سیکھنا چاہئے۔ دوستوں نے دیکھا کہ ان کے ہر مسام سے لہو کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ کہتے ہیں زین علی اپنے مرشد (خواجہ حبیب اللہ) کی نماز تہجد (آدھی رات کی نماز) کے واسطے ہر رات کو دریائے جہلم سے پانی کا گھڑا نوشہرہ لے

جاتے تھے۔ ایک رات عیدگاہ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حضرت خضر نے انہیں بات چیت کرنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے پانی مرشد کے پاس پہنچانے میں دیر ہونے کا عذر کیا اور سید بیر کے پاس گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ حضرت خضر کی ملاقات کے لئے تجھے مبارک باد دیتا ہوں۔ اب جلدی سے جاکر ان سے ملو۔ یہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت خضر سے ملاقات کی۔ سلوک کے مرحلے اور منزلیں طے کرنے کے زمانے میں ان پر جذبہ۔ محویت۔ وجد اور حال کا اثر بہت سخت ہوتا تھا۔ ترانہ۔ نغمہ۔ گانا بجانا۔ ساز و سرود۔ چنگ۔ رباب کے نہایت دلدادہ تھے۔ برسات میں پانی کے کنارے بیٹھ کر لطف اٹھاتے۔ مچھروں کا گھنگھنانا ان کے لئے نغمہ تھا۔ اور ان کے ڈنک اور کاٹنے کا اثر ان پر نہیں ہوتا تھا۔ سماع (نغمہ میں سننا) کے بارے میں ملا حسین حبانز کے ساتھ جھگڑے ہوئے۔ لیکن یہ اپنے حال سے باز نہیں آئے ۲۴ شوال ۱۰۴۲ھ کو رحلت کی اور محلہ کاٹل میں دفن ہوئے۔ "عارف خاص" تاریخ وفات ہے۔

آخوند مہدی علی کبروی۔ میر شمس الدین

یہ دونوں دوستان خدا حضرت خواجہ حبیب نوشہری کے خلیفے تھے۔ میر شمس الدین کا تذکرہ سیدوں کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ حضرت آخوند مہدی علی روشن ضمیر اور صاحب تاثیر خدا دوستوں میں سے تھے۔ وجد و حال۔ مستی اور قال میں بلند درجہ رکھتے تھے کہتے ہیں کہ میر شمس الدین کا مرید ایک بزاز تھا۔ اس نے ایک دن چاول کا ایک خروار (دو من) مزدور کے ہاتھ میر شمس الدین کے گھر بھیجا۔ مزدور نے غلطی سے چاول آخوند کے گھر پہنچایا۔ حضرت آخوند کے گھر میں دو تین دن سے کچھ نہ تھا۔ ضرورت کے موجب پکڑ لیا۔ اور کہا ہمارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور حضرت میر کو اطلاع دی۔ اور اپنی حاجت روائی کی۔ مزدور بزاز کے پاس مزدوری وصول کرنے کے لئے گیا۔ اور واقعہ بیان کیا۔ وہ غصے میں ہو گیا۔ اور مزدور سے کہا کہ آخوند سے چاول واپس لیکر میر کے پاس پہنچاؤ۔ ورنہ مزدوری نہیں ملے گی۔ مزدور آخوند کے پاس آیا۔ قصہ سنایا اور چاول واپس کرنے کے لئے گستاخی اور بدروی سے پیش آیا۔ آخوند تیز ہو گئے۔ مزدور سے کہا۔ جاؤ۔ تمہارا بزاز مر گیا ہے۔ وہاں بزاز دکان سے اٹھا اور زمین گرا اور مر گیا۔ میر شمس الدین کو کشف کے ذریعہ یہ حال معلوم ہو گیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر بزاز کی دوکان پر دوڑے۔ حضرت آخوند نے گھوڑا نکلوایا جلدی سوار ہو کر

بزاز کی دوکان پر دوڑے۔ راستے میں ایک کتا آخوند کی گھوڑے کی جھپٹ میں آکر ہلاک ہو گیا۔ میر شمس الدین نے کہا۔ ارے دیوانے بلا کسی وجہ کے دو خون ناحق کیئے۔ آخوند نے کتے پر نظر ڈالی۔ کتا زندہ ہو گیا۔ حضرت میر نے بزاز کے لئے عذر خواہی کی۔ اور حضرت آخوند نے اسکا قصور معاف کیا۔ اور خدا سے اس کے زندہ ہونے کی التجا کی۔ بزاز بھی زندہ ہو گیا۔ سچ ہے:-

ہر کہ جان بخشد اگر بکشد رواست ÷ نائب است و دست او دست خداست

(جو زندہ کر سکے اگر وہ مارے تو وہ جائز ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا نائب ہے۔ اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے) حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت آخوند اپنے وقت کے مرد کامل تھے۔ جب انتقال فرمایا محلہ نبلک پورہ میں دفن کیے گئے۔

خواجہ حبیب

مرشد بزرگوار خواجہ حبیب لوشہری کے ہم نام ہی نہ تھے۔ بلکہ عظیم الشان مرید بھی تھے۔ صاحب کشف و کرامات۔ صاحب مجاہدہ اور مشاہدہ۔ ریاضت کش۔ پرہیزگار اور بہت ہی احتیاط والے تھے۔ سماع۔ وجد۔ سکر اور مستی میں عجیب شان رکھتے تھے۔

میاں محمد امین دار

یہاں کے بہت بڑے تاجر تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد لاہور گئے۔ اور شاہزادہ کے داغ دواسپہ کے لئے ملازم ہو گئے۔ پدری وراثت فروخت کر کے آمدنی فقیروں پر خرچ کی۔ اسی ضمن میں ان کے دل میں خدا پرستی کا خیال پیدا ہو گیا۔ اور شیخ عثمان جالندری کے خلیفہ میاں عبدالوہاب لاہوری کی خدمت میں گئے۔ ان کی صحبت میں ان کی زیر تربیت معرفت کی تعلیم حاصل کر کے ابدی سعادت حاصل کی۔ صاحب سوز و گداز۔ حال و قال تھے۔ مرشد سے خرقہ ارشاد حاصل کرنے کے بعد کشمیر آکر اندرواری کے ایک ملاح (کشتی بان) کے گھر میں سکونت کی۔ کچھ مدت کے بعد خواجہ طاہر اشائی نے فتح کدل لاکر ان کو اپنے مکان کے ساتھ ایک مکان دے دیا۔ اور کئی برس ان کی خدمت میں حاضر رہ کر ظاہری اور باطنی فیض حاصل کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ طاہر کے گھر میں بھی میاں صاحب خاموشی ۔ خلوت نشینی اور تنہائی میں یاد خدا میں وقت گذارتے تھے ۔ لیکن کہاں تک ان کے حالات اور کمالات چھپے رہتے شہرت عام نے بقائے دوام کا جامہ پہن لیا ۔ علما ۔ فضلا ۔ امیر اور غریب فیض ظاہری اور باطنی حاصل کرنے کیلئے آنے لگے ۔ کہتے ہیں کہ ان کی صحت بگڑ گئی تھی ۔ جس کے موجب اکثر اوقات بیمار رہتے تھے ۔ اور لوگوں سے کم ملتے تھے ۔ کبھی کبھی لوگوں کے ساتھ محفل بھی گرم کرتے تھے ۔ لیکن خلوت در انجمن کا گر انہیں درستی سے معلوم تھا ۔ دست در کار دل بایار والے لوگوں میں سے تھے ۔ ان کے سامنے کسی کو بے وقت اور بے محل بات کرنے کی جرأت نہیں پڑتی تھی ۔ ایک دن فاضل عالموں کی ایک جماعت ان کے پاس تھی ۔ باتوں باتوں میں ایک مسئلہ کی تحقیق پر انہوں نے شور مچایا ۔ یہ کچھ ملول سے ہو کر کوٹھڑی میں جانے کے لئے اٹھے اور فرمایا " یہ مدرسہ نہیں " ان کو تعلیم کی اشاعت کا بہت شوق تھا ۔ اسی بنا پر عالموں اور فاضلوں کی صحبت کو پسند کرتے تھے ۔ ان پر مہربانیاں کرتے تھے ۔ انہیں اشاعت تعلیم کی ترغیب دیتے تھے ۔ حقیقت کی باریک باتیں بتاتے تھے ۔ خاص اور عام لوگوں کے ساتھ الفت اور خوشدلی سے پیش آتے تھے ۔ انہیں اچھی اچھی باتیں سناتے تھے ۔ آخر میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر سے ملاقات ہوئی ۔ بادشاہ ان کی صحبت سے نہایت خوش ہوئے ۔ بہتر برس کی عمر میں سنہ ۱۰۹۹ھ میں انتقال فرمایا ۔ تاریخ ہے :- یازدہم ماہ صیام رفت میاں از جہاں ۔ اور دل بیک مصرع سنہ تاریخ وصال بیر گفت ۔ شیخ واقف ۔ نور معارف ۔ صاحب خلق و کرم ان کی قبر فتح کدل میں ہے ۔ کتاب فقرات اور رسالہ ضروریہ ان کی تصنیفوں میں سے ہیں ۔

لوڑہ بابائے پکھلی

بابا علی پانپوری کے خلیفوں میں سے تھے ۔ ایک بہت مدت تک پانپور کی خانقاہ میں مجاہدہ اور ریاضت میں مصروف رہے ۔ عمر بھر میں نکاح کی خواہش نہ کی ۔ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے ۔ اور گوشت نہیں کھاتے تھے ۔ اس درجہ کے صاحب حال تھے کہ پھولوں ۔ پھلواڑیاں ۔ سبزہ اور سبزہ زاروں حسین اور خوبصورت چیزوں اور ان لوں کو دیکھ کر بے حال ہو جاتے تھے ۔ رو پڑتے آنسو بہاتے ان کے دل سے ہر وقت دردناک آہ نکلتی تھی ۔ آخر پر شیخ عبدالاحد سرہندی کی خدمت میں مشرف ہوئے ۔ اور جب وہ کشمیر میں ٹھہرے تھے ۔ ان کے خادموں کو کئی دفعہ دعوت دے کر

کھانا کھلایا۔ راتوں کو ان کی خدمت گذاری کرتے۔ جب موت نے پکارا زینہ بازار کے محلہ میں نالہ مار کے کنارے مسجد کے متصل دفن ہوئے۔

آخوند ملا نازک ناشوانی

بہت بڑے عالم اور اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ ایک مدت تک ملایانہ وضع میں نوکری کرتے رہے۔ جب حاجی محمد فتح سیالکوٹی کشمیر آئے۔ ازلی توفیق نے اُن کو ان کی خدمت میں پہنچا دیا۔ ان سے روحانی تعلیم و تربیت پاکر خدا کے سوا باقی تمام چیزوں اور باتوں سے منہ موڑ کر طریقت اور معرفت کا راستہ لیا۔ اور خدا رسیدہ کامل مردوں میں جگہ حاصل کی۔ کئی بار مرشد بزرگوار کے پاس سیالکوٹ گئے۔ اور حاجی بھی ان کی تکمیل کے لئے کئی بار کشمیر آئے۔ ارشاد کا خلعت پہننے کے بعد خلوص والے دوست پیدا کئے۔ اور ان کے دلوں کو پوری طرح تاثیر سے بھر دیا۔ لیکن حالات کے جوبن پر ان کا قابل بیٹا محمد باقر جو صاحب حال و قال تھا۔ ان کو ابدی داغ مفارقت دے گیا۔ اس مصیبت نے اُن کا حال متغیر کر دیا۔ اور ایک لمبی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اور دوستوں کی طرف کامل توجہ دینے سے رہ گئے۔ نہایت حلیم اور بُردبار اور صاحب تواضع تھے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ یہ شعر ان کے طبع زاد ہیں۔ غزل

انت مطلوبٌ و معبودٌ لنا ؞ انت منظور و مقصود لنا

ان وعدتم باللقاء فی الآخرۃ ؞ و ھو فی الکونین مشھودٌ لنا

لا تری فی الکون الا وجھک ؞ انت مشھودٌ و موجودٌ لنا

مذھب الزھاد منسوبٌ لھم ؞ مشربُ العشاق محمودٌ لنا

لا یزدل عارض للتعارفین ؞ نازکی الظل ممدودٌ لنا

جب رحمت حق سے ملے اپنے گھر کی ہمسائگی میں روضہ سید محمد منطقی کے متصل ناشواں میں دفن ہوئے۔ مخلصوں نے قبر پر ایک گنبد بنا دیا ہے۔

صوفی عبدالرزاق بچھ (بٹھ)

حاجی مصطفےٰ رومی کے خلیفوں میں سے تھے۔ شروع میں کتاب کے مطالعہ سے مرشد کامل

کرنے کے بعد روزانہ ایک ہزار مرتبہ نفی واثبات کرتے تھے۔ لیکن صفائی دل حاصل نہ ہوئی۔ اور باطن کا دروازہ نہ کھلا۔ پھر حضرت حاجی مصطفیٰ کے پاس جاکر تعلیم وتربیت حاصل کرنے لگے۔ اور ان کی توجہ سے پہلے ہی دن عالم ناسوت کا کشف حاصل ہوگیا۔ پھر کشف ملکوت جبروت۔ اور لاہوت کے شوق نے یہ ستعدی بخشی کہ زمستان میں ایک پتھر پر پالیس ۴۰ دن کی خلوت پوری کی ایک دن پتھر پر سے پاؤں پھسل گیا۔ اور کانگری کی آگ سے جل گیا۔ پاؤں کا جلنا تھا کہ دل روشن ہوگیا۔ اور خدا کے پیاروں کی جگہ پائی۔ منزل مقصود حاصل کر کے لوگوں کے ارشاد میں مصروف ہوئے۔ گوجوارہ میں ان کا مزار ہے۔

شیخ محمد فاضل

شاہموں کے دولت مند دل خاندان سے تھے۔ اٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق نے شیخ موسیٰ کبروی کے خلیفہ خواجہ محمد بزاز کی خدمت میں پہنچا دیا۔ ان کی تعلیم وتربیت سے ظاہری اور باطنی علموں میں کامل اور فاضل ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے۔ راستے میں عالموں۔ فاضلوں۔ فقیروں اور خدا دوستوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جب وطن واپس آئے ڈل جھیل کے کنارے خنگ گاموں میں عبادت اور یاد الٰہی میں لگ گئے۔ آخر نکاح کر کے خندہ بون محلہ میں رہائش کر کے بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ ہنگامہ آرائی سے نفرت تھی۔ تنہائی اور توکل میں عمر بسر کی۔ جب رحمت حق ہو گئے۔ مزار ملہ بابا میں دفن ہوئے۔

خواجہ محمد حسین

خواجہ محمد بزاز کے مریدوں میں۔ پرہیزگاری۔ خداترسی۔ صداقت اور صفائی۔ امانت اور دیانت کے لئے مشہور تھے۔

خواجہ عبدالرزاق

خواجہ محمد بزاز کے بیٹے خداترسی۔ پرہیزگاری۔ عبادت اور ریاضت میں بے بدل تھے۔ لمبی عمر پائی تھی۔ اور محلہ ملچمر میں باپ کی خانقاہ آباد کی۔ ۱۱۴۲ھ کو انتقال فرمایا۔ اور اپنی بیٹھک میں دفن ہوئے۔ "مرشد کشمیر" تاریخ ہے۔

خواجہ عبدالرحیم مانجو

کشمیر کے تاجروں میں سے تھے۔ جوانی کے جوبن میں خدا طلبی کے شوق نے شیخ لنگر ریشی بانپوری کی صحبت سے بہرہ ور بنادیا۔ پھر میر علی قادری کی خدمت میں جاکر سلوک کے مرحلوں اور منزلوں کو طے کر کے شاہ ابوالحسن قادری کی تربیت میں درجہ تکمیل حاصل کیا۔ ریاضت کش۔ نفس کش۔ شریعت کے پابند پرہیزگار۔ خدا سے ڈرنے والے۔ عالی ہمت اور روشن ضمیر و صاف دل تھے۔ جو کچھ ملتا تھا۔ محتاجوں کو دیدیتے تھے۔ سبھوں کے خیر اندیش تھے۔ نیک کاموں کو بجالانے اور برائیوں سے بچنے کے لئے لوگوں کو سمجھاتے بجھاتے رہتے تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ جب اجل نے بلایا محلہ جمالہ ٹہ میں اپنے گھر کے پاس ہی سپرد خاک رکھے گئے۔ شیخ واصلین ۱۰۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔

خواجہ حبیب لٹو

شہر کے شریفوں میں سے تھے۔ مولانا ابوالفتح کلو سے رواجی تعلیم پاکر میر علی قادری سے معانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ جہاں کہیں کوئی خدا رسیدہ بزرگ تھا۔ اس کی ملاقات کی۔ بڑے فاضل بہت ہی پرہیزگار اور صاحب ارشاد تھے۔ ۱۱۰۵ھ میں رحلت فرمائی۔ زینہ کدل میں دریا کے کنارے دفنائے گئے تھے۔ تیس ۳۰ برس کے بعد قبر میں رخنہ ہوگیا۔ لوگوں نے نعش کو وہاں سے نکال کر ان کے گھر کے صحن میں راستے میں پھر دفن کیا۔ تاریخ ہے:۔ نہال از جہاں شد حبیب خدا ۔ ۱۱۰۴ھ

میر ابوالفتح قادری

میر علی قادری کے پوتے (شادی بوابوں کے خاندان سے) یہاں کے ملک التجار تھے۔ میر علی قادری نے بیٹا بناکر (متبنیٰ) ظاہری و باطنی تعلیم اور دینی و دنیوی تربیت دے کر کمالات سے آراستہ کیا۔ جب میر علی قادری شاہجہاں آباد روانہ ہوئے۔ میر ابوالفتح کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موجب باوجود پندرہ برس ہی عمر ہونے کے اپنا قائم مقام بنا دیا۔ دہلی سے واپسی پر جس طرح سے ممکن تھا۔ ان کی اصلاح اور تربیت فرمائی۔ اور مرض موت میں اپنے رشتہ داروں کی

مخالفت اور ممانعت کے باوجود ان کو مسند خلافت پر بٹھاکر اپنے سلسلے کا پیشوا بنادیا۔ اور میر مذکور نے نہایت شکوہ و عزت کے ساتھ خلافت کے فرائض بجالائے۔ ریاضت۔ پرہیز گاری اور لوگوں کو ظاہری اور باطنی فایدہ رسانی کی کوشش آخری دم تک کرتے رہے۔ اپنے بچوں کی صلاحیت اور علم پر پوری توجہ دی۔ آخر ماہ شعبان ۱۱۲۵ھ کو انتقال فرمایا۔ اور گھر کی ہمسایگی میں دفن کئے گئے۔ خلیفہ شاہ جیلان۔ تاریخ وفات ہے۔

حافظ حسن اعمی

گاؤں سے آکر میر محمد ابن ولی کے روضہ کے پاس رہائش کرتے تھے۔ پہلے میر علی قادری سے تربیت پائی۔ پھر ملا نازک تاشوانی کے پاس جاکر سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ ریاضت و عبادت میں کمال کی استقامت رکھتے تھے۔ باوجود نابینا ہونے اور کمزوری کے پانچ وقت نماز مسجد میں جاکر ادا کرتے تھے۔ کسی امیر کے گھر ہرگز نہیں جاتے تھے۔ نوے برس کی عمر میں ۱۱۶۵ھ میں انتقال کیا۔

شیخ دولت

میر علی قادری کے مریدوں میں سے تھے۔ مجاہدہ کے زور سے ہمیشہ مشاہدہ میں رہتے تھے ملہ کھاہ میں دفن ہیں۔

میر حسن قادری

میر نازک قادری کے پوتے اور میر احمد کے بیٹے تھے۔ اوصاف حمیدہ۔ جذبہ اور عجیب و غریب حالات کے لئے مشہور تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ رتن کشمیری

میر علی قادری کے مرید۔ ریاضت کش اور جانباز بزرگ تھے۔ محلہ سدرہ دتر میں دفن ہیں

شیخ اسمٰعیل

ان پڑھ آدمی تھے۔ میر علی قادری کی خدمت میں قبولیت پاکر ریاضت اور استقامت کے

زور سے اس کا مرتبہ صاحب حال وقال سے لوگوں کی حد پر پہنچ گیا۔ دونوں دنیاؤں کا کشف حاصل تھا۔ کھانے پینے اور لباس میں جہاں کہیں شبہہ ہوتا ان کو خبر لگتی تھی۔ مولانا ابوالفتح کیبا نقر زیادہ وقت گذارتے تھے۔ بابا حسین خانیاری۔ خواجہ یوسف زرگر اور شیخ حافظ صالح نکھی باری میر علی قادری کے خلیفہ تھے۔

شیخ قاسم[۳]

میر علی قادری کے مرید صاحب حال وقال اور کمالات تھے۔ نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کے لئے لوگوں پر زور دیتے تھے۔ علاقہ اچھ کے گاؤں ولنو میں دفن ہیں۔

خواجہ قاسم[۳] ترمذی

کتابی علم میں کمال حاصل کرنے کے بعد باطنی علم حاصل کرنے لگے۔ بڑے بڑے دوستان خدا سے ملاقات اور دوستی تھی۔ فقیری کے لباس میں حج کو گئے۔ خانہ کعبہ اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کر کے واپس آئے۔ شیخ محسن فانی قطب الدین پورہ کے محلے میں شاگردوں کو تفسیر قرآن پڑھاتے تھے۔ خواجہ بھی حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ اور معنی کی باریکیاں اور نزاکتیں اس طرح بیان کرتے تھے۔ کہ شیخ محسن نے ان کی طبیعت کی تیزی اور فہم رسائی سے خوش ہو کر اپنی بیٹی نکاح میں دی۔ شیخ فانی کے انتقال کے بعد کاشغر گئے۔ اور وہاں ان کی حد سے بڑھ کر آؤ بھگت ہوئی۔ کاشغر سے واپسی پر شاہجہاں کے پاس ملازم ہو گئے۔ اور صوبہ ٹھٹھ کی مہم میں دنیا سے چل بسے۔ یاروں نے ان کی نعش کشمیر لا کر ملا فانی کی ہمسائیگی میں گڈ گڈنی محلہ میں سپرد خاک کی۔ نـ گوبہ گڈی محلہ

نور محمد پروانہ

حضرت بڑہ بالو کے خلیفہ تھے۔ میاں محمد امین ڈار سے بھی شرف ارشاد حاصل تھا۔ ریاضت عبادت۔ شب بیداری اور روزہ داری میں عمر گذاری۔ چالیس برس تک مرشد کی خدمت گذاری میں رات بھر کبھی نہ سوئے۔ حضرت شیخ نے مریدوں کی تربیت الہیٰ کی سپرد کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہو کر لوگوں کو ظاہری اور باطنی فائدہ پہنچانے میں مشغول ہو گئے

ان کے مرید سب کے سب بلند پایہ مردانِ خدا بنے۔ ان کے حالات و کرامات بے شمار ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اولاد کے لئے التماس کی۔ انہوں نے ایک سیب دیکر کہا کھاؤ۔ خدا نے اس کو ایک بیٹا عطا کیا۔ ایک شخص کو پیٹ درد کی شکایت تھی۔ انہوں نے توجہ دی اور بیمار کو محسوس ہوا کہ ایک بگولا اسکی منہ میں آکر پیٹ میں چلا گیا۔ اور پیٹ کے درد سے نجات پائی۔ ایک دن مایہ سومہ میدان میں رو رہے تھے۔ ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ شیخ نے کہا۔ شہر پر مصیبت آنے والی ہے۔ میں نے چاہا تھا۔ کہ ٹل جائے لیکن آفت دور نہ ہوئی۔ کچھ دن بعد آگ لگی اور شہر کے بیچ کے کئی محلے جل کر راکھ ہو گئے۔ سنہ ۱۰۸۵ھ میں رحلت کی۔ اہلہ مر میں اپنے گھر کے باہر دفن کئے گئے۔

مُلا زین الدین پال

مُلا شمس الدین پال کے پوتوں میں۔ شیخ بٹہ مالو کے مُرید صاحب حال و قال تھے۔ خدا نے موزون طبعیت عطا کی تھی۔ ان کا دیوان معرفت کے باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ نمونہ کلام یہ رُباعی ہے :۔

دمبدم دست و پا چہ نے شوئی ؛ آب جوئی۔ و آب نے جوئی
نقش اللہ از رخن پیدا ست ؛ توجہ در بندِ ذکرِ یا ہوئی

محلہ باغبان پورہ میں مسجد کے صحن میں دفن ہیں۔

ہمہ بٹ

پامپور کے زمیندار تھے۔ بٹہ مالو صاحب کے دامن کو پکڑا۔ کشفِ ملکوت سے گذر کر سیر لاہوت کیا۔ عمر کو ریاضت و عبادت میں گذار کر مرشد نامدار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

ترشن شیخ

حضرت شیخ العالم رحہ کی روحانی نظر سے بٹہ مالو صاحب کے پاس آکر مُسلمان ہو گئے۔ ریاضت و عبادت اور مجاہدہ میں زبردست مشقت کر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ وانہ پورہ میں دفن ہیں۔

ہمت ریشی

حضرت بٹہ مالو صاحب کے خلیفوں میں سے تھے۔ ہمیشہ شب بیدار اور روزہ دار رہتے تھے۔ گوشہ

نہیں کھاتے تھے۔ ہو مہ ماہ کے ایک غار میں بہت مدت تک ریاضت اور عبادت کرتے رہے۔ آخر پر گپھا سے نکل کر اسی گاؤں کی ایک اونچی جگہ پر ایک مسجد اور ایک باغیچہ بنا دیا۔ وہیں دفن ہیں۔

شیخ عنایت اللہ قادری

شاہ ابوالحسن قادری کے مرید تھے۔ محمد فاضل سے بھی فیض کا افادہ کرتے تھے۔ سماع۔ گانا بجانا خوش آوازی۔ خوبصورتی اور وجد کو پسند کرتے تھے۔ خوابوں کی تعبیر بتلانے میں کمال تھا۔ شاہ علی رضا سرہندی سے بھی ملاقات تھی۔

مُلا محمد کاوسو

مولانا محمد یوسف کاوسو کے بیٹے اور شیخ محسن فانی کے داماد تھے۔ ترک دنیا کر کے شیخ نجم الدین سے سلوک کی تربیت پا کر زندگی کو تنہائی۔ گوشہ نشینی۔ ریاضت اور عبادت میں گذرا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اور شب بیدار رہتے تھے۔ کچھ مدت محلہ لوہٹہ میں گزارنے کے بعد علاقہ اولر کے گاؤں گاسی پورہ میں گئے۔ انجام کار شیخ صبغۃ اللہ دہلوی کی خدمت میں بار یاب ہو کر دلی تمنا پوری ہوئی۔ اور فنا فی الکل کا درجہ حاصل کیا۔ آخر عمر میں مرشد کی ملاقات کے لئے پشاور روانہ ہو گئے اور بارہ مولہ پہنچکر وفات پائی۔ خانیار میں دفن کئے گئے۔

شیخ معروف

نقلی اور عقلی علموں کے عالم۔ ریاضت۔ عبادت اور مجاہدہ میں فاضل تھے۔ پہلے شیخ ابوالمظفر دہلوی سے سلوک کے مقامات کی رہبری حاصل تھی پھر ملا شاہ کی خدمت میں جا کر کمال حاصل کیا۔ ارشاد کی اجازت ملنے کے بعد لوگوں کی رہنمائی اور فائدہ رسانی کے لئے بہت کوشش کی۔ کہتے ہیں کہ اُن کا ایک مرید غریب ہو گیا تھا۔ ایک دن اس خیال سے کہ ان کی دعا سے مسجد جامع کا خطیب بنوں۔ ان کے پاس آیا چپ چاپ بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ پیارے امامت کرنا چاہتے ہیں۔ ضرور امامت کا کام مل جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد مسجد جامع کا خطیب مر گیا۔ اور یہ آدمی اس کی جگہ خطیب مقرر ہوا۔ ایک دن فرمایا۔ کہ میرے مرنے کے بعد ہی اس ملک کی ہوا بدل جائے گی۔ یعنی سردی کم ہو جائے گی۔ اور گرمی بڑھ جائے گی۔ ایسے ہی وقت پر ان کا انتقال ہوا۔

حافظ ابراہیم زرگر

پہلے خواجہ یوسف بڈرو کے مرید تھے۔ پھر خواجہ حسن بچھ کی خدمت میں آکر سلوک کے مرحلے اور منزل طے کئے۔ زیادہ وقت غاروں اور گپھاؤں میں بیٹھکر عبادت و ریاضت میں گزارا۔ عجیب و غریب حالات والے بزرگ تھے۔

مُلا محمدؒ

صلاحیت والے پرہیزگار۔ ادیب کامل۔ عالم باعمل۔ صاف باطن اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ لوزہ بابا نزدری کے تربیت یافتہ تھے۔ کچھ مدت کے لئے قصبۂ سوپورہ میں رہ کر کئی چلّے پورے کئے۔ خاص اور عام حاجتمند اور طالبان حق ان سے فیض پاتے تھے۔ پھر شہر آکر محلہ دیدہ مر میں دریائے جہلم کے کنارے ایک گھر بنایا اور نکاح کیا۔ تنہانشینی۔ خلوت نشینی۔ تمیز اور نیکی میں عمر گذاری۔ صالح اولاد رکھتے رکھتے تھے۔ جنہوں نے کئی پشتیوں تک سجادہ نشینی کر کے خلق خدا کو فیضیاب کیا۔ مولانا کا مقبرہ دیدہ مر میں مشہور ہے۔ ان کے پوتے نواسے اب تک سوپور میں موجود ہیں۔

دتی ریشی بابا

شیخ اسمٰعیل قادری کے مریدوں میں سے تھے۔ بابا عبداللہ نزدری سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ اور فیضیاب ہوئے تھے۔ ریاضت اور عبادت میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ کبھی کشمیر سے باہر نہ گئے۔ حاجیوں نے انہیں خانہ کعبہ کو طواف کرتے بارہا دیکھا۔ اور مدینہ منورہ میں روضہ مطہرہ کے پاس پایا۔ کامراج کے ایک گاؤں آڈواہ میں دفن ہیں۔

مُلا محمد مُراد

مُلا شمس الدین گنائی کے پوتے اور محمود الثنرا ضیا کے بیٹے تھے۔ بہت بڑے عالم فاضل۔ روشن دل اور تصوف میں کامل دستگاہ رکھنے والے تھے۔ مُلا محسن کھنوان کے شاگردوں میں سے تھے۔ بابا نصیب۔ مُلا طیب اور خان بابا سے دوستی اور مُلاقات تھی۔ صاحب حال وقال اور جذبہ تھے۔ اوّل ماہ صفر ۱۰۸۹ھ کو رحلت فرمائی۔ تاریخ وفات "باد در جنّت اعلیٰ جائیش" ہے۔

خورم پنڈت

پرہیزگار اور خدا سے ڈرنے والے بزرگ تھے۔ صاحب حال و قال اور کرامات تھے۔ ایک دن ایک آدمی کا پاؤں پھسل گیا اور ٹوٹ گیا۔ جب حضرت کے پاس پہنچا۔ انہوں نے ہاتھ پھیر دیا۔ پاؤں ٹھیک ہو گیا۔ ایک دفعہ ایک مہاجن نے ان کے لگائے ہوئے درخت سے ایک ٹہنی زبردستی سے کاٹی۔ تھوڑی دیر گذرنے نہیں پائی تھی۔ کہ اس کا ہاتھی گر کر مر گیا۔ گورہ گاڑی محلہ میں دریا کے کنارے دفن ہیں۔

بابا زین الدین

بابا خورم کے مریدوں میں سے تھے۔ نیک سیرت۔ خوش خصلت۔ خدا ترس اور پرہیزگار تھے۔ اپنے مرشد کے پاس ہی دفن ہیں۔

مُلا مُشرَبی

شروع میں مولیٰ طلبی کے ذوق سے ملکوں کی سیاحت کی اور آخر کار خواجہ محمد اسحاق کاشانی کے مرید ہو کر سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی۔ خواجہ محمود دخاوند سے بھی استفادہ کیا۔ خدا ترس اور پرہیزگار تھے۔ محلہ دیدہ مر میں دفن ہیں۔

مخدوم شیخ محمد شریف

حاجی حسین قاری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ موضع معالپورہ میں ریشی دنی کے مقام پر بارہ [12] برس تک پہاڑ پر رہ کر خلوت نشین تھے۔ پھر السبل ناگ کے کنارے بیٹھ کر لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض پہنچانے میں مشغول ہو گئے۔ صاحب حال اور کرامات تھے۔ ان کی بےشمار کرامتیں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ اندر کوٹ گاؤں میں ایک ریاضت کش جوگی تھا۔ سادھو ان کی ملاقات کو آتا تھا۔ ان کے کمالات دیکھ کر ایک [3] سنگ پارس (ایک پتھر جس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ جس چیز کو اس سے چھوئیں وہ چیز چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے۔) جو سادھو کے پاس موجود تھا۔ نذر کے طور پر انہیں پیش کیا۔ حضرت نے پاس پتھر کو ہاتھ میں اٹھا کر اس کی قدر و قیمت اور خاصیت پوچھی۔ سادھو نے سب کچھ بتا دیا۔ حضرت نے پتھر کو کشتی نکال کر مانسر جھیل میں دور پھینک دیا۔ جوگی جناب کے اس بلند مرتبہ حال کو دیکھ کر گھبرایا۔ حیران اور پریشان ہو گیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ اور اس کی پیروی اور دیکھا دیکھی میں نو سو ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت شیخ سے

بیعت کی۔مختصر یہ ہے۔کہ حضرت شیخ صاحب حال و قال۔صاحب کرامات اور خوارق عادات والے بزرگ تھے۔ ۹۴۲ھ میں انتقال فرمائے۔صفا پورہ میں مانسبل جھیل کے شمالی کنارے پر (گرنڈ بل میں) دفن ہیں۔

مخدوم محمد لطیف

مخدوم محمد مکی کے پوتوں میں سے تھے۔اپنے بزرگوں سے باطنی فیض حاصل کرکے پرگنہ لعل کے گاؤں میگام میں ونزگنگ چشمہ کے کنارے تنہا نشین ہو کر ریاضت اور عبادت میں عمر گذاری ۱۱ ذالحجہ ۱۱۱۴ھ میں دنیا سے رحلت کی۔اور اسی چشمہ کے پاس آرام پائے ہوئے ہیں۔

بابا قمر الدین

ساکنہ کبروبہ میں کامل۔فاضل۔صاف دل اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔عبادت گذاری اور محنت کشی میں عمر بسر کی۔علاقہ کامراج کے گاؤں بازی پورہ میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد مومن

شیخ محمد شریف کول کے فرزند ارجمند تھے۔اپنے والد بزرگوار سے باطنی تربیت پاکر عجیب و غریب حالات کے مالک بن گئے۔کبھی کبھی توحید کا غلبہ ان پر شدت کا ہوتا تھا۔اور اسی وجہ سے تماکو پیتے تھے۔اور اپنے آپ کو ملامتیوں (فقیروں کا وہ گروہ جو خاکساری۔عاجزی۔نابکاری اور گنہگاری کا اظہار کرتا ہے۔اور انکساری کے موجب یہ لوگ اپنے آپ کو لعنتی سمجھتے ہیں) میں شمار کرتے کہتے ہیں کہ ایک دن ایک گاؤں میں پہنچے۔وہاں ایک سید کے روضہ پر گئے۔اور دیر تک بیٹھتے رہے۔اور تماکو خریدنے کے لئے جیب میں کوئی پیسہ نہ تھا ساقی سے کہا۔جاؤ حضرت سید ہمارے لئے تماکو مانگو۔وہ آدمی حضرت سید کی قبر پر گیا۔اور تماکو مانگا اسی وقت ایک نورانی شخص آیا گیا اور تین پیسے اس آدمی کو دے کر کہا۔جاؤ تماکو لاؤ۔غرض یہ ہے کہ شیخ محمد مومن بڑے صاحب حال اور کمال تھے۔جب اس دنیا کو چھوڑا۔خواجہ رفیق کے مزار میں دفنائے گئے۔

شیخ نور محمدؒ

شیخ محمد شریف کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ ملک سیرت اور فرشتہ خصلت رکھتے تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ محمدؒ

شیخ محمد شریف کے تیسرے بیٹے تھے۔ عبادت و مجاہدہ میں عمر بسر کی۔ ایک دن گھر والوں سے کہا۔ آج گھر کا تمام سامان نکال کر کہیں دور لے جاؤ۔ اسی رات محلہ میں آگ لگ گئی اور ان کا گھر بھی نذر آتش ہوا۔ ۷ محرم ۱۰۸۳ھ کو رحلت کی۔ جد کے مزار میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد طاہرؒ

شیخ محمد شریف کے چوتھے بیٹے تھے۔ خدا ترس اور بڑے پرہیزگار تھے۔ صاحب حال وقال اور کمال تھے۔ ایک دن راستے میں چلتے تھے۔ اور ایک چھوٹا بچہ ماں کو چمٹ گیا تھا۔ اور روتا تھا۔ "مجھے بلبل دے دو"۔ بیچاری پریشان تھی۔ کہ کیا کروں؟ بلبل کہاں سے لاؤں؟ شیخ نے دیوار پر بلبل کی تصویر کھینچ کر ایک زندہ بلبل بچے کے ہاتھ میں دے دیا۔ بچے نے تھوڑی دیر بلبل کو کھیلا۔ حضرت نے اس کے ہاتھ سے لیکر بلبل چھوڑ دی۔ جو ہوا میں اڑ گئی۔ اپنے اسلاف کے مقبرہ میں آرام پائے ہیں۔

بابا نتہ ریشی

سلسلہ کبرویہ کے عامل تھے۔ ریاضت کش اور بہت احتیاط والے تھے۔ ہمیشہ شب بیدار اور روزہ دار ہوتے تھے۔ کسر نفسی حد درجہ کی تھی۔ اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے۔ ساری عمر کو تنہا اور مجرد رہے۔ علاقہ اونر کے گاؤں ترہہ گام میں دفن ہیں۔

شیخ یعقوب چھتہ بلی

شیخ غازی الدین کے عالی قدر بیٹے تھے۔ چونکہ کشمیر کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اس لئے

ظفر خان احسن نے ان کو کشمیر کے رئیسوں کی ایک جماعت کے ساتھ کچھ ملکی اور مالی اموُرات کے انتظام کے لئے شاہجہاں کے پاس بھیجا۔ بادشاہ نے مہربانیاں کیں اور ہر رئیس کو حیثیت کے مطابق جاگیر بخشی۔ شیخ یعقوب کو پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ کر کے مان سنگھ کے ساتھ گولیار بھیجدیا۔ اور ایک مدت تک گولیار کے حاکم رہے۔ اُن کو ایک دن رات میں ایک قلندر نے پکڑ کر کہا۔ "دنیا کی حکومت تیرے نصیب میں نہیں"۔ "کشمیر جاؤ اور وہاں خدا کا کام کرو۔ تمہارا مرشد وہاں تمہارے انتظار میں ہے"۔ شیخ پر قلندر کی باتوں نے کچھ ایسا اثر کیا۔ کہ ملازمت چھوڑ کر کشمیر واپس آئے۔ یہاں آکر کھویہامہ میں شیخ محمدؒ پارسا سے ملے۔ اور بارہ برس ان کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تعلیم اور تربیت پاکر طریقت کے منزلوں اور مقاموں کو طے کر کے ارشاد کا درجہ حاصل کیا۔ مرشد بزرگوار کی وفات کے بعد کھویہامہ سے شہر آکر نو برس زوینہ میں ایک خادم کے گھر میں تنہانشینی میں گذارے۔ اور رات دن ستار کی آواز (صوفیانہ کلام) سنتے تھے۔ وہاں سے کسی درجہ کے موجب اٹھ کر باقی عمر چھتہ بل میں گوشہ نشینی اور تنہانشینی میں بسر کی۔ آخر عمر میں کمزوری اور سستی کے موجب نچلا دھڑ بیٹھ گیا۔ اور اٹھنے سے رُک گئے۔ کہتے ہیں کہ ایک عورت کو سات لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ اور پھر امید تھی۔ ڈر کے مارے حضرت شیخ کے پاس اپنا حال بیان کیا۔ لڑکے کے لئے التماس کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اب کے برس درگاہ سے تجھے بیٹا بخشا گیا۔ وضع حمل کے بعد معلوم ہوا۔ کہ پھر لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ خادم نے اس عورت کی شکایت حضرت کو سنائی۔ شیخ نے کہا۔ اس کو لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جاؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ خادم چلا گیا۔ اور لڑکی دیکھکر شرمندہ ہوا۔ آکر حضرت شیخ سے تیزی بولا۔ مردانِ خدا کیوں جھوٹ بولتے ہیں؟ شیخ نے قہر سے صراحی کی نلی توڑ کر اس کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ جاؤ اُس کو آلہ تناسل کی جگہ لگاؤ۔ خادم چلا گیا۔ لڑکی کو گود میں لیکر چپکے سے آلہ تناسل کی جگہ نلی رکھدی۔ اس کی حیرانی کی انتہا نہیں جب لگاتی ہے۔ نلی جڑ کر لڑکے کا آلہ تناسل اس کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکی لڑکا ہو گئی تھی۔ یہ لڑکا بارہ برس تک گونگا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ کے پاس لاکر والدین نے کہا۔ حضرت یہ آپ کا لڑکا ہے۔ حضرت نے پوچھا۔ بیٹا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ کہا عنایت اللہ۔ اور اسی وقت سے باتیں کرنے لگا۔ ایک دن رات کے وقت زوینہ جا رہے تھے۔ اور کشتی میں

دریائے جہلم کے پار ہو گئے۔ مانجی کا عقل لوٹا تھا۔ بے عقل ہی ان کی جوتی آنکھوں پر ملی اندھا ہو گیا۔ حضرت شیخ واپس آئے۔ مانجی نے نہایا تھا۔ جوتی اٹھا کر آنکھوں پر ملی۔ بینا ہو گیا۔ حضرت شیخ کے پورے حالات اور کمالات میرے والد کے تصنیف کئے ہوئے "رسالہ مجموعہ" میں ہیں۔ ۷ ربیع الاول سنہ ۱۱۰۲ھ کو اس دنیا سے کوچ کر کے آخرت کی دنیا کو سدھارے۔ "شیخ صاحب کمال" تاریخ وفات ہے۔

شیخ موسیٰ

شیخ غازی الدین کے بیٹے اور شیخ یعقوب کے بھائی تھے۔ باپ سے تربیت پا کر باطنی کمالات حاصل کر کے بھائی سے ان کی تکمیل کی۔ مخفی اور پوشیدہ ولی اللہ تھے۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں عمر بسر کی۔ یکم محرم سنہ ۱۰۸۲ھ کو جنت کا راستہ لیا۔ زدیبر میں گلی کدل کی طرف دفن ہیں۔ "شیخ باصفا" تاریخ وفات ہے۔

خواجہ ہاشم بلوؒ

عالیشان سوداگروں کے فرقے میں سے تھے۔ مہدی علی کبروی سے تربیت حاصل کر کے ان کے مرید بنے۔ عبادت اور ریاضت میں لاثانی تھے۔ سماع (صوفیانہ گانا) کے دلدادہ تھے۔ رقص اور وجد میں آ کر بے حال ہو جاتے تھے۔ ساری رات کو حبس نفس (سانس بند) کر کے "ذکر چار ضرب" کرتے تھے۔ سونے کے وقت سے صبح ہونے تک صرف ایک سانس لیتے تھے۔ وجد و حال کے لئے مشہور تھے۔ آخر پر شادی کر کے عالیکدل کی ہمسائیگی میں ایک وقف کی۔ زمین کی کوٹھڑی میں سکونت کی۔ گھر یا خانقاہ نہ بنائی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ان کی بیوی دروازہ پر کنگھی کر رہی تھی۔ اور ہمسایوں میں سے ایک آدمی کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔ حضرت خواجہ کو نظر پڑی اور جانچنے کے بعد ان کو محسوس ہوا۔ کہ وہ آدمی بے ادبی سے دیکھ رہا ہے۔ ادھر قہر کی نظر ڈالی۔ اسی وقت وہ آدمی کھڑکی سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ ۲۷ رمضان سنہ ۱۱۰۵ھ شب قدر کی رات کو وفات

پائی۔ محلہ گوجوارہ میں دفن ہیں متصل جامع مسجد۔

بابا عبدالنبی کبروی

بابا نازک کشمیری کے بیٹے تھے۔ نیک کردار اور پرہیزگار تھے۔ آخوند مہدی علی نوشہری سے طریقت کی تعلیم حاصل کر کے۔ ان کی بیٹی نکاح میں لی۔ نہایت خوش طبع۔ خوش وضع اور شیریں کلام تھے۔ صوفیانہ گانے کے شائق تھے۔ رقص۔ وجد اور حال میں بے مثال تھے۔ عبادت۔ ریاضت اور مجاہدہ میں عمر گزاری۔ سلسلہ کبرویہ کو تازہ رونق بخشی۔ وفات کے بعد خانقاہ کی ہمسائیگی میں حضرات کبرویہ کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ عبداللہ معروف بہ ابل بابہ

مہدی علی کبروی کے خلیفوں میں سے تھے۔ پنج بھائی صاحب کے زمرہ میں شامل ہیں۔ بڑے ذوق اور شوق والے تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ گانے بجانے۔ صوفیانہ ترانے۔ اور خوبصورتی کے دل دادہ تھے۔ گھر بار کہیں نہیں بنایا۔ دوستوں اور مخلصوں کے گھروں میں عمر گذار کر محلہ ملارٹہ میں حضرت میر مبرک اندرابی کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالغفور غازی

ملازمت میں ایک اچھے عہدے پر مامور تھے۔ کچھ مدت کے بعد ملازمت چھوڑ کر شیخ معصوم سرہندی قدس سرہ سے یاد الٰہی اور سیر لامکانی کی تعلیم حاصل کی۔ جب کشمیر آئے کٹنکہ باغ میں ریاضت کرنے لگے۔ آخر پر چھتہ بل آکر اپنے گھر میں تنہا نشین رہے۔ بلند طبع شاعر تھے۔ اور اپنے حال کو نظم میں لکھا ہے۔ مشائخ کشمیر کے ذکر میں ایک منظوم رسالہ لکھا ہے۔ "غازی" تخلص کرتے تھے۔ مرض موت میں "یا ہو کبوتر" کو اپنے پاس رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول تھے۔ اپنے دوستوں کو اپنے مرنے کی خبر پہلے ہی دیدی۔ عیدگاہ کے مغرب میں سلطان میر قاضی کے باغ میں دفن ہوئے۔

شیخ جلال کندہ کاری

بڑے شوق اور ذوق والے بزرگ تھے۔ علم تصوف سے نہایت دل لگی تھی۔ فقیری کو امیری پر ترجیح دیتے تھے

فقر و فاقہ اور توکل میں عمر بسر کر کے دفات کے بعد نندہ پورہ میں سپرد خاک ہوئے۔

عبد الصبور

عام لوگوں میں صبر قطب کے نام سے مشہور ریخ بائی کے زمرہ میں سے تھے۔ صاحب وجد و حال تھے سماع کو پسند کرتے تھے۔ کچھ مدت مار کے کنارے رینہ واری میں رہے۔ اور کچھ مدت شہر کی زیارتوں اور خانقاہوں میں رہ کر زندگی بسر کی۔ رقص۔ وجد اور حال میں بے مثال تھے

شیخ فیض اللہ زرگر

صاف باطن۔ روشن دل اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ بادشاہ عالمگیر کے کشمیر آنے پر صوبہ کے ناظم فاضل خان کے رشتہ داروں کے شمار تھے۔ اسی ضمن میں ایک شخص ان کے سوز و گداز سے واقف ہو گیا۔ اسی لیے ان کا تعارف خواجہ عبد اللہ قادری سے کر دیا۔ جو منصب داری کے عہدے پر شاہی لشکر کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ اور جب تک بادشاہ یہاں ٹھہرے۔ شیخ فیض اللہ خواجہ عبد اللہ سے طریقت کے شغلوں کی تعلیم لگاتار حاصل کرتے رہے۔ اور استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتے رہے۔ بادشاہ کی واپسی پر مرشد کے ساتھ ہندوستان گئے۔ اور راستے ہی میں واپس وطن آنے کی رخصت ملی اسکے بعد زندگی کے باقی دن وطن میں بیشمار لوگوں کو فیضیاب کر دیا۔ اسکے بعد زندگی کے باقی دن تنہائی اور ریاضت میں گذارنے لگے۔ اپنے باطنی فیض سے بے شمار لوگوں کو فیض یاب کر دیا جب وفات پائی۔ ہاری پربت کی ڈھلان پر دفنائے گئے۔

شیخ یوسف کمو معروف بہ گنائی

نادی گام کے رہنے والے تھے۔ ایک دن حضرت ابو الفقرا کے خلیفہ حاجہ بابا کو ان کے باپ جو بڑا دولتمند تھا۔ دعوت دیکر گھر بلایا۔ اور ٹھاٹھ باٹھ سے ضیافت کا انتظام کیا۔ یوسف گنائی کی شادی ہوئی تھی۔ اسی حاجہ بابا سے راہ مولیٰ دکھانے کی التماس کی۔ اور جو واقعات اسکے پہلے اس پر رونما ہوئے تھے۔ بیان کئے۔ حضرت بابا نے اس کی تعلیم و تربیت ذمہ لی۔ تعلیم و تربیت پا کر ہاری پربت کی ڈھلان پر تنہا نشین ہو کر محنت اور جفاکشی سے ریاضت و عبادات

ہیں مصروف ہو گئے۔ کچھ وقت گذرنے پر پہاڑی کی کمر میں گپھا کھود کر اسی میں بیٹھ گئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

شیخ آفتاب

شمس الدین نوشہری کی نظر عنایت سے مسلمان ہو کر طریقت کے مدارج طے کئے۔ خدا ترسی۔ پرہیزگاری اور ریاضت کے لئے بہت مشہور تھے۔ رینہ واری میں دفن ہیں۔

بابا شمس الدین

حاجہ بابا کے مرید تھے۔ خدا ترس اور پرہیزگار تھے۔ ناری گام میں دفن ہیں۔

شاہ طاہر

حاجہ بابا کے برگذیدہ خلیفوں میں سے تھے۔ پرہیزگاری اور شریعت کے سخت پابند تھے۔ درنن کے گاؤں میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

شیخ حسن

حاجہ بابا کے یاروں میں سے تھے۔ مسجد جامع کے آس پاس نیلوانی پورہ میں ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہیں۔ شیخ عبدالشکور۔ شیخ عبدالرحیم دریابلی۔ شیخ صادق اور بخی بائی۔ چاروں حضرات نور محمد پروانہ کے خلیفہ تھے۔ بے ریا۔ بے خوف۔ پرہیزگار۔ خدا ترس اور صاحب صفا بزرگ تھے۔

عاشور بیگ

بہت بڑے عہدہ دار تھے۔ بتہ ملو صاحب کے مرید اور عجیب و غریب حالات والے تھے۔ نور محمد سے ارشاد حاصل کیا تھا۔

بابا عبداللطیف

عدالت مسجد کے رہنے والے تھے۔ ریاضت کش اور بڑے احتیاط والے بزرگ تھے۔ مجاہدوں میں عمر گذاری۔

صوفی محمود نقشبندی

حضرات سرہند کے خلیفوں میں سے تھے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ کی نظر عنایت سے بہرہ ور ہو کر ان کی تربیت شیخ عبداللہ کی سپرد ہوئی۔ کمال والے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ قلعہ کے باہر دفن ہیں۔

شیخ علی

چھپے ہوئے خدا رسیدہ ولی تھے۔ غیبی جذبات والے تھے۔ کھنہ موہ میں دفن ہیں۔

میر عبد المومن

میر ابو الحسن قادری کے بیٹے تھے۔ کفش دوزی اور پگانہ سازی کر کے روزی کماتے تھے۔ پہلے اپنے والد بزرگوار سے اور پھر میاں محمد امین دار سے تربیت اور فیض حاصل کر کے صاحب کرامات۔ حال اور قال ہوئے۔ ۱۱ رجب سنہ ۱۱۱۲ھ کو رحلت کی۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ہے: آہ شیخ مومنین۔

میر محمد مُراد

میر مومن کے بھائی تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے تربیت پا کر باطنی کمالات حاصل کر کے لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ پرہیزگاری۔ خدا ترسی اور کھانے پینے کی احتیاط میں بے مثل تھے۔ وقت کے مانے ہوئے خدا دوست تھے۔ ۱۲ صفر سنہ ۱۱۲۱ھ کو رحلت فرمائی۔ بھائی کی قبر کے ساتھ ملہ کھماہ میں مقبرہ قاضی موسیٰ شہید کے متصل ان کی نعش سپرد خاک کی گئی۔ تاریخ وفات ہے: "شیخ دہر"۔

بابا قایمُ

شاہ محمد رضای الہامی کے مرید تھے۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ برار منبل (براڑ جھیل) کے کنارے خلوت نشینی اور تنہا نشینی میں عمر گذاری۔ گنج بخش کے مزار میں دفن ہیں۔

خواجہ یعقوب پھکلیوالی

شاہ گدا کے مُرید تھے۔ ظاہری (کتابی) اور باطنی علموں میں کمال رکھتے تھے۔ حال وقال اور [illegible] جذبہ تھے۔ غیبی لوگ ان کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن وجد کی حالت میں ایک بد اعتقاد کو گود میں اٹھا کر جھنجھوڑا۔ جب ہاتھوں سے زمین پر چھوڑا تو وہ مُردہ تھا۔ حاضر پریشان ہو گئے۔ صبح کو خواجہ اس کے سرہانے پر گئے۔ اور گود میں اٹھا کر زور سے جھنجھوڑا۔ وہ زندہ ہو گیا۔ سنہ ۱۰۹۴ھ میں وفات پائی۔ سید بلبل شاہ کے آستانہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات "امام اعظم" ہے۔

شیخ عبد الصبُور زرگر

پوشیدہ اور زندگانی میں گمنام۔ دوستان خدا میں سے تھے۔ شیخ شاہ محمد ذاھنا [illegible] کے مُرید تھے

میاں محرم لاہوری سے طریقہ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ باباحاجی ادہم کے مقبرے میں دفن ہیں۔

حافظ عبداللہ فتحکدلی

ملا طیب کے مرید تھے۔ ان کے انتقال کے بعد صالح خان سے تربیت حاصل کرتے رہے۔ صاحب کرامات اور جذبہ تھے۔ کلام اللہ لکھکر فروخت کرکے روزی کماتے تھے۔ شاہ محمد صادق قلندر کیساتھ ان کا جھگڑا مشہور رہا ہے۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔ اور خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ یہ رباعی نمونہ کلام ہے۔

یکچند پئے نمرد آسودہ شدیم ‏ ‏ یکچند بیاقوت تر آگودہ شدیم
آسود گئے بود بہر کیف کہ بود ‏ ‏ شستیم بہ آب توبہ وآسودہ شدیم

۱۳ ذالحجہ ۱۱۰۵ھ دنیا کو رخصت کرکے بابا عبدالکریم فتحکدلی کے روضہ کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ ہے۔ شیخ صادق اور واللہ غالب۔

مہدی بابا

حافظ عبداللہ کے بھائی صاف دل لوگوں میں سے تھے۔ اپنے بھائی کے مزار میں دفن ہیں۔

حافظ عبداللہ ثانی

حضرت آخوند ملا طیب کے مریدوں میں سے۔ صاحب حالات اور کمالات تھے۔ دنہی پارہ کے گاؤں شیخہ پورہ میں ان کا مزار ہے۔ تاریخ:۔ "آگاہ شیخ عبداللہ" ہے۔

خواجہ ہاشم

ملا طیب کے تربیت یافتوں میں بڑے عالم۔ فاضل اور کامل تھے۔ سید ملا حسن دیدہ مری کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ شفیع ککو

ملا طیب کے مریدوں میں ریاضت کش۔ پرہیز گار۔ پابند شرع۔ احتیاط والے۔ اچھے اخلاق اور اچھے صفت والے مرد کامل تھے۔ خواجہ اسمٰعیل چشتی کے مزار کے متصل دفنائے گئے ہیں۔

شیخ موسیٰ نقشبندی

ملا نازک کے مرید تھے۔ صاحب کشف۔ حال اور قال تھے۔ تاشوان میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

فیضہ بابا صرف کدلی اور بابا طاہر گانی

شاہ محمد صادق قلندر کے جذبہ سے ترک دنیا کر گئے۔ تنہائی۔ ریاضت۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی میں عمریں گذاریں۔ صاف دل اور روشن ضمیر لوگوں میں سے تھے۔

بابا نوراللہ

بابا مجنون نزدری کے فرزند بلند درجے کے کامل خدادوستوں میں سے تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہیں۔

خواجہ اسحاق نادچو

شیخ علی باپوری کے مرید۔ پنج بھائی کے زمرہ میں سے تھے۔ وجد وحال اور رقص وسماع میں کامل تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ سالک تخلص کرتے تھے۔ کتاب "درجات للذات" ان کی تصنیف ہے۔ اور خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی اس رباعی پر ایک شرح لکھی ہے:-

رَو برسر سوزنے بہائے بنشاں	تا شاخ گشد حپترز بلند گوو جہاں
برہر شاخے دو فیل رہوار براں !!	گر تو انی زکوسے مگیر گراں

سیّد ابن دلیسی کے رُوضہ کی پیٹھ کی طرف دفن ہیں۔

احمدؔ بابا وخواجہ بابای تلاش

دونوں صاحب بڑے روشن دل بزرگ تھے۔ خواجہ اسحاق نادچو کے مقبرہ کی ہمسائگی میں دفن ہیں

خوشحال میر

مُلا اخوند طیب کے خلیفہ تھے۔ صاحب کشف کرامات اور عجیب حالات تھے۔ صاحب نہایت برگزیدہ تھے۔ سنہ ۱۱۲۳ھ میں رحلت کی۔ کاڈڈارہ میں ان کا مزار ہے۔

شیخ عبدالرحیم قادری

حضرت میاں میر لاہوری قدس سرہٗ کے خلیفوں میں سے تھے۔ پوشیدہ اور چھپے ہوئے ولی تھے قرآن مجید پڑھانے میں وقت گذارتے تھے۔ محمد ابن دار فرماتے تھے۔ کہ شیخ عبدالرحیم نے اپنے آپ کو قرآن کے لباس میں چھپائے رکھا ہے۔ ہم پردہ سے نکل کر دنیا میں بدنام ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ شیخ عبدالرحیم صاحب صفا لوگوں میں سے تھے۔ آخوند ملاشاہ اور خواجہ حسن پھم سے درجۂ

ارشاد حاصل کر کے سلسلہ قادری۔ نقشبندی اور سہروردی کے مجاز ہو گئے۔ عمدہ صحبت پیدا کئے۔ آخر پر فالج کی بیماری سے ۲ صفر ۱۱۱۵ھ کو رحمت حق سے واصل ہوئے۔ سید صدر الدین کے آستانہ کے متصل زینہ کدل میں دفن ہیں۔

شیخ علی محمد چشتی

ان کا اصلی وطن سلطان پور تھا۔ سلوک کے مقام اور منزل طے کرنے کے بعد کشمیر آکر یہاں ہی سکونت اختیار کی۔ حقیقت شناس آدمی تھے۔ کتابی علم کے فاضل عالم تھے۔ ریاضت اور توکل میں عمر بسر کی۔ صوفیانہ کلام اور گانے کے سخت دلدادہ تھے۔ وجد میں آکر آہ زاری اور فریاد کرتے تھے۔ توحید پر رنگین عبارت میں ایک عمدہ رسالہ تصنیف کیا ہے۔ آخر پر نکاح کیا۔ تاریخ وفات "شیخ دین علی" ہے۔

خواجہ احمد یسوی

سلطان خواجہ احمد یسوی ترکستانی کی اولاد میں سے تھے۔ مولیٰ طبی کی دھن میں عراق۔ عرب۔ شام۔ بغداد اور ہندوستان کی طرفوں میں پھرے۔ اور بڑے بڑے خدا دوستوں سے ملاقات کر کے فیض حاصل کرتے رہے۔ آخر کشمیر پہنچے۔ اور کوہ ماران (ہاری پربت) کی ڈھلان میں میرزا بشیر بیگ ملاشاہی کے مزار میں بیٹھ گئے۔ کئی برس گذرنے پر خواجہ نظام الدین نقشبندی نے ان کے حال سے واقف ہو کر انہیں اپنے گھر لایا۔ جب خواجہ نظام الدین رحمت حق ہوئے تو ان کا فرزند ارجمند خواجہ محمد آفتاب ان کا مرید بنا۔ اور دل و جان سے ان کی خدمت گذاری کرنے لگے۔ اور حضرت خواجہ نے فیض دہی کا دروازہ کھولکر ایک دنیا کو باطنی فیض سے مستفید کیا۔ ان کا حال تنہائی میں اور مجلس میں یکساں رہتا تھا۔ لوگوں کو مرید بنانے اور تعلیم دینے کی طرف زیادہ میل نہ کرتے تھے۔ ان کی جبین سے بزرگی ٹپکتی تھی۔ ان کے کلام اور ان کی باتوں میں فیض اور کشش کا اثر بھرا ہوا تھا۔ ۲ ذالحجہ ۱۱۱۴ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی۔ حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے مقبرہ کے باہر ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ حاجی عبداللہ بلخی ان کے رفیقوں میں سے تھے۔

بابا عثمان قادری

حاجہ بابای قادری کے قابل قدر بیٹے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حاجہ بابا حضرت شاہ نعمت اللہ قادری سے خلعت ارشاد حاصل کرنے کے بعد اپنی ماں کی خدمت گذاری میں لگے رہے۔ جب والدہ رحمت حق ہوئی اس کو دفن کر کے حرمین شریف (مکہ و مدینہ) کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جا کر روضہ مطہرہ کی خاکروبی کرتے رہے۔ کئی سال کے بعد درگاہ امن پناہ سے وطن واپس آنے کا حکم ملا۔ انہوں نے عرض کی کہ میری آرزو اور تمنا یہی ہے۔

کہ باقی عمر حضور کے دربار کی جاروب کشی کر کے گذار دں۔ آنحضرت صلعم کے دربار سے حضرت عثمان کے ذریعہ سے اس کو بتایا گیا۔ کہ تمہیں وطن جا کر نکاح کرنا چاہئیے۔ کیونکہ تجھ سے ایک بچہ کو پیدا ہونا ہے۔ جو مخزن اسرار اور مطلع انوار ہے۔ اس کا نام "عثمان" رکھنا چاہئیے۔ حاجی بابا حکم کے مطابق وطن آیا۔ شادی کی اور بابا عثمان تولد ہوئے۔ بابا عثمان بالغ ہونے کو تھے۔ کہ باپ کا سایہ سر پر سے اٹھ گیا۔ اسی عمر میں ان کی توجہ علم میں کمال حاصل کرنے اور پرہیز گاری اور خدا ترسی کے باتوں کو سیکھنے کی طرف لگ گئی۔ خواجہ محمد طیب چرخی اور خواجہ ابوالفتح کلو سے تعلیم حاصل کر کے تمام ہم جماعتیوں سے آگے بڑھ گئے۔ کھیل کود سے نفرت تھی۔ اچھے اچھے کھانوں۔ نفسانی اور جسمانی لذتوں کی طرف میل نہ تھی۔ جب شاہ ابوالحسن قادری۔ شاہ محمد فاضل کے بھائی یہاں تشریف لائے انہوں نے حضرت بابا عثمان کو اپنی تربیت کے دائرے میں لایا۔ ان کی توجہ اور شفقت سے تھوڑی ہی مدت میں ملکوت اور لاہوت سے بالاتر ہو گئے۔ ان کی مولی طلبی اور یاد الٰہی سے روکنے والی چیزوں سے احتیاط برتنے اور تعلقات قطع کرنے اور کرامات و خوارق عادات کی کہانیاں مشہور ہیں۔ اپنے عہد میں لاثانی بزرگ اور مرد کامل تھے۔ غرہ جمید الثانی سنہ ۱۱۱۱ھ کو رحلت فرمائی۔ وفات سے پہلے اپنے دوستوں کو وصیت کی تھی۔ "کہ مجھے بیتل لنگر میں والد بزرگوار کے پاؤں کے نیچے دفن کریں"۔ لیکن چھتہ بل کے لوگوں اور ان کی اہلیہ اور بیٹے نے وصیت کے خلاف ان کی نعش مبارک کو چھتہ بل ہی میں سپرد خاک کیا۔ زیادہ وقت گذرنے نہ پائی تھی۔ کہ محلہ میں آگ لگ گئی۔ لوگوں کے گھر بابا عثمان کی بیوی اور ان کا بیٹا جل گئے۔ مالی اور جانی نقصان بے اندازہ تھا۔

بابا اسمٰعیل قادری

خواجہ حبیب اللہ لنو کے مریدوں میں نہایت پرہیزگار۔ ریاضت کش۔ محتاط اور خدا ترس تھے۔ ولایت کا مرتبہ حاصل کرنے کے بعد مولانا ابوالفتح کلو سے دوستی لگائی۔ اور ان سے شرعی مسئلے۔ دینی احکام تصوف کی ظاہری اور باطنی باتوں کی تحقیق کر کے لوگوں کی مربی مرشد اور حاجت روا ہو گئے۔ کمال کا مکاشفہ رکھتے تھے۔ ہر پوشیدہ بات ان پر عیاں ہوتی تھی۔ جہاں کہیں کھانے پینے۔ پوشاک اور لباس میں شبہ وغیرہ ہوتا انہیں یکدم خبر لگتی تھی۔ اور بہ خود بخود اس سے پرہیز کرتے تھے۔ آخر پر دل کے غنی ہو گئے۔ اور فقر میں دن گذارے۔ عہد عالمگیر کے آخر میں رحلت فرمائی۔ آنچار کے محلہ میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد مراد رفیقی

شیخ محمد شریف کے بیٹے اور شیخ احمد زاہد کے پوتے تھے۔ عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ علم فقہ اور حدیث کے ماہر تھے۔ خود بھی مصنف تھے۔ علم کے ہر شعبے میں نہایت کوشش سے مرغوب کتابیں لکھیں۔ درد سوز سے بھرے ہوئے تھے۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی میں اپنی مثال آپ

ہی تھے۔ عین شباب میں اس دنیا سے چل بسے۔ کتاب "امتیاہ فی ذکر اولیاء واللہ" ان کی تصنیف ہے موزون طبیعت رکھتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے :-

از غمِ ہجراں گرفتارم دریغ — نالہ وزاری ازاں دارم دریغ
در فراقِ یار سوزانم چو شمع! — زاں ہمیشہ اشک مے بارم دریغ

لالہ بابو ھمدانی

پرگنہ دہو کے گاؤں چندہ ہار کے باشندے تھے۔ زاہد بابای ماگامی کے مرید ہوئے۔ ان سے تربیت حاصل کر کے سخت ریاضتیں عمل میں لائیں۔ فنا سے گذر کر بقا میں پہنچے۔ نہایت بے تکلف بزرگ تھے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بہت سے لوگ فائدہ مند ہو گئے۔ سنہ ۱۱۲۲ھ میں رحلت فرما کر اپنے مکانوں میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالرشید چکنی

مرشد کی تلاش میں ہندوستان چلے گئے۔ اور وہاں شاہ بدرالدین قادری سے جو بہت بڑے بزرگ خدادوست تھے۔ ملاقات ہوئی۔ اور ان کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھا کر واپس آئے۔ پہاڑوں کے غاروں اور گپھاؤں میں فقر و فاقہ میں سخت ریاضتیں کرنے لگے۔ آخر قلعہ کے اندر ایک گپھا کھود کر اسی میں رہ کر ذکر و فکر اور ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے۔ انجام کار اس جھگڑے کے سلسلے میں جو ملک حسین چاڈورہ سے ہوا عالمگیر کے پاس دہلی گئے۔ جس کا تذکرہ حصہ دوم میں سیف خان کے حالات میں ہوا ہے۔ جب کشمیر واپس آئے۔ ۲۹ ذالحجہ سنہ ۱۱۱۹ھ کو آخرت کا راستہ لیا۔ اور غار کے متصل دفن ہیں۔

میاں ہاشم چشتی

تاجر پیشہ تھے۔ اٹھتی جوانی میں پٹنہ گئے۔ اور میاں حسین کشمیری کے بیٹے حضرت میاں یحییٰ چشتی سے تعلیم و تربیت اور طریقت کے راستے کی کامل آگاہی حاصل کر کے بندگی خدا اور عبادت میں استقامت کرتے کمال کو پہنچ گئے۔ طریقہ چشتی کی اجازت کا شرف حاصل کر کے کشمیر آئے۔ اور خانیار میں بود و باش اختیار کر کے شادی کی۔ عنایت اللہ خان حاکم صوبہ نے ان کے خادموں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور حضرت میاں خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کرنے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے روحانی فیض سے بہرہ ور ہو گئے۔ سنہ ۱۱۱۶ھ میں انتقال فرما کر اپنے گھر کے پاس ہی خانیار میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالرحیم

چودھری مہیش کے قبیلہ سے تھے۔ بجی بابا ریشی کی خدمت میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ ملک داری کے طریقوں سے دست بردار ہو کر عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ آخر میں مُلا شمس الدین کی نظر عنایت سے فیض یاب ہو کر چالیس۴۰ برس تنہا نشینی میں گذارے۔ پھر نکاح کر کے رہنہ داری میں سکونت کرنے لگے۔ اپنی زندگی ہی میں نالہ مار کے کنارے میاں مانک شاہ کے مقبرہ کے متصل مقبرہ بنایا۔ اور نماز دیگر کے بعد شام کی نماز تک اسی قبر میں اتر کر مراقبہ کیا کرتے تھے۔ ان کے حالات۔ کرامات اور واقعات بہت مشہور ہیں۔ ماہ شوال سنہ ۱۱۲۰ھ میں دنیا سے چل بسے۔ اور وہیں دفن ہو گئے۔

میرزا حیات بیگ

شیخ آدم بنوری کے خلیفہ حضرت شیخ محمد علی سے (جو دہلی میں تھے) سلوک اور باطنی علم کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ عشق الٰہی کی جلن۔ سوزش اور پگھلاہٹ نے راز و نیاز کے مقام پر پہنچا دیا۔ سلسلہ اور طریقہ کی تکمیل کے بعد ایک معمولی عہدے پر کشمیر آ کر وقت نبھاتے رہے۔ اپنی استعداد کے مطابق توحید کی باتیں سناتے رہتے تھے۔ پرہیزگاری اور خوف خدا رکھنے میں کوئی کمی واقع ہونے نہ دیتے تھے۔ یہاں کے بہت سے لوگوں کو سعادت کا راستہ دکھا کر بلند درجہ پر پہنچا دیا۔ جب دنیا سے واپسی کی آواز سنی تو ۲ ذالحجہ سنہ ۱۱۲۰ھ کو آخرت کے ملک کے سفر کو چل پڑے۔ حسن آباد کے باغ میں جو خود ہی خریدا تھا۔ دفن ہو گئے۔

مُلا عنایت اللہ شال

پہلے مُلا ابو الفتح کلو اور مُلا عبدالرشید کے شاگرد ہوئے۔ پھر مُلا حیدر چرخی کے فرزندوں سے عقلی اور نقلی علوم حاصل کئے۔ علم حدیث اور حفظ اسناد اور صحیح بخاری کے درس میں یکتائے مثل تھے۔ صحیح بخاری کا مطالعہ چھتیس۳۶ دفعہ نہایت دقت سے کیا تھا۔ علم باطن سے روشناس ہونے کے شوق نے میاں صبغۃ اللہ فاروقی کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں سکون۔ اطمینان اور صفائی باطن کی چمک دل میں پیدا ہوئی۔ تربیت حاصل کر کے اعلیٰ درجہ پائے۔ اب زندگی کا ورق الٹ گیا۔ پرہیزگاری خدا ترسی اور روحانی مشغولوں کے سوا اور کچھ کام نہ تھا۔ نو مسجد (پتھر مسجد) میں جو خانقاہ معلی کے روبرو دریا کے مغربی کنارے پر ہے۔ جمعہ کے دن وعظ کرتے تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ سوز و گداز اور درد سے بھرے ہوئے صوفیانہ شعر کہتے تھے۔ اٹھاسٹھ برس کی عمر میں ماہ شعبان سنہ ۱۱۲۵ھ میں رحلت کی۔

سلطان میر

شیخ لار محمد پروانہ کے بھتیجے اور مرید تھے۔ علم فقہ۔ حدیث وغیرہ حاصل کرنے کے بعد عبادت۔ ریاضت خدا ترسی اور پرہیزگاری میں طاقت سے بڑھکر کوشش کی۔ مرشد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہو کر ساری عمر تنہائی۔ قناعت اور آزادگی میں بسر کی۔ لوگوں کے مطالب اور حاجات روا کرنے میں دعا سے قلم سے اور قدم سے کوشش کرتے تھے۔ محمد امین دار اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں۔ کہ سلطان میر جو سے فنا کی لو آتی ہے۔ ۱۱۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔

قاضی دولت شاہ بخاری

روس میں پیدا ہوئے تھے۔ شیر خوارگی ہی میں بخارا پہنچے۔ اور وہیں نشوونما پائی۔ مولانا میر محمد شریف بخاری سے ظاہری اور باطنی تربیت پا کر علمی اور عملی کمالات پا کر سب پر سبقت لے گئے۔ یہاں تک کہ خلافت اور ارشاد کا رتبہ حاصل کیا۔ مدت تک ترکستان اور ماوراء النہر (دریائے سیحوں اور جیحوں کا درمیانی علاقہ) میں طالبان راہ خدا کی رہبری کرتے رہے۔ اور باطنی فیض پہنچانے میں مصروف رہے۔ اور تین برس یہاں رہ کر یہاں کے صالحوں اور عالموں کو تربیت سے فیضیاب کیا۔ پھر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو کر کچھ مدت کے لئے دہلی میں رہے۔ ۱۶ شوال ۱۱۲۹ھ کو وہیں انتقال کیا۔ یسوی سلسلہ کے طریقہ نے اس ملک میں ان کی ذات سے بہت اشاعت پائی۔

شیخ محمد چشتی عرف رادھو

خواجہ رفیق اشائی کے قبیلہ سے تھے۔ چار برس کی عمر میں حضرت مولانا حیدر چرخی کے مکتب میں مولانا کے پاس تعلیم شروع کی۔ اور فارغ التحصیل ہونے تک ان کے نظر عنایت میں رہے دنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور سلوک کے آداب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ مدت کے لئے مدرسی کا کام کرتے رہے۔ مولیٰ طلبی کی آگ چھاتی کی بھٹی میں بھڑک اٹھنے پر شیخ محمد علی چشتی سے طریق چشتیہ کی تعلیم و تربیت پا کر سخت ریاضتیں کرنے لگے۔ اور عمر بھر پابند شریعت رہ کر پرہیزگاری میں مداومت کی۔ آخر پر عیال کے زیر بار آکر پھر مدرسی کرنے لگے۔ اور شہرت اور خودنمائی سے نفرت تھی۔ ذکر جہر (بلند آواز سے

یاد خدا کرنا) طریق چشتیہ کے مطابق ہمیشہ کرتے تھے۔ اور اپنے دوستوں اور محبوں کو بھی چشتی طریقہ پر ذکر جہر کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ کمال کے حقیقت آشنا تھے۔ علم تصوف میں ایک لاکھ سے زیادہ شعر ان کے طبع زاد مشہور ہیں۔ اور نثر میں بھی بہت کچھ تصنیف کیا ہے انہیں کے زمانے میں "موی مبارک سید کائنات" علیہ افضل الصلواۃ کشمیر لایا گیا۔ اور حضرت شیخ محمد چشتی وفات کے وقت تک ایام مقررہ (عید میلاد و عرس ہای چاریار) پر موی مبارک کی نشان دہی کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ لوگوں کو موی مبارک" کی زیارت کرانے کے وقت حضرت شیخ اپنے حواس میں نہیں ہوتے تھے۔ اور موی مبارک کی نشان دہی پر کئی باصفا لوگ سید کونین کی زیارت سے شرفیاب ہوتے تھے۔ جب ان کی عمر مبارک اسّی برس کی اوپر ہو گئی۔ ۵ اشوال ۱۱۲۶ھ کو آخرت کو سدھارے۔ اور محلہ باغ یوسف شاہ میں اپنے گھر کی ہمسائیگی میں دفنائے گئے۔

شیخ بہرام قادری

خدا کی یادوری سے نجات حاصل کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ رہنما اور رہبر مرشد کی تلاش میں ہندوستان گئے۔ تھانیسر میں شیخ نظام الدین چشتی سے ملاقات ہوئی۔ اور برسوں انہیں کی خدمت میں رہ کر تربیت پاتے رہے۔ سلوک کے مقاموں کو طے کرنے کے بعد ارشاد کی اجازت حاصل کر کے کشمیر آئے۔ اور جالڈ میں قیام کر کے لوگوں کو فیض بخشی کرتے رہے۔ میرزا سلیم کاشغری کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

عبدالرحمان چشتی

شیخ بہرام قادری کے بیٹے تھے۔ پہلے اپنے باپ سے تربیت پا کر باطن کی صفائی حاصل کی۔ پھر تھانیسر جا کر خواجہ نظام الدین سے خلا رشاد حاصل کر کے اس ملک میں چشتی طریقہ کو رواج دیا۔ اپنے والد بزرگوار کی ہمسائیگی میں دفن ہیں۔

شیخ مراد نقشبندی عرف ٹینگ

ملا محمد طاہر مفتی کے بیٹے تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کو حاصل کرنے کے بعد جوانی کے جوبن میں خدا کی معرفت کا ذوق اور شوق حاصل تھا۔ کسی مرشد سے تربیت پانے سے قبل ہی سخت ریاضتوں

میں مشغول تھے۔ اسی ضمن میں خواجہ عبدالاحد سرہندی یہاں تشریف لاکر کشمیر کی رونق بڑھانے کے باعث ہوئے۔ اور محمد مراد ان کی مہربانی کے دامن کو پکڑ کر طریقت کی تعلیم اور تربیت حاصل کرنے لگے۔ معرفت کی لازمی باتوں سے واقفیت پاکر مولیٰ طلبی کے جھگڑے کی لذت نے ترک پر آمادہ کیا۔ اور باوجود بہت بڑے دولت مند ہونے اور دنیاوی دھندوں سے فراغت نہ ہونے کے حضرت خواجہ کے ساتھ ہندوستان چلے گئے۔ اس قبلۂ حاجات کی خدمت میں کچھ عرصہ گذار کر سلسلہ کی اجازت حاصل کرکے ان کے فرمانے پر کشمیر واپس آئے۔ یہاں پہنچکر لوگوں کی فائدہ رسانی میں مشغول ہوگئے۔ کئی برس گذرنے پر پھر ہندوستان روانہ ہوگئے۔ اور مرشد بزرگوار کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ وہاں حضرت خواجہ سرہندی کی وساطت سے حجۃ اللہ خواجہ محمد نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوکر سند تکمیل حاصل کی۔ اور ایک برس کے بعد پھر وطن واپس آئے۔ اور شیخہ بابا ہی رادھو کی مسجد میں نہر کے کنارے بیٹھ کر ترک دنیا کی۔ چودہ برس کے بعد پھر مرشد بزرگوار کی ملاقات کے لئے شاہجہاں آباد گئے۔ ایک مدت تک وہیں ٹھہرے رہے پھر خاندان "مجددیہ" کی سینکڑوں مہربانیوں۔ عنایتوں اور کمالوں سے بہرہ ور ہو کر سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ کی ارشاد کی سند حاصل کرکے کشمیر آگئے۔ انہی دنوں میں شیخ محمد علی رضا کشمیر کی سیر کو تشریف لائے۔ شیخ محمد مراد نے بھی ان کی خدمت میں جاکر سلسلہ کبرویہ چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت حاصل کی۔ اسکے بعد شریعت کی گدی پر بیٹھ کر سنت رسول اللہؐ کو رواج دینے۔ طالبان خدا کو رہبری کرنے اور ولایت والے بزرگوں کی خدمت کرنے میں وقت گذاری کرنے لگے۔ پرلے درجہ کا سوز و گداز رکھتے تھے۔ بہت سی عورتیں بھی ان کی تربیت پاکر اہل صفا کے زمرہ میں پہنچ گئیں۔ نماز تہجد میں ایک ہزار آیتیں سے زیادہ قرأت میں پڑھتے تھے۔ اور صبح کی نماز کے بعد ہمیشہ "حلقۂ سکوت" (پوری توجہ سے خاموش ہو کر دائرہ میں مراقبہ کر کے بیٹھ کر یاد خدا کرنا) کرتے تھے۔ جسمیں چالیس پچاس حضرات حصہ لیتے تھے۔ ۷ ارجب سنہ ۱۱۶۰ھ کو پچھتر برس کی عمر میں وفات پائی۔ بودہ گیر میں دفن ہوئے۔ تاریخ:۔

گفت تاریخ وصل او اعظم ۔۔۔ وارث کامل رسول اللہ!

خواجہ عبیداللہ بلخی

دنیاوی اور دینی علموں میں کمال حاصل کرنے کے بعد تنہائی اور مجردی اختیار کرکے وطن سے ہجرت کی

دنیا کے ملکوں کی سیر و سیاحت میں کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ ستر۷۰ حج کئے تین دفعہ کشمیر آئے۔ پہلے عہد عالمگیر کے آخیر میں۔ پھر معظم شاہ عالم بہادر کی حکومت کے زمانے میں (سنہ ۱۱۲۰ھ) اس دفعہ لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔ اکثر دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے۔ اور تقریباً سات آٹھ برس اسی طریقے پر گذارے۔ پھر خواجہ شاہ نیاز کی ملاقات کو گئے جو بادشاہ بہادر شاہ کے طلب کرنے پر وہاں پہنچے تھے۔ لیکن ملاقات حاصل نہ ہوئی۔ وہاں سے عرب گئے اور حجاز میں کچھ مدت گذار کر کئی سال بعد بلخ آئے۔ اور سلطنت کے فساد کے موجب وہاں قرار نہ فرمایا اور سنہ ۱۱۳۲ھ میں تیسرے بار کشمیر آئے۔ اور یہاں ہی سکونت کرنے کا خیال رکھتے تھے۔ پانچ برس کے قریب لوگوں کی فائدہ رسانی اور فیض رسانی میں گذار کر کسی باعث سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اور سنہ ۱۱۳۷ھ میں پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ جا کر ۹ محرم سنہ ۱۱۳۹ھ کو غسل کر کے اور نماز پڑھ کر رحلت کی۔ مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

خواجہ عبید اللہ بخاری

شیخ الیاس بخاری کے بیٹے تھے۔ جن کا نسب طامۃ الکبریٰ شیخ نجم الدین احمد کبری کی وساطت سے امام المسلمین حضرت عمر فاروق رضؓ تک پہنچتا ہے۔ انھوں نے جوانی میں ظاہری اور باطنی علموں میں اضافہ کر کے روس کے راستے سے روم چلے گئے۔ اور روم سے مصر اور مصر سے مدینہ منورہ اور پھر مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں شیخ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ شیخ احمد مکی سے طریقۂ عالیہ احمدیہ کی تربیت پا کر کمالات حاصل کئے۔ اور ان کی وفات پر خلافت کے مسند پر بیٹھ گئے سات آٹھ برس کے لئے اسی گھر میں رہ کر لوگوں کو فیض بخشی کرتے رہے۔ پھر والدہ کی ملاقات کے ارادہ سے سرہند سے ہوتے ہوئے بخارا تشریف لے گئے۔ والدہ کو ساتھ اٹھا کر پھر مکہ معظمہ جا کر نو دس برس اسی ملک میں عبادت و ریاضت میں گذارے۔ اور کوئی اکیس ۲۱ حج کر کے ہندوستان آئے۔ اور ماہ ذی القعدہ سنہ ۱۱۳۸ھ میں اپنے مبارک قدموں سے کشمیر کو مشرف کیا۔ عالموں کی عزت۔ عام لوگوں کی حال پرسی۔ اپنے وجود کی نفی۔ جو کچھ موجود ہوتا اس کو محتاجوں پر خرچ کرنا۔ اپنے حالات کو پوشیدہ رکھنا۔ کراماتوں کو چھپانا۔ قہر اور جلال کو نمایاں نہ کرنا۔ ہر بات میں شریعت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا۔ ہمیشہ باطہارت رہنا۔ کہالت نہ ہونے دینا۔ ہر دم ذات باری کی توجہ میں رہنا ان کا شیوہ اور دستور تھا۔ علوم ظاہری اور

باطنی کی اشاعت میں بے بدل بزرگ تھے۔ تنہا پسندی۔ مجردی اور ترک کل میں لاثانی تھے آخر پر طریق قادریہ۔ نقشبندیہ اور کبرویہ کے ذکروں اور اورادوں کے بارے ہمیشہ جاری رکھنے کا اعلان فرمایا۔ اور صبح کی نماز کے بعد اوراد فتحیہ سے شروع کرنا مقدم ٹھہرایا۔ کچھ مدت شہر میں رہ کر لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ اور پھر پرگنہ دہو کے گاؤں ردن میں گوشہ نشین ہوئے۔ اور وہیں واصل بخدا ہوئے۔ "قدوۃ المتقلبین" (۱۱۴۱ھ) تاریخ وفات ہے۔

بابا حیات

بابا عثمان قادری کے قابل قدر بیٹے تھے۔ ان کی ذات فیض و برکات سے بھری ہوئی تھی۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے روحانی تعلیم اور تربیت حاصل کی۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۱۱ ذالحجہ سنہ ۱۱۴۲ھ کو رحلت فرمائی۔ باپ کے قبر کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔

حاجی گدا

ملا شاہ کے مرید تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ ملکوں کی سیر و سیاحت کی۔ بارہ مولہ میں دفن ہیں۔

حاجی محمد صالح

میاں میر لاہوری سے فیض باطنی حاصل کر کے دنیا کے ملکوں کی سیر و سیاحت کی۔ ملہ کھاہ کے مزار میں دفن ہوئے ہیں۔

خواجہ حسن پچھ

سوداگر زادہ تھے۔ عشق آلہی کے جذبہ سے ترک دنیا کر کے دہلی گئے۔ اور شیخ مظفر دہلوی سے تربیت پا کر ملا شاہ سے خط ارشاد حاصل کیا۔ عمر کو مجاہدہ اور ریاضت میں گذار کر ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

میرزا اکمل الدین معروف بہ میرزا کامل

سلطان خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا مشہور نام میرزا کامل بیگ بدخشی ہے۔ ان کے جد بزرگوار تاشقند سے آ کر مدت تک بدخشان میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کو بدخشی کہتے ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آ کر شاہی ملازموں میں شامل

ہوئے۔ اور کچھ مدت کے لئے کشمیر کے دیوان مقرر ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے میرزا عادل خان نے کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ اور ان کا قابل فخر بیٹا میرزا کامل خان بچپن ہی میں خواجہ حبیب اللہ گانی کے منظور نظر ہو گئے۔ بارہ برس کی عمر میں جناب حضرت خواجہ سے تربیت حاصل کرنے لگے۔ اور ہمت کی کمر باندھ کر عبادت و ریاضت میں لگ گئے۔ شاہی ملازمت چھوڑ دی۔ اور فقر و فنا کے گوشہ میں بیٹھ گئے۔ مرشد بزرگوار کی خدمت دل و جان سے بجالاتے رہے۔ پچیس ۲۵ برس کی عمر میں مرشد بزرگوار سے خلافت کا خلعت پایا۔ اور ارشاد کے مسند پر بیٹھکر نہایت پاکیزہ اور برگزیدہ محب اور مخلص بہم پہنچائے۔ حقیقت اور معرفت کے سوتے جاری ہوئے اور عرفان کے چشمے ابلنے لگے۔ خداداد موزون طبیعت تھی۔ کلام سوز و گداز سے لبریز تھا۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار کی متابعت میں "بحرالعرفان" کتاب تصنیف کی جس کے تقریباً ساٹھ ہزار بیت ہیں جو چار جلدوں میں ہے۔ اسکے علاوہ علم تصوف کے بیان میں رسالے مرتب کئے۔ ان کے تصنیف کئے ہوئے ایک رسالہ "مخزن الاسرار" سے یہ نظم ہے :-

چوں بدیدم دو جہاں را کہ سواد الوجہ اند — چشم پوشیدم و بر ہر دو نظر انگشادم
خویش و بیگانہ ز الا منکر دمن زیں لشد — ہیچ در گوش نمے آید از آں فریادم
فکری از دل متولد شد و بہ اصل رسید — رستم از باطل و حق راہ بجود بکشادم
سر بہ پس زانوی خود ماندہ ام از فکرت — دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم
تلخ شیرین بشد و غم شادی و بولس برفت — مرکبم را عین و من چابک رہ آبادم!
انس حق دو حشتم از غیر بجان و دل داد — دگر از ظلمت و کثرت ز جہاں آزادم
فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست — ذائقہ نیز بحال آمد و لذت دادم
شد تمیزم کہ چہ تلخ و چہ شیریں ز غذا — چیست نافع بدلم و آنچہ مضر افتادم

یہ ایک عبارت قصیدہ حسب حال میں ہے۔ بطور نمونہ کے یہ بیت لکھے گئے۔ غزل کا نمونہ یہ ہے :-

ہستی من ز من بدر کرد کہ کرد یار کرد — محو خودم بہ یک نظر کرد کہ کرد یار کرد
شارح ذات بحث او ہست ہمہ صفات او — مظہر خیر و شر دگر کرد کہ کرد یار کرد
بودہ ام اصل جان جان منبع فرع کن فکان — باز مرا در بدر کرد کہ کرد یار کرد
ہست بہ صاحب نظر از ہمہ دوست جلوہ گر — یک ز دگر خوب تر کرد کہ کرد یار کرد
خود بدر است خود پسر خود جگر است خود مدر — جلوہ ز روی دگر کرد کہ کرد یار کرد

اکمل الدین عزلی کہ گفت کرد عیاں ہمہ نہفت　　بردی ازیں جہاں خبر کرد کہ کرد یار کرد

ایک دن مُریدوں کی ایک جماعت نے خواجہ حبیب سے چلّہ رمضان کے لئے رخصت حاصل کرنے پر التماس کی اگر حضور اس سال خلوت میں نہیں بیٹھیں گے۔ پھر محمد کامل ہمارے رفیق ہوں گے۔ خواجہ نے نہایت غصّے سے فرمایا۔ ایک زمانہ گذر گیا ہے۔ جب سے وہ کعبہ حقیقی میں خلوت نشین ہے۔

خلوت و چلہ برا دلا زم نماند　　ہیچ عیبی با دل ہم برا دغایم نماند!

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو دردہ پورہ گاؤں میں ایک باغ تھا۔ اور اس میں ایک گپھا کھود کر کچھ مدت اس میں خلوت نشین تھے۔ اور پھر ایک مُرید کو وہاں رکھا تھا۔ ایک دن اس مُرید نے آ کر التماس کی کہ باغ میں ایک درویش نے ڈیرہ ڈالا ہے۔ اور وہ لوگوں کا مرجع بنا ہوا ہے۔ مجھے اس کے نکالنے کی طاقت نہیں۔ اور میری جماعت میں تفرقہ پڑ گیا ہے حضرت خواجہ نے کامل کو فرمایا۔ اس کو ہمارے باغ سے نکالیں۔ انھوں نے عرض کی ظاہری زور سے نکالوں یا باطنی زور سے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ہمارا کام ظاہری سے نہیں۔ کامل باغ میں گئے۔ اور باغ گپھا کے نزدیک سفیدہ کے درخت پر بھڑوں کا بڑا چھتہ تھا۔ ان کی نظر اس پر پڑی اور ان کی نظر پڑتے ہی بھڑوں نے درویش پر دھاوا بول دیا۔ اور وہ غار سے نکل کر بھاگ گیا اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا۔ جناب اکمل الدین فرماتے ہیں کہ ایک دن پھلواڑی کی آبپاشی کر رہا تھا۔ اور حضرت خواجہ اُدھر نکلے۔ مجھے آبپاشی کرتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور کچھ فرما کر مجھ سے پوچھا۔ سنا؟ میں نے عرض کی۔ حضرت نہیں۔ پھر میرے منہ پر ہلکی سی تھپڑ مار کر فرمایئے۔ اب سنو۔ میری شنوائی بند ہو گئی۔ اور اندر سے ایک ایسا نغمہ پیدا ہوا جس کا اثر قیامت تک دور نہ ہو گا۔ اور اس کے متعلق "مجمع الاسرار" میں فرماتے ہیں:-

ملک ہم نغمۂ سرگشتہ چو موسیقار ست　　تار قانون مرا زخمہ زن است استادم

گوشم آلنو نہفت نہ بر مدح نہ بر قدح کسی　　ہر کہ ہر چیز بمن گوید از آں آزادم

اس نغمہ کو صوفیوں کا معراج کہتے ہیں۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار اس بارے میں فرماتے ہیں:- دلی دارم کہ دردی غم نگنجد　　چہ جای غم کہ شادی ہم نگنجد

چنان پر گشت گوشش از نغمۂ دوست　　کہ دردی بانگ زیر و بم نگنجد

حضرت کاہل فرماتے ہیں۔ میں نے ایک دن نماز شروع کی تھی۔ اور شاہ صادق قلندر کے مُریدوں
میں سے ایک قلندر نے دل لگی کے طور پر کہا "شاید خدا کا قبلہ اسی طرف کو ہے"۔ اور مجھ پر ایک
ایسی حالت واقع ہوئی کہ میں دیکھتا ہوں کہ قبلہ میری طرف کو اسی طرح متوجہ ہے جس طرح میں
قبلہ کی طرف ہوں۔ پھر میں دوسری رکعت میں مشرق کی طرف پھرا۔ اور قبلہ کو اسی طرف متوجہ دیکھا
پھر دائیں طرف پھرا۔ اور پھر بائیں طرف پھرا۔ میں نے اسی طرح دیکھا کہ قبلہ میری طرف منہ کئے
ہوئے ہے۔ چار رکعتیں چار طرف ادا کرنے میں قبلہ کو اپنے سامنے اور مجھے ہی سجدہ کرتے
ہوئے دیکھا۔ ع قبلہ را قبلہ منم چوں بسجود افتادم۔ جب میں آخری قعدہ کو بیٹھا ایک
شخص نے مجھ پر جلوہ ڈالا۔ اور انگلی دانتوں میں دبائی۔ میں نے یہ واقعہ مرشد کو سُنایا
انہوں نے فرمایا۔ وہ شخص سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ اور انگلی دانتوں میں دبانا اس
بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ اگرچہ اس قسم کے حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر بھی شریعت کے
راستے سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہئے۔ پھر فرمایا۔ تونے نماز چار طرف منہ پھیر کر ادا کی
کہیں اُوپر اور نیچے کو نہ دیکھا۔ اور مجھ پر توجہ ڈالی۔ اور اوپر اور نیچے بھی مجھے قبلہ میری
طرف متوجہ دکھائی دیا۔ ان کا فرمانا ہے جس دن حضرت خواجہ نے مجھے ارشاد کی اجازت
بخشی۔ میں "صمدیت" کی (تمام کائنات کی چیزوں سے بے نیازی اور نامحتاجی) تجلی (جلوہ)
سے سرافراز ہوا۔ اور مجھ پر یہ حالت واقع ہوئی۔ کہ میں کھانے پینے سے بھی بے نیاز ہو گیا
دنیا کے حال سے بھی بے خبر ہو گیا۔ صبح سویرے بے اختیار اپنے گھر سے نکل کر مرشد کے
گھر آتا اور رات کو گھر جاتا۔ اور دونوں جگہوں پر کچھ بھی نہ کھاتا۔ اور اسی طرح سے چوالیس ۴۴
دن فاقہ گذر گئے۔ اور چوالیسویں دن پر حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کچھ تمہیں معلوم ہے۔ کہ
آج چوالیسواں دن ہے کہ تونے کچھ نہیں کھایا ہے؟ جاؤ اور کچھ کھانے کے بغیر اپنی بیوی
سے صحبت کر کے اپنے آپ کو پھر یہاں پہنچا دو۔ میں نے ان کے فرمانے کی تعمیل کی اور
اپنی بیوی سے ہم صحبت ہوتے ہی میری مدہوشی اور نشہ اتر کر کافور ہو گیا۔ میں نے
اپنے آپ کو اور ایک دنیا میں پایا۔ نہایت کمزوری محسوس ہوئی۔ گرتے پڑتے جناب
کے پاس پہنچا۔ انہوں نے چاولوں کی پیچ مجھے پینے کو دی۔ اور میری غذا میں آہستہ آہستہ
بڑھا کر تیرھویں دن پر مجھے عادتی کھانا ملا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ایک دن رمضان کے رُوزوں
میں مجھے میری معشوقہ جمی نے دعوت دی۔ غروب آفتاب سے پہلے کسی بات پر خفا ہو کر میں

اٹھ کر نکلا۔ وہ بے اختیار میرے پیچھے دوڑی۔ اور میرا دامن پکڑ لیا۔ میں نے دامن کو چھڑا دیا۔ اور وہ گر گئی۔ میں مسجد میں گیا۔ شام کی نماز باندھی مجھے نظر آیا کہ قبلہ کی دیوار پھٹ کر دو آدمی نکلے۔ اور مجھ سے کہا کہ یہ کیا نماز ہے؟ اس بچاری کو آدھ موا کر کے وہاں بیہوشی میں چھوڑ دیا۔ اتنا ہی کہکر غائب ہو گئے۔ میں نے نماز ادا کی اور جمّیؔ کے پاس دوڑا۔ وہ وہیں زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کو ہوش میں لایا۔ اور اٹھا کر اس کے گھر میں افطار کی۔ یہ بھی انہوں نے خود فرمایا ہے۔ کہ ایک رات اپنی معشوقہ کے ساتھ تنہا بیٹھا تھا۔ آدھی رات تھی کہ دیئے میں تیل ختم ہو گیا۔ مجھے فکر پڑ گئی۔ اور اسی وقت الہام ہو گیا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے کرم اسباب پر ہی منحصر نہیں۔ اور صبح ہونے تک چراغ بغیر تیل کے جلتا رہا۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ گاؤں گیا تھا۔ وہاں پیاری کی یاد نے ستایا۔ بے اختیار وہاں سے چل پڑا۔ رات آ گئی گھپ اندھیرا ہو گیا راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ خدا کی قدرت میرا انگوٹھا اور شہادت کی انگلی چراغ کی طرح چمکنے لگی۔ راستہ صاف نظر آیا۔ اور میں اپنی محبوبہ کے پاس پہنچا۔ کہتے ہیں کہ جمّیؔ بازار سنگین میں قلعۂ شاہی کے دروازہ کے متصل ایک میوہ فروش عورت حد سے بڑھ کر حسین۔ خوش شکل۔ خوبرو اور خوبصورت تھی۔ حضرت میرزا اس پر گرویدہ ہو گئے تھے۔ اور اس کو دیکھنے کے بغیر انہیں قرار نہ آتا تھا۔ ایک دن اس کی دوکان پر بیٹھ کر یہ رباعی فرمائی:۔

ہر جا کہ جمالِ دوست لامع گردد ❊ عاشق ز نیاز عجز طامع گردد

زاعجاز جمال حسن او میدانم! ❊ دوکان جمّیؔ مسجد جامع گردد

تھوڑی مدت گذرنے نہ پائی تھی۔ کہ محلہ والوں نے جمّیؔ کی دوکان اور دوسری دکانیں خرید کر مسجد کے ساتھ شامل کر دیں۔ فرمایا ہے۔ جب میں "بحر العرفان" کے یہ بیت:۔

باہزاراں ہزار دستانم ❊ محفل آرائی دوستدارانم

بہر صوفی است ایں ہمہ سازم ❊ صوفی گو کہ خوب بنوازم

لکھ رہا تھا۔ دو سفید داڑھی والے بزرگ حاضر ہو گئے۔ جو بزرگ آگے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ فرید الدین عطار ہوں۔ اور یہ میرے بھائی مولا جلال الدین رومی ہیں۔ جتنا چاہتے گاؤ۔ ہم سننے کے لئے حاضر ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایک حالت جاری ہوئی کہ دیر تک وجد میں غرق تھا۔ جب اپنے حال پر آیا۔ تو میری زبان سے اس حال کے بارے میں عاجز تھی۔ پھر میں نے اس بیت پر اختتام کیا:۔

از مریدان شیخ عطارم | استعانت ز مولوی دارم

فرمایا ہے۔ کہ ایک دن ایک محفل میں بیٹھا تھا۔ اور اہل محفل میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا تمہاری نسبت حضرتِ رسالت پناہ صلعم تک کتنے واسطوں کے ذریعہ ہے۔ قوال یہ غزل گا رہا تھا:۔

فاش گویم واز گفتہ خود دلشادم | بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

میں نے چاہا تھا کہ سائل سے بزرگوں کا سلسلہ بیان کروں۔ اچانک حضرت خواجہ کی روح جلوہ گر ہوئی۔ اور فرمایا اُسکو نظم میں کیوں جواب نہیں دیتے ہو۔ میں نے شروع کیا:۔

شکر للہ چو خوش ست دولت! در زادم | در چنیں منزل ویرانہ چنیں آبادم

اور اسی میں دو سو اسی بیت تصنیف کئے۔ اور سچ مچ فصاحت وبلاغت سے بھرا ہوا۔ حقیقت معرفت اور عرفان کی باتوں کے بیان میں ایک دل پذیر قصیدہ ہے۔ قطب زمان میر سید محترم لاہوری نے تقریباً بیس ہزار بیتوں میں اس کی شرح لکھی ہے۔ ان کے مرید خواجہ حیات کا فرمانا ہے۔ کہ وہ مدت تک ان کے باورچی اور خان سامان تھے۔ شروع میں حضرت کامل مثنوی مولوی روم کی کتابت سے روٹی کماتے تھے۔ اور کچھ مدت گذرنے کے بعد ایک دن ان سے کہا جاؤ فلانی صندوق سے آج کے خرچ کے لئے کچھ نقدی نکال کر لاؤ۔ لیکن صندوق کا ڈھکنا اوپر نہیں اٹھانا اور اسمیں نظر نہ ڈالنا۔ وہ گئے اور خرچ کے مطابق اشرفیاں نکالیں پھر مدت مدید تک ضرورت کے مطابق روزانہ خرچ نکال کر خرچ کرتا تھا۔ جب تک حضرت کامل کے خاندان میں سے ایک شخص کو ایک گاؤں جاگیر ملا۔ اور انہیں اس کی آمدنی حضرت کامل کو سپرد کی۔ جس دن جاگیر کی آمدنی دیوان خانہ میں پہنچی۔ صندوق سے کچھ نکلنا بند ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ ابوالفتح کو شہر کے مفتی کے ساتھ تجارت میں شراکت تھی۔ اور ان کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ ابوالفتح نے حضرت کامل کے پاس مفتی کی شکایت کی اور جناب نے مفتی کو ظلم کرنے سے منع کیا۔ مفتی نے کہا کہ معتبر ضمانت دار کے بغیر میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔ کیوں کہ مجھے ڈر ہے۔ کہ وہ چوری سے بھاگ نہ جائے۔ جناب نے فرمایا۔ وہ نہیں بھاگے گا۔ انشاء اللہ تو ہی بھاگ جائے گا۔ اور زندہ واپس نہیں آؤ گے۔ اور تیرا مال اس کے نصیب میں ہوگا۔ مفتی غصے ہو کر مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور حضرت نے فرمایا:۔

گر منم جانشین درویشاں | مولوی شد حوالۂ ایشان

اور امانت خان حاکم شہر جو مفتی کا طرفدار تھا۔ ابوالفتح کو تنگ کرنے لگا۔ حضرت میرزا کامل نے یہ خبر سنی اور فرمایا "مفتی کا گھر ویران ہو گیا"۔ اور جو اس کی مدد کرے گا اسکا گھر بھی ویران ہو جائے گا

امانت خان معزول ہو گیا۔ مفتی ہندوستان چلا گیا۔ اور وہیں سترا کت کا فیصلہ کر کے فوت ہو گیا۔ یہاں آگ لگی اور اس کا گھر جل کر راکھ ہو گیا۔ مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت میرزا کامل صاحب حال و قال تھے۔ ذوفن کم اولیائے کبار میں سے تھے۔ شعر و سخن میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ طبیعت روان تھی۔ فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام تصوف سے بھرا ہوا ہے۔ ۲۹ ذالحجہ سنہ ۱۱۳۱ھ کو رحلت فرمائی۔ اور محلہ حول میں ان کی زیارت ہے۔ تاریخ وفات ہے :۔

شہباز اوج وحدت جانباز موج عشق — آں رافع لوای عمل قاطع امل

در ماہ حج بہ بست نہم ساعت دوم — یوم الاحد چشید مے از جام لم یزل

نور جمال او شد دمساز بہ یک ۳ ان — تاریخ وصل یافتہ ام خاتمہ کمل!

اور

بہر تاریخ وصالش بے الف گفتا خرد — پیر کامل بحر عرفان اکمل اہل کمل

:۔ رحمتہ اللہ علیہ :۔

خواجہ محمد گکرو

خواجہ حبیب اللہ عطار کے یاروں میں سے تھے۔ صاحب فتحات لکھتا ہے۔ "حضرت میرزا اکمل الدین فرماتے تھے۔ کہ خواجہ محمد اپنے زمانے کے قطب تھے"۔ جوانی کے دنوں میں ان کی پیشانی پر ایک سفید داغ پیدا ہو گیا۔ ان کو گمان ہوا کہ یہ برص کی بیماری کا داغ ہے۔ خواجہ حبیب اللہ عطار کی خدمت میں جا کر علاج کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے اپنا کرتہ نکال کر اپنے کندھے پر ایک کالا دھبہ دکھا کر فرمایا۔" یہ مبارک نشانی ہے۔ برص نہیں۔" خواجہ محمد نے ظاہری مرض کا خیال چھوڑا اور باطنی بیماریوں کا علاج کرنے کے لئے ان کے پاس آنے جانے کا سلسلہ جاری کیا۔ اور خود باطنی بیماریوں کے کامل طبیب بن گئے۔ کبھی کبھی وجد و حال کا غلبہ ان پر اس درجے کا ہوتا ہے۔ کہ کئی کئی دن رقص میں گذارتے تھے۔ جب مجھے دیکھتے تھے۔ میرے گلے لگتے تھے اور ہوش میں آتے تھے۔ اور میری بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ میرے مرشد کے معشوق ہیں۔" خواجہ محمد کہتے ہیں۔ کہ حضرت خواجہ نے مجھے اسم "یا واحد" کی تعلیم کر کے فرمایا۔ آج دن خلوت میں بیٹھو۔ میں نے پوچھا۔ کہاں؟ فرمائے زینہ کدل پر (کدل کشمیری میں پل کو کہتے ہیں)۔ میں چلا گیا۔ اور سارے دن کو پل پر بیٹھے رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قسم قسم کے جانور پل پر سے گذرتے ہیں :۔ گیدڑ۔ بندر۔ سور۔ چیتے۔ کتے۔ بلیاں۔ چوہے وغیرہ

وغیرہ۔ بیچ بیچ میں کوئی انسان بھی نظر آتا ہے۔ رات آئی میں حضرت خواجہ کی خدمت میں گیا اور دن کا ماجرا سنایا۔ فرمائے قیامت میں یہی حال ہوگا۔ اور لوگ اپنے اعمال اخلاق اور تمناؤں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ انسان میں نفسانی۔ شہوانی۔ درندگی یا شیطانی یا ملکوتی جس صفت کا غلبہ ہوگا۔ اسی شکل میں قیامت کے روز اٹھے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خواجہ محمد مرد کامل تھے۔ اور بے شمار لوگوں کو باطنی فیض سے فیضیاب بنایا۔ وفات کے بعد شیخ گنج بخش کے آستانہ کے صحن میں دفن کئے گئے۔

خواجہ حسین[۳]

خواجہ حبیب اللہ عطار کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے حالات ہی بڑے عجیب تھے۔ ان کا سینہ معرفت کا گنجینہ تھا۔ عشق اور قہر کے پتلے تھے۔ ایک دن بارہ مسجد کی سڑک پر بیٹھے اور راستے پر چلنے والوں میں سے جس جس پر ان کی نظر پڑی وہ وہیں بے ہوش ہو کر گرا۔ حضرت خواجہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ موقعہ پر تشریف لے گئے۔ خواجہ حسین کو ہتھکڑی ڈال کر مسجد کی کوٹھڑی میں قید کیا۔ چالیس دن تک قوال اس کے پاس بیٹھکر نغمہ سرائی کرتے رہے۔ اور وہ وجد و حال اور رقص میں۔ چالیسویں دن پر حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ سے ان کی آنکھیں بند کیں۔ اور وہ ہوش میں آگئے۔ اور ان کو درہ پورہ باغ کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔ وہاں ایک عورت پر عاشق ہو گئے۔ عورت کے خاوند پر ان کے عشق کا حال کھل گیا۔ اس نے ملامت کی اور برا بھلا سنایا۔ خواجہ نے قہر کی نظر ڈالی۔ اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لوگوں نے یہ قصہ حضرت خواجہ کے پاس آکر بیان کیا۔ انہوں نے ان کو ملک سے نکال کر جنت سبا کرنے کا حکم دیا۔ ہندوستان چلے گئے۔ سورت بندر میں قیام کرکے لوگوں کے ارشاد میں مشغول ہو گئے۔ وہاں کے قاضی نے لڑکی نکاح میں دی۔ ایک دن بیوی نے کوئی کام ان کے فرمانے کے خلاف کیا خواجہ نے غصے میں آکر قہر کی نظر ڈالی۔ اور بیوی کا خاتمہ ہوا۔ قاضی نے خون کی تہمت ان کے سر دھر کر ان کو شہید کرایا۔ سورت بندر میں دفن ہیں۔

خواجہ عبدالرحیم گگانی

خواجہ حبیب اللہ عطار کے رفیقوں میں سے تھے۔ مجاہدہ اور مشاہدہ کی باتوں کے لئے مشہور رہتے مرشد بزرگوار کی خدمت گذاری میں عمر گذار کر ان کی قبر کے پہلو میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

خواجہ یوسف

خواجہ حبیب اللہ کے مخلص اور برگزیدہ مریدوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ وجد و حال میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ اس دنیا سے نقل فرماتے پر مرشد نامدار کے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔

شیخہ بابا

بابا طاہر بچھ کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ سے تربیت پاکر باطنی فیض حاصل کئے۔ نہایت پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ لوگوں کی رہبری اور رہنمائی میں زندگی بسر کی۔ والد بزرگوار کے مزار میں دفن ہوئے۔

بابا قائم

بابا طاہر کے دوسرے بیٹے تھے۔ باپ سے سلوک اور تربیت کی تعلیم پاکر حقیقت آشنا ہوئے اپنی ہستی سے بے خبر تھے۔ باپ دادا کے مزار میں ان کا خاکی وجود رکھا گیا۔

شاہ مظفر الدین

شاہ قطب الدین حقانی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ صاحب حال و قال تھے۔ کشف و کرامات اور جذبہ میں لاثانی تھے۔ بہت سے لوگوں کو ناسوت (دنیا) کی تنگ گلی سے نکال کر لاہوت (عالم بالا) کے لاانتہا مقام پر پہنچا دیا۔ سنہ ۱۱۱۹ھ میں انتقال فرما کر مزار سلاطین کشمیر میں جگہ پائی۔

شیخ محمد یوسف زونیمری

شیخ غازی الدین کے بیٹے تھے۔ عجیب و غریب حال والے تھے۔ شیخ حسن لالو سے تربیت پاکر سلوک کے مرحلے طے کئے۔ مستی اور مدہوشی غالب تھی۔ ایک دن صبح کے وقت ایک گھاس چھت والی جھونپڑی کی سیدھ میں کھڑے تھے۔ اچانک ان سے ایک دردناک آہ نکلی اور خس پوش دوکان میں آگ لگ گئی اور دوکان جل گئی۔ ان کے بھائی شیخ یعقوب نے ملامت کی اور ہاتھ پکڑ کر آخوند ملا طیب کے پاس لیکر ان سے التماس کی۔ کہ اس بے لگام بچھیرے کو ذرا سدھائیں آخوند نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سر پہ رکھ کر اتنا دبایا کہ منہ زمین سے لگ گیا۔ اور شوائی ختم ہو گئی۔ پھر عمر بھر بہرے رہے۔ اور گویائی بھی کم ہو گئی۔ بول نہ سکتے تھے مستی اور مدہوشی

بھی دور ہو گئی۔ نفس کشی۔ خلوت نشینی اور تنہائی میں عمر گذاری۔ آخر ذالحجہ ۱۰۸۴ھ کو انتقال فرما کر محلہ زدینمبر میں ان کی نعش حوالہ خاک کی گئی۔ ان کے مقبرہ کو عالمگیر نے درست کیا تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔

شیخ مہدی

شیخ یعقوب چھتہ بلی کے بھائی اور خلیفہ تھے۔ پرگنہ سائر المواضع پائیین کے گاؤں شیخہ رذہ میں تنہائی۔ گوشہ نشینی۔ ریاضت اور عبادت میں عمر بسر کر کے انتقال کے بعد وہیں دفن ہوئے

شیخ حسین کامراجی

شیخ غازی کے بیٹے تھے۔ اپنے بھائی شیخ یعقوب سے طریقت کی تربیت پا کر علاقہ مچھی پورہ کے گاؤں شیہوئے کے جنگل میں درخت کی کھوکھ میں بیٹھکر چالیس چلے پورے کئے۔ جنگلی سبزی کے سوا کچھ نہ کھاتے تھے۔ وحشی جانور اور درندے ان کے اردگرد دائرہ بنا کر رہتے تھے۔ آخر پر گاؤں والوں کو پتہ چلا۔ اور انہوں نے نہایت عاجزی اور منت سماجت کر کے انہیں گاؤں میں لایا۔ اور یہ لوگوں کو فائدہ اور فیض پہنچانے لگے۔ پھر شادی کر کے وہ تھوڑی سے زمین جو بہوراجوں نے نذر کے طور انہیں دی تھی۔ خود کاشت کر کے آباد کی۔ اور جب فصل پکنے لگتی تو ایک ریچھ مکی کے کھیتوں کی حفاظت کرتا اور شیخ کے آدمیوں کے بغیر وہاں کسی کو چلنے نہیں دیتا تھا۔ وفات کے بعد اسی گاؤں میں ان کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا۔

شیخ بڈی

شیخ یعقوب کے چنے ہوئے خلیفہ تھے۔ صاحب حال اور صاحب جذبہ تھے۔ اپنے نفس سے ہمیشہ برسر پیکار رہتے۔ خدا ترس اور پرہیز گار تھے۔ ۱۱۲۳ھ میں انتقال فرمایا محلہ زنگہ پینگ میں اپنے گھر کے آنگن میں دفن ہیں۔

شیخ محمد فاضل زوینمری

شیخ غازی الدین کے پوتے اور شیخ موسیٰ کے بیٹے تھے۔ بچپن میں باپ کے ستانے اور استاد کے دکھانے سے لار کے علاقے میں بھاگ گئے۔ راستے میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار بار

باصفا کے ساتھ جلوہ گر ہوئے۔ حضرت شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے طرلقین کی تربیت فرما کر اور آنکھیں بند کر کے پھر اپنے گھر میں پہنچا دیا۔ دوسرے دن والد بزرگوار کے ساتھ اپنے چچے شیخ یعقوب چھنہ بلی کے پاس جاکر ان سے تربیت لی۔ اور یادِ خدا میں مشغول ہوگئے۔ پھر گھر کے پاس ہی گپھا کھود کر بارہ برس اسی میں عبادت، ریاضت اور نفس کشی میں بسر کئے۔ ہفتہ کے بعد چاول کے کچھ دانے منہ میں ڈال کر افطار کرتے تھے۔ اور بدن کا چمڑہ بوسیدہ ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ بارہا حضرت شیخ مخدوم حمزہ رح جلوہ گر ہوکر انہیں تعلیم اور تلقین سے سرافراز کرتے رہے۔ اور ارشاد کی اجازت بخشی۔ حضرت محبوب سبحانی جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے جلوہ گر ہوکر سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا کی اور حضرت خضر علیہ السلام ہمیشہ انہیں فیض پہنچاتے رہے۔ سلوک کے مرحلوں اور منزلوں کو طے کر کے ملکوت و لاہوت کے مقامات کی سیر کو ختم کر کے وصال کے درجے کو حاصل کر کے غار سے نکلے۔ اور خلق خدا کی فیض رسانی اور فائدہ دہی میں مشغول ہو گئے۔ محتاجوں اور مطلب مندوں کے حاجت روا اور مشکل کشا بن کر ان کی امداد کرنے لگے۔ بیماروں اور مریضوں کو درد کی جگہ پر تھوک ملتے اور اسی وقت بیماری دور ہو جاتی۔ کہتے ہیں کہ قاضی حیدر کے بیٹے نے تھوک سے بیماروں کو شفا بخشنے پر اعتراض کیا اور خود وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ جب علاج معالجہ سے کچھ نہ بنا تو ناچار ان کی خدمت میں آئے۔ اور حد سے بڑھ کر عاجزی کی۔ انہوں نے منہ کا پانی اس کے چہرے پر ملا۔ اور کوڑھ کی بیماری سے نجات پائی۔ لکھتے ہیں کہ ابراہیم خان (شیعہ) والی کشمیر کی لڑکی کو بھوت لگ گیا تھا۔ اور وہ چیختی چلاتی اور سر کے بال نکالتی تھی۔ کہیں سے کچھ نہ بنا۔ آخر ان کے پاس لائی گئی۔ اور ان کی نظر سے فوراً بھوت کا تصرف دور ہوگیا۔ اس قسم کی اور اس سے بڑھ کر ان کی کرامتیں لوگوں میں مشہور تھیں۔ اور ان کے فیض و برکت کے ممنون بے شمار لوگ تھے۔ ۱۰ محرم ۱۱۵۰ھ یوم عاشورہ کو واصل بحق ہوئے۔ زڈیبل کے محلہ میں دفن ہیں۔ تاریخ وفات "شیخ الدہر" ہے۔

عبدالرشید

مولانا زین الدین بال کے خلیفہ تھے۔ سوز و گداز اور وجد و حال والے تھے۔

شیخ داؤد اسلام آبادی

ظاہری اور باطنی علموں میں کامل اور بڑے عامل اور صاحب صفا تھے۔

محمد بابائی

نہایت پرہیزگار اور پابند شرع بزرگ تھے۔ عمر کو مجاہدہ نفس میں بسر کئے۔

شیخ حبیب اللہ کازری

تارک الدنیا۔ پرہیزگار۔ صالح۔ رہبر۔ اور راہ نمائے راہ حقیقت تھے۔

شاہ افضل چشتی

دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش۔ ذات خدا میں محو۔ اچھے صفات اور اچھے اعمال کے مجسمہ تھے۔ قرآن مجید لکھکر روزی کھاتے تھے۔ فلاش پورہ میں دفن ہیں۔

ملا عبدالرشید قادری

صاحب صفا لوگوں میں سے تھے۔ قلعہ کے اندر دفن ہیں۔

اسمٰعیل بابائی

وقت کے مجاہد تھے۔ خوش نصیب اور پرہیزگار تھے۔ ان کی قبر احمد اکدل میں موجود ہے۔

میر ضیاء الدین نعیم

عالم فاضل۔ شریعت کے پیرو۔ پرہیزگار۔ ریاضت کش اور بہت احتیاط برتنے والے بزرگ تھے۔

حافظ شاہ محمد قاری

کلام اللہ لکھنے کی اجرت پر گذارہ کرتے تھے۔ خدا پر توکل تھا۔ صاحب کشف تھے۔ اور عجیب حالات والے بزرگ تھے۔

خواجہ محمد سعید نقشبندی

حضرت شاہ مسافر کے خلیفہ تھے۔ کمالات اور حالات والے بزرگ تھے۔

خواجہ صادق مانجو

خواجہ عبدالرحیم ماٹجو کے بھائی بھتیجے تھے۔ قادری اور چشتی طریقے میں لاثانی تھے۔

شیخ حمزہ رفیقی

شیخ محمد شریف کے بیٹے شیخ محمد رفیقی کے بیٹے تھے۔ عالم فاضل اور عامل کامل تھے۔ اپنے باپ شیخ محمد سے تربیت پاکر ظاہری اور باطنی کمالات میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ اربعین امام غزالی صحیح بخاری۔ نفحات رشحات اور مثنوی مولوی روم کے دل دادہ تھے۔ ترپن برس تنہائی کے گذار کر یکم ماہ صفر ۱۱۳۷ھ کو رحلت کی۔ اپنے باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔ "شیخ المومنین" تاریخ ہے۔

شیخ داؤد چشتی

جان محمد ہاشم کے بھتیجے اور خلیفہ تھے۔ بڑے ہی صاحب فضل اور کمال تھے۔ مردان خدا میں یکتا تھے

شیخ جلال چشتی

شیخ عبدالرحمان چشتی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ مدہوشی اور مستی کا غلبہ رہتا تھا۔ اکثر محویت ذات الٰہی میں غرق ہوتے تھے۔ ایک دن بارہ مولہ میں ایک خادم کے گھر میں مدہوشی کے غلبہ سے ایسے بے ہوش اور بے حس وحرکت گرے کہ خادم نے گمان کیا۔ کہ جان بحق ہو گئے۔ تجہیز و تکفین کا بند وبست کر کے انہیں دفن کیا۔ دوسرے دن ان کی والدہ قبر پر آئی۔ اور چاہا کہ ان کو قبر سے نکالے۔ جب قبر کا ڈھکنا اٹھایا گیا۔ تو ماں قبر میں اتری۔ شیخ نے والدہ سے کہا۔ میں زندہ ہوں۔ راز کا افشا نہ کرنا۔ میں روزانہ تمہارے پاس آؤں گا۔ جب تک والدہ زندہ تھی۔ روزانہ ان کی ملاقات کو آتے تھے۔

شیخ محمد مراد متو

شہر کے شریفوں میں سے تھے۔ میر محمد رضا دہلوی کے مرید تھے۔ خواجہ خورد سے بھی روحانی فائدوں میں اضافہ کیا۔ مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ باطنی کمالات حاصل کئے۔ اور مرشد بزرگوار کی وفات کے بعد کشمیر واپس آئے۔ لوگوں سے تعلقات قطع کرنے اور اپنے کام میں سرگرم رہنے پر پوری توجہ دیتے تھے۔ راہ خدا ڈھونڈنے والوں کی رہبری کرتے تھے۔ ظاہری علم میں بھی اچھی

واقفیت رکھتے سلوک کے مضامین شعر میں درد انگیز طریقے پر ادا کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ پچھتر برس عمر پا کر ۲۰ شوال ۱۱۳۴ھ کو سدھارے۔ تاریخ ہے :۔ "محرم راز خدا دلبود ہ"

شیخ عبداللطیف قادری

کھوجہ سوداگر کے نام سے مشہور تھے۔ کشمیر کے عالی قدر رئیسوں میں سے تھے۔ کتابی علم حاصل کرنے کے بعد معنوی علم کے طلب میں شیخ اسماعیل انبوز ریلی کی خدمت میں چلے گئے۔ ان سے تربیت پا کر سخت ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اور استقامت کی برکت سے اعلیٰ درجہ پا گئے۔ سوز و گداز آہ نالہ اور کشف والے تھے۔ اپنے حال کو چھپاتے تھے۔ ۱۱۳۴ھ میں آخرت کے عالم کو چلے۔ آنچار گاؤں میں مرشد کے پاس ہی دفن ہیں۔ تاریخ ہے :۔ "شیخ اکابر"۔

میر شرف الدین قادری

میر ابوالفتح قادری کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آغاز جوانی میں خدا طلبی کی راہ پر قدم زن ہو کر وظیفوں ذکروں اور اوراد میں مشغول ہو گئے۔ باپ کے انتقال پر ان کے جانشین ہو کر خلافت کے کام کو نہایت خوش اسلوبی۔ زندہ دلی حسن خلق اور خدمت خلق سے سرانجام دیتے رہے۔ جب ذکر جہر کرتے تھے۔ ساتھیوں میں ذوق۔ شوق اور وہ لذت پیدا ہوتی تھی جس کا بیان نہیں ہو سکتا ہے۔ ۱۵ شوال ۱۱۳۵ھ کو رحلت فرما کر اپنے بزرگوں کے مرگزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے :۔ "خلیفۂ شاہ جیلانی"

میر عبدالشہید

میر مومن کے بیٹے تھے۔ اپنے والد سے طریقت کی تربیت پا کر بلند مرتبہ پایا۔ صاحب مکاشفہ تھے۔ ۹۔ ربیع الاول ۱۱۳۹ھ کو انتقال فرمایا۔

بابا محمد یوسف قنبو

خواجہ حسین حباز کے مرید تھے۔ معرفت کے سرشار تھے۔ قلعہ کے باہر حبیتیوں کے مزار میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

شیخ یعقوب

مہدی ریشہ بابا کے خلیفہ تھے۔ بہت عمر پائی تھی۔ مرشد خلق اور اہل صفا کے پیشوا تھے۔

خواجہ عبداللہ کبروی

درویش خصلت اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ موضع ہنی داری میں دفن ہیں۔

بابا حاتم گوجواری

سلسلہ کبرویہ میں ممتاز۔ ریاضت و عبادت جانباز تھے۔

شاہ ابوالفتح گانگنی عرف کول

اس ملک کے دولت مند۔ صاحب عزت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ عشق الٰہی کی کشش نے شیخ صالح لاہوری کی خدمت میں کشاں کشاں پہنچا دیا۔ طریقت اور حقیقت سے آگاہی پائی صاحب حال اور کمال بنے۔ عجیب سوز وگداز رکھتے تھے۔ زیادہ زمست اور مدہوش ہوتے تھے۔ قلندری پسند تھے۔ نمبا کو پیتے تھے۔ عالمگیر نے ان کے خادموں کے لئے جاگیر مقرر کی تھی۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے ایک دفعہ کشمیر کے تمام جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کیں اور حضرت شاہ بھی اسی زد میں آ گئے۔ انہوں نے خدمت گذار سے کہا۔ ایک سیر چاول اور مٹی کی ایک ہانڈی ساتھ اٹھا کر میرے ساتھ چلو۔ لیکن چلنا اس طرح کہ جہاں میں پاؤں رکھوں میرے پاؤں کے نشان پر تم بھی پاؤں رکھنا۔ تاکہ بادشاہ کے پاس جہاں آباد جائیں گے۔ دیگر کے وقت جہاں آباد پہنچے۔ اور اونٹوں کے طویلہ کے پاس ٹھہر کر خادم سے چاول پکانے کو کہا۔ وہ روٹی پکانے میں لگ گیا۔ ایک ہاتھ سے چمچے کا کام لیتا رہا دوسرے سے ڈھکنے کا۔ حضرت شاہ اونٹوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کی نظر سے سارے اونٹوں نے بدمست ہو کر رسیاں کاٹ کھ ڈالیں اور میدان میں بھاگے۔ اونٹ دیوانہ ہو گئے۔ نوکر قابو نہ کر سکے۔ اصطبل کا داروغہ دوڑتا ہوا بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اس کو سنایا طویلہ پر ایک جادوگر آیا ہے۔ اور اسکی جادو سے سارے اونٹ دیوانہ کئے ہیں۔ بادشاہ نے وزیر کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ وزیر نے حضرت شاہ سے حقیقت دریافت کی۔ اور جا کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حضرت شاہ کو اپنے پاس بلا کر آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا۔ حضور نے کسی وجہ کی بناء پر مسکینوں اور

فقیروں کی جاگیریں ضبط فرمائیں۔ بادشاہ نے کہا۔ اسی وجہ سے کہ جو لوگ فضیلت والے
اور خدا سے ڈرنے والے تھے۔ وہ میری عطا کی ہوئی جاگیروں سے دنیاوی عیش عشرت
میں پڑ کر ناقابل ہو گئے۔ اور جو ناقابل تھے اور کچھ بھی نہ تھے۔ وہ قابلوں میں شامل ہو کر
بد سے بدتر ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جاگیریں اور معافیاں بند کر دیں۔ تاکہ سچے خدا
دوست اور قابل انسان پھر کچھ نہیں۔ اور ناکس لوگ بھی تقلید سے تحقیق کی طرف رجوع
کریں۔ اسکے بعد حضرت شاہ نے فرمایا۔ کہ میرا یہ خدمت گذار بھوکا ہے۔ اسکو باورچی خانہ
میں لیکر پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں۔ خادم کو باورچی خانہ میں لیا گیا۔ اور جو کچھ پکا تھا۔ وہ
سب چٹ کر گیا۔ پھر اور کھانا پکایا گیا۔ وہ بھی کھا گیا۔ تیسرے بار پھر پکایا گیا۔ اور خادم
سیر نہ ہوا۔ بات بادشاہ تک پہنچی۔ وہ حیران ہو گئے۔ حضرت شاہ کو کہا۔ اب آپ اپنے
خادم کو خود ہی سیر کریں۔ حضرت شاہ نے فرمایا۔ جب ایک فقیر آپ کے لنگر سے سیر نہ ہوا۔
تو یہ باطل خیال دل میں لانا کہ میں مسکینوں اور فقیروں کی وجہ معیشت عطا کرتا ہوں۔ کتنا
بیہودہ ہے۔ بادشاہ نے قلم اٹھا کر اسی وقت جاگیروں کی واگذاری کا حکم لکھ دیا۔ حضرت شاہ
دوسرے دن واپس آ گئے۔ اس قسم کے حالات اور کرامتیں ان کی بہت مشہور ہیں۔ ۱۱۳۰ھ
میں عالم بقا کو سدھارے۔ شہاب الدین پورہ میں دفن ہیں۔

بابا عبدالغفور

بابا عبداللہ نزدری کے پوتوں میں سے تھے۔ ازل کی یاوری سے ترک دنیا کر کے مرشد کی تلاش
میں ملتان گئے۔ اور بڑے بڑے صاحبدلوں اور خدا دوستوں کی صحبت سے فیضیاب
ہوئے۔ خصوصاً داتا بو علی قلندر کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہو کر سلوک کے منزلوں اور مرحلوں
سے آشنا ہو کر سخت ریاضت اور عبادت میں مصروف ہو کر دل کے چراغ کو روشن کیا
اور ارشاد کے سرمایہ کو بہم پہنچایا۔ ان کے کشف و کرامات کا شہرہ سنکر حاکم ملتان ان کا مرید
ہو گیا۔ ایک دن مرشد بزرگوار نے انہیں وطن جا کر لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کرنے کی
رخصت بخشی۔ اور یہ کشمیر آنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن حاکم ملتان نے اجازت نہ دی۔ اور کہا
کہ جب تک جناب زندہ ہیں۔ میں وطن جانے نہ دوں گا۔ بابا لحاظ کے موجب مجبور رہ گئے
اور ایک ہفتہ گذرنے پر انہیں مرشد کی حکم عدولی کا خیال آیا۔ اور بہت ڈر گئے۔ اور اسی

ضمن میں دنیا سے نقل کی۔ حاکم ملتان نے تجہیز و تکفین کرکے وہیں دفن کیا۔ اسی رات کو حضرت بابا زندہ ہو کر قبر سے نکلے۔ اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر کشمیر آنے کی رخصت حاصل کی کشمیر آئے اور علاقہ دچھنہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد نکاح کیا۔ اور مرتے دم تک لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول رہے۔ زیادہ تر مجذوب حالت میں رہتے تھے۔ توحید کے غلبہ میں نماز اور روزہ کا خیال بھی نہ رہتا تھا۔ ان کے کشف و کرامات بہت ہیں۔ اچھی عمر پا کر ۲۶ صفر سنہ ۱۱۰۵ھ کو رحلت فرمائی۔ وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھے عذاب قبر برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اور پہلی قبر کی عذاب کی تلخی ابھی مجھے بولتی نہیں۔ اس لئے میرے جسم کو غسل کے بعد میرے اسی خرقے میں کفن پہنانے کے بغیر تابوت میں رکھیں۔ اور نماز جنازہ کے بعد تابوت اڑ کر جس جگہ بیٹھے گا۔ اسی جگہ تابوت کے ارد گرد ایک دیوار کھڑی کریں۔ کسی صورت میں دفن نہ کریں۔ وفات کے بعد ان کی وصیت بجا لائی گئی۔ تابوت اڑ کر بیرنہ کے مقام پر دریا کے کنارے اتر کر بیٹھ گئی۔ لوگوں نے تابوت پر لکڑی کی چھت بنا دی اور ارد گرد بلند روضہ تعمیر کیا۔ جو آج تک اسی طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ حاجی کریم خان داؤد حاکم نے خوش اعتقادی کے موجب ان کی نعش مبارک کو تابوت سے نکال کر کفن پہنایا۔ اور دوبارہ نماز جنازہ پڑھ کر اپنی جگہ رکھدیا۔ اسی رات حضرت بابا نے اپنے ایک خلیفہ کو خواب میں بتا دیا کہ میں ننگا ہوں مجھے اپنا خرقہ پھر پہنائیں۔ دوسری صبح کو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ کفن ایک طرف ہے۔ اور ان کی نعش مبارک ننگی ہے۔ اسی وقت ان کے بدن مبارک پر خرقہ پہنایا۔ اور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک سو سال گذرنے پر جسم مبارک میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ آرام کی نیند سوئے ہیں۔

بادون شیخ

خوبصورت۔ خوش سیرت اور خوش آواز مرد خدا تھے۔ لحن داؤدی میں قرآن پڑھتے تھے۔ بہت روتے تھے۔ ابتدا میں میر علی خان چیوڈاری کے فرزند میر حسن سے تربیت پائی تھی۔ پھر ہندوستان جا کر خواجہ خورد کے فرزند خواجہ ضیاء الدین سے بیعت کرکے طریقہ نقشبندیہ میں کمال حاصل کرکے کشمیر واپس آئے۔ اشتر دن پہاڑ میں بہت چلے پورے کئے۔ وفات کے بعد خواجہ معین الدین نقشبندی کے مقبرے کے باہر دفنائے گئے۔

بابا محمد صفی

بابا عبدالنبی کبروی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ علم و عمل میں مرد کامل تھے۔ مجاہدہ اور پرہیز گاری میں بے بدل تھے۔ خانقاہ معلّی کے صحن میں بابا دالی کے مقبرے کے پاس ہی دفن ہیں۔

شیخ عبداللطیف تمباکو فروش

بابا عبدالنبی کے لبنت والوں میں سے تھے۔ چھپے ہوئے ولی اور صاحب کمال تھے۔

خواجہ احمد گکرو

جسرت خان گھکرو کے پوتوں میں سے تھے۔ جو سلطان زین العابدین کے عہد میں پنجاب کے حاکم تھے جس نے سلطان زین العابدین کو علیشاہ کے خلاف جنگ میں امداد دی تھی کہتے ہیں کہ خواجہ احمد نے جوانی کے جوبن میں ملازمت چھوڑ کر میر محمد خلیفہ کے خلیفہ سید باہ روشن سے بیعت کر کے خیر و سعادت کا رتبہ حاصل کیا۔ اور ان کے ساتھ پنجاب سے کشمیر آکر بارہ مولہ میں قیام کیا۔ اور مرشد بزرگوار کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت داخل بخدا ہوئے۔ خواجہ احمد نے رئیس بارہ مولہ کی بیٹی عقد نکاح میں لاکر تجارت شروع کر کے اچھی جائیداد بنائی۔ کہتے ہیں کہ پنجاب سے ایک آدمی نے خواجہ کو ایک چھٹی لکھی تھی۔ اور لفافہ پر احمد خان گھکرو لکھا تھا۔ لانے والے نے پتہ نکالنے کیواسطے لوگوں کو خط دکھایا۔ اور انہوں نے گھکرو کو گکرو پڑھا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ اس کی اولاد آج تک گکرو ہی کہلاتے ہیں۔ خواجہ کا مقبرہ سید باہ روشن کے مرگزار میں مشہور ہے

شیخ عبداللطیف کول

فیضہ بابا ی زرگر کے خلیفہ تھے۔ صاحب کمال لوگوں میں سے تھے۔ خوش خصلت اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ کوہ ماران کے دامن میں مرشد کے مقبرے میں دفن ہیں۔

خواجہ محمد محسن

آخوند ملا نازک کے خلیفہ تھے۔ گوشہ نشینی اور رعب داب والے بزرگ تھے۔ اسی برس کی عمر میں انتقال

ہوا۔ اور خندہ بون میں اپنے گھر کے صحن میں دفن ہیں۔

خورم حافظ

محمد ابن صوفی کے یاروں میں سے تھے۔ حالات کا غلبہ رکھتے تھے۔ نوے سال سے زیادہ عمر پاکر تیلہ دان پورہ میں اپنے گھر کے آنگن میں دفن ہوئے۔

شیخ ابو القاسم سہروردی

شیخ یعقوب بنیادی کے مرید تھے۔ نرم مزاج۔ تواضع والے ریاضت کش اور محتاط تھے۔ بالائی گاؤں میں دفن ہیں۔

شیخ معین الدین رفیقی

شیخ حمزہ رفیقی کے بیٹے تھے۔ کتابی علم اور لدنی علم میں کامل تھے۔ پرہیزگار۔ خدا ترس تھے۔ ایک دن حضرت سلطان العارفین رح کی زیارت پر گئے تھے۔ دل میں خیال گذرا۔ کہ تمام خدا دوستوں میں سے انہوں نے زیادہ کرامتیں دکھائی ہیں۔ اور مردوں کو زندہ کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اسی خیال میں گھر واپس لوٹے۔ راستے میں آکر ایک شخص نے آکر التماس کی۔ کہ اس کے گھر میں ایک گدھا گھسا تھا۔ اس نے زور سے ایک ڈنڈے کا ضرب لگایا۔ گدھا گرا اور مرا۔ گدھے کے مالک نے بڑا شور مچایا ہے نہ بدلہ مانتا ہے۔ اور نہ قیمت۔ کچھ امداد فرماویں۔ تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ شیخ اس کے ساتھ گئے اور گدھے کو "قم باذن اللہ" کہکر اٹھا دیا۔ رات کو حضرت مخدوم خواب میں آئے اور شیخ سے پوچھا۔ گدھے کو کیوں زندہ کیا؟ انہوں نے عرض کی ضرورت کے موجب مجبور رہا۔ حضرت مخدوم فرمائے۔ اے میرے عزیز اسیطرح مجھے بھی ضرورت پڑتی تھی۔ ۲۲ رمضان ۱۱۴۷ھ کو رحلت فرمائی۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفنائے گئے۔ تاریخ ہے:۔ "حافظ کلام اللہ"۔

شیخ عبد الصبور رستل

شیخ محمد مراد ڈنگ کے خلیفوں میں سے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں ممتاز۔ ریاضت کش اور محرم راز آزاد وضع۔ بلند مقام والے بزرگ تھے۔ ان کا مقبرہ گندر پورہ میں مشہور ہے۔

خواجہ محمد صادق متو

خاندان خواجہ حبین حبازؒ کے خلیفوں میں سے تھے۔ صاف باطن۔ روشن دل۔ پرہیزگار۔ ریاضت کش۔ خدا ترس اور فاضل و دست خدا تھے۔ خلاف شرع باتوں اور بدعتوں کو دور کرنے پر جدوجہد کرتے تھے۔

مولانا ابوالفتح گانی

عالم باعمل اور عارف کامل تھے۔ ابتدا میں شیخ محمد حبیتی سے سلوک کی تربیت حاصل کی۔ پھر شیخ محمد مراد منو کی خدمت میں جا کر طریقت میں کمال کا درجہ پایا۔ کثرت ریاضت۔ طریقت کی رعایت اور سنت رسول اللہ ص کی سخت متابعت کے لئے مشہور تھے۔ ۶ محرم سنہ ۱۱۴۰ھ کو دیدار خدا کے ذوق و شوق میں رحلت فرمائی۔

میر ضیاء الدین قادری

میر ابوالفتح قادری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ نقلی اور عقلی علموں کے سمندر تھے۔ نہایت خوش خط اور خوش نویس تھے۔ انشاء میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد کئی برس خانقاہ نشینی کرتے رہے۔ ذکر اور مراقبہ عام طور پر حلقہ میں کرتے تھے۔ فیض و برکات کا سرچشمہ تھے۔ سنہ ۱۱۴۱ھ میں اپنے بزرگوں کے ساتھ انہیں کے مزار میں جا ملے۔

بابا محمد مہدی

بابا عبداللہ گرزبالی کے خلیفوں میں سے تھے۔ مدت تک مرشد کی خدمت میں رہ کر ریاضت و عبادت کرتے رہے۔ سنت رسول اللہ ص کی متابعت اور اسلاف کے طریقوں کی پیروی کرنے میں بڑی ہمت رکھتے تھے۔ جہاں گئے وہاں مسجد یا تعمیر آباد کی۔ تبت بھی گئے۔ اور ناردادمیں کچھ مدت گذارا۔ آخر عمر میں شہر آئے۔ اور اندرواری کے محلہ میں تنہا نشین ہو گئے سو برس سے اوپر عمر پا کر غرہ ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۱ھ بر عالم بالا کو سدھارے۔ اور اندرواری میں دفن ہوئے

شیخ عبداللہ

بابا عبداللہ گرزبالی کے مرید تھے۔ بڑے پرہیزگار۔ خدا سے ڈرنے والے اور احتیاط والے تھے

لار کے علاقہ میں بہت سی مسجدیں بنائیں۔ بدعت کی باتوں کو ہٹانے اور سنت رسول اللہؐ کی متابعت کرنے پر زور دیتے تھے۔ گنگن میں دفن ہیں۔

شیخ بدرالدین

بابا عبداللہ گزربالی کے یاروں میں سے تھے۔ حد درجہ کے ریاضت کش تھے۔ علاقہ لار کے گاؤں کنگن میں ان کی قبر موجود ہے۔

عبدالرشید مانجو

خواجہ عبدالرحیم مانجو کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ سلسلہ قادریہ کی تربیت پائی تھی۔ نہایت شائستہ اخلاق بزرگ تھے۔ اسی برس سے زیادہ عمر پاکر ۱۱۳۶ھ میں رحلت فرمائی۔

خواجہ عبدالباقی

خواجہ عبدالرحیم مانجو کے خلیفہ تھے۔ پرہیزگار اور خداترس خدادوست تھے۔ ۱۱۲۲ھ میں وفات پاکر قلعہ کے باہر دفن کئے گئے۔

حافظ حبیب اللہ

خواجہ عبدالرحیم مانجو کے مریدوں میں سے تھے۔ خوش سیرت اور نیک کردار پرہیزگار دوست خدا تھے۔ محلہ جالہ ٹہ میں دفن ہیں۔

شیخ نوراللہ ڈلو

شاہ ابوالبرکات کے پیروں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علم سے آراستہ پرہیزگاری اور خداترسی سے پیراستہ تھے۔ ملا حسن۔ ملا عبدالصمد اور ملا عزیز اللہ جیو سے تعلیم پائی تھی۔ اکثر اوقات پر حالات کا غلبہ رہتا تھا۔ سلسلہ قادریہ کے پیرو ہونے ہوئے آخوند ملا نازک سے سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت بھی حاصل تھی۔

شیخ محمد صادق

شیخ محمد چشتی کے مرید تھے۔ سلوک کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد مرشد بزرگوار کے فرمانے پر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں شیخ محمد علی رضای سرہندی کی صحبت سے شرفیاب ہو گئے۔ ان سے اور دوسرے خدادوستوں سے ملاقات کرکے فیض حاصل کیا۔ خانہ کعبہ اور

روضہ مطہرہ کی زیارت کر کے واپس آئے اور باقی عمر مرشد نامدار کی خدمت میں توکل اور تنہائی میں بسر کی۔ شریعت اور طریقت کے پھیلاؤ اور متابعت میں سرگرم تھے۔ چھیاسٹھ برس کی عمر میں وفات پاکر اپنے اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

شیخ علی، شیخ صدیق، شیخ عابد اور شیخ فاروق

شیخ محمد چشتی کے نیک خصلت۔ خوش سیرت۔ فضل و کمال والے اور صاحب حال والے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے مزار میں آگے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

میر محمد سلطان

خواجہ عبدالرحیم نقشبندی کے مرید تھے۔ عقلی اور نقلی علوم کے جامع تھے۔ بلند حالات والے صاحب کمال تھے۔ ہندوستان کو گئے۔ وقت کے بہت سے خدا دوست حضرات سے صحبت کر کے فیض اٹھائے۔ شاہجہاں آباد میں وفات پائی۔ اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

محمد اسمٰعیل

جوانی میں خدا شناسی کا شوق پیدا کر کے میر محمد شریف کی نظر فیض اثر سے سنجاراہی میں ولایت کا درجہ حاصل کیا۔ اور ایک مدت تک پشاور کے علاقہ میں شاہ عباس کبروی کی خدمت میں رہے پھر ان کے فرمانے پر کشمیر آکر یہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ ۱۱۵۲ھ ہجری میں رحلت فرمائی۔ اور اپنے گھر کے صحن میں دفنائے گئے۔

شیخ محمد اسماعیل احمدی
میر محمد اسماعیل
میر اسماعیل
تاریخ اعظمی صفحہ ۱۲۶۳
تحفۃ الفقرا ۱۶ م
تاریخ کبیر صفحہ ۲۴۳

از سادات ہمدانیہ و نسباً به میر سید علی ہمدانی منسوب شد۔ در جوانی ذوق خدا پرستی یافته و به نظر حضرت مولانا میر شریف رسیده بدرجۂ ولایت رسید۔ در خدمت سیادت و رشادت مرتبت شاه عباس کبروی که از مشایخ پشاور بودند۔ و خلیفۂ شیخ سعد الدین گجراتی سلوک راه نمود۔ دوازده سال میر پاینده و استقامت گذرانیده۔ با امر ایشان در شهور سنه ۱۱۴۰ھ به کشمیر آمده در محله گند پوره حوالی عیدگاه سکونت پذیرفت۔ و بعده از بزرگان این دیار استفاده نمودند۔ در سن [illegible] متصل روضۂ خواجه حبیب الله عطار [illegible]

حافظ احمد بارہ مولی

میاں عنایت اللہ درویش سے آگرہ میں تربیت پاکر فیض باطنی حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ کشف و کرامات اور حالات والے بزرگ تھے۔ بے شمار لوگ ان کے مرید ہو گئے تھے۔ اسی برس کی عمر پاکر بارہ مولہ کی مٹی میں ابدی آرام کے لئے سو گئے۔

میر قاسم احمد اکدلی

ریاضت کش۔ عبادت گذار۔ فاضل اور کامل اور صاحب احتیاط دوست خدا تھے۔ صالح خان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے مرید تھے۔ نوے برس کی عمر میں رحلت پائی۔ احمدا کدل کے محلے میں دفن ہوئے۔

عبدالرحیم کبروی

محمد مراد پوشہ ٹینگو سے نسبت رکھتے تھے۔ تنہا نشین۔ گوشہ نشین اور کمال کے موحد تھے۔ بے شمار بندگان خدا کو فیضیاب کر کے ستر برس کی عمر میں رحلت پائی۔

بابا عبدالباقی کبروی

بابا صفی کے بیٹے تھے۔ شاہ حسین بکھلی کے دربار میں فیض پائے ہوئے تھے۔ عالی ہمت بلند حوصلہ بزرگ تھے۔ خانہ کعبہ اور روضۂ مطہرہ کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ خداترسی اور پرہیزگاری میں لاثانی تھے۔ عمر کے دن ختم ہونے پر بابا دالی کے روضہ کے باہر حضرات کبرویہ کے مزار میں جگہ پائی۔

شیخ عبدالغنی لنگر

بابا ہاشم بلو کے مرید تھے۔ توحید۔ سلوک۔ معرفت۔ شریعت اور طریقت کے احکام سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے قابل فخر ہستی تھے۔ مرشد نامدار کے انتقال کے بعد صوفی عبدالرزاق نقشبندی سے سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت بھی حاصل کی تھی۔ لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی دو دو ہفتہ فاقہ رہتے تھے۔ کچھ بھی نہ کھاتے تھے۔ مدہوشی اور مستی کا غلبہ رہتا تھا۔ کبھی ایک ہی وقت دو من کے قریب غذا کھاتے تھے۔ ایک دن ایک خروار مولیاں چٹ کر گئے ایک دفعہ ایک باغ میں ایک ہفتہ تک بیہوشی کی حالت میں پڑے رہے۔ اور کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آئے۔ آخر پر ایک درویش کے کہنے پر سر پہ مکھن کی مالش کرنے سے ہوش میں آئے۔ آخر عمر میں ارشاد کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ اور بے شمار لوگوں کی ہدایت کے باعث ہوئے۔ ذوق۔ شوق اور توکل میں ستر برس کی عمر گذار کر راہی ملک بقا ہوئے۔ دکان سنگین کے محلہ میں دفن کئے گئے۔

شیخ قاسم لسوی معروف بہ شب بیدار

شاہ دولت کے مرید تھے۔ عالم باعمل۔ توحید و معرفت میں اکمل محرم اسرار ازل۔ عالی قدر۔ نیک کردار دوست خدا تھے۔ سوز و گداز کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہ تھا۔ چھیاسٹھ برس کی عمر میں رحلت پا کر مغل مسجد کے محلہ کے مزار میں دفن کئے گئے۔ "شیخ محمد قائم" تاریخ وفات ہے۔ ۱۱۵۳ھ

میر ابوالقاسم

میر احمد قادری کے پوتے تھے۔ فضیلتوں اور کمالوں سے آراستہ تھے۔ شستہ اطوار اور شائستہ کردار

سنہ ۱۱۵۳ھ

جانب قبلہ در صحن خانۂ خود باہمہ اہل و عیال مدفون است۔ در ... بدار البقا رحلت نمود۔ ... شیخ ... الحمری ... رحلت شیخ عبدالغنی لنگر ... تاریخ ۲۰ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۴ھ بدار البقا پیوست ... در محلہ ... مدفون است

پیراستہ تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں رحلت فرما کر اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد یوسف کرنٹ

شیخ محمد مراد ٹنگ کے مُرید تھے۔ اٹھتی جوانی میں کار دنیا سے کنارہ کش ہو کر مرشد کے ساتھ لو دفعہ ہندوستان چلے گئے۔ بڑے بڑے بزرگوں اور خدا دوستوں کی ملاقات اور صحبت سے فائدہ اٹھائے۔ اپنے مرشد کی خدمت گذاری جیسی چاہئے تھی عمل میں لائی۔ ۱۱۵۵ھ میں وفات پاکر مولانا یوسف ترکی کے مزار میں دفن ہوئے۔ نوے سال کی عمر پائی تھی۔

قائم شاہ

دائم شاہ کے بیٹے تھے۔ جو بلال بن عامر بن صعصعہ سفری کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے پیر بزرگوار مخدوم محمد لطیف تھے۔

شیخ عبدالرشید

شیخ محمد مراد ٹنگ کے بڑے اور خلیفہ تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے تربیت پائی تھی۔ مولیٰ طلبی کے شوق نے خواجہ عبدالاحد سرہندی کے دربار فیض بار میں پہنچا دیا۔ اور مدت تک دل و جان سے ان کی خدمت گذاری کر کے پورا فائدہ حاصل کیا۔ پھر کشمیر آئے۔ اور دو سال بعد پھر ہند چلے گئے۔ اور مرشد بزرگوار کے ساتھ شاہجہاں آباد گئے۔ کشمیر سے واپس ہند جانے کو دو سال ہونے لگے تھے۔ کہ حضرت خواجہ نے شاہ جہاں آباد میں رحلت فرمائی۔ اور شیخ عبدالرشید نے ان کی نعش مبارک کو سرہند لاکر دفن کیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وطن واپس آئے۔ اور طالبان حق کی رہبری کرنے میں مشغول ہو گئے تقریباً چھپن برس کی عمر میں باوجود شدید بیماریوں میں مبتلا ہونے کے حج کو چلے گئے۔ خانۂ خدا اور روضۂ رسول صلعم کی زیارت کر کے واپس آتے ہوئے۔ ۲۷ رجب ۱۱۵۵ھ کو شاہجہاں آباد میں واصل بخدا ہوئے۔ اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

مولوی حاجی احمد

ملا طاہر غنی کے بھتیجے۔ شیخ محمد مراد ٹنگ کے مُرید عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کے مدرس تھے۔ پڑھانے میں بڑی شان رکھتے تھے۔ مرد کامل اور بڑے بزرگ تھے ۱۱۵۴ھ میں رحلت فرمائی۔

میر عطاء اللہ

میر محمد مراد قادری کے بیٹے تھے۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی میں لاثانی تھے۔ سنہ ۱۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ قاضی موسیٰ شہید کے مزار میں دفن ہیں۔

مولانا زین الدین

خواجہ عبداللطیف کے قابل قدر بیٹے تھے۔ اپنے وقت کے فاضلوں میں گنے جاتے تھے۔ صلاحیت پرہیزگاری اور زاہدی میں با کمال تھا۔ شعر گوئی اور نثر نویسی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ شروع سنہ ۱۱۲۵ھ میں رحلت پائی۔ بیس ہزار (کے قریب) لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی۔ رینہ داری میں اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

عبدالستار زرگر

عبدالرشید کے مرید تھے۔ ریشی صفت اور باصفا بزرگ تھے۔

عبدالرسول روشنائی فروش

ریاضت اور پرہیزگاری میں بے بدل تھے۔ سیاہی بیچکر جو کچھ ملتا تھا غریبوں اور فقیروں پر خرچ کرتے تھے۔ صاحب حال اور کرامات تھے۔

خوشحال شاہ سوپوری

اگر شاہ کے مرید تھے۔ بلند درجہ کے حالات والے بزرگ تھے۔ خلق خدا کی رہبری اور فایدہ رسانی میں بہت کوشش کرتے تھے۔ عبادت اور ریاضت میں عمر بسر کرکے سوپور کے متصل ٹوٹی بل میں دفن ہوئے۔

شیخ خدلق

ملک شکر اللہ کے مرید صاحب حال اور نیک کردار صاحبدل تھے۔ پرہیزگاری۔ خدا ترسی اور ترک لذات میں زندگی گذار کر سنہ ۱۱۶۴ھ کے مہینوں میں رحلت کرکے پرگنہ برنگ کے گاؤں اکسن گام میں سپرد خاک کئے گئے۔

میر علی ثانی

میر مومن کے دوسرے بیٹے تھے۔ بڑے خدا ترس اور پرہیز گار تھے۔ اپنے بھائی میر عبدالشہید کی وفات پر ارشاد کی مسند کو سنبھالے۔ ۶ رجب ۱۱۵۵ھ کو انتقال فرما کر اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

رہی چچہ بٹ

شیخ ٹھگہ بابا کے مُرید تھے۔ اور آخوند مُلا طبیب سے ملاقات تھی۔ اکثر مدہوش اور مست رہتے تھے۔ ذات کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ۱۱۵۵ھ میں رحلت پا کر مرشد کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔

حسین بابو

ٹھگہ بابا کے مُرید تھے۔ بڑے درجے کے خدا ترس اور پرہیز گار تھے۔ مرشد کے مزار میں دفن ہیں۔

حافظ مُراد

خوشحال میر کے خلیفہ تھے۔ حافظ عبداللہ فتحکدلی سے درجہ ارشاد کی تکمیل کی صاحب حال اور کمال تھے۔ عجیب و غریب حالات نے ان سے ظہور پایا۔ بھجوارہ میں دفن ہیں۔ تاریخ ہے:۔ "رہبر خلق بودہ" ۱۱۵۲ھ

شیخ انزلو

خوشحال میر کے ذوق اور شوق والے مریدوں میں سے تھے۔ سوز و گداز میں عمر بسر کی۔

شیخ فتح اللہ

شیخ انزلو نے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ پرہیز گار۔ خدا ترس اور باصفا بزرگ تھے۔ قصبہ بیجبارہ میں خانقاہ پنڈت کے صحن میں دفن ہیں۔

بابا ابو المحسن

خوشحال میر کے نیک خلقت۔ نیک خصلت اور برگزیدہ خلیفہ تھے۔

بابا یوسف درزی

خوشحال میر کے تربیت یافتہ تھے۔ صاف باطن۔ روشن دل اور مرد کامل تھے۔

لولی بابو

خوشحال میر کے مُرید تھے۔ گوشہ نشین۔ پرہیزگار۔ خداترس بزرگ تھے۔ دیوسر میں دفن ہیں۔

حافظ محمد امین

خوشحال میر کے خلیفوں میں سے تھے۔ مجاہدہ میں بے نظیر صاحب مشاہدہ اور صاف ضمیر تھے۔ دانتر گاؤں میں دفن ہیں۔

بابا قاسم

عبدالرشید زرگر کے مُرید۔ مکاشفہ کے سمندر کے تیراک تھے۔ کریو سارا شہر میں مدفون ہیں۔

شیخ عطاء اللہ

شیخ شفیع لکو کے خلیفہ تھے۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں عمر بسر کرکے مرشد کے مزار میں جگہ پائی۔

حافظ ابراہیم

حافظ عبداللہ فتحکدلی کے بیٹے علم و عمل میں بے نظیر اور پرہیزگاری اور خداترسی کے مجسمہ تھے۔ والد بزرگوار کے مزار میں دفن ہیں۔

قاسم کاک

خواجہ ابراہیم کاک کے خلیفہ صاحب حال اور نیک خصلت بزرگ تھے۔ ننگس میں دفن ہیں۔

شیخ صفی

بابا داؤد گھاٹی کے مُرید ریاضت کش اور بڑے احتیاط والے بزرگ تھے۔ علاقہ کھوہامہ کے گاؤں کونن میں دفن ہیں۔

شیخ عبدالغنی لوہٹہ

بنی رشی کے خلیفوں میں سے تھے۔ کشف و کرامات والے دوست خدا تھے۔ ان کی قبر لاپتہ ہے۔

عبدالسلام ساگامی

چھپے ہوئے ولیوں میں سے تھے۔ خداترس اور پرہیزگار۔ ساگام میں دفن ہیں۔

شیخ محمد عابد

شیخ محمد فاضل زدیمری کے حقیقی بھائی۔ اور حضرت شیخ یعقوب چھتہ بلی کے متبنّیٰ تھے۔ جس کو ولادت ہی کے موقعہ پر رات کے وقت زدیمر سے گود میں اٹھا کر ... عالی مسجد کے حوض میں نہا کر چھتہ بل لائے۔ تین دن اپنی پستان سے دودھ پلا کر چوتھے دن انا کے حوالہ کیا۔ حد درجہ کی خبر گیری اور نگرانی کر کے پالا۔ ظاہری اور باطنی علموں سے آراستہ کر کے اپنا جانشین مقرر کیا۔ شیخ حسین کامراجی سے بھی تربیت پا کر کمال کا درجہ حاصل کیا۔ لوگوں کے بڑے خیر خواہ اور فائدہ رسان تھے۔ وفات کے بعد حضرت شیخ کے مزار میں دفنائے گئے۔

شیخ نور اللہ ماںچھی

وطن سے مولا طلبی کے شوق میں دنیا کے ملکوں میں پھرے۔ بڑے بڑے صاحبدلوں اور خدا دوستوں سے ملاقات کر کے استفادہ کیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کر کے پھر کشمیر آئے۔ شیخ حسین کامراجی سے بھی ارشاد کی اجازت حاصل کی تھی۔ غاروں میں خلوت گزینی کرتے تھے۔ لوگوں کی رہبری اور فائدہ رسانی میں بہت کوشش کرتے تھے۔ رحلت فرمانے کے بعد مرشد کے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔

شیخ حسن کامراجی

شیخ حسین کامراجی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ طریقت کے راستے کی خبر پانے کے بعد درخت کی کھوکھ میں بیٹھ کر چالیس ۴۰ چلّے پورے کئے۔ وحشی جانوروں اور درندوں سے الفت تھی۔ کہتے ہیں اس علاقہ میں ایک مردم خوار شیر تھا۔ جو لوگوں کو کھاتا تھا۔ ایک دن وہ بھی شیخ کے پاس آیا۔ شیخ نے شیر سے کہا۔ خدا کے بندے لوگوں کا کھانا بند کر دے۔ آج سے تمکو کتوں کے شکار کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس شیر نے اوترچھی پورہ کے علاقہ میں کتوں کا نام و نشان باقی نہ رکھا۔ اور کسی انسان کو نہ ستایا۔ ایسی ہی دوسری کرامتیں ان کی مشہور ہیں۔ والد بزرگوار کے مزار میں دفن ہیں۔

حافظ عنایت اللہ قادری

وقت کے بہت بڑے شیخوں میں سے تھے۔ محلہ نوشہرہ میں حجنہ نکھڑی کے متصل

سکونت کی تھی۔ ازلی توفیق کے موجب عبدالصبور زرگر کی تربیت حاصل ہوئی۔ اور ارشاد کا رتبہ پایا۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ لیکن اپنے حال کو چھپائے رکھتے تھے۔ نہایت سوز و گداز والے تھے۔ کہتے ہیں کہ قلندر وضع کے ایک آدمی نے ان کے پاس آکر التماس کی "مجھے وحدت الوجود کے آثار اور علامات سے آگاہی بخشیں" حضرت نے حقہ منگایا۔ نیچہ ہونٹوں سے لگا کر دہان مبارک سے دھواں نکالے۔ مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے تھے۔ سبھوں کے منہ سے دھواں نکلنے لگا۔ قلندر نے جواب پایا اور اٹھ کر چلا گیا۔ نوشہرہ میں محلہ بھکری کے متصل دفن ہیں۔

مُلا عبدالسلام وکیل بادشاہ

مراد الدین خان قاضی کے بھائی تھے۔ بچپن میں باپ اور بھائی کے ساتھ پشاور گئے۔ وہاں عقلی اور نقلی علموں میں کمال حاصل کرنے کے بعد حافظ عبدالغفور کشمیری خلیفۂ میاں سعید لاہوری کی خدمت میں جا کر طریقت کے آداب سیکھے۔ اور ان کے خلافت کے مختار ہو گئے۔ پھر اپنے صاحب اقتدار نامور بھائی اور مرشد بزرگوار کی امداد سے محکمہ جات کشمیر کے وکالت کے عہدے پر مامور ہوئے۔ باوجود اس کے کہ بڑی شان اور شوکت پائی تھی۔ اور محکموں میں پالکی میں سوار ہو کر جاتے تھے۔ یاد الٰہی میں مصروف ہوتے تھے۔ کہہ سکتے ہیں کہ انسان نہیں بلکہ ایک فرشتہ زمین پر چل رہا تھا۔ "حضور" حد درجہ کا تھا۔ اپنی مسجد کی امامت پانچوں وقتوں پر خود کرتے تھے۔ بہتوں کی تربیت کی اور عمدہ خلیفے پیدا کئے۔ ۱۸ شوال ۱۱۷۱ھ میں رحلت کی۔ گوجوارہ میں ان کی قبر موجود ہے:۔ تاریخ:۔

مرشد ارباب تقویٰ شیخ دین عبدالسلام ‏ از قضا چون در جوار رحمت ایزد بخفت
سال او به تاریخ یوم و وقت آن ہاتف بگوش ‏ ہژدہ شوال یکشنبہ دوپہر روز گفت

مولانا ابوالفتح عرف پنڈت

زمانے کے پاکیزہ اور شریف لوگوں میں سے۔ صاحب ذوق اور شوق تھے۔ محمد امین دار سے تربیت پا کر ان کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے۔ عبادت۔ ریاضت۔ کشف و کرامات میں بلند پایہ رکھنے والے صاحب حال اور قال تھے۔ بیس ۲۰ برس کا طویل عرصہ دل و جان سے مرشد

کی خدمت کرنے میں بسر کئے۔ مرشد کی علالت اور بیماری کی حالت میں ان کے فضلہ بشری
(پاخانہ) خوش دلی سے صاف کرتے تھے۔ جب تک انہوں نے جام فنا کو نوش کیا۔ اس وقت
تک کمربستہ ہوکر خدمت گذاری کرتے رہے۔ اور خواب بھی انہیں نہایت ہی پیار اور محبت
کرتے تھے۔ کمزوری کی حالت میں انہیں کے ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔ اور آخری وقت
پر انہیں کی گود میں جان آفرین کو جان بھی سپرد کی۔ اپنے اس وجود کو فنا جاننا چاہیے۔ اگر ایسا
خیال رکھا ہوتا اس وقت شیشوں کے ٹوٹنے سے تغیر حال نہ ہوتا۔ اور اپنی تئیں اس کا توڑنے
والا خیال کرتے۔ حضرت مخدومی شیخ اکبر تارہ بلی نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت شاہ دولت بخاری
اپنے یاروں سے فرماتے تھے۔ میرا رتبہ ابوالفتح کے رتبہ سے اونچا نہیں۔ اگر میرے مرنے کے
بعد پیچھے کسی کو مولیٰ طلبی کے راستے کو معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو ان سے معلوم کرے۔ ان کا ذکر یا
ہے۔ کہ مولانا ابوالفتح ہر گیارہ[11] دین پر محبوب سبحانی کے نام اپنی مقدور کے مطابق راہ خدا میں
خرچ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خاص عرس شریف کے دن ان کے پاس بازار سے
گوشت وغیرہ سامان خریدنے کے لئے پیسے نہ تھے۔ نہایت دل شکستہ سے ہوئے۔ اور
بیوی سے کہا کہ ساگ زار سے ساگ کے پتے چن چن کر لاکر خوب اچھی طرح سے تیل مسالہ ڈال کر
تیار کریں۔ خود مسجد میں گئے۔ وہاں ایک فقیر کو دیکھا۔ جسے کسی نے کھانا کھلانے کیلئے نہیں
پوچھا تھا۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے کہا۔ درویش! آج کے روز متبرکہ پر ہر گھر میں پکوان
اور ضیافتیں ہوں گی۔ میرے گھر میں صرف ساگ اور چاول ہے اگر منظور ہے تو میرے ساتھ
آئیے۔ مسافر مسجد میں سے ان کے ساتھ نکلا۔ راستے میں ایک آدمی نے دعوت کی۔ حضرت مولانا
نے مسافر سے کہا۔ جائیے وہاں اچھا کھانا ہوگا۔ مولانا غمگین اور ملول اکیلے گھر آئے۔ شرمندگی
کی حالت میں گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور ان پر خواب بیداری سی کی حالت طاری
ہوکر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت محبوب سبحانی رضؓ شاہی جلوس کے ساتھ آنگن میں تشریف
لائے۔ اور فرمائے۔ فتح بابا جو کچھ ہمارے لئے تیار کیا ہے۔ لاؤ۔ میزبان نے جو کچھ پکایا
تھا۔ اس بڑے شان والے مہمان کے آگے لاکر رکھ دیا۔ محبوب سبحانی رضؓ نے کچھ تناول
فرمایا اور کچھ ساتھیوں میں بانٹ دیا۔ محبوب سبحانی رضؓ نکلے اور ایک امیر کے گھر آئے جس
نے نہایت عقیدت مندی سے عرس منایا تھا۔ مکلف ضیافت کا انتظام کیا تھا۔ ختم خوان

بلاتے تھے۔ جو ختم جناب پڑھ کر "صلوٰۃ وسلام" پڑھ رہے تھے۔ ایک بزرگ نے جو ختم کی
مجلس میں تھے۔ روشندلی سے ان کی تشریف آوری کو دیکھا اور تعظیم کے لئے کھڑے
ہو گئے۔ اور اہل مجلس کو کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ حضرت محبوب سبحانی رضؓ وہاں ٹھہرنے
کے بغیر ہی فتحکدل آئے اور میاں محمد امین دار اپنے دونوں بیٹے ساتھ لیکر استقبال کو دوڑے
اور قدمبوسی کر کے التماس کی کہ گھر تشریف لاکر کچھ قبول فرمائیں۔ محبوب سبحانیؓ نے فرمایا۔ فتح
بابا کے گھر سے کھا کر آئے ہیں۔ فتح بابا اپنی حالت میں آئے۔ تو اسے معلوم ہوا کہ یہ خواب نہ
تھا۔ اصلی واقعہ تھا۔ صبح کو محمد امین کے بیٹے ابوالفتح کے گھر آئے اور رات کا بچا کچھا بطور
تبرک تناول کر گئے۔ اور ان کی باطنی آنکھیں نورانی ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت
سلطان العارفین رح ان پر جلوہ گر ہوئے۔ اور انہیں چار ضرب ڈوری کی تعلیم فرمائی۔ انہیں
نے حضرت مولانا اشرف کو اس ذکر کی تعلیم کی اور انہوں نے اپنے یاروں کو۔ مختصر یہ ہے۔
کہ حضرت مولانا چھپے ہوئے صاحبدلوں میں سے تھے۔ اور گمنام رہنے کے لئے نہایت کوشش
کرتے تھے۔ اول ماہ ذالحجہ ۱۱۴۷ھ کو رحلت فرمائی۔ ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔ دوسری صبح
کو جب لوگ فاتحہ کو گئے۔ تو قبر ہموار ہو گئی تھی۔ دوسرے سال تک قبر کا نام نشان نہ رہا۔
اور نہ کسی کو یاد رہا۔ کہ کس جگہ قبر تھی۔ ان کے دوستوں نے اس سے یہی اندازہ لگایا کہ وفات
کے بعد بھی وہ گمنامی ہی کو پسند کرتے ہیں۔ میرے مرشد حضرت مولانا اشرف فرضی طور پر
۴ ذالحجہ ان کا عرس مناتے تھے۔ تاریخ ہے۔ سال تاریخ وصل ادوانی۔ فتحاب قتوح سلطانی

مخدوم حمزہ

حاجی موسیٰ قاری کے پوتوں اور میاں محمد امین دار کے مریدوں میں سے صاحب رتبہ اور اعتبار
تھے۔ سات قرأتوں سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ اور اپنے حال کو چھپانے کی بڑی کوشش
کرتے تھے۔ ہر رات کو قرآن مجید کے بڑے بڑے سورے نماز تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ نیک
کام کرنے اور برائیوں سے بچنے کے لئے مہربانہ انداز میں لوگوں کو سمجھاتے رہتے تھے۔ عالموں
اور فقیروں کے بڑے قدرداں تھے۔ ملا محمد محسن

بڑے عالم اور صاحب قلم ہوتے ہوئے۔ صاف باطن اور روشن ضمیر تھے۔ میاں محمد امین دار
کے شاگرد اور مرید تھے۔ حد درجہ کی حلیم مزاجی اور کسر نفسی رکھتے تھے۔ مرشد بزرگوار کی خدمت
گذاری میں چالیس برس گذارے۔

میاں حضور اللہ

حضرت میاں محمد امین دار کے قابل فخر بیٹے اور دل پسند خلیفہ تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔
بلند پایہ کے پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ باپ کی زندگانی میں وفات پائی۔

میاں آیت اللہ

حضرت میاں محمد امین دار کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ صفا اور یقین والے تھے۔ باپ کے انتقال
کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

محمد ضیا

ملا محمد محسن کے بھتیجے اور میاں محمد امین دار کے مرید تھے۔ عجیب و غریب حالات والے بزرگ تھے۔

خواجہ عبدالرزاق

سوداگر زادہ تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کو حاصل کرنے کے بعد میاں محمد امین دار کے مرید ہوئے۔ ترک
دنیا کر کے ریاضت۔ عبادت اور مجاہدہ کے زور سے باطنی صفائی پائی۔ مدت تک مرشد کی خدمت
کرتے رہے۔

میرزا مومن خان

قلیچ خان صوبیدار کشمیر کے بیٹے تھے۔ ایک بڑے عہدے پر مامور تھے۔ میاں محمد امین کے مرید
ہوئے۔ اور نوکری چھوڑ کر یاد خدا میں مشغول ہو گئے۔ ہر سال لاہور سے تحفے تحایف لے کر میاں
صاحب کی ملاقات کو آتے تھے۔ دس پندرہ دن رہ کر واپس جاتے تھے۔ لاہور میں دفن
ہیں۔

شیخ پیر محمد

پہلے خواجہ خاوند محمود کے مُرید تھے۔ برسوں ان کے باغ واقعہ چھتہ بل میں ریاضت کرتے رہے۔ پھر میاں محمد امین دار سے تربیت حاصل کر کے مستی اور مدہوشی کے عالم میں داخل ہو گئے۔ حد سے بڑھ کر جوش وخروش رکھتے تھے۔ اور ان کی خانقاہ میں مدت تک تنہا نشین رہے جب حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی نے ان کے جوش وخروش کا حال سُنا وہ شیخ پیر محمد کے پاس گئے۔ اور اپنے عصا (لاٹھی) سے کچھ چوٹیں لگا کر مرمت کر کے کہا۔ کیوں ہماری بدنامی کے باعث بن رہے ہو؟ ہم تم کو اپنے باغ سے نکالیں گے۔ پھر انہوں نے حضرت میاں کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ لیکن دل میں ان کی محبت بھری ہوئی تھی۔ بڑے سخی تھے۔ لوگ کثرت سے ان کی خدمت میں آتے تھے۔ اسی باغ میں دفن ہیں۔

سُونتی ریشی

حضرت میاں محمد امین دار کے مُرید تھے۔ پرہیزگار۔ خداترس اور واقف اسرار تھے۔ پاندہ چھک گاؤں میں دفن ہیں۔

میر محمُود پانپوری

پانپور کے میروں کے خاندان سے تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ جوانی کے اٹھان میں خداشناسی کے ذوق میں مرشد کی تلاش کرنے لگے۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحہ کی خانقاہِ معلّٰی میں جا کر رہبر کامل ملنے کی التجا کرتے تھے۔ حضرت سلطان العارفین رحہ کے آستانہ پر روزانہ جا کر مرشد حقیقی حاصل ہونے کیلئے درخواست کرتے تھے۔ ایک رات حضرت مخدوم نے جلوہ گر ہو کر فرمایا۔ بیٹے! تمہاری رہبری شاہ ابوالفتح کول کریگا۔ وہی تم کو مراد اور مطلب پر پہنچائیگا۔ چونکہ حضرت شاہ قلندر مشرب اور رند وضع تھے۔ تمبا کو بھی پیتے تھے۔ حضرت امیر نے میر محمود کو خواب میں کہا اُس بدظاہر کے پاس نہ جانا۔ دوسرے دن میر محمود درگاہ حضرت سلطان رحہ پر گیا۔ اور حضرت امیر کبیر رحہ کی ممانعت عرض کی۔ حضرت مخدوم رحہ پھر جلوہ گر ہوئے۔ اور فرمائے۔ حضرت امیر شریعت اور طریقت کے بادشاہ ہیں۔ وہ اپنے بلند رتبہ کے مطابق فرماتے ہیں۔ تمہیں اپنی استعداد کے مطابق اسی کی صحبت غنیمت ہے۔ تم جاؤ۔ اور تربیت حاصل کر۔ میر محمود شاہ ابوالفتح کے پاس گئے۔ پہلی ہی ملاقات پر انہوں نے ان کو حقّہ دیکر کہا۔ نالہ مار پر جا کر حقہ کو تازہ پانی بھر لاؤ

حقہ کا پانی زمین پر نہ ڈالنا۔ خبردار حقہ کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ پائے۔ حضرت
میر محمود حقہ لیکر نالۂ مار پر گئے۔ اور حقہ کا پانی پانی میں گرا دیا۔ اچانک پانی کا ایک قطرہ کنارے
کے پتھر پر گرا۔ اور اس قطرے سے پتھر پر "اللہ" نقش ہو گیا۔ میر اس خیال سے کہ اس
پر بے خبری سے کوئی پاؤں نہ رکھے اس کو مٹانے لگے۔ تین گھنٹے گذر گئے لیکن نقش نہ
مٹا۔ پھر ایک اور پتھر لاکر اس کو رگڑا اور چھیل کر مٹا دیا۔ اس واقعہ نے ان کے دل میں حضرت
شاہ کا اعتقاد نقش بر سنگ (پتھر کی لکیر) کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ ان کا دامن پکڑ کر سلوک کے منزلوں
اور مرحلوں کو طے کرتے گئے۔ اور ارشاد کے مقام پر پہنچ گئے۔ ایک دن حضرت میر خانقاہ معلیٰ
میں بیٹھے تھے۔ دیکھا کہ حضرت سید المرسلین صلعم دنیا کے سارے ولیوں کے ساتھ نہایت شان
و شوکت سے تشریف فرما ہیں۔ کمال شوق کے موجب اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ قدم آگے بڑھے
رسالتمآب صلعم نے عتاب سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ارے بے صبر پیچھے ہٹو۔ حضرت میر پیچھے ہٹے
اور ان کی باطنی طاقت بند ہو گئی۔ نہایت پریشان ہو گئے۔ اضطراب اور پریشانی کی حالت
میں صاحب صفا لوگوں کی قبروں پر اور صاحبدلوں کی خدمت میں جاکر کھوئی ہوئی طاقت
دوبارہ پانے کے لئے امداد کی درخواست کرتے پھرتے تھے۔ لیکن روحانیت کا دروازہ جو بند
ہوا تھا۔ نہ کھلا۔ آخر بابا محمود سہروردی نے امداد کی اور ان کے اتفاق سے حضرت سلطان
العارفین رحہ کی طرف توجہ کی۔ میر نے دیکھا کہ جرگہ شاہی کی طرف دو خیمے لگائے گئے ہیں۔ ایک
آنحضرت صلعم کا اور دوسرا حضرت سلطان العارفین رحہ کا۔ بابا محمود نے حضرت مخدوم کی خدمت میں
جاکر میر کا حال عرض کیا۔ اور حضرت مخدوم رحہ سرور کائنات؟ کے خیمہ میں گئے۔ اور میر محمود کا
قصور معاف کرنے کی التجا کی۔ اور سید دو عالم صلعم نے فرمایا۔ میر محمود کو قصور معاف کیا
گیا۔ میر محمود نے جونہی بخشائش کا لفظ سنا۔ اس میں کھوئی ہوئی باطنی طاقت پھر پیدا
ہو گئی۔ بلکہ پہلے کی نسبت دوگنی۔ اور آنحضرت صلعم نے سلطان العارفین رحہ کی شفاعت اند
وسیلہ داری کے موجب میر محمود کو توحید کی تعلیم خود فرمائی۔ اور اس تعلیم کی مستی اور نشہ
اڑھائی سال نہ اترا۔ جب حضرت میر نے شیخ اشرف فتحکدلی کو یہی تعلیم کی تو چھ ماہ تک ان پر مستی
کی حالت جاری رہی۔ اور حضرت شیخ نے اپنے یاروں میں سے جس جس کو یہ تعلیم کی اس پر
مدت تک مستی اور مدہوشی کی حالت جاری رہتی تھی۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ میر محمود

بادۂ الست کے سرمست تھے۔ آخر عمر میں شیخ محمد اشرف کے ساتھ مولانا ابوالفتح کاٹلی سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے کتاب "نفحات الانس" کے مطالعہ کرنے کو کہا۔ جب کتاب کو پڑھتے تھے۔ تو بے حال ہو جاتے تھے۔ عبدالصبور کول کے ساتھ دوستی تھی۔ وفات کے بعد حضرت سلطان رحہ کی ڈیوڑھی کے نیچے دروازہ کے آمنے سامنے سادات بارسیہ کے مزار میں دفنائے گئے۔

آخوند مُلا مقیم عرف ٹوپیگرو

خواجہ محمد فاضل ٹوپیگرد کے بیٹے تھے۔ تاریخ پیدائش ہے "مقیم فاضل" ۱۱۰۱ھ۔ ملا محمد محسن اور مُلا امان اللہ شہید سے عقلی اور نقلی علموں کی تربیت پا کر شمس العلماء کا درجہ حاصل کیا۔ اور تحقیق کے جھنڈے کو آسمان تک پہنچایا۔ لوگوں کو دینی تبلیغ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی ضمن میں خدا شناسی کا شوق بڑھتا گیا۔ کتابیں وہ رُوح پیدا کرنے میں مدد نہ کر سکیں۔ جو فرش سے عرش تک پرواز کی طاقت رکھتی ہے۔ زندہ کتاب کی تلاش کی فکر دامنگیر ہوئی۔ شاہ دولت بخاری کے مرد کامل ہونے کا چرچا تھا۔ ان کی خدمت میں چلے گئے۔ شرف قبولیت پا کر سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرتے گئے۔ اور خلعت ارشاد پہن لیا۔ سیف الدولہ عبدالصمد خان کے کشمیر آنے کے زمانے میں پکھلی کے راستے سے پشاور روانہ ہو گئے۔ اور اس علاقے کے عالموں، نیک مردوں اور خدا دوستوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کی صحبتوں سے فیض پا کر واپس آئے۔ فخر الدین خان کے وقت میں جموں کے راستے سے لاہور گئے۔ وکلا یعقوب خان کے بیٹے ملا شریف الدین کی وساطت سے وہاں کے حاکموں سے تعارف ہو گیا۔ اور پنجاب کے عالموں نے ان کی علمیت کا لوہا مانا۔ لاہور اور پنجاب سے واپسی پر مفتی کے منصب پر مقرر ہوئے۔ اور کچھ مدت کے لئے محکمہ عدالت کو بھی زینت بخشی۔ آخر پر عہدوں اور منصبوں کو چھوڑ کر عبادت و ریاضت میں وقت گذارنے لگے۔ اور ان سے عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے رہے۔ دینی اور دنیاوی علموں سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ قابل فخر شاگرد اور مرید رکھتے تھے۔ ۵ شوال ۱۱۷۱ھ کو رحلت فرمائی اور اسلاف کے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔ تاریخ ہے:۔ "ستون کعبہ دین افتاد" ۱۱۷۱ھ

بابا عبدالشکور گنائی

شیخ حسن حداد (لوہار) کے خاص خلیفہ تھے۔ صاحب حال اور جذبہ تھے۔ عطائے الٰہی سے اوتاد (لفظ معنی ہیں میخیں۔ معنوی اصطلاح میں ان لوگوں کو کہتے ہیں۔ جن کے سپرد دنیا کو چالو رکھنے کا کام ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے حکم کے مطابق دنیا کے سارے کام کیا ظاہری اور کیا باطنی عمل میں آتے ہیں۔) کا رتبہ حاصل کیا۔ منتا بخول۔ خدا دوستوں اور نیک لوگوں سے دوستی اور صحبت رکھتے تھے۔ علاقہ اچھ کے گاؤں وہیہ پورہ میں اس پل کے متصل جو سڑک سے مشرق میں ہے۔ دفن ہیں۔

شیخ رجب

ایک فاضل اور کامل صاحبدل بزرگ تھے۔ عبادت۔ ریاضت اور مجاہدہ میں بے بدل تھے۔ سلوک کی سیر کر کے امر و نہی اور لوگوں کی رہبری و رہنمائی میں مشغول ہو گئے۔ اٹھتی جوانی میں خدا کی مہربانی سے خانہ کعبہ اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ اور ان دونوں مقدس مقاموں کی زیارت سے مشرف ہو کر بیت المقدس سے ہوتے ہوئے استنبول جا پہنچے۔ ترکی کا شہنشاہ ان کا معتقد اور مرید ہو گیا۔ ترکی میں سات سال گذار کر وطن کا ارادہ کر کے بادشاہ سے رخصت مانگی۔ بادشاہ نے نقدی اور جنسی تحفے پیش کئے۔ شیخ نے کسی چیز کی طرف نگاہ تک نہ کی۔ اور بادشاہ سے کہا کہ آپ کے پاس "موئے مبارک" سید کائنات صلعم اور دوسرے تبرکات ہیں۔ وہی مجھے عطا کریں۔ بادشاہ نے موئے مبارک اور دوسرے تبرکات جن کا بیان خاتمہ کتاب میں ہے۔ حضرت شیخ کو عطا کئے۔ حضرت شیخ کشمیر پہنچ کر اندرواری میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور یہاں ہی دفن ہیں۔

شاہ یعقوب حقانی

شاہ مظفر الدین حقانی کے پوتے تھے۔ خواجہ عبداللہ بخاری سے تربیت پا کر طریقت۔ معرفت اور حقیقت کے اسرار سے واقف ہو گئے۔ عالم باعمل۔ پرہیزگار خدا ترس اور گوشہ نشین تھے۔ حضرت شاہ قاسم حقانی کے حالات میں "معرفۃ الحقانی" لکھی ہے۔

شیخ نورالدین نورانی رح کے پیر درشیوں کے حالات تصنیف کئے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

بابا محمد والی

حاجی محمد باقی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ عمر بھر ریاضت دعبادت اور تنہا نشینی کرتے رہے۔ سنہ ۱۱۸۶ھ میں وفات پائی۔ شیخ بابا والی کے مقبرہ میں دفن ہیں۔

شیخ عبدالرحیم

خدائی توفیق سے شیخ عبدالحق دہلوی سے تربیت پاکر طریقت کے راستے پر گامزن ہوئے۔ عبادت در یاضت میں تن دمن سے لگ گئے۔ آخر بر بابا عثمان قادری سے خط ارشاد حاصل کیا۔ محلہ صورہ میں ان کا مزار ہے۔

بابا محمد کاظم

بابا عثمان قادری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ اپنے بھائی شیخ حیات سے ارشاد کی اجازت پاکر بندگان خدا کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف ہو گئے۔ بلند پایہ کے پرہیزگار اور خدا ترس سنہ ۱۱۸۵ھ میں باپ کی قبر کے پاس جگہ پائی۔

بابا ضیاء الدین

خواجہ عبدالرشید بانجو کے خلیفہ اور داماد شہر کے بڑے شریفوں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ خواجہ عبدالرحیم بانجو کے مقبرے میں دفن ہیں۔

بابا محمود قادری

بابا محمد حیات کے بیٹے اور بابا عثمان قادری کے مرید تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے طریقۂ قادریہ کا ارشاد حاصل کرکے اس سلسلہ کے بڑے بڑے مشایخوں کی متابعت میں زندگی گذاری۔ ایک دن ایک برص والا مریض ان کی خدمت میں آیا۔ عرض کی اس مرض کا کچھ علاج فرمائیے۔ تاکہ یہ مرض دور ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا۔ مجھ ضعیف سے کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا۔ آپ کو "قادری" کہتے ہیں۔ فرمائے۔ اگر تمہارا الیقین اتنا مضبوط ہے۔ تو یہ مٹی کا دانہ گھس پر داغوں پر لگاؤ۔ سائل نے مٹی کا دانہ لے لیا۔ اور حضرت کے فرمانے کے مطابق عمل کیا۔ برص کے مرض سے نجات پائی ۱۷ ربیع الاول

سنہ ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ اپنے بزرگوں کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

مُلّا نوراللہ بٹوانی

عالم باعمل اور حافظ قرآن تھے۔ اپنے باپ شیخ صالح سے تعلیم پائی تھی۔ اور شیخ عبدالرسول قادری کے مرید تھے۔ سوز وگداز والے تھے۔ پہاڑوں اور غاروں میں گوشہ نشینی کرتے تھے۔ جڑی بوٹیوں سے سونا بنانا جانتے تھے۔ لیکن اس کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ اور وقت کے صاحبدلوں اور خدادوستوں سے دوستی تھی۔ خاصکر شاہ عبدالرحمان قلندر سے تو بہت آنا جانا تھا۔ اور ان سے باطنی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرتے تھے کشف قبور سے خالی نہ تھے۔ ہندوں کے ساتھ نہایت مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے بہت سے ہندوں کو زیر پردہ ہی رکھ کر اسلام کی تعلیم اور باطنی فیض سے بہرہ ور بنایا تھا۔ ایک دن آنچار جھیل کے سیر کو کشتی میں گئے تھے۔ کشتیوں کی ایک تنگ گلی میں ان کی کشتی بند ہوگئی۔ انہوں نے ملاحوں سے کہا آنکھیں بند کرد۔ انہوں نے آنکھیں بند کیں۔ اور جب آنکھیں کھولیں کشتی کہیں سے کہیں پہنچی تھی۔ ۲۰ جمیدالثانی سنہ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ پچانوے ۹۵ برس عمر پائی تھی۔ ملارٹہ کے قریب دفن ہیں۔

شیخ ابراہیم

پوشیدہ اور چھپے ہوئے دلیوں میں قطب عالم تھے۔ نکاح اور بال بچوں کے بغیر تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی میں عمر بسر کی۔ راجوری کدل کی مسجد میں گمنام حالت میں بیٹھتے تھے۔ اور کسی سے بات چیت اور الفت نہ کرتے تھے۔ مہینوں اور برسوں کو غائب ہوجاتے تھے۔ اور کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ دروازے۔ دیوار۔ پہاڑ اور دریا ان کو چلتے وقت بیچ میں سے گذرنے میں رکاوٹ نہ ہوتے تھے۔ خدا کی نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی تھے۔ عبدالوہاب تولہ مولی اور شاہ عنایت اللہ ان کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کی وفات کی کسی کو خبر نہیں۔ اور اسلئے ان کا مزار بھی معلوم نہیں۔

بابا ابوالبقا

صاف دل۔ روشن ضمیر۔ پرہیزگار۔ خداترس اور صاحب تاثیر صاحبدل تھے۔ پابند شرع۔

نیک کردار۔ امر و نہی پر زور دینے والے کشف و کرامات کو چھپانے والے تھے۔ اس بزرگوار کی تربیت اور اثر سے بہت سے لوگ نیک کردار اور صاحب اسرار ہو گئے۔ شاہ آباد میں وفات پائی۔ (ولادت۔ تعلیم و تربیت اور تاریخ وفات کے بارے میں سوانح نویس خاموش ہیں۔)

مُلا عبدالرشید بینوا

دکان شری بٹ کا رہنے والا اور بابا عثمان چھتہ بلی کا مُرید تھا۔ سادہ وضع تھا۔ عرفان کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت مخدوم رح کی خانقاہ اور خانقاہ معلیٰ میں واعظی کرتا تھا شاعر تھا۔ اور صوفیانہ شعر کہتا تھا۔ "روضۃ الاشعار" اس کی طبع زاد کتاب ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

جمال یار را دیدم دریں گلزار می رقصم ۔۔۔ چہ باشد گل کہ از مستی سر بر خار می رقصم
خریدار غم عشقم بسر سودای او دارم ! ۔۔۔ گرفتہ نقد بر کف بہر بازار می رقصم
اگر جنت دگر دوزخ از آن لطف این [illegible] ۔۔۔ بدوزخ گر کنی جائیم ہمال در نار می رقصم
سماع غیر رقصاند مرا اے بینوا ہر دم ! ۔۔۔ نہ از چنگ و نہ از بربط نہ موسیقار می رقصم

اور کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی فضیلت میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ شعروں کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔ افضل الذکر یا عباد اللہ ؎ قولنا لا الہ الا اللہ! یہ قصیدہ حریر کاغذ پر لکھکر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ اس کو میرے کفن میں لپیٹ کر رکھنا۔ کیونکہ اگر مجھ سے پوچھا جائے۔ کہ تونے شاعری کا فن کیوں اختیار کیا تھا۔ کہدوں گا۔ "اے کریم! میں نے شعر کا تحفہ لایا ہے۔ اپنے کرم سے قبول کر۔ وفات کے بعد اسی محلہ میں دفن کیا گیا۔

خواجہ اعظم دیدہ مری

خیر الزمان خان کے بیٹے تھے۔ عزت۔ حشمت اور شوکت والے تھے۔ تعلیم سے فراغت پاکر عشق الٰہی کی کشش سے شیخ محمد مراد ٹنگ سے روحانی تربیت حاصل کرنے لگے۔ طریقت کے منزلوں اور مقاموں کو طے کر کے ارشاد کا خلعت پہن لیا۔ وقت کے بڑے بڑے خدا رسیدہ بزرگوں سے دوستی تھی۔ مولوی ہو کر بھی بڑے سخی اور فیاض تھے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ نظم اور نثر لکھنے میں کمال تھا۔ اپنے مرشد کے حالات میں "رسالہ فیض مراد"۔ شیخ علی رضا کے حالات میں "فواید الرضا"۔ خلیفہ عبداللہ کے مرثیہ میں "فراق نامہ" لکھے۔ ان کے علاوہ "قواعد الشیخ۔ تجربۃ الطالبین۔ اشجار الخلد۔ ثمرۃ الاشجار۔ شرح کبریت احمر۔

تاریخ کشمیر۔ قصیدے اور غزلیں ان کی یادگار ہیں۔ اپنے زمانے کے قابلِ فخر ہستی تھے دس محرم ۱۱۷۹ھ کو انتقال کیا۔ اور دیدہ مر کے مزار میں سپردِ خاک ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جان کنی کے وقت پر ایک آدمی ان کے پاس بیمار پرسی کے لئے آیا۔ طبیب بھی وہیں بیٹھا تھا۔ اس آدمی نے طبیب سے پوچھا۔ خواجہ کو کیا تکلیف ہے؟ طبیب بولا "ضعف گردہ" حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اسی فقرے کا شمار میری تاریخ وفات ہے۔

بابا محمد مقصود

شیخ محمد مراد ٹنگ کے مرید تھے۔ اپنی خداداد لیاقت کے باعث انہوں نے اس کو اپنا داماد بنالیا۔ اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ صاحب حال وقال اور کمال تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی کے دلدادہ تھے۔ دنیا سے نفرت تھی۔ ۱۱۹۳ھ کے مہینوں میں ان کی لاش کو مرشد کے مقبرے میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مولانا سعید کنو

علم الٰہی کے عالم اور باطنی بھید دل کے واقف تھے۔ ملّا سلیمان فرماتے تھے۔ کہ اگر کسی صحابوں (یارانِ رسول اللہؐ) کے دیکھنے کی خواہش ہو تو اس کو چاہئے کہ مولانا سعید کو دیکھے سجدوں کی کثرت سے ان کے ماتھے پر ایک دھبّہ پیدا ہوا تھا۔ فرماتے تھے۔ کہ یہ "داغِ عبودیت" ہے۔ (بندہ اور غلام ہونے کا نشان) جونہی نماز باندھتے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ خود ہی امامت (پیش نمازی) کرتے تھے۔ ایک وقت ولایت (دوسرا ملک) کے مشایخوں میں سے ایک بلند پایہ کے خدادوست کشمیر آکر حضرت مخدوم میاں مسجد ذاکر میں اترے۔ شہر کے عالم اور مشایخ ان کے دیدار کو گئے۔ جونہی دروازہ پر پہنچے ان پر ایک عجیب حالت وارد ہو گئی۔ فرمائے اگر یہ خدا کا پیارا میرے باطنی حال پر واقف ہو جائے گا۔ تو مجھے سنگسار (پتھر مار مار کر مارنا) کرے گا۔ جب واپسی کی آواز سُنی تو مالک کے پاس سدھارے۔ نعش کو جمالہ ٹہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

میر بہاء الدین قادری

میر ضیاء الدین قادری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ طریقت اور معرفت میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ وقت کے مرشد کامل تھے۔ افراسیاب خان کے عہد حکومت میں خواجہ علاء الدین نقشبندی کے ساتھ بلوہ

عام کی تہمت کے الزام میں بادشاہ کے پاس بھیجے گئے۔ مدت تک وہیں رہے۔ افراسیاب خان کے مرنے پر کشمیر آنے کے لئے دہلی سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔ قیام لاہور میں اجل کا بلاوا آیا۔ اور وہیں واصل بخدا ہو گئے۔ شیخ علی جوزی کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔

میر محمد قائم قادری

میر احمد قادری کے بیٹے میر ابوالقاسم کے بیٹے تھے۔ مولوی امان اللہ شہید سے تعلیم حاصل کر کے اٹھتی جوانی میں اپنے بزرگوں سے تربیت پا کر ولایت کے رتبہ پر پہنچ گئے۔ بڑے پرہیزگار تھے۔ لوگوں کے رہبر اور فائدہ رسان تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہیں۔

شاہ محمد معروف بہ شاہی بابو

خواجہ حبیب اللہ نوشہ کے مرید تھے۔ بڑے صاحب حال اور کمال تھے۔ ساری عمر کو گوتہ پورہ مسجد میں رہ کر گذارا۔ مسجد کے پاس ہی دفن ہیں۔

شیخ نعمت اللہ کلو

پندرہ برس کی عمر میں میرزا اکمل الدین بدخشی کی صحبت سے شرفیاب ہوئے۔ ان کی تربیت۔ ذکر و شغل کی تعلیم اور تلقین سے سربلندی حاصل کی۔ اور صاحب حال و کمال بنے۔ ۲۱، ذلیقعدہ ۱۱۴۹ھ کو رحلت کر کے مرشد بزرگوار کے مقبرے میں جگہ پائی۔

ملا نورالدین نوشہری

میرزا کامل خان بدخشی کے خلیفوں میں سے تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ ان کے باطنی فیض سے بہت لوگ مستفید ہو گئے۔ نوشہرہ میں مدفون ہیں۔

خواجہ قائم ٹیلو

میرزا اکمل الدین خان بدخشی کے با اخلاص مریدوں میں سے تھے۔ بڑے عجیب و غریب حالات اور کمالات رکھتے تھے۔ حضرت میرزا کی لڑکی کی لڑکی نکاح میں تھی۔ سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرنے کے بعد خطاب ارشاد حاصل کر کے بندگان خدا کی فائدہ رسانی اور رہنمائی میں

حضرت میرزا کے جانشین ہوئے۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں زندگی گذار کر مرشد کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

میرزا فرہاد بیگ

ابتدا میں مولوی عبدالعزیز فنو کے شاگرد رہے۔ اور عقلی و نقلی علوں میں کامل لیاقت حاصل کی۔ پھر حضرت میرزا کی خدمت میں گئے۔ ان سے بیعت لی اور ان کے مرید ہو گئے۔ ان کے زیر تربیت اوراد و وظائف۔ اور اذکار کی تعلیم پا کر پوری کوشش سے سلوک اور طریقت کے اعمال بجالا کر ولایت کے درجہ کو حاصل کر کے دم لیا۔ کشف و کرامات والے بنے۔ لیکن آزاد طبیعت رکھتے تھے۔ اور مستی کا غلبہ ان پر زیادہ ہوتا تھا۔ جس کے موجب کبھی کبھی ان سے گستاخی اور قصور سرزد ہوتے تھے۔ اور اسی آزادگی اور مستی کے موجب مرتبہ ارشاد حاصل نہ کر سکے۔ حضرت میرزا "بحر العرفان" میں فرماتے ہیں:۔

ہست صوفی از ہمہ آزاد ؎ لیکنش نیست رتبۂ ارشاد

(صوفی ہے۔ اور سبھوں سے آزاد ہے۔ لیکن اس کو ارشاد کا رتبہ نہیں ہے) انہوں نے خود فرمایا ہے۔ کہ ایک دن آثار شریف (حضرت بل) گیا۔ لوگ "موئے مبارک" کی زیارت سے فارغ ہوئے تھے۔ میں غمگین ہوا۔ اور میرے دل سے ایک "آہ" نکلی۔ اسی وقت جناب رسالتمآب صلعم جلوہ گر ہوئے۔ اور میرا غم شادی میں بدل گیا۔ فرمایا ہے۔ کہ ایک دن راستے میں میری نظر ایک مرے ہوئے کتے پر پڑی۔ میں نے اپنی ہمت سے چاہا کہ زندہ ہو جائے۔ کتا اٹھکر بھاگ گیا۔ اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ ان کی غزلیں اور قصیدے مشہور ہیں ۱۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ باچھ برن دروازہ کے اندر دفن ہوئے۔

حاجی عبدالسلام دار[3]

خواجہ یعقوب دار کے پوتوں میں سے تھے۔ بالغ ہونے پر حضرت میرزا کے مریدوں میں شامل ہوئے ان سے وظیفوں۔ وردوں۔ ذکروں اور مراقبوں کی تعلیم اور تربیت پاتے رہے۔ بھائیوں نے ان کو اکبر آباد تجارت کے لئے روانہ کیا۔ وہاں عشق الٰہی کی آگ ان کے سینہ کی بھٹی میں اس طرح بھڑک اٹھی کہ کپڑے اتار کر قلندری کی گدڑی پہن لی۔ اور کوٹھی کے دروازہ کو قفل لگا کر کنجی دریا میں پھینک دی۔ اور خدا کے آسرے پر حج کا راستہ لیا۔ حج ادا کرنے کے بعد مرشد کی ملاقات کیلئے کشمیر آئے۔ اور چھ ۶ مہینے ان کی خدمت میں گذارے۔ عجیب و غریب حالات ان سے

ظاہر ہونے لگے۔ حضرت میرزا کے انتقال کے بعد پانزن کے گاؤں کے غار میں چالیس چلے نکالے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۷۲ھ کو رحلت فرمائی۔ محلہ عالیکدل میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالوہاب نوری

بابا عثمان ادچیپ گنائی کے پوتوں میں سے تھے۔ شروع شباب میں عقلی اور نقلی علموں کی تعلیم میں کامیاب ہو کر عشق حقیقی کی آگ کی بھڑک سے بیتاب رہتے تھے۔ اور اسی ضمن میں جناب فیضیاب برج یقین کے آفتاب میرزا اکمل کی خدمت میں باریاب ہو کر طریقۂ کبرویہ کی تربیت پائی۔ "اطوار سبعہ" کے منزلوں کو نہایت محنت و مشقت سے طے کر کے عالم لاہوت کے کرسی نشین ہو گئے۔ مرشد بزرگوار سے خلافت اور ارشاد کا خط حاصل کیا۔ پھر خداداد ہمت اور ذاتی ارادہ سے قاضی دولت شاہ لیوی سے مزید فائدے حاصل کئے۔ ان کے خلیفہ شیخ عبدالحق طوبائی سے اجازتوں کا تبادلہ ایک دوسرے کے ساتھ کر کے طریقۂ لیویہ میں داخل ہو گئے۔ پرہیزگاری خدا ترسی۔ تنہا نشینی اور ترک دنیا میں عمر کے دن بسر کئے۔ "فتحات کبرویہ" اور "عین العرفان" ان کی طبعزاد کتابیں ہیں۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۸۶ھ کو دنیائے غدار سے عالم پائیدار کو چلے۔ سید بدرالدین کے آستانہ کی ہمسائیگی میں زینہ کدل کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ ہے۔
"شیخ عبدالوہاب اکمل الدین"

شیخ نعمت اللہ متو

حضرت میرزا کے مریدوں میں سے تھے۔ نرم دل اور وجد و حال والے تھے۔ اپنے آپ کی خبر نہ تھی

خواجہ حیات

مغلوں کی قوم میں سے تھا۔ کشش الٰہی سے ترک دنیا کر کے حضرت میرزا کی تربیت میں سے سلوک کے مرحلوں کو طے کیا۔ خدا آگاہ صاحبدل تھے۔ مرشد بزرگوار سے ارشاد کی اجازت حاصل کی تھی۔

خواجہ محمد مقیم

خواجہ حبیب اللہ عطار کے بیٹے اور حضرت میرزا کامل خان کے خلیفہ تھے۔ حضرت میرزا کے پوتے کو مدت تک تعلیم قرآن دیتے تھے۔ آخر پر اذان اور امامت کا کام حضرت نے ان کے سپرد کیا۔ کشف والے اور نور سے بھرے ہوئے مرد کامل تھے۔

شیخ عطاء اللہ

میر محمد خلیفہ کے پوتوں میں سے اور حضرت میرزا کے مرید تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔

شیخ عطاء اللہ ثانی

شیخ محمد عاصی کے پوتوں میں سے شیخ مومن کے بیٹے تھے۔ عدالت کے داروغہ کے کام پر مامور تھے۔ ایک اچھا عہدہ دار ہونے کے باوجود حضرت میرزا سے بیعت کر کے طریقت میں کمال حاصل کیا۔ اور ارشاد کا خلعت پایا۔ شاعر تھے اور اچھی طبیعت رکھتے تھے۔ نمونہ کلام ہے:-

اے آنکہ بخواب غفلت ہمہ شب حمیدہ باشی ❊ فردا ز صبح صادق اثرے ندیدہ باشی
رہ وصل او نمایاں نشود بقطع منزل!! ❊ چو ز خود رمیدہ باشی بخدا رسیدہ باشی

بابا محمد مقصود مخدومی

بچپن میں مولوی امان اللہ شہید سے تعلیم میں کمال حاصل کیا۔ وقت کے مشایخ کی تربیت اور ہدایت سے خدارسیدہ دوست خداؤں میں شامل ہو گئے۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں عمر بسر کی۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں رحلت کی۔ حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ کے احاطے میں دفن ہیں۔

شیخ محمد شفیع۔ عرف طلائی

وقت کے صاحب اسرار مشایخوں میں سے تھے۔ درد خوانی میں لاثانی تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اور خدا دوستوں کی روحوں سے فیضیاب ہوتے تھے۔ علم طب کے بڑے ماہر تھے۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ تانبے سے سونا بناتے تھے اور غریبوں کو دیتے تھے۔ جس کے موجب انہیں "طلائی" کہتے تھے۔ دفات کی بیماری میں بیوی نے کہا۔ تم تو کیمیا گر تھے۔ اور میرے لئے ایک رات کی روٹی کا گذارہ بھی نہ رکھا۔ انہوں نے کہا۔ تانبے کا پتیلہ آگ پر گرم کر لو۔ جب پتیلہ گرم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے منہ کا پانی اس میں ڈال دیا۔ اور پتیلہ سونے کا ہو گیا۔ پرگنہ کوہیار کے گاؤں ارین میں دفن ہیں۔

شاہ عبداللطیف

بخارا سے مولی طلبی کے شوق میں ہند آئے اور شاہ مسافر سے طریقت کی تعلیم پاکر کشمیر کا رخ کیا۔ اور باقی عمر یہیں گذاری۔ بارہ مسجد کے مزار میں دفنائے گئے۔

حافظ عبدالصبور فکتو بارہ مولی

حافظ احمد بارہ مولی کے خلیفوں میں سے تھے۔ خواجہ احمد یسوی سے سلوک کے مقامات کی آگاہی پائی رتبۂ ارشاد حاصل کیا۔ اور محلہ ڈڈیار میں گوشہ نشین ہوئے۔ ۱۱۶۴ھ میں ملہ کھاہ میں دفن ہوئے

شیخ رحمت اللہ

شیخ محمد مقیم اول کے بیٹے تھے۔ جو بیٹے تھے شیخ محمد مومن کے جو بیٹے تھے شیخ حسن ثانی کے جو بیٹے تھے۔ شیخ محمد عاصی کے جو حضرت جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفی رح کے حقیقی بھائی تھے یہ سارے حضرات ظاہری اور باطنی فضیلتوں میں نسلاً بعد نسل کے صاحب ارشاد اور ولایت تھے۔ اور شاہان چغتائیہ کی طرف سے منصب صدارت پشت در پشت رکھتے تھے۔ شیخ رحمت اللہ نے اپنے والد بزرگوار شیخ مقیم اول سے تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے ہمعصروں میں امتیازی درجہ پیدا کر کے عالم فاضل مانے جاتے تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ شاگردوں کو پڑھانے میں مانے ہوئے اُستاد تھے۔ ریاضت اور عبادت میں لاثانی تھے۔ اس زمانے کے عالم۔ فاضل اور عارف کہتے تھے۔ کہ ہمارا وقت کتنا اچھا ہے۔ کہ شیخ رحمت اللہ جیسے فاضل علامہ اور کامل پرہیزگار اور خدا دوست ہم میں موجود ہیں۔ شیخ رحمت اللہ ظاہری مرشدوں کے علاوہ حضرت امیر کبیرؒ کی روحانیت سے بھی باطنی فیض پاتے تھے۔ سید حسین بیہقی اور خلیفہ عبداللہ سے بھی معنوی بھائی چارہ تھا۔ خانقاہ معلی میں چلہ کشی کرتے تھے۔ خانقاہ معلی میں نماز تہجد ادا کرنے کے لئے نادپورہ سے آدھی رات کو آتے تھے۔ خانقاہ فیض پناہ کے حجرۂ خاص پر کچھ حرکتیں ان سے ایسی ظاہر ہوتی تھیں۔ جو علامگی کی شان کے خلاف تھیں۔ ایک دن ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی خانقاہ کے حجرۂ خاص کے پاس ایسی حرکت کرے گا۔ اس کے حق میں کیا حکم ہے؟ فرمائے۔ ایسی حرکت کا کرنا اچھا نہیں۔ شرع کے خلاف ہے۔ سائل تاک میں بیٹھا اور جب انہوں نے وہ حرکت کی جس کے بارے میں اس نے سوال کیا تھا۔ اسی وقت اس نے پوچھا آپ نے یہ حرکتیں کیوں کیں فرمائیے۔ جو کچھ اس عالی آستانہ کی برکتوں سے مجھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے موجب مجھ

سے بے اختیار ایسی حرکتیں وقوع میں آتی ہیں۔ ایک بزرگ کو اس بات کا پتہ چلا۔ وہ ارادہ کر کے آستانہ شریف تک ان کے ساتھ آئے۔ اور جناب نے ان کا لحاظ مدنظر رکھکر کسی قسم کی حرکت واقع نہ ہونے دی۔ اسی رات حضرت امیر اس بزرگ پر جلوہ گر ہوئے اور فرمائے۔ کیوں میرے عاشق کو عشق کے اظہار سے مانع ہوئے؟ اس بزرگ نے ان کی خدمت میں آکر عذر خواہی کی۔ کہتے ہیں کہ برسوں سے ان کی عادت تھی کہ ۲۱ ماہ رمضان کو نہا دھوکر خانقاہ معلیٰ میں عید تک اعتکاف کو بیٹھتے تھے۔ ہر روز ختم قرآن کرتے تھے۔ پانی کا ایک گھونٹ پی کر افطار کرتے تھے۔ اور عید کے دن کچھ نہ کھاتے تھے۔ ان دنوں میں اکثر بار رسول خدا صلعم کے دیدار سے شرفیاب ہوتے تھے۔ اور اس وقت تک صاحب صفا لوگ اس بات پر انہیں مبارک باد دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی گھر زبنہ کدل میں تھا۔ پھر نادپورہ جاکر مدت تک وہاں رہے۔ نادپورہ کا مکان سیلاب کے موجب منہدم ہو گیا۔ اور انہوں نے بابا قائم کی وساطت سے تارہ بل میں ایک مکان خریدا جس کو مکان والے نے اس وہم سے خالی کیا تھا۔ کہ اس میں بھوت کا تصرف ہے۔ اور پھر وہیں بسنے لگے۔ شیخ رحمت اللہ اپنے زمانے کے فاضل علامہ اور شیخ کامل تھے۔ درس اور لوگوں کی رہبری میں عمر گذار کر ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۶۳ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ شیخ بہاءالدین گنج بخش کے بڑے مزار میں شمال کی طرف دفن کئے گئے۔ "افتاد ستونِ کعبۂ دین" تاریخ ہے۔

مُلا حیدر بلاقی عرف پشلو

ملا محمد مراد کے دل پسند بیٹے تھے۔ اپنے زمانے کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ حافظ حسن اعمیٰ سے جو میر علی قادری کے خلیفہ تھے۔ علم باطنی کی تعلیم پاکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ملا فارک نقشبندی سے بھی عقیدت تھی۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے بھی بارہا فیضیاب ہو گئے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں بے نظیر تھے۔ ۱۷ رجب ۱۱۳۴ھ کو انتقال کیا۔ اپنے اسلاف کے مزار میں دفن ہیں۔ تاریخ ہے:۔

زہجران داغہا چون ماند بر دل ‌‌ ‌ ‌ شدہ تاریخ وصلش داغِ دلہا

مُلا رحمت اللہ پشلو

ملا حیدر بلاقی کے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے ظاہری اور باطنی علموں کی تعلیم پاکر بلند مرتبہ کے

عالم اور صوفی بنے۔ موروثی اور خود حاصل کی ہوئی۔ چار ہزار کتابوں کی لائبریری کے مالک تھے۔ جن میں مذہبی کتابیں۔ فلسفہ۔ منطق۔ طب۔ اصول۔ معانی۔ تصوّف۔ اخلاق۔ قصص۔ تاریخ وغیرہ شامل تھیں۔ اور اس کتب خانہ کو اپنی اولاد ذکور (بیٹے) پر وقف کر دیا تھا۔ ۱۱۷۲ھ میں انتقال کیا۔ شوپیاں کے قصبہ میں دفن ہوئے۔

شیخ عبدالرسول معروف بہ لسنہ بابا لو

حضرت شاہ ابوالفتح کے خاص خلیفہ اور با اخلاص مرید تھے۔ شیخ عبدالرحیم مانجو سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ اور فیض پاتے تھے۔ صاحب حال۔ کمال اور سوز و گداز تھے۔ کہتے ہیں کہ سدگاؤں کا نمبردار ان کا معتقد اور مرید تھا۔ اس نے انہیں لڑکے کی شادی پر دعوت کی۔ حضرت شیخ چاشت کے وقت مقدم کے گھر سے نکل کر آبشار اہرہ بل پر گئے۔ اور آبشار نیچے گرنے کی جگہ پر ان پر حال کا غلبہ ہوا۔ اور آبشار کے ساتھ تالاب میں گرے۔ اس آبشار کا نچلا حوض چونکہ بہت گہرا ہے۔ اور جو چیز آبشار کی دھار کی زد میں آتی ہے۔ وہ مدتوں اُوپر نہیں آسکتی ہے۔ دیکھنے والے پریشان ہو کر رُوتے ہوئے اپنے گھروں کو آئے۔ ان کی حیرانی کا اندازہ نہ رہا جب انہوں نے سُنا۔ شیخ اپنی کوٹھڑی میں ہیں۔ دوڑے اور انہیں دیکھ کر شادماں ہو گئے۔ میزبان نے کھانا لایا۔ اور کہا خدا کے واسطے سارا کھانا کھائیں۔ "خدا کیواسطے سارا کھانا کھائیں" سننے پر ان کا حال کچھ اور ہو گیا۔ کھانا منگاتے گئے اور کھاتے گئے۔ جب تک جو کچھ پکا تھا وہ سارا کھا گئے۔ جب وہاں کچھ باقی نہ رہا۔ باغ میں نکلے۔ اور درختوں پر جو میوہ تھا۔ سب کھا گئے۔ اور اسی مستی کی حالت میں وہاں سے چل کر شہر آگئے۔ قلاشپورہ میں دفن ہیں۔

مولانا عبدالحق

جوانی میں شیخ ابوالقاسم لولی سے طریقت کی تربیت پا کر قاضی دولت شاہ بخاری سے تکمیل کر کے دولت ابدی حاصل کی۔ رتبۂ ارشاد اور خلافت پائے۔ حج کو روانہ ہوئے۔ جہاز میں وفات پائی۔ جدۃ میں دفن ہوئے۔

شاہ عبدالرحمان

کشمیر کے تاجروں میں سے تھے۔ خواجہ محمد نقشبندی سے سعادتمندی کے مرتبوں کو حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ قلعہ کے اندر شمال کی طرف رہنے لگے۔ مدت تک راہ نیک کے رہبر رہ کر

اپنے گھر کے صحن میں سپرد خاک ہوئے۔

بابا نورالدین معروف بہ کانگرو

اٹھتی جوانی میں مُلا طاہر کے بیٹے شاہ عبدالصبور سے بیعت کر کے رُوحانی کمال حاصل کیا۔ ارشاد کے سجادہ پر بیٹھے۔ پرہیزگار اور خداترس تھے۔ میاں محمد امین دار سے بھی فیض پایا۔

حاجی عبدالولی

طرفان سے جو ترکستان کا ایک بہت دور شہر ہے۔ خانہ کعبہ کے طواف اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کے ارادہ سے نکلے۔ حج سے فراغت پاکر مدینۂ منورہ میں مدت تک رہے۔ شیخ ابوالحسن سندی[۲] سے احادیث کی سند حاصل کر کے کشمیر آئے۔ اور مدت تک ملا قوام الدین کے گھر میں رہے۔ اور انہیں روایت حدیث کی اجازت دیدی۔ آخر پرسوکھہ جیون بل نے شہزادہ بلخ کی سازش کی تہمت لگاکر سنہ ۱۱۷ھ میں ان کو قتل کرایا۔ قتل کے بعد صبح تک ان کی زبان پر "صمد" کا ذکر جاری تھا۔ بٹن میں دفن کئے گئے۔

شیخ اسلام[۳] گوتہ پوری

جوانی میں خدا پہنچاننے کے خیال میں پڑ گئے۔ بزرگانِ دین اور ماجدلوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ دِل کے غنی تھے۔ پرہیزگاری اور تنہانشینی میں عمر بسر کی۔ اپنی کوٹھڑی کے دروازے کو بند رکھتے تھے۔ کھانے پینے میں حد درجہ کا احتیاط برتتے تھے۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں رحلت کی۔ اپنی بیٹھنے کی جگہ میں دفن کئے گئے۔

مخدوم محمد فصیح

مخدوم محمد شریف صفاپوری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ حال اور کمال والے تھے۔ ظاہری اور باطنی فیض کے خزانہ تھے۔ حاجی احمد قاری کے مرگزار میں نو مسجد کے متصل دفن ہیں۔

بابا محمد قاسم

سید غلام شاہ آزاد کے بااخلاص مرید اور خاص خلیفہ تھے۔ مرشد کی خدمتگذاری عمر بھر

کرتے رہے۔ رتبۂ ارشاد حاصل کرنے کے بعد علاقہ کوہمار کے گاؤں تیلون میں گوشہ نشین ہو کر بندگان خدا کی رہبری اور رہنمائی میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخ سید ان کے اچھے طریقہ کو دیکھکر اپنے سارے مرید اور معتقد جو مراج میں تھے۔ ان کو دیئے۔ اور انہوں نے اچھے خلیفے پیدا کئے۔ لوگ بھی کثرت سے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے معتقدوں میں سے ایک شخص حج کو گیا تھا۔ بیت اللہ میں حضرت بابا کو طواف کرتے دیکھا۔ اور انہوں نے اسے کہہ رکھا کہ کشمیر پہنچنے پر یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ تیلون میں ان کی قبر ہے۔

بابا محمد علی معروف بہ عالہ بابا

بابا علی رینہ مخدومی کے پوتوں میں سے تھے۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں بلند شان رکھتے تھے۔ بہت سے صاحبدلوں کے ساتھ ملاقات تھی۔ تولہ مولہ میں لوگوں کو رہبری کرتے تھے۔ میر بابا حیدر کے مزار میں آرام پائے ہوئے ہیں۔

شیخ محمد معروف

شیخ محمد فاضل زدیمبری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ مجاہدہ۔ ریاضت اور عبادت خدا میں بے نظیر تھے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے فیض والے تھے۔ کہتے ہیں کہ بانہال کے زمینداروں کو شالی کی فصل کچی رہ کر ہر سال نقصان پہنچتا تھا۔ انہوں نے حضرت شیخ سے التماس کی۔ حضرت شیخ نے درگاہ کبریا سے التجا کی۔ اسوقت سے بانہال کے سارے علاقے میں فصل پکی ہونے لگی۔ سنہ ۱۱۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔ اور باپ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد مسعود

شیخ محمد فاضل زدیمبر کے دوسرے بیٹے تھے۔ ملا نور اللہ بنجی سے تعلیم حاصل کر کے اپنے والد سے سلوک کی تربیت پائی۔ بڑے عابد تھے۔ طریقت کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرنے کے بعد والد بزرگوار سے اجازت ارشاد حاصل کر کے بندگان خدا کی خدمت اور رہبری کرنے میں مشغول ہو گئے۔ نہایت سادہ وضع اور بے تکلف تھے۔ کہتے ہیں کہ پتا لیس گز پٹو کا ایک لپیٹ دستار کے بدلے سر پر لپیٹے تھے۔ جہاں پہنچتے تھے۔ لپیٹ سر سے اتار کر زمین پر رکھتے تھے۔ اور کتاب "مشکواۃ المصابیح" اس پر رکھکر وعظ شروع

کرتے تھے۔ وعظ و نصیحت سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دفعہ اوُلر جھیل سے گذرتے تھے۔ ماہیگیروں نے مرغابیاں اور مچھلیاں تحفہ کے طور پر لائیں۔ انہوں نے قبول نہ کیں۔ فرمائے۔ پانی میں جال پھینکدو۔ اور جو چیز ہماری قسمت سے جال میں آئے گی۔ وہی ہمکو منظور رہے۔ مچھیروں نے جال ڈالدیا اور پانی سے نکالنے پر ایک تھیلی جال میں پھنسی ہوئی پائی۔ جس پر موم کی مہر لگی تھی۔ مہر توڑکر تھیلی کو کھولا۔ ایک کتاب مشکوٰۃ مصابیح۔ ایک سمندری عقیق کی تسبیح (مالا) اور عصا (لاٹھی) کا سنگ مرمر کا دستہ برآمد ہوئے۔ شیخ ان چیزوں کو غیبی عطیہ خیال کرکے بہت ہی خوش ہو گئے۔ تسبیح[۲] اور دستہ ہمارے (راقم کے) خاندان میں موجود ہیں۔ اور کتاب کو کوئی چُرا کرلے گیا۔ ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۱۸۵ھ کو رحلت فرماکر اسلاف کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

بابا محمد مقیم

شیخ حسن کامرجی کی بیٹی کا بیٹا تھا۔ جوانی میں خداشناسی کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ شیخ محمد فاضل زوینری کی خدمت میں آکر بارہ برس خدمتگذاری کی۔ ایک رات جاڑے میں تہجد کی نماز کے وقت خوشحال میر سے پانی کا گھڑا لاکر دیر تک دروازہ کے باہر کھڑا رہا۔ جب حضرت شیخ وضو کرنے کیلئے کوٹھری سے نکلے اور طہارت کرنے لگے۔ پانی جم گیا تھا اور بابا مقیم بغیر کانگڑی کے ایک ہی کرتہ میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حضرت شیخ کو یہ حال دیکھکر رحم آیا۔ اور بولے۔ بولو کیا چاہتے ہو؟ بابا مقیم بولا۔ میرا مقصد اور مدعا یہ ہے۔ کہ میرا حال اور کمال ایسا ہو۔ جیسا کہ آپ کا ہے۔ شیخ نے اسکو گلے لگایا۔ اور نہ صرف اس کے باطن ہی کو بلکہ ظاہر کو اپنا جیسا بنادیا۔ صبح کو دونوں کی شکل ایک جیسی نظر آنے لگی۔ فرق صرف ڈاڑھی کا تھا۔ شیخ کی سفید تھی اسکی کالی۔ شیخ نے پرگنہ کھویہامہ کے گاؤں نسو میں تنہانشینی کا حکم دیا۔ پندرہ[۱۵] برس گوشہ نشین رہنے کے بعد بیوی لے لی۔ اور رگامرد کے گاؤں میں بسنے لگے۔ خود زراعت کرکے روزی کھاتے تھے۔ اسی گاؤں میں دفن ہیں۔

بابا محمد صالح

بابا محمد مقیم کے بھائی تھے۔ شریعت اور طریقت کے راستوں کے رہرو تھے۔ شیخ محمد معروف سے باطنی فیض حاصل کرکے عمر کو پرہیزگاری اور خداترسی میں گذارے۔ رحلت کے بعد مرشد بزرگوار

کے رُوضہ کے متصل دفنائے گئے۔

امان اللہ ملک شاہ آباد

شیخ محمد معروف کے مُرید تھے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ شاہ آباد میں دفن ہیں۔

شیخ حیات

شیخ محمد معروف کے خاص خلیفہ اور اخلاص والے مُرید تھے۔ عبادت اور ریاضت میں لاثانی تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی۔ خدا ترسی اور پرہیزگاری میں عمر گذاری۔ ایکسو تین[۱۰۳] سال عمر پاکر چل بسے۔

شاہ بولاقی

شاہ عنایت اللہ قادری کے مُرید تھے۔ عجیب و غریب حالات اور کمالات رکھتے تھے۔ ان کا مُرید عبدالسلام نامی کہتا تھا۔ کہ ایک دن میں ان کی خاص کوٹھڑی میں بیٹھا تھا۔ دروازہ اور کھڑکی بند تھی۔ میں نے گھٹنوں پر سر رکھا اور مجھے بیہوشی کی حالت محسوس ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھولیں دیکھا کہ شیخ وہاں ہیں نہیں۔ حیران ہوا۔ کہاں گئے۔ ایک ساعت گذرنے نہ پایا تھا۔ کہ اپنی جگہ پر بیٹھے تھے۔ فرمائے۔ ابدالوں کو در و دیوار روکتے نہیں۔ اتنا کہہ کر نماز باندھ لی۔ ان کا مقبرہ شاہ آباد میں ہے۔

حافظ طیبُ مزدین

بابا عثمان کاک سے باطنی علموں کا فیض حاصل کر کے تارک دنیا ہو گئے۔ کتابیں لکھکر رُوزی کماتے تھے۔ آخر پر شیخ عبدالرزاق رحیل کے گھر میں رہنے لگے۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں مزار شاعر داری میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد قایم معروف بہ لوترو

ان کا باپ کشمیر سے ہجرت کر کے دہلی میں سکونت پذیر ہوا تھا۔ اور شیخ وہاں ہی پیدا ہوئے۔ وہیں بالغ ہوئے۔ جوانی میں شیخ محمد رضا دہلوی کی خدمت میں آنے جانے لگے۔ ان سے تربیت اور باطنی فیض حاصل کر کے کشمیر آئے۔ محلہ خانیار میں حاجی باندڑے باغ میں سکونت کی۔ سنہ ۱۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

خواجہ اسحاق ذندہ

شریعت اور طریقت کی باتوں میں لاثانی اور علم قرأت میں مشہور عالم تھے۔ علم قرأت جو
اس ملک سے نابود ہونے لگا تھا۔ ان کی برکت سے دوبارہ زندہ ہوگیا۔ اور آج
تک اسی کا اثر باقی ہے۔ یہاں کے بہت سے عالم اور بزرگ ان کے شاگرد تھے۔ تحفۃ القرا
اور ہدیۃ الفراد دو منظوم رسالے ان کی تصنیف ہیں۔ ۱۲ صفر ۱۱۷۶ھ کو رحلت کرکے اسلاف
کے مزار میں دفن ہوئے۔

حاجی نعمت اللہ

مہدی علی کبردی کے پوتوں میں سے تھے۔ اپنے رشتہ داروں اور ہمعصروں سے تربیت حاصل کرکے
ظاہری اور باطنی کمالات میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ ملا امان اللہ شہید سے معتبر حدیثوں کی
روایت اخذ کی۔ ۱۱۸۲ھ میں انتقال کیا۔ اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

محمد محسن قادری

حافظ حسن قادری کے بھتیجے۔ امان اللہ شہید کے شاگرد اور طریقت میں اپنے چچا کے تربیت
یافتہ تھے۔ خداترس اور پرہیزگار تھے۔ حدیثوں کی کتابیں لکھا کرتے تھے۔ ۱۱۸۲ھ میں
اپنے چچا کے مرگزار میں دفن ہوئے۔

مخدوم محمد سعید

مخدوم محمد فصیح کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ہندوستان اور خراسان کی سیاحت کی۔ بڑے
بڑے بزرگوں سے صحبت تھی۔ اپنے باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔

ملا عبد الغفور

شیخ محمد گگو کے بیٹے۔ ملا امان اللہ شہید کے شاگرد۔ عالم باعمل اور خدارسیدہ
بزرگ۔ دینی اور دنیاوی کمالات کا مجسمہ تھے۔

شیخ محمد یحییٰ رفیقی

خواجہ طاہر رفیقی کے پوتوں میں سے تھے۔ حقیقت آگاہ صاحبدلوں کے سرگروہ تھے۔ علم
و عمل میں اپنے ہمعصروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ حضرت خواجہ رفیق کی روح سے فیض

باطنی حاصل تھا۔ ظاہری اور باطنی باتوں کا استفسار ان کے مقبرہ سے کرتے تھے۔ اور صحیح جواب پاتے تھے۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۸۵ھ کو رحلت کی۔ اپنے آبا کے مزار میں آرام پائے۔ "بدر شریعت آفتاب مکرمت" تاریخ ہے۔

میاں محمد یوسف

عرفان اور پرہیز گاری میں بے نظیر۔ صاف باطن اور روشن ضمیر تھے۔ محلہ قطب الدین پورہ میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔

شاہ محمد یوسف

ہنرمند عالم اور ماہر تھے۔ تارک دنیا۔ باطنی فیضوں سے مالا مال اور دنیا کے سیاح تھے۔

شیخ عثمان رادھو

شیخ محمد چشتی کے بیٹے شاہ محمد فاروق کے بیٹے تھے۔ مولانا سعد الدین۔ مولانا حاجی محمد آخوند ملا سلیمان اور ملا مقیم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ دہلی جاکر حضرت شاہ ولی اللہ سے علم حدیث اور شریعت کی کتابوں کی سند حاصل کی۔ اور طریقت میں بھی ان سے رہبری پائی۔ ہند سے واپسی پر خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان سے مزید تربیت پائی۔ فن انشاء اور شاعری کے لئے موزون طبیعت رکھتے تھے۔ بے نظیر مقرر تھے۔ اپنے جد کے مزار میں ان کی نعش سپرد خاک کی گئی۔

شاہ فرح الدین معروف بہ محمد فاروق متو

اس شہر کے شریفوں میں سے تھے۔ خواب میں جناب حضرت محمد صلعم نے ان کو ترک دنیا کرنے کو کہا۔ اور سب کچھ چھوڑ کر شاہ طاہر مارونی کی خدمت میں جاکر بیعت کی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں لگ کر طریقت کے کمال اور خلافت کی استعداد حاصل کی۔ پھر حاجی عبدالسلام دار سے ابدی دولت کا سرمایہ جمع کرکے سلسلۂ کبرویہ کے مشعل کو روشن کیا۔ بہت سے مخلص دوست پیدا کئے۔ لوگوں کی عقیدت مندی کے باوجود سادہ لباس اور دھوم دھام کے بغیر دن گذاری کرتے تھے۔ شہرت اور سجادہ نشینی کا میل نہیں رکھتے تھے۔ دن رات وجد اور سماع کا شغل تھا۔ آہ زاری کثرت سے کرتے تھے۔ ایک دن بیس گز کی اونچائی سے پتھریلی زمین پر گرے۔ اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کے پڑوس میں ایک زاہد پہنچا۔ جو اونچی آواز میں قرآن پڑھتا تھا۔ شاہ نے تعظیم قرآن مدنظر رکھ کر اپنا شغل بند کیا۔ اور تلاوت سننے لگے کچھ دن گذرنے پر سرور کائنات صلعم خواب میں آئے۔ اور فرمائے۔ اے شاہ فرح الدین اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ "عارف" کی ایک آہ زاہد کے سو برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ سنہ ۱۱۹۱ھ میں رحلت کی اور باچھ براری کے اندر حضرت سلطان رحمہ کے سیڑھی کے نیچے دفن ہوئے۔

بابا محمد میرزا

حاجی عبدالسلام دار کے داماد تھے۔ ان کی زیر تربیت رہ کر سلوک کا راستہ طے کر لیا۔ آپسمیں تنکر رنجی ہوئی۔ بابا نے شیخ عبدالرحمان (جو کامل درویش تھے) کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ عبدالوہاب نوری کے گھر کے آنگن میں پہنچے ہیں۔ اور میرزا اکمل الدین بدخشی وہاں ہی ہیں۔ اور ان سے فرمایا۔ اے میرزا بابا اگر سلام کے ساتھ تمہیں آزردگی ہے۔ وہاں کے پاس جاؤ۔ سات مہینے کے اندر ان کی تربیت سے مشاہدہ کا رتبہ حاصل کیا ہے۔ پھر شیخ کے فرمانے کے موجب حاجی عبدالسلام کے پاس جا کر ان سے معذرت کر کے ان کے دل سے کدورت اور ملال دور کیا۔ اور ارشاد کی سند حاصل کی۔ کہتے ہیں مستی اور مدہوشی میں غرق رہتے تھے۔ مرشد کے مزار میں دفن ہیں۔

شیخ سیف اللہ

حاجی عبدالسلام دار کے چنے ہوئے خلیفوں میں سے تھے۔ مجاہدہ۔ مشاہدہ اور صاحب اسرار تھے۔ عبادت اور ریاضت میں بے بدل تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن گھاٹ سے وضو کر کے آتے تھے۔ اور ایک خوشرو جوان جس کے ساتھ ان کی دل لگی تھی۔ راستے پر ملا۔ اور [illegible] کی نماز ادا کرنے سے قبل ہی اس کی خیر و عافیت پوچھی۔ حاجی کو باطنی طور پر حرکت کی خبر لگی اور تین دن اپنے پاس انہیں آنے نہ دیا۔ تیسرے دن منت و زاری کر کے ان کے پاؤں پڑے۔ اور اسی وقت جان دی۔ مرشد بزرگوار نے اس کی جانبازی کا دیکھکر اپنے مزار میں دفن کرایا۔

شیخ دولت بائی

کمہار کا بیٹا تھا۔ عبدالسلام دار سے اسرار کا واقف ہو کر فکر و ذکر میں اپنے زمانے میں عالی مقام صاحبدل ہو گیا۔ لمبی عمر پائی تھی۔ علاقہ کھویہامہ کے گاؤں ژکرہ دین عبادت و ریاضت میں دن گذاری کرتا رہا۔ اور اسی گاؤں میں آخرت کا راستہ بھی لے لیا۔ مرشد بزرگوار کی وفات کے بعد شہر کا رخ بھی نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اپنی گدڑی دھوپ میں ڈالی تھی۔ چکور جنگل سے آ کر گدڑی سے پسو نکال کر دور پھینکتے تھے۔

رحمہ شاہ

ایک صاحب اسرار زمیندار تھے۔ بہت سے بزرگوں سے فیض پائے تھے۔ پرگنہ جمل کے گاؤں شتلوہ کے گاؤں میں گوشہ نشینی کرتے رہے۔ صاحب کمال طالب تیار کئے۔

بابا محمدؒ بلخی

عالم۔ پرہیزگار۔ خدا سے ڈرنے والے۔ ملا امان اللہ دار کے شاگرد تھے۔ فقر۔ قناعت۔ اور تنہا نشینی میں دن گذاری کرتے تھے۔ دنیا اور دنیاداروں سے نفرت تھی۔ لوگوں کو ظاہری اور باطنی تعلیم سے فایدہ پہنچانے کا شغل تھا۔

بابا عبداللہؒ سوی

شیخ محمد قایم کے بیٹے اور ملا محمد مقیم ٹوپیگرد کے شاگرد اور مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر ریاضت اور عبادت میں زندگی بسر کی۔ ذوق اور شوق والے ماجدل تھے۔ سنہ ۱۱۸۵ھ میں اس دنیا سے چل بسے اور باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔

حافظ ہدایت اللہ

مولانا محمد صادق اور ملا حاجی محمد سے تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد مولی طلبی کے شوق سے پشاور گئے۔ وہاں شاہ محمد غوث سے طریقت اور معرفت کے اصول سیکھ لئے۔ اور مستقل مزاجی کی برکت سے ارشاد اور خلافت کے درجہ پر پہنچے۔ صوبیدار پشاور جہاں خان نے ان کیلئے پشاور میں ایک خانقاہ بنائی اور عقیدتمندی کا ثبوت پیش کیا۔ مرتے دم تک ظاہری اور باطنی تعلیم دینا لوگوں کو ہدایت اور رہنمائی کرنا ان کا شغل تھا۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔ پشاور میں دفن ہیں۔

ملا مقصود متو

آخوند نورالہدیٰ سے تعلیم میں کمال حاصل کر کے شیخ مقصود سے تربیت پاکر تصوف اور الٰہیات کے علوم سے اپنے آپ کو بہرہ ور بنا کر ریاضت اور عبادت میں زندگی کے دن بسر کئے۔ سنہ ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

مولانا محمودؒ بلخی

ملا حاجی محمد اور شیخ رحمۃ اللہ کے شاگرد تھے۔ بہت سے صاحبدلوں اور خدارسیدہ بزرگوں سے تربیت حاصل کی۔ عالم باعمل اور کامل خدادوست تھے۔ شیخ گنج بخش کے مزار میں دفن ہیں

شیخ محمد اشرف فتحکدلی

شاہ محمد رضا کے بیٹے۔ صاحب صفا لوگوں کے رہبر۔ پرہیزگار ولیوں کے سرتاج۔ علم و عمل۔ ریاضت عبادت۔ اور مجاہدہ میں بے نظیر۔ ٹوپیگرد خاندان سے تھے۔ اٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق نے خواجہ عبدالغنی لنکر کے دامن کو پکڑوایا۔ ان کی مہربانی سے تھوڑے ہی زمانے میں۔

"اطوار سبعہ" (سات طریقوں) کے مقام اور اسفار اربعہ (چار سیر) کچھ سیر (منزل) قادری اور کبروی طریقوں سے طے کر کے خط ارشاد حاصل کیا۔ لیکن اپنی استعداد کی بڑھائی کے موجب خواجہ عبد الغنی لنکر کی اجازت قبل از وقت سمجھکر کچھ مدت کے لئے اپنی ہی جگہ پر بیٹھے رہے۔ حضرت خواجہ کو کہیں سے اس بات کا پتہ چلا اور ان کے دل کو ٹھیس لگی۔ حضرت اشرف اس طرح سے بیمار پڑے۔ کہ ان کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اور ان کو نتک گذرا کہ اس بیماری کا سبب حضرت خواجہ کی دل شکنی ہے۔ انہوں نے حضرت سلطان العارفین قدس سرہ کی طرف رجوع کر کے التجا کی اور حضرت سلطان رح کے اشارہ پر حضرت خواجہ نے دل سے کدورت نکال دی۔ اور حضرت نے صحت پائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ حمزہ مخدوم رح کے آستانہ پر کثرت سے جانے لگے۔ اور مرشد کامل ملنے کے لئے درگاہ پر دعائیں مانگتے رہے۔ ایک دن حضرت مخدوم رح جلوہ گر ہوئے۔ اور فرمایا۔ بیا بیٹے! جاؤ۔ راستے میں تمہیں مرشد ملے گا۔ حضرت شیخ سیڑھی سے اترے اور راستے میں حضرت میر محمود پانپوری سے ملاقات ہوئی۔ ان کو حضرت مخدوم رح کا فرمان سنایا۔ انہوں نے کہا۔ اگر انہوں نے یہ بات تم کو بتادی ہے۔ تو پھر مجھے بھی بتادیں گے۔ میر محمود آستانہ پر گئے۔ حضرت مخدوم رح نے ان سے فرمایا۔ میں نے تمکو اس جوان کے ساتھ نکاح کا نعطہ لیا ہے۔ میر محمود نے مسکراتے ہوئے شیخ اشرف سے یہ بات کہی۔ شیخ نے کہا میرے خیال میں اس بات کا معنی یہ ہے۔ کہ میرے اور آپ کے معاملے میں کوئی واقف نہ ہو۔ جس طرح میاں بیوی کے معاملوں میں کوئی واقف نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے ان سے سہروردی طریقہ کی تعلیم و تربیت پاکر بلند درجہ حاصل کیا۔ اور خدائی بھید دل اور مہربانیوں کے خزانے ان پر کھل گئے۔ لیکن خداداد بلندی استعداد کے موجب ان کے دل کی پوری تسلی اور تشفی نہیں ہوتی تھی۔ اور وصال کے سمندر کو پی کر بھی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ایک دن جناب میر نے حضرت شیخ سے کہا۔ مجھے خداوند تعالیٰ نے حسین منصور حلاج کا مقام عطا کر کے کائنات کا کشف بخشدیا تھا۔ لیکن میں اس بہت بڑے عطیہ کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہا۔ کیونکہ منصور حلاج کا بیٹا حسین ایک دن رات میں نماز کی ایک ہزار رکعتیں پڑھتا تھا۔ اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا۔ پھر کشف عالم خدائی جلوؤں کے لئے پردہ اور فتنوں کا باعث پایا۔ اس واسطے میں نے بارگاہ الٰہی سے کشف کائنات سے چھٹکارا پانے کی التجا کی۔ میری التماس کو اجابت ہوئی۔ اور منصور کے بیٹے کے مقام سے باہر نکل گیا۔ کشف کا خاتمہ ہوا۔ اسی سبب سے میں نہیں جانتا ہوں۔ کہ کس جگہ تم کو دل کی تسلی نصیب ہوگی۔ آج تک تمہارے اور میرے درمیان پیری اور مریدی کا تعلق تھا۔ اب وقت تم اور میں ایک دوسرے کے برابر اور بھائی ہیں۔ جاؤ! جہاں کہیں تمہارے دل کی تسلی ہو۔ تلاش کرو اور ڈھونڈو۔ مجھے بھی بتاؤ۔ حضرت شیخ مرشد کامل کے حکم سے مرد کامل کی جستجو ہر جگہ کرنے لگے۔ اور مولانا ابو الفتح کانی سے کچھ لو پاکر ان کے مرتبہ کی بلندی معلوم کی۔ حضرت میر اور

کی۔ اور دونوں بزرگ مولانا ابو الفتح کی خدمت میں گئے۔ حضرت مولانا نے کوئی بات پوچھنے کے
بغیر فرمایا۔ کل حلقہ پر حاضر ہونا۔ دوسرے دن دونوں حضرات مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے
مولانا نے ادھر ہی سے دونوں کے نام بتا دیئے۔ اور کہا۔ آج رات سارے باپنوری حضرات نے
اکٹھے ہو کر فرمایا۔ کہ میر محمود پر کسی کو قبضہ جمانے نہیں دیں گے۔ رہا عشہ بابا۔ وہ آسکتا ہے
یہ سنکر حضرت میر دلگیر ہو گئے۔ ان کی خوشدلی کے لئے حضرت مولانا نے نفحات الانس پڑھنے
کی اجازت بخشدی۔ اور حضرت شیخ مولانا سے قادری نقشبندی طریقے حاصل کر کے وصال
کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اور انہیں اطمینان حاصل ہوا۔ اس کے بعد حضرت شیخ بابا میر حسن
حداد کے خلیفہ بابا عبد الشکور رگنائی کی خدمت میں گئے۔ ان سے سلسلہ سہروردیہ کی تربیت
پاکر خط ارشاد حاصل کیا۔ الغرض حضرت شیخ وقت کے بزرگ تھے۔ اور اس ملک کے بڑے
بڑے خدا دوستوں سے صحبت رکھتے تھے۔ ہر صاحبدل سے طریقت میں کچھ نہ کچھ حاصل کرتے
تھے۔ اور انہوں نے خود فرمایا ہے۔ کہ آٹھ برس کی عمر سے اس وقت تک ایک لمحہ کیلئے بھی
ان دو باتوں سے غافل نہ رہا۔ " طالب مقصود اور واصل مقصود" ایک بزرگ سے روایت ہے
کہ وہ ساری رات آہ و نالہ اور افسوس میں گذارتے تھے۔ کسی نے ان سے اس آہ و نالہ کا سبب پوچھا
فرمائے کہ میرے دل کی تمنا ہے کہ ایک سانس شیخ محمد اشرف کی سانس مثل مجھے حاصل ہو۔ مجھے
حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ان کے ہمعصر بزرگ فرماتے تھے کہ عشہ بابا نے اپنے برابر کسی کو نہیں
پایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یہ عنایت خدا ہے۔ دیتا ہے وہ خدا اپنے فضل میں سے
جسے وہ چاہئے) کہتے ہیں کہ ایک دن فتحکدل گھاٹ پر وضو کرتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام
نے آکر ان سے کہا کہ میر عبد الرشید بیہقی وقت کے قطب عالم تھے۔ ایک چور نے ان کے ایک دوست
کا جوتا چرایا۔ حضرت بیہقی نے مرید سے کہا چور عالیکدل پر تمہارا جوتا بیچ رہا ہے دوڑ کر جاؤ
اور اس سے اپنا جوتا لے لو۔ مرید دوڑ گیا اور اپنا جوتا چور سے واپس لے لیا۔ خدا
نے اس بات کے افشا کرنے پر حضرت سید سے قطبیت واپس لے لی۔ اور تمکو بخشی۔ مبارک ہو
شیخ نے کہا: اگر میں نے قطبیت کی لیاقت پیدا کی ہے۔ پھر میری دعا قبول ہوگی۔ اسی
وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی " یا الٰہی اس کی خطا اپنی مہربانی سے معاف کر اور قطبیت کا خلعت
اسے پھر پہنا دے۔" کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور حضرت سید کو پھر قطب
عالم کا مرتبہ دیا گیا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ اپنے مخلص مریدوں اور دوستوں کے ساتھ
حقیقت آگاہی کی باتوں میں مشغول تھے۔ اور ان پر عجیب حالت واقع ہوئی۔ جب اس
حال سے واپس آئے۔ فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ آثار شریف (زیارت حضرت بل) میں بے شمار
لوگ "موئے مبارک" کے دیدار کے منتظر ذوق و شوق سے درود پڑھ رہے تھے۔ اچانک
ذات اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے ڈولی میں سوار ہو کر نکلے اور شہر کا رخ کیا

لوگ ان کے ساتھ درود خوانی کرتے ہوئے چلے جب تک ڈل جھیل کے سنھو (بنڈ) سے پار آئے ڈولی میں بیٹھے ہوئے صاحب نے دوسرا جلوہ اختیار کیا اور لوگوں نے یا غوث اعظم رح کا شور و فریاد اٹھایا۔ کچھ دور چل کر ڈولی والے نے اور ہی جلوہ دکھایا۔ اور لوگ کہنے لگے یا حضرت امیر کبیر رح زور زور سے پکارنے لگے۔ کچھ دور آگے بڑھکر ڈولی والے صاحب نے ایک اور رُخ دکھایا اور سارے لوگ یا حضرت مشکلکشا رح کہکر پکارنے لگے۔ جب فتحکدل پر پہنچے۔ حضرت نے اور ہی شکل اختیار کی اور ساتھی یا حضرت سلطان العارفین رح کے نعرے لگانے لگے۔ جب ڈولی میرے گھر کے صحن میں پہنچی۔ جو صاحب ڈولی سے نکلے "وہ میں ہی تھا" کہتے ہیں کہ آخر عمر میں حضرت شیخ سے ایک دوست نے پوچھا حضرت اس وقت کا قطب عالم کون ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ شخص جو انہی دنوں میں دنیا سے نقل کرے گا۔ اور اس کی جنازہ نماز دو دفعہ پڑھی جائے گی۔ کچھ دن ہی گذرنے پر حضرت شیخ کا انتقال ہوا۔ اور خانقاہ معلّی کے صحن میں جنازہ نماز ادا کی گئی جب نعش مرگزار میں پہنچی۔ لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نماز جنازہ میں صرف تین ہی تکبیریں پڑھی گئیں۔ کچھ کہنے لگے نہیں پوری چار۔ اختلاف بڑھ گیا۔ اختلاف دور کرنے کیلئے مولانا شیخ اکبر ہادی نے مدفن ہی میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھا دی۔ اور جس شخص نے حضرت شیخ سے قطب عالم کے بارے میں سوال کیا تھا۔ نعرے لگا کر بیہوش ہوگیا۔ اور ہوش آنے پر حقیقت بیان کی۔ حضرت شیخ نے شروع میں بابا نقاش شاہ آبادی سے دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور آخر عمر میں شیخ محمد یحیٰی رفیقی سے صحیح بخاری کا مطالعہ بدرس کیا۔ آخر ختم تعلیم پر فرمایا۔ مجھے "فنا فی الرسول" کا مقام پیر دل کی تعلیم سے حاصل ہوا تھا۔ الحمد اللہ اب اس کی پوری تکمیل ہوگئی۔ نقل ہے کہ حضرت شیخ کو ایک دن یاردں نے مثنوی پڑھانے پر متوجہ کیا۔ اور انہوں نے مان لیا۔ مثنوی کا پہلا بیت شروع ہوا۔ تین دن بحث ہوتی رہی۔ اور تشریح تشنہ رہی فرمائے درس مثنوی یہی ہے۔ ورنہ آپ اور ہم عام باتوں کو سمجھنے میں برابر ہیں۔ یاروں نے دیکھا کہ حضرت شیخ کو مثنوی پڑھانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اور انہوں نے پڑھانا بند کیا۔ حضرت شیخ کا سارا وقت شریعت اور طریقت کے کاموں۔ توحید اور تصوف کی کتابوں کا مطالعہ۔ لوگوں کی رہبری اور رہنمائی میں گذرتا تھا۔ مطالعہ میں اکثر بار وجد و حال کی نشانیاں ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ جب معرفت اور حقیقت بیان کرنے پر زبان کھولتے تھے۔ تو سننے والے بیخود ہو جاتے تھے۔ حضرت شیخنا شیخ اکبر ہادی فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت شیخ نے "نفی و اثبات" کے معنی یوں بیان کئے:۔ لا معبود الا اللہ۔ ہر مکان اور ہر زمان میں حقیقی معبود وہی ہے۔ مسجد میں۔ بت خانہ میں۔ کعبہ میں۔ آتشکدہ میں۔ حقیقت میں ہر ایک عبادت گذار چاہئے وہ مسلمان ہے یا کافر اسی کی پرستش اور بندگی کرتا ہے

رُباعی

یک لمعۂ ز رخسار تو در خانۂ کعبہ ! یک تار سرِ زلفِ تو در دیرِ مغان است
زان رُو دست گر اینجا ہمہ لبیک و نفیر است زان مو ست کہ اینجا ہمہ فریاد و فغان است

(رُباعی میں معشوق حقیقی کے حُسن کے دو نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ "رخسار اور تار زلف" دونوں ایک ہی ذات کے حُسن کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن یہ دو نمونے اسلام اور کفر کے فرق کو بھی دکھاتے ہیں۔ کعبہ میں "رو" کا جلوہ ہے۔ دیرِ مغاں میں "مو" کا۔ ایک میں وحدت ہی وحدت ہے۔ دوسرے میں کثرت۔ ایک میں "نور" ہے۔ دوسرے میں "ظلمت" بہرحال رباعی کی روح کو ٹٹولنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تشریح کی گنجائش نہیں) مترجم

رُباعی

مسلمان گر بدانستے کہ بُت چیست بدانستے کہ دین در بُت پرستی است
اگر مشرک ز بت آگاہ گشتے چرا در دین خود گمراہ گشتے

(حقیقت یہ ہے کہ چیز کی تعریف ہی چیز بنانے والے کاریگر کی تعریف ہے۔ بت کی پوجا پتھر کی پوجا حقیقت میں نہیں بلکہ پتھر پیدا کرنے والے کی۔ ضرورت ہے حقیقت آگاہی کی۔ گمراہی حقیقت آگاہی سے بے خبری ہے۔ اس لئے مسلمان یا بت پرست جب تک حقیقت آگاہ نہیں۔ گمراہ ہے۔ مترجم۔) لا مقصود الا اللہ۔ حقیقت اور اصلیت میں ہر ایک کا مقصود ہر حال میں وہی ہے۔ سب اسی کو ڈھونڈتے ہیں با خبر بھی اور بے خبر بھی۔ با خبر اور آگاہ کو خبر اور واقفیت ہوتے ہوئے بھی اس کی تلاش رہے۔ اور بے خبر کو بے خبری اور غفلت میں ہوتے ہوئے بھی اس کی جستجو ہے۔ رُباعی :۔ میلِ خلق عالم تا ابد ؛ گر شناسند ور نہ دگر سوی تست
جز ترا چون دوست نتوان یافتن دوستی دیگران بر بوی تست۔ ع :۔

دوست دارم خویش را تا دوست میدارم ترا

جو تجھ کو پہچانتے ہیں۔ اور جو نہیں پہچانتے ہیں سب کی چاہت تم ہی ہو۔ تمہارے سوا جب کسی دوست کو پانا ممکن نہیں اسواسطے دوسروں سے دوستی تمہاری دوستی حاصل ہونے کے لئے ہے۔ میں اپنے آپ کو اس واسطے دوست رکھتا ہوں۔ تاکہ تمہاری دوستی حاصل کر سکوں۔ لا موجود الا اللہ۔ ساری ذاتیں اور ساری چیزیں۔ دنیا کے سارے ذرے اسی کے وجود (ہونے) سے موجود ہیں۔ تنزلاتِ وجود کے اعتبار سے عالم کے ذرات کا وجود ہی اصل وجود ہے۔ اور اسی کا وجود ہے۔ اس کے بغیر خود کسی کا وجود نہ تھا۔ اگر "غیر" کے لفظ کو بھی استعمال کریں گے۔ تو پھر بھی اس کے معنی "وہی" ہے۔ (موجودہ سائنس کا آخری مسئلہ اس پر غور کرنے سے حل ہوتا ہے۔)

رُباعی:

در دیدہ عیاں تو بودہ من غافل! — در سینہ نہاں تو بودہ من غافل!
عمریست کہ در جہاں ترا میجستم! — خود ہر دو جہاں تو بودہ من غافل

ظاہر میں تو ہی ہے۔ باطن میں تو ہی ہے۔ دنیا میں مجھے تیری تلاش رہی دونوں دنیا ظاہر اور باطن کی تو ہی ہے۔ افسوس میں بے خبر ہوں۔

رُباعی:

ہر نقش کہ او خواست بداں نقش برآمد — پوشیدہ نہاں نقش بداں نقش عیاں شد
ہم پردہ برانداخت ز رخ کرد تجلی — ہم پردۂ خود گشت پس پردہ نہاں شد

رُباعی

ہر نقش کہ بر ہستی او پیدا ست — ایں صورت آنکس ست کہ ایں نقش آرا ست
دریائے کہن راچو بر زند موجے نو — موجش خوانند فی الحقیقت دریا ست

یہ باتیں اپنی بیاض پر اپنے دستخط سے لکھکر رکھتے تھے۔ آپ کی رحلت ۴ ذالحجہ ۱۱۹۵ھ کو واقع ہوئی۔ نشتکدل میں اپنے گھر کے پاس ہی دریائے کے کنارے سے ذرا اوپر دفن ہیں۔ "اشرفِ خدا جو" تاریخ ہے۔

خواجہ زمان دار

خواجہ یعقوب دار کے پوتوں میں سے تھے۔ تیس[۳۰] ہزاری منصب رکھتے تھے۔ اور راجہ لداخ سے وکالت کیلئے پندرہ ہزار روپے مقرر تھے۔ اسی حال میں ازلی با دہی سے دنیا ترک کر کے خواجہ عبد الغنی لنکر کے مرید ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی وقت میں سلوک کے منزل طے کر کے ارشاد کا رتبہ حاصل کیا۔ اور خدا کی دھن میں زیادہ تر ڈوبے ہوئے ہوتے تھے مستی اور مدہوشی۔ وجد و حال کی حالت غالب رہتی تھی۔ ایک دن دریائے بہت (جہلم وتستہ) پر کھڑکی پر بیٹھے تھے۔ ایک گویا کشتی میں "مقام عراق" سُر اور سُریلی آواز میں گا رہا تھا۔ خواجہ کھڑکی کے ساتھ گھر سے نکل کر دریا کے بیچ میں گویے کے پاس پہنچے۔ اور کچھ دیر کے بعد معہ کھڑکی کے پھر اپنی جگہ آ گئے۔

شاہ عنایت اللہ

ولد میر محمد اسمٰعیل بخاری
صفحہ 322 ...

عبد الغنی لنکر کے مرید تھے۔ جذبہ اور حال والے خدا دوست تھے۔ برسوں نیند نہ کی ساری رات دو زانو بغیر حرکت کرنے کے بیٹھے تھے۔ مجاہدہ کے زور سے کشف کا کشف تھا۔ ایک دن دوستوں کے ساتھ گاؤں گئے۔ جب اونچے ٹیلے پر پہنچے بارش برسنے لگی۔

حضرت شاہ کے کپڑے سوکھے ہی رہے۔ یاروں میں سے ایک نے مینہ برسنے کی حالت میں
کہا۔ اگر اس وقت بھُنے ہوئے چاول اور شکر (کھانڈ) ہوتی تو مزہ آتا۔ حضرت شاہ نے
تھوڑے سے بھُنے ہوئے چاول اور کھانڈ جیب سے نکال کر اس کو دی۔ دوسرے روز جب
شہر آئے تو ایک آدمی نے کہا کہ میں نے حضرت شاہ کو فلانی وقت پر بھڑ بھونجے کی دکان پر
بھنے ہوئے چاول اور شکر خریدتے دیکھا۔ حضرت شاہ خدا دوستوں کو دیکھنے کیلئے ہند
گئے اور شاہ کلیم اللہ۔ میر محمد صدیق۔ شاہ ابوالفیض۔ شاہ محمد حسین اور علامہ شہید سے
ملاقات کی اور فیض حاصل کیا۔ ۳۰ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۷ھ کو مکلہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

بابا فقیر اللہ رفیقی

مُرید شیخ عبدالغنی لنگر ریاضت و عبادت اور مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔ ایک دن کھڑکی سے
دیکھا کہ شیخ عبدالغنی بازار میں چل رہے تھے۔ کھڑکی سے پرواز کر کے شیخ کے پاؤں پر گرے
شیخ نے ایسے حرکات کیلئے سخت ملامت کی۔ اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

شیخ مصطفےٰ رفیقی

خواجہ معین الدین رفیقی کے فرزند تھے۔ ملا محمد مقیم کی نیک بخت بیٹی سے نکاح تھا۔ پرہیزگار۔
خدا ترس۔ ظاہری اور معنوی علموں میں آراستہ تھے۔ ۸ رجب سنہ ۱۱۹۷ھ کو انتقال کیا۔ اور
باپ دادا کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے "غوثِ بے شبہہ"۔

لورہ بابای مخدومی

بتہ مالوم حب کی لڑکی کے لڑکے تھے۔ شروع جوانی میں خدا کے راستے میں لگے۔ شہر کے خدا
دوستوں اور درویشوں سے ملاقات کر کے فیض حاصل کرتے رہے۔ خواجہ عبداللہ بلخی سے بیعت
کر کے ریاضت و عبادت میں مشغول ہو کر ہمعصروں پر فضیلت پائی۔ دہلی کے سفر
کے موقعہ پر فصوص الحکم اور عوارف شریف دو کتابیں علامہ شہید کی خدمت میں پیش
کیں۔ وہاں سے حج کو روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ ابوالحسن حمدی سے سند حاصل کی
اور مشہور عارف شیخ مسمان سے جو روضہ مطہرہ کی کھڑکی کے نیچے بیٹھکر علانیہ طور پر سرور
کائنات سے باتیں کرتے تھے۔ ملاقات کی۔ ایک دن ان کے ساتھ کھڑکی کے نیچے جاکر

سرورِ کائنات کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ اور وہیں بے ہوش ہو کر گرے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو عارف مذکور سے التماس کی۔ کہ سرورِ کائنات سے عرض کریں۔ کہ مجھے مزار بقیع میں دفن ہونے کی جگہ ملے۔ عارف نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ لوزہ بابا یہاں ہی رہنا چاہتا ہے۔ اسی وقت ایک خرقہ پوش نمودار ہوا۔ اور عرض کی کہ لوزہ بابا کی ماں ہر روز میرے پاس آ کر روتی ہے۔ اس لئے اس کو کشمیر روانہ کریں۔ یہ خرقہ پوش بتہ مالو صاحب تھے۔ پھر لوزہ بابا کشمیر واپس آئے۔ اور باقی عمر خلوت اور ریاضت میں گذاری۔ ۲ رجب ۱۱۹۵ھ کو رحلت کی۔ اور شیخ بتہ مالو کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

بابا محمد اکبر

آخوند مُلا محمد سُہروردی کے فرزند بابا محمد اعظم کے بیٹے تھے۔ بچپن میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بابا محب اللہ نے پرورش کی اور تعلیم و تربیت دی۔ شیخ محمد چشتیؒ اور شیخ السلام شہید سے ظاہری اور باطنی فیض حاصل کئے۔ شہر کے خدادوستوں اور بزرگوں سے فائدے اٹھائے۔ ماہ صفر ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ جدِ بزرگوار کے مقبرے میں آرام پائے۔

شیخ محمود چشتیؒ

شیخ جلال الدین چشتی کے بیٹے تھے۔ حضرت شیخ محمد چشتی سے بیعت لی تھی۔ مجاہدہ میں عمر بسر کی۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ بارہ مولہ میں دفن ہیں۔

شیخ عبدالکریم چشتیؒ

شیخ محمد چشتی کے مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی کمال والے تھے۔ ایک دن جامع مسجد کو جا رہے تھے۔ راستے میں شدت کی بارش ہوئی۔ جب شیخ جامع مسجد میں پہنچے۔ تو ان کے کپڑے بالکل خشک تھے۔ کشمیر میں قحط پڑ گیا۔ انہوں نے ایک من چاول برتن میں رکھ چھوڑے اور قحط دور ہونے تک اسی میں سے روزانہ نکالتے تھے۔ اور کھاتے تھے۔ اور برتن میں وہ ایک من اسی طرح موجود تھا۔ رحلت پانے کے بعد باغبان پورہ میں دفن ہوئے۔

بابا عبدالوہاب

خواجہ مسعود پانپوری کے ارشد میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمال والے تھے۔ ریاضت۔ مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔

شیخ محمد افضل

شیخ محمد فاضل زدیبمری کے بیٹے شیخ مسعود کے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار شیخ مسعود سے معنوی طریق کی تعلیم اور تربیت پاکر مجاہدہ اور ریاضت میں لگ گئے خط ارشاد حاصل کرکے شیخیت کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ بندگان خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ عجیب حالات والے بزرگ تھے۔ سادگی اور نیک نامی میں عمر گذار کر سنہ ۱۱۹۶ھ میں انتقال کیا۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن ہوئے۔

مسعود شاہ

شروع میں سرکاری ملازمت کرتے تھے۔ ایک دن شیخ مسعود زدیبمری سے ہدایت کی باتوں اور کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا کے بارے میں سُنکر اثر پذیر ہو گئے۔ اور اپنے برے کرتوتوں سے توبہ کرکے شیخ مسعود سے بیعت لی۔ ریاضت و عبادت میں حد سے بڑھکر کوشش کرکے سلوک کے مرحلے اور مقام طے کئے۔ اپنے مرشد کے فرمانے پر شاہ محمد صادق قلندر کے مقبرہ پر خلوت نشین ہوکر عجیب حالات اور جذبات کے مالک ہو گئے۔ قلندری وضع میں عمر بسر کرکے رحلت کرنے پر شاہ کے روضہ کے باہر دفن ہوئے۔

میاں گل محمد کنگال

ان کا اصلی وطن آگرہ آباد تھا۔ بڑے بڑے خدا دوستوں اور مشائخوں سے صحبت کرکے ان کی تربیت اور تعلیم سے فایدہ مند ہوئے۔ سخت ریاضت کرکے بلند درجے پر پہنچے۔ مدت تک پکھلی کے علاقہ میں تنہا اور گوشہ نشین رہے۔ کشمیر آئے اور پرانے ضرب خانے کی خانقاہ میں کچھ مدت گذاری اور حافظ عبدالصبور نکتو کی صحبت سے شرفیاب ہوکر مستی اور جذبہ والے ہو گئے۔ پھر واپس پکھلی جاکر مدت تک وہاں رہے۔ حاجی کریم داد کے زمانے میں دوبارہ آکر خطہ کشمیر کو رونق بخشی اور راہ خدا کے بے شمار طالبوں کی رہنمائی کی۔ بے شمار لوگ ان کی صحبت کی تاثیر سے شہود کے درجے کو پہنچے۔ پھر پکھلی گئے۔ اور سنہ ۱۱۹۶ھ میں اس دنیا سے چل بسے۔ پکھلی میں ہی دفن ہوئے۔

میر محمد عالم قادری

میر ابو القاسم کے بیٹے اور علامۂ شہید کے شاگرد تھے۔ ظاہری اور باطنی باتوں سے باخبر تھے۔

شیخ عبد الستار [۳]

بڑے خدا دوست۔ پرہیزگار۔ شائستہ اطوار بزرگ تھے۔

بابا محمد [۴]

شیخ داؤد خاکی پوتوں میں سے تھے۔ شرافت اور فیضوں کے منبع تھے۔

میر نظام الدین

ملارٹہ کے سیّدوں سے ملا نور الہدیٰ کے شاگرد اور شاہ ابوالبقا کے خاص خلیفہ تھے۔ خانقاہ معلیٰ کے متولی تھے۔ ۱۰۹۸ھ میں رحلت پائی۔ صحن خانقاہ معلیٰ میں دفن ہوئے۔

حاجی محمد مسکین [۳]

شاہ ابوالبقاء کے خلیفہ۔ پرہیزگار۔ خدا ترس اور صاحب مجاہدہ تھے۔ بارہ مولہ میں دفن ہیں

شیخ عطاء اللہ دریہ گامی

ان کا باپ جوان کے بچپن میں دنیا کو چھوڑ کر عقبیٰ کو چل بسا تو مسلم تھا۔ جب یہ بالغ ہوئے تو ان کے دل میں سوز و گداز کی چنگاری چمک اٹھی۔ حضرت سلطان العارفین رحم کی روح پاک اور سید محمد عالی پکھر لوری سے باطنی راستہ کی تربیت پا کر کشف قبور اور دوسرے حالات کے دروازے ان پر کھل گئے۔ غیبی اشارہ پا کر شاہ ابوالبقا کی خدمت میں گئے۔ ان کے طالب ہو کر سلوک کی سیڑھیوں پر قدم زن ہوئے۔ چڑھتے گئے۔ اور عالم شہود کے بالا خانہ پر دم لیکر منزل مقصود کو پہنچے۔ ان کے مرید خواجہ امیر الدین پکھلیوالی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سوال کیا "طور اخفا" کا نور کیسا ہے؟ مسکرائے اور فرمایا وہ نور سبز ہے اور کم ہی لوگ وہاں پہنچے ہیں۔ اگر خدا کے فضل و کرم سے کسی کو وہاں تک پہنچنا نصیب

ہو۔ تو یہ بات دور نہیں۔ کچھ مدت کے بعد حضرت امیر کبیر قدس سرہٗ کی کلیات میں "لوز اخفیٰ" کی کیفیت اسی طرح پائی۔ کہ اسکا رنگ سبز ہے۔ اور کم ہی کوئی وہاں پہنچا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حالات اور کمالات ان میں بہت تھے۔ دربہ گام میں دفن ہیں۔

حافظ داؤد اعمیٰ

شاہ ابوالبقاء کے مرید پابند شرع اور پرہیزگار تھے۔ صاحب صفا لوگوں سے صحبت تھی۔ آخر عمر میں شہر آئے۔ اور سید حبیب سرخابی کے آستانہ کے متصل بسنے لگے۔ مدت تک وہیں تنہائی اور گوشہ نشینی میں یاد خدا کرتے رہے۔ سنہ ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت سید کے آستانہ کے پاس ہی دفن ہیں۔

مُلا محمد عاصم

مُلا محمود بلخی کے سسر تھے۔ بڑے فاضل عالم اور عامل تھے۔ پہلے بابا مقصود نقشبندی سے پھر خواجہ عبدالرحیم کمان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ صاحب حال اور قال تھے۔ اپنے بزرگوں کے مقبرے میں دفن ہیں۔

محمود بابلو

علاقہ دہو کے گاؤں وین میں سکونت رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب پانپوری سے راہ حقیقت کی تعلیم و تربیت پاکر ریاضت اور عبادت میں تن من سے مشغول ہوگئے۔ سادگی اور بے تکلفی سے دن گذارتے تھے۔ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز تھے۔ چنانچہ آزاد خان نے ان کی ملاقات کی بڑی کوشش کی تھی۔ انہوں نے ملاقات نہ دی۔ اور آزاد خان کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ عمر بھر مسجد میں رہے۔ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۳ھ کو انتقال کیا۔ اور اسی گاؤں میں دفنائے گئے۔

شیخ شرف الدین زنگیر

خدائی کشش سے مُلا عبدالسلام دکیل سے بیعت کرکے مجاہدہ اور ریاضت میں لگ گئے۔ اور سخت کوشش اور محنت سے مشاہدہ کے درجہ پر پہنچے۔ خلعت ارشاد پہنکر لاانتہا فیضول کے چشمے ان کے دل سے ابل پڑے اور بے شمار لوگ سیراب و شاداب ہوئے۔

آخر پر خواجہ عبدالرحیم کمان شیخ کے حلقہ میں آگئے اور کتاب "روضۃ المشرب" اور روضۃ السلام" ملا عبدالسلام اور خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان کے حالات میں تصنیف کیں غرہ جمیدالاول ۱۲۰۵ھ کو مرشد بزرگوار کے مقبرے میں تنہائی اختیار کی۔ تاریخ ہے :-

خبر سال وصالش زخرد جستم دوش + شرف اہل یقین عارف باللہ آمد

ملا محمد سعید گندسو عرف بخاری

ملا محمد مقیم کے شاگردوں میں عارف صاف ضمیر اور کمال کے صاحب تحریر تھے۔ "صحیح بخاری" مع اسناد ساری کی ساری زبانی یاد تھی۔ اور اسی لئے ان کو "بخاری" کہتے تھے۔ تعلیم سے فراغت پا کر ملا عبدالسلام وکیل سے باطنی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بیعت کی۔ سلوک کے مرحلے طے کر کے بلند درجہ پائے۔ "صحاح ستہ (حدیثوں کی چھ مستند کتابیں) کے حدیث مرشد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے ان کی سند اور اجازت حاصل کرتے تھے۔ اپنے بہنوئی شیخ محمد افضل زدیبزی کے گھر میں تنہائی اور مجردی میں عمر بسر کی۔ آخر عمر کے دنوں میں شاہ آباد گئے۔ اور اسی علاقہ ۱۲۰۸ھ میں رحلت فرمائی۔ منڈاہ میں آرام کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ ان کے کمالات کی بلندی ان کے تصنیفوں سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ موسوم بہ "مفاتیح البرکات"، شرح کبریت احمر۔ اور جلایل الدعوات تو مشہور کتابیں ہیں۔ تاریخ ہے :-

دفاتش خرد با دل سیف گفت + سعید از دل شد بجنت رواں

شیخ عبداللطیف بک

ملا عبدالسلام وکیل کے بلند مرتبہ مریدوں میں سے تھے۔ صاحب ریاضت اور عبادت تھے۔

بابا محمد نظام

بابا معصوم مخدومی کے بھتیجے اور ملا سلیمان کے شاگرد تھے۔ شریعت و طریقت میں ممتاز اور مجاہدہ میں جانباز تھے۔ حضرت مخدوم رح کے صحن میں دفن ہیں۔

شیخ محمود

شیخ رحمت اللہ کے بیٹے اور شاگرد۔ خواجہ اعظم دیدہ مری کے خلیفہ تھے۔ صاحب حال۔ قال اور کمال تھے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۰۴؁ھ کو اسّی ۸۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اپنے باپ دادا کے مزار میں آرام پائے۔ تاریخ ہے :۔ "شیخ مرحوم"

شیخ عبدالسلام

شیخ عبدالغفور لو مسجدی والہ کے مرید تھے۔ مسجد میر محمد ابن وسی میں چالیس ۴۰ برس کے لئے خلوت نشینی کی۔ حال اور کمال والے صاحبدل تھے۔ خواجہ اسحاق نادجو کے مقبرہ میں سید بزرگوار کے روضہ کے مشرق میں ان کی نعش کو خاک کے حوالے کیا گیا۔

شاہ توفیق خجندی

زمانہ کی گردش اور حادثات کے موجب وطن سے جدا ہو کر پچیس ۲۵ برس کی عمر میں کشمیر پہنچے شاہ عبداللطیف سے تربیت پاکر ابتدائی طریقت کی رہنمائی کے مرحلے طے کئے۔ ان کے انتقال کے بعد خلیفہ عبداللہ زیونی کے حلقہ میں داخل ہوئے۔ خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان سے بھی استفادہ کیا۔ اور طریقت میں کمال حاصل کیا۔ مجاہدہ اور مشاہدہ میں بے نظیر ہو گئے ۱۲۰۵؁ھ میں خدا سے جا ملے۔ سید کبیر بیہقی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

بابا محمد مقیم سلطانی

شیخ عبدالحق تونانی کے خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ان پر محویت کی حالت ہمیشہ جاری رہتی تھی۔ یہاں تک کہ نماز باندھنے کی تکبیر پر ان کو ہلاتے تھے۔ اور حاجت مند لوگ روٹی کھانے کے وقت پر اپنا حال ان سے عرض کرتے تھے۔ اسوقت ہوش میں ہوتے تھے جس وقت ان کے مرشد شیخ عبدالحق نے حج کے سفر میں جہاز میں انتقال فرمایا۔ بابا کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمائے۔ آج میرے مرشد نے جہاز میں جان آفرین کے حوالے جان کی۔ جہاز والوں نے انہیں کفن پہنا کر سمندر میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کی نعش جدّہ تک جہاز کے ساتھ بہتی ہوئی۔ چلی گئی۔ اور لوگوں نے سمندر سے نکال کر اس کو جدّہ میں سپرد خاک کیا۔ غرض یہ ہے کہ حضرت بابا کشف و کرامات میں لاثانی فرد مشہور تھے۔ جوانی کو تنہائی میں گذارے۔ ایک دن عبدالوہاب نوری سے

بالمقابل بیٹھے تھے۔ اور تین دفعہ لفظ "تقصیر" ان کی زبان سے نکلا حضرت لوزی نے پوچھا کس بات پر "تقصیر۔ تقصیر" زبان سے نکلا؟ فرمائے۔ غیب سے آواز آئی "شادی کر" میں نے تقصیر کہا۔ پھر آواز آئی دو بیوہ یاں رکھنی ہے۔ میری زبان سے تقصیر نکلا۔ پھر آواز آئی تین بیوہ یاں رکھنی ہیں۔ میری زبان سے نکلا۔ "تقصیر" شیخ لوزی نے کہا۔ مبارکباد۔ ہمارا سنت بجالانے کا حکم تمکو بھی ملا۔ بابا نے کہا۔ میری مقدور نہیں۔ کیا کروں؟ شیخ فرمائے۔ ہندوستان جاؤ۔ وہاں پونجی حاصل ہوگی۔ ہندوستان گئے۔ نذر ونیاز۔ تحفہ وتحائف میں ضرورت سے بڑھکر نقد وجنس حاصل ہوئی۔ کشمیر آئے اور تین دفعہ نکاح کا سنت بجالانا پڑا۔ کہتے ہیں۔ کہ شیخ عبدالوہاب کا دیوان خانہ ایک طرف سے گرتا تھا۔ باوجود کافی دیکھ بھال اور مرمت کے مستحکم نہ ہوتا تھا۔ بابا مقیم نے اس کی طرف توجہ کی فرمائے۔ اس دیوار کے نیچے حضرت امیر کبیر رح کے یاروں میں سے دو نامدار سید ایک سید بدر الدین دوسرا سید نور الدین دفن ہیں۔ ان کے فرمانے پر ملبہ اٹھایا گیا۔ اور پتھر کی دو تربتیں نمودار ہوگئیں۔ محلہ سازگر پورہ میں دفن ہیں۔

بابا محمّد فاضل

بابا محمد کاظم کے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار اور میر عبداللہ منطقی سے طریقت کی تعلیم وتربیت اور تلقین حاصل کرکے مرشدِ زمانہ ہوگئے۔ ان کی بیٹی میر نجم الدین منطقی کے نکاح میں تھی۔ سنہ ۱۱۹۹ھ میں انتقال کرکے اسلاف کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

لولہ بابای قادری

ایک سخت ریاضت کش اور راہ خدا میں جان جوکھوں میں ڈالنے والے بزرگ بتہ مالو کے باشندے تھے۔ میر بہاء الدین قادری فرماتے تھے۔ کہ میں نے ان سے نماز تہجد کی اجازت حاصل کی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ تو ان پڑھ ہیں۔ کیونکہ سورۂ یٰسین نماز تہجد میں پڑھتے ہوں گے۔ آنجناب کو میرا خیال کشف سے معلوم ہوا۔ اور اونچی آواز میں سورہ اخلاص پڑھنے لگے۔ جب "ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" ان کی زبان مبارک سے نکلا ان کا جسم زمین سے اٹھکر ہوا میں معلق ہوگیا۔ اور تھوڑی دیر بعد پھر زمین پر آیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن عراق (بغداد) کی طرف تھوک پھینکدی۔ اسی وقت حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ جلوہ گر

ہوئے۔ اور فرمائے ہماری طرف کیوں نظر کا۔ سخت پشیمان ہوئے۔ اور ایک جھبہ کو اس بے ادبی کیلئے رُوتے رہے۔ ۱۲۰۲ھ میں رحلت کی۔ بتہ مالو صاحب کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

ننده بابو

سید غلام شاہ آزاد کے مرید تھے۔ درویش کامل اور مرد فاضل تھے۔ ایک دن زیون کے چشمے کے کنارے مراقبہ کئے ہوئے تھے۔ سامنے سید بزرگ شاہ قادری بیٹھے تھے۔ اچانک ایک زہریلی ناگن (افعی) آکر ان کے آستین میں گھس گئی۔ سید ڈر کے مارے چپ رہے۔ تھوڑی دیر بعد آستین سے نکل کر سید کے دامن پر آکر ٹھہری۔ ذرا ٹھہر کر ایک طرف کو چلی گئی۔ چرار کے آستانہ میں تنہائی میں ایک مدت گذارہی۔ وہاں سے بانپور آکر ایک گپھا میں خلوت نشین ہوئے۔ اور عمر کے باقی دن وہیں بسر کئے۔ ۱۲۱۵ھ میں آخر ذیقعد کو رحلت کی۔

عبدالسلام قادری

شیخ عبدالصبور قادری کے مرید۔ صاحب حال اور کرامات تھے۔ مسجد لال شاہ میں بیٹھکر ریاضت اور عبادت میں عمر گذاری۔ ۱۲۰۷ھ میں اس دنیا کو الوداع کر کے عقبیٰ کا راستہ لیا۔ اسی جگہ دفن ہوئے۔

مُلا عابد کادسو

ملا یوسف کادسو کے پوتوں میں سے تھے۔ ملا عبدالسلام وکیل سے بیعت کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے طریقہ کو خوب چڑھا دیا۔ صاحب کشف و حال تھے۔ ۱۲۰۶ھ میں اس دنیا سے نقل کر کے اپنے باپ دادا کے مزار میں آرام پائے۔

شیخ عبدالرزاق نقشبندی

ان کی جائے پیدائش سوپور تھا۔ جوانی میں نکھلی گئے۔ اور ایک بزرگ کے پاس چھ برس رہے۔ اتفاقاً وہ رُوشن ضمیر کشمیر کو روانہ ہوئے۔ اور عبدالرزاق ان کی مرضی کے خلاف لاہور گیا۔ کچھ دن وہاں آوارگی کی حالت میں رہا۔ اس بزرگ نے راہ عام پر اس کو پکڑا اور دلاسا دیکر کشمیر روانہ کیا۔ جب شہر پہنچا۔ ملا عبدالسلام وکیل کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے دوسری ملاقات پر تعلیم۔ تربیت اور تلقین کی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد خلافت کا خط بھی اس کو بخشدیا۔

سنہ ۱۲۰۹ھ میں رحلت کی۔ وانٹہ پورہ کے محلہ میں دفن ہوئے۔

میر محی الدین قادری

میر بہاء الدین قادری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ملا محمد مقیم سے طریقت اور حقیقت کی تعلیم وتربیت پاکر خداداد استعداد کی برکت سے صاحب حال و قال ہو گئے۔ اس وقت کے طریقت کے بزرگوں سے مزید فائدے حاصل کرتے رہے۔ پیر طریقت کا کام ترپن ۵۳ سال استقامت سے انجام دیتے رہے۔ صاحب کرامات تھے۔ چھیاسٹھ ۶۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔ مسجد جامع کے باہر قریباً دس ہزار لوگ نماز جنازہ کیلئے جمع ہوئے۔ تاریخ ہے: شد از مردم مہ تابندہ پنہاں۔ سنہ ۱۲۱۱ھ۔

میر نظام الدین قادری

میر محی الدین قادری کے فرزند تھے۔ اٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق سے شاہ عنایت اللہ قادری سے بیعت کر کے نیک بختی کے خزانہ کی کنجی ہاتھ میں لائی۔ اچھی لیاقت اور خداداد قابلیت کے موجب میر محمد عالم قادری اور ملا نور اللہ کنٹط سے ظاہر اور باطنی علموں میں کمال حاصل کر کے بلند درجہ پائے۔ خوشخطی۔ خوش نویسی۔ انشا اور املا میں عجیب مہارت رکھتے تھے۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد بزرگوں کے سجادہ کو تازہ رونق بخشی۔ ان کی جانشینی کی تاریخ "خلیفہ سید عبدالقادر" ہے۔ طریقت کے طریقہ کو رواج دینے اور شریعت کے فروغ دینے میں وقت کے سرگردہ تھے۔ سنہ ۱۲۱۵ھ میں رحلت فرمائی اور اسلاف کے مزار میں جگہ پائی۔ "قطب دنیا نظام اولیا" تاریخ ہے۔

شاہ فضل اللہ

شیخ عبدالوہاب لوری کے بیٹے تھے۔ ملا محمد مقیم سے مقدمہ "قیصری" اور تصوف کے رسالے اچھی طرح سے پڑھکر ملا اکبر بار خان سے علم قرأت میں مہارت حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں شیخ نعمت اللہ کلو سے طریقت کی تربیت حاصل کرنے لگے۔ اور سخت ریاضت کر کے علم باطنی میں صاحب کمال ہو گئے۔ اسی صاحب کمال کے دنیا سے نقل کرنے پر بابا مقیم سلطان کی خدمت میں جاکر طریقہ لبوی کی اجازت حاصل کی۔ پھر اپنے والد بزرگوار سے خلافت کا منصب پاکر ریاضت اور عبادت۔ مجاہدہ میں کوشش کرنے لگے۔

اکثر راتوں کو شام کے وضو ہی سے صبح کی نماز بھی ادا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو رہبری کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ محمد اشرف درویش کے ایک مرید کے مالک کے گھر میں چوری ہوئی۔ اس مرید نے شیخ محمد اشرف درویش کے پاس آکر التماس کی۔ کہ اس کے مالک کے گھر میں چوری ہوئی اور چوروں نے ساری جائیداد چرالی ہے۔ اگر آج چور نہ پکڑیں گے۔ تو مجھ پر چوری کی تہمت لگ جائے گی۔ مہربانی کر کے میری مدد فرمائیے۔ بابا محمد اشرف نے کہا۔ آؤ شاہ فضل اللہ کے پاس جائیں گے۔ اور اس سے امداد کی درخواست کریں گے شاہ فضل اللہ کے پاس گئے اور ان سے مطلب کا اظہار کیا۔ شاہ نے مرید سے کہا۔ جاؤ۔ فلانی کبابی سے ہمارے لئے نان وکباب لاؤ۔ تاکہ تمہارے حق میں دعا کریں گے۔ مرید کبابی کی دکان پر گیا۔ اس کے میلے کچیلے کپڑوں پر سونے کی چمکتی ہوئی تاریں نظر آئیں۔ دکان کے اندر چلا گیا۔ اور اپنے مالک کے مال مسروقہ کو نکالا۔ غرض یہ ہے۔ کہ حضرت شاہ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۷ صفر ۱۲۱۷ھ کو اس دنیا سے نقل کر کے آخرت کو سدھارے سید نورالدین کے مقبرے میں اپنے باپ کے پہلو میں آرام پائے۔ ملا نوراللہ مانیجی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور فرمایا۔ کہ آج تمام دنیا کو ماتم ہے۔ کیونکہ اس جیسا صاحب شریعت اور طریقت شیخ دوبارہ نہ ہوگا۔

شاہ حفیظ اللہ

شیخ عبدالوہاب نوری کے دوسرے بیٹے تھے۔ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے والد بزرگوار سے تربیت پاکر سلوک کے منزل طے کر کے خط ارشاد حاصل کیا۔ لوگوں کو فیض پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ میرے والد بزرگوار فرماتے تھے۔ اے حفیظ اللہ ہمارے ساتھ سماع (صوفیانہ موسیقی) سنا کرو۔ کیونکہ شاہ فضل اللہ کو شریعت اور پرہیزگاری کی زیادہ رعایت ہے جس کے موجب وہ سماع سے پرہیز کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حضرت شاہ حفیظ وقت کے قابل فخر خدا دوست تھے۔ اپنے بھائی سے چار سال پہلے اس دنیا سے چل بسے۔

بابا محی الدین پانڈانی

شروع جوانی میں ذاتی شوق اور ذوق سے شیخ عبدالوہاب نوری سے خدا شناسی کا سراغ پاکر نفسانی کاموں اور شہوانی باتوں سے دور رہنے لگے۔ جاڑے میں شیخ کے حمام کو گرم کرتے

تھے۔ رات کو ان کے پاؤں اپنی چھاتی پر رکھکر مٹھیاں بھرتے تھے۔ اور رُ دتے تھے۔ جب اونگھتے تھے۔ تو شیخ پاؤں کی حرکت سے بیدار کرتے تھے۔ مردان خدا کے اس سرگروہ کی وفات کے بعد خواجہ قائم ہیلو سے فیض پاکر رتبہ ارشاد پائے۔ لوگوں کی فائدہ رسانی میں سخت کوشش کرتے تھے۔ ان کے کشف و کرامات کے قصے بہت مشہور رہیں۔ ۱۴ شوال ۱۲۴۵ھ کو نقل فرما کر اپنے گھر میں دفن ہوئے۔

مولانا محمد اسلم ٹوپیگرو

خواجہ محمد اعظم ٹوپیگرد کے فرزند تھے۔ خدا طلبی کے ذوق سے ایک بزرگ سے اجازت حاصل کر کے عالی مسجد میں خلوت بیٹھ گئے۔ اور دس دن چنے کے صرف دو خوشے کھائے۔ اور مکاشفہ حاصل کیا۔ دوسرے ایک بزرگ کے کہنے پر خانقاہ شاہ بدیع الدین میں جو گورستان میں تھا۔ ایک چلہ پورا کیا۔ دوپہر تک مدرسہ جاکر تعلیم پڑھانے میں مشغول ہوتے تھے۔ اور آخر دن عیدگاہ جاکر کسب نظر کرتے تھے۔ انجام کار میر حسن خان مجذوب کے خلیفہ یادن شیخ کے اشارے پر شیخ عبدالوہاب لوری کی خدمت میں جاکر شرف سعادت حاصل کر کے بردیہ طریقہ کے راستے پر چلنے لگے۔ معرفت کے چراغ کو روشن کر کے خلافت کا مرتبہ پائے۔ کہتے ہیں کہ میر ابوالفتح گیرد کی بیٹی ان کے نکاح میں تھی۔ خوش نویسی اور قطعہ نویسی میں بے بدل تھے۔ شیخ کے انتقال سے پہلے ۱۹ رجب ۱۱۸۱ھ علاقہ شاہ آباد کے میر میدان میں وفات پاکر باپ کے پاس دفن ہوئے۔

داہم شاہ ذروش

نوشہرہ کی طرف رہتے تھے۔ آخوند نورالدین سے تربیت لے کر نہایت تیزی سے سلوک کے مقامات طے کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور مرشد کے خلیفہ ہو گئے۔ ہمیشہ گمنامی کی حالت میں رہ کر ریاضت کرتے تھے۔ اور درزی کا کام کر کے روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک سانس میں چار ہزار چار سو بار نفی و اثبات ذکر اس طرح کرتے تھے۔ کہ ان کی کوٹھری ہل جاتی تھی۔

بابا فقیر اللہ

آخوند نورالدین کے بیٹے تھے۔ والد بزرگوار سے تربیت پاکر بہت بلند درجہ پر پہنچے۔ یاد خدا میں

عمر گذاری۔

شیخ منور خطبی

شاہ فرح الدین کے خاص یاروں میں سے وجد و حال اور صاحب کمال مرد خدا تھے۔ قال اللہ اور قال رسول اللہؐ اور بزرگان دین کی باتوں کے بغیر دنیاوی باتوں میں سے ایک بات بھی زبان پر نہ لاتے تھے۔ عجیب قسم کا ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ کو انتقال فرمایا۔ باچھ بران کے اندر مرشد بزرگوار کے پہلو میں دفنائے گئے۔

بابا عزیز اللہ خطبی

شاہ فرح الدین کے خلیفہ تھے۔ باشریعت۔ پرہیزگار۔ ریاضت کش اور حد درجہ احتیاط برتنے والے بزرگ تھے۔ ساری عمر لوگوں کی فائدہ رسانی میں گذاری۔ صحن خانقاہ معلیٰ میں دفن ہیں۔

صدیق خان

ہاجی قبیلہ سے تھے۔ خدائی ہدایت سے شاہ فرح الدین کے خلیفہ شیخ محمد منور خطبی کی خدمت میں آکر سلوک کے مرحلے ایک ایک کر کے طے کئے۔ رہہ پورہ میں تنہا نشین ہو کر بلند پایہ خلیفے تیار کئے۔ رہہ پورہ میں دفن ہیں۔

شیخ فاروق نارو

شاہ فرح الدین کے مرید تھے۔ جلا ہوا دل اور روتی ہوئی آنکھوں والے تھے۔ وجد و حال میں محو ہوتے تھے۔ رقص و سرود کے بغیر انہیں آرام نہ تھا۔ ایک رات میدان میں حلقہ کر رہے تھے۔ تھکاوٹ محسوس ہوئی۔ ایک پتھر دکھائی دیا۔ پتھر کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ پتھر سے گرمی محسوس ہوئی۔ آرام آیا۔ صبح ہونے لگی نماز کو اٹھے۔ پتھر بھی اٹھ کر چلنے لگا۔ غور سے دیکھا۔ کہ ان کا تکیہ ایک شیر تھا۔ ان کے ایسے کمالات بہت ہیں۔ ۱۳ ذالحجہ کو وفات پائی۔ علاقہ اچھ کے گاؤں نارو میں دفن ہیں۔

درویش محمد اشرف مشہور اچن شاہ

عشق خدا میں دنیا چھوڑ کر شاہ فرح الدین کے مرید ہو گئے۔ مجاہدہ میں سخت کوشش کی۔ برکت

سے مشاہدہ کے درجہ پر پہنچے۔ صاحب ذوق اور درد تھے۔ جو کچھ نذر و نیاز اور فتوح
سے آتا تھا۔ خرچ کرتے تھے۔ ایک دفعہ وجد و حال کے موقعہ پر پانچ منزلہ مکان سے
نیچے گر پڑے۔ اور نیچے بھی وجد و حال اور رقص میں تھے۔ بہت سے دفعہ ان سے اس قسم
کے حالات ظاہر ہو گئے۔ علاقہ لار کے گاؤں کادرہ میں ان کا مزار ہے۔

بابا اسداللہ

قایم اللیل لبومت کے فرزند بابا عبداللہ کے بیٹے تھے۔ مُلا نورالہدیٰ سے تعلیم پا کر باپ سے
باطنی تربیت حاصل کر کے واصلان خدا کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ صاف ضمیر اور صاحب
تاثیر تھے۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں دنیا چھوڑ کر عمر بسر کی۔ ۱۲۱۷ھ میں رحلت
پا کر اسلاف کے معتبرے میں دفن ہوئے۔

بابا حسن خاکی

شیخ بابا داؤد خاکی کے پوتوں میں سے تھے۔ سعادت اور شرافت کے پتلے تھے۔ ظاہری
اور باطنی علموں سے آراستہ ریاضت اور مجاہدہ سے پیراستہ تھے۔ ۱۴ شوال ۱۲۱۷ھ
کو رحلت پا کر ان کے متصل اپنے تکیہ میں دفن ہوئے۔

مُلا محمد ولی عرف کُن

آخوند نورالہدیٰ کے شاگرد۔ عقلی اور نقلی علموں کے ماہر تھے۔ میاں گل محمد کنگال سے باطنی
تعلیم حاصل کر کے ریاضت اور مجاہدہ میں لاثانی ہو گئے۔ باپ دادا کے مزار میں دفن
ہوئے۔

میاں محمد رفیق

میاں گل محمد کنگال کے خاص خلیفہ تھے۔ علم ظاہری اور باطنی میں باکمال تھے۔ ان کے کشف
و کرامات بہت مشہور ہیں۔ مستی اور جلال کی حالت میں جس کسی پر نظر ڈالتے تھے۔ بیہوش ہو جاتا
تھا۔ چاہئے کافر ہی کیوں نہ ہوتا۔ ایک دن مولانا نورالدین مانچی کے پاس بیٹھ کر کسی
بات کے متعلق واقفیت حاصل کر رہے تھے۔ کہ حکومت کا ایک مال گذاری مال وصول کرنے
والا ملازم آیا۔ اور مولانا سے زر نیاز کی ادائیگی کے لئے سخت تقاضا کیا۔ حضرت میاں نے

جلال کی نظر ڈالی اسی وقت زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ مر گیا۔ مدت کے بعد ہوش میں آیا۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۲۶ھ کو وفات پائی۔ فتحکدل سے ذرا اوپر دفن ہیں۔ تاریخ ہے :۔ "ان المتقین فی جنّات"۔

میاں عبدالمجید

میاں گل محمد کے خلیفہ چھپے ہوئے خدا دوستوں میں سے تھے۔ پرہیزگاری۔ خداترسی۔ ریاضت عبادت۔ مجاہدہ اور مشاہدہ میں عمر بسر کی۔ ۱۵ شعبان ۱۲۳۶ھ کو انتقال فرمایا۔ علاقہ درادہ میں دفن ہیں۔

میر احسن اللہ

میر محمد مومن کے پوتے اور عبدالشہید قادری کے مرید تھے۔ کمال درجہ کے خداترس اور پرہیزگار تھے۔ ۱۲۰۰ھ میں اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

مولانا نورالدین جعفر

حاجی محمد صادق کے بیٹے۔ شیخ رحمت اللہ اور میر محمد مقیم کے شاگرد۔ بڑے درجہ کے عالم تھے۔ اپنے والد کے خلیفہ ملا محمد بلخی سے سلوک کی تعلیم اور تربیت حاصل کر کے بلند مرتبہ کے خدادوستوں میں جگہ پائی۔ باپ دادا کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

بابا محمد صالح

میر عبدالرشید بیہقی کے مرید تھے۔ قرآن و حدیث کے دعاؤں کے پڑھنے کے سخت دلدادہ تھے۔ دن رات پڑھتے رہتے تھے۔ اپنی مسجد سے کبھی باہر نہ نکلے۔

بابا محمد مقصود

ازلی سعادت کی یاوری سے میر عبدالرشید بیہقی کا دامان ہاتھ میں لگا۔ ان سے طریقت کی تربیت پاکر میاں نعمت اللہ کی زیارت پر علاقہ لار کے گاؤں ریپور میں گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت کے زور سے طریقت اور حقیقت کے مرحلے طے کر کے قرب الٰہی اور سعادت ابدی حاصل کی۔ کلام اللہ لکھ کر روزی کھاتے تھے۔ لوگوں سے کسی قسم

کی الفت نہ کرتے تھے۔ رحلت کرنے کے بعد اسی گاؤں میں دفن ہوئے۔

عبدالوہاب تولہ مولی

باباکرم متو کے گران قدر اور قابل فخر فرزند تھے۔ بچپن میں قطب زمان شیخ ابراہیم (جو پوشیدہ خدادوست تھے) سے بیعت کرکے سُلوک کے آداب سے واقفیت کرکے ریاضت اور مجاہدہ میں تن من سے کوشش کی۔ اور "فنا" کے مقام سے "بقا" کے درجہ پر پہنچ کر دم لیا۔ ساری عمر تولہ مولہ میں ترک دنیا کرکے یادِ مولیٰ میں گذاری۔ گو خاص و عام کی آمد و رفت ان کی خدمت میں کثرت سے رہتی تھی لیکن حقیقت میں گوشہ نشین تھے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ میرے والد جو ان کے عقیدت مندوں سے تھے۔ فرماتے تھے۔ کہ ان کو اولیائے متقدمین (پہلے دور کے خدادوست) کے ساتھ پوری مشابہت تھی۔ ۱۴ ماہ صفر ۱۲۲۳ھ کو انتقال فرمایا۔ لوگوں نے ان کی نعش کو تولہ مولہ سے شہر لے لیا۔ اور مسجد جامع میں قریباً دس ہزار لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ حافظ خورم کے مقبرے میں اپنے گھر کے متصل دفنائے گئے۔ سردار محمد عظیم خان نے ان کے مقبرہ کی تعمیر درست کی۔

عبدالسلام ٹاک

شاہ بولاقی کے مرید۔ خداترسی۔ پرہیزگاری۔ ریاضت اور عبادت میں بہت اونچے درجے کے بزرگ تھے۔ شاہ آباد میں مرشد کے مقبرے میں دفن ہیں۔

مخدوم محمد صالح

مخدوم محمد سعید کے بیٹے وقت کے صالح لوگوں میں سے تھے۔ خانقاہ میں بیٹھ کر کلام اللہ (قرآن مجید) لکھ کر وقف کرتے تھے۔ ان کا فرزند مخدوم محمد حمید بھی خداترسی اور پرہیزگاری میں باپ سے کم نہ تھا۔ اور باپ ہی سے تربیت یافتہ تھا۔ دونوں بزرگ اسلاف کے مزار میں مدفون ہیں۔

بابا محمد شافی

بابا محمد دانی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ صاحب حال اور قال تھے۔ پرہیزگاری کے پتلے تھے

اجداد کے مقبرے کے احاطے میں دفن ہوئے۔

شاہ کمال الدین حقانی

شاہ یعقوب حقانی کے بیٹے اور خلیفہ۔ بلند حال اور قال والے تھے۔ علم و عمل میں لاثانی تھے علم تکسیر (اکسر کی علم) میں عجیب مہارت رکھتے تھے۔ اسلاف کے مزار کے احاطے میں دفن ہیں۔

شیخ محمد اسلم

شیخ محمد یحییٰ (مفتی) کے سعادتمند بیٹے اور بہت ہی ہدایت یافتہ شاگرد تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں کمال رکھنے والے تھے۔ شریعت کی سخت پابندی کے ساتھ پرہیز گاری میں بھی ممتاز تھے۔ مفتی کا کام مدت تک سرانجام دیتے رہے۔ ۱۷ محرم ۱۲۱۲ھ کو آباء و اجداد کے مزار میں آرام پائے۔ "غریب" تاریخ ہے۔

شیخ عبد النبی مرجان پوری

علم حدیث کے عالم فاضل۔ پرہیز گار کامل اپنے نانا مولوی محمود مصری کے شاگرد اور مرید تھے۔ خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے گھر میں لوگوں کی رہنمائی اور رہبری کی خدمت کرتے کرتے عمر گذاری مرجان پورہ میں دفن ہیں۔

شیخ سیف اللہ

بابا مجنون نزدری کے پوتوں میں سے تھے۔ عالم باعمل۔ صاحب حال و قال۔ فاضل کامل۔ نزدرہ کی زیارت کے متولی۔ اور جاگیردار تھے۔ آزاد خان کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نکاح میں لائی۔ سخی اور خدا کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرنے والے تھے ۱۲۲۴ھ میں رحلت کر کے آبا و اجداد کے مزار میں دفن ہوئے۔ راقم کے نانا تھے۔

شیخ محمد سخی

علاقہ اسلام آباد کے گاؤں کامر کے نمبردار کے بیٹے بالکل ان پڑھ تھے۔ ایک رات عالم مدہوشی میں آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ حضرت نے فرمائے۔ قرآن مجید پڑھ۔ دوسری صبح جب قرآن مجید

کھولا۔ تو صاف صاف پڑھ سکے۔ اسی کے ساتھ کشف ملکوت بھی حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام علانیہ طور پر ان کو تعلیم اور تلقین کرتے تھے۔ اور اولیاؤں کی رُوحوں سے بھی فیضیاب ہوتے تھے۔ غرض علم لدنی رکھتے تھے۔ جو بھی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا۔ بلا سوچے سمجھے درست جواب دیتے تھے۔ مرد کامل اور عامل تھے۔ کامر ہی میں دفن ہوئے۔

بابا عبید اللہ

شیخنا شیخ معروف زدیبری کے پوتے کے بیٹے تھے۔ بڑے خداترس اور پرہیزگار تھے حضرت شیخ کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو گئے۔ اور ان سے مرید فیض میں لائے آخر عمر میں شاہ آباد گئے۔ اور منڈاہ میں سکونت اختیار کی۔ صاحب حال وقال تھے منڈاہ میں دفن ہیں۔ اسی ان کے بھائی کے پوتوں نے جو متمول والے امیر ہیں۔ اپنی سیادت کی سند تیار کی ہے۔ اور اپنے نسب کو قاضی میر علی بڈشاہی جو قاضی شہید کے جدوں میں سے تھے پہنچایا ہے۔ سبحان اللہ حضرت جامی نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے:

آہ ازیں جاہلاں جاہ طلب — کہ غلو کردہ در علو نسب!

شیخ نعمت اللہ

حضرت شیخ اشرف ٹوپیگر د کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ اپنے اچھے اخلاق پسندیدہ اوصاف سے ولی مادر زاد معلوم ہوتے تھے۔ بچپن میں کھیل کود سے نفرت تھی۔ دینی تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد والد بزرگوار کی خدمت گذاری کرتے تھے۔ اور ان کی رضامندی حاصل کر کے انہیں سے بیعت لی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں جانبازی کر کے پانچ سلسلوں سے ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ لیکن حال کے چھپانے میں سخت کوشش کرتے رہے۔ حضرت شیخ کے خلیفے انہیں مرشد ہی کی تعظیم وتکریم بجا لاتے تھے۔ حال اور قال میں بے مثل تھے۔ لوگوں کے رجوع کو بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ راہِ خدا کے طالبوں کو بیعت کے بعد باپ کے یاروں کے حوالے کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک نامعلوم نورانی بزرگ نے ان کے پاس اچانک حاضر ہو کر کہا۔ کہ آپ کو حضرت خواجہ نقشبند مشکلکشا قدس سرہٗ خانقاہ معلیٰ میں یاد کرتے ہیں۔ یہ تشریف لے گئے۔ اور خانقاہ معلیٰ کے جنوبی ایوان پر نقشبند مشکلکشا رح کی نظر عنایت سے مشرف ہو گئے۔ حضرت

خواجہ بزرگ فرمائے۔ پہلے حضرت امیر کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی قدمبوسی بجالائیں۔ اور پھر میرے پاس آئیں۔ شیخ شمالی ایوان پر گئے۔ اور حضرت امیر کبیر قدس سرہ کی خدمت میں تشریف باب ہو گئے۔ حضرت فرمائے۔ ہماری "فتحیہ" پڑھا کرو۔ وہاں سے "اوراد فتحیہ" پڑھنے کی اجازت پاکر پھر جنوبی ایوان پر آ کر حضرت خواجہ بزرگ سے ملے۔ انہوں نے فرمایا۔ ہمارے "ختم شریف" کے پڑھنے پر مدامت کرنا۔ اس دن کے بعد یہ دونوں "وظیفے" مرتے دم تک پڑھتے رہے۔ اور اپنے یاروں کو بھی اجازت بخشی۔ کہتے ہیں کہ ایک سال کے ماہ رمضان کے آخری دس دن کے لئے۔ شیخ نعمت اللہ۔ شیخ اکبر ہادی۔ اور شیخ عباداللہ قادری خانقاہ معلیٰ میں اعتکاف (خلوت) کو بیٹھے۔ شیخ نعمت اللہ ان دو بزرگوں کے دسترخوان ہی سے کھاتے پیتے تھے۔ شب قدر کی رات کو حضرت امیر کبیرؒ جلوہ گر ہوئے اور فرمائے اگر آپ باپ کے یاروں سے کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے خادموں کو اپنے دسترخوان سے کچھ نہیں کھلاتے ہیں۔ یہ سُنکر شیخ نعمت اللہ نے بقعۂ شریف کے تمام خادموں کو کھانا کھلایا۔ ۱۶ ذالحجہ ۱۲۲۸ھ کو رحلت فرمائی۔ اور والد بزرگوار کے مقبرے میں فتحکدل سے ذرا اوپر دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔ "از ذی الحجہ یوم شانزدہم"۔

شیخ اکبر ہادی

علامہ متقی شیخ رحمت اللہ کے فرزند شیخ محمود کے بیٹے اور میر عبدالسلام اندرابی کی بیٹی ان کی والدہ تھیں۔ خواجہ اعظم نے ان کی تاریخ پیدائش "شیخ اکبر ہادی" ۱۱۵۳ھ کہا ہے۔ اپنے جدّ بزرگوار شیخ رحمت اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے سسر خواجہ اسحاق دندرو سے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علم قرأت میں مہارت پیدا کی۔ حضرت شیخ اشرف فتحکدلی سے سلوک اور طریقت کی تربیت پاکر ریاضت اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ شیخ اشرف فتحکدلی سہروردی طریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ محمد اکبر ہادی کی والدہ قادری سلسلہ سے نسبت رکھتی تھیں۔ وہ شیخ اکبر ہادی کے سلسلہ سہروردیہ اختیار کرنے پر کچھ ناراض سی ہوئیں۔ اور بیٹے سے شکایت کی۔ میں قادری طریقہ پر ہوں۔ تمہارا باپ اور تمہارے باپ کے اسلاف سلسلہ کبرویہ کے پیرو اور عامل رہے ہیں۔ تو نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو سلسلہ سہروردیہ میں ڈال دیا۔ قیامت کے دن سیّد عالم صلعم کے پاس تمہاری شکایت کروں گی۔ شیخ اکبر کو یہ سُنکر پریشانی سی ہو گئی اور بارگاہ الٰہی میں

یہ مسئلہ حل ہونے کی التجا کی۔ اسی رات ان کی والدہ سرور کائنات صلعم کے دیدار سے مشرف ہوئی۔ اور واقعہ میں بیٹے کو نظر میں گذار کر شکایت کی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ کو ہاتھ سے پکڑ کر محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ و رضاہ عنا کے حوالے کیا۔ انہوں نے شیخ سے پوچھا۔ کہاں کے ہو؟ کہا کشمیر کا ہوں۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت محبوبُ العالم رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد کیا۔ اور انہوں نے شیخ محمد اشرف کو مخاطب ہو کر کہا۔ میں اس جوان کو تمہیں دیکر مسرت رکھتا ہوں۔ دوسرے دن ان کی والدہ نے شیخ اشرف کو تمام دوستوں کے ساتھ گھر بلا کر دعوت دی۔ اور چرخہ کات کر جو پیسے جمع کئے تھے ضیافت پر وہی خرچ کئے۔ اور شیخ اکبر کو انہیں بخشدیا۔ اس دن سے شیخ اکبر نے اس چستی اور چالاکی سے پیر بزرگوار کی خدمت شروع کی۔ کہ رفتہ رفتہ ان کے پیارے اور محبوب ہو گئے۔ اور نذر و نیاز تحفہ تحالیف اور جاگیروں کی آمدنی سے پہلے پیر بزرگوار کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ اور جو کچھ بچ جاتا اُسے اپنے مصرف میں لاتے تھے۔ حضرت شیخ اشرف بھی ان کے تشنہ گردیدہ ہو گئے۔ کہ فرماتے تھے کہ اکہ شاہ کی محبت خدا کی محبت کے برابر رکھتا ہوں۔ اور رحلت کے وقت بھی اکہ شاہ کا نام زبان پر تھا۔ میں نے اپنے مرشد شیخ احمد تارہ بلی سے سُنا ہے۔ کہ ایک دن حضرت شیخ اشرف ناشپاتی باغ میں جو شہر سے دو میل دُور تھا شگوفہ دیکھنے کیلئے گئے۔ اور شیخ اکبر سے کہا ہمارے لئے اسی باغ میں گرم چائے لائیں۔ شیخ اکبر چائے کی چھاگل مٹی کی انگیٹھی پر رکھ کر بغل میں دبائے باغ میں پہنچے۔ جب انگیٹھی کو بغل سے باہر نکالے شیخ اشرف نے دیکھا کہ سارا بغل آگ کی گرمی سے اور بھاپ سے جل گیا تھا۔ شیخ نہایت خوش ہو گئے اور نظر ہی سے پھوڑے اتر گئے۔ اور جلن دور ہو گئی۔ حضرت شیخ احمد تارہ بلی سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ شیخ نعمت اللہ کی بیٹی بالغ ہوئی تھی۔ اور شیخ اکبر نے دوستوں کے ساتھ اس معاملہ کو نبھانے کے لئے مشورہ کیا۔ چونکہ ان میں سے کسی میں خرچ برداشت کرنے کی استعداد نہ تھی۔ سب چپ رہے۔ شیخ اکبر نے کاغذ کے کچھ دستے خرید کر کے بابا آیت اللہ سے جو چوٹی کے خوش نویس تھے۔ جلی خط میں کلام اللہ (قرآن مجید) لکھوایا۔ اور شیخ عبادی سے اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش وغیرہ) لکھوائے۔ حضرت بابا الہام لاری سے اس کی تفسیر لکھوائی۔ حضرت شیخ اکبر نے عشرہ لکھا اور خواجہ خلیل تربلو سے سنہری کرا کے ایک بہت بڑی رقم کو ہدیہ (فروخت) کیا۔ اور رقم کو لڑکی کی شادی (عروسی) پر

صرف کیا۔ حضرت شیخ المشائخ۔ شیخ احمد تارہ بلی رسالہ افضل الطرائق میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر کو ذکر چار ضرب میں محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ سے بے واسطہ ایک طریقہ تلقین ہوا ہے۔ اور ان کی زبان مبارک (رضی اللہ عنہ) سے حال کے غلبہ سے تسکین اور قرار پانے کے لئے دو فقرے ہیں۔ یہ دو فقرے اُس وقت کے ہیں جب نزدیک تھے کہ شیخ اکبر بے اختیار ہو کر کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ عیدگاہ میں جناب حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ رات کے وقت ان پر جلوہ گر ہوئے۔ اور یہ دو فقرے انہیں سُنا دیے "خموش باش محزدش و در مجاہدہ کوش" (چپ رہ مت چلاؤ۔ مجاہدہ میں کوشش کر) یہ دو فقرے سُننے سے انہیں تسکین ہوئے۔ حوصلہ بڑھ گیا۔ اور قرار پائے۔ پھر بھی حال کے غلبہ سے خالی نہ ہوتے تھے۔ خواجہ امیر الدین پھلیوالی کہتے تھے۔ کہ ایک دن مجھے حمام میں تلقین کرتے تھے۔ اور حال کے غلبہ سے کھڑکی سے اٹھکر آستین ہاتھ میں پکڑ کر دروازہ تک گئے۔ اور بے اختیاری میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:۔

بظاہر شیخ دستر بر آستانم ! بباطن رند دمے در آستینم !

اگر جب کبھی کوئی طالب ان کی خدمت میں آتا تو کھلم کھلا فرماتے تھے۔ ع :۔ سرتا قدمت اوست کرا میجوئی۔ (تو سر سے پاؤں تک وہی ہو۔ کس کو ڈھونڈتے ہو)۔ حضرت شیخ احمد تارہ بلی فرماتے تھے۔ کہ ایک دن شیخ اکبر اور قاضی جمال الدین عالیکدلی نماز پیشین (دوپہر کی نماز) سے پہلے حجرہ خاص میں بیٹھے تھے۔ اور دونوں بزرگ آخر پیشین تک حال کے غلبہ میں تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو۔ کہ نماز کا وقت گذر جائے اور میں نے اُونچی آواز میں کہا۔ نماز۔ نماز۔ انہوں نے کوٹھڑی کی کھڑکی کھولی۔ اور مجھے ڈانٹ کر بتایا۔ ارے! نماز کے پیاسے۔ شاید تو نے نماز کبھی نہیں دیکھی ہے۔ اور یہ بیت پڑھا۔

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن ! زمان صحبت ما را قضا نخواہد شد!

حضرت تارہ بلی سے یہ بھی سُنا گیا ہے۔ کہ حضرت شیخ اکبر حضرات صوفیہ کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ عوارف المعارف اور فصائد فارضیہ اور ان کی شرحوں پر حاشیئے لکھتے تھے۔ اگر کوئی کسی مطلب کے لئے ان کے پاس آتا اور جناب اُس سے مطلب پوچھنے کے بغیر ہی عوارف المعارف یا کسی دوسری کتاب کے ورق الٹا کر اس کے ہاتھ میں دے کر کہتے تھے۔ پڑھو وہ اپنے مطلب کا جواب اسی صفحہ پر پاتا۔

اگر سایل ان پڑھ ہوتا۔ تو پھر اور ہی طریقے سے تقریر کرتے اور سائل اپنے سوال کا حل پالیتا۔ انہیں سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ ایک دن ہمسایوں میں سے ایک آدمی ان کے انگور کے درخت کی شاخ بُری کرتا تھا۔ اچانک درخت سے گرا۔ زمین پر پڑا اور مرگیا۔ میں دوڑ کر گیا۔ اور حضرت شیخ کو واقع سُنایا وہ بھی سوچ میں پڑے۔ اور تھوڑی دیر باطن کی طرف متوجہ رہ کر فرمائے اچھا ہی ہوگا۔ پروا نہیں۔ جاؤ اور اس کو پھر دیکھو۔ میں گیا اور اس کو زندہ دیکھا۔ انہیں کا ہے۔ کہ ایک دفعہ حاکم وقت کا بیٹا بیمار تھا۔ اور اس کو حضرت شیخ کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے نظر فرمائی اور وہ صحت ہوا۔ حاکم نے ایک ہزار روپے ہدیہ (نیاز) بھیجا۔ حضرت نے سالم روپے فقیروں میں بانٹ دئے۔ اور ایک پیسہ بھی گھر کے خرچ میں نہیں لگایا۔ انہیں کی زبان سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ ایک آدمی نے سونے کی دو بالیاں ان کے گھر میں امانت رکھی تھیں۔ اور دونوں گم ہوگئیں۔ حضرت شیخ نے مالک کو کہا۔ حلال کی کمائی کے بارہ روپے لے آؤ۔ اسکی روپے لائے۔ اور جناب اپنے یاروں کو شامل کر کے حضرات خواجگان کے بارہ ختم پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔ جب چھ ختم پڑھ چکے ایک بالی چھت سے گری اور باقی چھ ختم۔ ختم کرنے پر دوسری بالی بھی گری۔ ان کے یاروں سے روایت ہے کہ ایک دن شیخ عبداللہ کارخانہ دار جو ان کا اعتبار والا مُرید تھا۔ ان کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کہ "داغ شال" کے افسر نے باقیات کے لئے میرے پیچھے چپراسی لگائے ہیں۔ جو مجھے بہت تنگ کرتے ہیں۔ اور پشمینہ کا بے شمار مال پڑا ہوا ہے۔ لیکن خریدار ہی کوئی نہیں۔ حضرت بولے۔ دونوں مشکل آسان ہوں گی۔ مُرید ان سے نکلکر ایک بیوپاری کے گھر گیا۔ باتوں باتوں میں سودا ہوگیا۔ اور اچھا منافع دیکر سارا مال خرید لیا۔ وہاں سے نکلا راستے میں سُنا کہ "داغ شال" کے افسر کی تبدیلی ہوگئی ہے۔ اور اپنا داروغہ آپ کو حمال داغ شال کے بندوبست کیلئے ڈھونڈ رہا ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۳ھ کے ہیضہ میں انتقال فرمائے۔ سادات بارسابہ کے مزار میں میر محمد دیا بنوری کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔ شیخ اکبر ہادی اکمل ؛ اور علیہم الرضوان۔

بابا آیت اللہ و شیخ عباد اللہ

دو حقیقی بھائی کول خاندان سے تھے۔ بچپن میں یتیم ہوگئے۔ اور کم عمری ہی میں علم اور بزرگی حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے۔ خواجہ اسحاق دندرو سے علم قرأت سیکھ لیا۔ اور

چالیس دن میں قرآن مجید کو زبانی یاد کیا۔ اور اسی اندازہ پر دوسرے کام بھی کرتے رہے اور شیخ الاشرف کی صحبت اور تربیت میں سلوک کے راہ رو۔ رہبر اور رہنما ہو گئے۔ بابا آیت اللہ شیخ اشرف کے یاروں میں لیاقت۔ قابلیت۔ بلند ہمتی اور استعداد کے لئے مشہور تھے۔ اپنی استعداد۔ بلند ہمتی۔ طاقت۔ اور پیر طریقت کی امداد سے ضبط و ربط۔ عبادت خدا۔ مجاہدہ در راہ خدا۔ اور بندگان خدا کو فیض پہنچانے میں کشمیر کے شیخوں کے سرگردہ ہو گئے تھے۔ ان کے ہر کام میں تیزی تھی۔ اگر کسی کتاب کو ہاتھ میں اٹھاتے تھے۔ تو ایک نظر سے اس کے مضامین ان پر اسطرح سے کھلتے تھے۔ کہ دوسروں کو آسانی سے پڑھا سکتے تھے۔ لکھنے میں خوش نویس استادوں میں شامل تھے۔ اور لکھنے کی کمائی میں انہیں ایسی برکت تھی۔ کہ باوجود درس قرأت قرآن۔ اصلاح مشق شاگرداں۔ تربیت طالباں۔ ضبط اوقات عبادت رحمان گو لکھنے کی کم فرصت ملتی تھی۔ پھر بھی اسی کمائی سے محتاجوں اور ضرورتمندوں کی دستگیری اور رفاقت کرتے تھے۔ قرأت عشرہ (دس طریقے قرآن پڑھنے کے) کے نشر کرنے کے امام تھے۔ ان کا فیض خاص اور عام پر یکسان تھا۔ کاسب اور حرفہ والے لوگ بھی اپنے حرفوں اور پیشوں کے بارے میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ سلوک اور طریقت کے خود مختار رہبر تھے۔ طالبوں کی تربیت اپنے مرشدوں کے اسلوب پر اپنے اجتہاد کے بل بوتے پر کرتے تھے۔ پیر اشرف نے ان کو طالبوں کی تربیت۔ شاگردوں کی مشقوں (تختیوں) کی اصلاح (تختی پر نمونہ لکھ کر دینا) اور قرأت قرآن دوسروں کو سکھانے کیلئے حضرت سلطان العارفین رح کے آستانہ کے متصل ذاکر مسجد میں بٹھایا۔ اور جناب خود بھی وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ بابا آیت اللہ وہاں ان کاموں میں لگ گئے۔ لوگوں کے حاجت روا ہو گئے۔ اور حضرت شیخ اشرف طالبان راہ مولی کو اکثر انہیں کے پاس بھیجتے تھے ان کے متعلق فرماتے تھے۔ کہ آیہ بابا۔ آیت اللہ۔ آیۃ الکبریٰ۔ دآیۂ رحمت ہے۔ (خدا کی نشانی۔ سب سے بڑی نشانی۔ رحمت کی نشانی ہے) ۱۸ شوال سنہ ۱۱۹۸ھ بمرض ہیضہ کی بیماری سے چالیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور سادات بار رسایہ کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔ فروحٌ وریحانٌ وجنتُ نعیم۔

حضرت شیخ عباداللہ رسوخ اور شان میں۔ استقامت میں۔ عبادت رسوم بجا لانے میں۔ شریعت اور طریقت کے آداب محفوظ رکھنے میں۔ حقیقت کے طالبوں اور فایدہ

ڈھونڈھنے والوں پر توجہ دینے میں وقت کے مانے ہوئے اور مسلم بزرگ تھے۔ میرے والد فرماتے تھے۔ کہ ایک بیرون کشمیر کا ایک درویش ان کے پاس آیا۔ التماس کی کہ مجھے حقیقی لا الٰہ الا اللہ ظاہر کر کے دکھائیں۔ انہوں نے اس کو اپنے ساتھ مسجد میں لیا۔ اور نماز کی دو رکعتیں گذاریں۔ پھر درویش کے سر پر جو لونگی تھی اپنی کمر میں باندھی اور لونگی کے دونوں سروں کو زور سے مروڑ کر اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور "لا الٰہ" زبان سے نکلتے ہی غائب ہو گئے۔ لونگی درویش کے ہاتھ میں تھی۔ "الا اللہ" کی آواز آئی حضرت نظر آئے۔ ۲۱ شعبان ۱۱۲۳ھ کو وفات پائی۔ مقبرہ گنج بخش میں متصل زیارت سید حبیب کاشانی قلعہ کے پاس مدفون ہیں۔

شیخ الہام لاری

وقت کے شریفوں میں سے "خط نستعلیق" لکھنے کے استاد تھے۔ شیخ محمد اشرف فتحکدلی کے مرید ہو کر تھوڑے عرصہ میں سلوک کے مرحلے طے کر کے قصبہ لار کے گاؤں میں نہر کے کنارے تکیہ میں بیٹھے۔ اسی جگہ تنہائی، گوشہ نشینی اور خلوت میں عبادت اور ریاضت بیس برس کرتے رہے۔ شوق اور ذوق والے۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ اور تعلقات بڑھنے کے موجب وہاں سے بھاگ کر شہر آئے۔ کچھ مدت کے بعد شہر سے ہاردن گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ شعر کہتے تھے اور موزوں طبیعت رکھتے تھے۔

بابا محمد صدیق

شیخ محمد اشرف کے پہنچے ہوئے یار تھے۔ سیف خوانی میں کمال رکھتے تھے۔ برین کے گاؤں میں مدت تک خلوت نشین ہو کر عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ آخر پیر مرشد کی اجازت سے خدمت خلق کرنے لگے۔ لوگوں کے رہبر اور رہنما ہو کر اچھے دوست پیدا کئے۔ سخاوت اور بخشش، پرہیزگاری اور خدا ترسی میں بے نظیر تھے۔ رحلت کے بعد مغل مسجد میں حضرت بابا قائم لیوی کے روضہ کے متصل راحت کی نیند سوئے

شیخ محمد یحییٰ شوپیانی

بابا عنایت اللہ قادری شوپیانی کے فرزند تھے۔ اچھی تعلیم پائی تھی۔ خدا پرستی کے

ذوق سے شیخ محمد اشرف کے دامن کو پکڑ لیا۔ اور دلوں میں بلند درجہ حاصل کیا۔ ارشاد کی اجازت پائی۔ مدت تک شہر میں ہی رہ کر پیر کامل کی خدمت گذاری کی۔ آخر پر وطن کو جاکر لوگوں کی حاجت روائی کی۔ رحلت کرنے کے بعد وہیں سپرد خاک ہوئے۔

شیخ محمد عارف

پرگنہ پھاگ کے گاؤں درند کے رہنے والے زمیندار تھے۔ خدا کی مرضی اور مہربانی سے شیخ محمد اشرف فتحکدلی کے مرید ہو کر ریاضت و عبادت میں کمال کیا۔ عجیب حال والے بنے۔ بڑے درجے کے پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ درند میں مدفون ہیں۔

شیخ عبداللہ مخدومی

علم ظاہر اور باطن میں ماہر تھے۔ شیخ محمد اشرف کی تعلیم اور تلقین سے معرفت کے چراغ کو جلا کر عبادت وریاضت میں لگ گئے۔ آخر پیران کے فرمانے کے موجب بابا آیت اللہ کی خدمت میں جاکر سلوک اور طریقت کے مرحلے طے کر کے ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ وفات پانے پر باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔

بابا عطاء اللہ غنچہ بلی

بابا فتح اللہ کاٹلی کی بیٹی کے بیٹے اور شیخ محمد اشرف فتحکدلی کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ محمد اکرم کی صحبت بھی رکھتے تھے۔ عبادت ریاضت ضبط اوقات اور دعا خوانیوں میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ اسلاف کے مقبرے میں دفن ہوئے

بابا عبدالغفور

شیخ محمد اشرف کے شرف والے مرید تھے۔ عبادت اور ریاضت میں عمر بسر کی۔ بڑے درجے کے پرہیزگار تھے۔

مخدوم بہاء الدین صفاپوری

شیخ محمد شریف کے پوتوں میں سے تھے۔ تعلیم بھی ایک حد تک اچھی پائی تھی۔ جوانی میں حرز یمانی پڑھتے تھے۔ اور ورد خوانی کرتے تھے۔ ان باتوں میں اچھا درجہ رکھتے تھے۔

جس چیز کیلئے ورد خوانی کرتے تھے۔ وہ بات فوراً عمل میں آتی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ اکبر ہادی کے مریدوں میں سے ایک مرید کو کسی ظالم نے سخت نقصان پہنچایا۔ اور وہ شیخ اکبر کے پاس آیا۔ انہوں نے فرمایا۔ بہاء الدین صفاپوری کے پاس جاؤ اور ہمارا سلام کہدو۔ وہ تمہاری حاجت پوری کریں گے۔ وہ آدمی ان کے پاس آیا اور اپنے مرشد کا پیغام پہنچایا۔ یہ پاس آخر پر السنبل جھیل میں اتر کر گلے تک پانی میں بیٹھ کر حرز یمانی پڑھنے لگے۔ اسی وقت اس بدذات ظالم کا سر اپنے سونے کے کمرے میں کٹ کر بدن سے جدا ہو گیا۔ جب ازل کی یاوری سے شیخ محمد اشرف فتحکدلی کی صحبت سے شرفیاب ہوئے۔ تو یکبار وردوں اور وظیفوں سے دست بردار ہو گئے۔ معرفت کی شمع نور برسانے لگی۔ اور سلوک کا راستہ نظر آنے لگا۔ مرحلے اور مقامات طے کئے۔ شیخ کے یاروں سے بھی فیض حاصل کیا۔ پھر صفاپور میں السنبل جھیل کے کنارے بیٹھ کر ریاضت اور عبادت میں عمر بسر کی۔ مستجاب الدعوات تھے۔ لوگوں کے حاجت روا تھے۔ وہیں دفن ہیں

خواجہ خلیل ترنبو

شہر کے شریف لوگوں میں سے تھے۔ شیخ محمد اشرف فتحکدلی کے با اخلاص خلیفہ تھے۔ ریاضت اور عبادت میں لاثانی تھے۔ صاحب حال تھے۔ ۲۵ جمیدالثانی سنہ ۱۲۴۲ھ کو رحلت کر کے باپ دادا کے مزار میں دفنائے گئے۔ "بلبل شاخچہ سدرہ" تاریخ وفات ہے۔

شیخ ثناء اللہ زونیمری

شیخ محمد فاضل زونیمری کے پوتوں میں سے تھے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اپنے دادا شیخ مسعود سے باطنی تعلیم پائی۔ اور حضرت سلطان العارفین رح کی مسجد میں جو علاقہ کہہ ہامہ کے گاؤں گنڈپورہ میں ہے۔ چالیس چلے استقامت سے پورے کئے۔ حرز یمانی عظام وردِ دائم۔ حزب البحر۔ دعاء مولسنی۔ چہل اسم۔ حرز اجنجام اور اسمای عظام کے نصاب دیدے۔ اپنے دادا شیخ مسعود کے انتقال کے بعد شیخ محمد اشرف فتحکدلی کے چیلے بنے۔ سلوک کے مرحلے طے کئے۔ چلے پورے کئے۔ قہر اور جلال والے تھے۔ ایک دفعہ ایک ظالم کے منہ پر تھپڑ مار کر اسی وقت اس کو اندھا کر دیا۔ ایک دن چودہ چھرے ان کے کھیت

میں گھس گئے تھے۔ نوکر سے کہا۔ ان کو نکال کر کنوئیں میں ڈال دے۔ زادم نے بچھڑوں کو کھیت سے نکال کر جنگل کی طرف ہانک دیا۔ ایک ریچھ نے آکر بچوں کو مار دیا اور ایک کنوئیں میں چھپا دیا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ کو وفات پائی۔ اور اپنے دادا کے مزار میں زدیمر میں دفن ہیں۔ تاریخ وفات ہے۔ "بود روز عرس عثمان حیا"۔

شیخ ضیاء اللہ

شیخ محمد افضل زدیمزی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ بہت سے بزرگوں کی نظر عنایت ان پر تھی۔ خدا کے راہ میں سخت محنت اور مشقت کرتے رہتے۔ حد درجہ کے صاف باطن۔ فیض دہ اور فائدہ رسان۔ پرہیزگار اور خدا سے ڈرنے والے بزرگ تھے۔ مغل مسجد میں دفن ہوئے ہیں۔

شیخ سیف اللہ

شیخ ضیاء اللہ کے بھائی شیخ حیات کے مرید۔ پرہیزگار۔ خداترس۔ ریاضت کش اور فائدہ رسان خلق تھے۔ بہت سے خدا دوستوں کے ساتھ دوستی اور محبت تھی۔ کھانے پینے میں حد درجہ کا پرہیز کرتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو رحلت کر کے اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

شیخ محمود گنائی

عزہ بابای جلی کے خلیفہ تھے۔ خداترس۔ پرہیزگار اور باکمال بزرگ تھے۔ ۹ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کے ہیضہ میں راحت کی نیند سو گئے۔ محلہ سوکالی پورہ میں اپنے گھر کے ساتھ ہی دفنائے گئے۔

شاہ حمید اللہ

عزہ بابای جلی کے خلیفہ تھے۔ ریاضت کش۔ محتاط۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ مقبرہ بابا عبدالکریم فتح کدلی میں دفن ہوئے۔

قاسم گنڈ

شاہ عنایت اللہ کے خلیفہ تھے۔ پرہیزگاری۔ ریاضت اور عبادت میں ساری عمر گذاری۔

میر ضیاء الدین قادری

شاہ عنایت اللہ کے خدا ترس اور پرہیزگار مُرید تھے۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہیں۔

شاہ امان اللہ

شاہ عنایت اللہ کے بے ریا۔ محتاط اور ریاضت کش مُرید تھے۔

بہاء الدین متو

شاہ عنایت اللہ کے خلیفوں میں سے تھے۔ پرہیزگار پابند شرع بزرگ تھے۔ شیخ سیف اللہ کے گھر میں اکیلے پن اور تنہائی میں عمر بسر کی۔ صاحب ریاضت اور عبادت تھے۔ بڑے سوز و گداز والے حضرات تھے۔ الفی نامہ۔ سُلطانی۔ قادری۔ نقشبندیہ اور چشتیہ پانچ منظوم کتابیں لکھی ہیں۔ رحلت کے بعد اسلاف کے مزار میں دفنائے گئے۔

شاہ اسد اللہ

شاہ فضل اللہ لوزی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ خدا ترس۔ پرہیزگار۔ عامل۔ ریاضت کش عابد اور مجاہد کامل تھے۔ مزاج میں تیزی تھی۔ رتبۂ ارشاد حاصل کرنے پر ایک آدمی نے شاہ فضل اللہ لوزی سے ان کی تلخ مزاجی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔ جب میری جگہ بیٹھیں گے۔ ان کا اخلاق بُرا نہ رہے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اور باپ کے وفات کے بعد حلم اور تواضع کے پتلے ہو گئے۔ مرض موت میں باوجود کمزوری اور ضعیفی کے تراویح کی نماز ادا کرتے تھے۔ پچیسویں تاریخ کو بیٹھ کر تراویح پڑھ لی۔ دوسرے روز پیشین کے نماز کے سجدے میں جان دینے والے کو جان حوالے کی۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔

بابا علی لبوہی

بابا مقیم سُلطانی کی بیٹی کے بیٹے اور شاہ فضل اللہ کے مرید تھے۔ صاحب مجاہدہ اور حال تھے۔

خوابوں کی تعبیر کرنے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اپنے آبا کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

قاضی جمال الدین

ملا جمال الدین سیالکوٹی کے پوتوں میں سے ملا اسلم ٹوپیگرو کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ پہلے ملا قوام الدین سے فیض حاصل کرتے تھے۔ پھر شاہ فضل اللہ سے تربیت حاصل کر کے سلوک کے مقامات طے کئے۔ اور خط ارشاد حاصل کیا۔ حال چھپانے کی بڑی کوشش کرتے تھے۔ سارے دن کو تعلیم پڑھاتے رہتے تھے۔ امیروں اور غریبوں نے تعلیم پا کر ان سے فیض پایا۔ شاہ عبدالرحمان مجذوب فرماتے تھے۔ کہ دن کا کوتوال اور رات کا بابزید یہی ہے۔ فنا فی الرسول تھے۔ نعت گوئی کرتے تھے۔ اور جمیل تخلص تھا۔ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۴۹ھ کو وفات پائی۔ عالیکدل میں اپنے گھر کے ساتھ ہی دفن ہیں۔

حکیم نورالدین متو

اس ملک کے شریفوں میں سے تھے۔ نصیب کی یاوری سے شاہ فضل اللہ کی زیر تربیت آئے۔ اور باطن کی صفائی حاصل کی۔ شیخ عبدالوہاب باغبان پورہ کے ساتھ بھی اٹھنا بیٹھنا تھا۔ آخر پر شاہ نظام الدین قلندر کی نظر کے شکار ہو کر مست بادۂ توحید ہو گئے رندانہ زندگی میں دن گذارنے لگے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ ۱۸ شعبان سنہ ۱۲۴۱ھ کو محلہ سیدہ پورہ میں متصل حسن آباد دفن ہوئے۔

ملک حسن

قصبہ شوپیان کے ملکوں میں سے تھے۔ روشن ضمیر اور صاحب تاثیر۔ عمر بھر تنہا رہے۔ رندانہ وضع رکھتے تھے۔ آخر عمر کے جاڑے میں ایک دن ان پر جان کنی کی حالت پیدا ہوئی اور کہا آج کے دن مجھے دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ لیکن سردی کی شدت برف کی کثرت سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ بہتر یہی ہے۔ کہ ابتدا بہار میں عرس شیخ گنج بخش کے دن پر دنیا سے جاؤں۔ اور یہ کہنے کے بعد ہی اٹھ بیٹھے۔ تین مہینے گذر گئے۔ عرس شیخ بہاءالدین گنج بخش کے دن پر غسل کیا۔ کفن پہنا اور اپنی کوٹھری میں جا کر جان آفرین کو جان حوالے کی۔ حکیم

نورالدین کے مزار میں دفن ہوئے۔

بابا محمود

دولت بائی کے مرید تھے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی میں عمر گذار کر شہر میں دفن ہوئے۔

بابا عثمان

عبدالسلام ٹاک کے مرید تھے۔ پرہیزگار اور صاحب مجاہدہ تھے۔ شاہ آباد میں دفن ہیں۔

عبدالرسول زہگیر

پہلے محمد شاہ ختندہ بونی سے طریقت کے آداب سیکھے۔ پھر شرف الدین زہگیر کی خدمت میں سلوک کے مرحلوں کو طے کیا۔ بہت پرہیزگار اور شریعت کے پابند تھے۔ رحلت کرنے کے بعد ٹوال مسجد کے متصل دفن ہوئے۔

شہاب شاہ قلندر

بچپن ہی میں اس کے ماتھے سے صلاحیت کے آثار نمایاں تھے۔ شروع جوانی میں بھابی (بھائی کی بیوی) نے اس کو جان بوجھ کر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی۔ اس مرد خدا نے آلۂ تناسل کو کاٹ دیا۔ اور ترک دنیا کر کے ریاضت و مجاہدہ میں لگ گیا۔ ایک دن ایک قلندر کسی بیرونی ملک سے آکر اس کی عبادت گاہ میں کچھ دن ٹھہرا۔ اس خوش نصیب سعادتمند نے اس کی نظر عنایت سے داڑھی منڈوا کر قلندری کا لباس زیب تن کیا۔ سوز و گداز سے بھر گیا۔ پرگنہ کھوییامہ کے گاؤں بنڈپورہ میں تکیہ سجا کر بیٹھ گیا۔ کشف و کرامات کیلئے بہت مشہور تھے۔ ۱۶ رمضان سنہ ۱۲۴۱ھ کو وہیں وفات پا کر پہاڑ کی اونچائی پر دفن کیا گیا۔

شیخ عبدالرحمان اونہ گامی

بابا مقیم کے بیٹے تھے۔ اپنے چچے شیخ صالح سے سلوک کی باتیں سیکھ کر مرد عارف ہو گئے ریاضت اور مجاہدہ میں عمر بسر کی۔ خفتن کے وضو سے چاشت کی نماز ادا کرتے تھے۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے حالات اور کرامات بہت مشہور

ہیں۔ اعلیٰ درجے کے طبیب تھے۔ جنگلی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ظالم کو مسلمانوں پر ظلم نہ کرنے کی نصیحت کی۔ اس نے متکبرانہ انداز اختیار کیا۔ اسی رات برفباری شروع ہوئی۔ ظالم کے گھر کو آگ لگی اور تمام مال جائیداد جل کر راکھ ہوگیا۔ ۷ رجب ۱۲۷۱ھ کو دُونہ گام میں دفن ہوئے۔ "شیخ عارف" تاریخ ہے۔

بابا عبدالصمد

بابا محمد شافی کے بیٹے تھے۔ خدا ترس اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ باپ سے تربیت پائی تھی۔ سنہ ۱۲۶۱ھ میں اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔ "شیخ عبدالصمد ہمدانی" تاریخ ہے۔

شیخ محمد مقیم

شیخ ضیاءالدین زدیبری کے فرزند اور شیخ محمد صدیق اشرفی کے مرید تھے۔ نہایت ریاضت کش۔ اور احتیاط والے تھے۔ خدمت خلق خدا۔ پرہیز گاری اور خدا ترسی میں عمر بسر کی۔ باپ دادا کے مزار میں آرام پائے۔

میاں الور

میاں محمد رفیق کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ توفیق اور تحقیق والے بادۂ الست کے سرمست تھے قسمت والوں کو ایک نظر سے مست بنا دیتے تھے۔ درادہ کے علاقہ میں وفات پائی۔

شیخ مسعود

بابا محی الدین باندانی کے مرید تھے۔ کامل خدا دوست اور ولی تھے۔ ریاضت۔ پرہیز گاری اور گوشہ نشینی میں عمر گذاری۔ موضع چاگل میں دفن ہیں۔

قادر شاہ کاھراجی

ایک زمیندار کے بیٹے تھے۔ خدا کی رحمت نے راستہ دکھایا۔ رحمہ شاہ سے فیض پائے سلسلۂ قادریہ کو خوب رواج دے دیا۔ صالح مرید تیار کئے۔ علاقہ جمل کے گاؤں ہرن میں مدفون ہیں۔

کرم شاہ شاہ آبادی

شاہ اسداللہ نواب بازاری کے مُرید تھے۔ ریاضت کش اور پرہیز گار تھے۔ لوگوں کو راستوں پر پکڑ کر باطنی تعلیم دیتے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ اب طالب راہ خدا کوئی نہیں۔ نہ کسی کو طلب ہے۔ پھر بھی ہم اگر کسی جگہ پانی ڈالیں گے تو وہ سوکھ جائے گا۔ لیکن اس کی تری اور طراوت کچھ دیر باقی رہے گی۔ سارے کشمیر کی سیاحت کی اور ہر جگہ پر بندگان خدا کی رہبری کرتے رہے۔ شاہ آباد میں دفن ہیں۔

حاجی نظام الدین فوراہی

علم ظاہری اور باطنی کے پورے عالم تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں لاثانی تھے۔ حج کو گئے خانہ کعبہ اور روضۂ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خدا دوستوں اور مشائخوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ واپسی پر گھر میں تنہا نشین ہو گئے۔ اور پھر گھر سے قدم باہر نہ نکالے یہاں تک کہ اپنے بیٹے کے جنازہ کو بھی نہ نکلے۔ "تارک کل" تھے۔ کلام اللہ لکھکر وقف کرتے تھے۔ نذر دنیاز ہاتھ سے نہ پکڑتے تھے۔ موزون طبیعت والے تھے۔ تصوف اور توحید میں "اماات" تصنیف کی ہے۔ کتاب میں بدکردار سیّدوں کی مذمت میں یہ بیت لکھے ہیں:۔

سیّدان زمانہ سید انند ۔۔۔ درلباس حسینؑ یزیدانند!
آدم از خاک سیّد از نوراست ۔۔۔ آدمیت ز سیّدان دوراست

(اس وقت کے سید بھیڑئے ہیں۔ حسینؑ کے لباس میں یزید ہیں۔ آدم مٹی سے اور سید نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی لئے سیّدوں سے انسانیت اور آدمیت دور ہے)
سید سعید اندرابی بقول بعضی حسن شاہ شعری کو یہ بات بری لگی۔ اور فوراہی کو یہ بیت لکھکر بھیجا:۔ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رُود ÷ چون بیاید ہنوز خر باشد
نظام الدین نے جواب میں لکھا:۔ سخن شیخ واقعی ست ولی ÷ شرفش بر خرِ دگر باشد
زانکہ عیسیٰ بر و سواری کرد ! ÷ ہم سوئی کعبہ اش نظر باشد
اے مسیح اے پسر بگر داد ز سگ ۔۔۔ رخش رستم گرش پدر باشد

مختصر یہ ہے کہ فردِ زمانہ مردِ کامل تھے۔ صاحب حال اور قال۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو وفات پائی۔ فوراہ میں دفن ہوئے۔ "شیخ عارف" تاریخ ہے۔

مولانا ضیاء الدین

صدیق شاہ اکن گامی کے مریدوں میں سے تھے۔ ریاضت اور پرہیزگاری میں عجیب شان رکھتے تھے۔ ساری عمر کو کریوہ کنلون میں گوشہ نشین رہے۔ لوگوں کے حاجت روا تھے۔ رحلت کے بعد مولانا ضیاء الدین کے مزار میں بیجبارہ میں دفن ہوئے۔

صدیق شاہ

ریاضت کش۔ احتیاط والے پرہیزگار تھے۔ عبادت اور ریاضت میں مرد مجاہد تھے۔

شیخ عبداللہ

کامل درویش واصلانِ خدا میں سے تھے۔ کریوہ بیجبارہ پر ریاضت کرتے تھے۔ اسی جگہ دفن ہوئے۔

فتاح شاہ ثانی

خدا ترس۔ پرہیزگار تھے۔ تنہا نشین اور گوشہ نشین رہ کر عمر بسر کی۔ پرگنہ دنتر میں وفات پائی۔

قادر شاہ ثانی

رحمہ شاہ کے مرید تھے۔ عبادت اور ریاضت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ کوہ دلونل (پرگنہ زینہ گیر) پر تنہائی میں عمر گذاری۔ وہیں آخرت کا راستہ لیا۔

ضیاء الدین زنگیر

شیخ اکبر ہادی کے داماد اور شیخ عبدالرسول زنگیر کے مرید تھے۔ صاحب حال اور کمال والے بزرگ تھے۔ راہِ ہدایت دکھا کر بندگانِ خدا کی پوری خدمت کی۔ ۱۲۶۰ھ میں ۵ رجب کو رحلت کی۔ مرشد کے پاس ہی دفن ہوئے۔

بابا عبداللہ مخدومی

حشمت اور عزت والے عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ حضرت شیخ حمزہ مخدوم رح کی روح مبارک سے فیض باطنی پاتے رہے۔ حضرت سلطان رح کے حکم سے باطنی طور پر کئی دفعہ شہر چکین جاکر میاں عمر چکی سے فیض باطنی سے فیضیاب ہوکر واپس آئے۔ اس کے بعد دو دفعہ اپنے پیر بزرگوار کی زیارت ظاہر طور پر پشاور جاکر کی شیخ عمر چکنی کی بے اندازہ عنایتوں اور مہربانیوں سے مشرف ہوئے۔ حافظ کمال کے واہیات کی تردید ایک رسالہ لکھا ہے۔ جب رحلت فرمائی آستانہ حضرت مخدوم رح کے صحن میں دفن ہوئے

شیخ محمد لعیم

شیخ محمد مقیم کے بیٹے اور شیخ اکبر ما دی کے داماد اور بھتیجے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان سے طریقت کے آداب سیکھ لئے۔ ریاضت اور مجاہدہ سے دل کے چراغ کو روشن کیا۔ خواجہ کے انتقال کے بعد شیخ اکبر سے ارشاد کی اجازت حاصل کرکے باقی عمر کو شاہ نیاز نقشبندی کی ہم نشینی اور صحبت میں گذارا۔ اور ان کے ساتھ ترکستان کی سیاحت کو گئے۔ ۲۷ رمضان ۱۲۴۷ھ کو انتقال کیا۔ شیخ گنج بخش کے مزار میں قلعہ کے متصل دفن ہوئے۔

مُلا جمال الدین لُشلو

مُلا رحمت اللہ لشلو کے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے ظاہری اور باطنی علموں میں کمال حاصل کیا تھا۔ آخوند مُلا عبدالسلام وکیل کی نظر عنایت بھی رکھتے تھے۔ خواجہ محمد اسحاق دندرو اور شیخ محمد عمر سے علم قرأت حاصل کیا تھا۔ ابوالبرکات خان ان کے بڑے معتقد تھے۔ اور اہل غرض لوگ ابوالبرکات کے پاس ان کی سفارشیں بہت لیتے تھے۔ جس کے موجب یہ سخت دل تنگ ہو گئے۔ اور ڈاڈہ ونپورہ بھاگ گئے۔ وہاں گوشہ نشین ہوکر آزاد خان کے عام دبائے ہیضہ ۱۱۹۸ھ میں رحلت کی۔ بابا بیزید شہر نا گی کے روضہ کے باہر دفنائے گئے۔

درال عشا کہ پوشید از جہاں چشم
ندا آمد جمال ذات دیدہ

شیخ محمد یحییٰ

محمد میرزا کے بیٹے اور عبدالسلام دارہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ بابا کے مرید تھے نانا سے بھی نظر عنایت تھی۔ عبادت اور ریاضت میں حد درجہ کی کوشش کر کے باپ سے ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ شریعت کے پابند اور دین داری کے گرویدہ تھے۔ ۹ جمیدالاول سنہ ۱۲۰۷ھ میں رحلت کی۔ باپ دادا کے مزار میں آرام پائے۔

بابا آیت اللہ

بابا عبداللہ مخدومی کے بیٹے زبردست ملا تھے۔ غیبی جذبہ سے شاہ ثناء اللہ قلندر کے مرید ہو گئے۔ اور ریاضت و عبادت میں ساری ملائی بھول گئے۔ بلند حال والے بزرگ بنے۔ حضرت مخدوم رح کے آستانہ کے صحن میں دفن ہیں۔

رحمہ شاہ

درویش سیرت بزرگ تھے۔ شاہ فضل اللہ سے دوستی اور صحبت تھی۔ ان کے مرید کمال والے تھے۔ قصبہ لار میں مدفون ہیں۔

آخوند بابا ولی زہگیر

ظاہری اور باطنی علموں میں ممتاز اور ریاضت اور پرہیزگاری سے سرافراز تھے۔ اپنے چچے عبدالرسول زہگیر کے مرید تھے۔ اور شاہ ثناء اللہ قلندر سے بھی فائدہ حاصل کرتے تھے۔ صاحب ارشاد تھے۔ اپنی عمر فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے میں بسر کی۔ کسرت کے علم سے خوب واقف تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ یہ رباعی ان کی طبع زاد ہے:-

سلیمان نیستی دا زیر دست عقیقش را ÷ بگو اے خط چرا مورانہ کردی این تکرہ ہیچی
میفروزا ینقدر ہاروئے آتشناک ایظالم ÷ کہ چون زلف سیاہت دود آہم در شرر پیچی

۸ صفر سنہ ۱۲۷۶ھ کو انتقال کر کے پٹوال مسجد کے متصل دفن ہوئے۔ "کاشف سر خدا" تاریخ ہے

بابا محمد ولی ثانی

بابا محمد عرف کے بیٹے شیخ حسن لالو کے پوتوں میں سے تھے۔ روشن ضمیر اور صاحب تاثیر بزرگ تھے۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی کی عمر گذاری۔

قاضی حبیب اللہ

قاضی جمال الدین عالی کدلی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں باکمال صاحب حال تھے۔ شیخ نعیم تارہ بلی کی بیٹی نکاح میں تھی۔ حال پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۲ھ کو رحلت کرکے والد بزرگوار کے مزار میں دفن ہوئے۔ "الذین آمنوا اشد حبا للہ" تاریخ ہے۔

شیخ طیب رفیقی

شیخ احمد رفیقی کے بیٹے اور شیخ مصطفےٰ کے پوتے تھے۔ اپنے باپ اور شیخ عبدالمجید کبروی سازہ گری پورہ اور میاں عبدالمجید کرناوی سے ارادت رکھتے تھے۔ بہت سے خدا دوستوں سے صحبت تھی۔ ہمارے زمانے کے صاحب کشف با معنی اور لاثانی بزرگ تھے۔ سخاوت اور بخشائش میں وسیع دل رکھتے تھے۔ کتاب "رفقا الفقرا" اپنے اسلاف کے حالات میں لکھی ہے۔ ۱۰ شوال سنہ ۱۲۶۶ھ کو رحلت کی۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہیں۔ "کاشف اسرار" تاریخ ہے

شیخ محمد رضا

شیخ معین الدین رفیقی کے پوتوں میں سے تھے۔ حلیم۔ بردبار۔ تواضع والے۔ خدا ترس اور پابند شریعت بزرگ تھے۔ شیخ نعمت اللہ سے تربیت پائی اور ان کے مرید تھے۔ پینتالیس ۴۵ برس رات کے آخری پہر کو اٹھکر غسل کرکے حزب یمانی پڑھا کرتے تھے۔ ریاضت میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ ۵ شعبان سنہ ۱۲۷۶ھ کو رحلت کی۔ رفیقی مزار میں دفن ہوئے

میاں قطب الدین

میاں الور کے بڑے بھائی تھے۔ نیک دل اور صاحب اسرار تھے۔ عمر بھر فائدہ رسانی کرتے رہے۔ باپ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ شیخ احمد تارہ بلی کی طبع زاد تاریخ یہ ہے:۔

گفت ہاتف کہ شد از علم و ہدیٰ ⁂ قطب ملحق بر رفیق اعلیٰ۔!

سنیچر کی رات کو ۳۰ شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ بہ سن مسنون (۶۳ سال) رحلت کی۔

عبدالسلام وانگن پورہ

ایک صالح اور نیک اطوار بزرگ۔ میر محمد منور جعلی کے مرید تھے۔ گمنامی اور تنہانشینی میں عمر گذار کر ۲۱ صفر سنہ ۱۲۷۳ھ کو وانگن پورہ میں دفن ہوئے۔

بابا نظام الدین

شیخ محمد سخی اسلام آبادی کے مرید تھے۔ پرہیزگاری۔ خدا ترسی۔ ریاضت۔ عبادت گمنامی اور خانہ نشینی میں عمر بسر کی۔ عجیب و غریب حالات رکھتے تھے۔ ایک دن مرشد بزرگوار نے ان سے کہا۔ عورت اور بچے رکھتے ہوئے خدا پرستی کا خیال مشکل ہے۔ اسی وقت عورت کو طلاق دیکر مجرد ہو گئے۔ مرشد بزرگوار کی ملاقات کیلئے شہر سے اسلام آباد تک ننگے پاؤں جاتے تھے۔ علم فقہ میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت رُوپی ریشی کے مزار میں آرام پائے۔

وزیر شاہ

بہت بڑے امیر زادہ تھے۔ ازلی توفیق سے ترک دنیا کر کے بیوی کو بھی چھوڑ دیا۔ خلوتوں اور چلّوں میں سخت ریاضت کرنے لگے۔ مرغزاروں اور سبزہ زاروں کی سیر زیادہ کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں پر جا کر تنہا چلّے پورے کرتے تھے۔ امیرانہ لباس پہنتے تھے۔ سجے سجائی خوش رفتار گھوڑوں پر سواری کرتے تھے۔ روزانہ دو تین روپے خرچ کرتے تھے۔ نذر و نیاز ہرگز نہیں پکڑتے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ کیمیا گر ہیں۔ سنہ ۱۲۸۲ھ میں رحلت کی۔ زین الدین دار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

کرم شاہ لاری

رحمہ شاہ کے مرید تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں ممتاز تھے۔ ایک رات کو راقم اس کے پاس سویا تھا وہ ساری رات ایک کرنے میں کانگڑی کے بغیر ذکر خدا میں مشغول ہو گئے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ اور ٹھنڈے پانی کے چار مٹکے پی گئے۔ یہ حال تھا اندرونی گرمی کا۔ بہت شوق اور ذوق والے حضرت تھے۔ فراد میں دفن ہیں۔

شیخ موسیٰ

شیخ ثناءاللہ زدیمری کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ خدا ترسی اور پرہیزگاری میں عمر گذار کر بٹہ پورہ میں دفن ہوئے۔

حافظ محمد مختار

شیخ عبدالرحمان دنہ گامی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ اور نہایت خوش آواز میں پڑھتے تھے۔ نہایت خدا ترس۔ پابند شرع اور پرہیزگار تھے۔ سنہ ۱۲۷۱ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہے:۔ "شیخ ارم مکین"

بابا محمود زہگیر

ضیاءالدین زہگیر کے بیٹے اور شیخ اکبر ہادی کے پوتے تھے۔ صاف ضمیر۔ نیک خصلت۔ ریاضت کش اور با احتیاط بزرگ تھے۔ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۴ھ کو رحلت کی۔ پٹوال مسجد کے مزار میں دفنائے گئے۔

خواجہ احمد شونٹھو

روشن ضمیر۔ صاحب تاثیر خدادوست تھے۔ حضر بابا خانقاہی کے مُرید تھے۔ ساری عمر کوگنڈ سر سنگھ کے حمام میں تنہائی۔ گوشہ نشینی اور خلوت نشینی میں گذارا۔ سخت عبادت گذار تھے۔ وہیں خدا کی رحمت سے ملے۔

شیخ حبیب اللہ

شیخ سیف اللہ کے بیٹے اور مُرید تھے۔ پرہیزگارانہ عمر کاٹ کر گورہ گڈی محلہ میں دفن ہوئے۔

مُلا نورالحق

ملا عبدالحق کے بیٹے اور شیخ ضیاءالدین زہگیر کے مُرید تھے۔ اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ ساری عمر کو نقشبندی خانقاہ کی امامت کرتے رہے۔ نہایت پرہیزگار اور پابند شریعت بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۷۷ھ میں رحلت کی۔ باپ دادا کے مزار میں جگہ پائی۔

گفت تاریخ او غلام حسن   قبرش از نور حق منور باد

شاہ محمد منور حقانی

خواجہ اسحاق ختلانی کے پوتوں میں سے تھے۔ شاہ کمال الدین حقانی نے انہیں خانہ داماد بنایا تھا۔ ملا ابوالخیر کے شاگرد رشید تھے۔ اٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق سے شاہ عبدالرحمان قلندر کے چیلے بنکر طریقت کی باتوں سے واقفیت بہم پہنچائی۔ مجاہدہ کے مشغل کو چمکایا۔ حضرت شاہ کے مجذوب ہونے پر میر بہاء الدین منطقی نے جو حضرت شاہ کے برگزیدہ خلیفہ تھے ان کی تربیت اپنے ذمے اٹھائی۔ اور ان کی زیر تربیت رہ کر ارشاد کے بلند درجہ کو حاصل کیا۔ شاہ کمال الدین حقانی کے وارث اور جانشین ہو کر لوگوں کی فائدہ رسانی میں مشغول ہو گئے۔ اتنے سخی اور متوکل تھے۔ کہ آج کی نذر کی آمدنی سے کل کیلئے کچھ نہ رکھتے تھے (علم تکسیر (تعویز نویسی ہندسوں میں) میں بے نظیر تھے۔ میرے والد فرماتے تھے۔ کہ "میں رشتہ داری کے تعلق کے موجب ایک دن ان کے ساتھ جوانی میں حبہ کدل سے جا رہا تھا۔ ایک پنڈتانی کو پانی کا گڑھا ہاتھ میں تھا۔ میرا دامن اس کے ساتھ چھو گیا۔ پنڈتانی نے گڑوے کا پانی پھینک دیا اور پھر تازہ پانی لانے کیلئے گھاٹ پر گئی۔ شاہ منور کو پنڈتانی کی اس حرکت پر غیرت آئی۔ اور ایک ٹھیکری اٹھا کر چاقو سے ایک تکون نقش اسپر کھینچی۔ میرے ہاتھ میں دیکر کہا۔ جاؤ پنڈتانی کو یہ نقش دکھاؤ۔ میں نے اس کو دکھایا۔ اور وہ ہمارے پیچھے دوڑتی ہوئی گھر تک آکر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ پھر انہوں نے اسی ٹھیکری کی دوسری طرف ایک چکور نقش پر کیا۔ جو میں نے پنڈتانی کو دکھایا۔ دیکھتے ہی اسنے سر چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ اور اٹھکر گھر چلی گئی۔ بعد میں شاہ عبدالرحمان کے فرمانے پر اس کام کو ترک کر کے دوبارہ مرتے دم تک کبھی عمل میں نہ لائے۔" غرض یہ ہے۔ کہ شاہ محمد منور ظاہری اور باطنی کمالات کا مجسمہ تھے۔ بڑی عمر پا کر ۱۴ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ کو رحلت فرمائی اور شاہ قاسم حقانی کے احاطے میں دفن ہوئے۔

راقم الحروف نے جوان کا خاک پائی ہے۔ کئی تاریخیں کہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:-

رفت چون شہ منور از دنیا   رخت در عالم بقا بکشاد!!!

گفت تاریخ او غلام حسن   احمد مجتبیٰ شفیعش باد!!!

-:-

مرزا غلام بیگ

ایک بڑے عہدہ دار کے بیٹے تھے۔ باپ سے ترکہ (وراثت) میں چالیس ہزار روپے ملے
تھے۔ شاہ عبدالرحمان کی کیمیا اثر نظر سے متاثر ہو کر ترک دنیا کر کے مال و جائیداد کو راہ خدا
میں صرف کر دیا۔ بیوی کو ڈیڑھ ہزار روپے نقد دے کر طلاق دی۔ اور حضرت شاہ
کے فرمانے پر محمد منور دیوانی کے ساتھ باطنی بھائی چارہ لگا کر محلہ نزپرستان میں ان
کے گھر میں رہ کر عبادت اور ریاضت میں چھپن برس گذارے۔ محمد منور کی بیوی فوت
ہو ئی۔ اور یہ دونوں بزرگ ایک ہی بستر پر سوتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ
ہوتے تھے۔ شام۔ صبح۔ خفتن اور چاشت کی نمازیں لگاتار خانقاہ معلیٰ میں پڑھا کرتے
تھے۔ اس فقیر نے ان کی خدمت گذاری میں دس برس گذارے۔ لیکن بدقسمتی سے
کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔:۔

تہیدستاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل ؛ کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

اور مجھے حضرت شیخ محمد منور نصیحت کرتے تھے۔ کہ اس ترک زادہ سے بہت ڈرنا چاہئے
اور دل کو شیطانی وسوسوں سے بچانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر مشرق یا مغرب میں چیونٹی کی
ٹانگ ٹوٹ جاتی تو اس آدمی کو مکاشفہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ شیخ محمد منور نے یہ
بھی فرمایا ہے۔ کہ ایک دن خانقاہ معلیٰ میں صبح کی نماز باندھی اور دوپہر تک جلوۂ شہود
میں کھڑے ہلکے رہے۔ اور اپنے آپ کی خبر ہی نہ رہی۔ یہ بات میر بہاءالدین کو گوشہ گذار
کی گئی۔ انہوں نے اپنے خلیفہ محمد اکبر کو بھیجا۔ اور اس نے ان کے حکم کے مطابق ایک
سخت تھپڑ مرزا بیگ کے منہ پر رسید کیا۔ اور ہوش میں آیا۔ اور انہوں نے چھ
مہینے اپنے پاس آنے نہ دیا۔ انہیں سے یہ بات بھی سننے میں آئی ہے۔ کہ ایک
دن آزاد خان حضرت شاہ کی ملاقات کو آیا۔ حضرت شاہ نے علم غیب سے جان کر غلام
بیگ سے کہا۔ کہ اس وقت بد ذات حاکم ادھر آ رہا ہے۔ اس کو اندر آنے نہ دیجئے
یہ دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ اور آزاد خان کو اندر نہ چھوڑا۔ آزاد خان کو غصہ چڑھا۔ اور
سیڑھی پر چڑھ آیا۔ غلام بیگ نے ایک تھپڑ منہ پر مارا۔ وہ غضبناک ہو گیا۔ اور جلاد کو
حکم دیا۔ کہ اس آدمی کی آنکھیں نکالو۔ نوکروں نے ہاتھ پکڑ کر اس کو باہر نکالا

آزاد خان سیڑھی پر چڑھا اور اندھا ہوگیا۔ یکدم جلاد کو حکم دیا۔ کہ اس آدمی کو چھوڑ دیں اور
کچھ نہ کہیں۔ اور خود نابینائی کی حالت میں حضرت شاہ کی خدمت میں پہنچا۔ حد درجہ کی
عجز و زاری کی۔ حضرت شاہ نے اس کے منہ پر تھوکا اور بینا ہوگیا۔ محمد منور اس بات کے
بھی راوی ہیں۔ کہتے ہیں "کہ ایک دن ہم دونوں بابا شکور الدین رشی کی زیارت پر گئے تھے
اور یہ ترک زادہ آدھی رات کو اٹھ کر پانی پر گیا۔ راستے میں سانپ نے ڈسا۔ اس
بہادر نے سانپ کو اسی جگہ پاؤں سے کچل کر مار ڈالا۔ وضو کرکے آیا۔ نماز تہجد پڑھکر
چاشت تک اپنے کام میں مشغول رہا۔ پھر گھر آیا اور اس کے پاؤں کو ورم ہوگیا تھا۔ درد
کی شدت تھی۔ پھر بھی پاؤں باہر نہیں نکالتا تھا۔ اور علاج کرنے نہ دیتا تھا۔ آخر کئی آدمی
آگئے اور زبردستی سے پکڑ کر پاؤں میں نشتریں مار کر خون نکالدیا۔ اور دو مہینے کے بعد
ٹھیک ہوگیا"۔ مختصر یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت میں بے بدل تھے۔ دوپہر کے بعد کی نماز
کے بعد چائے خود تیار کرتے تھے۔ اور چائے تیار ہونے تک اکتالیس مرتبہ سورہ مزمل
پڑھتے تھے۔ دن رات میں صرف دو گھنٹے لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ ورنہ اپنے کام میں
مشغول ہوتے تھے۔ بہت روتے تھے۔ اور آنسو سے ہمیشہ ان کی چادر گیلی رہتی تھی۔
۲۲ رجب ۱۲۷۵ھ کو نقل کیا۔ شاہ قاسم حقانی کے احاطے میں دفن ہوئے۔

خواجہ امیر الدین پکھلیوال

خواجہ یعقوب پکھلیوال کے پوتوں میں سے۔ صاحب حال اور کمال تھے۔ توفیق خدا سے پہلے
قاضی جمال الدین عالیکدلی سے ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے۔ پھر خواجہ منور خطبی کی
تربیت میں ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہوکر طریق کبرویہ میں بلند درجہ حاصل کیا۔
اس کے بعد شیخ علی اللہ دربہ گامی سے استفادہ کرکے سلسلہ قادریہ کی تعلیم پائی۔ پھر
شیخ اکبر ہادی کی خدمت میں جاکر نقشبندیہ اور سہروردیہ سلسلوں کے مجاز ہوگئے۔
اندرونی پیاس بجھانے کیلئے ہندوستان گئے۔ ملتان کے علاقہ میں شیخ سلیمان کی
نظر عنایت سے مشرف ہوکر شہود اور وحدانیت کا مقام پائے۔ واپسی پر ارشاد کے
سجادہ پر بیٹھکر لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کرنے لگے۔ مثنوی تحفہ احمدی۔ اور مثنوی
تحفہ محمدی علم تصوف میں لکھکر جناب حضرت شیخ احمد تارہ بلی کی خدمت میں پیش کیں۔

یہ دونوں رسالے بہت مفید ہیں۔ رسالہ" تربع۔ تحقیقات امیری۔ اور دوسرے رسالے ان کی یادگار ہیں۔ ۸ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ کو وفات پائی۔ شیخ بہاؤ الدین گنج بخش کے بڑے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے :۔

پے تاریخ وصلش گفت ہاتف   ہشتم ماہ حج یوم سہ شنبہ

مُلا ثناء اللہ پشلو

مُلا جمال الدین پشلو کے بڑے بیٹے تھے۔ علم دین میں کمال حاصل کرنے کے بعد شیخ عبادی قاری سے تربیت پاکر سلوک کے مقامات طے کئے۔ شیخ اکبر ہادی سے کمی پوری کر کے تکمیل کے درجہ پر پہنچے۔ عمر بھر آثار شریف (حضرت بل) کے بقعہ کے پیش نمازی کی۔ وہیں دفن ہیں۔

مُلا حیدر پشلو

مُلا جمال الدین پشلو کے منجھلے بیٹے تھے۔ روشن ضمیر اور صاحب قلم تھے۔ اپنے نانا سید حیات خان چیوہ ڈارہ کے مرید تھے۔ ان کی وفات پر اپنے باپ سے تربیت لیتے رہے۔ شیخ اکبر ہادی کی خدمت میں بھی فیض حاصل کرنے کی غرض جاتے تھے۔ علم قرأت۔ تجوید (حروف کی حرکات اور سکنات کا صحیح استعمال) اور قرآن کے رسم الخط میں ممتاز تھے۔ ظاہری اور باطنی کمال والے تھے۔ صاحب تصنیف اور ظریف طبیعت والے تھے۔ نور السراج علم فرائض (وراثت) میں۔ سراجی منظوم۔ مفتاح الرحمہ۔ مصباح الظلمہ۔ مربع الغزلان رسم الخط قرآن۔ در یتیم۔ غرائب الرغائب فقہ میں۔ مناہج التصوف میں۔ حرز الحسنات تجوید میں۔ شرح چہل و چار حدیث۔ ان کی تصنیف کی ہوئی مشہور کتابیں ہیں۔ علاوہ ان کے اور رسالے بھی ہیں۔ اس وقت کے عالم تقریباً سارے ان کے شاگرد تھے۔ ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ کو رحلت کر کے باپ کے مزار میں دفن ہوئے۔

مُلا نور الدین قاری خانیاری

شیخ عبادی قاری کے شاگرد اور مرید تھے۔ مُلا محی الدین سیالکوٹی سے بھی فائدہ حاصل کیا تھا۔ اپنے زمانے کے بے بدل بزرگ تھے۔ علم قرأت کے عالم تھے۔ اور اس علم کو پھیلا دینے

میں بہت کوشش کرتے رہے ہے۔

خضر بابای قاری

شیخ عبادی قاری کے مرید تھے۔ علم قرأت میں بھی ان سے مہارت حاصل کی تھی۔ اوراد اور وظائف کی اجازت شیخ اکبر ہادی شیخ طیب رفیقی اور دوسرے بزرگوں سے حاصل کی تھی۔ خانقاہ کے صحن میں دفن ہیں۔

شاہ رحمت اللہ ثانی

شیخ اکبر ہادی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ علم ظاہری اور باطنی میں صاحب کمال۔ ریاضت اور خداترسی میں بے مثال تھے۔ ۸ محرم سنہ ۱۲۲۹ھ کو اکادن برس کی عمر میں باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ "ختم الصالحین" تاریخ ہے۔

شیخ محمد یحییٰ

شیخ نعمت اللہ کے بیٹے اور شیخ اکبر ہادی کے خلیفہ تھے۔ پرہیزگار۔ خدا سے ڈرنے والے اور فنا فی اللہ تھے۔ شیخ اشرف کے مزار میں دفن ہیں۔

محمد شاہ قدیمی۔ مولوی غلام الدین جامعی۔ مہند شاہ جامعی۔

صمد جو کھو بہامی۔ حیدر شاہ بچھ۔ قاضی جمال الدین خوشنویس۔ عبدالوہاب وانگن پوری۔ یہ سارے حضرات شیخ اکبر ہادی کے مرید صاحب ریاضت و عبادت اور کرامات والے بزرگ تھے۔ مجاہدوں میں عمریں بسر کیں۔

شیخ احمد تارہ بلی

شیخ محمد نعیم کے قابل فخر فرزند تھے۔ شیخ محمد نعیم خود شیخ رحمت اللہ عاصمی کے پوتوں نواسوں میں سے تھے۔ ان کے جد بزرگوار مولوی شیخ محمد مقیم تھے۔ اور شیخ احمد نے انہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فارسی اور عربی میں اچھی قابلیت بہم پہنچائی۔ مذہب اور دیگر علوم میں

بھی دسترس حاصل کی ۔ قرآن مجید کو زبانی یاد کر کے شیخ عبادی قادری سے قرأت عشرہ سیکھے اور انہیں سے باطنی تعلیم اور تربیت پانے لگے ۔ ریاضت ۔ عبادت اور مجاہدہ کے سبق سیکھ کر سلوک کے مقامات اور مرحلے طے کرنے لگے ۔ اطوار سبعہ (سات طریقے تصوف کے) اور لطائف ستہ (چھ باریک مرحلے) طے کر کے معرفت اور شہود کے چراغ کو تجلیات کے انوار سے چمکائے ۔ سلسلہ عالیہ قادریہ ۔ نقشبندیہ ۔ کبرویہ ۔ سہروردیہ اور چشتیہ کے پانچ سرمدی خزانوں کی ابدی دولت کی کنجیاں جو شیخ اشرف کے یاروں کے ہاتھوں میں تھیں حاصل کیں دن رات ان کا کام "ہوش در دم ۔ خلوت در انجمن ۔ وقف وقت ۔ وقوف قلب ۔ نظر بر قدم ۔ یادداشت نگہداشت ۔ معیت ۔ قرب اور شہود لا یقین بقا ۔ ریاضت ۔ عبادت ۔ حالات اور کمالات کے لحاظ سے وقت کے جنید اور بایزید تھے ۔ ان کی بزرگی ۔ صاحبدلی اور خدادوستی کی شہرت ہر طرف پھیل گئی ۔ بندگان خدا کی رہبری ۔ رہنمائی اور خدمت میں تن و من سے مشغول ہو گئے ۔ حضرت شیخ عبادی قادری کے ساتھ مدت تک رہ کر ان کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کی ۔ اسی ضمن میں شیخ اکبر ہادی کے بیٹے عین جوانی میں اپنے والد بزرگوار کو داغ فرقت دیکر دوسری دنیا کو چل بسے ۔ اسی واقعہ کے موجب حضرت شیخ عبادی قاری نے حضرت شیخ احمد کو شیخ اکبر ہادی کی خدمت گذاری کیلئے مامور فرمایا ۔ اور حضرت شیخ احمد نے حضرت شیخ اکبر ہادی کے صدمہ کو کم کرنے اور بیٹے کے داغ مفارقت مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ اور نتیجہ کے طور پر ان کی تعلیم ۔ تلقین اور تربیت سے سرلو ۔ بہرہ ور ہو کر معیت اور شہود کے مقام کو حاصل کر کے رہے ۔ شیخ اکبر کے انتقال کے بعد باوجود شیخ محمد نعیم کے زندہ ہونے کے جو شیخ احمد کے والد اور شیخ اکبر کے بھتیجے اور داماد بھی تھے ۔ مرید دل ۔ معتقدوں ۔ مخلصوں اور دوستوں نے شیخ احمد کی طرف رجوع کیا ۔ اور شیخ احمد کو سجادہ نشینی اختیار کرنے کیلئے سخت مجبور کیا ۔ یہاں تک کہ شیخ اکبر کے یار جنہیں امیر الدین پکھلیوال بھی شامل تھے اسی بات پر زور دیتے رہے ۔ لیکن جناب کے دل مبارک نے اس بات کو گوارا نہ کیا ۔ اور لوگوں کا مرجع (جائے رجوع) بننا منظور نہ فرمایا ۔ لیکن حقیقت پوشیدہ نہ رہی یہاں کے لوگوں کی تو بات ہی نہیں ۔ ترکستان ۔ ہندوستان ۔ خراسان اور دوسرے ملکوں کے لوگ بھی ان کی زیارت اور دیدار بڑی نعمت جانتے تھے ۔ ان سے روحانی تعلیم اور تربیت حاصل کرتے تھے ۔ ان کے زمانے میں شیخ غلام محی الدین حاکم کشمیر مقرر

ہوا۔ اور ان کی شہرت اور عظمت سُنکر اس کے دل میں عقیدت اور اعتماد پیدا ہوا۔ چاہا
کہ ملاقات کرے۔ یہ اس کی ملاقات سے گریز کرتے رہے۔ اور پانچ چھ سال لوگوں کی نظر
سے چھپے رہے۔ اس مدت میں اچانک اتفاقیہ طور پر والی ملک کی ملاقات ان سے دو
دفعہ ہوئی۔ انہوں نے عدل و انصاف کی نصیحتیں فرمائی اور تعلیم سے بہرہ ور بنادیا۔ چنانچہ
ان کے فرمانے پر ایک لاکھ خروار شالی یہاں کے مسکینوں۔ درویشوں اور عالی خاندان لوگوں
کو بطور جاگیر دے دیا۔ اور ہزار دس روپے بطور نذر خدمت میں پیش کئے۔ جس
روپے میں سے حضرت نے ایک پیسہ بھی گھر کے مصرف میں نہیں لگایا۔ حضرت کی زندگی
تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی تھی۔ اور یہ وہ زندگی تھی جس کو "خلوت در انجمن" کہتے ہیں
نماز کے قعدہ (دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا۔ یا نماز ختم کرنے کیلئے التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھنا)
میں ان کا بدن مبارک تھر تھراتا تھا۔ اور رونگھٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حال چھپانے کی
کوشش بہت کرتے تھے۔ شہرت کو آفت خیال کرتے تھے کسی کے گھر نہیں جاتے تھے
شریعت کی حفاظت۔ پرہیز گاری پر استقامت۔ سنت پر مداومت۔ بدعتوں کو ہٹانا۔
جاہلوں کی گمراہی کو دور کرنا۔ نیک کاموں کی طرف ہدایت کرنا۔ برُے کاموں کے کرنے سے باز رکھنا
شریروں اور ضرر رسان لوگوں کے شروں اور ضرروں سے بچانا۔ بندگان خدا کی امداد
کرنا۔ پرہیز گاروں اور خدا سے ڈرنے والوں کا لحاظ نظر رکھنا ان کا لائحہ عمل تھا۔ خدمت
خلق اللہ جو طریقت کا سب سے بڑا "رکن" ہے۔ مستعدی اور مداومت سے بجالاتے تھے۔
صبح سویرے اپنے ہاتھ سے چائے بناکر دوپہر تک دو تین سو لوگوں میں روٹیاں اور
چائے تقسیم کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی عذر خواہی کرتے تھے۔ بارش اور باران میں
چھتوں کی ٹپکن کے موجب گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ چھتوں کی ٹپکن سے قدرتی نفرت تھی
راستے میں سر پر چادر رکھکر چلتے پاؤں پر نظر رکھتے تھے۔ دائیں بائیں۔ اِدھر اُدھر نظر نہیں
اٹھاتے تھے۔ بدعتوں کی ملامت کھلم کھلا کرتے تھے۔ ہندوں کا غلبہ ہونے کے باوجود
انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیدیتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ایک آدمی نے ان سے
راجہ کاک در کیلئے سفارش چاہی۔ اور انہوں نے سائل کو راجہ کاک در کے نام لکھکر دیدیا:
"کافر ناپاک۔ پنڈت راجہ کاک۔ اے مدبر فجار واے کافر نابکار رو باسلام آر و خلق خدا
را میازار حاجت سائل بر آر تا برہی از عذاب نار" (اے ناپاک کافر۔ راجہ کاک پنڈت۔

اے بدنصیب بدکار اور اے نابکار کافر مسلمان ہو جاؤ خدا کے بندوں کو مت ستاؤ۔ سائل
کی حاجت پوری ہوگی تا کہ آگ کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔) مسلمانوں کو اولیاء اللہ کا
معتقد رہنے پر ترغیب دیتے اور ان کا شوق بڑھاتے تھے۔ کھانے پینے کے بارے
میں حد درجہ کا احتیاط برتتے تھے۔ ایک دفعہ بیمار تھے۔ اور طبیب نے گوشت کے رس
کے ساتھ غذا کھانے کی تجویز کی۔ انہوں نے ایک پاؤ گوشت منگوا کر اس کو جوش دیا۔
اور رس کے ساتھ روٹی کھائی گوشت کو اسی طرح رکھ کر چھوڑا اور چوبیس ۲۴ دن تک
اسی میں پانی ڈالتے گئے۔ اور ابال کر اسی پانی کے ساتھ روٹی کھاتے گئے۔ طبیب
کو کہتے تھے کہ روزانہ "آب گوشت" کے ساتھ غذا کھاتا ہوں۔ میں نے اپنے باپ
سے سنا ہے۔ کہ قحط کے دنوں میں ایک بدحواس بوڑھا راستے پر گرا ہوا تھا۔ اور حضرت
نارہ بلی روٹی کا اپنا حصہ لیکر اس کے سرہانے جاتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کے
منہ میں لوالہ لوالہ (لقمہ لقمہ) ڈال کر کھلاتے تھے۔ خود تو ہمیشہ دن کو روزہ دار اور رات کو
شب بیدار رہتے تھے۔ میں نے باپ کے کہنے پر نماز تراویح کی دو رکعتیں جو انہوں نے عجائب
سے باقی رکھی تھیں۔ ان کے پیچھے اقتدا کر کے گذاریں۔ ان دو رکعتوں میں انہوں نے سورۂ
بنی اسرائیل (نصف قرآن) سے شروع کر کے سورۂ ناس (ختم قرآن) تک قرأت کی۔ میں ایک
دن ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستے میں میری نظر انگوروں پر پڑی۔ دل میں انگور کھانے
کا خیال آیا۔ نفس نے انگور کھانے کی خواہش کی۔ کچھ قدم چل کر ایک مخلص کے گھر
میں گئے۔ صاحب خانہ سے کہا۔ فلانی بازار میں اچھے انگور دیکھے۔ یہ چھ پیسے لے لو
چار پیسوں کے انگور اور دو پیسوں کی روٹیاں لا کر دو۔ وہ دوڑ کر گیا۔ انگور اور روٹیاں
لا کر مجھے دیں۔ ایک دن میں جناب کے ساتھ شیخ اشرف کی قبر کی زیارت کو گیا۔ فتح
کدل تک راستے میں کسی نے ان کو سلام نہ کیا۔ اور نہ کسی نے خیر و عافیت پوچھی۔ گویا کسی نے
ان کو نہیں دیکھا۔ فتحکدل سے فاتحہ پڑھنے کے بعد واپس آئے۔ تو راستے میں سینکڑوں
لوگوں نے تسلیمات بجا لائے۔ ایک دن ایک مرگی والے نے راستے میں ان کا دامن پکڑ
لیا۔ اور یہ بری بلا دور ہونے کے لئے حد سے بڑھکر عجز و زاری کی۔ آنجناب فرمائے۔
جاؤ خانقاہ معلی کی کھڑکی کے نیچے کھڑے رہو۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی وہاں آؤں گا۔
اور حضرت امیر تمہارا علاج کرسکتے ہیں۔ وہاں گئے۔ اور اس مریض کے حق میں دعا کی

کی۔ دوبارہ کبھی اس کو مرگی نہ آئی۔ مختصر یہ ہے۔ کہ جناب حضرت شیخ احمد تارہ بلی کے حالات لکھنے کیلئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ یہاں تو نہایت ہی اختصار سے کام لینا پڑا اور لینا تھا ایک حد تک موزون طبیعت رکھتے تھے۔ اچھے شعر موزون کرتے تھے۔ نثر لکھنے میں کامل دستگاہ تھی۔ مقفی۔ رنگین اور برجستہ عبارت میں لکھتے تھے۔ تصوف اور سلوک پر "افضل الطرائق" ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو قابل مطالعہ ہے۔ ۱۳ رجب سنہ ۱۲۷۸ھ کو آخرت کا راستہ لیکر دنیا کو الوداع کہہ گئے۔ تارہ بل کے محلہ میں ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ مصنف نے یہ تاریخ لکھی :-

شیخ احمد حافظ قرآن و فخر عارفان! ÷ سیزدہ روز از رجب رفتہ علم زد در جنان
بہر تاریخ وصال و عمر و میلادش سر دستش ÷ دوش اندر گوشم بگفتا بشنو اے تاریخ دان!
شیخ احمد کبر دہی میلاد و عمرش عابد احمد ÷ شیخ احمد قاری سال وصال او بخوان

۱۲۰۱ — ۷۷ — ۱۲۷۸

شیخ محمد تارہ بلی

شیخ احمد تارہ بلی کے حقیقی بھائی اپنے جد بزرگوار شیخ مقیم کے شاگرد قاضی جمال الدین عالی کدلی اور شیخ اکبر ہادی کے تربیت یافتہ اور شیخ عبادی قاری کے مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات رکھتے تھے۔ نہایت موزون طبیعت رکھنے والے تھے۔ "مقامات حضرت خواجہ مشکلات رح۔ عقاید اسلامیہ۔ قصیدہ بردہ۔ قصیدہ بانت سعاد" کا منظوم ترجمہ نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ ۲ جمیدالثانی سنہ ۱۲۸۰ھ کو انتقال کیا۔ شیخ احمد کے مرگزار میں دفن ہوئے۔ "عشرون مہ حماد ثانی" تاریخ ہے۔

ملا ظہیر الدین پشلو

ملا شاہ اللہ پشلو کے بیٹے شیخ اکبر کے یاروں میں سے تھے۔ نہایت پرہیز گار اور خدا ترس تھے۔ آثار شریف (حضرت بل) کی مسجد کی امامت کرتے تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد شیخ احمد سے فیض پاتے رہے۔ ۲۷ ماہ رجب سنہ ۱۲۶۱ھ کو رحلت کی۔ حضرت بل میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:

محمد رفت با معنی بمعراج ÷ عبد الرسول

شیخ ثناء اللہ زویمزی کے بیٹے ملا عبدالغنی سلیمانی اور ملا عبداللہ کے شاگرد تھے۔ شیخ نعمت اللہ اشرفی سے بھی شرف قبولیت تھا۔ انہوں نے ان کی تربیت شیخ اکبر ہادی کی سپردکی۔ مدت تک ان کی خدمت میں تعلیم و تلقین حاصل کرتے رہے۔ شہاب شاہ قلندر۔ بابا عبدالوہاب تولہ مولی اور شیخ عبدالرحمان دنہ گامی سے بھی نظر عنایت تھی۔ اپنا حال کسی صورت میں ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ میں بھی جو ان کا واقف تھا ان کے حالات پر واقف نہ ہو سکا باوجود کس قدر عجز و زاری۔ منت و سماجت اور اصرار کے ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ ایک دن ایک زمیندار نے ان سے کہا۔ حضرت آپ تو میرے بیٹے کے ساتھ بھی بات نہیں کر سکتے ہیں۔ ان کو غصہ آیا۔ کہا۔ تیرے بیٹے کے ساتھ تو بات نہیں کر سکتا ہوں۔ شائد حضرت سلطان رح کی تلوار ٹوٹی ہے۔ اسی وقت اس زمیندار کا بیٹا زمین پر گر کر بیہوش ہو گیا۔ زمیندار ان کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ منت زاری کی۔ انہوں نے مٹی کا دانہ دیکر کہا۔ یہ اس کے بدن پر ملو۔ لڑکا ہوش میں آیا۔ اور ٹھیک ہو گیا۔ موزون طبیب والے تھے۔ "شیوا" تخلص کرتے تھے۔ "رسالہ مجموعہ شیوا" اپنے اسلاف کے تذکرے میں نظم کیا ہے رسالہ عجیب منظر الفنون میں رسالہ طرفہ قضا و قدر میں ایک اور رسالہ کرامات اولیاء اللہ ان کی منظوم تصانیف ہیں۔ ۵ جمیدالاول ۱۲۸۸ھ کو رحلت کر کے کھویہامہ کے گاؤں گامرد میں مقبرہ شیخ محمد مقیم میں آرام پائے۔ تاریخ ولادت۔ عمر اور وفات یہ ہیں۔

بلبل باغ قدم آمد و عابد بزیست ۞ سال وفاتش سر دش شہر نقارفت گوفت

شیخ احمد فرید

لعل شاہ مجذوب کے خلیفے صاحب صفا اور رند وضع صوفی تھے۔ عمر کو لوگوں کی فائدہ رسانی میں بسر کیا۔ ہندؤں میں سے کئی آدمی دلجوئی سے دائرہ اسلام میں لاکر بلند مرتبہ کے آدمی بنائے ۳ جمیدالثانی ۱۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

قاضی نور الدین قاری

قاضی جمال الدین کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ سید سعید اندرابی سے علم قرات کا استفادہ کیا۔ جعفر صاحب خانقاہی۔ نورہ صاحب فانیاری اور شیخ احمد تارہ بلی سے باطنی تعلیم اور تربیت پاکر کمال حاصل کیا

۲۴ صفر ۱۲۹۴ھ کو رحلت کی۔ اپنے باپ کے مزار میں دفن ہوئے۔

رحمان صوفی

کامراج کا زمیندار تھا۔ ازلی سعادت کے موجب خواجہ فخر الدین سے تربیت پائی اور ارشاد کا درجہ حاصل کیا۔ ریاضت کش اور پرہیز گار تھا۔ کاشتکاری کرتا تھا۔ آخر پر حضرت بل کی خدمتگاری اور مجاوری کے شوق سے ملہ باغ آکر سکونت اختیار کی۔ بلند پایہ کے طالب اور مرید رکھتا تھا۔ دعا قبول ہوتی تھی۔ لوگوں کو بڑی عقیدت تھی۔ اور یہ اس بات کو ناپسند کرتا تھا۔ لوگوں کی خدمت کمر باندھ کر کرتا تھا۔ ۰ شوال ۱۲۸۷ھ کو رحلت کی۔ ملہ باغ میں دفنایا گیا۔ اس کا بھائی عثمان صوفی بھی پرہیز گار اور پرلے درجے کا صالح تھا۔ وہ بھی اسی کے مقبرے میں دفن ہوا۔

صدیق بابو

دودھ گوجری تھے۔ خداداد توفیق سے صاحب ارشاد لوگوں سے تربیت پاکر خیر و سعادت کی پونجی جمع کی۔ خدمت خلق سخاوت اور ریاضت میں عمر گذار کر چاڈگل میں دفن ہوئے۔

آخون زادہ نور اللہ

افغانی مالدار تاجر تھے۔ سرافراز شاہ مستانہ کی کیمیا اثر نظر سے ترک دنیا کرکے مال و دولت کو نام مولیٰ پر دیکر یاد خدا میں لگ گئے۔ ایک دن سرافراز شاہ نے صراف کدل کے حمام میں توجہ دیکر غلبۂ حال سے انہیں بے ہوش کر دیا۔ اور چٹائی میں لپیٹ کر چھوڑ دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد آکر چٹائی سے نکال دیا۔ یہ اسی طرح بیہوش تھے۔ ایک لات مار کر ان کو ہوش میں لایا۔ اور اس کے بعد مدت تک بیہوشی میں رہے۔ مرشد کی وفات کے بعد ہوش کے عالم میں آئے۔ آثار شریف میں تنہا نشین ہو گئے۔ شریعت کی پوری پابندی کرنے لگے۔ کبھی کبھی لوگوں کو منہ دکھاتے تھے اور اپنے صحن سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ یہاں تک کہ موی مبارک کی زیارت کیلئے بھی کبھی باہر نہ نکلے۔ کھانے پینے کا کوئی چیز نہ کھاتے تھے۔ صرف آدھ سیر دودھ پی کر افطار کرتے تھے۔ میووں میں توت کھاتے تھے۔ ان کا چہرہ چمکتا تھا۔ اور نورانی تھا۔ ۸ جمیدالثانی ۱۲۹۶ھ کو رحلت فرمائی۔ حضرت بل میں دفن ہیں۔

بابا اعظم کبروی

بابا محمود دگنائی کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ پرہیزگار اور صاحب مجاہدہ تھے۔ بابا محمد دلی سے بھی فیض پاتے رہے۔ آخر عمر میں مغلوب حال ہو گئے تھے۔ سکالی پورہ کے محلہ میں دفن ہیں۔

شیخ احمد پشلو

مُلا حیدر پشلو کے قابل فخر بیٹے تھے۔ ظاہری اور باطنی دونوں علموں میں اپنے باپ کے شاگرد تھے۔ ایک قلندر سے بھی نظر عنایت تھی۔ اور باطنی فیض ان سے حاصل کرتے رہے۔ پھر شیخ احمد تارہ بلی کی خدمت میں جاکر طریقہ قادریہ۔ نقشبندیہ۔ سہروردیہ اور کبرویہ کے مجاز بنے۔ ان کی صحبت اور تعلیم سے اچھی طرح سے فیضیاب ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد پشاور جاکر جان محمد سے طریقہ چشتیہ کا ارشاد حاصل کر کے واپس آئے۔ اسکے بعد گوشہ نشین ہو کر مجاہدہ۔ مشاہدہ اور پرہیزگاری۔ خدا ترسی میں زندگی کے دن پورے کئے۔ غرہ ذالحجہ سنہ ۱۲۹۶ھ کو انتقال فرمایا۔ علاقہ بانگل کے گاؤں کانہامہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔ "شیخ احمد بزرگ اکمل بود"

شیخ مصطفےٰ رفیقی

شیخ طیب رفیقی کے بیٹے اور خلیفہ ظاہری اور باطنی علموں میں ممتاز۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی میں سرفراز تھے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر فائدہ رسانی اور فیض دہی میں عمر گذاری۔ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۴ھ کو رحلت کی اور باپ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے "غوث لاریب" (غوث کے عددوں سے ۱۵۱۶ ریب کے اعداد ۲۱۲ نکالو)

شیخ احمد ترالی

تیلیوں کے خاندان سے تھے۔ مولوی غلام الدین مفتی سے معمولی تعلیم حاصل کی تھی۔ ازلی خوش نصیبی سے شیخ محمد منور حلبی کے مُرید صدیق خان کی خدمت میں جاکر سلسلہ کبرویہ کا ارشاد حاصل کیا۔ پھر دہلی جاکر مولوی اسحاق سے علم حدیث کا پورا مطالعہ کیا۔ احمد سعید سے تربیت پاکر معرفت کے چراغ کو روشن کر کے ابدی سعادت حاصل کی۔ کچھ برس بعد کشمیر آکر لوگوں کی

رہبری اور فائدہ رسانی میں مشغول ہو گئے۔ "ناسوار" کے حرام ہونے پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کو وقت کے عالموں نے وقعت نہ دی۔ آخر عمر میں حج کر کے آئے۔ ۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۹۶ھ کو رحلت کی۔ ترال کے قصبہ میں دفن ہیں۔

شیخ احمد لسّوی

بابا علی لسوی کا کے بیٹے اور قاضی جمال الدین عالی کدلی کے مرید تھے۔ دوسرے بزرگوں سے بھی صحبت تھی۔ پرہیزگار اور خداترس بزرگ تھے۔ ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ کو رحلت کی۔ اپنے اجداد کے مزار میں دفن ہوئے۔

شیخ عماد الدین رفیقی

شیخ محمد اسلم رفیقی کے پوتے مولوی مقبول بانہجی۔ شیخ احمد واعظ اور مولوی قلندر علی کے شاگرد تھے۔ شیخ احمد تارہ بلی اور درویش مشتاق سے باطنی تعلیم اور تربیت حاصل کی تھی۔ تنہائی اور گوشہ نشینی۔ پرہیزگاری اور خداترسی میں عمر گذاری۔ علم حدیث کے عالم تھے۔ حدیثوں کی کتابوں کو زیادہ لکھتے تھے۔ آخر عمر میں حج کو گئے۔ خانہ کعبہ اور روضہ مطہرہ کی زیارت کی۔ وہاں کے عالموں سے علم حدیث کی سند حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ ۷ رمضان سنہ ۱۳۰۰ھ کو رحلت کی۔ اپنے جدّوں کے مزار میں دفنائے گئے۔ "رضی اللہ والنبیؐ عنہ" تاریخ ہے۔

شیخ اسد اللہ رفیقی

شیخ اسلم رفیقی کے بیٹے شیخ محمد ابراہیم کے بیٹے تھے۔ وقت کے نیکوکاروں اور صالحوں میں سے تھے۔ تنہائی مجردی۔ گوشہ نشینی۔ پرہیزگاری اور خداترسی کی عمر بسر کی۔ ۸ محرم سنہ ۱۳۰۵ھ کو انتقال کیا۔ اجداد کے مزار میں دفن ہوئے۔

قاضی غلام الدین

قاضی جمال الدین عالی کدلی کے پوتے شیخ احمد تارہ بلی کی بہن کے بیٹے تھے۔ ظاہری اور باطنی علموں میں ممتاز تھے۔ حسن اخلاق اور نیک کرداری میں بے مثل تھے۔ تعلیم اور درس قراتوں میں

کلام اللہ زبانی یاد کرنے سے فارغ ہونے کے بعد شیخ احمد تارہ بلی سے۔ خواجہ امیر الدین پکھیوال سے۔ شیخ محمد ولی زہگیر اور دوسروں سے سلوک کے آداب کی تعلیم و تربیت پاکر خیر و سعادت کا سرمایہ جمع کیا۔ اور زندگی کے چراغ کو صلاحیت اور بہبودی کا تیل ڈال کر روشن کیا۔ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۰۷ھ کو رحلت کر کے حضرت شیخ احمد تارہ بلی کے مزار میں دفن ہوئے۔ "آہ آفتاب عابدین رفت" تاریخ ہے۔

شیخ محی الدین

شیخ محمد مقیم زدیمزی کے دل پسند بیٹے شیخ محمد ولی زہگیر کے مرید تھے۔ یہاں کے روشن دل مشائخوں اور اصناف باطن بزرگوں سے صحبت اور دوستی تھی۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ ریاضت اور عبادت میں عمر گذار کر ۹ شوال ۱۳۰۹ھ کو عالم بقا کو سدھارے۔ ان کی نعش کو ملہ کھاہ میں سپرد کیا گیا۔ تاریخ ہے: "مکانش بخلد برین"۔

شیخ محمد سعید

شیخ محمد تارہ بلی کے قابل فخر اور گرانمایہ بیٹے تھے۔ فاضل اور کامل مرد خدا تھے۔ اپنے چچے شیخ احمد تارہ بلی۔ شیخ عبداللہ ترالی۔ شیخ محمد ولی زہگیر امیر الدین پکھیوال اور شیخ احمد ترالی سے باطنی تعلیم اور طریقت کی تربیت حاصل کی۔ سادہ و منع تھے۔ صلاحیت۔ پرہیزگاری اور نیکوکاری کے مجسمہ تھے۔ ۱۸ شوال ۱۳۰۹ھ کو ہیضہ کی بیماری کا شکار ہوئے۔ شیخ احمد کے مقبرے میں ان کی نعش کو حوالہ خاک کیا گیا۔ تاریخ حسن سے :-

خامۂ تاریخ سال رحلت او ٭ بود "شیخ انور اسعد" بنوشت!

تمام شد خمیس سیوم

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ آمین۔

احقر العباد :-

پیر عبدالکبیر۔ ابن عبدالعلی سوپوری ثم کران نگری سرینگر کشمیر!

دلش چون نام او پر نور دیدم
بہ آن نور محمد در ہمہ کار !!

بحسن سعی :-

٭ خواجہ نور محمد فرزند خواجہ غلام محمد مالک کوہ نور پریس امیرا کدل۔ سرینگر کشمیر!

٭ زنور سرمدی مسرور دیدم!
٭ مراد از اہیشں حق منظور دیدم!

چوتھا حصہ عالموں اور فاضلوں کے بیان میں

مُلا احمد علامہ

بہت بڑے عالم تھے۔ دنیا کے ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے کرتے راجہ سہہ دیو کے زمانے میں سید شرف الدین رح کے ساتھ کشمیر آئے۔ اسلام پھیلانے میں بہت کوشش کی۔ صاحب ہمت اور طبیعت کی خوبی رکھتے تھے۔ سلطان شمس الدین کے وقت میں شیخ الاسلام کا خطاب پاکر سلطان شہاب الدین کے آخری عہد تک ہزاروں کو دائرہ اسلام میں لائے۔ مدرسے جاری کئے۔ اور بے شمار لوگوں کو تعلیم سے بہرہ ور بنایا۔ سلطان شہاب الدین۔ قطب الدین اور میرزا حسن وغیرہ انہیں کے شاگرد تھے۔ سلطان شہاب الدین کے اشارے پر "فتاوای شہابی" علم فقہ میں تالیف کی۔ علم باطنی سے بھی باخبر تھے۔ کہتے ہیں کہ سید بلبل شاہ ان کے پیر صحبت تھے۔ سلطان کیلئے رسالہ "شہاب ثاقب" علم تصوف میں انہیں کی تصنیف ہے۔ فاضل عالم اور باعمل ہونے کے علاوہ صاحب حال وقال اور کمال بھی تھے۔ سید بلبل شاہ کے مقبرہ میں وفات کے بعد دفن ہوئے۔

مُلا محمد علامہ

مُلا احمد کے نیک بخت بیٹے تھے۔ زبردست عالم تھے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد شیخ الاسلام کے بڑے عہدے پر قابض ہوئے۔ جھگڑوں کے فیصلے کرنے میں صاحب کمال تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے کسی اور عورت کا بیٹا چرایا۔ کئی سال گذرنے پر ایک دن ماں نے راستے میں بیٹے کو پہچان لیا۔ دونوں عورتوں میں جھگڑا ہوا۔ دونوں نے کہا بیٹا میرا ہے۔ دونوں نے بطنی بیٹا ہونے پر شہادتیں گذاریں۔ مولانا حیران ہوئے کہ ماجرا کیا ہے۔ اور فیصلہ کیونکر ہوگا انہوں نے حکم دیا۔ کہ آگ جلائیں اور لڑکے کو اسی میں ڈالیں تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ یہ حکم سنکر چرانے والی عورت پر چنداں اثر نہ ہوا۔ لیکن اصلی ماں پریشان حال ہو گئی۔ شور مچائی اور لڑکے سے دستبردار ہو گئی۔ مولانا نے لڑکا اسی کے حوالے کیا۔ یہ بھی مشہور تھا۔ کہ مولانا کا فرمانبردار ایک جن (بھوت) تھا۔ اور وہ ان کو لوگوں کے اچھے اور برے کرتوتوں سے خبردار کرتا تھا۔ چنانچہ ایک آدمی نے ایک دن سلطان سکندر کے پاس مولانا کی شکایت کی۔ اس جن نے

مولانا کو اسی دفت حبز دار کیا۔ مولانا سلطان کے پاس گئے۔ اور شکایت کرنے والے کو ملامت کی۔ اور سلطان کو تسلی دی۔ ۸۱۵ھ میں رحلت کی۔ باپ کے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔

مُلا افضل بخاری

بخارا کے کامل اور فاضل عالموں میں سے تھے۔ سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر کو رونق بخشی سلطان نے تعظیم و تکریم اور خدمت گذاری جیسی چاہئے تھی بجا لائی۔ موضع ناگام جاگیر میں دیدیا۔ مسجد جامع کے سامنے پتھر کا مدرسہ تعمیر کرایا جس میں بیٹھکر مولانا لوگوں کو تعلیم سے مستفید بناتے تھے۔ سید تاج الدین کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

مُلا احمد کشمیری

ملا احمد علامہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ ملا افضل بخاری کے پاس تعلیم پاکر نہ صرف ہم جماعتوں بلکہ اوروں پر بھی فضیلت حاصل کرکے سلطان زین العابدین کے مصاحب۔ وزیر۔ زبان آور رئیس۔ بار اور محرم راز ساتھ تھے۔ بلند پایہ کے شاعر تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں بڑی شان رکھتے تھے ان کی طبیعت کی تیزی اور خوبی کا تذکرہ سلطان زین العابدین کے حالات میں کیا گیا ہے۔ تاریخ وقائع کشمیر۔ ترجمہ مہابھارت اور دوسرے بہت سے رسالے تصنیف کئے ہیں۔ مزار سلطان میں دفن ہیں۔ لیکن قبر کا نشان اب معلوم نہیں۔

مُلا حافظ بغدادی

عالم باعمل اور فاضل اکمل تھے۔ سلطان زین العابدین کے عہد میں کشمیر وارد ہوئے۔ طالب علموں اور طالبان راہ خدا کو فائدہ مند بناتے رہے۔ سلطان کے مصاحبوں اور ہم مجلسوں میں سے تھے۔ ملا کبیر کے مقبرے میں دفن ہیں۔

مولانا کبیر

سلطان زین العابدین کے استاد تھے۔ پرہیزگار اور اچھے اعتقاد والے تھے۔ بچپن میں ہرات جاکر تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ علم کے تمام شعبوں میں کامل دستگاہ حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوگئے

سلطان زین العابدین نے بڑے ٹھاٹھ اور شان و شوکت سے بلا کر نوشہرہ میں اپنی خاص محل سرا کے متصل ان کے رہنے کی قرارگاہ مقرر کی۔ شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا۔ اور اسی جگہ مدرسہ تعمیر کرایا۔ مدرسہ کے طالب علموں کے وظیفہ کے لئے ناگام کے علاقے سے کچھ گاؤں وقف کئے۔ مولانا نے اسی مدرسہ میں تعلیم پڑھانے اور اشاعت اسلام کرنے میں عمر بسر کی۔ اور اسی کے متصل دفن ہیں۔

مولانا قاضی جمال الدین

بڑی فضیلت اور کمال کے عالم باعمل تھے۔ ہندوستان سے آکر خانقاہ فیض پناہ کبرویہ میں یاد خدا اوراد اور وظایف میں وقت گذاری کرتے تھے۔ ان کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کا شہرہ پھیل گیا۔ اور رفتہ رفتہ بادشاہ سلطان زین العابدین تک پہنچ گیا۔ بادشاہ انہیں اپنے پاس بلا کر مسلمانوں کے جھگڑے فیصلہ کرنے کا کام سپرد کیا۔ اور انہوں نے جس دیانت اور ایمانداری سے مقدمات فیصلہ کرنے کا کام انجام دیا۔ وہ آج تک مشہور ہے۔

ملا پارسا

عالم باعمل اور صاف باطن ہونے کے علاوہ بلند پایہ کے اہل قلم تھے۔ بخارا سے آئے تھے۔ مدرسہ سلطانی میں تعلیم پڑھاتے تھے۔ بادشاہ ان کی خدمت گذاری اور فرمانبرداری بہت کرتے تھے۔ جاگیریں بھی دی تھیں۔ نوشہرہ میں دفن ہیں۔

مولانا قاضی میر علی

سلطان زین العابدین کے زمانے میں بخارا سے آئے۔ عقلی اور نقلی علموں کے سربلند عالم تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں کوئی بھی ان کے ساتھ پورا نہ اترتا تھا۔ علم تصوف اور توحید کے عالم بھی تھے۔ دین پناہ بادشاہ نے ان کے فضیلت اور ان کے کمال کو دیکھ کر انہیں یہاں کا "قاضی" بنا دیا۔ اور کچھ گاؤں جاگیریں عطا کئے۔ ان کی اولاد آج تک یہاں صلاحیت پرہیزگاری۔ فضل و بزرگی اور فصاحت و بلاغت کے نمونے ہیں۔ ان کی ذریت میں سے بعضوں نے صوبیداری اور قضا گری کے عہدوں پر بھی قبضہ جمایا۔ سیادت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مولانا رضی الدین

بہت بڑے عالم فاضل فصاحت اور بلاغت کیلئے مشہور تھے۔ فقہ اور حدیث کے مسلم الثبوت اُستاد مانے جاتے تھے۔ میرزا حیدر کے کشمیر پر قبضہ جمانے کے زمانے میں قطب الدین پورہ کے مدرسہ کے مدرس اعلیٰ تھے۔ علم کے ہر شعبہ میں خامہ فرسائی کی ہے۔ اور ان کی تصنیف کی ہوئی کتابیں بلند پایہ کی خیال کی جاتی ہیں۔ ملا میلچی کے خسر تھے۔ شیخ بابا داؤد خاکی۔ ملا شمس الدین پال وغیرہ جیسے چوٹی کے عالم انہی کے شاگرد تھے۔ سنہ ۹۵۶ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہے:۔ میر درسجادہ جان سپرد بحق۔

مولانا کمال الدین

قاضی میر علی کے بیٹوں میں سے تھے۔ قاضی موسیٰ شہید کے چچے اور قاضی خاندان کے جد بزرگوار یہی ہیں۔ عالم باعمل اور صاحب کمال تھے۔

مولانا لونی گنائی معروف بہ مُلا میلچی

بابا عثمان ادچپ گنائی کے پوتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خود بھی تعلیم پڑھانے لگے تعلیم وتدریس اور اشاعت شرع میں بے بدل عالم تھے۔ طریقت اور معرفت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ملاشن پورہ میں دفن ہیں۔

مُلا شنگرف گنائی

بابا عثمان ادچپ گنائی کے پوتوں میں سے تھے۔ بلند مرتبہ کے عالم تھے۔ عقل و فراست اور دانشمندی کے پتلے تھے۔ یہاں کے رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ حج کو گئے۔ اور ابن حجر مکی سے صحاح ستہ (حدیثوں کی چھ صحیح کتابیں) کے حدیثوں کی سند حاصل کی۔ ملاشن پورہ میں ملا میلچی کے مقبرے میں دفن ہیں۔ (شنگرف کشمیری نام ہے۔ گنائی کشمیری میں لکھنے والے کو کہتے ہیں۔ اب یہ لفظ متروک ہے۔ صرف ذات کے طور پر نام کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ شرفا کے ساتھ کمینوں اور ڈوموں کی ذات بھی گنائی ہے۔)

قاضی ابراہیم

قاضی میر علی کے بیٹے قاضی سکندر کے بیٹے تھے۔ قاضی ہیدیہ کے اکثر قبیلے ان ہی کے پوتوں میں سے ہیں۔ فاضل اور عالم بحر تھے۔ میرزا حیدر کے عہد کے "قاضی" (چیف جسٹس) تھے۔ میر شمس عراقی کا بیٹا میر دانیال ان ہی کے حکم سے مارا گیا۔ اور اسی وجہ سے اہل تشیعہ کے دلوں میں ان کی دشمنی نے جڑ پکڑی تھی جس کے بدلے میں شیعوں نے قاضی موسیٰ کو شہید کرایا۔ شہادت کا حال دوسرے حصے میں حسین شاہ چک کے بیان میں موجود ہے۔

مُلا عبدالوہاب

مُلا فیروز دانشمند کے ارجمند فرزند تھے۔ بہت بڑے عالم فاضل اور صاحب قلم تھے۔ علم معمّا (باتوں پیچیدہ کرکے بیان کرنا) اور دوسرے فنون پر رسالے لکھے ہیں۔ توفی۔ تعریف فی التصوف۔ بشرح مواقف اور شرح شمسیہ منطق پر حاشیئے (خاص الفاظ یا خاص باتوں کو آسان کرنا) لکھے ہیں۔

قاضی موسیٰ شہید

قاضی میر علی کے اولادوں میں سے تھے۔ علم ظاہری کے بلند درجے کے عالم ہونے کے ساتھ علم باطنی میں بھی فاضل اور کامل تھے۔ مسجد جامع کی چھت کی مرمت بڑی رقم خرچ کرکے کرائی۔ چونکہ کشمیر کے قاضیوں (مذہبی ججوں) کے عہدے کا تعلق قاضی میر علی کے زمانے سے اسی خاندان کے ساتھ تھا۔ اسلئے علم و فضل، جاہ و حشمت اور مال و دولت کی برکتیں کئی پشتوں تک اس خاندان سے وابستہ رہیں۔ جب یعقوب خان چک نے حکومت کشمیر پر مستقل طور پر اپنے پاؤں جمائے۔ اس نے قاضی موسیٰ کو حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو اذان میں "عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ" فقرہ پڑھنے کا حکم جاری کریں چونکہ یہ امر خلاف سنّت تھا۔ (یہ فقرہ نبی کریم صلعم کے زمانے میں۔ خلفا اور صحابیوں کے زمانے میں اور تابعین کے زمانے میں بھی اذان میں شامل نہ تھا۔) قاضی موسیٰ نے پروا نہ کرتے ہوئے ایسا حکم جاری کرنے سے انکار کیا۔ یعقوب خان نے قاضی کو وزیروں اور امیروں کے روکنے کے باوجود شہید کرایا۔ اور ان کے جسم کو ہاتھی کی دم کے ساتھ باندھ کر شہر میں گھسیٹوایا۔ جب ہاتھی نے ان کی لاش گھسیٹتا ہوا ان کے گھر کے دروازہ پر پہنچا۔ ان کی والدہ نے اپنا دوپٹہ ان کے سر پر ملا کر خدا کا شکر

گیا۔ کہ ان کا بیٹا سبحانی کیلئے راہ حق میں شہید ہوا۔ کہتے ہیں کہ طوفان کی آندھی اسی وقت چلی۔ اندھیرا ہوا ہوگیا۔ بجلیاں چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ اولے برسنے لگے۔ شہر پر قیامت برپا ہوگئی یعقوب خان کے گھر پر بجلی گری۔ اس کے وزیر علی ڈار کی بیوی اور تین چار عورتیں اس کے ساتھ جل کر کوئلہ ہوگئیں۔ بہت سے لوگ بے ہوش ہوگئے۔ مالی اور جانی نقصان کا اندازہ بہت زیادہ تھا۔ یہ عبرتناک واقعہ سنہ ۱۹۳ھ ہوا۔ قاضی کا مقبرہ محلہ کھاہ میں مشہور ہے۔

مُلا حاجی گنائی

شیخ یعقوب صرفی کے شاگرد تھے۔ عالم فاضل اور محقق کامل تھے۔ سلطان قطب الدین کے مدرسہ میں مدرس تھے۔

مُلا حاجی بانڈے

یہ بھی حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی کے شاگرد تھے۔ پرہیزگار عالم باعمل تھے۔ فتوای دینے کا کام بھی کرتے ہیں۔ اپنے وقت کے بزرگ مانے جاتے تھے۔ گانکھن کے بانڈے ان کی اولاد سے ہیں۔

قاضی محمدؐ صالح

قاضی شہید کے مایۂ ناز بیٹے تھے۔ عالم باعمل اور بلند درجہ کے فقیہ تھے۔ (قانون شرع جاننے والا) سید میر خان کی بیٹی نکاح میں تھی۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ جب چکوں کا خاتمہ ہوا اور کشمیر کا الحاق دہلی کے ساتھ ہوگیا۔ مولانا قاضی محمد صالح کو لیاقت اور حق وراثت کے موجب "قاضی" ملک کے اعلیٰ عہدے پر تعینات کیا گیا۔ اور نہایت دیانت داری سے احکام شرعی اور فیصلے جاری کرتے رہے۔ بہت نیک نام قاضی تھے۔

مُلا محمدؐ رضا معروف بہ حکیم دانا

مولانا کمال الدین سیالکوٹی کے دل پسند بیٹے تھے۔ بہت اونچے درجے کے عالم تھے۔ بادشاہ جہانگیر کے دربار میں رسائی تھی۔ جو مناظرہ بادشاہ جہانگیر نے سنیؐ اور شیعہ عالموں کے درمیان امتحان کے طور پر کرایا تھا۔ اس میں مولانا سنیؐ عالموں کے سرگروہ تھے۔ اور مولانا نے مُلا حبیب اللہ کے اتفاق سے شیعہ عالموں کو لاجواب کرکے دانت کھٹے کر دیے۔

جمالہ ڈمیں ان کا مقبرہ ہے۔

ملا حبیب اللہ

گنائی کے بڑے خاندان سے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی مولوی فاضل کے نام سے شہرت پائی۔ اور اس میں شک نہیں کہ علمیت اور فضیلت میں ان کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ اعلیٰ درجے کے محقق تھے۔ مشکل سے مشکل باتوں کو آسانی سے حل کر سکتے تھے۔ شاہجہاں آباد گئے۔ اور جہانگیر کی صحبت سے فائدہ مند ہوئے۔ سنّی اور عالموں کے مناظرہ اور بحث و مباحثہ میں مُلا محمد رضا کی حوصلہ افزائی اور امداد سے شیعہ عالموں کو شکست دیکر چاروں شانے چت گرایا۔ انشا املا اور خط نستعلیق (خوشخط لکھنا) میں صاحب کمال تھے۔ علیہ الرحمہ

قاضی ابوالقاسم[۳]

مُلا جمال الدین سیالکوٹی[۳] کے بیٹے (جن کا تذکرہ تیسرے خمس میں کیا گیا ہے) اور قاضی موسیٰ شہید کے بیٹے قاضی محمد صالح کے داماد تھے۔ اپنے والد بزرگوار اور چچے سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دوسرے فاضل عالموں کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کر کے علم کے تمام شعبوں میں سند فضیلت حاصل کی۔ کشمیر کے "قاضی" مقرر ہوئے۔ طبیعت کی جودت اور عقلی خیالات میں بے نظیر تھے۔ مقدموں اور جھگڑوں کے فیصلے دیانت اور دینداری سے انجام دیتے تھے۔ تقریر اور تحریر میں لاثانی تھے۔ موضع صفاپورہ میں مانسبل جھیل کے مشرقی ساحل پر ایک باغ لگوایا تھا جس کو قاضی باغ کہتے ہیں۔ ملہ کھاہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہی دفن ہیں۔

مُلا حبیب میرعدل

مُلا حاجی گنائی کے شاگرد تھے۔ ان کے پاس نقلی اور عقلی علموں میں کمال حاصل کرنے کے بعد ہندوستان چلے گئے۔ اور وہاں کے بڑے عالموں کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ وہاں سے واپسی پر قاضی صالح کے ساتھ "میرعدل" کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اور عدالت کے محکمہ میں مقدموں کی سماعت اور فیصلے کرتے تھے۔ تفسیر پڑھانے سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ملا ابوالفتح کلو۔ ملا طاہر کوجائی۔ ملا یوسف خاموش۔ شیخہ میرجو اور ملا حیدر راتھور ان کے شاگرد تھے۔

مُلا علی پوستک

بہت بڑے عالم تھے۔ جہانگیر بادشاہ کے پاس عزت اور قرب رکھتے تھے۔ بادشاہ نے ایک دن خوش طبعی میں دل لگی کے طور پر دربار میں "پوستک صاحب" کہہ کے مخاطب کیا۔ اب کیا تھا۔ ہر ایک پوستک کہنے لگا۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ شاعر تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔ تاریخ وفات ہے: روای لپستِ بلند ہمت کو: سنہ ۱۰۳۶ھ

مُلا حیدر گنائی

شنگرف گنائی کے پوتوں میں سے۔ شیخ ابراہیم کے داماد تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کے عالم فاضل تھے۔ باطنی ذوق سے بھی خالی نہ تھے۔ اپنے اجداد کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

مُلا حسین گنائی

بہت بڑے عالم تھے۔ جامع مسجد کے ساتھ ہی رہائش کرتے تھے۔ ملک جلال ٹھاکور کی خانقاہ میں تعلیم پڑھاتے تھے۔ بے شمار طالب علموں نے ان سے تعلیم پا کر علم کی پیاس بجھائی۔

خواجہ عبداللہ غازی

علم کے تمام شعبوں میں خصوصاً علم طب میں کامل فاضل تھے۔ علم طب میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ کشمیر میں علم طب اور اس کا طریقۂ عمل آج تک ان ہی کا اختیار کیا ہوا طریقہ ہے۔

مُلا حیدر رائتور

لاثانی عالم فاضل اور صاحب قلم تھے۔ اس زمانے کے اکثر عالم ہندوستان کے ان کے شاگرد تھے۔

مُلا فاضل

معقول اور منقول کے عالم بحر تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں وقت کے فاضل تھے۔ بڑے محقق تھے۔ باریک باتوں اور نازک مسئلوں کے حل کرنے میں کامل مہارت رکھتے تھے

مُلا عبدالرزاق بانڈی

مُلا فاضل کی بہن کے لڑکے تھے۔ بہت بڑے عالم اور صاحب تحریر تھے۔ شرح تحرید پر حاشیہ لکھتے تھے۔ فرماتے تھے دانشمند عالم کی تالیف کو پڑھنا بھی آسان نہیں سمجھنے کی تو بات ہی نہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد شاہجہاں نے ان کو مدرسۂ کابل کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔ راتوں کو محاکمات (فیصلے) پر رد لکھتے تھے۔ آخر پر انہیں دماغ کا خلل پیدا ہوا۔ ایک دن چھری سے اپنے گلے کو زخمی کیا۔ شاگردوں نے علاج کیا۔ اور کشمیر روانہ کیا۔ کشمیر پہنچکر انتقال کیا۔ محلہ گوجوارہ میں دفن ہیں۔

مُلا ابوالحسن معروف بہ شاہم بابو

پرلے درجے کے عالم فاضل تھے۔ تفسیر بیضاوی زبانی یاد تھی۔ مُلا عبدالحکیم کو رد کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے عالموں کو خیال میں نہیں لاتے تھے۔ اور مجلس میں بھی ان کے ساتھ زیادہ الفت نہ کرتے تھے۔ صاحب علم ہونے کا خیال حد سے زیادہ تھا۔

مُلا علی الماس

ملا الماس کے بھتیجے اور جوہر ناتھ کے منظور نظر شاگرد تھے۔ بابا نصیب الدین غازی کے مرید تھے۔ اور ان کی نظر فیض اثر رکھتے تھے۔ صاحب فضیلت اور کمال تھے۔ علاقہ بانگل کے گاؤں دگمنہ میں دفن ہیں۔

مُلا حاجی طوسی

ملا جوہر ناتھ کے شاگرد تھے۔ بے نظیر عالم اور صاحب قلم تھے۔ علم کے تمام شعبوں میں خاص کر ریاضی۔ نجوم اور اسطرلاب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ خواجہ خاوند محمود نقشبندی کے ساتھ صحبت تھی۔ مُلا جمال الدین کی قبر کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔

مُلا یوسف کاوسو

ہر علم اور ہر فن میں صاحب کمال اور بے نظیر تھے۔ شاہجہاں کے امیروں کے توسل سے بادشاہی لشکر کے

ساتھ ہندوستان روانہ ہوئے۔ جب شاہی محل نے پیر پنجال کی چوٹی پر خیمے نصب کئے اسی جگہ پر بادشاہ رُوم کا مراسلہ حضور شہنشاہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خط کا جواب ابھی لکھکر بھیجا جائے۔ لیکن حضور کے منشیوں میں سے وہاں پر کوئی حاضر نہ تھا۔ ملا یوسف کے سرپرست نے بادشاہ سے عرض کی۔ کہ میرے ساتھ کشمیر کا ایک مُلّا ہے۔ اگر اجازت ہو تو وہ جواب لکھے گا۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ ملا یوسف نے نہایت اختصار۔ فصاحت وبلاغت اور ابہام (ذو معنی۔ اصلی معنی پوشیدہ رکھنا) سے خط کا جواب لکھکر حضور میں پیش کی۔ بادشاہ دیکھکر خوش ہو گئے۔ اور ملا یوسف حضور کے منشیوں میں داخل ہوئے۔ ہندوستان کے فاضل عالموں کے ساتھ مباحثوں میں حصہ لینے کے موجب دربار سے روشناس ہو گئے کچھ مدت کے بعد صدارت کشمیر پر مقرر ہو کر یہاں آئے۔ اور طالب علموں کو جمع کر کے تعلیم پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔ بے شمار لوگ مستفید ہو گئے۔

علی مردان خان کی گورنری کے زمانے میں قحط کے واقعہ میں لوگوں نے مہادیو بٹ کارہ کے گھر کو آگ لگا کر غارت کیا۔ جب اس واقعہ کی رپورٹ بادشاہ کے گوش گذار ہوئی۔ تو انہوں نے کشمیر کے امراء اور اراکین کو حضور میں طلب کیا۔ اور مُلا یوسف بھی اس گروہ میں شامل تھے بادشاہ نے ملا یوسف سے مہادیو کے فساد کی حقیقت پوچھی۔ اس نے دانائی کے تقاضا کے موجب یوں بات شروع کی۔ "حضور حقیقت یہ ہے۔ کہ ظاہر طور پر لوگوں سے اور مہادیو سے کوئی قصور نظر نہیں آتا ہے۔ لیکن" بادشاہ "لیکن" پر بولے کہ "نہ تو مہادیو سے اور نہ عوام سے کوئی قصور واقع ہوا۔ پھر قصور میرا ہے جس نے تم جیسے بیہودہ اور احمق سے حقیقت دریافت کی۔" ملا یوسف شاہی قہر سے بے ہوش ہو گئے۔ اور اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور اسہال کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔

مُلا حسن گوجو

بہت بڑے عالم فاضل تھے۔ تفسیر بیضاوی پر جو حاشیہ (تشریح) انہوں نے لکھا ہے۔ بہت مفید ہے۔

مُلا باقر صباغ

ایران جاکر تحصیل علوم میں کمال حاصل کیا۔ معقولات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔

ملا باقر نارہ للو

ملا باقر صباغ کے شاگرد تھے۔ علم معقول میں بلند پایہ کے عالم تھے۔ ہندوستان گئے۔ ملا عبدالحکیم اور دوسرے عالموں کو مباحثہ اور مناظرہ میں ہر جگہ شکست دی ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی۔

ملا یوسف چچک

بے نظیر عالم اور کمال کے صاحب تحریر تھے۔ حضرت خواجہ خاوند محمود کی خدمت میں کثرت سے جاتے تھے۔ اور علم تفسیر اور فقہ کے مشکل مسائل کا حل ان سے پوچھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں کوئی ان کو نہیں پچھاڑ سکتا تھا۔ ان کا بیٹا ملا عبدالغنی بھی دانا۔ ہوشیار اور گراں قدر عالم تھا۔

قاضی عبداللہ زہگیر

علمی کمالات میں لاثانی تھے۔ اور شاہجہاں کے عہد میں حقانی مفتی تھے۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں میں ملا جلال الدین کا پوتا قاضی ابوالقاسم کشمیر کا قاضی تھا۔ اور عدالت کے دن صدر الصدور کے توسل سے ملا احمد طاہر ٹنگ نے بادشاہ کے سامنے ابوالقاسم سے مسئلہ پوچھا۔ "کہ ایک آدمی نے قسم کھائی ہے۔ کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا۔ ایک دن وہ بھوکا گھر آیا۔ طاپچے پر دسترخوان لپیٹ کر نظر آیا۔ اور گھر والوں سے کہا اگر اسمیں کوئی کھانے کی چیز ہے تو مجھے دیدو۔ چونکہ گھر والوں کو خبر تھی کہ اسنے قسم کھائی ہے۔ کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا۔ انہوں نے دسترخوان طاپچے سے اتار کر دیدیا۔ اسنے غصے میں آکر پھر قسم کھائی اگر میں اس میں سے نہ کھاؤں گا۔ تو پھر مجھ پر الیا ولیا ہے۔ گھر والوں نے دسترخوان اسکے سامنے لایا۔ جب اسنے کھولا تو اسمیں روٹی تھی۔ اب یہ قسم کھانے والا کیا کام کرے گا۔ کہ اس کی قسم ٹوٹ نہ جائے اور یہ بچ جائے؟ قاضی ابوالقاسم سے جواب نہ بن آیا۔ بادشاہ نے ملا عبداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا یہ بوڑھا کون ہے؟ حاضروں نے کہا۔ یہ مفتی ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ آگے آئے اور درست جواب دیجئے۔ اسنے عرض کی۔ کہ فتویٰ کا طریقہ یہ ہے۔ کہ مسئلہ کا جواب کتاب دیکھنے کے بعد دیا جائے۔ بادشاہ یہ جواب سنکر نہایت خوش ہوا۔ اور

کہا یہی شخص قاضی ہونا چاہئے۔ اور اسی دن قاضی کا مستقل عہدہ اس کو دیا گیا۔

مُلا حاجی گنائی عرف رضوی عالمگیر

تحریر اور تقریر دونوں میں صاحب کمال تھے۔ اکثر علموں کے اُستاد تھے۔ شہزادگی کے زمانے میں ان کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اورنگ آباد کی صوبداری کے وقت میں بھی مُلا حاجی اس کے ساتھ تھے۔ ان دنوں میں جب عالمگیر نے شاہجہاں کی بے پروائی اور دارا شکوہ کی خلاف شرع حرکتوں کے موجب بغاوت کا ارادہ کیا۔ تو اس اپنے فوج کے عالموں سے اس کی اجازت چاہئی۔ بغیر مُلا حاجی کے سبھوں نے متفق ہو کر اجازت دی اور کہا بادشاہ سے خلاف شرع کتنے ہی کام کیوں نہ ظاہر ہوں۔ تو بھی اس کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنا جائیز نہیں۔ خاصکر جب بغاوت باپ کے خلاف ہو۔ اس سے مولانا کی سچائی اور عدل و انصاف کی صفتوں سے آراستہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

مُلا محمّد ٹوپیگرو

مُلا جوہر ناتھ کے شاگرد تھے۔ صرف و نحو کے بہت بڑے عالم تھے۔ طالب علموں کو زیادہ تر صرف و نحو پڑھایا کرتے تھے۔ صلاحیت والے پرہیزگار تھے۔

مُلا محمّد گانی

علم کے اکثر شعبوں میں بابا مجنون نروری کے شاگرد تھے۔ ان کی لڑکی نکاح میں تھی۔ عقلی اور نقلی علموں کے عالم فاضل تھے۔

مُلا عبد النبی بلدیری

یوں تو مُلا ابوالقاسم کے شاگرد تھے۔ لیکن مُلا حیدر چرخی۔ مُلا محمد ٹوپیگرو اور مُلا باقر نارہ بلّو سے بھی استفادہ کیا تھا۔ مُلا شاہ صاحب کی صحبت اور تربیت تھی۔ ظاہری اور باطنی علموں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر تھے۔

مُلا رجب گنائی

ملا حیدر رنگین کے شاگرد بہت بڑے علامہ تھے۔ ان کا بیٹا حافظ یعقوب حافظ قرآن۔ صالح اور بڑا ہی نیک سیرت عالم تھا۔

ملا محمد عارف

ملا ابوالقاسم کے بیٹے تھے۔ شاہجہاں کے دربار میں بادشاہ کے قریبیوں میں سے تھے۔ کچھ مدت کیلئے وقایع نویسی (اخبار نویسی) کے سلسلے میں ایران بھی گئے۔ جہاں صفوی بادشاہوں کے پاس بھی سوال و جواب اور بات چیت کی۔ درست زبانی اور خوش زبانی کیلئے قرب حاصل کیا۔ ایک موزون طبیعت رکھتے تھے۔ یہ رباعی ان کی طبعزاد ہے:۔

خواہم کہ ازیں نشیب و پستی برہم ❊ وز ننگ خودی و خودپرستی برہم

یک جرعہ ز جام مستی او نوش کنم ❊ از کشمکش خمار ہستی برہم

شیخ محمد معصوم سرہندی نے ان کو نام ایک خط لکھا ہے۔ تیسری جلد میں ان کے مکتوبات درج ہیں۔

ملا محسن فانی

شیخ یعقوب صرفی کی برادری کے بیٹے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہندوستان کی سیاحت کی۔ زمانے کے سرد و گرم سے واقفیت حاصل کی۔ ہر مذہب اور ہر ملت کے لوگوں سے میل جول پیدا کی۔ مذہبوں اور ملتوں کی اچھی تحقیقات کر کے "دبستان مذاہب" لکھی۔ علمی شہرت کے موجب شہزادہ دارا شکوہ کی صحبت میں باریاب ہوئے۔ آزاد خیال اور آزاد مزہب تھے۔ تمام مذہبوں کی عزت کرتے تھے اور ہر ملت کے لوگوں سے دوستی اور محبت رکھتے تھے۔ فلسفیوں کے مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ دارا شکوہ کیساتھ مدت تک رہے۔ صدارت کشمیر کا عہدہ حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ خدو رجہ کے ہر دل عزیز تھے چھوٹے اور بڑے ان کے پاس آیا کرتے تھے حکومت کے کاموں میں سخت مشغول ہونے کے باوجود طالب علموں کو پڑھانے کیلئے وقت نکالتے تھے۔ آخر عمر میں حضرت محمد امین دار کے مرید ہوگئے۔ ان کی صحبت کے اثر سے خیالات باطل سے دل خالی ہوگیا۔ اور کامل عقیدہ حاصل ہوا۔ ان کی باطنی تعلیم و تربیت سے فیضیاب ہوکر دل کے چراغ کو روشن کیا۔ پھر کیا تھا۔ مرتے دم تک توبہ و استغفار اور گریہ و زاری میں وقت گذرتا تھا۔ بلند پایہ کے شاعر تھے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ "فانی" تخلص کرتے تھے۔ ان

کے شاگرد بھی باکمال عالم تھے۔ گورہ گاڑی محلہ میں داراشکوہ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ اور وفات کے بعد اسی کی مغربی دیوار کے نیچے دفن ہوئے۔ وفات کے دن اپنی تاریخ وفات اس مصرعہ میں بیان کی: ع رفت فانی بعالم باقی ۱۰۸۲ھ

شاعری میں ان کا نمونۂ کلام یہ غزل ہے:۔

از بسکہ دل زدامن تر آب میخورد ؛ مے میکند زنور اگر آب سے خورد

پیوستہ گرم و سرد جہاں در پے ہم است ؛ شب بادہ ہر کہ خورد سحر آب میخورد

زاہد بسر زنش زچہ روتن نمید ہد ؛ نخلے کہ خم شود ز تبر آب میخورد

مردان نہ ترک کنند لب از جوئے تیغ تیز ؛ نامردہم زجوئے سپر آب مے خورد

در مجلس شراب دماغش نمیرسد ؛ فانی بجائے بادہ مگر آب مے خورد

غزل دوم

سرو ستادہ بہ چہ تو رفتار مے کنی! ؛ طوطی خموش بہ چہ تو گفتار میکنی

کس دل باختیار بمہرت نمید ہد! ؛ دامے نہادۂ کہ گرفتار مے کنی

تو خود چہ فتنۂ کہ بچشمان ترک مست ؛ تاراج عقل مردم ہشیار میکنی!

با دشمنان بصلح و بادوستان بجنگ ؛ یاری نباشد آنکہ با غیار میکنی

مولانا ابو الفتح کلو

ابن فرزند ملا سلیمان کلو مفتی تھے

کشمیر کے شریف اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔ مولانا حیدر چرخی کے شاگرد تھے۔ عقلی نقلی ظاہری اور باطنی علموں میں بلند مرتبہ اور شان حاصل کرنے کے باوجود تواضع، حلیمی انکساری پرہیزگاری اور خداترسی کے مجسمہ تھے۔ کھانے پینے میں بہت محتاط تھے۔ غیبت اور بری بات زبان پر نہیں لاتے تھے۔ سر پر چادر رکھکر راستے میں چلتے تھے۔ دایاں بایاں نہیں دیکھتے تھے۔ نامحرم پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ عالم باعمل تھے۔ درویش کامل تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں فرصت کے وقت کو صرف کیا کرتے تھے۔ تعلیم اور تدریس ان کا خصوصی مشغلہ تھا۔ اور قابل فخر شاگرد تیار کئے۔ فقہ کے مسئلوں کے نکالنے میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آخر عمر میں کشمیر کے مفتی بنائے گئے۔ رد شیعہ میں کتاب "سیف القاطعین" ان ہی کی تصنیف ہے۔ اسکے علاوہ ان کی بہت سی تالیفات اور تصنیفات موجود اور مشہور ہیں۔ وفات کے بعد مزار سلاطین کے بیرونی صحن میں پتھر کے چبوترے

پر میرزا حیدر کاشغری کی قبر کے آگے دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:-

خواجہ ابوالفتح با ہزارہ کمال ✤ رفت اندر ہزار یکصد سال

ع بشنو۔ تاریخ وصلش بحر فیض است۔

مُلا فضل نٹنو

مُلا حیدر چرخی کے قابل فخر بیٹے تھے۔ علم وفضل اور فصاحت و بلاغت میں صاحب کمال تھے والد بزرگوار کی وفات کے بعد لوگوں کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ رحلت کے بعد باپ کے قبر کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔

مُلا عبدالرشید زرگر

محمد سعید چرخی کے شاگرد تھے۔ مُلا سلطان مانٹجی اور قاضی عبدالرحیم سے عقلی اور نقلی علموں کی تعلیم پائی تھی۔ صاحب قلم خوش تقریر اور خوش نویس تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سیف خان ناظم کشمیر نے یہاں کے عالموں کو امتحان کیلئے باغ جہاں آرا میں بُلایا۔ اور خود برج دارائی میں بیٹھ گیا۔ اور حکم دیا۔ کہ طالب علموں میں سے کسی کو بُلاؤ۔ عبدالرشید زرگر آگے بڑھکر چلا گیا۔ اور لشکر شاہی کے عالموں کے ساتھ مناظرہ میں شامل ہو گیا۔ اور بحث کو اس قابلیت سے اختتام پر پہنچایا۔ کہ حکومت کے عالم لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اور بحث کے ختم پر ناظم سے التماس کی کہ میں یہاں کے عالموں کا ادنیٰ اور نالائق شاگرد ہوں۔ خان شرمندہ ہو گیا۔ اور باغ جہاں آرا میں بیٹھے ہوئے عالموں میں سے کسی کو اپنے پاس نہیں بُلایا۔ آخر عمر میں جب مُلا عبدالرشید عالمگیر کی نظر میں مقبول ہوا۔ تو اس نے ان کو بُرہان پور کا قاضی مقرر کیا۔ مُلا صاحب کو میر علی قادری کے ساتھ باطنی تعلق تھا۔

شیخ میر جو ناوہ جو

مُلا حیدر چرخی اور خواجہ محمد لٹو بیگرو کے شاگرد بڑے کامل اور ہر علم کے مائل تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دینی علموں کی تعلیم اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ عالم باعمل تھے اوراد اور وظائف کے دلدادہ تھے۔ ایک بڑی عمر پائی تھی۔ سنہ ۱۱۱۰ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ ہے:-

آفتاب فضل شد زیر زمین ✤ سال فوتش آہ شیخ العالمین

ملا محمد امین گنائی

اپنے وقت کے عالم بحر تھے۔ اکثر علموں میں عمدہ تالیفات رکھتے ہیں۔ خاصکر علم فرائض (وراثت) میں نثر اور نظم تالیف کئے ہیں۔ اور مروج کتابوں پر ان کے حاشیے (تشریح) بہت مفید ہیں۔ دینی علموں کی تعلیم پڑھانے اور باریک باتوں کے حل نکالنے۔ قناعت اور توکل میں وقت گذارتے تھے۔ ملا عنایت اللہ شال اور ملا محسن فانی ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ آخر عمر میں اپنی ۲ بالغ لڑکیوں کی جہیز کیلئے ہندوستان گئے۔ ان کے جانے کے بعد دونوں لڑکیوں نے غلطی سے زہریلی دوائی کھائی اور دونوں مرگئیں۔ ملا نے دہلی میں لڑکیوں کے مرنے کی خبر خواب میں پائی۔ اور خواب ہی میں ان کو بتایا گیا کہ تمہاری مشکل آسان ہوگئی۔ کشمیر جاکر اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔ صبح کو سفر کا سامان باندھ کر روانہ ہوگئے۔ باقی عمر تعلیم اور تدریس میں گذار کر سنہ ۱۱۰۹ھ میں شب قدر کی رات کو انتقال کیا۔ کہتے ہیں کہ جب قاضی عبدالکریم نے ہند سے کشمیر کے قاضی کے عہدے کا حکم لایا۔ ملا محمد امین بھی ان کی ملاقات کو گئے۔ قاضی بہت عرصہ باہر رہنے کے موجب ان کو نہیں پہچان سکے۔ تعارف کرنے کے بعد قاضی نے معذرت کی۔ اور کہا معاف رکھئے "اذا جاء القضا عمی البصر" (جب "قضا" آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہوجاتی ہے۔) لفظ "قضا" لطیفہ اور لغز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

ملا طاہر کوجابی

ملا حیدر چرخی کے خاندان سے تھے۔ علم کے تمام شعبوں میں کمال حاصل کرکے تھوڑی ہی مدت میں ہم عصروں سے آگے بڑھے۔ کامل پرہیزگار اور خداترس بھی تھے۔

قاضی موسیٰ اندرواری

قاضی شہید کی اولاد میں سے تھے۔ معقول اور منقول علموں کے بڑے عالم تھے۔ بلند استعداد رکھتے تھے۔ تعلیم اور تدریس میں عمر عزیز بسر کی۔

ملا یوسف

گنائی قبیلہ سے تھے۔ رسمی اور رواجی علوم حاصل کرنے کے بعد بھی لاہور گئے۔ پنجاب اور

ہندوستان کے عالموں سے نقلی اور عقلی علموں میں کامل دسترس حاصل کر کے کشمیر واپس آئے مدت تک لوگوں کو فائدہ اور فیض پہنچاتے رہے۔ سنہ ۱۱۰۷ھ میں رحلت کی۔

مُلا عبدالرحیم قفو

رسمی اور رواجی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جان نثار خان افسر فراش (میر توزک) کی وساطت سے عالمگیر سے تعارف ہوا۔ اسی ضمن میں جان نثار خان کو عبدالعزیز خان والی ماوراالنہر کے پاس سفیر ہو کر جانا پڑا۔ اور مُلا عبدالرحیم بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ اور بخارا کے بادشاہ کی ملاقات اور صحبت سے سرافراز ہوا۔ وہاں ایک دن شاہی دربار میں مُلا عبدالرحیم اور مولانا محمد شریف کے درمیان کسی بات پر بحث و مباحثہ ہوا۔ باوجود فضلاء بخارا کے محمد شریف کو مدد کرنے کے ملا عبدالرحیم جیت گیا۔ اور مدت تک شاہ بخارا کے دربار میں رہ کر کشمیر واپس آیا۔ اور خانقاہ نقشبندیہ میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہوا۔ سنہ ۱۱۰۷ھ میں رحلت کی۔

مُلا عبدالشکور تیلو

کشمیر کے تاجروں میں سے تھے۔ مولانا حیدر چرخی اور دوسرے عالموں سے تربیت پا کر تھوڑے ہی عرصے میں قابلیت اور لیاقت میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہو گئے۔ نقلی علموں کو زیادہ تر پڑھایا کرتے تھے۔ صلاحیت۔ پرہیزگاری۔ اور ریاضت میں بھی ممتاز تھے۔ عالمگیر کا عطیہ جو کشمیر کے عالموں کو سالانہ مِلا کرتا تھا۔ قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۱۱۲ھ کو انتقال فرمایا۔

مُلا عبدالرزاق گوجواری

بچپن میں مُلا حیدر چرخی کے زیر نظر تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزندوں سے تمام علوم و فنون میں کامل مہارت پیدا کر کے عبادت و پرہیزگاری میں لگ گئے۔ بعض عبادات۔ ریاضات اور معاملات میں مذہب شافعی کی پیروی کرتے تھے۔ نوے برس عمر پا کر سنہ ۱۱۲۲ھ میں رحلت کی۔

مُلا محمّد عابد ڈوپیگرو

تمام معقول اور منقول علموں میں بہت بڑے عالم تھے۔ متوکل اور گوشہ نشین تھے۔ دولت مندوں کی صحبت سے نفرت تھی۔ ہر بات میں حد درجہ کی احتیاط برتتے تھے۔ ترکہ (وراثت) تقسیم کرنے

پر ایک امرود کا درخت ان کے حصے میں آیا۔ انہوں نے باغبان سے پوچھا کہ اس ناشپاتی کا پودا کس کے باغ سے لائے ہو۔ باغبان نے کہا۔ کہتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت کے باغ میں یہ پودا تھا۔ اسکی پوچھنے کے بغیر لایا گیا تھا۔ مولوی نے بیوہ کو پیغام بھیجدیا۔ کہ پودے کی قیمت لے لے یا درخت کو ہی لے لے۔ بیوہ نے کہا۔ کہ مجھے درخت ہی چاہئے۔ اور درخت کو کاٹ کر گھر لے گئی۔ اس درجہ کے پرہیزگار تھے۔ اسی قسم کی باتیں اور بھی ان کی مشہور ہیں بہتر برس کی عمر پا کر ۱۱۲۲ھ میں رحلت کی۔

ملا عنایت اللہ اوچہ

اپنے وقت کا عالم بحر تھا۔ آزاد طبیعت تھا۔ گمنامی میں عمر بسر کی۔

قاضی عبدالکریم

ملا یوسف کا دسو کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ مولانا ابوالفتح کلو سے عقلی اور نقلی علم حاصل کر کے عالمگیر کے لشکر میں ملازم ہو کر ایک مدت وہاں ہی رہے۔ ملا یوسف کی وفات کے بعد کشمیر کے قاضی مقرر ہوئے چوبیس[۲۴] برس تک قضا گری کا کام نہایت ہی عزت اور استقلال سے سرانجام دیتے رہے خدا ترس اور پرہیزگار تھے۔ شب خیز تھے۔ مقدمات فیصلہ کرتے وقت آنکھوں سے آنسو نکل آتے تھے۔ عالمگیر کے آخری عہد میں اس عہدہ سے معزول کئے گئے۔

ملا محسن کہشو

ملا محمد امین گانی کے شاگرد تھے۔ دوسرے فاضلوں سے بھی تعلیم پائی تھی۔ منقولات کے کامل اُستاد تھے۔ اور نہایت دقت سے ان مضمونوں کو پڑھاتے تھے۔ کتاب عین العلم کی شرح عربی میں نہایت سنجیدگی سے لکھی۔ کتاب مطول اور [illegible] حکمت پر حاشیے تحریر کئے ہیں۔
ملا نازک نقشبندی سے باطنی تعلیم پائی تھی۔ جب رحلت پائی ملا نازک کے مزار کے اوپر دفن ہوئے۔

ملا اشرف نٹنو

خواجہ حیدر نٹنو کے پوتوں میں سے تھے۔ ملا محسن کہشو سے تعلیم حاصل کی تھی۔ فہم و فراست سوجھ سمجھ اور مزاج کی استقامت رکھتے تھے۔ رسالہ علم قرأت رد شیعہ اور کچھ اور کتابوں کی

تشریح ان کی تصنیف ہیں۔ فصاحت اور بلاغت میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ سنہ ۱۱۲۰ھ میں رحلت کی۔

مُلا کاظم چھُو

قاضی عبدالکریم چھو کے چچیرے بیٹوں میں سے تھے۔ بہت بڑے عالم اور پرہیزگار تھے۔ تعلیم و تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ لوگوں سے الفت بہت کم کرتے تھے۔ باطنی فیض سے خالی نہ تھے سنہ ۱۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔

قاضی حیدر معروف بہ قاضیخان

بچھ قبیلہ سے تھے۔ بچپن ہی میں ان کے ماتھے سے بزرگی کی علامتیں نمودار تھیں۔ باوجود غریبی اور تنگدستی کے جوانی کے دنوں میں مُلا عبدالرشید زرگر سے علم کے مختلف شعبے حاصل کر کے ہمعصروں پر سبقت لے گئے۔ سعادت خان صدر الصدور کی وساطت سے شاہجہان آباد میں عالمگیر کے دربار میں بادشاہ کی صحبت سے سرفراز ہو گئے۔ دربار شاہی میں علمی اور عملی مسئلوں کی تحقیق اور تصدیق بحث اور مباحثہ میں حصہ لیتے تھے۔ کچھ مدت کیلئے شہزادہ اعظیم الشان کو پڑھاتے رہے۔ اور کچھ مدت تک شاہجہان آباد کے مستقل قاضی رہے۔ شہزادہ مذکور کیساتھ بنگال جاکر ایک سال کیلئے وہاں کے قاضی رہے۔ آخر برا قبال کی یاوری سے قاضی القضاۃ ہند کے بلند عہدے پہ پہنچ گئے۔ اور عالم بہادر کے آخری عہد تک عزت اور شوکت میں روز بروز ترقی کرتے رہے۔ سنہ ۱۱۲۱ھ کے شروع میں اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر رحلت کی۔ ان کی نعش کو کشمیر لایا گیا۔ بچھ پورہ میں اپنے باغ میں سپرد خاک کیا گیا۔ لاثانی عالم تھے۔ اور ان کی اولاد سے بہت سے افراد علمی کمالات میں مشہور ہیں۔ "وهو الشيخ الاسلام" تاریخ ہے۔

حکیم عنایت اللہ گانی

علم طب یونانی۔ نبض شناسی۔ علم رمل۔ شانہ بینی (بھیڑ کے کندھے کی ہڈی کو ملاحظہ کر کے پیشین گوئی کرنا) حسن صورت اور حسن سیرت میں لاثانی تھے۔ ان کے کمالات کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کھو یہامہ گئے تھے۔ وہاں ایک بھیڑ ذبح کی گئی۔ حکیم نے بھیڑ کے کندھے کا ملاحظہ کیا۔ اور کہا کل ہم کو کسی ضرورت کے موجب شہر جانا ہوگا۔ بارش کی چھینٹیں ہوں گی۔ اور ہمارے دوستوں میں سے کوئی اچانک گھوڑے سے گرے گا۔ شہر میں بڑے لوگوں میں سے کوئی ایک مر جائے گا۔ اسی روز صوبیدار کا آدمی دوپہر کے بعد حکیم

کو بلانے آپہنچا۔ کہا کہ صوبیدار جعفر خان بیمار ہے۔ خبر سنتے ہی حکیم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا۔ بارش کی چھینٹیں پڑنے لگیں۔ حکیم خود ہی گھوڑے سے گرا۔ دوسرے دن جب شہر پہنچا جعفر خان فوت ہوگیا۔ اسی قسم کے بہت سے کمال کے قصے ہیں۔ ۱۱۲۵ھ میں رحلت کی۔

مُلا عبیداللہ

مُلا محسن کشمیری کے شاگردوں میں۔ خداداد تعالیٰ عجوبوں میں سے تھے۔ ذہن کی صفائی اور سمجھنے کی قوت بلا کی رکھتے تھے۔ علم کے تمام شعبوں میں خط اور انشا میں لاثانی تھے۔ ہندوستان اور ایران کے عالموں میں سے بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں کوئی بھی ان کے ساتھ برابر نہیں اترتا تھا۔ رات دن طالب علموں کو تعلیم پڑھاتے رہتے تھے۔ توکل اور قناعت سے دن گذاری کرتے تھے۔ آخر کو شاہجہاں آباد جاکر فرخ سیر کے دربار میں بڑا مرتبہ پایا۔ اور فتاوای عالمگیری کا ترجمہ کرنے پر مامور ہوگئے۔ اسی اثنا میں فرخ سیر قتل ہوگیا۔ اور مولانا بھی کشمیر آکر رحمت حق ہوگئے۔

مُلا عزیزاللہ

عربی اور فارسی علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔ شعر و سخن میں کامل استاد۔ بلند درجہ کے شعر کہتے تھے۔ تخلص قانع کرتے تھے۔ انشا اور خط میں بھی صاحب کمال تھے۔ یہاں غریبی اور تنگدستی سے تنگ آکر شاہجہاں آباد گئے۔ وہاں سلطنت کے فساد کے موجب بہتری اور خوشحالی نے چہرہ نہ دکھایا اور دہلی میں راہی ملک عدم ہوگئے۔

مَولانا امان اللہ شہید کنو

یہاں کے بڑے سوداگر زادے تھے۔ اپنے باپ خواجہ ابوالخیر اور دوسرے نامور عالموں اور مشہور خداد دستوں سے تعلیم حاصل کی۔ عقلی اور نقلی علموں میں کمال حاصل کیا۔ پرہیزگاری اور خدا ترسی کو شعار بنایا۔ بہت سی درسی کتابوں پر حاشیہ اور تشریح لکھ کر مشکل مسئلوں کو حل خود کیا کرتے تھے۔ متاخرین متقدمین میں ان کی تصنیفات نہایت دقیق ہیں۔ دنیا کے واقعات اور حادثات کے موجب تعلیم پڑھانے کے جوش اور دلولہ کے دنوں میں محمد شاہ غازی کے دربار میں گئے اور امیرالامرا صمصام الدولہ خان کی وساطت سے بادشاہ کی نظر میں مقبول ہوکر شیخ الاسلام کے بڑے عہدے پر فائز ہوگئے۔ اسی دوران میں بھی ظاہری اور باطنی فیض سے لوگوں کو بہرہ ور

بناتے رہے۔ نادر شاہ اور محمد شاہ کے درمیان جو لڑائی پانی پت کے میدان میں ہوئی حضرت
مولانا بھی امیر الامرا کے ساتھ اسمیں شامل تھے۔ اور میدان جنگ میں امیر الامرا کے ساتھ شہید
ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۱۵۲ھ ظہور میں آیا۔ پہلے ان کی نعش مبارک کو میدان جنگ ہی
میں حوالۂ خاک کیا گیا تھا۔ بعد میں غیبی اشارہ کے موجب وہاں سے نکال کر اپنے اسلاف کے مقبرے
میں ان کی لاش دفنائی گئی۔ تاریخ :۔ "شیخ الاسلام عہد"۔ ہے۔

ملا عبد الشکور و ملا ابو الفیض

دو بھائی تھے۔ اور دونوں بڑے کمال کے عالم تھے۔ قناعت اور گمنامی میں دن گذارتے تھے۔ مطالعہ
کتب کے شائق تھے۔ کچھ بدخواہ اور حاسد لوگ ملا ابو الفیض کو "تفضیلی" خیال کرتے تھے لیکن
حقیقت یہ ہے۔ کہ دونوں بزرگ کمال کے عالم اور فاضل تھے۔

خواجہ نور اللہ دیوانی

بہت بڑے عالم تھے۔ تعلیم و تدریس ان کا خاص مشغلہ تھا۔ شعر اور انشاء میں کامل مہارت رکھتے
تھے۔ شعرائے کشمیر کے بیان میں ان کا حال لکھا گیا ہے۔

ملا سعد الدین صادق

علامہ شیخ الاسلام مولوی امان اللہ شہید کے بیٹے تھے۔ سنہ ۱۱۲۶ھ میں تولد ہوئے۔ اپنے باپ
سے ظاہری اور باطنی تعلیم پاکر لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ بحثہ و مباحثہ اور مناظرہ
میں ہمعصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ آخر پر اپنے والد کے بلانے پر دہلی گئے۔ اور وہیں باپ
کی وفات کے بعد ۲۳ ذالحجہ سنہ ۱۱۵۲ھ کو رحلت کی۔ باپ کی قبر کے پاس ہی دفن کئے گئے۔

ملا سلیمان

مولانا ابو الفتح کلو کے بیٹے تھے۔ باپ کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ برس کی تھی۔ مولانا نے مرنے
سے پہلے پیشین گوئی کی کہ "یہ بچہ میری جگہ بیٹھے گا۔ اور میرا نام زندہ رکھیگا۔ اسکی پرورش

اچھی طرح سے کریں"۔ چنانچہ ہوش میں آنے پر مولانا کے شاگرد مُلا عنایت اللہ شال سے تعلیم حاصل کرنے لگے اور تھوڑے عرصے میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس کے بعد ملا عبدالشکور بدخشی سے حساب۔ ہندسہ۔ اصطرلاب۔ وغیرہ میں ہم جماعتوں پر فوقیت لے گئے۔ جب نواب عنایت اللہ خان نے کشمیر میں مدرسۂ عام جاری کیا۔ ملا حبیب اللہ صدر کی وساطت سے مُلا سلیمان مدرسہ کے مُدرس مقرر ہوئے۔ اور موضع ونہ ناگام جاگیر میں پائے۔ اسی پر قناعت کر کے دن گذارتے تھے۔ صبح سے لیکر سونے کے وقت تک طالب علموں کو پڑھاتے رہتے تھے۔ پرہیز گار۔ پابند شریعت۔ ریاضت کش۔ اور بڑے محتاط آدمی تھے۔ صاحب فکر۔ ذکر۔ اوراد اور وظائف تھے۔ صاف باطن اور روشن دل تھے۔ ۳ ربیع الاول ۱۱۶۲ھ کو انتقال فرمائے اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔ "گنج دانش شد نہاں زیر زمین"۔ تاریخ ہے۔

مُلا عبدالحکیم متو

مشہور تاجر تھے۔ تیس ۳۰ برس کی عمر میں پڑھنے کا شوق غالب ہوا۔ ملا عبدالشکور بدخشی کی خدمت میں جانے لگے اور دو سالوں میں وقت کے بڑے عالموں میں شمار ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ مسجد جامع کے مغربی کونے کے پاس حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے فیضیاب ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک اس کے منہ میں ڈالی۔ اور اسی برکت سے باوجود عمر میں بڑے ہونے کے علم میں کمال پائے۔ اور باطنی علم سے بھی مالا مال ہوئے۔ ایک دن پڑھاتے وقت حاشیہ لکھنے والے کے خیال پر سوچ میں پڑ گئے۔ اور اسی اثنا میں ان پر غنودگی غالب ہو گئی۔ اور اس حالت سے واپس آنے پر فرمایا۔ کہ اس کتاب کا مصنف اس خط و خال میں حاضر آیا۔ اور اس بات کا حل بیان کیا۔ میرزا اکمل الدین اور شاہ جمال الدین قلندر کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ غریبوں اور مسکینوں کی حاجت روائی اور امداد کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن نوسو ۹۰۰ روپے بطور نذر اور ہدیہ آگئے۔ سارا روپیہ فقیروں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کی طرف سے گیارہ ۱۱ روپیہ ماہوار روزینہ کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ انھوں نے کبھی نہیں لئے آخر عمر میں دہلی گئے۔ اور وہاں سر درد (سرسام) کی بیماری سے انتقال کر گئے۔ خواجہ باقی باللہ کے مزار میں دفن ہوئے۔

ملا کاظم

ملا عبدالحکیم کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ پرہیزگاری۔ خداترسی۔ سخاوت اور فیاضی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے اور چچیرے بھائیوں کی دولت سے لاکھوں روپیوں کی تجارت کرتے تھے۔ سرہند میں انتقال کیا۔ مرتے وقت بغل (جیب) سے ایک چاقو نکال کر شرکت کے مال میں ڈال دیا۔ جس سے ان کے محتاط ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ نعش کو کشمیر لایا گیا۔ اور اسلاف کے مزار میں دفن کرتے وقت لاش سے اتنی خوشبو نکلتی تھی کہ مزار کا احاطہ معطر ہو گیا۔ ان کے بھائیوں نے چاہا تھا کہ قبر پر پتھر کا تعویز (سنگ قبر) رکھیں۔ انہوں نے ایسا کرنے سے خواب میں منع کیا۔

ملا محمد کاظم متو

عبدالکریم آخون کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ نہایت صالح اور پرہیزگار تھے۔ رات کو حصن حصین ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ قرآن مجید پڑھتے وقت جب آیۂ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ پڑھتے تھے۔ کمرہ خود بخود معطر ہوتا تھا۔ فقہ کے مسئلوں پر ایک کتاب لکھی ہے۔ آخر پر لوچھم گئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ وہاں ہی دفن ہیں۔

ملا افضل

ملا عبدالشکور خطیب مسجد جامع کے بیٹے ملا رحمت اللہ کے بیٹے تھے۔ تعلیم و تدریس اور ظاہری و باطنی علموں کو حاصل کرنے میں عمر بسر کی۔ سنہ ۱۱۷۲ھ میں رحلت کی۔ اپنے بزرگوں کے مزار میں دفن کئے گئے۔

ملا عبدالستار[۳]

ملا محسن اور امان اللہ شہید کے شاگرد تھے۔ بہت بلند پایہ کے عالم تھے۔ درس اور فتویٰ (شرعی فیصلہ) دیتے تھے۔ آخر عمر کو عارف خان کے ساتھ دہلی گئے۔ اور وہیں ہیضہ کی بیماری سے انتقال کر گئے۔

ملا اکبر یار خان

ملا امان اللہ شہید کے بھائی اور عدالت کے داروغہ تھے۔ اپنے باپ مولوی ابوالخیر سے تعلیم

حاصل کی تھی۔ شیخ بابا ہی را دوا اور میر ابو الفتح قادری سے باطنی تربیت پائی تھی۔ دہلی جاکر شیخ عبدالخالق دہلوی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کر کے اپنی فطرتی جبلت کے موجب "قاری" کا لقب پائے تھے۔ بادشاہ دہلی سے عدالت کی "داروغی" کا عہدہ اور "خان" کا خطاب حاصل کئے تھے۔ اپنے فرائض منصبی کے سرانجام دینے میں حد درجہ کا احتیاط برتتے تھے۔ ۴ شعبان ۱۱۵۷ھ کو دنیا سے کوچ کر کے باپ دادا کے مزار میں دفن ہوئے۔

مراد الدین خان

ملا عنایت اللہ خان کے شاگرد اور محمد محسن قاری کے مرید تھے۔ ارسلا خان کاشغری کے کشمیر آنے پر اس کی وساطت سے شاہ عالم بہادر کی فوج میں جا کر حضور کے شرعی وکیل مقرر ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد مفتی کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تاج محمود خان کی وفات پر اس کے جانشین ہو گئے۔ جب مولانا امان اللہ شہید ہو گئے۔ تو یہ صدارت دہلی کے منصب پر سرافراز ہو گئے۔ سنہ ۱۱۶۱ھ کے شروع میں عالم بقا کو سدھارے۔

ملا ابو الوفا

مولوی محمد اشرف چرخی اور امان اللہ شہید کے بہترین شاگرد تھے۔ اٹھتی جوانی میں اکبر بار خان کی وساطت سے بادشاہ کے حضور میں پہنچکر کشمیر میں جاگیر پائی۔ اور مفتی کے عہدے پر تقرر پا کر وطن آ گئے۔ مقدمات کے فیصلہ کرنے اور مسئلوں کے تہ کو پہنچنے میں وقت کے تمام عالموں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ فقہ کے فروعی مسئلے چار جلدوں میں جمع کئے۔ اور ان مسئلوں کے صحیح ہونے میں پوری تحقیقات سے کام لیا گیا ہے۔ کتاب انوار النبوۃ انہی کی تصنیف ہے۔ ۱۹ محرم سنہ ۱۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ شاعرواری میں دفن ہوئے۔

ملا محمد

ملا اشرف چرخی کے قابل فخر بیٹے تھے۔ ملا حاجی دار سے نہایت محنت و مشقت کر کے تعلیم حاصل کی۔ بابا محسن قادری سے معنوی علم کی تربیت پا کر جہلم کے کنارے چالیس چلے

گوشہ نشینی کی۔ سنہ ۱۱۷۹ھ میں رحلت کی۔ اور باپ دادا کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

ملا ہدایت اللہ گانی

خواجہ ابو الفتح گانی کے بیٹے اور ملا محمد حاجی کے شاگرد تھے۔ پرہیزگار۔ خدا ترس۔ متوکل اور اہل دنیا سے دور رہنے والے عالم تھے۔ سنہ ۱۱۷۰ھ میں رحلت کی۔

ملا محمد اسلم رجیل دوپاہی

ملا امان اللہ شہید کے شاگردوں میں سے تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کے بہت بڑے عالم تھے شعر گوئی بھی کرتے تھے۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہئوئے۔

ملا یوسف گنائی

تحصیل علوم کے بعد تعلیم و تدریس کا آبائی پیشہ اختیار کیا۔ بے شمار طالب علموں کے دلوں کو نور علم سے منور کیا۔ سنہ ۱۱۸۴ھ میں مقبرۂ پیر حاجی محمد میں دفنائے گئے۔

حکیم عنایت اللہ

شیخ رحمت اللہ اور ملا محمد مقیم کے شاگرد تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ خاصکر علم طب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

ملا عبد اللہ گنائی

مفتی کشمیر تھے۔ پرہیزگار اور وقت کے برگزیدہ تھے۔

ملا محمد معروف

بابا محمد فاضل کے بیٹے اور ملا محمد حاجی کے شاگرد تھے۔ فتویٰ دینے کا کام کرتے تھے۔ بہت صالح تھے۔ رنگین مسجد میں طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔ باپ دادا کے مقبرے میں دفن ہیں۔

مُلا مبرک خانی

مفتی کا درجہ پانے کے باوجود شعروشاعری میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ سنہ ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا

مُلا شرف الدین خان

ملا کاظم کے پوتے تھے۔ علم کے تمام شعبوں میں کامل اور فاضل تھے۔ شیر جنگ خان بہادر کے زمانے میں صدارت کے عہدے پر فائض ہو گئے۔ صاحب صدق وصفا تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ نمونۂ کلام ہے:-

دل چو بیجا شد پریشان کرد اوراقِ حواس ⁂ ربط در دفتر نماند چوں شود سرِ فرد گم!

شیخ بہاءالدین گنج بخش کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

ملا ابوالمکارم

ملا ابوالوفا کے قابل فخر بیٹے تھے۔ مفتی زمانہ اور فرد یگانہ ہوتے ہوئے خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان کے مُرید ہو کر معنوی درس پاتے رہے۔ اور طے مقامات بھی کرتے گئے۔ سنہ ۱۱۹۱ھ کو پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔ "اللّٰہ منجحہ" تاریخ وفات ہے۔

بابا محمدؐ صدیق

بابا محمد محسن کے بیٹے اور مولانا سعدالدین صادق اور ملا حاجی محمد کے شاگرد تھے۔ عضدیہ کی تشریح لکھ کر ملا قوام الدین کی خدمت میں پیش کر کے خراج تحسین حاصل کی۔ سنہ ۱۱۹۱ھ میں وفات پائی۔ مقبرۂ حافظ محمد محسن میں آرام پائے۔

مُلا نورالہدیٰ

ملا محمد مقیم ڈوبگرد کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ اپنے والد بزرگوار مولانا سعدالدین صادق۔ اور شیخ رحمت اللہ سے فارغ التحصیل ہو کر اعلم العلماء (تمام عالموں سے بڑھ کر عالم)

کہلانے لگے۔ عمر بھر فیض دہ اور فائدہ رسان رہے۔ عالموں کی نظروں میں ان کے فیض تعلیمات کی وقعت نہ صرف اُس زمانے میں بلکہ آج تک جاری ہے۔ پرہیزگار۔ خداترس۔ سخی اور فیاض طبیعت والے تھے۔ سنہ ۱۱۹۹ھ میں واصل بخدا ہوئے۔ اپنے اسلاف کے مزار میں سپردخاک ہوئے۔ "رفتہ نور الہدیٰ ازین عالم" تاریخ ہے۔ ان کا پہلا لڑکا ملا عبداللہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد باپ کی زندگانی میں سنہ ۱۱۹۷ھ میں ان کو داغ مفارقت دے گیا۔ دوسرا بیٹا ملا انور جو اُس وقت کے عالموں کا سرتاج تھا سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پا گیا۔

مولانا حسام الدین

علامہ شہید کے بھتیجے اور شاگرد رشید تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کشمیر آئے اور بہت لوگوں کو تعلیم کی روشنی سے منور کرکے پھر دہلی تشریف لے گئے۔ نام آور چچا اور محمد صادق کی وفات کے بعد شاہ کلیم اللہ کی خدمت میں جاکر روحانی تربیت حاصل کی۔ اسی اثنا میں بادشاہ کی داروغگی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اکبر یار خان کی وفات پر عدالت کشمیر کی داروغگی پر فائز ہو گئے۔ سنہ ۱۱۹۷ھ میں دنیا کو چھوڑ کر اسلاف کے مزار میں جگہ پا گئے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ یہ رباعی ان کی طبع زاد ہے:-

جہاں ہر چند ہر سو پر بلبات و محسن باشد ∴ چو وا بینی حوادث بیش در شہر وطن باشد
بشہر غربت آبادی ز تشویش امال یابی ∴ بکام ایام دارام و فراغ جان و تن باشد

ملا ابو الفیض گنائی

ملا حاجی محمد کے نیک بخت شاگرد۔ صاحب خط اور ارشاد تھے۔ شاہجہان آباد میں مولوی حسام الدین محمد سے بھی استفادہ کیا۔ اور وہیں راہی ملک بقا ہو گئے۔

ملا وحید الدین خان

ملا عبدالسلام کے بیٹے اور مراد الدین خان کے داماد تھے۔ ان کی وساطت سے بادشاہ کے پاس معتبر لوگوں میں شامل تھے۔ اور کچھ مدت کے بعد مفتی بنائے گئے۔ شاہجہان آباد میں رحلت کی۔

ملا عبدالمومن

خواجہ حسن اللہ بچھ کے بیٹے ملا محمد مقیم کے قابل قدر شاگرد اور حاجی عبدالسلام[۳] دار کے معتقد اور روحانی طالب تھے۔ شریعت اور طریقت کے کاموں میں قابل تقلید عالم تھے۔ کریم داد خان کے وقت میں مفتی کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ۱۱۹۷ھ میں دوسری دنیا کو سدھار گئے۔

قاضی ملا حسین[۳]

ملا محمد مقیم کے پرہیزگار اور پابند شریعت شاگردوں میں سے تھے۔ ۱۱۹۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔

خواجہ عطاء اللہ قانون گو

دنیاوی کاروبار میں مشغول اور مصروف ہونے کے باوجود ظاہری اور باطنی علموں میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

اسحاق بیگ

ملا اسلم زحیل کے پرہیزگار۔ خداترس اور خدمت خلق میں سرگرم رہنے والے شاگردوں میں سے تھے۔

مولانا جان محمد

ملا محمد فضائل سیالکوٹی کے فرزند ملا ابوالفتح کے بیٹے ملا عاقل کے شاگردوں میں سے تھے۔ اپنے وقت کے عالموں میں چوٹی کے عالم مانے جاتے تھے۔ جب سیالکوٹ کے باشندوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے بے اندازہ ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا تو یہ اردوی معلی" (شاہی چھاؤنی) چلے گئے۔ بادشاہ نے ان کے بزرگوں (باپ دادا جو بادشاہ کے استاد اور مصاحب تھے) کی رعایت سے بارہ سو (۱۲۰۰) روپیہ ماہوار مقرر کر کے واپسی کی رخصت بخشی۔ جب جموں پہنچے بال بچوں کو وہاں رکھ کر خود کشمیر آ گئے۔ سلطنت چغتائیہ کے زوال پر ان پر تنگدستی چھا گئی۔ اور یہ کابل چلے گئے۔ اور تیمور شاہ سے پاس کچھ اقتدار حاصل کر کے اپنے مشاہرہ کا حکم جاری کرا کے کشمیر آ گئے۔ اور اس کے

بعد لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ رحلت کے بعد سید عابد کے مزار میں دفن ہوئے۔

حکیم محمد صدیق

نورالہدیٰ کے شاگردوں میں علم طب کے بڑے عالم تھے۔ علاج معالجہ میں ملک کے طبیبوں کے سرگروہ تھے۔

ملا عبدالقدوس

ملا سلیمان کے شاگردوں میں سے تعلیم پڑھانے میں کامل اور فاضل استاد مانے جاتے تھے پرہیزگار۔ خداترس اور بندگان خدا کو فائدہ پہنچانے کے لئے بہت کوشش کرتے تھے۔ آخر پر بارہ مولہ جاکر ایک مدرسہ جاری کر کے تعلیم و تدریس سے لوگوں کو فیض عام پہنچاتے رہے۔ اور وہیں آخرت کا راستہ لے گئے۔

ملا اکبر خان

گوجواریوں کے قبیلے میں سے ایک منصب والے کے بیٹے تھے۔ ملا سلیمان سے دینی اور دنیاوی تعلیم میں کمال حاصل کر کے لوگوں کی فائدہ رسانی میں مصروف ہو گئے۔ درسی کتابیں تمام کی تمام تقریباً زبانی یاد تھیں۔ سارے وقت کو علمی باتوں میں گزارتے تھے۔ آخر پر والدین نے جاگیر کی سندوں کو درست کرانے کیلئے دہلی جانے پر مجبور کیا۔ دہلی پہنچکر شاہ ولی اللہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور محدثوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ لیکن موت نے کشمیر آنے نہ دیا۔ اور دہلی ہی میں راہی عالم بقا ہو گئے۔

ملا محمد منعم عرف منڈو

حکیم محمد صدیق کے شاگرد بہت بڑے عالم اور صاحب فقر و استغنا تھے۔

ملا عنایت اللہ شال

ملا سلیمان کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد نورالہدیٰ کی خدمت میں جاکر تعلیم میں کمال حاصل کر کے خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔ پرہیزگار اور خداترس تھے۔ [illegible]

سنہ ۱۱۲۶ھ کو رحلت کی۔

ملا قوام الدین

مولانا سعد الدین صادق کے تیز فہم۔ ذکی اور فراست والے بیٹے تھے۔ شیخ رحمت اللہ مقیم السنہ اور ملا نور الہدیٰ سے علم کے مختلف شعبوں میں تعلیم پا کر حاجی عبد الولی طرفانی۔ حاجی لقمان اللہ نوشہری اور بابا محسن پلچھری سے علم حدیث اور شیخ القرا کے شاگرد میر قاری سے علم قرأت کی تعلیم حاصل کر کے وقت کے فاضلوں اور عالموں پر سبقت لے گئے۔ تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سید امین دلسی کی خانقاہ میں طالب علموں کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ بلند خان کے زمانے میں احمد شاہ درانی کے فرمان کے موجب شیخ الاسلام کا خطاب پائے۔ قاضی اور امین عدالت کے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ دیانت دارانہ۔ ناطرفدارانہ اور بے روی رعایت فیصلوں نے ان کی دھوم مچا دی۔ اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ سے لوگوں کو ممنون اور مرہون بنا کر حکام تک ان کے مطیع ہو گئے۔ اور عبد اللہ خان کی حکومت کے زمانے تک یہی حال قائم رہا۔ دنیاوی دھندوں سے فرصت نہ ہونے کے باوجود شاہ زین الدین قادری۔ میاں ذکریا ی لاہوری اور شیخ الاسلام احمد اکدلی کے ساتھ دوستی اور عقیدت کا رابطہ ہمیشہ رکھتے تھے۔ لیکن دل کی تسلی اور اطمینان قلب حاصل نہ ہوتا تھا۔ جب عبد الرحیم شیخ کمان کے مبارک قدموں نے اس جنت نشان خطہ کو سرسبز بنایا۔ یہ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور چوبیس ۲۴ برس تک ان سے روحانی تربیت حاصل کرتے رہے۔ اور سعادت دارین رکھنے والے بزرگوں میں شامل ہو گئے۔ ۵ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۹ھ کو دنیائے غدار سے کوچ کر کے عالم پائیدار کو سدھارے۔ اور اپنے مسکن کے متصل دفن ہوئے۔ "نہاں شد بزیر زمین آفتاب" تاریخ وفات ہے۔

ملا عبد الرسول داندہ کلہ

مسجد جامع کے محلے کے رہنے والے تھے۔ ملا مقصود اور ملا نور اللہ کنٹ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لوگوں کی تعلیم اور فائدہ رسانی میں مشغول ہو گئے۔ ظریف طبیعت۔ اور صلاحیت نشان والے عالم تھے۔

ملا عبد الحق

ملا مقصود نتو کے بیٹے اور ملا نور اللہ مانجی کے شاگرد تھے۔ صلاحیت اور پرہیز گاری میں بے مثال تھے

درجہ شہادت حاصل کرنے کی غرض سے جبار خان کی فوج میں بھرتی ہو کر سکھوں کے مقابلے میدان جنگ میں نکل گئے۔ اور پہلے ہی حملے میں شہید ہو گئے۔ دو مہینے کے بعد ان کا بیٹا ملا نور الحق میدان جنگ میں گیا اور ان کی لاش تلاش کر کے سر کے بغیر شہر میں لایا۔ اور بٹوان مسجد کے متصل اپنے مزار میں لاش کو سپرد خاک کیا۔ کہتے ہیں کہ جسم کو کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا تھا۔

حافظ ابو الخیر چارُو اسلام آبادی

ملا نور الدین جعفر مانجی اور ملا عطا اللہ ہما سے تعلیم پا کر بہت مدت تک تعلیم پڑھاتے رہے۔ آخر پر میاں محمد رفیق خلیفہ میاں گل محمد کی صحبت فیض اثر سے طریقت اور معرفت کے شناسا ہو گئے۔ مکتب داری سے دست بردار ہو کر خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے گھر میں ریاضت اور پرہیز گاری میں دن گذاری کرنے لگے۔ ۱۲۳۵ھ میں مقبرہ ملا نور الدین میں دفن ہو گئے۔

مُلا محمد انور منتو

ملا محمد معصوم منتو کے بیٹے مولوی ہدایت اللہ منتو کے ہم قبیلہ تھے۔ نہایت ہی بڑے عالم فاضل تھے۔

مُلا محمد فاضل مفتی

ملا ابو المکارم کے بیٹے تھے۔ عقلی اور نقلی علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔

مُلا انور مانجی

آخوند ملا انور اللہ کے بیٹے مرد کامل اور بڑے عالم فاضل تھے۔

مُلا عبد الغفور

محمد ولی کے بیٹے بڑے عالم فاضل۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ یہ چاروں عالم ملا محمد انور منتو۔ ملا فاضل۔ ملا انور مانجی اور ملا عبد الغفور ۱۲۳۵ھ کی عام کالرا کی بیماری میں وفات پا گئے۔

مُلا ہدایت اللہ منتو

ملا عبدالحکیم متو کے فرزند ملا کرم اللہ مفتی کے بیٹے صاحب تحریر۔ صاف ضمیر۔ نیک خصلت عالم باعمل تھے۔ ملا سلیمان سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم و تدریس مفتی گری کے کام میں مصروف ہو گئے تاریخ خواجہ اعظم کا تکملہ (اضافہ) عہد جمعہ خان ۱۲۰۵ھ تک لکھا۔ اور رسالہ "تحفۃ الاخوان فی مناقب النعمان" ان کی تالیف ہے۔ ۳۰ شعبان ۱۲۰۶ھ کو رحلت کی۔ ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

مولوی محی الدین معروف بہ مولوی اسود

مولوی جان محمد سیالکوٹی کے بیٹے شیخ محمد مقیم برادر شیخ اکبر ہادی کے شاگرد بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے چہرے کا رنگ کالا تھا۔ اس واسطے انہی "اسود" کہتے تھے عمر بھر تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے۔ فتویٰ بھی دیتے تھے۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ کو رحلت کی۔

مولوی نظام الدین محمد

ملا قوام الدین کے نیک بخت بیٹے اور ذہین اور شاگرد رشید تھے۔ چوٹی کے عالم اور علمائے کشمیر کے سرگروہ تھے۔ افغان بادشاہوں کے زمانے میں کشمیر کے قاضی اور عدالت کی اہلی کے عہدے رکھتے تھے۔ مقدموں کے فیصلے نہایت دیانت اور ناطرفداری سے کیا کرتے تھے۔ علم باطنی کی تعلیم بابا محی الدین باندانی اور دوسروں سے پاکر مجاہدہ اور ریاضت میں تن و من سے مشغول ہوتے تھے۔ تاریخ وقایع نظامیہ اور ضمیمہ تاریخ خواجہ کے مصنف ہیں ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ آبا کے مزار میں دفن ہو گئے۔ "مختصر عمر" تاریخ ہے۔

مولانا غلام الدین

ملا افضل کے فرزند مولانا کے بیٹے مولوی محی الدین اسود کے شاگرد تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کے بہت بڑے عالم باعمل تھے۔ سچائی اور اچھے اخلاق کیلئے مشہور تھے۔ عالموں اور فاضلوں کا سرخم ان کی طرف ہوتا تھا۔ شیخ اکبر ہادی کے مرید تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ والے تھے۔ تعلیم و تدریس اور لوگوں کو فیض پہنچانے میں عمر بسر کی۔ ۱۷ ذالحجہ ۱۲۵۸ھ کو وفات پاکر حضرت شیخ بہاء الدین گنج بخش کے مزار میں دفن ہو گئے۔ "مولوی غلام الدین" تاریخ وفات ہے۔

آخون زادہ مُلا رفیق

کابل سے آکر یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ مذہب اور فلسفہ و منطق وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ تعلیم و تدریس میں اُستاد کامل تھے۔ ان کے شاگرد بھی صاحب کمال عالم تسلیم کئے جاتے تھے۔

حافظ عبدالرسول واعظ

مُلا رفیق کے شاگرد تھے۔ اور دوسرے عالموں اور اُستادوں سے بھی تعلیم حاصل کی۔ شیخ محمد یحییٰ اکبردی اور امان اللہ پانپوری سے طریقت کی تعلیم پا کر سلوک کے مقامات بھی طے کئے۔ قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وعظ اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ اور عمر بھر یہی کام کرتے رہے۔ اعلیٰ درجے کے خوش بیان مقرر تھے۔ تشریح توضیح نکتہ دانی اور لطائف معانی بیان کرنے میں لاثانی تھے۔ غرض یہ کہ ظاہری اور باطنی علموں کے عالم تھے۔ بڑے بڑے عالموں اور شیخوں کے ساتھ اختلافی مسئلوں میں بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اور انہیں اکثر باتوں میں قائل بناتے تھے۔ ۲۱ محرم سنہ ۱۲۶۱ھ کو رحلت کی۔ بارہ مسجد کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔

"فرد در وعظ بود زان رہ دل! ❊ بہر تاریخ گفت واعظ فرد"

مُلا امیرالدین مفتی

مولوی ہدایت اللہ متو کے بیٹے تھے۔ چوٹی کے عالم تھے۔ شیخ اکبر بادی کے مرید تھے۔ افغانوں کے عہد حکومت کے آخر میں مدت تک قاضی رہے۔ اور مقدمات کا تصفیہ عدل و انصاف دیانت اور امانت سے کیا کرتے تھے۔ جب کشمیر پر سکھوں کا غلبہ ہوا تو انہوں نے "قضا گری" سے استعفا لکھ کر دی۔ اور فقرا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ خدمت فقرا و صلحا ان کے بزرگوں کا پیشہ عہد چغتائیہ سے چلا آیا تھا۔ ۲۰ صفر سنہ ۱۲۵۸ھ کو رحلت کی۔ اپنے باپ کے مزار میں دفن ہوئے۔ "عظیم الوریٰ" تاریخ وفات ہے۔

مولوی نور اللہ متو

ملا انوز متو کے بیٹے تھے۔ صاحب قلم اور تحریر تھے۔ عامل روشن ضمیر تھے۔ بڑے عالم تھے۔ ۱۹ جمیدالثانی سنہ ۱۲۶۳ھ کو آرام کی نیند سو گئے۔

ملا عبدالغنی

ملا سلیمان کے پوتوں میں سے تھے۔ بہت بڑے عالم اور کامل مدرس تھے۔ پرہیز گار اور خدا ترس تھے۔

مولوی امیرالدین

مولوی غلام الدین کے قابل فخر بھائی علم دین کے سمندر اور فہم و فراست کے روشن مشعل تھے۔ ۹ رجب سنہ ۱۲۷۸ھ کو رحلت کی۔

شیخ احمد واعظ

علم فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وعظ خوانی اختیار کی تھی پرہیز گار اور صالح تھے۔ لوگوں کو راہ راست پر چلانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ وہابی فرقہ کے لوگوں کیساتھ مناظرہ کر کے انہیں دلائل سے قائل کرتے تھے۔ وہابی عقاید کے تردید میں بہت سے رسالے تصنیف کئے۔ ۷ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ کو رحلت کی۔ دباغوں کے محلے میں دفن ہیں

مولوی ناصرالدین

مولانا نظام الدین محمد کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ اور ملا غلام الدین مفتی کے شاگرد اور بابا محی الدین بابذالی کے مرید اور روحانی شاگرد تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے عہد میں کشمیر کے بڑے قاضی تھے۔ اور یہ محکمہ ان ہی کے ماتحت تھا۔ شیعہ سنی فساد میں ان پر فسادیوں کے حامیوں کی تہمت لگا کر دو ہزار روپے بطور جرمانہ ان سے وصول کیا گیا جسکے موجب انہوں نے قضاگری کے عہدے کو چھوڑ دیا۔ اور خلوت نشینی میں یاد مولی کرنے لگے۔ آخر عمر میں کسر نفسی اور رقت قلبی سے ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں۔ ان کے چہرے سے نور برستا تھا۔ ۲ صفر سنہ ۱۲۹۳ھ کو انتقال فرمائی۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ہے:-

ناصرالدین خو شخصال کرد چو باحق وصال
گفت حسن بہر سال کرد بہشت آشیان

پانچواں خمس مجذوبوں کے بیان میں :-

(مجذوب خدا دوستوں اور فقیروں کے اس فرقے کو کہتے ہیں جو فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ سے لاپروا اور بے خبر۔ اس فرقے کے لوگ ظاہر میں دیوانے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن باطن میں ان کا درجہ بہت اونچا ہوتا ہے۔) ۔

بی بی للہ عارفہ

کئی ناموں سے مشہور ہے ۔ لل دید ۔ للہ ماجی ۔ للہ ایشوری وغیرہ ۔ ساتویں صدی ہجری میں سمپور گاؤں کے ایک پنڈت کے گھر میں پیدا ہوئی ۔ یوم ولادت اور تاریخ کا درست پتہ نہیں۔ بچپن ہی سے اس کا حال اور ہی طرح کا تھا۔ غیبی آوازیں سنتی تھی ۔ اور مقدس روحیں نظر آتی تھیں۔ بالغ ہونے کو تھی ۔ اور اسکی شادی پانپور میں کی گئی ۔ شادی تو ہو گئی ۔ لیکن نہ تو میاں جی سے نہ سسر اور ساس سے اور نہ دوسروں سے محبت اور دوستی پیدا ہوئی ۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی تنہا بیٹھا کرتی تھی ۔ بہت کم بولتی تھی ۔ اگرچہ گھر کا کام کاج سارا کرتی تھی ۔ پھر بھی اسکی خاوند اور ساس کو اس سے نفرت ہو گئی ۔ اور دونوں اسکو ستانے لگے ۔ مارتے تھے ۔ برا بھلا کہتے تھے۔ اور یہ چپ چاپ سب کچھ سہتی تھی ۔ اس کی ساس اسکے تھال میں نیچے گول پتھر رکھتی اور اس پر تھوڑا سا بھتہ ڈال کر اس کو دبا کرتی تھی ۔ چاول کے کچھ دانے کھا کر یہ برتن اور پتھر دونوں کو دھو کر ساس کے پاس رکھ چھوڑتی تھی ۔ اور کسی سے یہ بات نہ کہتی تھی ۔ ایک دن للہ کے سسرال والوں نے ایک بھیڑ ماری تھی ۔ ایک پڑوسنے اس سے کہا آج پیٹ بھر کر گوشت اور بھتہ کھانا ہو گا ۔ للہ نے جواب دیا جو مارا ہے اپنے لئے مارا ہے ۔ للہ کے تھال میں سے گول پتھر کبھی دور نہ ہو گا ۔ للہ کی ہر بات قدرتی طور پر شاعرانہ انداز اور لہجے میں ہوتی تھی ۔ للہ کا سسر دیوار کے پیچھے یہ بات سن رہا تھا ۔ اور وہ اس کا سراغ نکالنے پر آمادہ ہوا ۔ اور جب للہ کو کھانا دیا گیا ۔ اسنے تھال سے گول پتھر نکال دیا ۔ اور بیوی کو سخت ملامت کی ۔ اب کیا تھا ۔ ساس بہو کی جان کی دشمن ہو گئی ۔ اور اس پر تہمتیں باندھنے لگی ۔ بیٹے کو بدظن اور بدگمان کرنے لگی ۔ للہ بہت سویرے اٹھتی تھی ۔ دریا پر جا کر نہا دھو کر پانی کا گھڑا گھر لاتی تھی ۔ ایک دن یہ کچھ تھوڑا سا زیادہ سویرے اٹھکر گھڑا لیکر دریا پر گئی ۔ اور کچھ دیر زیادہ وہاں ٹھہری ۔ ساس نے بیٹے کو کہا ۔ دیکھتے ہو ۔ میں جو کچھ کہتی ہوں سچ ہے ۔ یا جھوٹ ۔

اتنی دیر باہر رہنے کا کیا معنی ہے۔ یہ بدگمان تھا ہی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں اسکو بدکاری کرتے ہوئے پکڑوں گا۔ ہاتھ میں لاٹھی لیکر گھر سے دریا کی طرف نکلا۔ للہ نے گھڑا سر پر رکھا تھا اور پانی لیکر اُدھر ہی سے آرہی تھی۔ یہ تو غصے میں تھا ہی بغیر کوئی بات پوچھنے کے ڈنڈے کا ضرب گھڑے پر لگا دیا۔ گھڑا ٹوٹ گیا۔ اور پانی گھڑے کی شکل میں للہ کے سر پر اسیطرح رہا۔ للہ گھر پہنچی اسی پانی کو سر سے اٹھا کر دوسرے برتنوں میں ڈال دیا۔ سارے برتن بھر گئے۔ تھوڑا بچ گیا اُس کو کھڑکی سے باہر پھینکدیا۔ جہاں یہ پانی گرا وہاں ایک تالاب بن گیا جس کا نام بعد میں "للہ تراگ" پڑ گیا۔ اور تیرھویں صدی ہجری کے شروع تک اس تالاب میں پانی موجود رہتا تھا۔ للہ کے خاوند کی آنکھیں کھل گئیں۔ لیکن بھید بھی کھل گیا۔ للہ دیوانگی کی حالت میں گھر سے نکل گئی۔ دیہاتوں۔ آبادیوں۔ ویرانوں۔ میدانوں۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں بغیر کھانے پینے کے گاتی ہوئی۔ چلاتے ہوئی اور رُوتے ہوئے پھرتی تھی۔ دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوتی تھی۔ دکھ درد۔ فلسفہ اور گیان (معرفت) سے بھرے ہوئے شعروں میں لوگوں سے مخاطب ہوتی تھی۔ اور سُننے والے ایک ایک لفظ کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔ اُس کا کلام کچھ تو صحیح و سالم کچھ بگڑا ہوا جمع کیا گیا ہے جس کو "للہ واکھ" کہتے ہیں۔ اُس کا ترجمہ موجودہ کشمیری۔ اُردو۔ انگریزی اور فارسی میں کیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ للہ کے کلام میں بلند درجہ کا معرفت اور فلسفہ ہے۔ اسی زمانے میں حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیانِ جہان گرد قدس سرہٗ کشمیر تشریف لے آئے۔ للہ عارفہ بیرہ پورہ تک ان کے استقبال کو گئی۔ اور ملاقات ہونے پر جو بات حیرت انگیز تھی۔ وہ دونوں کی حال پرسی اور بات چیت تھی۔ دونوں اپنی اپنی ہی زبان میں پوچھتے بھی تھے۔ اور جواب بھی دیتے تھے۔ اور بغیر کسی ترجمان کے بیچ میں آنے کے ایک دوسرے کے خیال کو اچھائی سے سمجھتے تھے۔ حضرت نے للہ کی دیوانگی۔ بے چینی اور اضطراب دیکھکر دلاسا مدارستی اور تشفی سے کام لیا۔ للہ کو سمجھایا۔ کہ دیوانگی اور شوریدگی پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور تمہارے مرشد اور مربی سید حسین سمنانی جلدی ہی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کے آنے تک صبر کی ضرورت ہے۔ وہ آئیں گے اور تمہاری واصل بخدا کی گتھیاں سجھائیں گے للہ پیر کے آنے کے انتظار میں تھی۔ حضرت سید حسین سمنانی نے یہاں کا رخ کیا اور للہ سات پڑاو پیشوائی کو گئی۔ ملاقات ہوئی۔ تبادلہ خیالات ہوا۔ للہ کی بے چینی۔ دیوانگی۔ ہشیاری

بعد لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ رحلت کے بعد سید عابد کے مزار میں دفن ہوئے۔

حکیم محمد صدیق

نور الہدیٰ کے شاگردوں میں علم طب کے بڑے عالم تھے۔ علاج معالجہ میں ملک کے طبیبوں کے سرگروہ تھے۔

مُلا عبدالقدوس

ملا سلیمان کے شاگردوں میں سے تعلیم پڑھانے میں کامل اور فاضل اُستاد مانے جاتے تھے پرہیزگار۔ خداترس اور بندگان خدا کو فائدہ پہنچانے کے لئے بہت کوشش کرتے تھے۔ آخر پر بارہ مولہ جاکر ایک مدرسہ جاری کر کے تعلیم و تدریس سے لوگوں کو فیض عام پہنچاتے رہے۔ اور وہیں آخرت کا راستہ لے گئے۔

مُلا اکبر خان

گوجواریوں کے قبیلے میں سے ایک منصب والے کے بیٹے تھے۔ ملا سُلیمان سے دینی اور دنیاوی تعلیم میں کمال حاصل کر کے لوگوں کی فائدہ رسانی میں مصروف ہو گئے۔ درسی کتابیں تمام کی تمام تقریباً زبانی یاد تھیں۔ سارے وقت کو علمی باتوں میں گذارتے تھے۔ آخر پر والدین نے جاگیر کی سندوں کو درست کرانے کیلئے دہلی جانے پر مجبور کیا۔ دہلی پہنچکر شاہ ولی اللہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور محدثوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ لیکن موت نے کشمیر آنے نہ دیا اور دہلی ہی میں راہی عالم بقا ہو گئے۔

ملا محمد منعم عرف منڈو

حکیم محمد صدیق کے شاگرد بہت بڑے عالم اور صاحب فقر و استغنا تھے۔

مُلا عنایت اللہ شال

ملا سلیمان کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد نور الہدیٰ کی خدمت میں جاکر تعلیم [illegible] کمال حاصل کر کے خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔ پرہیزگار اور خداترس تھے۔ [illegible]

۱۱۲۵ھ کو رحلت کی۔

ملا قوام الدین

مولانا سعد الدین صادق کے تیز فہم۔ ذکی اور فراست والے بیٹے تھے۔ شیخ رحمت اللہ مقیم السنہ اور ملا نور الہدیٰ سے علم کے مختلف شعبوں میں تعلیم پا کر حاجی عبدالولی طرفانی۔ حاجی نعمت اللہ نوشہری اور بابا حسن پلچھری سے علم حدیث اور شیخ القرا کے شاگرد میر قاری سے علم قرأت کی تعلیم حاصل کر کے وقت کے فاضلوں اور عالموں پر سبقت لے گئے۔ تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سید امین دیسی کی خانقاہ میں طالب علموں کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ بلند خان کے زمانے میں احمد شاہ درانی کے فرمان کے موجب شیخ الاسلام[۳] کا خطاب پائے۔ قاضی اور امین عدالت کے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ دیانت دارانہ۔ ناظر فدارانہ اور بے روی رعایت مضلوں نے ان کی دھوم مچا دی۔ اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ سے لوگوں کو ممنون اور مرہون بنا کر حکام تک ان کے مطیع ہو گئے۔ اور عبداللہ خان کی حکومت کے زمانے تک یہی حال قایم رہا۔ دنیاوی دھندوں سے فرصت نہ ہونے کے باوجود شاہ زین الدین قادری۔ میاں ذکریا ہی لاہوری اور شیخ الاسلام احمد اکدلی کے ساتھ دوستی اور عقیدت کا رابطہ ہمیشہ رکھتے تھے۔ لیکن دل کی تسلی اور اطمینان قلب حاصل نہ ہوتا تھا۔ جب عبدالرحیم شیخ کمان کے مبارک قدموں نے اس جنت نشان خطہ کو سرسبز بنایا۔ یہ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور چوبیس[۲۴] برس تک ان سے روحانی تربیت حاصل کرتے رہے۔ اور سعادت دارین رکھنے والے بزرگوں میں شامل ہو گئے۔ ۵ ذی قعدہ ۱۲۱۹ھ کو دنیای غدار سے کوچ کر کے عالم پائیدار کو سدھارے۔ اور اپنے مسکن کے متصل دفن ہوئے۔ "نہاں شد بزیر زمین آفتاب" تاریخ وفات ہے۔

ملا عبدالرسول واندہ کلہ

مسجد جامع کے محلے کے رہنے والے تھے۔ ملا مقصود اور ملا نور اللہ گنٹ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لوگوں کی تعلیم اور فائدہ رسانی میں مشغول ہو گئے۔ ظریف طبیعت — اور صلاحیت نشان والے عالم تھے۔

ملا عبدالحق

ملا مقصود منو کے بیٹے اور ملا نور اللہ مانجی کے شاگرد تھے۔ صلاحیت اور پرہیزگاری میں بے مثال تھے

درجۂ شہادت حاصل کرنے کی غرض سے جبار خان کی فوج میں بھرتی ہو کر سکھوں کے مقابلے میدان جنگ میں نکل گئے۔ اور پہلے ہی حملے میں شہید ہو گئے۔ دو مہینے کے بعد ان کا بیٹا ملا نور الحق میدان جنگ میں گیا اور ان کی لاش تلاش کر کے سر کے بغیر شہر میں لایا۔ اور بٹوان مسجد کے متصل اپنے مزار میں لاش کو سپرد خاک کیا۔ کہتے ہیں کہ جسم کو کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا تھا۔

حافظ ابو الخیر چارؤ واسلام آبادی

ملا نور الدین جعفر مانجی اور ملا عطاء اللہ ملا سے تعلیم پا کر بہت مدت تک تعلیم پڑھاتے رہے۔ آخر پر میاں محمد رفیق خلیفہ میاں گل محمد کی صحبت فیض اثر سے طریقت اور معرفت کے شناسا ہو گئے۔ مکتب داری سے دست بردار ہو کر خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے گھر میں ریاضت اور پرہیزگاری میں دن گذاری کرنے لگے۔ ۱۲۳۵ھ میں مقبرۂ ملا نور الدین میں دفن ہو گئے۔

ملا محمد انور متو

ملا محمد معصوم متو کے بیٹے مولوی ہدایت اللہ متو کے ہم قبیلہ تھے۔ نہایت ہی بڑے عالم فاضل تھے۔

ملا محمد فاضل مفتی

ملا ابو المکارم کے بیٹے تھے۔ عقلی اور نقلی علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔

ملا انور مانجی

آخوند ملا نور اللہ کے بیٹے مرد کامل اور بڑے عالم فاضل تھے۔

ملا عبد الغفور

محمد ولی کے بیٹے بڑے عالم فاضل۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ یہ چاروں عالم ملا محمد انور متو۔ ملا فاضل۔ ملا انور مانجی اور ملا عبد الغفور ۱۲۳۵ھ کی عام کالرا کی بیماری میں وفات پا گئے۔

ملا ہدایت اللہ متو

ملا عبد الحکیم متو کے فرزند ملا کرم اللہ مفتی کے بیٹے صاحب تحریر۔ صاف ضمیر۔ نیک خصلت عالم باعمل تھے۔ ملا سلیمان سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم و تدریس مفتی گری کے کام میں مصروف ہو گئے تاریخ خواجہ اعظم کا تکملہ (اضافہ) عہد جمعہ خان ۱۲۰۵ھ تک لکھا۔ اور رسالہ تحفۃ الاخوان فی مناقب النعمان" ان کی تالیف ہے۔ ۳۰ شعبان ۱۲۰۶ھ کو رحلت کی۔ ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

مولوی محی الدین معروف بہ مولوی اسود

مولوی جان محمد سیالکوٹی کے بیٹے شیخ محمد مقیم برادر شیخ اکبر ہادی کے شاگرد بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے چہرے کا رنگ کالا تھا۔ اس واسطے انہیں "اسود" کہتے تھے عمر بھر تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے۔ فتویٰ بھی دیتے تھے۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ کو رحلت کی۔

مولوی نظام الدین محمد

ملا قوام الدین کے نیک بخت بیٹے اور ذہین اور شاگرد رشید تھے۔ چوٹی کے عالم اور علماء کشمیر کے سرگروہ تھے۔ افغان بادشاہوں کے زمانے میں کشمیر کے قاضی اور عدالت کی اہیمی کے عہدے رکھتے تھے۔ مقدموں کے فیصلے نہایت دیانت اور ناطرفداری سے کیا کرتے تھے۔ علم باطنی کی تعلیم بابا محی الدین پانڈانی اور دوسروں سے پا کر مجاہدہ اور ریاضت میں تن دمن سے مشغول ہوتے تھے۔ تاریخ وقایع نظامیہ اور ضمیمہ تاریخ خواجہ کے مصنف ہیں ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ آبا کے مزار میں دفن ہو گئے۔ "مخزن عمر" تاریخ ہے۔

مولانا غلام الدین

ملا افضل کے فرزند مولانا کے بیٹے مولوی محی الدین اسود کے شاگرد تھے۔ عقلی اور نقلی علموں کے بہت بڑے عالم باعمل تھے۔ سچائی اور اچھے اخلاق کیلئے مشہور تھے۔ عالموں اور فاضلوں کا سرخم ان کی طرف ہوتا تھا۔ شیخ اکبر ہادی کے مرید تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ والے تھے۔ تعلیم و تدریس اور لوگوں کو فیض پہنچانے میں عمر بسر کی۔ ۱۷ ذالحجہ ۱۲۵۸ھ کو وفات پا کر حضرت شیخ بہاء الدین گنج بخش کے مزار میں دفن ہو گئے۔ "مولوی غلام الدین" تاریخ وفات ہے۔

آخون زادہ ملا رفیق

کابل سے آکر یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ مذہب اور فلسفہ و منطق وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ تعلیم و تدریس میں استاد کامل تھے۔ ان کے شاگرد بھی صاحب کمال عالم تسلیم کئے جاتے تھے۔

حافظ عبدالرسول واعظ

ملا رفیق کے شاگرد تھے۔ اور دوسرے عالموں اور استادوں سے بھی تعلیم حاصل کی۔ شیخ محمد یحییٰ کبروی اور امان اللہ پانپوری سے طریقت کی تعلیم پاکر سلوک کے مقامات بھی طے کئے۔ قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وعظ اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ اور عمر بھر یہی کام کرتے رہے۔ اعلیٰ درجے کے خوش بیان مقرر تھے۔ تشریح توضیح نکتہ دانی اور لطائف معانی بیان کرنے میں لاثانی تھے۔ غرض یہ کہ ظاہری اور باطنی علموں کے عالم تھے۔ بڑے بڑے عالموں اور شیخوں کے ساتھ اختلافی مسئلوں میں بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اور انہیں اکثر باتوں میں قائل بنا لیتے تھے۔ ۲۱ محرم ۱۲۶۱ھ کو رحلت کی۔ بارہ مسجد کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ ہے:۔

"فرد در وعظ بود زان رو دل ÷ بہر تاریخ گفت واعظ فرد"

ملا امیرالدین مفتی

مولوی ہدایت اللہ متو کے بیٹے تھے۔ چوٹی کے عالم تھے۔ شیخ اکبر ہادی کے مرید تھے۔ افغانوں کے عہد حکومت کے آخر میں مدت تک قاضی رہے۔ اور مقدمات کا تصفیہ عدل و انصاف دیانت اور امانت سے کیا کرتے تھے۔ جب کشمیر پر سکھوں کا غلبہ ہوا تو انہوں نے "قضاگری" سے استعفا لکھ کر دی۔ اور فقرا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ خدمت فقرا وصلحا ان کے بزرگوں کا پیشہ عہد چغتائیہ سے چلا آیا تھا۔ ۲۰ صفر ۱۲۵۸ھ کو رحلت کی۔ اپنے باپ کے مزار میں دفن ہوئے۔ "علیم الوریٰ" تاریخ وفات ہے۔

مولوی نور اللہ متو

ملا انور متو کے بیٹے تھے۔ صاحب قلم اور تحریر تھے۔ عامل روشن ضمیر تھے۔ بڑے عالم تھے۔ ۱۹ جمیدالثانی سنہ ۱۳۶۳ھ کو آرام کی نیند سو گئے۔

مُلا عبدالغنی

ملا سُلیمان کے پوتوں میں سے تھے۔ بہت بڑے عالم اور کامل مدرس تھے۔ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔

مولوی امیرالدین

مولوی غلام الدین کے قابل فخر بھائی علم دین کے سمندر اور فہم و فراست کے روشن مشعل تھے۔ ۹ رجب سنہ ۱۲۷۸ھ کو رحلت کی۔

شیخ احمد واعظ

علم فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وعظ خوانی اختیار کی تھی پرہیزگار اور صالح تھے۔ لوگوں کو راہ راست پر چلانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ وہابی فرقہ کے لوگوں کیساتھ مناظرہ کر کے انہیں دلائل سے قایل کرتے تھے۔ وہابی عقاید کے تردید میں بہت سے رسالے تصنیف کئے۔ ۷ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ کو رحلت کی۔ دباغوں کے محلے میں دفن ہیں

مولوی ناصرالدین

مولانا نظام الدین محمد کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ اور ملا غلام الدین مفتی کے شاگرد اور بابا محی الدین بابذاتی کے مُرید اور رُوحانی شاگرد تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے عہد میں کشمیر کے بڑے قاضی تھے۔ اور بہ محکمہ ان ہی کے ماتحت تھا۔ شیعہ سُنی فساد میں ان پر فسادیوں کے بانیوں کی تہمت لگا کر دو ہزار روپے بطور جرمانہ ان سے وصول کیا گیا۔ جس کے موجب انہوں نے قضاگری کے عہدے کو چھوڑ دیا۔ اور خلوت نشینی میں با دمولی کرنے لگے۔ آخر عمر میں کسر نفسی اور رقتِ قلبی سے ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں۔ ان کے چہرے سے نور برستا تھا۔ ۲۰ صفر سنہ ۱۲۹۳ھ کو انتقال فرمائی۔ اسلاف کے مزار میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ہے:۔

ناصرالدین خوشخصال کرد چو باحق وصال | گفت جستن بہر سال کرد بہشت آشیان

پانچواں خمیس مجذوبوں کے بیان میں

(مجذوب خدا دوستوں اور فقیروں کے اس فرقے کو کہتے ہیں۔ جو فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ سے لاپروا اور بے خبر۔ اس فرقے کے لوگ ظاہر میں دیوانے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن باطن میں ان کا درجہ بہت اونچا ہوتا ہے۔)

بی بی لَلّہ عارفہ

کئی ناموں سے مشہور ہے۔ لَلّ دید۔ للہ ماجی۔ لَلّہ الیشوری وغیرہ۔ ساتویں صدی ہجری میں سمپور گاؤں کے ایک پنڈت کے گھر میں پیدا ہوئی۔ یوم ولادت اور تاریخ کا درست پتہ نہیں۔ بچپن ہی سے اس کا حال اور ہی طرح کا تھا۔ غیبی آوازیں سُنتی تھی۔ اور مقدس رُوحیں نظر آتی تھیں۔ بالغ ہونے کو تھی۔ اور اسکی شادی پانپور میں کی گئی۔ شادی تو ہو گئی۔ لیکن نہ تو میاں جی سے نہ سسر اور ساس سے اور نہ دوسروں سے محبت اور دوستی پیدا ہوئی۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی تنہا بیٹھا کرتی تھی۔ بہت کم بولتی تھی۔ اگرچہ گھر کا کام کاج سارا کرتی تھی۔ پھر بھی اسکے خاوند اور ساس کو اس سے نفرت ہو گئی۔ اور دونوں اُسکو ستانے لگے۔ مارتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے۔ اور یہ چپ چاپ سب کچھ سہتی تھی۔ اس کی ساس اسکے تھال میں نیچے گول پتھر رکھتی اور اس پر تھوڑا سا بھتہ ڈال کر اس کو دیا کرتی تھی۔ چاول کے کچھ دانے کھا کر یہ برتن اور پتھر دونوں کو دھو کر ساس کے پاس رکھ چھوڑتی تھی۔ اور کسی سے یہ بات نہ کہتی تھی۔ ایک دن لَلّہ کے سسرال والوں نے ایک بھیڑ ماری تھی۔ ایک پڑوسن نے اس سے کہا آج پیٹ بھر کر گوشت اور بھتہ کھانا ہو گا۔ لَلّہ نے جواب دیا جو مارا ہے اپنے لیے مارا ہے۔ لَلّہ کے تھال میں سے گول پتھر کبھی دور نہ ہو گا۔ لَلّہ کی ہر بات قدرتی طور پر شاعرانہ انداز اور لہجے میں ہوتی تھی۔ لَلّہ کا سسر دیوار کے پیچھے یہ بات سُن رہا تھا۔ اور وہ اس کا سراغ نکالنے پر آمادہ ہوا۔ اور جب لَلّہ کو کھانا دیا گیا۔ اس نے تھال سے گول پتھر نکال دیا۔ اور بیوی کو سخت ملامت کی۔ اب کیا تھا۔ ساس بہو کی جان کی دشمن ہو گئی۔ اور اس پر تہمتیں باندھنے لگی۔ بیٹے کو بدظن اور بدگمان کرنے لگی۔ لَلّہ بہت سویرے اٹھتی تھی۔ دریا پر جا کر نہا دھو کر پانی کا گھڑا گھر لاتی تھی۔ ایک دن یہ کچھ تھوڑا سا زیادہ سویرے اٹھ کر گھڑا لیکر دریا پر گئی۔ اور کچھ دیر زیادہ وہاں ٹھہری۔ ساس نے بیٹے کو کہا۔ دیکھتے ہو۔ میں جو کچھ کہتی ہوں سچ ہے۔ یا جھوٹ۔

اتنی دیر باہر رہنے کا کیا معنی ہے۔ یہ بدگمان تھا ہی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں اسکو بدکاری
کرتے ہوئے پکڑوں گا۔ ہاتھ میں لاٹھی لیکر گھر سے دریا کی طرف نکلا۔ للہ نے گھڑا سر پر رکھا تھا
اور پانی لیکر ادھر ہی سے آرہی تھی۔ یہ تو غصّے میں تھا ہی بغیر کوئی بات پوچھنے کے ڈنڈے کا
ضرب گھڑے پر لگا دیا۔ گھڑا ٹوٹ گیا۔ اور پانی گھڑے کی شکل میں للہ کے سر پر اسیطرح رہا۔
للہ گھر پہنچی اسی پانی کو سر سے اٹھا کر دوسرے برتنوں میں ڈال دیا۔ سارے برتن بھر گئے۔ تھوڑا
بچ گیا اس کو کھڑکی سے باہر پھینکدیا۔ جہاں یہ پانی گرا وہاں ایک تالاب بن گیا جسکا نام بعد
میں "للہ ترا گ" پڑ گیا۔ اور تیرھویں صدی ہجری کے شروع تک اس تالاب میں پانی موجود
رہتا تھا۔ للہ کے خاوند کی آنکھیں کھل گئیں۔ لیکن بھید بھی کھل گیا۔ للہ دیوانگی کی حالت میں
گھر سے نکل گئی۔ دیہاتوں۔ آبادیوں۔ ویرانوں۔ میدانوں۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں بغیر کھانے
پینے کے گاتی ہوئی۔ چلاتے ہوئی اور روتے ہوئے پھرتی تھی۔ دیکھتے دیکھتے نظروں سے
اوجھل ہوتی تھی۔ دکھ درد۔ فلسفہ اور گیان (معرفت) سے بھرے ہوئے شعروں میں لوگوں سے
مخاطب ہوتی تھی۔ اور سننے والے ایک ایک لفظ کو زبانی یاد رکھتے تھے۔ اور لکھنے والے
لکھ لیتے تھے۔ اس کا کلام کچھ تو صحیح و سالم کچھ بگڑا ہوا جمع کیا گیا ہے جس کو "للہ واکھ"
کہتے ہیں۔ اس کا ترجمہ موجودہ کشمیری۔ اردو۔ انگریزی اور فارسی میں کیا گیا ہے۔
اس میں شک نہیں کہ للہ کے کلام میں بلند درجہ کا معرفت اور فلسفہ ہے۔ اسی زمانے میں
حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیانِ جہان گرد قدس سرہٗ کشمیر تشریف لے آئے۔ للہ عارفہ
ہیرہ پورہ تک ان کے استقبال کو گئی۔ اور ملاقات ہونے پر جو بات حیرت انگیز تھی۔ وہ
دونوں کی حال پرسی اور بات چیت تھی۔ دونوں اپنی اپنی ہی زبان میں پوچھتے بھی تھے۔
اور جواب بھی دیتے تھے۔ اور بغیر کسی ترجمان کے بیچ میں آنے کے ایک دوسرے کے خیال
کو اچھائی سے سمجھتے تھے۔ حضرت نے للہ کی دیوانگی۔ بے چینی اور اضطراب دیکھکر دلاسا
مدارنستی اور تشفی سے کام لیا۔ للہ کو سمجھایا۔ کہ دیوانگی اور شوریدگی پر قابو رکھنے کی ضرورت
ہے۔ اور تمہارے مرشد اور مربی سید حسین سمنانی جلد ہی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان
کے آنے تک صبر کی ضرورت ہے۔ وہ آئیں گے اور تمہاری واصل بخدا کی گتھیاں سلجھائیں گے
للہ پیر کے آنے کے انتظار میں تھی۔ حضرت سید حسین سمنانی نے یہاں کا رخ کیا اور للہ سات
بڑاو پیشوائی کو گئی۔ ملاقات ہوئی۔ تبادلہ خیالات ہوا۔ للہ کی بے چینی و دیوانگی۔ ہشیاری

سکون اور اطمینان میں بدل گئی۔ مدعا و مقصد حاصل ہو گیا۔ وحدت اور شہود کے ناپیدا کنار سمندر میں ڈوب گئی۔ کچھ مورخ لکھتے ہیں کہ گھر سے نکلنے کے بعد للہ دیوانگی کی حالت میں ننگی پھرا کرتی تھی۔ لیکن "شائق" اس کا قائل نہیں۔ اگرچہ اس بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں جس میں نانوائی کے جلتے ہوئے تنور میں اس کا کودنا اور اس میں سے ریشمی لباس میں ملبس ہو کر نکلنا زبان زد خاص و عام ہے۔ کہتے ہیں کہ للہ عارفہ نے ایک دن ایک آدمی کو ذکر نفی و اثبات کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ آدمی ذکر کرتے ہوئے سر اور جسم کو ہلاتا تھا۔ للہ عارفہ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ ذاکر نے جواب دیا: "نفی و اثبات" عارفہ بولی یہ نفی و اثبات نہیں۔ اس آدمی نے کہا۔ پھر کیا ہے؟ عارفہ کے ہاتھ میں دو مٹی کی تھالیاں تھیں۔ ایک تھالی پاؤں کے نیچے رکھی۔ اور دوسری سر پر اور "لا الٰہ" بولی۔ سر والی تھالی پاؤں تلے کی تھالی سے مل گئی۔ اور للہ کا نشان ہی موجود نہ رہا۔ "الا اللہ" کی آواز آدمی کے کانوں میں آئی اور عارفہ کھڑی موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن شری کنٹھ سادھو کے مندر میں داخل ہو گئی اور مورتیوں کے سامنے اس طرح بیٹھ گئی۔ جیسے کوئی پیشاب پھیرنے بیٹھتا ہے۔ شری کنٹھ نے گھبرا کر پوچھا کیا کرتی ہو یہ تو بھگوان (خدا) کا گھر ہے؟ للہ بولی۔ مجھے پیشاب پھیرنا ہے۔ مجھے وہ جگہ دکھا دو جہاں ایشور نہیں تاکہ میں پیشاب کر دوں۔ ایک دن ایک پنڈت سارے جسم پر مٹی مل کر نہا رہا تھا۔ للہ وہاں سے گذری پوچھا کیا کرتے ہو؟ پنڈت نے کہا۔ پاکی کرتا ہوں۔ للہ بولی اگر ناپاکی اور گند سے بھرے ہوئے گھڑے کو باہر سے مٹی مل مل کر برسوں دھوئیں گے کیا وہ پاک ہو جائے گا؟ پنڈت یہ سنکر ہوش میں آگیا للہ عارفہ کے حالات اور کمالات کو مفصل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہ کام سوانح لکھنے والوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں اس کے کمالات کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ مورخوں میں سے کوئی بھی اس کی وفات کا قائل نہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن بیجبارہ کی جامع مسجد کی دیوار کے نیچے بیٹھی تھی۔ اور اچانک آگ کے شعلے کی طرح چمک اٹھی اور یہ شعلہ فضا میں اوپر جا کر نظر سے غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد للہ عارفہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ ہندو مورخوں نے للہ کو للہ ایشوری کا نام دیکر اسکو ہندو دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اور مسلمان مورخوں نے مان لیا ہے کہ للہ نے پنڈت گھرانے میں جنم لیا تھا۔ اور بچپن گزارا تھا۔ لیکن معرفت (گیان) حاصل ہونے پر وہ اسلام کی پکی پیرو تھی۔ اور بت پرستی سے اسے دور کا واسطہ نہ تھا۔ اور اسکا نام للہ عارفہ رکھ دیا ہے۔ اور ثانی بی بی رابعہ بصری مان لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ للہ عارفہ "وحدت" کے سمندر کی ننھی لہر تھی جسکی لہریں مذہبوں کی دیواروں کو گرا کر پاش پاش کرتی ہیں۔ اور یہ بات اس کے کلام کے ہر لفظ سے نمایاں ہے۔

زیتی شاہ مجذوب

کپوارہ کے چکوں کے خاندان میں سے مسعود چک کے بھائی تھے۔ علی خان چک کے زمانے میں سپہ سالار کے عہدے پر سرفراز تھے۔ ایک دفعہ ریگی پورہ علاقے میں علاقے کے بڑے لوگوں کیساتھ مجلس میں مشورہ کر رہے تھے۔ اچانک آسمان سے بجلی سی گر کر ان کے جسم کو لگی اور یہ بے ہوش ہو کر گرے۔ بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ اور اسی وقت سے دنیا سے دستبردار ہو کر دیوانوں کی طرح ننگے پھرنے لگے۔ غیب کی خبریں سناتے تھے۔ آنے والے واقعات کی پیشن گوئیاں کرتے تھے۔ جس کے درست ہونے میں سر مو کے برابر فرق نہ ہوتا تھا حضرت سلطان العارفین رحہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ اکثر بار ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے علی خان چک کے عہد میں قحط کا حادثہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ بلکہ علی خان کا مرنا بھی انہی کے جذبہ اور قہر کی طرف لگایا گیا ہے جس کا بیان حصہ اول میں حادثات کے باب میں کیا گیا ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت زیتی شاہ مجذوب بہت بڑے خدا دوستوں میں سے تھے۔ ان کی کرامات کا اندازہ نہیں۔ ہر بات کرامات تھی۔ جو زبان سے نکلتا وہی واقع ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن سوکھی ہوئی مچھلیوں کی ایک مٹھی اسی چشمہ میں ڈالی جو ان کے مقبرے کے باہر ہے۔ خدا کی قدرت سے مچھلیاں زندہ ہو کر چلنے دوڑنے لگیں۔ اس چشمہ میں آج تک مچھلیاں ہیں۔ اور انہیں کوئی نہیں چھیڑتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں ہل کا خمدار ڈنڈا ہوتا تھا۔ اور چھوٹے بچوں کی طرح اس پر سوار ہو کر دوڑتے تھے۔ کہتے تھے یہ میرا گھوڑا ہے۔ ایک دن لٹ شاٹ کے گاؤں کے خرمن میں گھس گئے۔ اور ڈنڈے کو یہ کہہ کے رکھ دیا کہ میرے گھوڑے کو گھاس اور بھوسہ رات کو ڈالیں۔ لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ شام کو گھروں کو چلے گئے۔ اور کسی کو زیتی شاہ صاحب کے ڈنڈے کا خیال نہ رہا۔ صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ کھلیاں میں گھاس کے تنکے کا نام ونشان تک نہیں۔ شالی کے ڈھیروں کے بدلے گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ کسانوں کو اب یاد آگیا۔ کہ یہ واقعہ زیتی شاہ صاحب کے گھوڑے کے ساتھ بے رخی کا نتیجہ ہے۔ واویلا اور شور برپا ہو گیا۔ مستانہ کے پاؤں پڑے منتیں کیں۔ مستانہ نے کہا کہ میرے گھوڑے کے گوبر کو دھو کر اپنا اپنا حق لے لو۔ رہی گھاس تو وہ گھوڑا کھا گیا۔ لوگوں نے گوبر کو دھویا اور اندازہ کے مطابق شالی پوری نکالی۔ ایک دن ایک عورت اپنے کھیت میں شالی بو رہی تھی۔ حضرت زیتی شاہ صاحب وہاں سے گذرے۔ عورت نے پوچھا۔ حضرت اس کھیت میں کتنی شالی نکلے گی؟ انہوں نے مستانگی کے انداز میں کہا۔ جتنی تمہارے فرج (چوت)

میں آئے گی۔ عورت نے کہا حضرت میری جھونت میں کتنی آئے گی؟ بولے ایک سَو خروار اور بھاگ
اس کھیت سے اس سال پورا سَو خروار تولا گیا۔ زانی شاہ صاحب کا مقبرہ درگہ مولہ کے
شمال میں پہاڑ کے ڈھلوان پر ہے۔ اب وہاں ایک گاؤں بس گیا ہے۔ اور گاؤں
کا نام بھی زینبی شاہ ہے۔ مقبرہ کے ساتھ مسجد اور خوبصورت چشمہ ہے۔ لوگوں کو بڑی عقیدت
ہے۔ حاجات روائی کیلئے مشہور زیارت ہے۔

میاں مانک شاہ

اصلی نام عبدالرحمان ہے۔ ظاہری اور باطنی علموں سے آراستہ اور پیراستہ تھے۔ سلوک کے
دنوں میں کاشتکاری کرتے تھے۔ ہل چلاتے وقت جب کھیت کے کنارے نماز باندھتے
تھے۔ تو بیل خود بخود کسی غلطی ہونے کے بغیر کھیت کو جوتتے تھے۔ اسی قسم کے حالات ظاہر
ہونے سے ان کی شہرت بڑھ گئی۔ اور حال میں فتور آنے لگا۔ اس لئے انہوں نے جان بوجھ
کر دیوانگی اختیار کرکے میدانوں اور جنگلوں کا راستہ لے لیا۔ اور ہو گئے اصلی مستانہ حضرت
سلطان العارفین رح کی خدمت میں ننگے پاؤں جاتے تھے۔ اور نہایت ادب و احترام سے
ملاقات کرتے تھے۔ شراب کا جام ہاتھ میں لیتے ہی وہ دودھ سے بدل جاتا ہے۔ اور یہ واقعہ بے شمار
دفعہ پیش آیا۔ آخر عمر میں ان کے پاؤں چلنے سے رک گئے اور رعناواری کی خانقاہ میں بیٹھ
گئے۔ وہیں رحلت کی اور اسکے صحن میں دفن ہوئے۔

غیبی شاہ مجذوب

حضرت سلطان العارفین رح کے وقت میں ان کا ظہور ہو گیا۔ دونوں دنیاؤں کے حالات سے باخبر
تھے۔ شک نہیں۔ جہاں نما آئینہ تھے۔ شیخ بابا داؤد خاکی رح عام طور پر ان کے پاس جاکر حقیقت کی
باتوں کی تحقیقات کرتے تھے۔ صاحب "اسرارالابرار" لکھتا ہے۔ کہ غیبی شاہ کسی کے مخاطب ہو کر
بات نہیں کرتے تھے۔ باتیں کرتے وقت دو نام ایک "لدی" اور دوسرا "رتنی" بول کر
جو کہنا ہوتا تھا کہتے تھے۔ اور جو مانگنا ہوتا تھا۔ انہی سے مانگتے تھے۔ اور پوشیدہ اور محض باتیں
انہیں سے خطاب کرکے ظاہر کرتے تھے۔ ان کا سارا کلام بلکہ ان کا کل بدن بھی کشف ہی تھا۔
جو ان کے پاس آتا تھا۔ وہ ان ہی کی زبان سے اپنا سارا حال سنتا تھا۔ کبھی کسی اور عورت
کا نام لیکر باتیں شروع کرتے تھے۔ ظاہر میں ان عورتوں کا وجود کہیں نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک
دن شریعت کے راستے پر چلنے کا ارادہ کرکے نماز باندھ لی۔ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ

رکھ کر "سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم" لدی یہ راستہ دور ہے۔ اور اس راستے پہ جس پر میں تھا بہت بعید ہے۔ اور کوئی اسکو انجام تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ مگر خدا کی یاوری سے" اور اسی وقت قلندری کے عالم میں پھر قدم رکھا۔ اور مکاشفہ میں غرق ہو گئے۔ شیخ بابا داؤد خاکی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اور انہوں نے کشمیری میں ایک غزل موزون کی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ ہمارے پاس ابھی شراب اور کباب پہنچنے والا ہے۔ اس سے جو صبر نہ کر سکے کہدو کہ یہاں سے اٹھے۔ میں اٹھا اور کچھ دور بیٹھ گیا۔ اسی وقت روٹیوں کی ایک ٹوکری اور ایک بوتل شراب کی اور پکی ہوئی مچھلیاں لیکر ایک آدمی آگیا۔ اور ان کے سامنے رکھدیں۔ ایک اور مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ بولنے لگے۔ لدی۔ رتنی ہم آگے جائیں گے اور دو کہسر پہار رُول کے لئے جگہ خالی کریں گے۔ اور کچھ دنوں کے بعد ہی انہوں نے اس دنیا سے نقل کی اور حضرت ہردے ریشی کے روضہ میں دفن ہوئے۔ اور میں نے (بابا داؤد خاکی نے) تاریخ کہی:۔

زسلطان غیب شاہ دریائے اسرار!	بسی اسرار غیب آمد بے حل!!!
چنیں مجذوب باکشف وکرامات!	بود راز نادرات ای یار عاقل!!!
بسے مردم مقرش در ولایت!!!	باشرافِ قبورشس نیز قابل!!!
بشارت گوی منوبات اصحاب!!	ظریف و ناصح خوش گوی بادل!!
بحال مخلصان حاضر و غیبت!!!	ہمیشہ فیض او بود است شامل!!
بجواز فیاضی کامل بود تاریخ!!!	پئے خویشش بخواں از فیض کامل!

خواجہ یعقوب مجنون

درگاہ الٰہی کے مقبولوں اور خدا آگاہوں میں سے تھے۔ جو کچھ بھی اس دنیا میں واقع ہونے والا ہوتا تھا۔ انہیں پہلے ہی اسکی خبر ہوتی تھی۔ ماضی اور مستقبل کی کوئی بات ان کی نظر سے اوجھل نہ تھی۔ میدانوں اور پہاڑوں میں پھرتے رہتے تھے۔ کبھی کسی جگہ تین چار دن سے سات آٹھ دن تک پڑے رہتے تھے۔ نہ بات کرتے تھے۔ نہ کچھ کھاتے پیتے تھے۔ شیخ مجنون کہتے ہیں کہ میں نے جب صوفیوں کو عبادتگاہوں میں اور عالموں کو خلوت نشینی کے کونوں میں با عزت اور خوشحال دیکھا تو میں نے بھی چاہا کہ روزہ۔ نماز۔ تسبیح اور بندگی خدا اختیار کروں گا۔ درس اور کتابوں کے شغل میں کمی کروں گا۔ میں اسکی کشمکش و ذبیح میں تھا۔ اور خواجہ یعقوب آگئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چپ چاپ کچھ کہنے کے بغیر چلا گیا۔ کچھ دور جانے

کے بعد وہ پیشاب پھیرنے بیٹھ گئے۔ اور ایک پد (باد) ماری۔ میری طرف مڑ کر کہا۔ اگر درس دنیا کو چھوڑ دو گے۔ تو بیٹھے بیٹھے ہی کیا کرو گے۔ میں نے ان کی یہ بات قبول کی۔ اور درس اور کتابوں کے مطالعہ کو نہ چھوڑا۔ بابا داؤد مشکوتی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ان کو ایک دن ایک خندق میں پڑا ہوا دیکھا اور ہفتہ کے بعد جب میں پھر ادھر سے گذرا تو ان کو اسی خندق میں اسی جگہ پڑا ہوا دیکھا۔ اور ایک مالی خربوزہ ہاتھ میں لے کر جنبن کر رہا تھا۔ لیکن یہ حرکت نہیں کرتے تھے۔ میں نے مالی سے پوچھا۔ خواجہ کتنے دنوں سے یہاں ہی ہیں اسنے کہا آج گیارھواں دن ہے کہ بغیر کچھ کھائے پیئے اسی طرح پڑے ہیں اور اٹھتے نہیں۔

خواجہ داؤد مجنون

خدارسیدہ کامل مردوں میں سے تھے۔ حد درجہ کے صاف باطن اور روشن ضمیر تھے۔ ایک دن شاہ گدا کے پاس آئے۔ اور انہیں بہت بُرا بھلا کہا۔ اور ملامت کی اور کہا کیوں تو نے اپنے آپ کو دماغی یا خاکر دبی کر کے نہیں چھپایا۔ یا کیوں میری طرح دیوانگی اختیار نہ کی۔ تاکہ شہرت کی بلا تم کو برباد نہ کرتی؟ تم کو کرامتوں سے کیا کام ہے؟ کیا نہیں جانتے ہو۔ کہ کرامت نادان اور نقصان کا سبب ہے۔

شاہ بدیع الدین معروف بہ "بادی شاہ"

بہت بلند درجے کے قلندر اور مستانہ تھے۔ زبان تلوار تھی۔ جو بولتے تھے وہی ہوتا تھا مجذوبی کا غلبہ ہونے کے باوجود معرفت اور توحید کی باتیں شستہ اور سمجھ آنے والے انداز میں بیان کرتے تھے۔ عالم غیب کی باتوں اور معاملات کے حاکم تھے۔ جب اس دنیا سے چل بسے ملہ کھاہ کے مزار میں دفن ہو گئے۔

دولت شاہ

بابا داؤد خاکی کے چہیتے مرید تھے۔ اور بابا ہردے ریشی سے بھی دوستی تھی۔ انہیں پیر صحبت مانتے تھے۔ زیادہ تر مستی اور مدہوشی میں رہتے تھے۔ نعرے مارتے تھے۔ چلاتے تھے اور بے ہوش ہو کر گرتے تھے۔ آنے والے واقعات اور حادثات کی خبریں قبل از وقت بتا دیتے تھے۔ کنواری لڑکیوں اور دلہنوں کے ساتھ زیادہ بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ بابا ہردے ریشی نے ان سے کہا۔ کہ رُوئی اور آگ کو اکٹھے کرتے ہو۔ ذرا ہوش اور حوصلہ رکھنا۔ یہ جلدی سے اٹھے اور رُوئی لائی اور جلتے ہوئے انگارے اسمیں

رکھدئے۔ ہاتھ میں اٹھا کر بابا ہردے ریشی کے پاس گئے۔ بابا ہردے ریشی نے دیکھا کہ روٹی کا ایک رواں بھی نہیں جلا تھا۔

شیخ ابراہیم کاک معروف بہ ابہ کاک

خواجہ رفیق اشائی کے مرید عالم با عمل اور فاضل اکمل تھے۔ برسوں تعلیم و تدریس میں معروف رہے مناظروں اور مباحثوں میں کوئی ان کے مقابلے نہ تھا۔ دل نے پلٹا کھایا اور سب سے دست بردار ہو گئے۔ خواجہ رفیق کی خدمت میں گئے۔ مال و متاع کو راہ خدا میں خرچ کر کے خانقاہ کی سب سے نچلی کوٹھری میں بیٹھکر یاد خدا کرنے لگے۔ حقیقت اور معرفت کی باریک اور نازک باتوں پر اس طرح گفتگو کرتے تھے۔ کہ بڑے بڑے دانشمند حیران رہ جاتے تھے۔ پرہیز گاری۔ خدا ترسی۔ گوشہ نشینی اور تنہائی لائحہ عمل تھا۔ رقص و سرود اور سماع کو بہت پسند کرتے تھے۔ حضرت خواجہ ان کو منع فرماتے تھے۔ لیکن سماع سے ایسی دل لگی تھی۔ کہ باز نہ آئے۔ ایک دن ان کے ایک ہمسایہ کے گھر میں شادی تھی۔ اور انہوں نے گویوں۔ سازندوں اور موسیقاروں کو بلا کر نغمہ شروع کیا تھا۔ خواجہ ابراہیم خانقاہ کی کوٹھری کی کھڑکی کو طبلہ اور زیر و بم کے بدلے ہاتھ سے بجانے لگے۔ حضرت خواجہ کے کانوں میں ان کی کھڑکی بجانے کی آواز آئی۔ فرمائے۔ اس ابہ کاک کو خانقاہ سے نکالدو۔ یہ سنتے ہی ان پر بیتابی اور اضطراب کا ایک ایسا عالم طاری ہوا کہ اٹھکر خانقاہ سے نکلے۔ کپڑے پھاڑ دئے۔ اور زور سے پکارے " آزاد ہو گیا۔ میں آزاد ہو گیا"۔ مستی اور مدہوشی غالب ہو گئی۔ دیوانہ اور مستانہ ہو گئے۔ صوفی تھے قلندر ہو گئے۔

صنمارۂ قلندر سزد ار بمن نمائی ٭ کہ بسے دراز دور است رہ رسم پارسائی

جنگلوں۔ میدانوں اور پہاڑوں کا رخ کیا۔ وقت کے خدا دوستوں سے حقیقت اور معرفت کے معاملوں پر گفتگو کرتے تھے۔ ہر بات کرامات تھی۔ ہر حرکت کسی نہ کسی مکاشفہ کا اظہار تھی۔ اپنے معتقدوں اور چیلوں میں سے چالیس نفروں کو اپنا جیسا بنا دیا۔ اور ان کو ساتھ لے کر بازاروں اور جنگلوں میں گشت لگاتے تھے۔ اب حضرت خواجہ ان کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وہ اب ابہ کاک بنا ہے۔ (ابہ۔ ابلیس کا مرخم ہے) لیکن اپنے دوستوں کو ان کی خبر گیری کرنے پر زور دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن خواجہ ابراہیم مع ساتھیوں کے حضرت خواجہ کے باورچی خانہ میں آئے۔ اور زین دلی باورچی سے کھانا مانگے۔ اس نے کہا حضرت خواجہ کے راتب کے بغیر اور کچھ موجود نہیں اگر طاقت اور جرأت ہے۔ تو دیگچہ سے خود نکالیں اور کھائیں۔ خواجہ ابراہیم نے دیگچہ سے چاول نکال کر سا تھیوں کو پیٹ بھر کھانا کھلایا۔ دیگچہ بدستور بھرا ہوا تھا۔ اٹھا کر اپنی جگہ رکھکر نکل گئے۔ حضرت خواجہ کے ۱۰۲۷ھ میں

کے ہیضہ میں انتقال کرنے کے بعد حضرت خواجہ ابراہیم ایک دن شیخ محمد شریف کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ مجھے مع اپنے چالیس یاروں کو کل اس دنیا سے جانا ہے۔ چونکہ ہم بالکل بیکس ہیں۔ اس لئے آپ بذات خود ہمارے مکان میں آکر بیکسوں کی تجہیز و تکفین کریں اور شالہ کاک کو میرے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کریں۔ وہاں سے نکلے۔ ساری رات کو نہا دھو یا۔ کپڑے دھوئے اور کوٹھری میں آرام کی نیند سو گئے۔ یہ ۲۸ صفر سنہ ۱۰۲۷ھ تھا۔ صبح کو شیخ محمد شریف آئے اور اکتالیس قلندروں کو ایک ہی احاطے میں دفنانے کا انتظام کر کے شالہ کاک کو بھی شریعت کا لحاظ رکھ کر علیحدہ قبر میں دفنائے۔ دوسرے دن جب فاتحہ خوانی کو گئے۔ تو شالہ کاک اور بابہ کاک کی قبریں کھلی ہوئی تھیں۔ اور یہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے۔ پھر قبر کو اسیطرح ڈھانپا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک عرفان والی عورت ان کی چیلی تھی۔ جب یہ سب یار اس دنیا سے چلے تو اس عورت سے کہا تم یہیں رہو کیونکہ ہم بیکسوں پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں اس لئے تم ہی گریہ زاری اور ماتم داری کرو۔ اگر ہمارے مرشد نے ہماری مالکی کی تو چالیس دن کے بعد ہم تمہیں وہاں بلائیں گے۔ اور اگر مرشد پاک نے مالکی نہ کی تو تمہارا ہمارے ساتھ آنے کا کیا فائدہ ہے۔ طرفہ یہ ہے۔ کہ اکتالیسویں دن یہ عورت عالم بقا کو سدھاری۔ اور انہی کے مزار میں دفن ہوئی۔

خواجہ محمد صالح معروف بہ شالہ کاک

عالی خیال اور حسن و جمال والے سوداگر زادہ تھے۔ خواجہ ابراہیم کاک کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کی صحبت کی اکثر سے ترک دنیا کر کے جنون اور دیوانگی کا رنگ اختیار کیا۔ اور مرشد کیسا تھ پہاڑوں اور صحراؤں میں پھرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ کالے بید کے راکھ کو غذا کے بدلے کھاتے تھے۔ آخری دنوں میں ایک آدمی کو کھانا لانے کیلئے کہا۔ وہ روزانہ کھانا لانے لگا۔ اور تھوڑے ہی دن گذرنے پر ان کا انتقال ہوا۔ ایک دن مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ آج شہر میں آگ لگ جائے گی۔ اور ہمارا گھر بھی جل جائے گا۔ اسی رات کو آگ لگ گئی اور ان کا مکان بھی جل گیا۔

میر فاضل مجذوب

بڑے عالم اور کمال کے خوش نویس تھے۔ اچانک غیب ہی سے ان پر بے تعینی کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور مجذوب ہو گئے۔ شریعت کے دائرہ سے باہر ہو گئے۔ دیوانہ وار گلیوں بازاروں۔ بیابانوں اور جنگلوں میں پھرنے لگے۔ آخر پر فیروز شاہ بیچباڑی کے مقبرے پر بیٹھ گئے۔ اور برسوں وہیں رہے۔ جنون اور دیوانگی کے آثار دور ہو گئے۔ پرہیزگاری۔

اور خدا ترسی میں دن گذار کر چل بسے۔

کرشنہ پیر

بت پرستی کے دنوں میں کرشنہ کار کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے مالدار اور با اعتبار ٹھکیدار اور تاجر تھے۔ فقیروں اور سادھوؤں کی خدمت میں سرگرم رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ علاقہ کامراج کے ایک گاؤں وڈی پورہ کے ایک زمیندار محمد مراد نے ایک ہزار روپے ان سے قرضہ لئے تھے۔ اور مقررہ میعاد گذرنے پر ادا نہ کئے۔ اس واسطے یہ خود روپیہ وصول کرنے کیلئے وڈی پورہ گئے۔ جب گاؤں کے نزدیک پہنچے۔ گھوڑے سے اتر کر ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے بیٹھ گئے۔ دور سے ایک کسان ہل چلاتے نظر آیا۔ پیشین کا وقت تھا۔ کسان کھیت کے کنارے نماز پڑھنے لگا۔ بیل خود بخود ہل چلاتے رہے۔ کسان جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو پھر اپنے کام میں مشغول ہوا۔ کرشنہ کار کے دل میں خیال آیا۔ کہ آدمی کوئی بڑا خدا دوست ہونا چاہئے۔ اور اسی خیال سے اس کے پاس جا کر حال پرسی کرنے لگا۔ کسان نے کہا۔ میں پنجابی ہوں۔ میرا نام میاں مانک ہے۔ محمد مراد کا کام اجرات اور مزدوری کے بغیر کرتا ہوں۔ صرف کھانا پینا اور پوشاک اس سے لیتا ہوں۔ کرشنہ کار نے کہا۔ کیوں اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتے ہو۔ اگر میرے ساتھ شہر آؤ گے۔ تو میں کوئی کام کاج کرنے کے بغیر تمکو کھانا پینا اور پوشاک دوں گا۔ اور تمہاری خدمت بھی کروں گا۔ اس نے کہا۔ اگر محمد مراد اپنی مرضی سے مجھے رخصت دے گا۔ تو میں بغیر کسی حیلہ و بہانہ کے آؤں گا۔ کرشنہ کار محمد مراد کے گھر گیا۔ اور اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آیا۔ اور کہا۔ اگر میاں مانک کو مجھے دیدو گے۔ تو میں قرض چھوڑ دوں گا۔ محمد مراد نے میاں مانک کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس کے حوالے کر دیا۔ دوسرے دن شہر کو روانہ ہو گئے۔ جب بہت دور نکل گئے۔ اور لوگوں کی نظروں سے بھی دور ہو گئے۔ کرشنہ کار گھوڑے سے اترا۔ اور میاں مانک کے پاؤں پکڑ کر کہا۔ "میں آپ کے حال سے واقف ہو گیا ہوں۔ میں آپ کا زر خریدہ غلام ہوں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور میں پیدل چلوں گا۔ بہت منت و سماجت اور تکرار کے بعد میاں مانک شاہ راضی ہو گئے۔ اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ شہر پہنچے اور میاں مانک شاہ نے اپنے حال کو پوشیدہ رکھا۔ ان کا کام دریا سے پانی کا ایک گھڑا لانا تھا۔ دن گذرتے گئے۔ ایک دن کرشنہ کار نے راہ خدا دکھانے اور باطنی تعلیم و تربیت کیلئے میاں مانک شاہ کو نہایت مجبور کیا۔ میاں مانک شاہ نے کہا ہم دونوں تنہا ڈل جھیل کی سیر کو جائیں گے۔ دونوں ڈل گئے۔ اور وہیں انہوں نے

شراب معرفت کا جام پلا کر کرشنہ کار کو سرشار بنا دیا۔ عالم ناسوت سے لے کر عالم لاہوت تک کا سارا حال اس پر منکشف ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد میاں مانک شاہ مجذوب ہو گئے۔ دیوانگی کی حالت میں پھرنے لگے۔ میدانوں اور جنگلوں کی گشت کرنے لگے۔ کرشنہ کار ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے پھرتے رہے۔ جب میاں مانک شاہ دوڑ دھوپ سے رک گئے۔ اور ایک مسجد میں بیٹھ گئے۔ کرشنہ کار خدمت گذاری کرتے رہے۔ میاں مانک شاہ کے انتقال پر کرشنہ کار مجذوب ہو گئے۔ مستی غالب ہو گئی۔ ملہ کھاہ کے مزار کے مردوں کی ہڈیاں نکال کر اور ان کو مالا بنا کر گلے میں ڈالتے تھے۔ ڈر کے مارے نہ ہندو اور نہ مسلمان ان کے پاس آ سکتے تھے۔ آخر وقت پر ریبنہ واری کے حدود میں قصائیوں کے محلے میں ایک گڑھا اپنے ہاتھوں سے کھود کر رات کو اسی میں سو گئے۔ اور جان دینے والے کی سپرد جان کی۔ زندہ پیر نے آ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ دوسرے دن ہندو جمع ہو گئے۔ قبر کو کھولا۔ لیکن قبر بالکل خالی تھی۔ لاش کا نام ونشان ہی نہ تھا۔

زندہ پیر

کرشنہ پیر کا سالا اور ایک بڑے پنڈت خاندان کا لڑکا تھا۔ حضرت میاں مانک شاہ کی مجذوبی کی حالت میں کرشنہ پیر کی وساطت سے ان سے تربیت پا کر بت پرستی سے گذر کر حق پرست ہو گیا۔ اور حضرت مانک شاہ نے اس کی تربیت کرشنہ پیر کی سپرد کی۔ ازل کی یاوری سے نہایت بلند درجہ کے موحد ہو گئے۔ اور ہمہ اوست کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ زمانے کے بہت بڑے خدادوستوں اور ولیوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ کرشنہ پیر کی وفات کے بعد مستی اور جنون کا نقاب ڈالنے کے باوجود عجیب جوش اور شورش رکھتے تھے۔ سارے کام ہوش سے کرتے تھے۔ لیکن مردوں کی ہڈیاں قبروں سے نکال کر مالا بنا کر گلے میں ڈالتے تھے۔ شاہ محمد صادق قلندر جب کبھی انہیں دیکھتے تھے۔ تو سجدہ کرتے تھے۔ اگر کوئی آدمی ان سے اپنا حال پوچھتا تو جانوروں سے منسوب کر کے جواب دیتے تھے جیسے کوے نے چیل سے یہ باتیں کہیں۔ باز نے ہدہد کو یہ بات سنائی۔ طوطے نے مینا کو یہ کہانی کہی۔ اور یہی باتیں پوچھنے والے کے سوالوں کا جواب ہوتی تھیں۔ جو کہتے تھے وہی ہو جاتا تھا ملہ کھاہ کے مزار میں تھے۔ اور وہیں جان بحق ہو گئے۔ مسلمان اور پنڈت جمع ہو گئے۔ کفن پہنا کر تابوت میں رکھ کر ہندو اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے۔ مسلمان دفنانے پر اور ہندو

جلانے پر زور دینے لگے جھگڑا طول پکڑ گیا۔ اسی ضمن میں زندہ پیر کے واقفیوں میں سے ایک آدمی نے درگجن پل پر سے زندہ پیر کو بھاگتے دیکھا۔ اسکو پکڑ کر پوچھا۔ اس طرح کیوں بھاگتے ہو؟ کہا۔ میں مرا تھا۔ ہندو اور مسلمان آپسمیں لڑتے ہیں۔ میں ان جاہلوں سے بھاگ نکلا۔ تو جا کر ان کا فیصلہ کر۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ لوگوں سے کہا کیوں لڑتے ہو؟ زندہ پیر بھاگ گیا ہے؟ لوگ تابوت پر دوڑے دیکھا کہ اس میں کفن کے بغیر اور کچھ بھی نہیں۔ کفن کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ آدھے کو ہندوں نے جلایا۔ آدھے کو مسلمانوں نے دفن کیا۔

ریشہ پیر!

ان کا باپ پرگنہ اوتر کے ایک گاؤں "گشتی" کا باشندہ تھا۔ جوان کے پیدا ہونے سے پہلے مر گیا تھا۔ ان کی ماں جو رنگہ ٹینگ کے ایک پنڈت گھرانے کی لڑکی تھی۔ بیوہ ہونے کے بعد گشتی سے شہر آنے کیلئے روانہ ہوئی۔ سوپور پہنچنے پر کشتی میں دریا کے راستے شہر آنے کا انتظام کیا۔ اور سوپور ہی میں کشتی میں ریشہ پیر کی پیدائش وقوع میں آئی۔ ریشہ پیر کی پرورش۔ تعلیم و تربیت رنگہ ٹینگ میں نانا کے گھر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ "مادرزاد ولی" تھے۔ بچپن ہی سے جپ تپ گیان اور دھیان کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ رات کو جاگتے رہتے تھے۔ اور البشور کا نام جپتے تھے۔ بارہ برس کی عمر تھی۔ ملکھاہ سے چلتے تھے۔ اور کرشنہ کار کی نظر اسی مزار میں ان پر پڑی۔ نظر کھل گئی سب کچھ سامنے نظر آنے لگا۔ کیا یہ دنیا کیا عالم بالا سب نظر میں سما گیا۔ کرشنہ پیر نے ان کی تربیت زندہ پیر کے سپرد کی اور زندہ پیر کے اس دنیا کو رخصت کرنے تک ریشہ پیر مجاہدہ اور عبادات میں سرگرم رہے۔ یہاں تک کہ اعلیٰ مقام انہیں حاصل ہوا۔ زندہ پیر کی وفات کے بعد مجذوب ہو گئے۔ اور مستی نے غلبہ کیا۔ بازاروں۔ میدانوں اور جنگلوں میں چکر لگاتے پھرتے تھے۔ مستی میں اپنے آپ کو "ریشہ پیر بادشاہ" کہتے تھے۔ جہاں سے چلتے تھے۔ لوگ ہجوم کر کے ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے۔ وقت آیا۔ کہ چلنے پھرنے سے ان کے پاؤں رک گئے۔ اور ملچی مر کے محلے میں بیٹھ گئے۔ زبان تلوار تھی۔ جو کہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ بھکاری آن کے آن میں راجہ اور راجہ آن کے آن میں بھکاری ہو جاتا۔ اگر ان کی زبان سے نکلتا۔ کیا ہندو کیا مسلمان ان کے سخت معتقد تھے۔ ایک پہر رات گذرنے پر ان کا انتقال ہوا۔ ہندو خدمتگزاروں نے مسلمانوں کے ڈر سے

ان کی لاش کو دریا پر لیکر دھویا اور کفن پہنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ ہجوم کر کے دوڑے دیکھا کہ تختہ پر کفن ہی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ ہندوں نے تختہ اور کفن لیکر جلا دیا۔

شاہ محمد صادق قلندر

اندرابی سید خاندان سے تھے۔ عالم فاضل اور کامل۔ حافظ قرآن۔ سات قرأتوں کے ماہر۔ امیر علی قادری کے صاف باطن اور روشن ضمیر مرید تھے۔ انہی کی خانقاہ میں امامت کرتے تھے ایک دن نماز میں ان کے کان میں ایک آواز آئی جس سے ان پر ایک ایسی حالت طاری ہوگئی کہ نماز ہی میں ایک نعرہ لگا کر خانقاہ سے گر کر زمین پر لوٹنے لگے۔ اسی دن سے سارے تعلقات کاٹ کر دہلی روانہ ہو گئے۔ اور خواجہ عبیداللہ معروف بہ خواجہ خورد فرزندارجمند خواجہ محمد باقی کی خدمت میں حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ اور ہر گونہ اور ہر رنگ کے کمالات حاصل کر کے کشمیر واپس آئے۔ اسفل السافلین سے لیکر اعلیٰ علیین کے حالات تک ان پر منکشف ہو گئے تھے۔ چونکہ حضرت خواجہ خورد پر توحید کا قوی غلبہ تھا۔ اسلئے شاہ صادق پر بھی یہ اثر قوی رہا اور اکثر بارمستی کے موجب شریعت سے بے خبر ہو کر نماز اور روزہ کی پابندی ان سے عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ اور ممنوع چیزوں۔ تمباکو۔ چرس۔ بنگ۔ شراب وغیرہ سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ خوش وضع قطع اور خوبصورت جوانوں پر قلندری کا اثر ڈال کر ان کو داڑھی منڈھوانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی قلندر بن جاتے تھے۔ کچھ تو پکے قلندر اور کچھ کچے بیچ بیچ میں ہوش میں آتے تھے۔ بلکہ شراب۔ بنگ وغیرہ چھوڑ دیتے تھے۔ کمال کی نماز بہ خشوع اور خضوع سے تعدیل ارکان کا پورا پورا خیال رکھ کر ادا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت ترتیب سے کرتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد مراد نے ان سے پوچھا کہ "راہ راست" کون سا راستہ ہے۔ اور "شاہ راہ"، کون سا ہے؟ کہا۔ "شاہ راہ" "راہ محمدی" ہے۔ اور "راہ راست" "راہ شریعت" ہے۔ شیخ نے کہا۔ آپ نے کیوں پھر ایک اور ہی راستہ اختیار کیا ہے؟ جواب دیا۔ "مغلوب ہوجاتا ہوں۔ اور معذور ہوں۔ مجھ پر بیدینی لامذہبی کی تہمت نہ باندھیں۔ انہی دنوں میں حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کی روح پاک مجھ پر جلوہ گر ہوئی۔ اور فرمائے کب تک اسی حالت میں رہو گے۔ اسی روز سے ہوش میں آیا ہوں۔" جاننا چاہئے کہ یہ "مقام" غلبۂ وحدت

کے موجب طالبوں کے لئے پھسلنے کا "مقام ہے۔ کیونکہ وحدت وجود میں اپنے آپ سے کسی بھی فعل کے ہونے کی "نفی" ہے۔ وہی ہے ہم نہیں ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اچھا یا بُرا وہی کرتا ہے۔ وہی ہم نہیں کرتے۔ خدا ہم ہیں اور ہم خدا ہیں۔ صرف "وحدت" ہے اور کچھ نہیں۔ اس کو "کبرا تجلی فعلی" کہتے ہیں۔ ذاتِ واحد کا ظہور افعال سے اس مقام پر۔ پہنچنے پر سبھوں کا حال یہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے وجود کی "نفی" ہو کر اپنا وجود واجب الوجود تصوّر ہوتا ہے۔ "من خدا" ہر تار مو سے نکلنے لگتا ہے۔ کچھ تو معذور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کچھ زبردستی کر کے اور مرشدوں کی توجہ سے اس مقام سے خلاصی پاتے ہیں۔ تھوڑے سے اور گر کر ضعیف الاعتقاد ہو جاتے ہیں۔ وہی لوگ "مرد" ہیں جو یہاں پہنچکر راہ وحدت کو ایک گلی تصوّر کر کے "شاہ راہ" پر آتے ہیں۔ اور اس میں پیر و مرشد کی توجہ کی ضرورت ہے کہتے ہیں حضرت شاہ محمد صادق نے ایک دن ایک خوش انداز اور دلربا نالوائی لڑکے کو ایک ہی نظر سے دیوانہ بنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ لڑکے کی ماں حافظ عبداللہ فتحکدلی کی مریدہ تھی۔ وہ ان کے پاس گئی قصہ سنایا اور بہت عاجزی کی۔ جب قلندر رعنہ کدل سے واپس آکر فتحکدل کے نزدیک پہنچے۔ حافظ عبداللہ اپنے دروازہ پر کھڑے ہو کر قلندر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور قلندر بھی تھوڑی دیر کھڑے رہ کر آگے بڑھے اور نانبائی کا لڑکا ہوش میں آکر ماں کے ساتھ چلا گیا حافظ عبداللہ کے دوستوں میں سے ایک نے ان سے اس واقعہ کی حقیقت پوچھی۔ انہوں نے کہا۔ کہ جب میں نے قلندر کی طرف توجہ کی تو انہوں نے جوش میں آکر جلال کی نظر سے مجھے دیکھا اور میری جان میں آگ لگ گئی۔ میں نے یکدم سرور کائنات صلعم کی خدمت میں پناہ لی۔ آنجناب صلعم نے قلندر کو ڈانٹ کر کہا۔ کیوں ہمارے شریعت کے انتظام کو خراب کر رہے ہو۔ جاؤ اپنے کام کی حفاظت میں سرگرم رہو اور کسی کو تنگ نہ کیا کرو۔ یہ سُنکر قلندر نے اپنا راستہ لیا اور نالوائی بچہ سے اپنا تصرّف اٹھا لیا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت شاہ شہر سے بھاگ کر دنتہ لار کے گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ہشیاری کی حالت میں اگر اہل فضل و کمال میں سے کوئی ان کے پاس آتا تو بنگ اور چرس پینے لگتے تھے۔ اور اگر قلندروں اور مستوں میں سے کوئی آتا تو قرآن مجید کھولکر پڑھنے لگتے۔ گویا ان کو لوگوں سے پوری نفرت ہو گئی تھی۔ ایک دن ایک بانجھ عورت کھیر لے کر آئی کھیر پیش کر کے

عرض کی حضرت بانجھ ہوں۔ بے اولاد ہوں۔ حضرت شاہ نے دو سیب دئے۔ دو سال میں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ محمد صادق کے حالات۔ کمالات اور کرامات کا حد و حساب نہیں۔ ہر بات اور ہر حرکت میں کوئی کمال اور کوئی کرامات ہوتی تھی۔ موزون طبیعت تھی۔ مستی میں بھی سوز و گداز سے بھرے ہوئے اشعار کہتے تھے۔ کلام تصوف سے بھرا ہوا ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

پکچند سوارہ سبر دشتے کردیم ⁂ پکچند بپادہ لپشت پشتے کردیم
دیدیم کہ اربں کوچہ ندارد پایاں ⁂ گشتے کردیم و باز گشتے کردیم

ہر کہ آمد گل ز باغ زندگانی چید و رفت ⁂ آمد و بر ہستی ملک جہان خندید و رفت
از ازل صادق بدنیا میل آمیزش نداشت ⁂ چند روزے آمد و یاران خود را دید و رفت

رباعی

پکچند پئے زینت و زیور گشتیم ⁂ در عہد شباب
پکچند پئے دانش و دفتر گشتیم ⁂ کردیم حساب !!
چون واقف این جہانِ ابتر گشتیم ⁂ ایلک دریاب

آخر عمر میں مستی کا غلبہ رہا۔ اور آخر ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۰۹۳ھ کو اسی مغلوبیت کی حالت میں اس دنیا کو رخصت کی۔ ان کی زیارت قصبہ لار میں ایک ٹیلے پر واقع ہے۔

شیخ محمد شریف معروف بہ شوگنہ بابا

خواجہ مسعود پامپوری کے خاص خلیفوں میں سے تھے۔ سلوک کے دنوں میں ایک دن ایک درخت پر چڑھ گئے۔ درخت پر بیٹھے تھے۔ کہ شور و غوغا بلند کرکے بولے۔ "مجھے پکڑتے ہیں اور لیتے ہیں۔ ہائے ہائے کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ اسی حال میں کمال بے چینی۔ پریشانی۔ اور انقلاب کی حالت میں درخت سے اترے اور دیوانوں کی طرح ہر طرف دوڑنے لگے۔ رشتہ داروں کو خبر لگ گئی۔ اور وہ ان کو باندھ کر شیخ مسعود کے پاس لے گئے۔ حضرت شیخ نے دیوانے کو خانقاہ کی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور خود نگرانی کرتے رہے جب تک ان کا حال

سُدھر کر پھر معمول پر آگیا۔ شوگہ بابا برسوں اسی کوٹھری میں رہے۔ اور کسی کے کہنے سے باہر نہ
نکلے لگاتار مستی۔ مدہوشی اور دوسری ہی عالم میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ ایک دن اپنے خدمت
گذار بابا علی سے کہا۔ "آؤ فلانی شراب خانے پر جائیں گے۔ اور مے نوشی کی داد دیں گے۔
بابا علی نے کہا۔ اٹھئے جاتے ہیں"۔ اور یکدم اٹھکر کوٹھری سے نکلے۔ دونوں شراب خانہ پر پہنچے۔
وہاں ٹھہرنے کے بغیر ہی آگے نکل گئے۔ ایک نائی راستے میں تھا۔ وہ ان کے پاس آگیا۔ آئینہ
نکال کر شوگہ بابا کے ہاتھ میں دے دیا۔ جب شوگہ بابا نے شیشہ میں اپنی داڑھی دیکھی تو حجام
سے کہا۔ بیٹھو۔ میری داڑھی منڈوا ڈالو۔ داڑھی تو مردوں کے لئے ہے۔ میں نے مردوں کا
کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔ داڑھی کسی کام کی نہیں؟ نائی نے کہا؟ حضرت میرے پاس پانی
کیلئے برتن نہیں۔ پانی کیونکر لاؤں؟ شوگہ بابا نے ٹھیکری اٹھائی۔ بابا علی کے ہاتھ دیکر ان
سے کہا۔ جاؤ پانی لاؤ۔ بابا علی تھوڑا سا پانی ٹھیکری میں لیکر آئے۔ شوگہ بابا مسکرائے۔
اور کہا ابھی تو نے کہا تھا کہ شراب پلاؤں گا۔ اب پانی بھی نہیں دیتے ہو۔ داڑھی کو خود
پانی ملکر نائی سے منڈوا ڈالی۔ اور مستی میں چل پڑے۔ مدت تک بیابانوں۔ پہاڑوں۔
ویرانوں اور جنگلوں میں پھرتے رہے۔ آخر کو پھر اپنی کوٹھری میں واپس آکر بیٹھ گئے۔
نمازیں۔ پڑھنے لگے۔ روزہ رکھنے لگے۔ عبادات میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن ملا جوہر
ناتھ شاگردوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر ان کی ملاقات کو آئے۔ اور دعا کے لئے التماس
کی۔ حضرت نے کندھوں سے ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کی۔ ایک طالب علم کے دل میں گذرا کہ ہاتھ
اتنے اونچے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے اسی طالب علم کے ہاتھ میں جو کتاب تھی
لیکر کھولی اور شاگرد کے ہاتھ میں واپس دے کر کہا پڑھو۔ جب شاگرد پڑھنے لگا۔
لکھا تھا۔ کہ سرور کائنات صلعم دعا کے وقت ہاتھوں کو کندھوں سے اوپر اٹھاتے تھے۔
شاگرد دل کی لغزش پر بہت شرمندہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ مسعود کی وفات کے بعد شوگہ بابا نے
ان کی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ ایک دن بنگر ریشی نے خواب میں دیکھا کہ شوگہ بابا کا منہ سورج
کی طرح چمک رہا ہے۔ اور رخسار پر ایک کالا داغ ہے۔ دوسرے دن شوگہ بابا کے پاس
آگئے اور رات کے واقعہ کے متعلق کچھ نہ کہا۔ شوگہ بابا نے ادھر ہی سے کہا۔ کہ ریشی رات
کا واقعہ سچ سچ بتاؤ۔ کہ تو نے کیا دیکھا۔ ریشی نے کہا۔ آپ کا چہرہ سورج کی طرح چمکتا ہوا

دیکھا۔ اور رخسار پر ایک سیاہ خال دکھائی دیا۔ شوکہ بابا نے کہا۔ کہ وہ داغ تعمیر خانقاہ میں وقت صرف کرنے کیلئے میرے منہ پر لگایا گیا ہے۔ ۲۱ صفر سنہ ۱۰۲۶ھ کو رحلت کی۔ پابینور میں دفن ہوئے۔

صالح خان

حضرت بابا لطیف الدین غازی کے خلیفوں میں سے تھے۔ اور آخوند ملا طیب ان کے پیر صحبت تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالفقرا ایک دن ملا طیب اور خان بابا کو ساتھ لیکر جیوڈارہ گئے۔ یہ گاؤں میں پہنچے اکثر قلندر بھی وہاں پہنچا۔ حضرت بابا پر کشف کے ذریعہ آدھی رات کو قلندر کا حال معلوم ہوا۔ تینوں اسی وقت قلندر کے پاس گئے۔ قلندر کے سامنے شراب (معرفت) کا بھرا ہوا پیالہ تھا۔ اور اس پیالہ اٹھا کر حضرت بابا کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت بابا نے نوش فرمایا۔ اور پیالہ ملا طیب کو دیا۔ ملا طیب نے باقی ماندہ میں سے کچھ نوش جان کر کے پیالہ خان بابا کو دیا جو قطرے اس میں رہے تھے۔ خان بابا وہ ختم کر گئے۔ قلندر اٹھا اور ان سے رخصت لیکر چلا گیا۔ حضرت بابا اپنے حال پر قائم رہے۔ ملا طیب کچھ دن تو بے ہوشی میں رہے۔ اور دو سال تک مستی اور مدہوشی ان پر طاری رہی۔ شریعت کی پیروی اور پابندی سے لاپرواہ رہے۔ پھر ہوش میں آکر شیخیت کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ خان بابا تو پکے مستانہ ہو گئے۔ پہاڑوں۔ جنگلوں اور ویرانوں کی گشت کرنے لگے وحشی جانور۔ درندے۔ پرندے اور چرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ کھانے پینے اور سونے کے بغیر ہی دوڑ دھوپ میں رہتے تھے۔ بارہ برس گذرنے کے بعد آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگے۔ اور شریعت کی پابندی کرنے لگے۔ روزہ اور نماز کی طرف راغب ہو گئے۔ اور باقی دن پرہیزگاری۔ خدا ترسی اور ریاضت میں گذارنے لگے۔ سنہ ۱۰۶۱ھ میں وفات پائی۔ جہاں دفن ہوئے وہاں ایک گاؤں بس گیا ہے۔ جس کا نام "خان بابا" مشہور ہے۔ اور تعظیم کے موجب خان صاحب لوگ کہتے ہیں۔

شیخ ابراہیم معروف بہ ٹھگہ بابا

ملا طیب کے مرید دل میں صاحب کشف و کرامات تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت آخوند ایک دن ایک چیلے سے کہتے تھے۔ کہ آج دیگر نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے تمہیں فلانی مسجد میں توجہ

دے دوں گا۔ شیخ ابراہیم بھی سن رہے تھے۔ بے وقت سے پہلے ہی مسجد میں گئے۔ اور اپنے آپ کو چٹائی میں اس طرح لپیٹ لیا۔ کہ گویا مسجد میں کوئی نہیں اور کسی نے چٹائی لپیٹ کر ایک طرف رکھی ہے۔ حضرت آخوند اور طالب آ گئے۔ حضرت نے توجہ دی۔ لیکن طالب پر اثر نہ ہوا۔ دوسری دفعہ ہمت سے متوجہ ہوئے۔ پھر بھی اثر نہ ہوا۔ تیسری بار اس جوش سے توجہ دی کہ ان کے دہان مبارک سے شعلے نکلنے لگے۔ لیکن فیض کا اثر طالب پر نہ ہوا۔ حضرت شیخ اٹھے اور مسجد کے کونوں اور چٹائیوں کی چھان بین کرنے لگے۔ اور لپٹی ہوئی چٹائی میں سے شیخ ابراہیم کو نکال کر بولے۔ ارے ٹھگ تو نے میرا فیض باطنی ٹھگی کر کے سارے کا سارا لے لیا۔ اسی دن سے شیخ ابراہیم پر مستی غالب ہو گئی۔ مجذوب ہو گئے۔ دریا کے کنارے چپ چاپ بیٹھے بیٹھے مستی کے حال میں کسی سے بات چیت کرنے بغیر مگن تھے۔ نو برس کے بعد ہوش میں آنے لگے۔ شریعت کی پابندی کرنے لگے۔ نمازیں پڑھنے لگے اور روزے رکھنے لگے۔ رحلت کے بعد ملا طیب کے روضہ کے متصل شمال کی طرف دریا کے کنارے دفن ہوئے۔ ٹھگ بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

شاہ محمدؒ عارف

شاہ ابو الفتح کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ابتدا سلوک میں جب یاد خدا کرتے تھے۔ وجد و حال میں سر مبارک کسی چھت کیساتھ لگ لگ کر زخمی ہو جاتا تھا۔ آنکھیں ہمیشہ خمار سے بھری ہوئی اور سرخ ہوتی تھیں۔ صبح کو اگر کوئی انہیں دیکھتا تو بے ہوش ہو جاتا تھا۔ آخر بر مستی اور بے ہوشی نے غلبہ کیا۔ اور دیوانگی کے لباس میں ننگے پاؤں پہاڑوں اور ویرانوں میں دوڑنے لگے۔ باپ کے انتقال کے دن کسی دور کے گاؤں میں تھے۔ اور جب لوگ حضرت شاہ کی میت کو لحد میں رکھ چکے اور گورکن قبر سے نکل کر تلقین میت قبر کے کنارے کرنے لگا۔ تو شاہ عارف کو قبر میں بیٹھکر اپنے والد کو تلقین کرتے ہوئے پایا۔ شاہ عارف قبر سے اوپر آئے۔ یہ حال دیکھکر سب دم بخود تھے۔ اکثر اوقات کے ایام سوز و گداز میں گذارتے۔ والد بزرگوار کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

شاہ عبدالرشید

آخوند ملا طیب کے چیلے تھے۔ شروع میں سالکوں کے طریقے پر پرہیزگارانہ اور عابدانہ دن گذاری کرتے تھے۔ انجام کار وحدت کے محیط میں گر گئے۔ شریعت کے پالان کو کندھوں سے پھینک کر کوہ و صحرا کے گشت میں مصروف ہو گئے۔ کرامتیں اور فوق الفطرت باتیں ان سے ظہور میں آتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا ایک معتقد اپاہج ہو کر چلنے پھرنے سے بیکار ہو گیا۔ ایک دن ان کے پاس جا کر توجہ کیلئے استدعا کی۔ تھوڑا سا وقت بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ اُس کو پیشاب پھیرنے کی ضرورت ہوئی۔ اٹھ کر باہر نہیں جا سکتا تھا۔ گھسٹتے گھسٹتے کوٹھری کے کونے میں جا کر پیشاب کرنے لگا۔ حضرت شاہ نے سونٹا ہاتھ میں اٹھا کر کیا کرنے لگا" بول کر اس طرح ڈانٹا کہ اپاہج ہیبت اور ڈر کے مارے یکدم اٹھ کر کوٹھری سے باہر بھاگا۔ اور اُسی وقت سے ٹھیک ہو گیا۔ ایک رات کچھ معتقد اور مخلص ان ہی کے پاس سو گئے۔ پہر بھر رات گذری اور انہوں نے ان کو جگا کر کہا۔ چراغانہ دیکھو۔ یہ باہر نکلے اور دیکھا کہ محلے کو آگ لگ گئی ہے۔ اور ان میں سے کئیوں کے گھر جل رہے ہیں۔ شہام پورہ میں دفن ہیں۔

بابا رضا

بابا مسعود نروری کے فرزند بابا عبداللہ کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ سے تربیت پائی تھی۔ حد درجہ کے خدا ترس۔ پرہیزگار۔ عابد اور زاہد تھے۔ آخر غلبۂ توحید کے موجب مستانہ اور قلندرانہ وضع کے ہو گئے۔ پوشیدہ باتوں کو علانیہ طور پر کہتے تھے۔ ایک دن عقیدت مندوں اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت کیساتھ دریائے جہلم کے کنارے پہنچے۔ کرتے کے دامن کو کندھے پر ڈال کر دریا کے پار چلے گئے۔ پار پہنچے تو پاؤں کے تلوے بھی گیلے نہ ہوئے تھے۔ قصبہ سوپور کے باہر ایک چھوٹے سے ٹیلے پر سڑک کے کنارے دفن ہیں (اب اس کے پاس ہی بجلی گھر ہے)

حسن شاہ مجذوب

روشن ضمیر اور صاف دل مستانہ قلندر تھے۔ بدن پر کوڑھ کی بیماری کے سفید دھبے تھے۔ شہر کے کوچوں اور بازاروں میں ننگے پاؤں رات دن گشت لگاتے رہتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کے بتلے تھے۔ آسانی سے سمجھ میں نہ آنے والی الٹ پلٹ اور پیچیدہ باتیں

کرتے تھے۔ اور حاجت مندوں کے جواب انہی باتوں میں ہوتے تھے جب خشم اور قہر میں دانت پیستے تھے۔ تو کسی نہ کسی آنے والی آفت کا خطرہ ہوتا تھا۔

طوفان شاہ

داؤد بائی کے نظر یافتوں میں سے تھے سخت مزاج اور سخت کلام تھے۔ لوگوں کو مارتے پیٹتے اور گالیاں دیتے تھے۔ اور جن کیساتھ یہ سخت برتاؤ کرتے تھے۔ عام طور پر ان کی مطلب برآری ہوتی تھی ایک دن کوٹھار کے قانون گو کو کسی سنگین جرم کیلئے شہر سے افسروں نے طلب کیا۔ قانون گو طوفان شاہ کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا جاؤ کچھ کوڑے کھا کر خوشی خوشی واپس آجاؤ۔ اور جو زبان سے نکلا تھا وہی واقع ہوا۔ وفات کے دن رات کو ان کے ایک معتقد نے انہی خواب میں دیکھا اور خواب ہی میں اس سے کہا۔ کل کوٹھار میرے واسطے کفن لیکر پہنچنا۔ وہ سویرے اٹھکر بازار گیا۔ اور کفن خرید کر شام کو کوٹھار پہنچا۔ طوفان شاہ یکدم اُٹھے اور نہا کر روبقبلہ ہو کر بیٹھ گئے اور اسی وقت جان بحق ہو گئے۔ گاؤں والے آگئے اور کفن پہنا کر انہی دفن کیا۔

بشی شر معروف بہ لبسی سر

نامور سنڈت لڑکا تھا۔ زندہ پیر کی نظر ہو گئی۔ ترک دنیا کی۔ یاد مولیٰ میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن آسمان سے نور کا شعلہ اس کے بدن پر گرا۔ اسی وقت مستانہ ہو گیا۔ کوچوں اور بازاروں میں گشت کرنے لگا۔ سوز۔ جوش اور عجیب شورش والا تھا۔

حسین شاہ معروف بہ کدو

شراب معرفت کا سرمست تھا۔ ایک عطّار کی دکان پر بیٹھتا تھا۔ عطّار پر حال کھل گیا مسلمان ہو کر چیلا بنا۔ دونوں نے دکان چھوڑ دی اور پھرنے لگے۔ کسی کے گھر میں جاکر نہیں بیٹھتے تھے۔

بابا قادر

بابا عبداللہ بز دری کے پوتوں میں سے تھے۔ بابا رضا نے نظر کی۔ اور یاد خدا میں لگ گئے۔ دنیا چھوڑ دی۔ پرہیزگارانہ اور سالکانہ وضع میں دن گزاری کرنے لگے۔ بابا رضا کی وفات کے

بعد بادہ توحید کانشہ بہت تیز ہوگیا۔ شریعت کی تکالیف سے گذر گئے۔ سوپور اور کامراج کے علاقوں میں مستی کی حالت میں گشت لگاتے تھے۔ لوگ ان کے بڑے معتقد تھے۔ حاجتمندوں کو اشاروں اور کنایوں سے ہونے والی بات ان کے زبان سے کہتے نے کے بغیر ادھر ہی سے کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کا دل آئینہ ہے۔ اور ان سے کسی کے دل کا حال پوشیدہ نہیں۔ جہاں کہیں نغمہ۔ سرود۔ گانا بجانا اور ناچنا ہوتا تھا۔ وہاں دوڑ کر جا پہنچتے تھے۔ ناچنے والوں کیساتھ رقص کرتے تھے اور گاتے تھے۔ اور کبھی دو دو تین تین دن بیہوش ہوکر پڑے رہتے تھے۔ وفات کے بعد حمل کے گاؤں ترگہ پورہ میں دفن ہوئے۔

میاں وفاقی شاہ

سلوک کے مرحلے طے کرکے پنجاب سے کشمیر آئے۔ یہاں مستی غالب ہوگئی۔ کپڑے پھاڑ کر دیتے ہوئے ننگے پھرنے لگے۔ ہندی اور پنجابی راگ گاتے تھے۔ بار بار بولتے تھے "جل گیا جل گیا" اور دو تین گھڑے پانی کے پی جاتے تھے۔ ایک دن کلنگ اوپر سے اڑ رہے تھے۔ شاہ نے نظر اٹھائی۔ وہ کلنگ نیچے اترے۔ اور اسکے پاس بیٹھ گئے۔ شاہ نے کہا۔ تم اچھا نوحہ کرتے ہو اور میں اپنی آپ کو رو رہا ہوں۔ تم نوحہ کرو۔ خود رونے لگے اور دو دن کلنگ آوازیں کرتے رہے۔ اسی حال میں ان کا انتقال ہوگیا۔ پرگنہ چھی پورہ کے دالرگاؤں میں دفن ہیں

شیخ عبداللہ سلری معروف بہ داؤد بابائی

ترہہ گام کے چک خاندان سے تھے۔ شیخ اسماعیل قادری سے سلوک کی تربیت پاکر دنیا سے کنارہ کشی کرکے ستائیس ۲۷ برس ان کی خدمت گذاری میں گذارے۔ اور سالکانہ عبادات اور ریاضات عمل میں لاتے رہے۔ اپنے آپ کو "غوث" کہتے تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد آٹھ سال کامراج میں رہے۔ اسکے بعد مختلف مقاموں پر سنتالیس ۴۷ برس عبادات اور ریاضات میں بسر کئے۔ آخر دریائے وحدت میں غرق ہوکر دنیا اور عقبیٰ۔ شریعت اور طریقت کی رسوم سے بے نیاز ہوکر مستی کے غلبہ میں جنگلوں اور ویرانوں کی گلگشت کرتے رہے۔ کچھ دن چکر لگاکر واپس آتے تھے۔ جنون اور شوریدگی کا اندازہ نہ ہوتا تھا۔ جو کوئی جو بھی مراد دل میں لیکر سامنے آتا تھا کسی دیری کے بغیر اسکو جواب سنتا تھے۔ اور وہی جواب تقدیر کی لکیر ہوتا تھا۔ ۹ ذالحجہ ۹۷۰ھ کو لوئے برتی

عمر پوری کر کے وفات پائی۔" اور سُسّتر کے گاؤں میں دفن ہیں۔ کہتے ہیں کہ وفات سے چار سال پہلے کہا تھا۔ کہ میں مجذوب ہو جاؤں گا۔ اور چار سال مجذوب رہ کر سُسّتر میں وفات پاؤں گا۔ اور میری قبر کی چوڑائی اتنی ہو جائے گی جس میں ۲۰ بیس آدمی آ سکیں گے جب لوگ جناب کو دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو پہاڑ سے ایک بڑا چٹان لڑھکتے آیا جس نے تعویز قبر کو مٹا دیا۔ اور قبر کی وسعت ۲۰ بیس گز ہو گئی۔

خواجہ طاہر بچھ

شاہ قاسم حقانی کے داماد اور مرید تھے۔ بہت بلند حالات اور کمالات والے تھے۔ خط ارشاد عنایت کرنے کے موقعہ پر کتاب نفحات الانس بھی عطا کی۔ کچھ مدت کے بعد عاریت کے طور پر پھر مانگی۔ خواجہ طاہر نے کہا۔ شاید جناب دیوانہ ہیں۔ کہ دی ہوئی بخشش واپس مانگتے ہیں۔ حضرت شاہ نے فرمایا۔ یہ بات کیوں زبان سے نکالی۔ تمہارے ماتھے پر دیوانگی کی علامت ظاہر ہے۔ کہتے ہیں کہ بابا طاہر کو ایک عورت کی آواز خوش آئی۔ اور اُس عورت سے شادی کی بچھوارہ میں سکونت کی۔ ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام قائم بابا رکھا۔ بچہ پیدا ہونے کے چوتھے دن بچہ کو گود میں لیکر کشتواڑ بھاگ گئے۔ چار برس کے بعد واپس آئے۔ گھر پہنچے۔ بچے کے منہ پر ہاتھ ملکر کہا۔ میں اپنی داڑھی منڈاؤں گا۔ لیکن تو ریش کی شرم محفوظ رکھو گے۔ تاکہ تیری خوبیاں میری برائیاں ظاہر نہ کریں۔ اور ۸۰ اسّی برس کی عمر تک قائم بابا کے بدن پر ایک بال بھی ظاہر نہ ہوا۔ بابا طاہر کی دیوانگی اور داڑھی منڈائی کی وجہ صاحب فتحات یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن ایک آدمی نے شاہ قاسم سے پوچھا کہ آپ کیوں مقبروں پر فاتحہ نہیں پڑھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ میں ایمان والوں کو روحانیت سے فیض پہنچاتا ہوں۔ اور جو لوگ بے ایمان ہیں۔ ان کے نام فاتحہ پڑھنی جائز نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی کیا تجویز ہے۔ فاتحہ پڑھیں گے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ میرے ایمان کی نشانی شورہ زمین سے نرسل کے پودے اُگنے ہیں۔ اگر میری قبر پر نرسل کے پودے اُگے۔ تو فاتحہ پڑھئے۔ نہیں۔ تو نہیں۔ واقعہ یہ ہوا۔ کہ حضرت شاہ کی وفات کے بعد ۳۹ انتالیس دن تک نئے کا ایک پودا بھی نہ پھوٹا اور دشمنوں کو باتیں بنانے کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور اسی دن حضرت بابا طاہر نے داڑھی منڈوائی اور دیوانگی اختیار کی۔

کل چالیسویں دن کیا دیکھتے ہیں کہ سارے مقبرے میں نرسلوں کے پودے اُگ آئے ہیں۔ اور مقبرہ
سبزا سبز ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس لوہار کی بھٹی میں جس کا گھر مقبرے کے ساتھ تھا نرسل کا پودا نکلا۔
جو بھٹی جلانے پر سونے کے رنگ کا نظر آیا۔ اور بھٹی ٹھنڈا ہونے پر سبز ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ دوسرے
دن لوہار کی آہرن سے بھی نرسل کی شاخ پھوٹ نکلی۔ اس کی عورت نے کہا۔ کہ اس پر بڑا ہتھوڑا
مارا۔ لوہار نے ہتھوڑا مارا۔ اور دونوں دیوانے ہو گئے۔ اور چار پانچ دنوں کے بعد دونوں
پانی میں ڈوب گئے۔ ان کے وارثوں نے ان کے مکان اور زمین کو مقبرے کیساتھ شامل کر دیا۔
بابالاہر بھر مرتے دم تک مجذوب اور مست رہے۔ وفات کے بعد پھوارہ میں دفن ہیں۔

لالہ مانجوؔ

حضرت شاہ قاسم کے مُرید تھے۔ زاہد عابد۔ عامل اور ریاضت کش تھے۔ ایک مدت تک
زاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ آخر پر دریائے وحدت میں غرق ہو کر مستی اور جنون میں
کوہ وصحرا اور ویرانوں میں پھرنے لگے۔ لوگوں کے حاجت روا تھے۔ زیادہ تر بانجھ عورتیں ان کے
پاس اولاد کیلئے آتی تھیں۔ راکھ سے ہاتھ آلودہ کر کے جس کی پیٹ پر چار انگلیاں رکھتے اس
سے لڑکی پیدا ہوتی تھی جس کے پیٹ پر سارا ہاتھ رکھتے اسکو لڑکا پیدا ہوتا تھا۔ ایک
آدمی کا بیٹا بیمار تھا۔ اور وہ اسے ان کے پاس لایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی دلہن کی سامان
کو خدا کے راستے میں دیدو۔ جب سائل نے سامان کو فقیروں میں بانٹ دیا۔ لڑکا صحت
یاب ہو گیا۔ ۷ محرم سنہ ۱۰۶۲ھ کو رحلت کی۔ شورہ گری محلہ میں [illegible] مسجد کے پاس دفن ہو گئے

حکیم شاہ مجذوبؒ

جوانی میں خدائی کشش کے غلبہ نے دیوانہ بنا دیا۔ بازاروں اور کوہساروں میں پھرتے رہتے
تھے۔ پھر حول میں قرار پذیر ہو گئے۔ حاجت مندوں کو گذشتہ اور آئندہ کے حالات سے اشارہ
اور کنایہ میں واقف بناتے تھے۔ کہتے ہیں کہ دونوں جہانوں کا کشف رکھتے تھے۔ عالموں اور
بامعنی لوگوں کیساتھ ہوشیاری سے باتیں کرتے تھے۔ سنہ ۱۱۱۷ھ میں رحلت کی۔ محلہ حول میں
دفن ہیں۔ تکیہ حکیم شاہ اب بھی چالو ہے۔

یوسف شاہ

حال اور قال میں حکیم شاہ کے ہم پلہ تھے۔ اور ان کے پاس ہی انتقال کے بعد دفن ہوئے۔

محمد مُراد پوشہ ٹینگو

اپنے سر پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی پھول رکھتے تھے۔ اور اسی باعث سے "پوشہ ٹینگو" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ محلہ علاء الدین پورہ کے رہنے والے تھے۔ جب خدا پرستی کے شوق نے غلبہ کیا۔ تو حضرت زاہد بابائے ناگامی کی خدمت میں جا کر طریقت کی تعلیم حاصل کی پھر ہندوستان گئے۔ اور وہاں کے بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ کشمیر واپس آئے۔ تو دیوانوں کی طرح طرفوں میں پھرتے رہے۔ بہت سے لوگوں پر ان کا قلندرانہ اثر ہوا۔ اور انہیں اپنا ہم رنگ بنا دیا۔ آخر عمر میں گھر میں بیٹھ گئے۔ سنہ ۱۱۲۲ھ میں اس دنیا سے نقل کی۔ محلہ زرپرستان میں دفن ہوئے۔

بر بر شاہ

شیخ نور محمد بر دار کے مرید تھے۔ عشق الٰہی کی شراب کے سرمست اس درجہ کے تھے۔ کہ دنیا اور مافیہا کی خبر تک نہ تھی۔ بر بر شاہ میں دفن ہیں۔

ریشہ بائی

نوہٹہ کے راستے پر بیٹھے تھے۔ جو ان کے پاس آتا۔ اس کو جو مطلب دل میں ہوتا تھا اس میں کامیاب یا ناکام ہونے کے متعلق خبر دیتے تھے۔ وہیں دفن ہیں۔

عبدی شاہ

عجیب و غریب مستانہ تھے۔ زبان حکم خدا تھی۔ ایک دن اپنے آپ ہی سے کہتے تھے۔ آرام جاتا ہے۔ حمام جاتا ہے۔ دریا جاتا ہے۔ پل جاتا ہے۔ اسی ہفتے میں سیلاب آیا۔ اور شہر کو بہا کر لے گیا۔

زونی شاہ

بادۂ توحید کے سرمست تھے۔ طوہان شاہ کے پاس اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ کوٹہ ٹمار میں دفن ہیں۔

غیبی شاہ

خواجہ مسعود نزدری کے چیلے تھے۔ شوگہ بابا ان کے ہم صحبت تھے۔ آخر نشۂ توحید اور مستی نے زور کیا۔ پہاڑوں اور ویرانوں جنگلوں اور بیابانوں میں گشت کرنے لگے۔ دوسروں کے دلوں کی باتیں اور ان پر آنے والے واقعات کی خبریں علانیہ کہتے تھے۔ ڈکون پہاڑ پر انتقال کیا۔ اور اچانک ایک آدمی وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک زچھ لاش کی رکھوالی کر رہا ہے لوگ وہاں گئے اور لاش کو لاکر ترال میں دفن کیا۔

عنایت شاہ

سلطان میر کے مرید تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مستی نے زور کیا۔ ننگے ہو کر رہتے۔ ہنستے۔ دوڑتے اور ادھر ادھر کی باتیں کہتے تھے۔ اور پھرتے تھے۔ سامنے آنے والے حاجت مندوں کو اچھے۔ برے۔ اگلے اور پچھلے حال کے متعلق صاف صاف خبردار کرتے تھے۔ یہ باتیں اس طرح بیان کرتے تھے۔ جیسے کہ کوئی باہوش آدمی بیان کرتا ہے۔ پرگنہ شاہ آباد کے گاؤں تھمن میں دفن ہیں۔

اعظم شاہ

خواجہ رفیق کے خلیفہ میر علی کے بیٹے تھے۔ خان شاہ کے مرید ہوئے۔ اور ان سے سلوک کی تعلیم اور تربیت پا کر زاہدانہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر جنون نے کوہ و صحرا میں نکال دیا۔ اکثر راتیں درختوں پر گذارتے تھے۔ والد بزرگوار کے احاطے میں دفن ہیں۔

محمد شاہ

صاف دل اور روشن ضمیر قلندر تھے۔ شانگس کے گاؤں میں عمر بھر ایک درخت کے نیچے ہکا بکا اور چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اسی گاؤں میں دفن ہیں۔

فیروز شاہ

محمد شاہ کے بھائی تھے۔ شیخ ابو الفقرا کے منظور نظر تھے۔ مستی اور مدہوشی کا غلبہ تھا۔ سنگس کر دت میں سپرد خاک ہو گئے۔

دوسرا فیروز شاہ

بابا نصیب الدین غازی کے چیلوں میں سے تھے۔ روشن ضمیر اور صاحب تاثیر تھے۔ کپڑے اور انگوٹھیاں لگا کر ایک کوٹا ہاتھ میں لیکر پھرا کرتے تھے۔ کسی کے بارے میں یا آنے والے واقعات پر جو بول لیتے تھے۔ وہی عمل میں آتا تھا۔ بیجبارہ میں دفن ہیں۔

قدہ شاہ

شاہ بنگہا کے مریدوں میں سے تھے۔ ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔ ایک مٹکا کندھے پر رکھ کر لوگوں کو مفت میں پانی لایا کرتے تھے۔ حضرت بل میں دفن ہیں۔

فیروز بابو

پنڈت تھے ایک قلندر کے جذبہ سے مسلمان ہو گئے۔ شراب توحید کے نشہ سے سرشار ہو گئے۔ مستی میں چپکے چپکے باتیں کرتے تھے۔ جن کے سمجھنے سے لوگ عاجز تھے۔

نعیم شاہ

مراد یا قبیلے کے اور راجوری کدل کے رہنے والے تھے۔ جوانی میں کسی کی نظر نے دنیا سے سیر بنا دیا۔ مجنون ہو گئے۔ جس کسی کو کہتے تھے کہ میں نے تم کو اتنا روپے دے دیا۔ یا فلانی چیز دے دی۔ بغیر کسی فرق کے وہی عمل میں آتا تھا۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں رحلت کی۔

شاہ مخدومی

صاف دل۔ روشن ضمیر۔ جذبہ حال اور کمال والے قلندر تھے۔ جو کچھ سامنے بیٹھنے والوں کے دلوں میں گذرتا۔ وہ اس کی خبر اسی وقت دیتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۷ھ میں رحلت کی۔

عبدلو ماب

قلندروں اور مجذوبوں کے سرتاج تھے۔ باطنی فضا کے بلند پرواز شہباز تھے۔ داڑھی منڈاتے تھے۔ خواجہ عبدالرحیم شیخ کمان کے فرمانے پر ستر عورت کرنے لگے۔ ۱۱۹۹ھ میں رحلت کی۔

مراد شاہ

کشف وکرامات والے مست قلندر اور مجذوب تھے۔ ایک دن میر عبداللہ کے گھر آئے۔ ختم بند چھت کو دیکھنے لگے۔ حیرت اور افسوس سے آہ نکال کر بولے۔ کتنا روپے خرچ ہوا ہوگا۔ اور کتنے ترکھان اس کے بنانے میں لگے ہوں گے؟ اسی رات اسی مکان کو آگ لگ گئی۔ بہت بوڑھے ہوکر رحلت کی۔ ہزارن بازار میں دفن ہوئے۔

شرف شاہ سگ نواز

مستانہ تھے۔ کتوں سے بڑی الفت تھی۔ ایک دن حضرت سلطان العارفین رح کے آستانہ کے صحن میں کتوں کی ایک جماعت لیکر آئے۔ حافظ عبداللہ وعظ پڑھ رہے تھے۔ خدا کے دیوانہ کی طرف نفرت اور حقارت سے دیکھکر بولے۔ بس دیوانہ کو یہاں سے نکالو۔ مستانہ نے کہا۔ "رافضی جلدی ہی تمہارا گوشت کتوں کے نصیب میں ہوگا۔" تھوڑے دن گذر گئے۔ اور حافظ عبداللہ کی لاش کو بازاری کتوں نے کھایا۔

شاہ عبدالرحمان قلندر

یہاں کے شرابفوں میں سے تھے۔ زمانہ کے چکر کے موجب ان کا باپ باورچی کا کام کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ "مادر زاد ولی" تھے۔ بالغ ہو گئے۔ ہندوستان چلے گئے شاہ محمد روشن قادری کی خدمت میں جاکر بہت مدت تک ان کے پاس رہے۔ سلوک کے مرحلوں کو طے کرکے اور ارشاد کی سند حاصل کرکے مرشد کی اجازت سے واپس کشمیر آئے۔ مدت مدید تک تنہا نشینی اور گوشہ نشینی میں دن گذارتے رہے۔ پہلے بارہ مولہ کی پہاڑی پر پھر بر سید محمد امین دیسی کے محلہ میں جہاں ان کا اصلی گھر تھا۔ برسوں رہے۔ اس کے بعد اسلام آباد گئے۔ اور خانقاہ حضرت ریشی رح میں کئی برس عبادت میں گذارے۔

پھر خانقاہ مُعلّی کی ہمسائیگی میں ایک عبادت خانہ تعمیر کرکے باقی عمر وہاں گذاری۔ آخر عمر میں
مستی اور بےہوشی غالب آگئی مجذوب ہو گئے۔ شریعت کی پابندی سے گذر گئے۔ نچلا
دھڑ بیٹھ گیا۔ سلّی نام والی ایک عورت ان کی خدمت کرتی تھی۔ حاجت مندوں کے مطلبوں
اور مرادوں کا جواب اسی کو مخاطب کرکے دیتے تھے۔ اگر کوئی دنیا طلبی کا خیال لیکر ان کے
پاس آتا تھا۔ تو اُسے گالیاں دیتے تھے۔ اور ان ہی گالیوں میں اس کا جواب بھی ہوتا تھا۔ اگر
کوئی مولا طلبی کے خیال سے آتا تو اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کا دل
مبارک جہاں کا آئینہ تھا۔ جو کچھ سامنے بیٹھنے والوں کے دلوں میں گذرتا اس کا جواب سلّی
کو مخاطب کرکے دیتے تھے۔ میر بہاءالدین منطقہ جو ان کے خاص خلیفے تھے۔ ان کے مجذوب
ہونے پر نئے طالبوں اور پرانے مریدوں کی تربیت ان کی اجازت سے کرتے تھے۔
اور حضرت میر کو آخون کا لقب دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن میر بہاء الدین نے التماس کی۔
"حضرت اس زمانے میں ابوالوقت (ابدال) کون ہے؟" فرمائے ابوالوقت وہ ہوتا ہے
جو دنیا کے کاموں کے ہونے اور نہ ہونے کا مختار ہو۔ دنیا کا ہر کام اسی کے حکم سے ہو۔
اگر وہ بھونچال کے ارادہ سے زمین پر پاؤں مارے۔ تو زمین حرکت میں آکر ہل جائے
گی۔ اور حضرت میر کے یقین کیلئے زمین پر پاؤں مارے اور پاؤں مارتے ہی شدید زلزلہ
آگیا۔ ایک دن خراسان کا شہزادہ ان کی ملاقات کو آیا۔ حضرت نے خادموں کو حکم دیا۔
کہ مہمان کیلئے مکلّف کھانا تیار کریں۔ اور اسی وقت بارش شروع ہو گئی۔ خادموں
نے مینہ بند ہونے کیلئے التماس کی۔ فرمائے کام کرتے جاؤ۔ تمام شہر میں شدّت کی بارش
رہی اور ان کے صحن میں بارش کا ایک قطرہ تک نہ برسا۔ اور مجلس ختم ہونے تک یہی حال
رہا۔

بیت:-

ہر چہ از گردون گردان میرسد : از طفیلِ روحِ مردان میرسد

میرے مرشد مرزا غلام بیگ حقانی فرماتے تھے۔ کہ سردار عبداللہ خان کنواری لڑکیوں کو
لوگوں سے جبراً لیتا تھا۔ ایک دن میر بہاء الدین نے اس ناشایان ظلم کی شکایت حضرت
شاہ سے کی۔ حضرت نے نہایت قہر اور غضب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر میرے ہاتھ میں
دے کر کہا۔ اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ تاکہ کسی دوسرے کو اس ملک کا حاکم بنا دوں۔
کچھ دن بعد فرمائے۔ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ حاضروں نے عرض کی حضرت کس کام سے تھکے
ہوئے ہیں؟ فرمائے آج وزیر مختار الدولہ کی فوج کو دریائے اٹک سے اس طرف پار کر رہا

تھا۔ کچھ دن گذرے۔ مختار الدولہ کشمیر پہنچا۔ اور عبداللہ خان کی جڑ اکھیڑ کر عطا محمد
خان کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ میرے مرشد مرزا غلام الدین نے فرمایا۔ کہ ایک دن سردار
عظیم خان نے حضرت شاہ کی خدمت میں آکر التماس کی کہ رنجیت سنگھ تسخیر کشمیر کیلئے
فوج لیکر آرہا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب تک میں زندہ ہوں۔ اس کو یہاں آنے نہ
دوں گا۔ رنجیت سنگھ شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ اور ان کی وفات کے بعد کشمیر پر
قابض ہوگیا۔ مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت شاہ بہت بڑے ولی اور اپنے وقت کے قطب عالم تھے
ان کی ہر بات اور ہر حرکت کشف و کرامات اور خرق عادات تھی۔ سنہ ۱۲۳۲ھ کو راہی ملک
بقا ہوئے۔ خانقاہ معلیٰ کے پڑوس میں ان کی نعش سپرد خاک ہوئی۔ تاریخ :۔

چون ز دنیا رُوی دل بر تافت گفت ہاتفی ؛ زد لبِ فردوس برین آن قطب ربانی علم

احمد شاہ

بقا بابائے شاہ آبادی کے مرید تھے۔ شراب توحید اور شہود کے سرشار اور سرمست تھے
پھرتے رہتے تھے۔ اور کسی جگہ آرام و قرار نہ کرتے تھے۔ راستوں پر کسی ترتیب کا
لحاظ رکھنے کے بغیر ہزاروں رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے۔ حاجتمندوں کے دلوں کے
حال کو صاف صاف بیان کرتے تھے۔ ویرانوں میں دن گذارتے تھے۔ شاہ آباد میں
دفن ہیں۔

خوشحال شاہ

لوگوں سے بھاگتے تھے۔ جنگلوں اور میدانوں میں پھرا کرتے تھے۔ جنگلوں میں لوبیا کی کاشت
کرتے تھے۔ اور وہی پکے ہونے پر کھاتے تھے۔ ذوق و شوق والے تھے۔ اچھا
اور برا جو کچھ زبان سے نکلتا تھا۔ وہی ہو جاتا تھا۔ بیجارہ میں دفن ہیں۔

شاہ نظام الدین

خدارسیدہ مست قلندروں میں سے تھے۔ بازاروں۔ گلیوں اور کوچوں میں پھرا
کرتے تھے۔ مطلب مندوں کے درست جواب دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن لوگ
ملت ران کی نماز پڑھنے کیلئے عیدگاہ جارہے تھے۔ شاہ نظام الدین کو بھی کسی گلی میں سے
پکڑ کر ساتھ لے گئے۔ عیدگاہ پہنچکر چرس کی تین چلمیں پی کر دھواں آسمان کیطرف

پھینکنے گئے۔ اور آنسوؤں کے کچھ قطرے بھی بہائے۔ لوگ عیدگاہ ہی میں تھے۔ کہ بارش برسنے لگی۔ گندرپورہ میں دفن ہیں۔

حکیم شاہ ثانی

سنہار تھے۔ ضرب چوری میں پکڑے گئے۔ اور مدت تک جیل میں رہے۔ معرفت کی چنگاری دل میں رکھتے تھے۔ ایک دن قیدخانہ میں آگ کا ایک شعلہ کھڑکی سے آکر اس پر گرا بیہوش ہوگئے۔ دو دن کے بعد ہوش میں آئے۔ اور بالکل دیوانے تھے۔ حکومت نے جیل سے چھوڑ دیا۔ اور گلیوں۔ کوچوں میں پھرتے رہے۔ کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ آخر پرحلہ گوجوارہ میں قرار کیا۔ لوگوں کا تانتا باندھا رہتا تھا۔ اشارہ کنایہ میں لوگوں کو مرادوں اور مطلبوں کا خلاصہ سنا دیتے تھے۔ کرنیل میاں سنگھ ان کا بہت معتقد تھا۔ ۲ ذالحجہ سنہ ۱۲۶۱ھ کو رحلت کی۔ گوجوارہ میں دفنائے گئے۔

ثناء اللہ قلندر

بقا بابائے شاہ آبادی کے بیٹے تھے۔ باپ سے تربیت پاکر سلوک کے منزلوں کو طے کرکے صاحب حال اور کمال ہوگئے۔ توحید کے نشہ میں چور چور ہوکر مستی اور مدہوشی نے غلبہ کیا۔ شریعت کی تکلیفوں سے دست بردار ہوگئے۔ پھر بھی عالموں اور صاحبدلوں کیساتھ ہوشیاری سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ اور چیلوں کو تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ نظر میں کیمیا کا اثر تھا۔ اور بے شمار لوگ فیضیاب ہوگئے۔

جمال شاہ ریش دراز

لار کے علاقہ کے باشندے تھے۔ اسی علاقہ میں دیوانگی میں پھرتے تھے۔ صاف دل اور کامل فقیر تھے۔ جو ان کے پاس آتے تھے۔ ان کی مرادیں پوری ہوتی تھیں۔ اچھا یا برا جو ہونے والا ہوتا تھا۔ اس کی خبر دیتے تھے۔

لعل شاہ

شاہ ثناء اللہ قلندر کے خلیفے تھے۔ سلوک کے منزلوں کو طے کرنے کے بعد جنون کا بھیس پہنکر پہاڑوں اور بیابانوں میں پھرنے لگے۔ عجیب و غریب حالات اور کمالات رکھتے تھے

آخر پر ایک جگہ قرار پذیر ہو گئے۔ اور طالبانِ خدا کی رہبری کرنے لگے۔

جمال شاہ سگ نواز

طریقت، معرفت اور حقیقت کے منزلوں کو طے کرنے کیلئے مدت تک غاروں، گپھاؤں اور پہاڑوں میں تنہانشینی اور گوشہ نشینی کرتے رہے۔ آخر مجذوب ہو گئے۔ دیوانگی اور مستی میں جوش و خروش کرتے تھے۔ سخت مزاجی اور تند کلامی پیدا ہو گئی۔ مدت تک علیش آباد کی باغ کی سڑک پر بیٹھے رہے۔ پھر تاشوان کے بازار آکر بیٹھ گئے۔ پھر وہاں سے اٹھکر شیر گڈھی کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ ایک دن مہدہ نواب آکر ان سے لڑنے لگا۔ مہدہ شاہ بولا۔ کیوں تو نے کشمیر کو ڈوگروں کے ہاتھ میں دے کر ویران کیا؟ جمال شاہ بولے۔ مجھے اختیار ہے۔ جو چاہوں کروں۔ اسی گفتگو میں لڑنے لگے۔ مہدہ نواب نے ایک ڈنڈا ان کے سر پر اس زور سے مارا کہ جان بحق ہو گئے۔ اس کے بعد ہی گلاب سنگھ بھی سرگباش ہو گیا۔

سرافراز شاہ

افغانی تھے۔ کشمیر میں تجارت کرتے تھے۔ غیبی جذبہ سے ترک دنیا کر کے مال و جائداد کو خدا کے راستے میں خرچ کر ڈالا۔ دیوانگی اختیار کر کے گلیوں اور بازاروں میں پھرنے لگے۔ مطلب مندوں کو اچھا یا برا جو کچھ کہتے تھے۔ وہی ان کے حق میں ہو جاتا تھا۔ راجوریکدل میں وفات پائی۔ حضرت سید کے روضہ کے پاس ہی راستے کے کنارے دفن ہوئے۔ آخون زادہ نوراللہ نے ان کی قبر کی تعمیر کی۔

مہدہ نواب

کہتے ہیں کہ یہ سرافراز شاہ کے چیلے تھے۔ بازاروں، کوچوں اور طرفوں میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ حد درجہ کے صاف دل اور روشن ضمیر تھے۔ جہاں کہیں کسی مجذوب کو دیکھتے تھے۔ اس کو مار پیٹ کے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔ چنانچہ جمال شاہ کو مار ہی ڈالا۔

شعبان شاہ

جمال شاہ ریش دراز کے خلیفے تھے۔ نوشہرہ سے لیکر سونہ مرگ تک گشت لگاتے پھرتے تھے بہت سخت مزاج تھے۔

ولی شاہ

صاف دل۔ اور روشن ضمیر قلندر تھے۔ دیوہ سر کے علاقہ میں رہتے تھے۔ مہاراج رنبیر سنگھ ان کا بڑا معتقد تھا۔ اُس کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ۱۲۸۱ء میں رحلت کی۔ اور وہیں راحت کی نیند سوئے۔

سالم شاہ

علاقہ لار کے ایک زمیندار کے بیٹے تھے۔ ازل کی یاوری سے کرم شاہ لاری کی خدمت میں آکر علم باطنی کی تعلیم سے فیضیاب ہو گئے۔ زاہدانہ اور عابدانہ زندگی بسر کرتے تھے ایک دن ایک چراگاہ میں گئے تھے۔ رات کے وقت اُس پر ایک بجلی گری۔ اسی وقت مولیٰ کے بغیر سب کچھ چھوڑ کر دیوانگی کا لباس پہنکر جنگلوں۔ ویرانوں۔ اور پہاڑوں میں گشت کرنے لگے۔ عجیب و غریب زور و شور اور ذوق و شوق رکھتے تھے۔ آخر پر علاقہ برنگ کے ایک گاؤں لیسر میں بیٹھ گئے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے۔ مرادیں پاتے تھے ہر آنے والے کو اُس کے دل کی باتیں علانیہ بتا دیتے تھے۔ مہاراج رنبیر سنگھ ان کا بڑا ہی معتقد فرمان بردار اور خدمت گذار تھا۔ ان کے لنگر کا خرچ خزانے سے پورا کرتا تھا۔ ۱۲۹۶ء کے قحط کے دنوں میں اپنا تین برس عمر کا بیٹا کندھے پر اٹھا کر غائب ہو گئے۔ اور تین دن کے بعد بچے کے بغیر واپس آئے۔ بیوی اور دوسروں نے پوچھا۔ بچے کو کہاں رکھا اور کیا کیا؟ فرمائے۔ بیجبارہ پل پر چھوڑ دیا۔ شاید بارہ برس کے بعد پھر ہاتھ آئے گا۔ لوگوں نے بچے کی تلاش ہر طرف سے کی۔ لیکن کہیں سے سراغ نہ نکلا۔ اور بچے کے ہاتھ آنے سے مایوس ہو گئے۔ اسی سال سالم شاہ نے رحلت کی۔ بارہ برس گذر رہے۔ ایک دن سُندرِ ناگ کے پہاڑ پر جو بھوتوں اور درندوں کا وطن اور مسکن ہے۔ دیوہ سر کا ایک آدمی کسی کام کیلئے گیا۔ پہاڑوں کے ایک درّہ میں بالکل ننگا منگا ایک جوان درخت کے نیچے بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جس کے سر کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اور گھاس کے سبز پتے کاٹ کر کھا رہا تھا۔ یہ آدمی اُس کو دیکھکر حیران ہو گیا اور ڈر گیا۔ کہ کوئی بھوت نہ ہو۔ اور مجھے نہ ستائے۔ بھاگتا ہوا واپس گاؤں چلا گیا۔ اور لوگوں کو واقعہ سُنایا۔ کئی آدمی اُس کے ساتھ دیکھنے آئے۔ امتحان کرنے پر انہیں یقین ہوا کہ یہ خوبصورت لڑکا آدم زاد ہے۔ جن۔ بھوت یا پری نہیں ہے۔

پکڑ کر اُس کو گاؤں لائے ۔ اور کھانا کھلایا۔ لیکن یہ بات نہ کر سکتا تھا۔ سُنتا تھا۔ جواب کیلئے اس کو الفاظ معلوم نہ تھے۔ یکدم بات پھیل گئی۔ سالم شا کی بیوہ نے بھی یہ بات سُنی وہ بھی دیکھنے آئی۔ اور کسی نشانی سے جو اُس کو یاد تھی بچہ کو پہنچان لیا۔ اور گھر لے گئی۔ ہر طرف خبر پھیل گئی کہ سالم شاہ کا بیٹا بارہ برس کے بعد سُندر یار کے درہ سے واپس لایا گیا۔ سب حیران تھے۔ کہ شیر خوار بچہ اس پہاڑ پر جو بھوتوں اور درندوں کا مسکن ہے ۔ جہاں پندرہ سولہ گز برف گرتی ہے ۔ اور آٹھ مہینے رہتی ہے۔ بغیر کھانے پینے اور پوشاک کے کیونکر زندہ رہا۔ دانشمندوں کو اس واقعہ کو قدرتِ کاملہ کی عجیب کارگذاری سے تعبیر کر کے سالم شاہ کی توجہ اور کرامت سے منسوب کیا۔

تمام شد خمسین پنجم

به توجه:-
خواجہ نور محمدؒ فرزند خواجہ غلام محمدؒ!
مالکان: کوہ نور پرنٹنگ پریس امیرا کدل
سرینگر۔ کشمیر!

ترجمہ:-
پیر عبدالکبیر فرزند عبد العلی نوری
کرال نگر۔ سرینگر۔ کشمیر!

کاتبہ
قاضی محمد حسینؒ خانیاری فرزند قاضی نظام الدین خانیاری

مستری حبیب لیٹ

خاتمہ در بیان حقیقت اشیائے متبرکہ جو اس ملک میں جناب رسالتمآبؐ اور اولیائے کبار کی یادگار ہیں۔

موئے مبارک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقعۂ حضرت بل)

روایت کرتے ہیں کہ عزت و حشمت والے ایک صاحب سید عبداللہ نام روضۂ مطہرہ کے متولی تھے۔ جو اپنی بڑائی بزرگی۔ خودسری اور غرور کے موجب خلیفۃ المسلمین شاہ روم کے احکام کی تکمیل کا چنداں پروانہ کرتے تھے۔ اور حکم عدولی کیلئے مدینۂ منورہ سے جلاوطن ہونے کا فرمان شاہی اس کے حق میں صادر ہوا۔ مدینہ منورہ کے گورنر نے شاہی حکم کی تعمیل میں سید موصوف سنہ ۱۰۴۴ھ کے مہینوں میں ہندوستان جلاوطن کرکے اُس کا مال و جائیداد ضبط کیا۔ حضرت سید عبداللہ نے مدینہ منورہ کو الوداع کہنے پر تین متبرک تحفے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لبسوی مبارک کا ایک موئی۔ دستار شریف اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھوڑے کا زین ساتھ اٹھائے۔ شاہجہاں نے نہایت قدردانی کرکے بیجاپور میں جاگیر مقرر کی۔ کچھ مدت گذرنے پر حضرت سید عبداللہ نے دنیائے غدار کو رخصت کی۔ اور عالمگیر نے حضرت سید کے بیٹوں کو داراشکوہ کی طرفداری کے الزام کے موجب جاگیر ضبط کی۔ اور جاگیرات کی واگذاری کی چارہ جوئی کرنے کیلئے ان کو شاہجہاں آباد جانا پڑا۔ چونکہ آمدنی کے ذرائع مسدود تھے۔ اسلئے گذارہ کیلئے نہایت عاجز ہوگئے۔ اور کشمیر کے ایک بڑے تاجر کو ٹھیدار خواجہ نورالدین ایشہ بری سے جن کی کوٹھی اردو بازار میں تھی اخراجات کیلئے ایک بھاری رقم ادھار لی۔ بہت مدت کے بعد عالمگیر نے جاگیر واگذار کرنے کے احکام جاری کئے۔ لیکن اتنی مدت میں ان کو قرضہ ادا کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ اور مجبوری کے حالات میں انہوں نے خواجہ نورالدین کیساتھ موئے مبارک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مرید انکے نام غلام حسن کی مجاوری میں موئے مبارک تھا۔ قرضہ کے عوض ہبہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ خواجہ نورالدین نے اس فیصلہ کو سعادت دارین خیال کرکے قرضہ سے دست برداری دیکر فارغ خطی لکھ کر دی اور موئے مبارک حاصل کیا۔ سفر کا سامان باندھکر کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ جاسوسوں نے عالمگیر کو واقعہ کی خبر دی۔

اور بادشاہ نے حکم دیا کہ جہاں بھی موئے شریف ہو واپس لاکر پیش کریں۔ خواجہ نورالدین لاہور پہنچا تھا اور وہیں گرفتار کیا گیا۔ موئے مبارک اور میدالنش غلام اسے لیکر بادشاہ کو پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے موئے مبارک کی زیارت کرکے حکم دیا۔ کہ موئے شریف کو خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ میں رکھا جائے۔ درگاہ کے ملازم موئے شریف لیکر اجمیر شریف پہنچے۔ اور موئے شریف کو خانقاہ میں رکھا۔ اجمیر شریف میں موئے مبارک کو نو ہی دن گذرے تھے۔ کہ بادشاہ نے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے بادشاہ کو فرمایا: "میرا موئے جو اجمیر شریف میں رکھا گیا ہے۔ کشمیر بھیج دیا جائے"۔ اور اس کے وہاں بھیجنے میں درنگی نہ ہو۔" بادشاہ نے بادشاہ دوجہاںؐ کے فرمانے کی فوری تعمیل کی۔ موئے مبارک معہ میدالنش غلام اجمیر شریف سے واپس منگا کر میدالنش کو انعام اکرام اور خلعت دیکر کشمیر روانہ کیا۔ میدالنش موئے مبارک لیکر لاہور پہنچا۔ اُسے معلوم ہوا کہ خواجہ نورالدین دق کی بیماری میں مبتلا ہو کر جان بحق ہوا ہے۔ میدالنش خواجہ نورالدین کی نعش ساتھ اُٹھا کر کشمیر کی طرف آگے بڑھا۔ کشمیر میں موئے مبارک کی خبر پہنچی تو یہاں کے بڑے بڑے مشایخ۔ عالم۔ خاص اور عام عاشقان رسول اللہؐ کی ایک بڑی جماعت استقبال کے لئے ہیرہ پور گئے۔ اور حضرت شیخ محمد رادھو ننگے پاؤں جھجر تک پیشوائی کرتے رہے۔ وہاں سے موئے مبارک کے صندوق کو سر پر رکھ کر وجد و حال سے راستہ طے کرتے رہے۔ شہر پہنچے اور موئے مبارک کو حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے روضہ میں رکھا۔ دوسرے دن روضہ پر لوگوں کا ہجوم ہوا۔ موئے مبارک کو صندوقچی سے نکالا گیا۔ شیخ وقت شیخ محمد رادھو نے نشاندہی کر کے موئے مبارک کی زیارت کرائی۔ ہجوم کی کثرت سے کئی آدمی پامال ہو کر جان بحق ہو گئے۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر شہر کے امیروں۔ عالموں اور مشایخوں نے فاضل خان صوبیدار کشمیر سے مشورہ کر کے باغ صادق خان کو جو ڈل جھیل کے کنارے واقع تھا۔ وسعت اور نزہت کے موجب بہترین مقام جانکر موئے مبارک کو وہیں رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے مالک سے خط وقف (وقف نامہ) حاصل کر کے موئے مبارک کو وہاں رکھا۔ بادشاہ عالمگیر نے اس کے خادموں کے گذارہ کیلئے تین گاؤں بطور جاگیر بخشدیئے۔ مرزا قلندر بیگ نے

موئے مبارک کشمیر پہنچنے کا یہ تاریخی قطعہ لکھا ہے :۔ ۱۱۱۱ھ

محتاجان را بوقت حاجت طلبی ٭ موئے مدد است یار سول عربی ؐ

تاریخ نزول "مو" بمن ہاتف گفت ٭ کشمیر مدینہ شد از موئے نبی ؐ

اس وقت سے مرتے دم تک حضرت شیخ محمد رادھو موئے مبارک کی زیارت کراتے رہے ان کے انتقال کے بعد نشاندہی کرنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔ اسی اثنا میں شہر کے رئیسوں اور معززوں نے نشاندہی کرنے اور زیارت کرانے کا حقدار خواجہ نورالدین کے داماد خواجہ بلاقی بانڈے کو تسلیم کر کے یہ مبارک کام ان کے تفویض کر دیا۔ اس زمانے سے خواجہ بلاقی بانڈے کے خاندان کے وارث اس درگاہ کے متولی ہیں۔ اور اپنی اپنی باری پر زیارت دکھاتے ہیں۔ موئے مبارک کشمیر میں پہنچنے پر سال بھر میں صرف دو دفعہ نشاندہی کی جاتی تھی۔ تین دن شب معراج پر اور تین دن عید میلاد پر۔ کچھ مدت کے بعد لوگوں کی خواہش کے موجب چار یار با صفا کے عرسوں کے دنوں پر بھی زیارت دکھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس طرح چھ۶ مرتبہ اور دس روز سال میں نشاندہی کی جاتی ہے۔ موئے مبارک کی تحقیق اور توثیق کا دارومدار صرف روایات اور تحریرات ہی پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تصدیق اس وقت کے اور بعد کے صاحبدلوں اور روشن ضمیروں نے کی ہے۔ چنانچہ موئے مبارک کے یہاں پہنچنے کے دنوں ہی میں حضرت شیخ محمد رادھو اور خواجہ احمد یسوی جو اپنے زمانے کے بڑے خدا دوستوں میں سے تھے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب کی طرف متوجہ ہوئے۔ دونوں آنحضرت صلعم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ اور موئے مبارک کے بارے میں استفسار کرنے پر جواب پائے "یہ ہا موئے میرے دائیں گیسو کا ہے" ان کے بعد کے بزرگوں اور صوفیوں نے بھی تحقیقات کر کے تصدیق کی ہے۔ کچھ ظاہری واقعات بھی ہیں۔ جن میں آزاد خان حاکم کشمیر کے امتحان کرنے کی کوشش کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آزاد خان نے چاہا کہ موئے مبارک کو شیشی سے نکال کر آگ پر امتحان کرے۔ اس کا خیال تھا کہ آنحضرت صلعم کا موئے اگر ہوگا تو نہیں جلے گا۔

اسی خیال سے اس نے موچنے سے موئی مبارک کے سرے کو پکڑ کر کھینچا۔ موئی مبارک نہ نکلا سرے کے پاس سے کٹ گیا۔ اور وہ ٹکڑا ابھی شیشی ہی میں رہا۔ اور شیشی ہی میں ہے۔ چالیس دن گذرے آزاد خان کا تن سے جدا کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ موئی مبارک شیشی میں معلق نظر آتا ہے۔ اور شیشی ایک طرف سے دھندلی سی ہے۔ متولیوں نے چاہا تھا۔ کہ شیشی کو بدلائیں لیکن موئی مبارک شیشی سے نہ نکلا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ صاحبدلوں اور خدا دوستوں پر کچھ عجیب سی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور انہیں فیض و برکات کا احساس ہوتا تھا۔ اکثر بزرگوں کا بیان ہے۔ کہ وہ اسی مقام سے سرور کائنات کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ کشمیر میں اور چار موئے مبارک ہیں۔ ان میں جو ارادت۔ عقیدت اور محبت لوگوں کے دلوں میں درگاہ حضرت بل کے موئے مبارک سے ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ معراج شریف اور عید میلاد کے دنوں میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ زیارت کو آتے ہیں۔

موئے مبارک سرور دو عالم در خانقاہ قلاش پورہ

کہتے ہیں کہ خواجہ نیرو زاشائی ایک نامور مالدار صاحب قدر آدمی امرائے دربار کی وساطت سے عالمگیر کی صحبت میں فیضیاب ہو کر مصاحبوں کے زمرہ میں شامل ہوگیا۔ اور ایک مدت تک دربار میں رہا۔ اور شاہی خاندان میں جو تبرکات تھے۔ ان میں سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے مبارک کا موئی۔ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے محاسن مبارک کا موئی۔ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا جامہ مبارک جس پر آیات کلام اللہ لکھے تھے۔ اور شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستخط کے لکھے ہوئے کلام اللہ کا ایک ورق نہایت کوشش کر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور سنہ ۱۰۸۰ھ میں یہ تبرکات ساتھ لیکر کشمیر آیا۔ خواجہ موصوف نے ان تبرکات کو یمن و برکت کیلئے اپنے گھر میں سربستہ رکھا اور ان کو دکھانے کی جرأت نہ کی۔ تاریخ ورود یہ ہے:- ؂

بر روح نبی باد ہزاراں لمعات ؂ کہ موئی شفاعتش برنداز درکات

آن موئی ز گیسوی وی آن خواجہ نیرو ز ؂ آورد بہ کشمیر ز بہر برکات

ہے گفت سحر بلبل قدسی پے تاریخ ؛ بر موئے مقدس محمدؐ صلواۃ

خواجہ فیروز کے انتقال پر خواجہ محمد دفا باپ کی وراثت پر متصرف ہوا۔ اور ۱۱۳۹ھ میں ایک مجذوب فنا فی اللہ آدمی مراد شاہ نام والا ہر روز خواجہ محمد دفا کے گھر آکر ٹھوکر مارتا رہا اور گالیاں دیکر کہتا رہا۔ "تم لوگوں نے کیوں سورج کو چھپا رکھا ہے"۔ دیوانہ کی مداومت کرنے پر خواجہ محمد دفا کے دل میں اندیشہ بڑھا اور میر عبد اللطیف درار کی خدمت میں جاکر دیوانہ کی حقیقت بیان کی۔ حضرت میر نے فرمایا۔ آپ کے گھر میں موئے مبارک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ اور دیوانہ لوگوں کو اس کی زیارت کرانے کیلئے اشارہ کر رہا ہے۔ چنانچہ حضرت میر موئے مبارک کی نشاندہی کرانے کیطرف خود متوجہ ہوئے۔ اور ۱۱۳۹ھ کے یوم معراج پر موئے شریف اور دوسرے تبرکات خواجہ محمد دفا کے گھر سے نکال کر ملاش پورہ کی مسجد میں رکھے۔ سرور کائنات علیہ صلواۃ کا موئے شریف اور موئے مبارک خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو ایک ہی شیشی میں رکھکر لوگوں کو پہلے مرتبہ دکھائے گئے۔ تاریخ ہے :-

چون موئے شریف سید عالیدرجات ؛ زد جلوہ بردل زپردہ باصد برکات!
تاریخ اشاعتش بگفتا ہاتف ؛ بر موئے مبارک محمدؐ صلواۃ

اس وقت سے آثار شریف حضرت بل کے موئے مبارک کی طرح یہاں بھی سال میں چھ دفعہ لوگوں کو اس موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ ان کے معتبر ہونے کی سند بزرگوں اور خدا دوستوں کی تصدیق پر ہے۔ علاوہ اس کے چغتائی بادشاہ اپنے عہد حکومت کے خاتمہ تک اس مقام کیلئے خزانۂ عامرہ سے گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے دیتے رہے۔ اور خادموں کی معیشت کیلئے نو ہزار روپے کی رقم میں سے جو لنگر کیلئے مشخص اور مقرر تھی سات سو روپے دئے جاتے تھے۔ جو سکھوں کے عہد میں بند ہو گئے۔ خواجہ محمد دفا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبد الرسول متولی رہا جس نے خواجہ عبد الحکیم کول کو خانہ داماد بنایا تھا۔ اور مقام کی تولیت اس کے سپرد کی تھی۔ خواجہ عبد الرسول کے بیٹے بے اولاد تھے جس کے موجب خواجہ عبد الحکیم کے ورثا متولی درگاہ

تلاش پورہ میں چلے آتے ہیں۔

موئے مبارک سردار عالم محلہ اندر وارہ میں

روایت ہے۔ کہ ایک بڑا بزرگ عالم۔ فاضل اور ولی کامل شیخ رجب کشمیری حج کو گئے مکہ معظمہ میں زیارت بیت اللہ اور حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جاکر روضہ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے استنبول گئے۔ جہاں بادشاہ روم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ ان کے مرید فرمانبردار بنے۔ اور شیخ نے لوگوں کی فیض رسانی میں سات سال وہیں گذارے ۔ سنہ ۱۰۸۳ھ میں شیخ نے کشمیر آنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے مال و دولت اور تحفے تحائف پیشکش کئے۔ شیخ نے ایک دھیلا تک قبول نہ کیا۔ اور بادشاہ کو کہا۔ مال و دولت مجھے بکار نہیں۔ میرے کس کام آئے گی۔ اس کی بجائے اگر موئے مبارک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو شاہی خاندان میں موجود ہے عطا فرمائیں گے تو میں ممنون رہونگا۔ بادشاہ روم نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوی مبارک کا موئی۔ آنحضرت صلعم کا قبر پوش۔ حضرت امام زین العابدین رضی کا طلاکار کمربند جس پر نادعلی لکھا ہوا ہے۔ حضرت امام اعظم رضی کا خاکی رنگ کرتہ۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کا سبز رنگ دستار شریف۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی اپنے دست مبارک سے سی ہوئی کلاہ اور حضرت خواجہ نقشبند مشکلکشا قدس سرہ کی کلاہ مبارک حضرت شیخ کو نہایت خلوص اور محبت سے بخشدئیے۔ حضرت شیخ نہایت خوش ہوکر بادشاہ کو دعائیں دیتے ہوئے ہندوستان کے راستے سے کشمیر آئے۔ محلہ اندرواری میں خلوت نشین اور گوشہ نشین ہو گئے۔ تبرکات اپنی کوٹھری کے اوپر کے کمرے میں رکھ کر کسی کو نہ دکھائے۔ ان کے انتقال کے بعد شہر کے رئیس اور امیر صاحبدل۔ فقرا اور عالم اکھٹے ہو گئے۔ اور فیصلہ کیا کہ تبرکات کو معراج شریف کے دن پر دکھانا چاہئے۔ چنانچہ سنہ ۱۱۲۵ھ میں معراج شریف کا۔ دن منانے کے موقعہ پر تبرکات کی زیارت سے لوگوں کو فیضیاب کیا گیا۔ شاہان چغتائیہ نے تبرکات کی حقیقت سے واقف ہونے پر موضع گنگہ بوگ اور کاکاپورہ سے ساڑھے چار ہزار خروار وقف کرکے لنگر اور خادموں

کی معیشت کا خرچ برداشت کیا۔ جو وقف افغانوں کے زمانے تک جاری تھا خواجہ احسن اللہ نام ایک آدمی نے کچھ زمین تبرکات کیلئے تعمیر بنانے کیلئے دیدی۔ ان تبرکات کی تصدیق وقت کے بزرگوں نے کی ہے چنانچہ شیخنا شیخ احمد تارہ بلی تمام عمر ہر مرتبہ ان کی زیارت کو جاتے رہے۔

موئی مُبارک در محلہ صُورہ

کہتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین بخاری کے پوتوں میں سے ایک شخص سید عنایت اللہ نام مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھا جو سارا کنبہ لیکر سیاحت کیلئے نکلا۔ روم۔ شام۔ بغداد اور دوسرے ممالک کی سیاحت کرتے کرتے ہندوستان آیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو دیکھنے کے بعد سنہ ۱۱۳۱ھ میں کشمیر پہنچا۔ ان کے پاس ذیل کے تبرکات تھے۔ سرور کائنات صلعم کے گیسوی مبارک کا ایک موئی شریف۔ حضرت صدیق اکبر رضا کا ایک موئی شریف۔ حضرت عمر خطاب رضا کا ایک موئی شریف۔ حضرت عثمان غنی رضا کا ایک موئی شریف اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک موئی مبارک۔ سید عالم صلعم کا نعلین مبارک۔ دو پتھر جن پر قدم رسول اللہ صلعم کے نشان لگے ہیں۔ اور لوال تبرک موئی مبارک محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ در رضا عنا۔ یہاں پہنچکر سید موصوف پرگنہ اچھ کے ایک گاؤں لونار میں مدت تک ٹھہرے۔ آخر عمر میں احمدا کدل آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اور تبرکات کی اشاعت نہ کی۔ ان کا پوتا سید کرم اللہ احمدا کدل سے اٹھکر محلہ صورہ میں رہائش کرنے لگا۔ انہی دنوں میں خواجہ منور شاہ دیوانی رئیس اعظم شہر نے حضرت بل کے بانڈیوں سے اپنے بیٹے کیلئے لڑکی مانگی۔ انہوں نے رشتہ کرنے سے انکار کیا۔ منور شاہ کے دل میں عداوت پیدا ہوئی اور اسنے چاہا۔ کہ جو عزت اور وقعت موئی مبارک کے موجب ان کو حاصل ہوئی ہے۔ اس کو ملیا میٹ کرے۔ چنانچہ اسنے مصطفےٰ بیگ بہلوج کے اتفاق سے یہ منصوبہ باندھا کہ جو موئی مبارک اور دوسرے تبرکات سید کرم اللہ کے پاس ہیں۔ منور شاہ دیوانی کے گماشتہ مصطفےٰ بیگ کے باغیچہ کے مکان میں رکھیں۔ اور عید میلاد پر تبرکات کی نشاندہی کریں۔

منصوبہ برعمل در آمد کیا گیا۔ شہر میں منادی کرائی گئی۔ لوگوں میں تحریص اور ترغیب کی گئی
چودھان[۱۴] کشتیاں بلا اجرت آمد و رفت کیلئے رکھی گئیں۔ شہر کے رئیسوں اور پیروں
کی دعوت کا انتظام کیا گیا۔ اور سنہ ۱۲۲۵ھ کے روز میلاد پر دھوم دھام سے تبرکات
کی زیارت کی گئی۔ مصطفےٰ بیگ نے تبرکات رکھنے کیلئے ایک نئی عمارت بنائی۔ تاریخ

مصطفےٰ بیگ از خدائے ذو المنن + یافت چوں توفیق بر فعل حسن

کرد تعمیر چنین ما وا ہی خاص!! + از برائے این تبرکہائے خاص

یافت چون تشریف قبول! + رحمۃ للعلمین با رسول

مصطفےٰ بیگ متولی کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور سید کرم اللہ اپنے ہاتھ سے تبرکات
کی زیارت کراتے تھے۔ سید کرم اللہ بے اولاد مر گئے۔ اور مصطفےٰ بیگ مستقل طور
پر متولی اور نشاندہ تبرکات ہو گئے۔ منور شاہ دلوانی کی وفات کے بعد صورہ درگاہ
کی رونق گھٹتی گئی۔ اب اہل محلہ اور ارد گرد کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مصطفےٰ بیگ کے
وارث زیارت دکھاتے ہیں۔

موئے مبارک در محلہ ڈانگر پورہ

کہتے ہیں کہ خواجہ صابر ترہنبو عالمگیر کے عہد میں یہاں کا بہت بڑا تاجر تھا۔ جس نے تجارت
کے سلسلے میں ہندوستان جاکر آگرہ میں کوٹھی ڈالی تھی۔ اور وہیں ایک سیاح سے
بڑی رقم ہدیہ دیکر آنحضرت صلعم کا موئے مبارک خریدا تھا۔ بڑھاپے میں کشمیر واپس
آیا اور موئے مبارک کو فیض و برکات کا ذریعہ جانکر کسی کو اس کی زیارت کرانے کے بغیر
گھر میں محفوظ رکھا۔ زمانہ گذرتا گیا۔ حالات بدلتے گئے۔ یہاں تک کہ خواجہ صابر کا پوتا
خواجہ رحمت اللہ ترہنبو نہایت مفلس اور نادار ہو گیا۔ اس نے خواجہ نعمت اللہ ترہنبو کے
کے پاس جو دوسرے خاندان سے تھا۔ موئے مبارک کو امانت رکھا۔ خواجہ نعمت اللہ نے
خیانت کر کے موئے مبارک کے دو ٹکڑے کئے۔ اور اس حرکت ناشائستہ کی پاداش میں
اندھا ہو کر دنوں ہی میں مر گیا۔ اس کے بیٹے خواجہ منور نے خواجہ رحمت اللہ کے وارثوں
کو موئے شریف کو واپس نہ کیا۔ سردار عبداللہ خان کے عہد میں خواجہ عبدالکریم نے جو

خواجہ رحمت اللہ کے وارثوں میں سے تھا۔ بہار شاہ کے بگڑ نے کے اتفاق سے کوشش کر کے خانقاہ تعمیر کی۔ اور خانقاہ میں خواجہ منور کے ہاتھ سے لوگوں کو موئے مبارک کی زیارت کرائی۔ لیکن اس نے موئے مبارک کا قبضہ نہ چھوڑا اور موئے مبارک کو گھر گھر پھراتا رہا۔ کچھ دیر کیلئے میر ضیاء الدین کے گھر میں رکھا۔ کچھ مدت تک خواجہ منور کوبکاری کے گھر میں۔ کچھ دنوں میر حسین قادری کے گھر میں۔ ہر ایک کو وعدہ کرتا تھا۔ کہ موئے مبارک تمکو دیدونگا۔ لیکن کسی کو نہ دیا۔ آخر پر ڈانگر پورہ پہنچا یا اور فوت ہوا۔ تربو خاندان سے کسی نے موئے مبارک کا دعویٰ نہ کیا۔ اور موئے مبارک ایک مسکین کے سپرد ہوا جسکو معمولی دنوں میں مسجد میں نکالتے ہیں اور لوگ زیارت کرتے ہیں۔

تبرکاتِ متفرقہ

تبرکاتِ خانقاہِ معلّیٰ

روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ کو شیخ محمد اذکانی سے اجازت ارشاد ملنے کے موقعہ دو چیزیں تبرک کے طور ملیں۔ ایک وہ جھنڈا جو سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے خیمہ کا ستون (ڈنڈا) جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا ساتھ لیا تھا۔ حضرت امیر کبیر رح ہمیشہ ان دونوں تبرکوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگلوں کے سفروں میں بھی یہ چیزیں ان کے ساتھ تھیں۔ جب حضرت امیر کبیر رح آخری دفعہ پر کشمیر سے نکلی روانہ ہوئے تو اپنے مرید خاص رئیس کشمیر ملک لدی ماگرے کو علمدار مقرر کر کے درفش کو اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ گر سواد کے علاقے میں پہنچکر آنجناب رح کا انتقال ہوا۔ ملک دلوی گنائی اور لدی ماگرے نے نہایت کوشش اور ہوشیاری سے کام لیکر جھنڈا۔ ستون اور عصائے حضرت امیر رح کو اپنے قبضہ میں لاکر کشمیر پہنچایا۔ تبرکات خانقاہ معلیٰ میں رکھے گئے۔ جب کشمیر پر سکھوں کا قبضہ ہوا۔ تو انھوں نے تعصب کی بنا کر پھر مبرے کی طرف سے ایک

گز کے قریب جھنڈے کو توڑ دیا۔ دونوں ٹکڑے خانقاہ معلی میں موجود ہیں۔ اس کے بعد پکھلی کا ایک آدمی یہاں آکر خانقاہ معلی کی ایک کوٹھری میں چلے کو بیٹھا۔ اور ایک رات کو موقعہ پاکر عصای مبارک حضرت امیر رح کو لیکر بھاگ گیا۔ اس وقت سے ستون اور جھنڈے کے دو ٹکڑوں کی خاص حفاظت کیجاتی ہے۔

تبرکاتِ محلہ نزورہ

کہتے ہیں کہ حضرت میر سید احمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے تبرکات کے دو صندوق حاصل کئے تھے جنہیں وہ اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اور کشمیر تشریف لانے پر ساتھ لائے تھے۔ حضرت سید رح کا انتقال یہاں ہی ہوا۔ ان کے سعادتمند بیٹے سید مسافر نے خواجہ مسعود نزوری کو اجازت ارشاد بخشنے کے موقعہ پر یہ دونوں صندوق ان کو بخشدئے۔ اور تبرکات کی سند اپنے قلم سے لکھکر دی۔ سند کا ترجمہ یہ ہے:-

"میر سید مسافر نے اقرار کیا اور تسلیم کیا۔ کہ خلیفہ رکھتا ہوں۔ (بناتا ہوں) طریقت میں پسند کرتا ہوں۔ اور تمام مرید دل سے پسند کرتے تھے اور معتبر جانتے تھے۔ اس تابع آئین اور صاحب یقین مرید بابا مسعود نزوری کو۔ اور علم۔ روا۔ کلاہ۔ اور جامہ مقفل ہے۔ اور دو عدد نعلین۔ دو عدد پنجہ۔ شجرہ۔ جامۂ امام موسیٰ علی رضا۔ بیعت اور چلہ نشینی (اس) مذکورہ خلیفہ کو حوالہ کئے۔ اس معاملہ میں اس پر پورا اعتماد کیا۔ اگر کوئی اسکے بعد اوپر لکھی ہوئی چیزوں پر دعوی کرے گا۔ یا حق طلبی ڈھونڈے گا۔ اس کے استحقاق کا دعوی باطل اور ناقابل سماعت ہوگا۔ قیامت کے دن کُتے اور سُور کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ اور اس سلسلہ سے خارج ہوگا۔ کہ یہ وثیقہ سنہ نوسو چھہتر ہجری (۹۷۶ھ) میں صالح مسلمان معتبر۔ صاحب عدالت۔ بابا شنکر بابا نظام صوفی حسن رینہ وغیرہ کی حاضری میں لکھا گیا" بابا مسعود کی رحلت کے بعد تبرکات نزورہ کی خانقاہ میں رکھے گئے۔ جو موصوف کی اولاد کی نگرانی میں آج تک وہیں ہیں۔ چونکہ صندوق مقفل ہیں کوئی ان کے کھولنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ آزاد خاں نے

اپنی صوبیداری کے زمانے میں تبرکات کے ایک صندوق کو ہاتھی پر رکھ کر عیدگاہ لے لیا۔ اور میرے نانا سیف اللہ سے کہا۔ کہ تبرکات کو صندوق سے نکال کر لوگوں کو دکھائیں میرے نانا نے کہا۔ قفل کھولنے کی طاقت مجھے نہیں۔ آپ کنجی لے لیں اور بذات خود کھولیں آزاد خان نے قفل کھولا اور ڈھکنا اٹھانے لگا۔ جونہی ڈھکنا اٹھایا زلزلے کا ایک زبردست جھٹکا آیا کہ ہاتھی گر کر لوٹنے لگا۔ تبرکات کی زیارت لوگوں کو کرانے کے بغیر ہی ڈھکنا بند کیا گیا۔ اور بابا سیف اللہ متولی درگاہ نے صندوق سر پر اٹھا کر درگاہ میں پہنچایا۔ شیخ غلام محی الدین کے زمانے میں سنہ ۱۲۶۱ھ کے کالرا میں بے شمار لوگ اس بیماری کے شکار ہوئے۔ شیخ نے تجویز کیا۔ کہ تروره کے تبرکات کو چھت پر نکال کر اس بلا سے نجات پانے کیلئے دعا کریں۔ شاید ان کی وسالت اور وساطت سے یہ بیماری دور ہو جائے۔ میرے خالو بابا محمد اسلم نے تبرکات شبانہ چھت پر نکالے۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ سارا صحن اور ارد گرد کا رقبہ نورانی ہو گیا۔ اور دو صندوق سے تلوار کی شکل کے دو شعلے نکلے۔ ایک تلوار شمال کیطرف اور دوسری جنوب کیطرف بجلی کی طرح ہوا میں گیئں۔ دوسرے دن کالرا کا سخت زور ہوا۔ اور ہزاروں لوگ مر گئے۔ اسی زمانے میں بابا محمد۔ بابا اسلم کے بھائی نے روز عاشورا کے دن رات کے وقت آنکھوں پر پٹی باندھ کر صندوق سے آنحضرت صلعم کے نعلین مبارک اور پیرا نکال کر شیخ غلام محی الدین کے کہنے کے موجب لوگوں کو دکھائے۔ کچھ برس گذر گئے۔ درفش مبارک کے پیرے کو کسی نے چوری سے لے لیا۔ اور آج تک اس کا سراغ نہ نکلا۔ متولیوں نے جعلی پیرا تیار کرا کے اس کے بدلے رکھا ہے۔ اور نعلین مبارک کیساتھ یوم عاشورا پر اسی کو دکھاتے ہیں۔ چونکہ تبرکات کی سند میں تبرکات کی پوری تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے دکھانے سے بے ادبی کی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ اسواسطے مشہور یہی ہے۔ کہ اس صندوق میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سر چادر اور ٹوپی اور امام حسین شہید کربلا علیہ السلام کا خون آلودہ جامۂ مبارک ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا کھولنا دشوار اور بے ادبی ہے۔ واللہ اعلم۔

تبرکاتِ محلہ زین علی دار

مصنف فتحات کبرویہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ یعقوب صرفی قدس سرہٗ کے بعض رفیقوں نے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت ایشان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر کی واپسی پر اکبر آباد پہنچے۔ تو وہاں ایک دن قیلولہ کی نیند میں انہیں سخت تھرتھراہٹ ہوئی۔ اور یہ تھرتھراہٹ بند ہونے پر ان کے بدن پر ایک سفید جامہ ظاہر ہو گیا۔ جب حضرت ایشان بیدار ہو گئے تو انہوں نے فرمایا کہ حضرتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مخدوم عالم رح خواب میں مجھ پر جلوہ گر ہوئے۔ اور حضرت مخدوم نے آنحضرت ؐ سے التماس کی کہ "یہ میرا صادق مرید ہے۔" آنحضرت صلعم نے اپنا کرتہ حضرت مخدوم عالم رح کے ہاتھ میں دیکر فرمایا "اس بیٹے کو دیدو"۔ میں نے جامۂ مبارک پہن لیا۔ خوشخبریاں اور بشارتیں پائیں۔ یہ جامۂ مبارک حضرت ایشان کے پاس ان کے انتقال کے وقت تک رہا اور انتقال کے وقت پر خواجہ حبیب اللہ نوشہری کو بخشدیا۔ خواجہ موصوف نے اپنے خلیفہ زین علی دار کو عطا کیا جو آج تک ان کے پوتوں کے پاس ہے۔ چند سال سے زین علی دار کے عرس پر لوگوں کو اس کی زیارت کراتے ہیں۔ صاحب فتحاتِ کبرویہ نے لکھا ہے۔ کہ جب حضرت شیخ یعقوب صرفی حرمین الشریفین (مکہ، مدینہ) کی زیارت کے ارادہ سے بغداد پہنچے تو بغداد کے حکمران نے ان کے حالات اور کمالات سے خوش ہو کر رخصت کے وقت انہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رح کا جامہ۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی کلاہ اور حضرت امام موسیٰ علی رضا رضی اللہ عنہ کا عصائی مبارک عطا کئے۔ اور جب حضرت ایشان کشمیر واپس پہنچے۔ تو انہوں نے حضرت بایزید کی کلاہ اپنے بھائی شیخ محمد کو دیدی جو آج کل ان کے پوتوں کے پاس شیخ احمد تارہ بل کے گھر میں ہے۔ عصائے مبارک امام موسیٰ علی رضا رضہ خواجہ حبیب نوشہری کو عطا کیا۔ جو زمانہ کے انقلاب کے موجب محلہ جامع مسجد کے ایک شخص کے پاس پہنچا ہے۔ حضرت امام العالم رح کا جامۂ مدت تک حضرت ایشان کے مقبرہ میں موجود تھا۔ جسکو وہاں سے کسی نے چرا کر لے لیا۔

تبرکاتِ محلہ خنرپرستان

کہتے ہیں کہ جب حضرت شاہ قاسم حقانی سفر حرمین الشریفین کی واپسی پر اجین پہنچے۔ اور حضرت شیخ فیض اللہ کیساتھ ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کی قابلیت اور استعداد دیکھکر ان کو سلسلہ علیۂ عالیۂ قادریہ کی اجازت بخشی اور کرتۂ مبارک حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور خرقہ و تسبیح حضرت امیر کبیر قدس سرہٗ تبرک کے طور پر ان کو عطا کی۔ حضرت شاہ وہاں سے صورت بندر گئے۔ اور حضرت خواجہ جمال الدین معروف بہ خواجہ دیوانہ کی نوازشوں اور رہبر ہانیوں سے سرافراز ہوئے۔ انہی نے سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت دیدی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جامۂ مبارک جس پر حضرت خواجہ مشکلکشا رح نے اپنے ہاتھ سے سارا کلام اللہ لکھا ہے۔ اور کمربند اور رومال خواجہ بزرگ رح کا تبرک کے طور پر عطا کئے۔ وہاں سے رخصت ہوکر جب حضرت شاہ فتحپور پہنچے۔ اور حضرت شیخ سلیم چشتی کی ملاقات سے باریاب ہوکر سلسلہ چشتیہ کی اجازت حاصل کی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی لونگی جس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دستخط سے سورۂ فاتحہ لکھا ہے۔ اور فصد راہ کا نقشہ ہے حضرت شیخ سلیم سے تبرک کے طور پر پائے۔ یہ تبرکات حضرت شاہ قاسم کی اولاد کی پاس خنرپرستان میں منور شاہ حقانی کے گھر میں موجود ہیں۔ لوگوں کو ان تبرکات کی زیارت نہیں کرائی جاتی ہے۔ اور صاحب اعتقاد اتفاقیہ طور پر کبھی ان کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں۔

موئی مبارک حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ
(در بقعۂ خانیار)

کہتے ہیں کہ سنہ ۱۲۲۱ھ میں کابل کا ایک آدمی کشمیر کی جنت سیاکو آیا جس کے پاس موئی مبارک حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ تھا۔ ناظم کشمیر سردار عبداللہ خان نے اسکی آؤ بھگت حد سے بڑھ کر کی اور بڑی رقم دیکر موئی مبارک حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

خرید کیا۔ چونکہ سردار عبداللہ خاں حضرت سید بزرگ شاہ قادری کا مرید اور معتقد تھا۔ اسلئے موئ مبارک کو محبت۔ خلوص اور بیعتی مرید کی وجوہات کے موجب آنجناب کو ہدیہ کیا۔ اور حضرت سید نے خوش ہو کر اسکی تعظیم کیلئے خانیار میں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور موئ مبارک کو وہاں رکھا گیا۔ سنہ ۱۲۲۱ھ میں عرس مبارک حضرت محبوب سبحانی رض کے دن پر لوگوں اس کی زیارت سے فیضیاب کیا گیا۔ اسکے بعد ہر سال عرس مبارک پر اسکی زیارت کرائی جاتی ہے۔ چونکہ تعمیر شدہ خانقاہ کی وسعت ضرورت کے مطابق نہ تھی۔ اسلئے خواجہ ثناءاللہ شال نے سنہ ۱۲۹۴ھ میں تقریباً پنتالیس ۴۵۰۰۰ ہزار روپے کی رقم صرف کرکے نئی خانقاہ تعمیر کی اور اس کی خوب آرائش و زیبائش کی۔ تاریخ ہے:۔

زیارت خانۂ زیبا خرد گفت!! ✣ دگر تعمیر عالیشان ہمایوں!

موئ مبارک حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ
(در بقعۂ عالیکدل)

سنہ ۱۲۷۵ھ کے شروع میں میر حسین قادری نے جو شیخ وقت تھے۔ لعل بازار کے سیدوں سے حضرت غوث الثقلین رض کا موئ مبارک شاہجہاں کے دستخط اور مہر والی سند کیساتھ لیکر عالیکدل میں اس کی تعظیم کیلئے خانقاہ کے متصل زیارت گھر بنا کیا۔ اور بڑی رقم خرچ کی۔ اس وقت سے نزدیک اور دور کے عقیدت مند عرس مبارک پر اس موئ مبارک کی زیارت کرنے کیلئے جمع ہوتے ہیں۔

تبرک در محلہ خواجہ بازار

عصائے مبارک حضرت ابا بکر صدیق رض جو مرشد دل کے سلسلے میں خواجہ نقشبند رح تک پہنچا تھا۔ اور انہوں نے اپنے خلیفوں کو بخشدیا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے روضہ میں موجود ہے۔ اور حضرت شاہ کے عرس پر اس کی زیارت کرائی جاتی ہے

خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے گھر میں تبرکات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستخطی کلام اللہ کے وہ اڑھائی پارے جو حضرت عثمان رضہ بوقت شہادت تلاوت کر رہے تھے۔ اور ان کے خون شہادت سے آلودہ ہوئے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی کلاہ مبارک خواجہ شاہ نیاز گھر میں موجود ہیں

قلاشپورہ میں

عصائے مبارک شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ جو مخدوم کشمیر حضرت شیخ حمزہ رحہ نے اپنے مرشدوں سے بطور تبرک پایا تھا۔ قلاشپورہ میں ہے۔

فتحکدل میں

حضرت شیخ بہاء الدین ذکریائے ملتانی کا عصا جو شیخ عبدالشکور لاہوری کے پاس تھا۔ اور شیخ عبدالشکور کا خرقہ اور تسبیح جو شیخ نے خواجہ طاہر رفیقی کو دئے تھے۔ فتحکدل میں موجود ہیں۔

موئی مبارک شاہ بغداد رضہ چرار شریف

قصبۂ چرار میں موئی مبارک شاہ بغداد جناب حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ موجود تھا۔ ایک موقعہ پر لوگوں کو زیارت دکھانے کے وقت پر موئی مبارک ہی شیشی سے غائب ہو گیا۔ واللہ اعلم

اسلام آباد میں

حضرت شیخ بابا داؤد خاکی قدس اللہ سرہٗ اپنی تصنیفات میں سے ایک کتاب میں لکھتے ہیں:۔ "سلطان یوسف شاہ چک کے زمانے میں (سنہ ۹۹۳ھ) دارہ پورہ کے گاؤں میں ایک صالح آدمی پو پھٹنے کے وقت صبح نماز کا وضو کرنے کیلئے ندی

پڑ گیا۔ وہاں اُسنے ایک خوش لباس خوبصورت نورانی شخص کو دیکھا جس کا ایک
پاؤں پتھر پر ہے۔ اور دوسرا پانی میں۔ پانی سے پاؤں نکال کر یہ شخص آگے بڑھا
اور نظر سے غائب ہوگیا۔ اُس صالح آدمی کو خیال ہوا کہ یہ کسی کا مہمان ہوگا۔ اور مسجد
میں نماز ادا کرنے کیلئے گیا ہوگا۔ یہ دوڑتا ہوا گیا تاکہ با جماعت نماز اُس کے ساتھ ادا
کریں۔ مسجد میں کسی کو نہ دیکھکر تنہا نماز ادا کی اور پھر اُس شخص کے تلاش میں اسی جگہ
پہنچا جہاں اُسنے اُس شخص کو دیکھا تھا۔ اُس کے دماغ میں عطر و گلاب کی خوشبو
آنے لگی۔ اسکی نظر پتھر پر پڑی۔ دیکھا کہ پتھر پر پاؤں کا نشان لگا ہے۔ اور اسی
سے خوشبو اٹھ رہی ہے۔ اُسنے گاؤں والوں کو یہ واقعہ سُنایا۔ لوگ دیکھنے
گئے۔ اور قدم مبارک سے خوشبو آ رہی تھی۔ اور قدم کا وہ نشان آج تک پتھر پر
موجود ہے۔ دو خدا دوست بزرگوں نے اس واقعہ کیطرف توجہ کی۔ دونوں کو
بشارت ملی کہ وہ شخص حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جو اپنے قوت اعجاز سے
بہ روح و جسم (جسم اکتسابی) اس ملک کی سیر کو آئے تھے۔ اور پتھر پر نقش قدم
لگنا اور اسکا معطر ہونا ان کا معجزہ ہے۔ بعض محدثوں کی روایت ہے۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد اب جسد کے ساتھ دنیا میں چلنے پھرنے کی طاقت
ہے۔ اور زمین آسمان میں جہاں چاہیں بروح و بجسد جاسکتے ہیں۔ یہ حضرت
بابا داؤد خاکی رح کا بیان ہے۔

خواجہ اعظم مؤرخ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور
اُس زمانے میں اس ملک کی اصلاح اور فلاح بہبودی کیلئے اگر ہوا ہوگا۔
تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ چکوں کی حکومت کے ظلم و تشدد سے
ملک کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسی سال چک خاندان کی
حکومت کا خاتمہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ یوسف شاہ چک نے پتھر کو وہاں سے اٹھوا کر
حضرت بابا ہردے ریشی قدس سرہ کی زیارت میں (جو وہیں موجود ہیں) رکھوایا

ان تبرکات کے علاوہ جن کا بیان اس باب میں ہوا۔ اور بھی بہت سے تبرکات اس ملک میں موجود ہیں۔ لیکن معتبر روایات دستیاب نہ ہونے کے موجب ان کا تذکرہ نہ کیا گیا۔

سنہ ۱۳۰۵ ھ

تمام شد اسرار الاخیار

کاتب :۔ قاضی محمد حسین خانیاری عفی اللہ عنہ

مِسْئَتِی حَبِیْبُ اللّٰہ بَٹْ سُولِنا

حصۂ چہارم شعرائے کشمیر کے بیان میں

جب سے کشمیر آباد ہوا ہے۔ مورخوں نے تاریخی ماخذوں سے ثابت کیا ہے۔ کہ یہ ملک تہذیب و تمدن اور علم و ہنر کا مرکز رہا ہے۔ ابتدائی زبان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کے آنے پر کشمیر میں وید کے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے۔ اور جب سنسکرت نے فروغ پایا۔ کشمیریوں نے اس زبان کو عروج پر پہنچایا۔ یہاں تک کہ کشمیر کی پراکرت سنسکرت تھی۔ شعر و شاعری تصنیف و تالیف سب کچھ سنسکرت ہی میں تھا اور سنسکرت کے دِوانوں کی فصاحت و بلاغت سے بھرے ہوئے خزانے صفحۂ روزگار پر یادگار ہیں۔ ۷۲۵ھ سے کشمیر میں اسلام نے کافی رواج پایا۔ اور عربی و فارسی کا چرچا ہونے لگا۔ سلطان زین العابدین فارسی کے دلدادہ تھے۔ فارسی بذات خود شیریں زبان تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا دربار کشمیری بادشاہوں کا دربار نہ تھا۔ بلکہ ایرانی شہنشاہوں کے درباروں کا عکس اور نمونہ تھا۔ سلطان کی سرپرستی میں شعر و شاعری کشمیر کے ماحول کا اثر رکھتے ہوئے۔ ایرانی شاعری کی روح کی بنیاد پر نشو و نما پانے لگی۔ زبان اور الفاظ (لباس خیال) اور انداز بیان فارسی تھے۔ لیکن خیال (روح شاعری) کشمیر جنت نظیر کا پروردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گو زبان کے لحاظ سے نہیں مگر بلند خیالی اور نازک خیالی کے لحاظ سے کشمیری فارسی گو شعرا کا کلام فارسی کے بلند پایۂ شعرا کے کلام سے کم درجہ نہیں بلکہ بلند درجہ رکھتا ہے۔ سلطان زین العابدین کے زمانے میں سید محمد متخلص بہ منطقی۔ ملا احمد کشمیری۔ ملا ندیمی۔ ملا فصیحی۔ ملا ملیحی۔ ملا جمیل۔ ملا احمد رومی۔ ملا محمد رومی۔ ملا نور الدین۔ ملا علی شیرازی۔ ملا نادری۔ مولانا حسین غزنوی۔ وغیرہ وغیرہ کشمیر میں فارسی شاعری کے آسمان کے چمکتے تارے تھے۔ سلطان زین العابدین کے بعد ملک میں افراتفری پیدا ہو گئی۔ ارکین سلطنت اور امیروں میں سے فتنہ فساد اور سازشوں کے باعث کسی کو فرصت نہ ملتی تھی۔ جو عالموں اور شاعروں کی سرپرستی کرتا۔

یہ حالت تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ چک خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں حسین شاہ چک ایک شخص تھا۔ جو خود بھی عالی طبع اور سخن گستر تھا۔ اور شاعروں کی قدر دانی کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں شعر و سخن کو کچھ رواج ہوا۔ مغلوں کے زمانے میں شعر و سخن کا بازار تو گرم تھا۔ چنانچہ کچھ شاعر دوسرے ملکوں سے آکر یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور کچھ تو اسی ملک کے پیداوار تھے۔ اب ہم ان باکمال مشاہیر شعرا میں سے کئی

ایک کا مختصر سا حال بیان کرنے کی کوشش کریں گے جنہوں نے اس ملک میں فارسی شاعری کو چک خاندان بادشاہوں کے شروع ہونے کے وقت سے فروغ دیا۔

میر علی

ایران کے اصلی باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ سید ہونے کا دعوی بھی رکھتے تھے۔ حسین شاہ چک کے زمانے میں کشمیر آئے۔ باغ علیمردان خان کے متصل بوتہ کدل میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں ایک مسجد تیار کی۔ بلند پایہ کے شاعر تھے۔ کشمیر کی تعریف میں ایک رسالہ نظم میں لکھا ہے۔ خط نستعلیق کے ماہر اور استاد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے

گل بدستم چہ نہی در کف من خار خوش ست ۔ این گل تازہ بر آن گوشۂ دستار خوش ست

بلیت

سبکو سبوده و خم خم دل لوند مرا ۔ قدم چہ آب ز ندا آتش بلند مرا۔

یہ میر علی وہ میر علی نہیں جو مرزا الغ بیگ خان کے عہد میں توران میں خط نستعلیق کا اصل واضع تھا۔

ملا نامی اول

ایک غریب اور گمنام آدمی تھا۔ صرف و نحو کا عالم تھا۔ شاعری نے اس کو حسین شاہ چک کے مصاحبوں میں جگہ دلوائی۔ حسین شاہ چک کا مداح تھا۔ قصیدہ گوئی کے ساتھ غزل گوئی میں بھی کمال رکھتا تھا۔ بڑھاپے میں بھی باوجود ضعف۔ کمزوری اور کمر ٹیڑھی ہونے کے اہل کرم کی بزم آرائی۔ اور نامور لوگوں کی شوق افزائی دور جام کے ساتھ ساتھ اپنے کلام سے کرتا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مثنوی:-

عروسی ست مے شادی آئین او ؛ کہ نتوان روان داد کابین او!!

بخاموش چہرہ زبانے دہد! ؛ بفر توت زور جوانے دہد!

چو پیدا ست چون عود تن را گہر ؛ مے آتش کہ پیدا کند شان ہنر

غزل:-

ہرگز دلم بغیر تو مایل نمے شود ؛ در دیدہ نقش روی تو زایل نمیشود

از دوریت چہ باک کہ این بعد ظاہری ؛ اصلا میان ما و تو حایل نمے شود

دستم بریدہ باد چہ کار آیدم بگو ؛ در گردن بتان چو حمایل نمیشود

مُلا نامی ثانی

حسین شاہ چک کے شاعروں میں سے تھا۔ بادشاہ سے پوری رسائی رکھتا تھا۔ محرم راز ہونے کے موجب گستاخی کی بھی جرأت کرتا تھا۔ عید کا خلعت بانٹنے پر بادشاہ سے گھوڑے کیلئے یہ معرعہ لکھکر بھیجدیا۔ ع:-

خلعت شاہی مرا اسپے رسد بازین رسد ÷ حسین شاہ نے واپس لکھکر دیا۔ ع۔
انیچنیں کم فہم را نے آن رسد نے این رسد

بابا طالب اصفہانی

چکوں کے عہد میں کشمیر آیا تھا۔ حکام کے دلوں میں جگہ بنائی تھی۔ عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ امرائے کشمیر کے جھگڑے میں مصلح کے فرائض انجام دیکر کلی اصلاح کی۔ اکبر بادشاہ کے زمانے تک شاعری کے باغ کی آبیاری کی۔ بابا پورہ محلہ میں بابا خلیل کے مزار میں دفن ہے۔ ایک لطیف طبع رکھتے تھے۔ حسن ادا کیا تھا حسن معنی کا اندازہ بیان کیجے

از سر کوئے تو دل با دیدۂ ترمے رود! ÷ شعلہ در دل نالہ بر لب خاک بر سر مے رود
حرف شرح درد دل گر آشنا بر لب کنم ÷ خون زجیب دیدہ تا دامان محشر مے رود
شعلہ در پروانہ افتد بلبل آید در خروش ÷ گر بگویم بے تو مارا آنچہ بر سر مے رود

در حلقۂ ما زمزمۂ سور نباشد! ÷ ÷ ÷ ما غمزدگان را دل مسرور نباشد
بے روی تو بیرون کنم از دیدہ نظر را ÷ ÷ ÷ گر ذوق تماشائے تو منظور نباشد
ویرانۂ دل چون سر تعمیر ندارد! ÷ ÷ ÷ بگذار کہ این غمکدہ معمور نباشد

مُلا مہری

علی شاہ چک کے عہد کا شاعر تھا۔ فن شاعری کا باکمال عالم تھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرح کا ایک شعر بطور نمونۂ کلام پیش ہے:-

مرتضٰی بادشہ کشور عالی النبی اسلت! ÷ آفتاب ازسا کہ برج شرفش دوش نبی است

محمد امین مستغنی

کشمیر کے اصل باشندے تھے۔ یوسف شاہ کے مصاحب تھے۔ ذہن سلیم اور موزون طبیعت رکھنے والے تھے۔ زبان میں ایرانی شاعروں کے ہم پلہ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے

جہاں زگم شدۂ من اگر ہمہ خبر است ؎ سر دلے کہ بگیرم از و سراغ کجا است
سیاہی شب مارا بہ برد پرتو مہر ؎ رخے کہ در رہ ما بے نہد چراغ کجا است

کشمیر کے متعلق ان کی یہ رباعی کیا برجستہ ہے:۔

دوشینہ اگرچشم دل نہاں از مردم !! ؎ دیدم نہ بہشت بلکہ کشمیر دوم !
خاک ز عبیر و مشک آگندۂ خمیر ! ؎ آبے ز صفا وجود خود ساختہ گم !

سید جمال الدین کے مقبرے کے باہر محلہ آر دٹ میں دفن ہیں۔

میرزا علی خان

محرم بیگ تاشبلقی کے بیٹے تھے۔ بے نظیر شاعر تھے۔ ان کا کلام شستہ اور برجستہ ہے۔ بھگوان داس کی فوج پر یعقوب خان کی شبخونی پر مارے گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

شام چو از چہرہ فگندی نقاب ؎ تاب نیاورد رداشت آفتاب !

شاہ ابو الفتح

ایران کے عالموں میں سے تھے۔ موزون طبیعت والے خوش بیان شاعر تھے۔ بہکن کے شہر سے آکر اکبر بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی۔ ۹۹۵ھ میں بادشاہی لشکر کے ساتھ کشمیر آئے۔ اور یہاں ہی ٹھہر گئے۔ آخر پر تپ محرقہ کی بیماری سے وفات پائی۔ اور درگجن کے مزار شعرا میں پل کے متصل دفن ہوئے۔ عرفی کے سرپرست اور ممدوح ابو الفتح کی تعریف میں ایک بلند پایہ قصیدہ لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

میر ابو الفتح آنکہ لوح دانشش !! ؎ بر سر ابہام و از ہال دیگر است !

اہل تشیع کو ان سے عقیدت ہے اور ان کی قبر کی زیارت کو جاتے رہتے ہیں۔

مظہری کشمیری

اونچے درجے کے باکمال شاعر تھے۔ شعر و سخن کے فن اور آداب شاعری سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ہندوستان۔ خراسان اور ایران کی سیاحت میں ان ملکوں کے شاعروں سے ملاقات کی۔ محتشم کاشی سے دوستی تھی۔ ایران سے واپسی پر بادشاہ جہانگیر کے

زمانے میں کشمیر کی میر بحری پر جو یہاں کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ مامور ہو گئے۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔ رُباعی:۔

مظہر بجہاں چون بے نصیبانے باش ؛ وز گل ہوائی عندلیباں مے باش
با دیدتی از خوبی عالم مے ساز ؛ مہمان نظارہ چو غریباں مے باش

غزل

لطفے نہ کردہ دہر ز دیوانہ پر شدہ است ؛ حرفے نگفتہ شہر ز افسانہ پر شدہ است
یک قطرہ از قرابۂ ساقی فرو چکید!! ؛ چندیں ہزار ساغر و پیمانہ پر شدہ است
در خون خویش دست ز داز غصہ مظہری ؛ کز شاخ سنبل تو کف شانہ پر شدہ است

رُباعی

در عشق بہ آہ و نالہ مے باید زیست!! ؛ دل کردہ بغم حوالہ مے باید زیست!
آمادہ کفن فگندہ در گردن جان!! ؛ کم مہلت تر ز لالہ مے باید زیست!

ان کا دیوان چھ ہزار شعروں سے زیادہ ہے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔ ملکھاہ میں دفن ہوئے۔

میر حسن کشمیری

رسمی علموں کے بڑے عالم تھے۔ فطرتی شاعر تھے۔ شاعری کے علاوہ میر علی سے خطِ نستعلیق کے ہنر کو سیکھا اور اس فن میں اتنا بلند درجہ پایا۔ کہ ہندوستان۔ ایران اور توران کے لوگ کچھ نہ کچھ لکھوا کر نمونہ اور فخر کے طور پر لے جاتے تھے۔ کتبے ان سے لکھوائے جاتے تھے۔ محمد مراد "زرین قلم" ان ہی کے شاگرد تھے۔

اوجی کشمیری

فارسی مادری زبان نہ تھی۔ مگر فارسی مادری زاد شاعروں کے ہم پلہ تھے۔ فصاحت۔ بلاغت اور سخنوری کے آسمان کے آفتاب تابان تھے۔ آصف جاہ کے مداح تھے۔ آصف جاہ کے انتقال کے بعد یہاں کے صوبیداران کی بڑی عزت اور قدر دانی کرتے تھے۔ ان کا "ساقی نامہ" قابل قدر اور قابل دید تصنیف ہے۔ جس کی متانت اور رنگینی کمال کی ہے۔ ملا صوفی نے جب ان کے ساقی نامہ کا یہ بیت سُنا۔

مرا دامن خویش زنجیر شُد! ؛ مرا دست در آستین پیر شُد!!

تو نہایت خوش ہو کر بولے۔ اگر میں نے یہ بیت پہلے سُنا ہوتا۔ تو میں ساقی نامہ لکھنے

کی خواہش نہ کرتا۔ حالانکہ ملا صوفی بذات خود بلند پایہ کے شاعر تھے۔ ۱۰۳۲ھ میں رحلت کی۔ ان کا ایک دیوان ہے۔ جو رنگین معانی سے پُر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔ مثنوی

لب از ہم بجز نالہ نہ بہادہ ام ! ! ⁘ بما تم مگر تواماں زادہ ام ! ! !

مرا شیشہ بر دوش باران سنگ ⁘ نہ یارائے رفتن نہ پائے درنگ !

مرا دامن خویش زنجیر شد ! ⁘ مرا دست در آستین پیر شد !

چنان در غمش دیدہ خونبار شد ⁘ کہ شب جائے خوابم جگر زار شد

بیا ساقی آن رادق تاک را ! ⁘ ضیا بخش خورشید ادراک را !

بدہ تا بدانم کہ آن نوش لب ⁘ چرا میگریزد ز مین بے سبب

نسیم سحر خاطر انگیز شد ⁘ ز سیمائے گل آتشم تیز شد

بیک نغمہ پردازی از عنوان ! ⁘ دلم از رہ گوش آید برون

نہ بینم اوجی در آفاق جائی ⁘ سفر بایدم کرد ازین تنگنائے

شعر ملاحظہ فرمائیے۔ اور خیال آفرین پر دھیان دیجئے۔

اوجی چراغ عمر بافسانہ سوختیم ⁘ کارے نکردہ ایم و دموعان گرفتہ صبح

ہر سر کہ بستہ خم فتراک او بود ! ⁘ دانم یقین کہ روز جزا سرخرو بود

از بس کہ خیال زلف تو در سینہ ام گرفت ⁘ آہے کہ تیر زند ز دلم مشکبو بود !

غزل

نشستہ عکس جمالت چنان بخانۂ چشم ⁘ کہ کسب نور کند مہر ز آستانۂ چشم

چو دیدہ باز کنم بر رخ تو از حیرت ⁘ کند نگاہ فراموش راہ خانۂ چشم

بیا کہ بے تو ہمے تا بگردن اندر خون ⁘ نشستہ مرغ نگاہم در آشیانۂ چشم

بجائے سبزہ شرر می دمد ز خاک اوجی ⁘ بہر کجا کہ برافشاندہ ایم دانۂ چشم

مُلّا ذہنی کشمیری

اپنے وقت کے بلند پایہ شاعروں میں سے پرہیزگار۔ خدا ترس علم دین کے بڑے عالم تھے۔ چار یار با صفا کی تعریف میں ایک مدلل منقبت لکھی ہے۔ جب یہ قصیدہ بابا الضیف الدین غازی کی نظر سے گذرا تو انہیں حد درجہ پسند آیا اور تحسین بلیغ فرمائی۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

⁘

یار پیغمبر نشاید برگزیدن جز چہار ⁘ حجت آن بشنو از ذہنی کہ باشد یادگار

از ملایک وز کتب جز چار نگزید است حق ÷ کین عدد محسن است داز رُوئی معنی در شمار
هز عدد در کن کعبہ اصل طبع وفصل سال ÷ یعنی چہار است وچہار است وچہار است وچہار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت کی ابتدا یوں کی ہے :-

مقبول شرع تا شدم مردود مردود ان دین ÷ یعنی منم مدحت گر فاروق امیر المومنین رض
آن بر ترا ز درکِ غبی داماد داماد نبی ؐ ÷ قدرش چہ داند اجنبی گو از حسد در خون نشین

غزل :-

خورم دل از لطف گلستان کس نیم ÷ روشن نظر ز شمع شبستان کس نیم
دالشورم ز فیض ولے نکتہ دان خویش ÷ طفل طمانچہ خوردہ دلستان کس نیم
کلکم ز نظم خود ہمہ شب نیت زد رقم ÷ سرگرم انتخاب ز دیوان کس نیم
ہمت نمے فرد شم منت نمے خرم ÷ یعنی مراد دل طلب از خوان کس نیم
مانند نکتہ سر بگریبان نشستہ ام ! ÷ دست طمع دراز بداماں کس نیم
ذہنی چو آستانہ مقیم در خودم ! ÷ لب تشنۂ اجازت دربان کس نیم

رباعی

گر با تو کنم آرزوی دیدن گل ÷ آمادہ نگاہ بر پرستیدن گل !!!
آگہ کند از جنون من بلبل را ÷ چشمک زدن نرگس وخندیدن گل

حاجی جان محمد قدسی

اصلی وطن مشہد مقدس تھا۔ رضوی تھے۔ کچھ مہموں کی سرانجام دہی کیلئے ہندوستان آئے۔ شاہجہاں نے قدر دانی کی۔ ملک الشعرا کے خطاب سے سرافراز ہوئے۔ شیرین زبان فصیح بیان۔ بلند خیال شاعر بے مثال تھے۔ قصیدہ گوئی اور غزل گوئی میں وقت کے مانے ہوئے استاد تھے۔ کلام سلیس اور فصاحت وبلاغت سے لبریز ہے۔ ظفر نامۂ شاہجہانی میں اپنا جوہر اور طبیعت کی جولانی دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔

جب عبداللہ خان فیروز جنگ کے نام کو "بحر" میں سمانے کی گنجائش نہ پائی۔ تو اس کو یوں ادا کیا :-

÷

ہنگامے کہ از غایت احتشام ÷ نگنجد بہ بحر از بزرگیش نام

جس وقت سفید ہاتھی کو سجا کر بادشاہ کی نظر میں گذارنے کے لئے سامنے لایا گیا۔ تو یہ رباعی فی البدیہہ بادشاہ کو سنا دی۔

برنیل سفیدش کہ مینا دگر زند! ؛ شد شگفتہ ہر کس کہ نگاہے انگند
چون شاہجہان بر در برآمد گوئی! ؛ خورشید شد از سفیدۂ صبح بلند

بادشاہ نے خوش ہو کر انعام و اکرام سے نوازا۔ کشمیر کی تعریف میں جو مثنوی لکھی ہے اس کے چند اشعار ضیافت طبع کے لئے پیش ہیں:۔ راستہ نہایت مشکل ہے:۔

بود قطع رہ کشمیر مشکل!!! ؛ بجز نتوان رسید از راہ باطل
مگر زین راہ باریکست خبر بلنیت! ؛ کہ گوئی کوہ را موئی کمر بلنیت
زبیم این رہ باریک دخونخوار!!! ؛ خلد موئی کمر در دیدۂ خارہ
گردہے دست از جان بر فشاندہ ؛ درین رہ چون گرہ بر تار ماندہ
رہ فقر از رہ کشمیر پیدا ست ؛ کہ گام اول او ترک دنیا است
ازین رہ چون توان آسان گذشتن ؛ کہ گام اول است از جان گذشتن
رہ ہمچوں دم شمشیر باریک!! ؛ جہاں در چشم رہ پیماش تاریک
زبس در رفتنش تدبیر کردہ ؛ فلک را نکر این رہ پیر کردہ۔

دیکھئے کیا فوٹو کھینچا ہے۔ اور حقیقت حال کو کس انداز اور پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ تین سو برس سے زیادہ گذر گئے۔ اور اس ترقی کے زمانے میں بھی کشمیر آنے کا کوئی راستہ بے خطر نہیں۔ جہلم ویلی روڈ۔ بانہال کاٹ روڈ۔ زوجیلا روڈ۔ تراگبل روڈ۔ بگ ڈنڈیاں۔ دروں اور گھاٹیوں کے راستے سب کے سب خطرناک ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدسی اپنے بیٹے محمد باقر کی بے وقت جوانا مرگی سے اتنا دل شکستہ ہوا کہ وطن جانے کا پھر نام نہ لیا۔ ہندوستان میں عمر گذاری۔ آخر عمر میں کشمیر آئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کی۔ سنہ ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی۔ درگجن پل کیسا تھ جو مزار شعرا ہے اسی میں دفن ہوئے۔ کشمیر کے قیام کے دنوں میں ایک دفعہ ایک غزل لکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مکتب کے ملا کو سنانے لگے۔ جب اس شعر:۔

ساقی بصبوحی قدری بیشتر از صبح! ؛ برخیز کہ تا صبح شدن تاب نداریم!!

پر پہنچے۔ تو ملا کا ایک لڑکا بولا۔ مولانا اگر بجائے "قدرے"۔ "نفسے" ہوتا۔ صبح کی مناسبت کے موجب زیادہ اچھا لگتا۔ قدسی کشمیری لڑکے کے اصلاح کرنے پر نہایت خوش ہو گئے۔ یہ غزل پڑھ کر لطف اٹھائیے:۔

نگہت عشوہ گر وعربدہ ساز است ہنوز ؛ چشم مخمور تو سر فتنہ ناز است ہنوز!
تازہ شد دل لیتے با نخط تازۂ تو ؛ ناز کن ناز کہ آغاز نیاز است ہنوز

خاک شد پیکر محمود ز تاثیر وفا! ؎ دل ز در شکن زلفِ ایاز ست ہنوز
راہِ نزدیک حرم سعی مرا باطل کرد ؎ لیک شادم کہ رہِ عشق دراز ست ہنوز
گرچہ نبود سرِ موئی ز حقیقت خالی ؎ دل قدسی ز پئے عشق مجاز است ہنوز

بیان کو مثال پیش کر کے ثابت کرتے ہیں صائبؔ اور غنیؔ کا شمیری مانے ہوئے استاد ہیں قدسی کو بھی دیکھئے:۔

زد بہ گردم منِ بے صبر داغ خویش را ؎ اول شب مے کشد مفلس چراغ خویش را
جوانی رفت داغے ماند یادگار از وئے ؎ چون آن سرخی کہ بر ناخن پس از رنگ حنا ماند
اگر دستم دہد روزی بجیب زاہد خود بین ؎ چو شمع آرم بر دل یکدستہ زنار از گریبانش

طغرائے مشہدی

خوش خیال۔ خوش فکر اور خوش معنی شاعر تھے۔ انشاء پردازی میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے خطوط خیال بندی کے طرز پر نہایت دل پسند ہیں۔ شاہزادہ مرادبخش کے ملازم تھے۔ ان کی مدح میں ایک عالیشان قصیدہ لکھا ہے۔ یہ بیت اسی میں سے ہے:۔

دارائے عرش دو کوکبہ سلطان مرادبخش ؎ زینت فزائے کرسی دا اورنگ آسمان

آخر عمر میں میرزا ابوالقاسم دیوان مشہور بقاضی زادہ کی تحریک سے کشمیر آئے۔ محلہ زاہد یار میں دیوانے کی طرح ایک دکان پر رہتے تھے۔ اور شاعری میں مشغول تھے۔ کشمیر کی تعریف اور راستے کی تکلیف کے بارے میں جو مثنوی لکھی ہے۔ وہ شاعری کا بلند نمونہ ہے۔ تعریف کشمیر میں سے ایک شعر:۔

خوش آن ساعت کہ بزم آرا نشینی بر لب جوئی ؎ خطِ پشت لبت چشم قدح را گرد ابروئی

باغوں اور میووں کی تعریف میں تو غضب ہی کیا ہے:۔ ع:۔

درخت آبی از بے آبی زردی بہی ندہد ؎ بلیت:۔

کنم تحریر وصفِ ناشپاتی! ؎ نماید صفحہ کاغذ نباتی!!!

موسم خزان

کشمیر بود بفصلِ خزان عالم نور ؎ بر طالب فیض دیدنش ہست ضرور
گوئی کہ درین باغ چمن ساز قضا ؎ آوردہ نہال شعلہ از خرمن طور

کشمیر ہی میں وفات پائی مزار شعراء در گجن میں دفن ہوئے۔

قاضی ابوالقاسم

قاضی شریح کی اولاد میں سے تھے۔ اسی سبب سے قاضی زادہ کے نام سے مشہور تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں کشمیر کے مستقل دیوان تھے۔ بھڑکنے والی طبیعت اور نافذانہ ذہن رکھتے تھے۔ علم کے تمام شعبوں خاصکر شعر و شاعری کے فن میں سحر کاری کرتے تھے۔ کاموں کی کثرت کار کے باوجود عیش و عشرت میں دن گذارتے تھے۔ سیّد (منڈ) قاضی زادہ اسی کا بنوایا ہوا ہے۔ مزار شعرا میں دفن ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

خالی از ذکر تو عضوے چہ حکایت باشد ÷ سر موئے بغلط در ہمہ اندامم نیست

محمدؐ قلی سلیم

شاہجہاں کے عہد میں ایران سے ہندوستان آئے۔ نواب اسلام خان وزیر اعظم کی صحبت میں دن گذارہ کرتے تھے۔ سخنوری اور شاعری کے میدان کے شہسوار تھے۔ فکر رسا اور بلند خیال کے مالک تھے۔ مثنوی قضا و قدر اور مثنوی در تعریف کشمیر ان کے خیالات کی بلندی کے نمونے ہیں۔ آخری عمر میں چند امیر دل کیساتھ کشمیر آئے۔ یہاں طبیعت بگڑ گئی اور راہی ملک بقا ہو گئے۔ مزار شعرا میں دفن ہوئے۔ ان کا دیوان مشہور ہے نمونہ کلام یہ ہے :۔

چشم تو ز بیماری خود بر سر ناز است ÷ مژگان تو ہمچون شب بیمار دراز است
گدائے کوئے خرابا تم و غمم این است ÷ ما ہے موم بہ آتش چو رسد آب شود
دل چو شد گرم زنے جلوہ معشوق کند ! ÷ کہ بادہ آتش سوزان و کاسہ چوبین است
توان از داغہائے سینہ دالنست ÷ کہ دلہا را بدلہا راہ باشد ! ! !
در تلاش سوختن چون کاغذ آتش زدہ ÷ داغہائے سینہ ام باہم بجنگ افتادہ است
بعیش آباد ہندوستان غم پیری نمے باشد ÷ کہ مو نتواند از شرم کمر ہا شد سفید اینجا !
کمتر نیم از قیصر و فغفور کہ من ! ! ! ÷ در ہند سیہ بختی خود شاہ سلیمم

سال وفات ۱۰۵۷ھ ہے۔

میرزا طالب کلیم

جائے ولادت ہمدان ہے۔ جب اکبر بادشاہ نے قدسی کو سونے کے ساتھ تولا اور کلیم نے یہ خبر سنی تو وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور کہا جس آدمی کی زبان جڑ سے اکھیڑ کر

پھینکدینی چاہیئے تھی۔ اُس کو سونے کیساتھ تولا گیا۔ پھر کیا تھا۔ اصفہان سے شیراز گیا۔ اور رسمی علوم میں کمال حاصل کرکے ہندوستان آیا۔ مدت تک دکن اور ہندوستان کے دوسرے ملکوں کی سیر کی۔ آخر کار شاہجہاں کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور دربار کے ملازموں میں شامل ہو گیا۔ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ آخر عمر میں بادشاہ نے "شاہنامہ شاہان چغتایہ" نظم کرنے کی غرض سے کشمیر بھیجا۔ ملا طاہر غنی کیساتھ دوستی ہو گئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد یہیں سے عدم کا راستہ لیا۔ مزار شعرا میں دفن ہوا۔ غنی نے مرثیہ لکھا:۔

حیف کز دیوار این گلشن پرید ؛ طالبان آن بلبل باغ نعیم
رفت و آخر خامہ را از دست داد ؛ بے عصا طے کرد این رہ را کلیم
اشک حسرت چون نمے ریزد قلم ؛ شد سخن از مردن طالب یتیم
ہر دم از شورش دل اہل سخن ؛ چون زبان خامہ میگردد دو نیم
عمرہا در یادِ او زیرِ زمین ! ! ؛ خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یکدگر ! ؛ گشتہ اند این ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی آ ! ؛ طور معنی بود روشن از کلیم

کلیم نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کے دیوان کے علاوہ مثنوی در تعریف ہندوستان و کشمیر اور فیل جنگ شاہجہان شاعری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

تا شد مژہ بے اشک فتاد از نظر من ؛ اکنون چکنم رشتہ کہ در فتنے گہر داشت
دوست بہ ہیچ فروخت با ہمہ یاری ؛ یار فروشی درین زمانہ ہمین است
میانِ غم گساران سوزم از غم ؛ چون آن کشتی کہ در دریا بسوزد
مفلسان را کس نمے خواہد زمینا کن قیاس ؛ تا تہی شد دیگرش کس دست در گردن نکرد
وضعے بہم رسان کہ بسازی بعالمے ! ؛ یا ہمتے کہ از سر عالم توان گذشت
بدنامی حیات دو روزے نبود بیش ؛ گو ید ترا کلیم کہ آنہم چسان گذشت
یکروز صرفِ بستن دل شد باین و آن ؛ روز دگر بکندنِ دل از جہان گذشت

میر الٰہی

ایران کے سیدوں میں سے تھے۔ نکتہ سنجی اور سخندانی میں بے نظیر تھے۔ ہندوستان آئے۔ اور بادشاہ جہانگیر کے ندیم اور مصاحب خاص ہو گئے۔ انعامات پاتے رہے۔ شاہجہاں کے عہد میں جب ظفر خان احسن کو کشمیر کی صوبیداری بخشی گئی تو شاہجہاں نے میر منشی سے کہا کہ ظفر خان سے ضامن لے لیں۔ کہ کشمیریوں کو اپنے آپ سے راضی رکھے۔ اور ظلم نہ کرے۔ میر الٰہی حاضر تھے۔ عرض کی:۔ "خدا ضامن رسولؐ و چار یار کشش" بادشاہ نہایت خوش ہوا ظفر خان نے التماس کی۔ میر الٰہی کو میرے ساتھ دیں۔ بادشاہ نے منظور کیا۔ اور میر الٰہی ظفر خان کے ساتھ کشمیر آئے۔ یہاں ہی ڈیرہ ڈال کر باغوں اور گلستانوں کی سیر میں دن گذاری کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ آخوند ملا شاہ نے یہ بیت کہا تھا۔ اور پتھر پر سونے کی روشنائی سے لکھوا کر نصب کرایا تھا:۔

بادشاہی واگذارد دست آگاہے گزین ؛ چوں بہ آگاہے رسیدی ہر چہ خواہی مگزین

میر الٰہی کا گذر کتابے سے ہوا۔ فی البدیہہ نیچے لکھ دیا:۔

من نمے گویم گدائی یا شہنشاہی گزین ؛ خویش را مگزین دیگر ہر چہ میخواہی گزین

اور اس سے ملا شاہ کی عزت میں چار چاند لگائے۔ ان کی تصنیفات میں کتاب "تذکرۃ الشعرا" اعلیٰ پیمانے کی تصنیف ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میر الٰہی نے دنیائے غدار کو یہاں ہی رخصت کی اور شیخ بہاء الدین گنج بخش کے مزار میں مغرب کی طرف دفن ہوئے۔ قبر کی فرش پر ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ تاریخ لکھی ہے:۔

میر الٰہی یکہ ملک نظم را ؛ بود در اقلیم سخن بے قرین!
سال وفاتش طلبیدم زعقل ؛ گفت بگو بود سخن آفرین

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

یا الٰہی از الٰہی تو چہ پرسی در حشر؟ ؛ خط مشکینت کتاب حسن را شیرازہ بست
چشمت از ہر گردشے با یار عہدے تازہ بست ؛ چون خمار آلودہ نتواند لب از خمیازہ بست
نشہ از تندی او دارم کہ چاک سینہ ام! ؛ آنچہ او کرد تو دیدی دگر گفتن دارد
شب ہجران ز بس لبریز کلفت گشتہ ام ریزد ؛ چون گرد از دامن مژگان نگاہ حیرت آلودہ
چنان آزردہ ام از متاع زندگی رامید ہم از کف ؛ کہ گویا کاروان عمرے آید ز پس ما را

ملا محمد صالح ندیم

نام محمد صالح۔ باپ کا نام خواجہ محمد علی پٹوانی۔ سکونت محلہ نو ہٹہ سرینگر کشمیر۔ تخلص ندیم۔ کشمیر

کے برجستہ گو شاعروں میں سے تھے۔ اصلاح کلام مُلا ذہنی سے لیتے تھے۔ بدیہہ گو بسیار گو اور خوب گو تھے۔ روزمرہ اور محاورہ میں ایرانی شاعروں کے ہم پلہ تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

از آہ سرد آتش ما غم فرو نشست ❊ باد بلا وزید چراغم فرو نشست
گردے ز چار سوی زمین جست بر ہوا ❊ برگشت در حریم دماغم فرو نشست
افسردہ گشت بر مژہ لخت جگر مرا ❊ نم در فتیلہ بود چراغم فرو نشست
پامال دست بردِ خزان غم ستم ندیم! ❊ خار و گلے کہ خاست ز باغم فرو نشست

وله

در کشور توکل غمناک شاد باشد ❊ حاصل چہ شد تحمّل بیداد داد باشد
تا دل دہم ہر کس را غارت کند نفس را ❊ بر دزد خانہ کس را کسے اعتماد باشد
در سینہ دل دہم تن افروزد از دم من ❊ این جا چراغ روشن از روی باد باشد
از نفس و خصلت او دل کن ندیم بگو ❊ باور مکن کہ بدخو نیکو نہاد باشد

مُلا فصیحی

کشمیر کے مشہور شاعروں میں سے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں شاعری کے باغ کی باغبانی کرتے تھے۔ ملا ندیم سے اصلاح لیتے تھے۔ اور ان کے ہم صحبت تھے۔ ان کا دیوان مشہور ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

حسن پیرایۂ دکان ہوس نتوان کرد ❊ شعلۂ طور چراغ دل خس نتوان کرد
چون حیا پردہ نشین شو کہ گل خوبی را ❊ دست فرسودہ نگاہ ہمہ کس نتوان کرد
چہ طلسمی راست فصیحی کہ ز میدان وفا ❊ پیش نتوان شد و از باز پس نتوان کرد

ولہٗ

آشفتہ تر از ماست بسے انجمن ما ÷ ÷ ÷ بے نور شود شمع طرب از لگن ما
بر ناصیۂ غنچہ ما نقش طرب نیست ÷ ÷ ÷ شرمندہ برون رفتہ نسیم از چمن ما
از سوختن ما نشود ہیچ تسلّی ÷ ÷ ÷ خوش بر سر لطف آمدہ پیمان شکن ما

مُلّا فہمیؔ

فصیحی اور ندیمی کے ہم عصر تھے۔ بلند درجہ کے فہم و فراست والے تھے۔ شاعروں میں اور ذہنی کیساتھ نوک جھونک تھی۔ زبان شستہ اور سلیس ہے۔ بندش اور چستی کمال کی ہے۔ مُلاحظہ فرمائیے:۔ ÷

فکر سر زلف تو مرا بے سر و پا کرد! ÷ اندیشہ پا بوس توام پشت دو تا کرد
گفتم کہ بوصل تو رسم گر بوُدم عمر ÷ نے وصل میسّر شد نے عمر وفا کرد
دردا کہ ترا مہر بیا موخت معلّم ÷ در مکتب خوبی ہمہ تعلیم جفا کرد
تازہ رہ و برہ بادیہ عشق نہادیم! ÷ ! ÷ صد گونہ غم از ہر طرفے رو بما کرد
فہمی نتوان رست ز اندیشہ خوبان! ÷ دیگونہ کہ در دل غم ایں طائفہ جا کرد

فطرتیؔ

ملا ذہنی کے شاگرد تھے۔ عالی فطرت شاعر تھے۔ ندیمی اور فصیحی کے حریف تھے جب میرزا فطرت کشمیر آئے۔ تو فطرتی کے شعر سُنکر بولے۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا۔ میں فطرت تخلص نہ کرتا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

از باغ گل ہوائے دماغم فرو نشست ÷ پائے ہوس بکنج فراغم فرو نشست
پرتو فگند عشق فروغ خرد نماند! ! ÷ سر بر زد آفتاب چراغم فرو نشست

رُوشنی

ہمدانی روشنی نہیں بلکہ کشمیری ہے۔ الفاظ کے جواہرات کے روشنگر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے

در بزم زان بہ پہلوی خود جا دہد مرا ⁂ تا راست سوی او نتوانم نگاہ کرد!!

گُلشنی

شیراز کے نغمہ سنج بلبلوں میں سے تھے۔ بلندی کے گلوں اور پھولوں کی نغمہ سرائی کرنے کے شوق نے ہندوستان پر واز کرایا۔ گلزار کشمیر میں وارد ہوئے۔ چہچہائے اور اسی باغ میں ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئے۔

مشتری

خندہ لبوں کے سادات خاندان کے آبدار موتی تھے۔ مُلا ذہنی کے شاگرد تھے۔ شعر و سخن میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔

مَہری مشہَدی

شہر مشہد سے آکر یہاں سکونت اختیار کی۔ شعر و سخن کے آئینہ کے روشن گر اور معنی کی معشوقہ کے مشاط تھے۔

بَدیعی

خطہ کشمیر کے شاہی درباریوں میں سے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں شعر و شاعری کے گلشن کو شادابی بخشی۔ یہ شعر ان کے کلام کا نمونہ ہے:۔

کم دہ شراب وصل کہ پر شد ایاغ ما ⁂ رُوغن چنان مریز کہ میرد چراغ ما

فرُوغی

کشمیر کے زیرک طبیعت والوں میں سے گویا فصاحت و بلاغت کے خمیر سے بنے ہوئے تھے۔ فردوس آشیانی کی مداحی میں عمر بھر تر زبان رہے۔ ان کی بھڑکنے والے طبیعت کے فروغ کو دیکھئے :-

ازآن غم و ملتم نیست کز سبکساری ✤ ہمیشہ ہمچون کمان آفت خانہ بر دوشم
آن کہ در رفتن شتاب تیزدارد عمر اد ✤ چون کمان بہر چہ میباد نقش خانہ را

محمد مُراد زرین قلم

نامور سوداگر زادہ تھا۔ خطِ نستعلیق سیکھنے میں خون جگر کھایا۔ میر علی کے بیٹے میر حسین سے اصلاح لیتا تھا۔ خوش نویسی میں اس درجہ کا کمال کیا کہ اسکی شہرت دنیا میں پھیل گئی۔ آقا رشید ایرانی طرز بادامی لکھنے میں مشہور تھے۔ اس نے طرز شلغمی کو اپنایا۔ شاہجہاں کے کانوں میں جب اس کے کمال کی آواز پہنچی تو اسے اپنے مصاحبوں میں شامل کیا۔ "زرین قلم" کا خطاب ملا۔ سلطنت کے کتابہ نویسوں کا افسر مقرر ہوا۔ شاہی عمارات اور باغات کے کتابے تقریباً سب کے سب اسی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔

مُلا محسن شیرین قلم

محمد مراد زرین قلم کا چھوٹا بھائی تھا۔ خوش نویسی میں اپنے بھائی کا ہم پلہ تھا۔ محمد مراد کے مرنے کے بعد عمارتوں کے کتبوں میں جو کچھ کمی باقی تھی اسے اس نے نہایت نزاکت اور دلربائی سے اس کی پوری کر کے درستی کی۔ بھائی کے طرز کا لکھا کرتا تھا۔ تصوف اور سلوک سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ بنہ مالو کا مرید تھا۔ "شیرین قلم" خطاب ملا تھا۔ شعر و شاعری سے اچھی لگن تھی۔ موزون شعر کہتا تھا۔

مُلا محمدؒ طاہر غنی

اشائی خاندان سے تھے۔ مُلا محسن فانی کے شاگرد کشمیر کے ماحول کے پروردہ۔ بلند خیال نازک خیال۔ حقیقت میں فطرتی مادر زاد شاعر۔ پریشان خستہ حال۔ قانع۔ متوکل۔ دل کا غنی۔ صائب جیسے شاعر کو ایک شعر کے سے باندھ کر ایران سے کھینچکر کشمیر لانے والا۔ فضاءِ شاعری کا خوش الحان۔ نغز سنج اور نغمۂ پرداز ہزار داستان بلند پرداز۔ مُلا محمدؒ طاہر غنی کا حال لکھنے کیلئے وقت اور دفتر کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ ارباب سخن کا اتفاق ہے۔ کہ کشمیر کی تو بات ہی نہیں۔ ہندوستان اور ایران میں بھی غنی کا ہم پلہ شاعری میں خیالات کو دعوی ودلیل پیش کرنے والا مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ زبان کی صفائی روزمرہ اور محاورہ کا درست استعمال۔ الفاظ کی شیرینی۔ مناسبت اور بندش۔ سلاست اور روانی اس کے کلام کی خاص خصوصیات ہیں۔ میرزا محمد علی نے غنی کا کلام جمع کر کے جو دیوان مرتب کیا ہے۔ وہ اس کے بلند پایہ شاعر ہونے کا بذات خود شاہد ہے۔ اس کے اکثر کلام میں ایہام پایا جاتا ہے۔ ایک دن ایک تازہ لکھی ہوئی نظم "شاہ ماہر" کے سامنے پڑھی۔ جب اس بیت :۔

بے چراغست اگر بزم خیالم غم نیست ؛ مصرع رنجتہ شمعے است کہ در عالم نیست

شاہ کو اس کی ایہام بندی کی طرف خیال دوڑا۔ اور کہا شاید مصرعہ رنجتہ جو انہوں نے کہا ہے۔ یہی ہوگا۔ غنی کا دیوان اب چھاپا گیا ہے۔ پھر بھی اہل مذاق کیلئے نمونہ پیش کیا جاتا ہے :۔

فراغتے زتہ ستان بود یا دارم ؛ مبادا راہ در بن بیشہ شیر قالین را!

کند در ہر قدم فریاد خلخال ؛ کہ حسن گلرخان پا در رکاب است

با دامن ترشدم بہ محشر ! ! ؛ گفتند در آفتاب بنشین

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر ؛ دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

نے از زدسازہ عیش آمدم کہ طامع یافت قوت ؛ باشد از پائے مگس مضراب تار عنکبوت

بر اندازیم ز اشعار کس مضمون را ! ! ؛ طبع نازک سخن کس نتواند بر داشت

دھکا گئے

جان بلب از ضعف نتواند رسید ❊ مابزور ناتوانی زنده ایم ! ! !
مے فرستد بہ پدر پیرہن خالی را ! ! ❊ یوسف از دولت حسن اینہمہ خود را گم کرد
اثر بر عکس بخشد سعی من از طالع واژون ❊ زبیر فریاد سپندم چشم بد از خواب برخیزد
چو خاتمے کہ بر دستِ عجیب موم فسرد ❊ زدم چو بر در پستی بلند شد نامم
دل بمردن نہی غنی چون قامتت گردید خم ❊ بہر این خاتم نگینے نیست چون سنگ مزار
جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر! ❊ تو حنا بستی و من معنی رنگین بستم!
رفیق اہل غفلت عاقبت از کار مے ماند ❊ چو یک پا خفت دیگر پائے از رفتار مے ماند
نگردد شعر من مشہور تا جان در بدن دارم ❊ کہ پس از مرگ آہو نافہ بیرون مے دہد بو را
بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست ❊ پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را ! !
چون محبت در میان آمد تکلف گو مباش ❊ شیر مادر در حلاوت بے نیاز از شکر است
تربیت را چہ اثر چون نبود استعداد ! ! ❊ آسیا صاف چو آئینہ نگردد ز غبار !
میرسد روزی ہر کس در خود ہمت زعیب ❊ کہ بدام عنکبوت آید شکارے جز مگس
گر از نا آشنائی چرخ سازد زیر پل عزم ❊ از آن بہتر کہ بینم روی باران سر پل را !
شیخ محسن فانی کی وفات کے آٹھ ماہ بعد سنہ ۱۰۸۰ھ میں عین جوانی میں انتقال کیا۔
تاریخ وفات یہ ہے :-

❊

از فوتِ غنی گشتہ کرمہ غمگین ❊ ❊ ❊ ہر کس شدہ در ماتم او خانہ نشین
تاریخ وفاتش پی بہر سند بگو ❊ ❊ ❊ پنہاں شدہ گنج ہنرے زیر زمین

خواجہ ہاشم دیوانی

سرینگر کے بڑے لوگوں اور درباریوں میں سے تھے۔ قانون گوئی کے عہدے پر کام کرتے تھے بلند ذہن اور خوش خیال شاعر تھے۔ نمونہ کلام سے ان کی بلند خیالی اور طبع رَوان کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے :-

❊

کے زبیم خنجرت خواہد دلم یکسو گرفت ❊ ہمچو ابرو میتوان تیغ ترا بر رو گرفت

کثرت حسن صفا سرتا سر آن رُد گرفت ! ÷ خال جا خالی نہ دیدہ گوشۂ ابرو گرفت
یک ذرہ ز اختیار در دست تو نیست ÷ لیکن معقول فطرت پست تو نیست !!
تدبیر چو کعبتین تقدیر چو نقش ÷ در دست تو ہست لیک در دست تو نیست

پرگنہ دیوہ سر کے گاؤں لکٹی پورہ میں دفن ہیں۔ اس کے بھائی خواجہ رجب کی اولاد آج تک اسی گاؤں کے ساکن ہے۔

قاضی محمدؐ عارف

مولانا جمال الدین سیالکوٹی کے بیٹے قاضی ابوالقاسم کے بیٹے تھے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ فن شاعری کے رموز و کنایات سے پوری واقفیت رکھتے تھے شاہجہان کے دربار میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایرانی سفیر دل کے ساتھ بات چیت اور سوال و جواب میں اس طرح بولتے تھے کہ گویا خاص ایرانی تھے خوش بیانی اور سخندانی میں نامی اور گرامی تھے۔ جناب شیخ محمد معصوم سرہندی کا ایک مکتوب جوان کے نام ہے۔ مکتوبات میں درج ہے۔ کشمیری شعرا میں ان کا درجہ بلند ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے :- ÷

خواہم کہ ازین نشیب ذلتی برہم ÷ وز ننگ خودی و خود پرستی برہم
یک جرعہ ز جام نیستی نوش کنم ÷ از کشمکش خمار ہستی برہم
نہ ازآن دبرتر بہ بخشد کام !! ÷ کہ دہد جلوہ کبریائی را ! ! !
زآن توقف کند کہ دریابی !! ÷ ذوق دریوزۂ گدائی ! ! !

عنایت خان آشنا

ظفر خان احسن کے بیٹے تھے۔ شاعری کے سمندر کے غواص اور سخنوری کے سمندر کے تیراک تھے۔ چمکدار خیالات کے آبدار موتی الفاظ کی خوبصورتی ڈبیوں میں رکھکر سلک نظم میں پرونے کے استاد تھے۔ امراء دربار شاہی کے کھلونے تھے۔ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آخر پر درباداری سے دست بردار ہو گئے

کشمیر آکر تنہائی اور گمنامی میں دن بسر کرنے لگے ۱۰۵۶ھ میں رحلت کی۔ ان کا دیوان دیکھنے کے لائق ہے۔

عبدالرسول استغنا

باغ کشمیر جنت نظیر کے خوش الحان۔ تازہ گو۔ نواسنج بلبل تھے۔ شروع میں اہل دین کی صحبت سے بھاگتے تھے۔ اور اسی مناسبت کے موجب "استغنا" تخلص کرتے تھے۔ پھر شاہجہاں کے تیسرے بیٹے میرزا شجاع کے پاس رسائی ہوئی۔ منصب اور خدمت پر سرافراز ہوئے۔ میرزا شجاع اور عالمگیر کے باہمی جھگڑے کے زمانے میں توپخانہ کے داروغہ تھے۔ میرزا شجاع کی ہزیمت پر بھاگ کر ادھر گئے۔ وہاں کے امیروں میں کبھی ایک کے پاس کبھی دوسرے پاس دن گذاری کرتے رہے۔ وسیلہ داروں کی وساطت سے عالمگیر کی صحبت میں بار یاب ہوئے۔ بقیۂ عمر اسی کی خدمت گذاری میں گذار کر ۱۰۸۲ھ میں دوسری دنیا کو سدھارے۔ ایک دفعہ کوئی ضروری بات بادشاہ کو گوش گذار کرنی تھی۔ امراء دربار میں سے کوئی عرض نہ کر سکا بختاور خان نے استغنا کے مقصد کو اس انداز سے خدمت اقدس میں پیش کیا۔ کہ استغنا مطلب میں کامیاب ہوا۔ بختاور خان کی مدح میں کہا ہے:۔

اے خان بلند قدر اکسیر سخن ❊ قربان زبان تو خواتین زمن!

تا خاطر آشفتہ دلان جمع شود! ❊ یکبار بگو حرف پریشانی من!

شعر ملاحظہ فرمائیے:۔

❊

فلک راگر احتساب مے بند د ❊ سزائے بادہ پرستان خمار خواہد داد

محمد رفیع منشی

کشمیری تھے نظم و نثر میں کمال رکھتے تھے۔ معیشت کیلئے زیادہ تراپنا وقت صرف کرتے تھے۔ عمر بھر حکام کی حضور نویسی کرتے رہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

در سایۂ خود جائے آوارہ دہید ❊ در چارۂ کار دل بیچارہ دہید

ہر چند کہ کفارت ندارد نیکی ❊ نیکی بہ بدان کنید و کفارت بدہید

کہتے ہیں کہ "تسلی" تخلص رکھنے والا ایک شاعر سیف خان ناظم کشمیر کے دربار میں رسائی رکھتا تھا۔ اس نے کشمیریوں کی ہجو بحر طویل میں لکھکر جواب کیلئے اشارہ کیا۔ دوسرے دن دربار میں منشی نے اسی بحر میں باآواز بلند سیف خان کے سامنے جواب پڑھکر سنایا اور تسلی کو ملزم بنواکر شہر بدر کرایا۔ آپ بھی دیکھئے ؛-

لعنت اللہ بر آن تسلی کم اصل و تبہ کار و گنہگار = کہ خود را بزبان دوسہ لک آدم موزون و سخن دان و سخن سنج ہمہ آراستہ از فضل و ہنر داد کہ گر پای ہجوش بفشارند بعزیا و ببارانند جہان را۔ کیف حیف است کہ اوقات چنین مردم پاکیزہ و دانا و نکورائے و خداترس و حق اندیش کہ جز ذکر خدا فکر ندارند۔ شود صرف و بسازند تر از خون سگے تیغ زبان را۔ آنچہ در حق این طائفہ پاک ز نادانی و بدبختی خود گفت ہمہ تہمت و بہتان و ہمہ کذب و پریشان۔ کہ سزایش رسد از ایزد متعال درین سال بہ تعجیل نہ تاخیر کہ فرصت بشود خوب بایں بے ادب خیرہ سر احمق و نادان۔ تا جزایش بود این دوسہ حرفے کہ آید ز زبانِ من آشفتہ حیران۔ زرہ خشم و غضب زانکہ چہ لائق کہ کند تسلی قلتاق و قرمساق گدا خوی سیہ روی بد اندیش عجب ریش بدگوی ابنائے زمان۔ عادت سرگین خور زود گندہ کند کام و دہان را۔ کے رسد طعن تو بر مردم کشمیر کہ دارم خبر از حال تو و وضع تو اے بیخبر از خویش کہ عہد جوانی بمیان بغلِ مردم بیگانہ گذشتی و صد بار بگوش تو ز عشاق رسیدست کہ از کشمکش کم نتوان بود کہ دنبالہ کے در عقب اوست۔ نا امیکہ بد بد ارشد از طلعت نحنت اثر ریش کہ پیشہ بنود بیش۔ بایں طرز ز بدکاری و بدفعل۔ گر وہے در عقب بود و تو در پیش خجل شو ز بے عصمتی خویش بسنگ باختہ عمر گرانرا۔ بعد از آن ریش تو گردید مگس رانِ تو در انداز دنبال تو فوجے مگس چند کہ عشاقِ تو باشند کہ بروز سیہے خویش بنشستی کہ الٰہی ہمہ روز تو چنین باد نہ بینی ز جہان ہیچ نکوئی۔ رو لفت کم شد و عشاقِ تو بیزار نشستند دگذشتند ز عشق تو و کس یک قدح بوزہ براہت نفرستاد و نہ کردہ است یک ساغر لقبوم کسے یاد و گر بنگ کہ میداد کجا بود بحالت نظر بادہ کشانرا۔ از پریشانی و بے نانی و عریانی و حیرانی و بے عزتی و خواری و خفت کہ نصیب تو شد

اندر وطن او فتاد ہوائے سفرت در سر داز اجۂ بد نسلی کہ صد پاچہ خر باد نصیبش شدہ رخصت و چیز یکہ زاملاک پدر یافتہ بودی یکے مکدہ پر زنگ دود یا موزۂ بد رنگ بسے کہنہ و تسبں تنگ و دو پتیادۂ جرکین و یکے لاشۂ خر پیر و زبون آنہم از تاخت ندانم کہ بدست کہ او فتادہ است و کہ دادہ است تصدیق پدر رحجبہ زنت را و برائے تو مہیا شد آن مرکب واز قریۂ ویرانۂ خود آمدہ باد و سہ لک نکبت و بدحالی و افلاس و گدائی بسوئے ہند کہ آخور بہ از یں نیست خران را۔ کے گمان بود کہ از گردش گیتی تو شوی ساکن کشمیر کہ در آب و ہوا اشک جنان است و بیابی زگدائی دہ تہ جامۂ رنگین و تنعم کنی از سفرہ ارباب سخا و ہیچ بخاطر نرسانی کہ کجا رفت و فردت و قمراچہ بد پاچہ خر و موزۂ صد سالہ و پتیادۂ صد پارہ و آن کلاہ بے قبضہ کہ میراث پدر یافتہ بودی و بگو زیر پرستیش کہ کنون نیست چنین نخوت ولاف تو و اظہار سخندانی و بے جا شاعری کے بتو دار ند مسلم بدنیا۔ اے کہ بود نیز ہمہ مردم این جا زنفسہائے تو پاکیزہ تر و بہتر از شعر و سخنہائے تو موزوں تر و سنجیدہ تر اے احمق نادان۔ نفہمیدہ حیوان زخود بے خبر و خیرہ سر و ابلہ و تلتان گر از راست نہ رنجی زخری کمتر و از سگ بتر و گندہ تر از جامۂ ناپاک کہ خود این ہجو ترا کافی و عبرت دگران را۔

تسلی کی ہجو اُس وقت کے لوگوں کی بُود و باش طرز معاشرت دربار داری رسومات عادات وغیرہ کی آئینہ دار ہوتی۔ لیکن دستیاب نہیں۔ ملے تو ضرور دی جائے گی۔ منشی نے ایک دوست کا گھر نظر آتش ہونے پر اس کو لکھا: اسکے کلام کا اندازہ لگائیے:۔

از سوز خاطر تو وجودم بہ پیچ و تاب	انجا فتاد آتش این جا شدم کباب
و تینکہ شعلہ از در و بام تو سر کشید	کس آگہی نداد بایں دیدہ پر آب!
سر چشمہ زیر ہر مژۂ من ذخیرہ بود	از یک نگاہ خانۂ آتش شدے خراب
تا این خبر رسید بگوشم زسوز دل!	یکدم نگشت دیدۂ من آشنا بخواب
اما ز سر نوشت کسے را گریز نیست	ایں حرف انتخاب نمودم ز صد کتاب
ہر دم کہ عیش تلخ نماید سپہر دوں	بر بام کار شعلہ کند بوز آفتاب

باد ملال راندہی ارہ بصحن دل ! ؛ آخر کند تلافی آتش ابو تراب

محمدؐ زمانؐ نارفع

محمد طاہر غنی کے بھائی اور محسن فانی کے شاگرد تھے۔ اپنے بھائی سے الفاظ کے معنی کی نزاکتوں کو سلجھنے کی مشق بہم پہنچائی۔ دیوانوں اور غزلیات کی کتابوں کے پڑھانے کا شغل رکھتے تھے۔ شاعری اور سخنوری کے فن میں بھی ممتاز تھے۔ دیکھئے ان کے کلام میں سے بھی غنی کی جھلک نظر آتی ہے:-

بگیر لذتِ دنیائے شور وشر زدہ را ! ؛ مزاج زہر بود نعمتِ نظر زدہ را !
شنیدم از لبِ فوارہ این صدا بلند ؛ کہ گریہ ہست ثمر خندہ ہای بر زدہ را
قدم شمردہ گذار اے خیال بیہدہ گرد ؛ بخانۂ دل ما راہ نیست سر زدہ را

میخرامی بہر قتلم مرحبا اے زیبدت ؛ جان فدائے زیبدت سر مژدہ بادے زیبدت
پیکرت را تار بود جامۂ مسطر کشید ؛ از شبیم گل قبائے تہ نمائے زیبدت
مے کشی و بازمے پرسی شہید کیستی[۳] ؛ این غلط اندازی و بازی بمانی نمیبد[۵]
پیر گشتی نارفع اکنون ہالہ سان تسبیح ؛ خرمن ماہ در آغوش دوتائے زیبدت

[۵] زیبد

میرزا داراب جویا

ملا سامری کے بیٹے سخندان اور معنی رس شاعر تھے۔ فن شاعری میں میرزا صائب کے پیرو تھے۔ محمد سعید اشرف اور ملا علی رضا تجلی کے ساتھ جو ابراہیم خان کے ہمراہ کشمیر آئے تھے۔ دوستی اور اٹھنا بیٹھنا تھا۔ شیریں زبان فصیح بیان صاحب دیوان ہیں نمونۂ کلام یہ ہے:-

عین دریائے وصال است بہم چشم زدن ؛ چون کہ حباب آن کہ ہوائے تو بود در سر[۳] او
بے نوان یافتن از نالہ قمری کہ مدام ! ؛ آتشے ہست نہان در تہ خاکستر[۳] او
دل جویا نخورد زین غزل آرائی آب ؛ منقبت سنج بود مدحگر او ! ! ! !
شاہ مردانِ جہان آن کہ زبان قلم ؛ زین دو مطلع شدہ پیوستہ ثنا گستر او

بود عالم ندیم ذرہ خاک درِ او ⁂ عالم دہر چہ در دہست بگرد سرِ او
ہر کہ شد تاج سرش خاک در قنبر او ⁂ بر فلک ناز کشد بلکہ بہ بالا ترِ او
بعد قنبر ز غلاماں علیؓ نجو ان است ⁂ کس بیارد گرے بود چو اد ہم سرِ او

سنہ ۱۱۱۸ھ میں رحلت کی۔ اہل سنت و جماعت کے اکابروں میں سے ایک کی شان میں گستاخی اور شوخی کر کے جوبیاؔ نے کہا تھا:۔

برسرش گل باد گرز آہنین ⁂ بر تنش نار جہنم لوز باد

سُنی شاعروں میں سے ایک نے جواب تاریخ وفات میں یہ شوخی کی:۔

رافضی تاریخ جوبیا بیت وہفتش بود کم ⁂ چونکہ گزہ گردِ ندادر اگشت تاریخش درست

عوض معاوضہ کا گلہ نہیں۔

کامرانؔ بیگ گویاؔ

میرزا داراب جوبیا کے بھائی تھے۔ شعر و سخن میں بھائی کے ہم پلہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایرانی شاعر کشمیر آیا تھا۔ کامران بیگ نے گستاخانہ اور بے ادبانہ طریقہ میں اسکے ساتھ بحث کی۔ شاعر نے برداشت نہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس "سامری" پر لعنت ہو جس نے تم جیسے بچھڑے کو "گویا" کیا ہے۔ (سامری اور گوسالہ۔ گوسالہ کا آواز کرنا) (موسیٰؑ کا سامری کو لعنت کرنا) سامری گویا کے باپ کا نام تھا) اسی طرح شاعروں میں ایک اور ان کی صحبت میں آیا۔ اسکے ان دونوں بھائیوں سے تخلص کے بارے میں پوچھا۔ داراب نے کہا جوبیا کامران نے کہا گویا۔ شاعر نے کہا طالب کلیم کے تخلص کو دونوں بھائیوں نے اچھائی سے تقسیم کیا ہے۔ جائیے "سامری زادے جو ہوئے"

لالہ ملک شہیدؔ

کشمیری کے۔ جادو بیان شاعر تھے۔ کلام میں سحر کا اثر ہے۔ تاریخ گوئی میں کمال کا ملکہ رکھتے تھے۔ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی گیارہ سو تاریخیں لکھی ہیں۔ ہر شعر میں تاریخ ولادت، عمر شریف اور تاریخ وفات ہے۔ اور یہ گیارہ سو شعر عجوبۂ روزگار میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ چونکہ تاریخ گوئی میں غرق تھے۔

عرق

اور خاص و عام کے لئے تہنیہ (مبارکبادی) اور تعزیہ (ماتم) کی تاریخیں لکھتے تھے۔ اس لئے ذلیل اور بے عزت ہو گئے تھے۔ فتنۂ ابراہیم خان کی دہ مجلسیں کمال قدرتِ بیان سے نظم کی ہیں۔ رواں طبع اور خوش مزاج شاعر تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:-

لام قدمن باالفِ قدتو لاشد ؛ یعنی کہ وجودم بوصالِ تو فنا شد
در آتشم نشستہ خموش ز فراقِ دوست ؛ چون غنچہ ہائی لالہ مرا سرمہ در گلوست

خواجہ ضیاء الدین دیوانی

خواجہ ہاشم کے بیٹے تھے۔ اخلاق۔ اطوار اور کردار میں باپ پر فوقیت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی میل کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

مردم بہ جنون زیکدگر در پیش اند ؛ خود را بہتر ز غیر خود اندیشند

حاجی اسلم[۳]

اراکین پنڈتوں میں سے ابدال بٹ کے بیٹے تھے۔ سالم تخلص کرتے تھے۔ ملا محسن فانی کے پیارے شاگرد تھے۔ اپنے دو بھائیوں کے سمیت اسلام قبول کیا۔ اٹھتی جوانی میں ہندوستان جاکر شاہزادہ اعظم کے پاس ملازم ہوئے۔ جنگ سلطانی اور معظم شاہ کے غلبہ کے بعد کشمیر واپس آکر آرام کے دن گذارنے لگے۔ اونچے درجے کے شاعر تھے۔ خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ موتی پروتے تھے۔ فیل جنگ شاہزادہ کو نہایت کوشش سے لکھا ہے۔ جو مآثر عالمگیری میں درج ہے۔ اس نعتیہ غزل سے ان کی علمیت اور ان کی شاعری دونوں کا اندازہ آسانی سے لگایا جاتا ہے:- ؛

براوج بردہ شرع تو دین قویم را ؛ پیوند کردہ لعل خط مستقیم را
چون تاب مہ کہ مظہر انوار مہر شد ؛ نطق تو تازہ کردہ کلام قدیم را
در شش جہت نسیم صبح ہدایت ؛ روشن نمودہ معنی خلق عظیم را!
ابر شفاعتت کہ ہمہ بحر رحمت است ؛ تفسیر کردہ آیۂ عفو کریم را!

لطف تو بر ہمہ افراد کائنات ! — قسمت نمودہ سایۂ فیض عمیم را !
شاید بدل شود بہوائے مدینہ ات — از خلا ہر سحر ملک آرد نسیم را
از بسکہ در ازل شرف بیعت تو یافت — بوسیدہ دست نور الٰہی کلیم را
از امر ونہی شرع متینت دو کفہ است — میزان عدل محشر امید و بیم را
لطفت بخات سالم عاصی است روز حشر — باشد شفاعت تو شفا این سقیم را

بابا حاجی مغنی

حاجی حیدر کے بیٹے تھے۔ کمال کا لطف طبع اور حسن ادا رکھتے تھے۔ واقعۂ کربلا کی مثنوی سے نمونہ کلام ہے :-

دل آتش ز جوش گریہ دریاست — ز گوہر آب را در دل گوہر ہاست
از سنگ است آتش در دل اوست — اگر کوہ است دارد نالہ ہا دوست
بہارستان داغ و سیل خون شد — ز جوش گریہ طغیان جنون شد
در اشکے کہ ریزد در عزائش — جہان مغفرت باشد جزائش
فغان مانند دل در خون طپیدہ — بجائے نالہ جان بر لب رسیدہ

حاجی حیدر زرڈیبلی

سخنوری اور انشا پردازی کے فن کے استاد تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔

مُلا فایق

خوش طبع اور بلند خیال شاعر تھے۔ اپنے وقت کے شاعروں میں مشہور تھے۔

مُلا بینش

فصاحت و بلاغت والے دانشمند شاعر تھے۔ دلپذیر سخن سنج تھے۔

مُلا ثابت ۔ قلندر بیگ ۔ آدرہی

تینوں حضرات خوش خیال ۔ سخن سنج ۔ زیرک طبع ۔ فن شعر و سخن سے واقفیت رکھنے والے شاعر تھے۔

میر نورالدین شارق

سید خاندان سے تھے ۔ قوام الدین خان کے ساتھ قریبی رشتہ ہونے کے موجب ایران سے ہندوستان آئے ۔ اور مدت تک وہیں رہے ۔ جب ان کا بھائی میر رضی الدین کشمیر کی دیوانی کے عہدہ پر متعین ہوا تو یہ بھی اس کے ساتھ کشمیر آئے ۔ اور کچھ مدت کے بعد پھر ہندوستان گئے ۔ فرخ سیر کے زمانے میں کشمیر کے دفتر دیوانی کے داروغہ مقرر ہو کر دوسری دفعہ یہاں آئے ۔ اب تو عمر رسیدہ ہو گئے تھے ۔ نہایت اچھے اخلاق والے تھے میرزا صائب ۔ محمد سعید اشرف اور دوسرے شاعروں کے ساتھ دوستی تھی ۔ سنہ ۱۱۲۷ھ میں یہاں ہی اسی برس کی عمر میں رحلت کی ۔ ان کا دیوان مشہور اور معروف ہے ۔ نمونہ کلام ہے :-

سخن جان بپشت ما را چون کمان کردہ است ۔ چرخ منت کش ز مشت استخوانم کردہ است

ز فیض بیکسی چون مصرع برجستہ مختارم ۔ ہلال آسا بیک بال آسمان سیر است پروازم

رستم در ملک معنی بطبع نظم شاہد است ۔ دشمنان را اعجاز تیر بیانم کردہ است

از حکایت چرخ سنگین دل نہ بینم ہیچکس ۔ آنچہ باز از مہر بانیہا بجانم کردہ است

خواجہ نوراللہ دیوانی

سرینگر شہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے ۔ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے موجب مولویت کے درجے کو پہنچے ۔ طالب علموں کو پڑھاتے تھے ۔ برجستہ شاعر تھے۔

میر کمال الدین

کشمیر کے شریف زادوں میں سے تھے ۔ جوانی کے جوبن میں شاعری کی طرف طبیعت لگ گئی۔

وقت کے شاعروں سے اصلاح لیتے تھے۔ شاعری، نثر نویسی، خط نستعلیق اور خط شکستہ لکھنے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ایک مدت تک میرزا اکبر کے پاس ملازم رہے۔ شاہزادہ کی بغاوت اور ایران کی طرف اس کی ہزیمت کے بعد کشمیر واپس آئے۔ بہت سے لوگوں کو انشا پردازی اور خوش نویسی سے بہرہ مند بناتے تھے۔ حاکم صوبہ فاضل خان کی سفارش سے شاہی ملازمت اور تھوڑی سی جاگیر پاکر قناعت سے دن گذاری کرتے رہے "انشاء میر" رنگینی عبارت کیلئے مشہور رہی ہے۔ ایک دفعہ میاں حضور اللہ نے ان کو شہد کا ایک تھال بھیجا تھا ڈھکنا اٹھانے پر تھال میں سے ایک زندہ سانپ نکلا۔ اس واقعہ پر جو خط میاں حضور اللہ کو لکھا ہے۔ دیکھنے کے لائق ہے۔ ادب اور انشا پردازی کا نمونہ ہے۔ یہاں اس میں سے ایک دو جملے نمونہ کے لئے دئے جاتے ہیں۔:-

بار یکہ مخالفت قول و عملش   بگریز ز لابۂ سراسر دغلش

"چون طفل لب شربنیش کہ از شربت خانۂ   آن عطوفت انتما حصۂ تلخ کامان!

حنظلستان اختلاطِ ابنائے زمان شدہ بود رسید۔ ذائقۂ نومیدی را شیرین ساخت و سنگ در زنبور خانۂ این روستا پردۂ بیباک انداخت بحکم "کل اناء یترشح بما فیہ" حقیقت و محبت مستور بمنصۂ ظہور جلوہ نمود" با خود گفتیم کہ جو فروش گندم نمائے شنیدیم در زہر فروش شہد نما ہم دیدیم۔ . . . . .

خواجہ علی اکبر

خاف کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ خاف ہرات کے متصل ایک شہر ہے۔ شاہ عباس صفوی کے آخر عہد میں ہندوستان آکر شاہی ملازموں میں بھرتی ہو گئے۔ اور کچھ خدمات کے سلسلے میں کشمیر آکر یہاں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ پرلے درجے کے صالح۔ خوش طبع۔ شاعر۔ تاریخ گو اور خوش نویس تھے۔ نظم و نثر میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ رنگین رقعے اور دلنشین چھٹیاں لکھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

یاد آن روز کہ دل در حرمِ گیسوی تو بود   تو تیای بصرم خاک در کوی تو بود

محو گردیدن و بے خودہ شد افتادن من | اثرے از نگہ چشم سخنگوی تو بود
بے سبب رنجہ شدن در نظر انداختنم | این چہ لائق تو و طبع جفا خوی تو بود
دل ربودن و انداختن دگر از نظرم | چشم این چشم کہ از نرگس جادوی تو بود

سنہ ۱۱۳۱ھ میں رحلت کی۔

محمد رضائے مشتاق

ناجی قبیلہ میں سے تھے۔ جو نوشہرہ کے محلات میں رہتے تھے۔ کتابت اور خطاطی کا شغل رکھتے تھے۔ جوانی کا زمانہ کتابت میں گذارا۔ اسی میں فکر کے گھوڑے کو شعر و سخن کے میدان میں بھی دوڑاتے تھے۔ بھڑکنے والی طبیعت اور خداداد استعداد سے اس میدان کے شہسواروں میں شامل ہو گئے۔ مثنوی معنوی کی کتابت سے روٹی کماتے تھے امیروں اور حاکموں کی قصیدہ گوئی سے نفرت تھی۔ آزاد اور قلندر وضع کے سخنگو تھے۔ سنہ ۱۱۵۱ھ میں رحلت کی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

(۱) نے میوہ و نہ سایم داریم | دہقان بچہ کار کشت مارا
پامال جفا شدیم واین بود ! ! | در عشق تو سرنوشت مارا
ہست از خم بادہ پشت بر کوہ | مشتاق بسان خشت مارا

(۲) کردیم سیر گلشن تا ما دیار ہر دو | کشتند بلبل و گل بے اعتبار ہر دو
چشم سیاہ مستش لعل قدح پرستش | از عاشقان ربودند صبر و قرار ہر دو
زلفین تابدارش بر گلشن عذارش | خوش حلقہ حلقہ کردہ مانند مار ہر دو
آیا بود کہ روزے این آرزو بر آید | خسپند مست باہم مشتاق و یار ہر دو

تاریخ یہ ہے:۔ شاہ مشتاق از سر دنیا گذشت

عبد الحکیم ساطع

ملا غالب کے بیٹے تھے۔ جب شعر گوئی کا خیال روز پکڑتا گیا۔ تو پہلے لالہ ملک شہید سے پھر میرزا داراب جویا سے اصلاح لیتے رہے۔ اور موزون طبع کے طفیل ہمعصروں

میں فوقیت پا گئے۔ پشاور گئے اور وقت کے بلند پایہ شاعر محمد سعید اشرف سے دوستی ہو گئی وہاں سے شاہ عالم بہادر کے دربار میں اونچے مرتبہ پر پہنچے اور فائز ہو کر ترقی کرتے گئے۔ فرخ سیر کی شہادت پر کشمیر واپس آئے۔ اور زندگانی شعر خوانی اور کامرانی میں بسر کی ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

شراب عشق تا زداد لبن جوشش　　مرا نشد نشئتیں از دل فراموشش

خیال بندی ملاحظہ کیجئے:۔

مفتم زجان عشق مستی دادند　　کین نیستیم بقید ہستی دادند!
سرمایہ ہر آنچہ بود دادم از دست　　ارزان تہ متاع تنگدستی دادند

نازک خیال دیکھئے:۔

بچندین رنگ گشتم از گنہ چون خانۂ مانی
شرم موئے جز این صورت نمے بند دپشیمانی

نفس از ندانی خود را مکن دیگر نگہبانی　　کہ رفت ایں ناتوان چون گل بتاراج پرافشانی
زمن آموز آداب محبت شہری عشقم　　اگر فرہاد کہسای دگر مجنون بیابانی

بلند خیالی کا اندازہ کیجئے:۔

ترا عزوریصورت مرا بمعنی خویش　　کمال حسن تراو مراست حسن کمال

نثر نویسی میں بھی کمال رکھتے تھے۔

میرزا عبدالغنی بیگ قبول

بہلوج قوم سے تھے۔ "قبول" تخلص کرتے تھے۔ موزون طبیعت کے مالک تھے۔ ابہام کو پسند کرتے تھے۔ عالمگیر کے عہد میں ہندوستان گئے۔ اور حضور میں رسائی پا کر ہدایت اللہ خان کی مصاحبت پا کر نائب وزارت کا عہدہ پائے۔ ہدایت اللہ خان کی وفات کے بعد شاہجہان آباد میں سکونت اختیار کی۔ شعر و سخن کی مجلس طرازی اور دقیقہ پردازی کے فن کو کمال پر پہنچا دیا۔ ارباب سخن کے مرجع بنے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

گرہ ز کارِ کسی وانمے تواند کرد | کسے کہ در گرہِ جامہای فلطاری است

"فلطاری" ہندی بھولکاری کا مفرس ہے۔

تا برقص انداز نازای شوخ رعنا کردۂ | بستۂ زنگولۂ صد فتنہ برپا کردۂ

ان کا بیٹا میرزا گرامی بھی صاحب سخن تھا۔ یہ رباعی اس کی ہے:۔

ہمیشہ حکم کسے در دیارِ ما جاری ست | کہ خامہ اش چو رگِ ابر در گہرباری ست

ہزار داغ فلک خود ز افزان دارد | تراتوقع مرہم ز چرخ زنگاری ست

محمد امین دانا

فکر رسا رکھتے تھے۔ شاعری کے نشیب و فراز سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ فرخ سیر کے ابتدائی زمانہ میں امیر الامرا کے منشیوں میں شامل تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

انتظ را اندر سخن عیب است دانا چون ہلال
مصرع برجستہ باید کو پس از ماہے بود!

میر محمد معروف

قاضی محسن اندرواری کے بیٹے تھے۔ میاں محمد امین دار کے روشن ضمیر مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اور ان کے دوستوں کے حال میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

چرخ از جگرم ربود داغے | افروخت بہ بزم خود چراغے

وز دولت داغ عشق کافیت | خاکستر من بطرح باغے

معروف درین بہار تو بہ | دیوانہ بہر زہ کردہ لاغے

شاہ رضا چشم

"چشم" تخلص کرتے تھے۔ رنگ رنگ کے فنون سے آراستہ تھے۔ بدیہہ گوئی میں فنن

کے لاثانی شاعر تھے۔

مُلا عبدالغفور۔ نامی

شاعری میں گرامی اور فن شعر و سخن میں تخلّص کے اسم بامسمّیٰ تھے۔ نامی نے عمر بھر شاعری کی۔

محمد اشرف۔ یکتا

کم گو لیکن برجستہ گو شاعر تھے۔ شعروں کا دیوان مشہور ہے۔ خود کہتے ہیں :-

شعر اگر کم گفت یکتا کم نگفت ! درمیانِ این ہمہ ارباب شعر

لطف اللہ بیگ

تخلّص اپنا صہبار کھا تھا۔ مُلا ساطع اور مشتاق کے شاگرد تھے۔ سخنوری میں طاق اور نغز گوئی میں مشہور تھے۔

مُلا میر نازک فانی

فتوی گری پیشہ تھا۔ اور فرصت کم پھر بھی شعر و انشاء میں کچھ نہ کچھ قابل تحسین و داد کرتے تھے۔ سنہ ۱۱۶۲ھ میں آخرت کا سفر کیا۔

شرف الدین خان۔ فرحت

باپ کا نام محمد جان اور دادا ملا کاظم جلالی تھا۔ طبیعت کی تیزی اور روانی میں اچھلتے فوارے سے کم نہ تھے۔ شیر جنگ خان کے وقت میں صدارت کشمیر پر مقرر ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد اس عہدے سے دست بردار ہو کر تنہا نشینی اور خلوت نشینی اختیار کی۔ مزار شیخ گنج بخش میں دفن ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو :-

دل چو بیجا شد پریشان گردد اوراق حواس ربط در دفتر نماند چون شود سر فرد گم
عشقت کمی از چارۂ تدبیر ندارد ! درمانِ تب شیر طبا شیر ندارد !
طبع فرحت کے اسیر دام ساطع میشود این کبوتر ہر زمان مشتاق بام دیگر ست

کسی اور شاعر نے فرحت کے اس شعر کے مصرع اوّل کو یوں بدل دیا ہے۔

اعتبارے نیست ہرگز طائر اقبال را
این کبوتر ہر زمان مشتاق بام دیگر ست

(خیال بدلا کر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اعتمادے کن نہ بر یارے کہ باشد یار نان!
این چنین یار ہر زمان مشتاق نان دیگر ست } مترجم

یار بدلا خیال بدلا قافیہ بھی بدلا۔)

خواجہ امان اللہ

والد کا نام خواجہ ابوالفتح صابونی تھا۔ شعر گوئی کی طرف طبیعت لگ گئی۔ موزون طبیعت اور حسن استعداد نے شاعروں کے زمرہ میں جگہ دی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

گل رعنا دو رو آئینہ شد اندر چمن پیدا
ز یکسو رنگ یار من ز یکسو رنگ من پیدا

محمد عاقل

عبدل کا امام تھا۔ عید گاہی خطیب کہلاتا تھا۔ امیر الامرا شہید کا مداح تھا۔ اس کی تعریف میں کہا ہے:۔

اقبال تو اقبال سکندر گردید
دنیائے تو و دین بہتر گردید

تا رگرہ تو در روز ازل
با رشتہ عمر خضر ہمسر گردید

آخر پر صفدر ملک کی ملازمت اختیار کی تھی۔

حکیم رحمت اللہ

سخندانی۔ شعر خوانی اور فن شاعری کے رموز و کنایات اور دقیق باتوں کو سمجھنے اور ان پر عبور حاصل کرنے کے لئے جوانی کے دن صرف کر کے قدیم شاعروں کے ہم پلہ ہو گئے تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

بجانان جان رسد آندم | کہ از تن جان برون آید
عزیزی میکند یوسف | کہ از زندان برون آید

گلخن آن سینہ کہ از داغ عشق گل گل بنیت
اخگر آن باغ در وغنچہ شد و بلبل بنیت

میر احسن اللہ

نام میر احسن اللہ تخلص راضی۔ قاضی عبد الکریم حداد (اہار) کے بھتیجے۔ عبد الغنی بیگ قبول کے شاگرد شعرائے وقت کے سرتاج تھے۔ مجتوی خان کے فساد پر مثنوی شہر آشوب جو لکھی ہے۔ بے نظیر ہے۔ نمونہ کلام سے مخمور نشہ سے بھرے مضامین کا اندازہ لگانا آسان ہے:۔

راضی از قرب قیامت عمر ہا کوتاہ شد | باغبان از بیم آفت میوہائی خام چید
باعندلیب صلح کنم یا بہ باغبان!! | اے گل ترا بخاطر عاطر چہ میرسد

کشمیر کی بڑھائی اور حب وطن کو یوں ظاہر کرتے ہیں:۔

از دامن این کوہ نخواہیم بدر رفت | دامان بزرگی کہ گرفتیم وگرفتیم

میاں بیوی کے تعلقات کس حسن ادا سے بیان کرتے ہیں۔

زن صاحب فرزند چو شد علت طبع است | دشوار بود علت ام الصبیان

ہمیشہ برلب فوارہ این سخن جاری است
کہ اوج منصب دنیائی ددن نگونساری است

مریض اگر متردد شود تعجب نیست | سر دو راہیہ موت و حیات بیماری ست

کمال فقر و غنا خصم جان بود راضی
کہ نخل را خطر از برتری و بے باری است

سنہ ۱۱۹۷ھ میں شاہجہان آباد میں وفات پائی۔

محمد فاروق

میر محمد کے شاگرد تھے۔ شعر و شاعری اور سخندانی کے ماہر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

دل کہ بریز الم شد ز نوائے افتد
جام ہر چند کہ پر شد ز صدائے افتد

گر شوم مانند بدر از وصل یار　　　باز میکاہم ز ہجرش چون ہلال

محمد حیات ہادی

شراب فروش کے لڑکے تھے۔ ملا دانا کے شاگرد تھے۔ شعر و انشاء میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

نمیخواہم کہ گرد ے گرد آن گلبرگ بر گردد
اگر گردد بگرد او نمیخواہم کہ برگردد

میرزا بیگ

بخارا سے آئے تھے۔ سخنوری میں یکتائے زمانہ۔ املا و انشاء میں فرد یگانہ تھے۔

مُلا یوسف

اکبر یار خان کے شاگرد تھے۔ میاں محمد امین ڈار کی نظر عنایت رکھتے تھے۔ شعر و سخن میں فاضل ہونے کے علاوہ خوش نویس بھی تھے۔

مُلا محمد رفیع ماٹجی

علامہ شہید کے پاس علوم کے مشعل کو روشن کر کے سخنوری میں جولانی طبع کرنے کی طرف طبیعت مائل ہوگئی۔ اور جوانی میں پختہ کار شاعر کا سہرا زیب سر کیا۔ علامہ شہید

کی وساطت سے امیر الامرا کے ملازموں میں جگہ پائی۔ ایک دن یہ بیت لکھکر امیر الامرا کی نظر میں گذاری:۔

بایں محیط کرم گرچہ آشنا شدہ ام | کفم چون کاسۂ گرداب از گہر خالیست

امیر الامرا نے ایک ہزار روپے انعام دیا۔ انھوں نے فی البدیہہ کہا۔

قدر دانی ہست ممدوحم کہ چون آشنا خط | میدہد بر حرف خرفے ہر دمے خلعت مرا

آخر عمر میں کشمیر آکر سکھ جیون کے شاعروں میں شامل ہو گئے۔ شاعروں میں سے ایک نے "شکر ہمنگ" قافیہ اور ردیف کی سنگلاخ زمین میں طرح مصرعہ ڈالا شاعروں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ملا رفیع نے ایک طویل قصیدہ لکھا۔ نمونہ یہ ہے:۔

ایکہ یکبک عالم آمیت از در گہش یابد دو وقت
دال چاول ماش و برنج و روغن و شکر ہمنگ

تن بہ آغوش سر۳ دمن زدہ | سیہ۳ دار آمدے بہ بر سنے آید

محمد علی خان متین

عصام الدین خان کے بیٹے تھے۔ جو ایک وقت تھوڑی دیر کے لئے نائب صوبہ کشمیر تھے عبد الغنی قبول اور قاسم خان سے اصلاح لیتے تھے۔ بلند پایہ کی موزون طبیعت رکھنے والے شاعر تھے۔ سکھ جیون خود سخندان تھا اور سخندانوں کا قدر دان تھا۔ جب وہ کشمیر کا راجہ بنا۔ اور عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ تو ہر ہفتہ میں اتوار کے دن مشاعرہ منعقد کراتا تھا۔ شعرائے کشمیر میں سے سات شاعر:۔ متین۔ سامی۔ نوید۔ راجح۔ توفیق۔ شائق اور حسن تاریخ کشمیر لکھنے کیلئے مقرر کئے۔ ایک ایک بیت کے لئے ایک ایک روپے مقرر کیا۔ شاہنامہ کے سات حصے کئے گئے۔ شاعر کام میں لگ گئے۔ اسی اثنا میں سکھ جیون ہاتھی کے پاؤں تلے روندوایا گیا۔ شاہنامہ کا کام بھی معطل گیا۔ ملا توفیق کے دو ہزار شعر۔ سامی کے اڑھائی ہزار اور شائق کے کوئی ساٹھ ہزار شعر موجود ہیں۔ باقیوں کا لاپتہ ہے۔ متین نے سنہ ۱۱۷۹ھ میں رحلت کی۔ حضرت گنج بخش کے مزار میں دفن ہیں۔ نمونہ

کلام یہ ہے:۔

دے بسوی عبزمن اے بیوفا دیدن چہ بود — در حضور من از احوال پرسیدن چہ بود

دیدن پرسیدن ہم احوال ہاں است سہل — باز از فریاد داد از راہ گردیدن چہ بود

باز گردیدن ز راہش ہم مستم داشتم — حرف پنہانی از و در گوش پرسیدن چہ بود

حرف پنہانی از و پرسید ہم پیش کش — در شکایت زیر لب انداز خندیدن چہ بود

زیر لب خندیدنت ہم بود اگر از راہ ناز — عبز چون میرفت او را باز پرسیدن چہ بود

گفت خاموش اے متین کاینہا اگر نشنیدۂ

بیوفائی راہ و رسم ماست پرسیدن چہ بود

عبدالوہاب شائق

علاقہ کہوہامہ کے ایک گاؤں دچھنہ کی مسجد کے امام تھے۔ موزون طبیعت تھی سلیس اور سادہ شعر کہتے تھے۔ مادۂ تاریخ نظم میں نکالنے کی اچھی مہارت تھی۔ سوکھ جیون کی فرمائش پر سادات کشمیر۔ ریشیان کشمیر اور یاران سلطان العارفین شیخ حمزہ رح کے حالات عبز مرتب طور پر قریباً ساٹھ ہزار شعروں میں لکھے۔ یہ سارا کلام ناتمام رہا۔

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

راستان اگر بز رالفت نباشد بہتر است!

چون الف باز رشد پیوستہ نقش آز رست

اعتماد ہستی موہوم کردن ابلہی است — چون گذارد کس قدم بالائے ظلّ پل کر آب

بانڈے مزار میں دفن ہیں۔

محمد جان بیگ سامی

باپ کا نام سعید بیگ تھا۔ سنگین دروازہ کے باہر سکونت کرتے تھے۔ عبدالرشید بیتو سے اصلاح لیتے تھے مشق سخن نے اُستادوں میں جگہ دی۔ سوکھ جیون کے شاعروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے کہتے ہیں کہ سوکھ جیون نے خواجہ حافظ شیرازی کی غزل:۔

"اے فروغ ماہ حسن از روے رخشان شما"، پر دربار کے شعرا کو طبع آزمائی کرنے کی فرمائش کی۔ محمد جان اُس وقت تک دربار میں باریاب نہ ہوئے تھے۔ مشاعرہ کے دن شعرائے اپنے اپنے غزل سُنانے آئے۔ محمد جان نے باہر سے ہی یہ بیت لکھکر سوکھ جیون کے پاس بھیجدیا:۔

ساغی از راہِ حیا بیرون در افتادہ ست　　　باز گردد یا در آید چیست فرمانِ شما،

سوکھ جیون نے اسی وقت اندر بلایا اور شاعروں کے زمرہ میں داخل کیا۔ سوکھ جیون اور اس کے دیوان مہانند پنڈت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

کار پردازِ تو مہانندا ست　　　آنکہ ہست از قبیلۂ درما
مے نمائی بنام او تنخواہ　　　نقد و جنس و برات چاکرما
گفت درباب جستن روزی　　　سعدی آن آگہ از مقدرما!
گرچہ کس بے اجل بخواہد مرد　　　تو مرو در دہان اژدرما!
رزق ہر چند بے گمان برسد　　　شرط عقلست جستن از درما

سوکھ جیون کی خرابی اور تباہی کے بعد دہلی جاکر ابوالقاسم خان کے پاس دن گذارنی کرتے رہے۔ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

خدایا بال و پرواز محبت دہ فغانم را
بکن عنقائے قافِ عشق قمری زبانم را

کرا یارا کہ ہنگامِ غضب سوئی تو مے آید　　　عرق بر خویشتن لرزد چو بروی تو مے آید

چہ روزاست اینکہ دیگر بر سرم آن سرو ناز آمد
قیامت شد مگر قائم کہ عمر رفتہ باز آید

قادری ہستم و غوث الثقلین رض پیر من است　　　سگ آن شاہم و این سلسلہ زنجیر من است

رحمت اللہ بانڈی

تخلص نوید۔ بدیہہ گوئی میں کمال تھا۔ سوکھ جیون کی محفل مشاعرہ میں بڑی قدر اور عزت

رکھتے تھے۔ ان کا دیوان قابل دید ہے۔ اور تاریخ کشمیر کے کچھ جزو جو تصنیف کئے ہیں نہایت عمدہ ہیں۔

ملا راجح

سوکھ جیون کے مجلس مشاعرہ کے نامدار شاعر تھے۔ سوکھ جیون ان کی بڑی عزت اور قدر دانی کرتا تھا۔

ملا حسنؔ و عشقیؔ

بدیہہ گوئے۔ نازک خیال اور نامور شاعر تھے۔ دونوں کا کلام آبدار موتی سے بڑھ کر ہے۔

محمد یحییٰ حیاؔ

ملا محمد امین دانا عرف نارو کے بیٹے تھے۔ شائستہ اخلاق۔ نیک اطوار۔ شعر و انشاء کے میدان کے شہسوار تھے۔ سنہ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ تاریخ ہے: "سوی فردوس رفتہ از دنیا" نمونۂ کلام یہ ہے:-

آئینہ خانہ ایست چراغان ز یک چراغ
عالم تمام پر ز خدا و خدا یکیست!
نہ بیند سوی من ہرگز نمیدانم چہ دید از من
بجرمم گوش نگذارد چہ چیز آیا شنید از من
گرفتم آستینش از ناز افشاند ہ
کشیدم دامنش دامن ز استغنا کشید از من

یعقوب نزا شکوہ نشد باز گرگ — واللہ کہ چنین فتنہ بر آید گرگ!؟
از چہ نشنو کہ زیرلب میگوید — آید ز بردار کہ آنچہ ناید از گرگ

محمد کاظمؔ

والد کا نام حکیم عنایت اللہ تھا۔ شاعر گرامی تھے۔ سامیؔ کے مقابلے کا ہے۔

اسد اللہ شگون

اسد اللہ نام اور شگون تخلص تھا۔ شہر مندی۔ زیرکی۔ دانائی اور سخنوری کا مجسمہ تھا۔ شیخ یحیٰی رفیقی کے نکاح میں بہن تھی جس کے پاس عمر کو تنہائی میں گذارا۔ ہجو۔ ہزل اور استہزا گوئی غالب تھی۔ کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ سُناتا۔ یہاں تک کہ اپنے باپ اور اپنے بہنوئی شیخ محمد یحیٰی تک کو بھی نہ چھوڑا۔ فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قدرت تھی۔ شیعوں کے ساتھ بہت الفت تھی۔ "بد شگون رافضی تخلص من" استہزا میں کہتا تھا۔ ایک دن مُلا اشرف یکتا کے دو صاحبزادے اپنی غزلیں لیکر اس کے پاس آئے۔ اور تخلص ٹھیک کرنے کی التماس کی۔ ذرا فکر کرنے کے بعد بولا۔ تم ٹکتا اور تم بھکتا تخلص کیا کرو۔ (باپ یکتا۔ بیٹے ٹکتا اور بھکتا) نمونہ کلام یہ ہے:۔

مرا عبرت بدل از زلف ہندوی تو مے آید
کہ این کافر بقصد بوسہ بر روئی تو مے آید
تو در خواب ازل بودی چمن پیرای آغوشم
ہنوز از بستر و بالین من بوئی تو مے آید

ہر لحظہ بہ کربلا وطن مے خواہم　　آغشتہ بخاک و خون بدن مے خواہم

میر عنایت اللہ

میر حسن کنٹھ کے پوتوں میں سے تھے۔ دنیاوی دھندوں سے فرصت نہ ہونے کے باوجود معنوی کاموں سے غافل نہ تھے۔ عربی اور فارسی کے فاضل عالم تھے۔ شعر و انشاء میں بے نظیر سُلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم رح کی درگاہ پر روزانہ جاتے تھے۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ اور کشمیر سے بھاگ کر کرناہ میں پناہ لینی پڑی۔ وہاں سے یہ "منقبت" لکھکر آستانہ پر بھیجی۔

صبا سوئی جناب آنکہ خاک اوست آفاقے　　بروانہ بہر عرض حال در افتادہ مشتاقے

پس از عرض سلامم سورۂ لاا قسم خوانی | کہ عبیر از "فی کبد" حال دلم را نیست مصداقی
نہ تنہا ہمچو تیر جستہ دور از خانمانم من | بہ پیری چون کمانے گشتہ دارم جسم ناچاقی
شد از مشفقت صفحۂ عالم سیہ بنگر | چون من در دہر رہ شقِ مشقت نیست مشتاقی
گریزان از رہِ ننگ است ہر کس از اختلاط من | بمن کس را لغیر از عار نبود میل الحاقی
عنایت چون بجایم در پئے آب و علف رفتہ | کبوترات آخر ہمنشین گشتے بایلاقی

کرناہ میں وفات پائی۔ نعش کو وہاں سے لاکر سلطان العارفین کے آستانہ کے متصل مزار میں دفنایا گیا۔ نمونہ کلام بھی دیکھئے:-

این زخم دل ز غمزۂ چشم سیاہ کیست
وین نیم کشتہ بسمل تیغ نگاہ کیست؟
در بزم بادہ بادہ نخوردن گناہ من
چون جام بادہ خوردن خونم گناہ کیست

میرزا قلندر

محمد علی خان متین کا بھائی تھا۔ بچپن ہی سے شاعری کی طرف طبیعت لگی تھی۔ برجستہ شعر کہنے کے لئے مشہور تھا۔

محمد رضائی کرنٹ

بلند ذہن کشمیری شاعروں میں سے تھے۔ ملا ساطع سے اصلاح لیتے تھے۔ سنہ ۱۱۸۴ھ میں رحلت کی۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

شب کہ دل در یاد آل مصطفیٰ در نالہ بود
تار اشکم در دوا پیہا حسینی میبرود
رضا در فکر معنی بیر گشتی! ٭ بسر گردم کہ شد شعرت بیانی

خواجہ بہاء الدین

خواجہ لوز اللہ کے فرزند نامور اور برجستہ گو شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

بیادت در شب خوابیدہ بودم — قیامت شد مرا بیدار کردن

رحمت اللہ تمکین

فصاحت و بلاغت والے شاعر تھے۔ متقدمین کے انداز پر شعر کہتے تھے۔

مُلا محمد توفیق

جڈو قبیلہ سے تھے۔ مسجد جامع کے متصل مغرب کی طرف رہائش کا مکان تھا۔ شروع میں ملا ساطع سے اصلاح لیتے تھے۔ پھر محمد رضا ی مشتاق کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ خداداد طبیعت۔ لیاقت اور استعداد نے ملک الشعراء کشمیر کے درجہ پر پہنچایا۔ اکثر نقادوں کا خیال ہے۔ کہ ملا طاہر غنی کے بعد توفیق جیسا شاعر کشمیر میں نہ اٹھا۔ سوکھ جیون کی مجلس شعراء کا صدر حقیقی معنوی توفیق تھے۔ غزلوں کی دیوان خیال کی بلندی پر۔ مضامین کی رنگینی۔ الفاظ کی شیریں بیانی۔ معانی کی باریکی کے لئے مشہور ہے۔ علاوہ اس کے کئی رسالے۔ قصاید نعت اور منقبت ہیں۔ یوسف شاہ چک کے زمانے سے لیکر عہد عالمگیر تک تاریخ کشمیر دو ہزار بیتوں میں ہے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ توفیق شعر و شاعری کے سمندر کے آزمودہ کار تیراک تھے۔ ۱۱۹۷ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہے:۔ آبرو بود بگلزار سخن۔

نمونہ کلام "سراپا" سے:۔

فیجلا فتنہ دوران شد نتراے کافر	کہ ترا پشتی با بیعت چو کاکل بر سر
زلف امروز در جور بانکشودہ ست	مارا از روز ازل دشمن آدم بودہ ست
معنی مرغ شب آویز نمے فہمیدم	یافتم در خم زلفت چو دل خود دیدم
بینی و چشم و دو ابروی تو ای گل اندام	شاخ بادام دو بادام دو برگ بادام

سال عمرم بچہل آمد و قد شد مائل — چلہ گردید کمانِ اجل و من غافل!
راندہ عالمم و سوئی تو مے آیم باز — کہ خرد کاغذ باطل شد را کاغذ ساز

نمونہ کلام "دیوان" سے:-

زد پنجہ مجنون وخمار ابہانہ ساخت — انداخت جام و لغزش پا را بہانہ ساخت
بعالی ہمتی بر ہر کہ از دنیا نظر کردم — لبان مہر از روی نظر کردن گذر کردم
فریدون و قیصم وکامم ز رگ کام شد حاصل — نشکر را خاک کردم خاک را دیگر نشکر کردم
تیرہ بختان را ز نیکو شہرتی نکشود ہیچ — چون غلام خواجہ مفلس کہ نامش دولت است
بہار آمد کہ دل تنگی ز عالم رخت بر بندد — نسیم روح پرور خاطر را غنچہ نہ پسندد
رسد صہبا بر آید ابر گیتی بشگفد گل گل — بحال توبہ کاران آسمان گرید زمین خندد

باغوں اور جگہوں کو کس لطافت سے پیش کرتے ہیں:-

نور باغ عارضت بے نور شد از جوش خط
خود صفا پور رخت زالور شد از جوش خط
زالپور زلف را یک تار جمعیت نماند!
ماپچہا موں لبت مجبور شد از جوش خط

بروز حشر الہا چو نامہ علمم کنند باز — کہ آن روز باز خواہ ملنت!
بکن مقابلہ آن را بسر نوشت ازل — اگر زیادہ کمی ہست آن گناہ من است

خواجہ عبد الغفور

اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ گلشن کشمیر سے بلبل بے خانمان کی طرح شکستہ[3] پر و بالی کی حالت میں دہلی گئے۔ غازی الدین خان نے مشفق صیاد بنکر دانہ پانی سے نوازا۔ کچھ عرصہ کے بعد لاہور آئے اور معین الملک کو سراہتے رہے۔ یاد وطن نے چین سے رہنے نہ دیا۔ واپس کشمیر آکر محنت اور غربت میں دن گزار کر ۱۱۹۱ھ میں دنیاوی دھندوں سے نجات پا گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

برتخت تجلی چو شہ حسن برآید | ملک دل عالم ہمہ تسخیر نماید
درویش و غنی بندہ شوند از دل و جان | ہر یک بسجود از رہ اخلاص برآید
زود از نظرم گذشت آن یار | بار نگہم برو شود بار!!

مُلا عطاء اللہ ہما

مُلا محمد بلاقی کلو کے بیٹے تھے۔ مولانا سعد الدین صادق اور شیخ رحمت اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ نہ صرف شعر و انشاء ہی میں فاضل اور کامل تھے۔ بلکہ دوسری اخلاقی فضیلتوں میں بھی سبوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ایک لاکھ شعر۔ خزینۃ الاعداد۔ اور ذکر الصالحین۔ ان کی طبع زاد یادگار ہیں۔ ۱۱۹۴ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہے:۔ برداشت ہما سایہ ز فرق عالم۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

درین گلشن میپرس از برگ و سامانے کہ من دارم
زخشم گل ہمیں چاک گریبان است در بارم

برون از دلم شد تمنائے دنیا | برآمد مرا بعد عشر این تمنا!
چون حباب بادہ یکدم امید عشرتے | ماز بیرون و درون کردیم رنگین خانہ را
در مرتبۂ علیؑ نہ چو لست بہ چند | در خانۂ حق زاد باقبال بلند
ہر لاولدے کہ خانہ زادے دارد | شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

"(شاہ ولایت حضرت علی کرم تعالیٰ وجہہ کے متعلق مشہور ہے۔ کہ وہ خانہ کعبہ کے احاطے میں تولد ہوئے ہیں۔ خانہ کعبہ "خانہ حق" ہے۔ "حق" "لاولد ہے۔" لاولد" خانہ زاد ہی کو فرزند بناتا ہے۔ ہمانے چند لفظوں میں کسی خوبصورتی سے اس مضمون کو نہ صرف ادا ہی کیا ہے۔ بلکہ شاہ ولایت کے علو مرتبہ کو ثابت کیا ہے۔)"

مُلا عبد الغنی

مُلا مقیم ناطق کے بیٹے تھے۔ علوم متداولہ میں کمال رکھتے تھے۔ شاعری میں نامی اور گرامی تھے۔ ۱۱۹۴ھ میں رحلت پائی۔

عبدالوہاب ۔ ہمت

ذہن رسار کھنے والے شاعر تھے ۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

لطف کن لطف کہ از عین خطا آمدہ ام ۔ نافۂ نامہ[۳] سیاہم ز خطا آمدہ ام !

محتشم خان فدا

خواجہ حیدر کے بیٹے عبد اللطیف کے بیٹے متانت خان منصب دار کے عالیقدر بیٹے تھے۔ میرزا محتشم تاریخ ولادت ہے ۔ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد اٹھتی جوانی میں عیش و آرام اور کامرانی کے سامان ہونے کے باوجود ہندوستان گئے ۔ اور صوبیدار لاہور معین الملک کی صحبت میں باریاب ہوکر مدت تک اس کی مجلس کے زیب و زینت اور رونق بنے رہے ۔ اس کی وفات کے بعد کشمیر واپس آکر کریم خان داد حاکم کشمیر کے پاس کلی اعتبار پائے ۔ کمال کی موزون طبیعت رکھتے تھے ۔ اچھے اطوار ۔ نیک کردار اور ظریف مزاجی کے لئے مشہور تھے ۔ اشعار آبدار موتی ہیں ۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

ساغر بدست سرخوش از نالہ صبوحی ۔ بہ بہ چہ خوش رسیدی ساقی فداک روحی

این ابر و موسم گل این صبح و سوز بلبل ۔ بکشا سر خم مُل گر طالب فتوحی

صنما براہ مسجد بگذر پئے تماشا ! ۔ شکنند شیخ و صوفی ہمہ توبۂ نصوحی

چہ بود ز بام دولت اگرش چو مہ برآئی ۔ بدرت نشستہ باشم سحر و شام با صبوحی

مستزاد[۳]

از بزم حیات بادشاہان رفتند ۔ در چشم زدن
نرگس چشمان و خوش لقاہان رفتند چون گل ز چمن
بدمہری دہر بین کہ باین زور ۔ زور ۔ اے وای وای
ازین کمران و کج کلاہان رفتند ۔ پوشیدہ کفن

حضرت جامی نے ایک نعت لکھی ہے:۔

یا محمد بمن بے سر و سامان مدد ے | قبلۂ دین مدد ے کعبۂ ایمان مدد ے

محتشم نے اسی بحر میں حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی منقبت لکھی:۔

غم زدل سر زدہ سر حلقۂ پیران مدد ے | دستگیر دو جہان حضرت میران مدد ے

دین و دنیا بگدایان درت مے بخشند | ماگدایان تو بر حال گدایان مدد ے

خلعت فقر و غنا ہر دو ترا مے زیبد | شاہ شاہان مددی پیر فقیران مدد ے

من بکس لیشت و دنیا عمل و ضعف قوی | پای دل ہٰ نذہ بگل ہمت پیران مدد ے

محتشم را تو بدانی کہ گدای درتست | شاہ جیلان مدد ے پیر امیران مدد ے

۲۱ شوال ۱۱۹۷ھ کو رحلت کی۔

باباکرم اللہ

ملا محمد صادق کے بیٹے تھے۔ فن شعر و سخن کے اچھے ماہر تھے۔ نمونہ یہ ہے:۔

سودہ ام کف بر خشش غیر گمان بد برد

مدعی ہرزہ مگو دست بمصحف دادم

۱۱۹۸ھ میں شہر خوشان کے ساکن ہوئے۔

حبیب اللہ ڈلو

خواجہ لوز اللہ کے ذہین۔ فکر رسا اور طبع موزون رکھنے والے فرزند تھے۔ خوش خطی۔ انشاء اور شاعری میں صاحب کمال تھے۔ ۱۱۹۸ھ کے کالرا کے تیر کا نشانہ بنے۔

نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے:۔

درخلوتش اگر بفضول جا کند کسے | کو جرأتے کہ بند قبا وا کند کسے

شب کہ بر رخ آن پری از زلف دام انداز بود

دل اسیر عشق بود و جان نثار ناز بود

در نظر بود آبخنہ دل میخور است زاسباب نشاط
مطرب مے بود دیگر بزم چنگ و ساز بود!

نعتیہ کلام یہ ہے:۔

بادشاہا زکرم چشم نگاہے دارم | از عدو باک ندارم چو تو شاہ دارم
بگذر از کین من ای چرخ کہ افتادہ نیم | چون رسول عربی پشت پناہ دارم

محمد رضا

قاضی ابوالوفا کے بیٹے تھے۔ زکی اور تیز طبع تھے۔ فن شعر و سخن کے اُستاد تھے۔

عصام الدین

میرزا حسام الدین کے بیٹے تھے۔ نبدہ تخلص کرتے تھے۔ مضمون بندی کی طرف زیادہ دھیان دیتے تھے۔ پر گو شاعر تھے۔ آزاد خان کے حالات نظم کئے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

شب بجایئے صحبتے باآن ستمگر داشتم! | دست ابرو در زیر پائی او سر داشتم
اے طپیدن طبل شاہی زد دلم در ملک عشق | طالع جمشید و اقبال سکندر داشتم
اے قلندر گوشہ گیران بار دنیا کے برند | چون کمان با وصف پیری خانہ بر دوشیم ما

محمد اکبر رفیق

محمد اشرف یکتا کے شاگرد تھے۔ سخنوری اور شاعری میں بے بہا تھے۔ عزت اور تنگدستی نے کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ معیشت کے موجب پنجاب گئے اور وہیں رحلت کی۔

فاخر

مُلا عطاء اللہ ہما کے شاگرد تھے۔ فارسی اور کشمیری میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ نعت اور منقبت۔ قصیدے اور غزلیں ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے بے شمار ہیں۔

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رح کی تعریف میں ایک مخمس لکھی ہے۔ ایک بند مطلع کا نثر گا ملاحظہ ہو:۔

للّٰہ الحمد کز جناب امیر — نزورم بر در امیر و وزیر
سوئی ختلان روم من از کشمیر — گویم از سوز دل بخدمت پیر
یا امیر کبیر دستم گیر

مُلا محمود

مُلا اکبر رفیق کے شاگرد تھے۔ واؔلا تخلص کرتے تھے۔ مقیمان شحنہ کے گھر میں ساری عمر تعلیم پڑھاتے رہے۔ موزون اور روان طبیعت رکھتے تھے۔ سلوک اور فقر کی چاشنی میں بھی رکھتے تھے۔ تنہائی میں عمر گزاری۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

بعینہ چون حبابے چشم وا کن عین دریا شو
زخود بیگانہ گرد و آشنائے مشرب ما شو

محوی

ملا اکبر رفیق کے شاگرد تھے۔ سادہ شعر کہتے تھے۔ ملا عبداللہ کے ساتھ چشمک تھی۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہجو اور ہزل کر کے خبر لیتے تھے۔ چائے کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جو چائے کے دلدادوں کے دماغوں کو تازہ بنانے والا ہے۔ آپ کی طبیعت شگفتہ بنانے کے لئے بطور نمونہ اس میں سے کچھ دیا جاتا ہے:۔

چائے یا اکسیر تن یا راح روح ماست این
یا دماغ آشفتگان را فرحت دلہاست این!!
چائے یا آب حیات مردگان خواہاست!
یا مگر سرمایہ بیداری شبہاست این

:-:-:-:-:

چائے کو عیزت فزای بادۂ خلاشس بگو
یا رحیق سلسبیل جنّت الماوی است این

یارب این فولیست[۱] یا کافور پُر نور بہشت
یا طبا شیری برای سوزشِ دلہاست این

شیر او بہتر ز شیر مادرِ گیتی بود
طرفہ تر شیر یکہ ہم آغوش خونہاست این

مسکہ اش پر روغن گاوِ زمین چربیدہ ست
بلکہ از گاوِ فلک ہم برتر و بالاست این

در نمک یک پردہ افزد نعمت از ہر نعمتی
چائے دار دگر بگو ہم سیّد النعماست این

پتلۂ چائے است این یا عنبرِ طاسِ قمر
چشمۂ خورشید یا قندیل بزم چاست این

در میان جامِ چینی جلوۂ دیگر دید
لاجرم چون لعبتِ چینی بسے رعناست این

بہر انساں شکم پُر کردنش مقصود نیست
بہر تفریح دماغ و فرحتِ دلہاست این !

جلوہ گر شد چون ساغرہای چینی بر بساط
شد یقینم بادہ از عالم بالاست این

دم مزن از مدحتِ چائے خطا جائے خطاست
تو کجی وصفِ چا محوی نہ حد ماست این!

مُلّا حبیب اللہ دار

تیز ذہن۔ زکی۔ فہیم۔ اور عالی فطرت شاعر تھے۔ تعلیم پڑھانے میں عمر گزاری۔ نمونہ کلام سے

۱؎ سوڈر

...ندازہ لگائیے :- دمادم زلف را بر قتل من گردد کمر پیچی
چرا اے شوخ بے انصاف بر ہیچ اندر این پیچی

مُلا عبیدُاللہ

مُلا ابوالخیر کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ باطنی صفائی بھی رکھتے تھے۔ تنہائی، تجردی اور تدریس میں عمر گزاری۔ آخر عمر میں پڑھانے کے پیشہ کو ترک کر کے شاہ منور حقانی زرپرستانی کے گھر میں رہنے لگے۔ ہر صنف سخنی میں طبع آزمائی کی ہے۔ قصاید، غزلیات نعت اور منقبت بہت کہے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے شمایل شریف کو نظم کیا ہے۔ اپنے شاگرد میرزا مجرم سے چپقلش تھی۔ اس کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

اے خوک پوک طینت وی مجرم دیوس
بولفند رغرچہ و گرد نگ فرطبوس

اے جا مغول مردین وی دامغول کرد
داغول ہندو کابل و ناتول سندروس

نمونہ کلام بھی ملاحظہ فرمائیے:-

سرو اگر ہمسر لعبدت شد تبر زمینش سزاست
لاف افتادت تزر و اردادشاہیش سزاست

بر بساط دہر آن شاہے کہ بے احسان نشست
چون شہ شطرنج مات از کشتِ فرزینش سزاست

خانہ چشم عبید از اشکباری شد تباہ
اے آنکو خانہ بر دریا کند امینش سزاست

تشبیہ دو رخسارِ تو و بینی تمین
ماہے است بانگشت نبی گشت دو پارہ

سنہ ۱۲۶۸ھ میں اسی برس عمر پاکر رحلت کی۔ شاہ قاسم حقانی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

انتقال کے وقت "عطر اللہ مقبعی" خود فرمائے۔

مصطفےٰ خان

قاضی حیدر خان کے پوتوں میں سے تھے۔ مُلا عبد اللہ کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ بجتور تخلص کرتے تھے۔ موزون طبیعت والے تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ بجتور کے اعداد سے ان کی تاریخ ولادت حاصل ہوتی ہے۔ علم نحو کی کتاب کافیہ کو عربی میں منظوم کیا ہے۔ شعر گوئی اور پڑھانے میں عمر بسر کی۔ سنہ ۱۲۷۱ھ میں رحلت کی بلاشبوہ کی درگاہ کے صحن میں دفنائے گئے۔ "ملائے زبردست شد زین عالم" تاریخ ہے۔ ابو المعالی کے تتبع میں حضرت محبوب سبحانی کی منقبت بہت قبول ہے:۔

آن سرو مجسم جلوہ چو در باغ طرب کرد
چون ابرِ کرم خواہش گلگشتِ عرب کرد
این نخل چہ نخلیست کہ از میوہ رحمت!!
جان بخشی بغداد و عراقین و حلب کرد
گفتا قدمی ہذہ بر گردن خوبان!
تختِ عظمت تا ذلک افراخت عجب کرد
دریائے کَئے فیضِ قدم خورد بکیدت
صد کشتی ازان وقفِ لب جرعہ طلب کرد
بہ بجتور اے غوث بہ بین کو چو معالی
بر یادِ تو القادر بہ قادر ہمہ شب کرد!

بابا محمد کاظم

مُلا عبد اللہ کے شاگرد تھے۔ فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ہزل گوئی کو کمال کے تھے۔ میرزا مجرم کے ساتھ اَن بَن تھی۔ اس کی ہجویں لکھ لکھ کر دل کی بھڑاس

نکالی ہے۔ صفاپورہ کی مسجد کی امامت کرتے رہے ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ صفاپورہ میں دفن ہوئے۔

میرزا مہدی مجرم

تخلص مجرمؔ کرتے تھے۔ باپ شیعہ مذہب کا معتقد تھا۔ مجرم بچپن ہی میں سنی عقیدہ اور شیعہ عقیدہ میں موازنہ کیا کرتا تھا۔ سُنی عقیدہ میں اس کو یہ خوبی نظر آئی۔ کہ اہل بیت کی محبت رکھتے ہوئے رسُول خداؐ کے صحابیوں میں سے بہ کسی کی نفرت نہیں کرتے ہیں۔ اور تمام دوستان خدا کی تعظیم کرتے ہیں۔ یزید اور یزید کے مددگاروں اور طرفداروں کو لعنت کرتے ہیں۔ اسی قسم کی باتوں سے متاثر ہو کر شیعہ مذہب چھوڑ کر سُنی مذہب کا معتقد ہوا۔ حضرات اولیاء اللہ کا اعتقاد دل میں اتنا پیدا ہوا کہ ہمیشہ حضرت سلطان العارفینؒ کی درگاہ پر جانے لگا۔ اپنی لڑکیوں کو سنیوں کے ساتھ بیاہیں کی۔ اپنے وقت کے مسلّم الثبوت شاعر تھے۔ اکابرین شہر کے خلاف ایک شہر آشوب لکھکر کوچہ و بازار میں مشتہر کردیا۔ ملا عبیداللہ جو مجرمؔ کے اُستاد تھے۔ اس حرکت سے ناراض ہو گئے۔ مناظرہ منعقد ہوا۔ اور اُستاد نے اپنے شاگرد کے دل کو زبان کے نیزے سے مجروح کردیا۔ نمونہ کلام دیکھکر دادِ سخن دیجئے:۔

فداسازم دل و جان آن جفا ساز ستمگر را
ادا و ناز چشم نیم باز غمزہ پرور را

بہ گلشن چون روم در خاطرم آید سراپایش
نمے بینم گل و نسرین و شمشاد و صنوبر را

زہرہ طشت آورد از مہ آفتابہ از آفتاب
چون کنیزان کردہ خم سر از پئے پاشوی تو

فضل حق شافی است درد طبیبان ہیچ نیست
حرز تائید ازل کافی است بر بازوی تو

بلبل از فرقت گل غلغل قند زنگ تو کو   عجز تو زاری تو شور تو آہنگ تو کو

پیش آن چشم فسون ساز چه بد فی نرگس	ناز تو طرز تو انداز تو نیرنگ تو کو
نزد لعلش چه زنی دم ز نجابت گوهر	قدر تو قیمت تو رونق تو رنگ تو کو
مطربا بزم طرب مرده شد آخر تو بگو	ساز تو ملک تو طنبنک تو چنگ تو کو
جامه در خون تو کشی لاله بهمدردی من	سوز داغ تو درد تو اورنگ تو کو
مجرم این کوس شهی چند زنی بر در خود	رخت تو بخت تو اکلیل تو اورنگ تو کو

مجرم قصیدہ گو اور درباری شاعر بھی تھے۔ ایک دفعہ حلبی شیخ مفیم نے کرتہ بنانے کیلئے چھینٹ بھیجدی۔ کپڑا اردی تھا۔ مجرم نے واپس کر دیا۔ اور یہ چند شعر بھی واپس بھیجئے:۔

صاحبا صدرا ز خوئی بندگان درگهت	شکوه کردن زهرهٔ این بندهٔ درگاه نیست
نه گره هر پنج و شش گز چھینٹ بعد از هفت سال	خلع فرمودند این شش پنج بے اکراه نیست
نے همه پودش چو پود تار عاشق بوده سست	تار تارش در گسستن کم ز تار آه نیست
بر سر پنج عنکبوتے نقط افگنده مگس	ورنه این صنعت طرازی طاقت جولاه نیست
پیرهن گر سازمش از ستر عورت کوته است	عیب دیگر اینکه عیب دیگرم کوتاه نیست
هر چه هست از قامت ناساز بے اندام ماست	ورنه تشریف بر بالائے کس کوتاه نیست

کتنی کہنے کے انداز بیان پر غور کیجئے۔ خصوصاً اس شعر کے:۔

پیرهن گر سازمش از ستر عورت کوته است	عیب دیگر این که عیب دیگرم کوتاه نیست

ملا حمید اللہ

برہنگ کوہار کے علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔ شعر و سخن کیلئے خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے تعلیم و تدریس کا کام ہمیشہ جاری رکھا۔ آخر عمر میں اسلام آباد آئے تھے۔ اور تاریخ وفات خود کہی ہے:۔

۱۲۶۴ھ

عزیز من گر کسے پرسدت	بگویش بخلا برین شد حمید

نمونہ کلام یہ ہے:۔

خوشا دل کشا روزگار شباب	فتنے منش دیدہ بودم بخواب!
چه مقبل کسے کو بود در کنار	بت نازنین لعبت گلعذار!
دمے جائے شیری بود نوش او	گہے یار گلرخ در آغوش او

لہذ جملہ اسباب شاہی بہ پیش — بروز جوانی دہد داد عیش ! !

کبیری

دیہاتی شاعر تھے۔ برجستہ کہتے تھے۔ فطرت پر نظر تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

نافرمان گفت با خطائی — ایمان ز خدا بود عطائی !

لفظی مناسبت کے ساتھ معنوی مناسبت کمال کی ہے۔ "نافرمان" ایک خوبصورت پھول ہے جو "خطائی" پھول سے کئی وصفوں میں برتری رکھتا ہے۔ کبیری "نافرمان" اور خطائی کی آپس میں بات چیت سے نور ایمان عطائی ہونا کس لطافت سے ثابت کرتا ہے۔

یاسین خان

پرگنہ بیروہ کے دیہاتوں میں معلمی کر کے سامان معیشت مہیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی شہر بھی آیا کرتا تھا۔ اور دولت مند لوگ قدردانی کرتے تھے۔

خواجہ حسن زہگیر

نیک مرد۔ پرہیزگار خدا دوست شاعر تھے۔ طبع رسا رکھتے تھے۔ ذکاوت اور دانائی میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ آبدار شعر کہتے تھے۔

خواجہ حسن کول

کشمیر کے شریف زادوں میں سے تھے۔ امرتسر میں کاروبار تھا۔ اور اسی سلسلے میں ساری عمر وہیں گزاری نہایت بلند پایہ کی موزون طبیعت تھی۔ شعری تخلص کرتے تھے۔ اسی زمانے میں دہلوی شعرا مثلاً میرزا غالب۔ ذوق وغیرہ کا شہرہ دور دور تک پھیلنے لگا تھا۔ شعری ایک دفعہ دہلی گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مشاعرہ پر انہوں نے اپنا فارسی کلام سنایا۔ اور شعرائے ہند سے داد سخن پایا۔ پنجاب میں عمر گزارنے کے باوجود اردو کی طرف توجہ نہ کی۔ اور نہ کوئی کشمیری نظم ان کی مشہور ہے۔ فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ قصیدے اور غزلیں اعلیٰ پیمانے کی ہیں۔ چار درویش کو منظوم کیا ہے۔ نبذۃ الاخبار قابل مطالعہ تصنیف کی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

هر کہ دل دارد دریغت غارت زمینش سزاست | آنکہ با صلحت نسازد کشتن از کینش سزاست
بر لب اطِ جرأت پابوس خویم قائم است | گر کنی پامال ہمچون نقش قالینش سزاست
زان دہانِ تنگ دارد ہر کہ میل بوسہ | در سخن پنہان شدن چون لون تنوینش سزاست
سبزہ نوسر زدہ پیش خطش ائے باغبان | گر دہی برباد ہمچون کاہ پارینش سزاست
معنی رنگین شعری را تمنا ہر کہ کرد ! | گر شود از اشک گلگون چہرہ رنگینش سزاست
دل از خیال جمال رو ہت چمن نگردد دگر چہ گردد | مشام جان از نسیم کویت سمن نگردد دگر چہ گردد

شعری نے بھی تاریخ وفات خود کہی ہے :-

سال تاریخ فوت خود شعری | رد ندا رحمت خدا آمد

۱۲۹۸ھ

محمد شاہ فصیح

اپنے والد مُلا محمود کے شاگرد تھے۔ محلہ صورہ کی مسجد کی امامت پر گذارہ تھا۔ سنجیدہ شاعر تھے۔ نمونہ کلام ہے۔

اے سرو بندۂ قد بالائے کیستی؟ | بلبل غلام زلف چلیپائے کیستی ؟
نرگس نگوںساری وزاریت را سبب | بیمار نرگس خوش شہلائے کیستی ؟
خوابم نمے برد رفغان نوائے فصیح | شب تا سحر بہ ہے ہے ہے ہائے کیستی ؟

اسد اللہ راجہ

نجی تخلص کرتے تھے۔ ساری عمر تعلیم پڑھاتے رہے۔ مولوی عبد القدوس مفتی کے شاگرد تھے۔
ان کی خداداد موزون طبیعت کو ملاحظہ فرمائیے :-

ماہ جامہ عید من جامہ بدندان گرفت | دیدۂ ز جامہ دان غم جامہ زقطران گرفت
خون جہاں فرزند پرست خون خرس شراب مست و مرد | نجی و خون دل بدست شکر گزا این آن گرفت

سنہ ۱۲۸۷ھ میں جان بحق ہو گئے۔

خواجہ محمد شاہ نروری

شہر کے شریف زادوں میں سے تھے۔ تخلص وفا کرتے تھے۔ مدرسی کا پیشہ کر کے معیشت کا سامان مہیا کرتے تھے۔

نمونہ کلام یہ ہے :

چون حباب چشم واکن دبین نہ نقش بر آب ! | کہ حباب عین آبی بدر آ ز خویش دریاب

آن رنگ پران چہرۂ گل ! — آتش زنِ دودمان بلبل

از خانۂ میکہ میجز اُمید — وز ناز بسوئی ہر کہ میدید

کارش بہ نگہ تمام میکرد — القصہ کہ قتلِ عام میکرد

خواجہ سعد الدین

خواجہ محمد نعیم درابو کے بیٹے شہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ فصیح بیان، شیرین زبان سخندان تھے۔ حسن تحریر اور تقریر کیلئے مشہور تھے۔

حاجی مختار شاہ اشائی

بڑے تاجر اور رئیس تھے۔ دور دور کے ملکوں میں تجارت کے موجب مشہور تھے۔ شیخ طیب رفیقی کے مرید تھے۔ شیخ احمد تارہ بلی اور امام علی شاہ منز چھتری کی نظر عنایت بھی رکھتے تھے۔ بڑے سخی تھے۔ فقیروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ انگریزوں کیساتھ کاروبار اور لین دین رکھتے تھے۔ ۱۲۸۷ھ میں حج کر کے آئے۔ اچھے پڑھے لکھے تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ لیکن اس فن کو معیوب سمجھتے تھے۔ ڈل کی تعریف میں یہ رباعی کہی اور میں (حسن) نے لکھکر رکھی:-

ڈل کہ صفائی آب کوثر دادند ! — از موج نسیمش آب دیگر دادند

جوہر زدہ از آئینہ چون صفا شود — این آئینہ را صفا ز جوہر دادند

یہ غزل ان کی طرف منسوب ہے:-

سرزد از بالا سری ہمسر بقدت سرو باغ — لخت لختش ہمچو مشعل سوختم سرتا بپا

شب چون شمع از سوز ہجر آن بت آتش لباس — دودمانِ جان خود افروختم سرتا بپا

گشت از سوہانِ دوری ہمچو سوزن قامتم — جامۂ عریانئ خود دوختم سرتا بپا

حاجی از سودائے زلفش شد پریشان ہوش من — درس تعلیم جنون آموختم سرتا بپا

۷ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ کو دنیا سے چل بسے۔ میاں محمد امین دار کے مقبرہ کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ ہے "دو ہفتم ماہ جمادی الثانی و آدینہ بود۔" عبارت سے جھینہ۔ تاریخ اور دن اعداد سے ۱۳۰۹ھ

تمام شد

تاریخ حسن جلد سیوم

در ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء بدستخط قاضی محمد حسین فرزند قاضی نظام الدین مرحوم خانیاری عفی اللہ عنہ
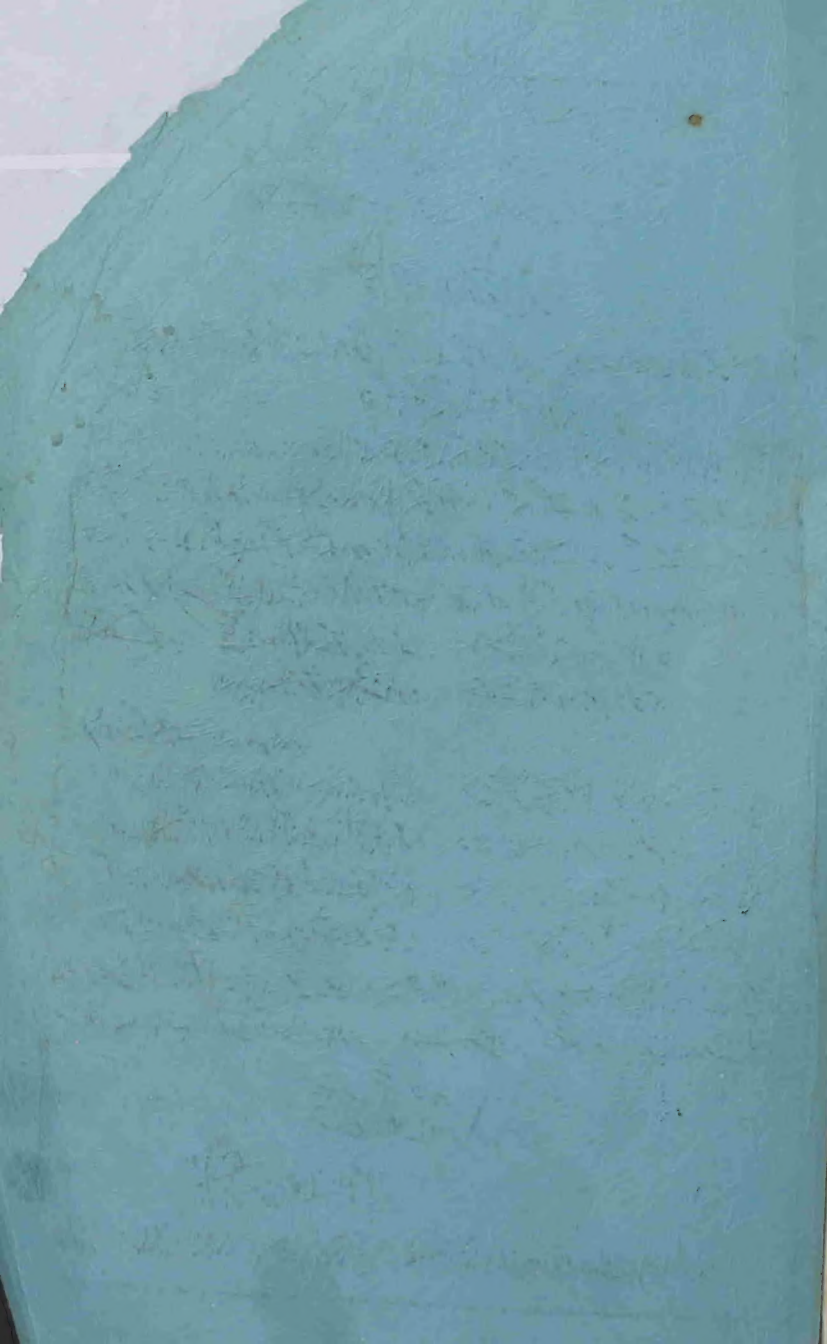
تاریخ حسن جلد دوم

یعنے

تاریخ کشمیر اردو

کشمیر کس طرح بنا اور کشمیر کا پہلا حکمران کون تھا کشمیری ہندوؤں ۔ بدھوں برہمنوں کے تمام خاندان جنہوں نے ہزاروں سال اس ملک پر حکومت کی ان کی مکمل تاریخ ان کے بعد اسلامی دور میں کشمیر کے خود مختار حکمرانوں بڈشاہی خاندان اور اس کے بعد چکوں ۔ مغلوں ۔ پٹھانوں ۔ سکھوں اور ڈوگروں کے حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں ۔ یہ اقوام یکے بعد دیگرے کشمیر پر کس طرح قابض ہوئے ۔ اور کتنی دیر کس قوم نے ہم پر حکومت کی ۔ بڑے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے ۔

قیمت بلا جلد دس روپے ، مجلد پندرہ روپے ،

غلام محمد نور محمد تاجران کتب مہاراج گنج بازار
مالکان نور محمدی پریس سرینگر کشمیر